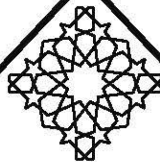
1

تاریخِ اہلِ حدیث

تالیف

ڈاکٹر محمد بہاء الدین



مکتبہ اسلامیہ

کتاب ---------------- تاریخِ اہلِ حدیث

جلد ---------------- اول

تالیف ---------------- ڈاکٹر محمد بہاء الدین

ناشر ---------------- محمد سرور عاصم

اشاعت ---------------- مئی 2011ء

قیمت ----------------



مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042-37244973

بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 041-2631204, 2034256

فہرست

عنوان | صفحہ نمبر

- عرض ناشر ....
- حرفِ چند: حافظ عبدالستار الحماد 11
- پیش لفظ: حافظ صلاح الدین یوسف 21
- مقدمۃ المؤلف، طبع دوم 31
- تقدیم : اصغر علی امام مہدی سلفی، دہلی 33
- تاثرات: ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری۔ بنارس 41
- تاثرات: ثناء اللہ سیالکوٹی۔لندن 46
- تاثرات: عبدالمعید عبدالجلیل مدنی۔علی گڑھ 49
- محسن جماعت کا تعارف: شیر خان جمیل احمد عمری برمنگھم 55
- عرض مؤلف: محمد بہاء الدین 59
- حدیث کے لغوی اور اصطلاحی معانی 74
- عہد صحابہ میں عمل بالحدیث 81
- عہد تابعین میں عمل بالحدیث 84
- عمل بالحدیث منصوص ہے 86
- قدامت مذہب اہل حدیث 91
- عمل بالحدیث کا ہر دور میں وجود 104
- اہل حدیث اور وہابی 115
- لفظ وہابی کی تاریخ 128

- عمل بالحدیث، بلا واسطہ مجتہد 142
- ماضی اور حال کے اہل حدیث 163
- سید عبدالقادر جیلانی کا مسلک 169
- شاہ ولی اللہ کا طریق فکر 173
- سواد اعظم 184
- ہندی وہابی 190
- ہند کے اہل حدیث 195
- اہل حدیث کی تعریف 199
- اہل حدیث کے چند عقائد 210
- خدا کی معیت 222
- جبر وقدر 231
- اتباع سنت 233
- امارت وامامت 237
- مقام صحابہ 251
- بدعت حسنہ 265
- کلمہ کی تشریح 272
- مضامین تقویۃ الایمان 275
- ثنائی تحریریں: رسالت وولایت 308
- استمداد بالغیر 310
- خلافت راشدہ 314
- وراثت انبیاء 321
- عرس۔ مولود 325

- نذر لغیر اللہ 331
- مسئلہ علم غیب 337
- رفع الیدین: تنویر العینین 345
- رفع الیدین: ثنائی تحریر 383
- رفع الیدین: شاہ ولی اللہ کی تحریر 387
- رفع الیدین: گنگوہی تحریر 388
- رفع الیدین: مسلک مودودی 390
- فاتحہ خلف الامام: ثنائی تحریر 392
- فاتحہ خلف الامام: گنگوہی تحریر 396
- فاتحہ خلف الامام: ابوالکلام آزاد کے خیالات 397
- فاتحہ خلف الامام: بنارسی تحریر 399
- ہدایۃ المعتدی فی القرأۃ للمقتدی 404
- آمین بالجہر: ثنائی تحریر 456
- آمین بالجہر: اثری تحریر 459
- مسئلہ آمین بالجہر عدالت میں 468
- القول المتین پر ریویو 483
- نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا 497
- رفع سبابہ 499
- وجوب جمعہ وظہر احتیاطی 502
- دیہات میں جمعہ 596
- مقامی زبان میں خطبہ جمعہ 509
- نماز تراویح 515

- طلاق ثلاثہ 520
- مفقود الخبر کی بیوی کا حکم 524
- استحسان فقاہت 530
- تقلید کا محل جواز وعدم جواز 534
- تسہیل علم قرآن وحدیث 542
- علم متن حدیث 544
- علم اسانید 546
- اقسام حدیث 550
- اتباع سنت پر مرزا جانجاناںؒ کے ارشادات 552
- میاں صاحب کے درس حدیث کا اثر 557
- شاہ ابو اسحاق لہراویؒ 559
- مسئلہ رفع الیدین پر چند ابتدائی تصانیف 562
- ابوالکلام آزاد 564
- میاں صاحبؒ کا حجازی جبہ 567
- سر سید احمد خان 568
- ڈپٹی امداد علی 576
- شاہ احمد رضا خان 578
- ارشاد حسین رامپوری 579
- مفتی سعد اللہ 583
- سید حسن شاہ محدث 584
- ترک تقلید کی جانب ابوالکلام کا سفر 585
- شاہ محمد اسماعیل دہلوی 592

- الطاف حسین حالی 616
- سید اولاد حسن قنوجی 621
- اہل حدیث لیگ 624
- محمد بشیر شہید 672
- محمد بشیر الدین قنوجی 627
- تاریخ اہلحدیث، ابراہیمی 630
- ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ 634
- جمال الدین دہلوی 636
- حسن علی صغیر محدث 640
- حسین بن محسن انصاری 642
- خرم علی بلہوری 642
- دارالعلوم دیو بند کی مالی خدمت 643
- رباعیات کا قصہ 644
- رشید احمد گنگوہی 648
- محمد سعید بنارسی 649
- مفتی صدرالدین آزردہ 651
- عبدالحق بنارسی 656
- عبدالحکیم سیالکوٹی 659
- عبدالحق حقانی 659
- عبدالحلیم شرر 660
- عبدالحی بڈھانوی 666
- عبدالحی فرنگی محلی 668

- عبدالرحمٰن پانی پتی 670
- عبداللہ صادق پوری 673
- عبدالعزیز رحیم آبادی 675
- عبیداللہ پائلی 680
- عنایت علی عظیم آبادی 682
- مناظرہ رنگ پور 686
- غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ 689
- شاہ غلام علی دہلوی 691
- شاہ فاخر زائر الہ آبادی 692
- شاہ محمد فصیح غازی پوری 698
- فضل رسول بدایونی 699
- قطب الدین دہلوی 701
- محبوب علی دہلوی 703
- محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری 704
- محمد حسین بٹالوی 705
- محمد شاہجہانپوری 707
- محمود حسن دیوبندی 709
- شاہ مخصوص اللہ 719
- مسعود عالم ندوی 720
- مہدی علی محسن الملک 727
- ڈپٹی نذیر احمد دہلوی 730
- ولایت علی صادقپوری 732

- یحی علی عظیم آبادی 734
- کتابیات 736

عرضِ ناشر

مسلک اہلحدیث ایک فکر اور عظیم حقیقت کا نام ہے جسے جھٹلانا معاندین کے بس کی بات نہیں ہے اور نہ ہی کبھی حق، باطل کے حربوں سے نابود ہو سکتا ہے۔ یہ وہی دعوت ہے جو آج سے ۱۴۴۴ سال قبل فاران کے چوٹیوں سے نمودار ہوئی تھی۔ تب بھی مکہ کے باسیوں نے اس کو کچلنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اور آج بھی اس دعوت کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے میں اپنوں اور غیروں نے کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے۔

عام آدمی کو اس دعوت حق سے دور رکھنے کے لیے لفظ ''وہابی'' ایجاد کیا گیا اور اس کو ایسی خوفناک شکل دی گئی بعض لوگ وہابی کو انسان کے علاوہ کوئی اور مخلوق تصور کرتے ہیں۔ بعض لوگ تھوڑی کسی تحقیق کے بعد تعجب کرتے ہیں کہ ہمیں تو یہ کہا گیا تھا کہ وہابی کافر ہیں نہ ہی اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کے فرامین کو تسلیم کرتے ہیں، نہ ہی ان کے دل میں قرآن مجید کی کوئی قدر ہے اور نہ ہی اولیاء اللہ کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں مگر وہابی تو نماز بھی پڑھتے ہیں، روزہ بھی رکھتے ہیں، اذان بھی ہماری طرح ہی دیتے ہیں، قرآن پہ بھی یقین رکھتے ہیں۔ پھر اس کا مطلب ہے کہ ہمارے مذہبی پیشواؤں نے ہمیں گمراہ کیے رکھا۔

اس طرح بعض لوگ بڑے زور وشور کے ساتھ کہتے ہیں کہ ''وہابی'' انگریز کے ایجنٹ ہیں۔ انگریز نے انہیں برصغیر میں متعارف کرایا اور ان کو مالی سپورٹ کی تاکہ یہ لوگ دین محمدی ﷺ کو نقصان پہنچا سکیں۔ (نعوذ باللہ)

جب ہم یہ مضحکہ خیز دعوی پڑھتے یا سنتے ہیں تو بے ساختہ یہ شعر زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

ے جن کا دعویٰ ہے بیاباں کو سنوارا ہم نے
ان سے پوچھو کہ اجاڑے ہیں گلستاں کس نے؟

ڈاکٹر ہنٹر اپنی کتاب (Indian Muslman,s) میں کہتا ہے: مولانا یحییٰ علی (مشہور اہلحدیث عالم) مجاہدین کو مبہم زبان میں خط لکھتے جو کسی دوسرے کو قطعاً سمجھ نہ آتا اور یہ انگریز

کے خلاف مجاہدین کو بندوقیں فراہم کرتے۔ ایک دوسری جگہ کہتا ہے: وہابیوں کا عقیدہ اختیار کرنا انتہائی مشکل ہے۔

پھر کہتا ہے، ہندوستانی وہابیوں نے اپنے فروعی اختلاف ختم کر کے اپنی تمام تر توجہ جہاد پر مبذول کر دی۔ اور کہتا ہے اگر وہابیوں کے انگریز کے خلاف جہاد پر لکھنا شروع کیا جائے تو ایک بڑا رجسٹر چاہیے۔ اس جماعت نے انگریز کے خلاف اور جہاد کے حق اور جہاد کی فضیلت پر بہت سا لٹریچر بھی طبع کروایا جس میں انگریزی حکومت کے زوال کی پیش گوئیاں بھی کی گئی ہیں (ص ۹۹)۔

الغرض: اپنوں اور غیروں نے حقائق پر جھوٹ کی ایسی ملمع سازی کی کہ حق کو پہچاننا مشکل ہو گیا۔

ایسے قلمکاروں نے یہ خیال بھی نہ رکھا کہ وہابیوں کو جس شخص کی طرف منسوب کیا گیا اور جس کے نام پر ''وہابی'' لقب تیار کیا گیا ان کا نام ''محمد بن عبدالوهاب رحمۃ اللہ علیہ'' ہے۔ اس مناسبت سے وہابیوں کا نام ''محمدی'' ہونا چاہیے تھا اور انہوں نے یہ بھی غور نہ کیا کہ اہلحدیث نہ ہی تو ان کی پیروی کرتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کو ان پیچھے چلنے کی تلقین کرتے ہیں بلکہ وہ تو اس خالص دین کی طرف بلاتے ہیں جس کی بنیاد یا تو اللہ تعالیٰ کے فرمان پر ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر ہے۔ کسی اور چیز کی قطعاً کوئی دعوت ہی نہیں ہے۔

ڈاکٹر بہاؤ الدین حفظہ اللہ نے تاریخ اہلحدیث پر اس قدر جامع کتاب مرتب فرما کر انتہائی عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اس کاوش سے جہاں اہلحدیثوں کے خلاف اڑایا گیا غبار چھٹے گا ان شاء اللہ وہاں اہلحدیث کی علمی، عملی اور نفاذِ دین کے لیے کی گئی کوششوں سے بھی آگاہی حاصل ہوگی۔

مکتبہ اسلامیہ اس کتاب کو طبع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے اور اس سے قبل بھی خالص توحید وسنت پر مبنی لٹریچر طبع کرنے کا اعزاز ادارہ کو حاصل ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اس کتاب کو مؤلف، ناشر اور تمام معاونین کے لیے ذریعہ ہدایت اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

دعا گو:

محمد سرور عاصم

حرفِ چند

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفی برجان مسلم داشتن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اہل حدیث ایک تحریک ہے، جس کے پیش نظر قول و عمل کے ذریعے صحیح اسلام کی ترجمانی کرنا ہے، دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب سے رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں اسی وقت سے یہ تحریک قائم ہے اور اس کا نصب العین أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ کی دعوت اور محدثات و بدعات کی تردید ہے، اگر رسول اللہ ﷺ کی احادیث نئی ہیں تو یہ تحریک بھی نئی ہے اور اگر احادیث کا وجود چودہ سو سال سے ہے تو اس تحریک کا وجود بھی چودہ سو سال سے ہے۔ یہ تحریک رسول اللہ ﷺ کے درج ذیل فرمان کا پورا پورا مصداق ہے:

''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم (صحیح دین) پر قائم رہے گا ان سے روگردانی کرنے والا یا ان کی مخالفت کرنے والا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا تا آنکہ اللہ کا امر (قیامت) آجائے، اس وقت بھی یہ جماعت اسی راستہ پر گامزن ہوگی۔'' (صحیح بخاری، المناقب: ۳٦٤١)

امام بخاری نے کتاب الاعتصام میں اس امت قائمہ کی تعبیر ''اہل علم'' سے کی ہے۔

(صحیح بخاری، الاعتصام، باب: ١٠)

امام بخاریؒ کے نزدیک علم سے مراد حدیث ہے یعنی اس سے اہل حدیث مراد ہیں۔ چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ امام بخاری سے سنا انہوں نے اپنے استاد علی بن

مدینی کے حوالے سے بیان کیا کہ اس سے مراد اہل حدیث ہیں۔ (ترمذی، الفتن: ۲۲۲۹)

یہ امت قائمہ پہلے پہل صحابہ کرام کی شکل میں تھی، پھر تابعین اور تبع تابعین اس کا مصداق بنے، اس کے بعد محدثین عظام اس معیار پر قائم رہے۔ بہرحال آج تک یہ گروہ کسی نہ کسی انداز میں قائم چلا آرہا ہے، جس نے ہر دور میں کتاب وسنت کو اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اصحاب الحدیث، اہل حدیث، اہل اثر اور سلفی وغیرہ ناموں سے عالم اسلام میں متعارف اور موجود ہیں۔ اس کی تائید درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا باقی سب جہنمی ہوں گی۔“

رسول اللہ ﷺ نے اس فرقہ کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والا ہوگا۔“ (ابو داود، السنة: ٤٥٩٦)

ہمارے نزدیک جماعت اہل حدیث ہی طائفہ منصورہ، فرقہ ناجیہ، حق کی علمبردار، جماعت عادلہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل کو اختیار کیے ہوئے ہے اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا رہبر ورا ہنما نہیں مانتی۔

یہی وہ جماعت ہے جو سنت کو مدار عمل ٹھہرانے میں انتہائی حریص اور ردِ بدعات میں نہایت بے باک ہے، اسے کسی کی مخالفت، ملامت یا طعن و تشنیع کی کوئی پروا نہیں، اس کا ہدف صرف عمل بالحدیث اور انکار بدعات ہے۔ معاشرہ میں پھیلے ہوئے رسم ورواج کو یہ جماعت سنت رسول کی نگاہ سے دیکھتی ہے اگر ان میں سے کوئی چیز سنت کی میزان میں پوری اترتی ہے تو اسے فوراً قبول کر لیا جاتا ہے اور اگر کسی چیز کا کوئی بھی گوشہ سنت سے متصادم ہے تو اس سے اعراض کر لیا جاتا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس تحریک کی خصوصیات بایں الفاظ ذکر کی ہیں:

”اہل حدیث کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو تمام لوگوں سے زیادہ تلاش کرتے ہیں، آپ کی اتباع ان کے نزدیک انتہائی

مرغوب اور جو چیز رسول اللہ ﷺ کے فرمودات کے خلاف ہو اس سے دور بھاگتے ہیں۔'' (منہاج السنہ، ص: ۱۷۹، ج۲)

ایک دوسرے مقام پر مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اہل حدیث، اہل سنت والجماعت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ اصول وفروع میں قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو مرکز اتباع ٹھہراتے ہیں اور ان امور کی پیروی کرتے ہیں۔ جن پر صحابہ کرام گامزن تھے۔''

(منهاج السنة، ص: ۱۰۳، ج۲)

امام ابن تیمیہؒ نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اہل حدیث کوئی نیا مذہب نہیں ہے بلکہ یہ ائمہ اربعہ سے پہلے کا مذہب ہے اور صحابہ کرام بھی اسی کے مطابق عمل کرتے تھے چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

''اہل سنت کا یہ معروف مذہب ہے جو امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی پیدائش سے بہت پہلے کا ہے اور یہی مذہب صحابہ کرام کا ہے، جس کی تعلیم انہوں نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی۔ جو لوگ اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں گے، اہل سنت کے ہاں ان کا شمار اہل بدعت سے ہوگا۔''

(منهاج السنة، ص: ۱۷۰، ج۲)

امام ابن تیمیہؒ نے سچ فرمایا کہ اہل حدیث حضرات کا مسلک وہی ہے جو صحابہ کرامؓ کا تھا کیونکہ معروف ائمہ اربعہ جن کے نام پر مذاہب اربعہ کی داغ بیل ڈالی گئی، وہ اس وقت ابھی دنیا میں رونق افروز نہیں تھے چنانچہ ابوحنیفہؒ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ ہجری میں انہوں نے سفر آخرت اختیار کیا۔ امام مالکؒ ۹۳ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ ہجری میں وفات پائی۔ امام شافعیؒ ۱۵۰ ہجری میں اس عالمِ رنگ وبو میں تشریف لائے اور ۲۰۴ ہجری میں یہ آفتاب غروب ہوا اور آخر میں امام احمدؒ بن حنبل کی ولادت ۱۶۴ ہجری میں ہوئی اور ۲۴۱ ہجری میں عالم جاودانی میں تشریف لے گئے۔ اس بناء پر ہم واضح طور پر کہتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے کوئی

حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی نہ تھا۔ ان کے دور میں خالص کتاب وسنت کا سکہ چلتا تھا، کسی امام کی تقلید کا ہرگز ہرگز کوئی تصور نہ تھا۔ جب ائمہ فقہ کی پاکباز ہستیاں دنیا میں موجود ہی نہ تھیں تو تقلید کس کی، کیسے اور کیوں کی جاتی؟ تقلید کا سلسلہ کئی سو سال بعد جاری ہوا چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''معلوم ہونا چاہیے کہ لوگ چوتھی صدی ہجری سے پہلے کسی ایک معین مذہب کی تقلید پر جمع نہ تھے۔'' (حجة الله البالغة، ص: ۱۵۲، ج ۱)

جماعت اہل حدیث کی خصوصیت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر کسی موقع پر ان میں اختلاف ہو جاتا تو ان کے ہاں اس اختلاف کے فیصلے کا حق صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کو ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور جس امر میں تم اختلاف کرتے ہو اس کے متعلق فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔'' (۴۲/الشوریٰ: ۱۰)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے تمام اختلافی مسائل میں اللہ کے کلام یعنی قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا چاہیے پھر چونکہ قرآن، اللہ کی اطاعت کو واجب اور رسول کی اطاعت کو اللہ ہی کی اطاعت قرار دیتا ہے، لہٰذا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے چنانچہ ایک دوسرے مقام پر اس کی مزید وضاحت ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (۴/النساء: ۵۹)

''اگر کسی بات میں تمہارے درمیان جھگڑا پیدا ہو جائے تو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس معاملہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو، یہ طریقہ کار بہتر اور انجام کے لحاظ سے اچھا ہے۔''

ان آیات کے پیش نظر تفرقہ بازی اور اختلاف سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ انسان کتاب وسنت کے سامنے کھلے دل سے سر تسلیم خم کر دے، اب ہم اس اصول کی ایک مثال سے وضاحت کرتے ہیں:

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی علمی مجالس میں ایک مسئلہ بڑی شد و مد سے بیان کرتے تھے کہ جو انسان فجر کے وقت جنابت کی حالت میں ہو وہ روزہ نہ رکھے۔ مروان ان دنوں مدینہ طیبہ کے گورنر تھے، انہوں نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے ابو بکر بن عبدالرحمٰن اور ان کے والد عبدالرحمٰن بن حارث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تو انہوں نے بتایا کہ بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں صبح کرتے تو روزہ رکھ لیتے، پھر غسل کر کے نماز فجر پڑھتے تھے، جب انہوں نے یہ رپورٹ مروان کو دی تو اس نے ان دونوں کو ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس حقیقت حال سے آگاہ کرنے کے لیے بھیجا، جب انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس امر کی وضاحت کی تو انہوں نے فرمایا کہ آیا واقعی انہوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟ بلا شبہ وہ مجھ سے زیادہ جانتی ہیں۔‘‘ (صحیح بخاری، الصوم: ۱۹۲۶)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے یہ مسئلہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا، میں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔ (صحیح مسلم، الصیام: ۱۱۰۹)

اس اصول کے برعکس قارئین تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اہلحدیث کے مخالفین اپنے ائمہ کرام کی تقلید اس طرح ضروری قرار دیتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں روایات صحیحہ کی بھی پروا نہیں کرتے چنانچہ ایک دیوبندی حنفی بزرگ فرماتے ہیں:

’’خیار مجلس کا مسئلہ اہم مسائل میں سے ایک ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں جمہور اہل علم اور بہت سے متقدمین و متأخرین کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے امام صاحب کی تردید میں رسائل بھی لکھے ہیں حتی کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے بعض رسائل میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کو احادیث اور نصوص کے اعتبار سے راجح قرار دیا ہے۔ اسی طرح ہمارے شیخ

مدّظلہ نے بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو راجح کہا ہے اور فرمایا ہے حق اور انصاف کی بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک راجح ہے مگر ہم مقلد ہیں اور ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید واجب ہے۔''

(تقریر ترمذی، ص: ۳۹)

ہماری درازنفسی کا مقصود یہ ہے کہ اہل حدیث کا موقف کس قدر واضح، صاف ستھرا اور گرد و غبار کی آلودگی سے صاف ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسرے مسلک کے حاملین صحیح احادیث پر عمل نہ کرنے پر مجبور ہیں کہ تقلید امام واجب ہے۔ ہمارا اس وضاحت سے مقصود صرف یہ ہے کہ اہل حدیث عقائد و اعمال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا دم بھرتے ہیں اور صحابہ وتابعین کے زاویہ فکر کو مبنی برصحت قرار دیتے ہیں، ہر دور میں ان کا یہی اسلوب رہا اور وہ اسی راستہ پر گامزن رہے ہیں۔

واضح رہے کہ عمل بالحدیث اور تمسک بالسنۃ کی اس تحریک نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں برصغیر کے دروازے پر دستک دی اور اپنی تابناک روایات، متوازن پالیسی کے ساتھ راہ اعتدال اختیار کیے ہوئے اس میں داخل ہوئی پھر یہ اولین نقوش تاریخ کے ایک تسلسل کے ساتھ پوری تیزی سے ابھرے اور نمایاں ہوتے چلے گئے تاہم اس تحریک کو زیادہ فروغ تیرھویں صدی کے اوائل میں ملا، جس میں نواب صدیق حسن خانؒ، شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلویؒ، مولانا محمد حسین بٹالویؒ اور شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی مساعی جمیلہ کا حصہ وافر مقدار میں شامل ہے۔

اس تحریک کا راستہ روکنے کیلیے بریلی شہر سے تو صدائیں بلند ہونا ہی تھیں لیکن ابنائے دیوبند بھی اس کام میں پیچھے نہیں رہے، اس کے باوجود اللہ کی تائید و نصرت سے یہ کاروان توحید وسنت اپنے حسن کی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ اس قافلہ حدیث کے فکر میں تدبیر و تنظیم کا اختلاف تو ممکن ہے لیکن فکر و نظر کے اختلاف کا دور دور تک کوئی نشان نہیں ملتا۔

برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جماعت

مصائب ومحن کے تسلسل سے دوچار رہی، اپنوں اور غیروں نے اسے تختۂ مشق بنایا لیکن ہر ابتلاء کے بعد اس کی توانائی میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی تھی کہ آزمائشوں کے تسلسل میں جماعت کی ثابت قدمی اور پامردی کی داستان رقم کی جائے اور اس کی ہمہ گیر اور ہمہ جہت خدمات جلیلہ کو مرتب کر کے ملت اسلامیہ کو اس سے بہرہ ور کیا جائے تاکہ عامۃ الناس بھی کتاب وسنت پر مبنی اسلام کی اس اولین تحریک کے اصل حقائق سے آگاہ ہوں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ اس عالمِ رنگ وبو میں ابھرنے والی تحریکات کو ابتلاء کے مراحل سے گزرنا ضروری ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں تحریک کے رجال تاریخ ساز کردار کرتے ہیں، اس کے بعد تاریخ نویس حضرات کی باری آتی ہے، جب وہ سرفروشی کی داستان رقم کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس تحریک کا سرچشمہ جذبہ اخلاص اور ایمان کامل کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر محمد بہاؤالدین کو جزائے خیر دے کہ وہ دیار غرب میں بیٹھے اس قرض اور فرض کو ادا کرنے کے لیے میدان میں اترے، انہوں نے مسلکی تڑپ رکھنے والوں کی اس دیرینہ خواہش کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھایا، اب تک تاریخ اہل حدیث کی چار جلدیں شائع ہوچکی ہیں، جبکہ ہمارے ممدوح کم از کم دس جلدوں میں تاریخ اہل حدیث کو مکمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ کے فضل وکرم سے یہ تاریخی دستاویز اور داستان عزیمت، جماعت اہل حدیث کے اصول ومقاصد اور خصائص وامتیازات کے لیے ایک سنگ میل ثابت ہوگی۔ موصوف اپنی تالیف کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> ''ہماری یہ کتاب جماعت اہل حدیث کے مستقبل کے عزائم کا بیان نہیں بلکہ ''اقرأ کتابك'' کے مصداق ماضی کی سرگزشت ہے، عزائم ہمیشہ بلند اور سہانے ہوتے ہیں جبکہ ماضی کی حکایت بلندی وپستی کی روئیداد ہوتی ہے روئیداد سفر میں ایسی جگہوں سے گزر بھی ہوتا ہے جو قابل ذکر نہیں ہوتیں اور نخلستانوں ومرغزاروں کی معطر فضاؤں سے گزر بھی ہوتا ہے۔''

قارئین کرام کی آگاہی کے لیے عرض ہے کہ ہمارے ممدوح آج کل تاریخ اہل حدیث

کے علاوہ تحریک ختم نبوت کا بھی ایک خوبصورت گلدستہ تیار کر رہے ہیں جس کی بارہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں جلد بھی تیار ہے جبکہ سولہویں سترھویں اور اٹھارہویں جلد پر کام ہو رہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جب آئندہ نسلیں موصوف کے اس کارنامہ پر نظر ڈالیں گی تو انہیں غیر معمولی مسرت نصیب ہوگی اور وہ اس مرد مجاہد کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا کریں گی۔ جس نے وسائل کی کمی کے باوجود اور علاقہ سے دوری کے باوصف ان کے اسلاف کی دینی اور علمی خدمات کو صفحہ قرطاس پر رقم کر کے انہیں خوب خوب اجاگر کیا۔

کچھ مؤلف کے بارے میں:

تاریخ اہل حدیث کے مؤلف ڈاکٹر محمد بہاؤ الدین میرے علاقہ بورے والا ضلع وہاڑی سے تعلق رکھنے والے، بابائے قوم حضرت مولانا عبداللہ گورداسپوری کے فرزند ارجمند اور میرے ہم پیالہ وہم نوالہ حافظ محمد لقمان مرحوم کے بڑے بھائی ہیں۔ انہوں نے ۱۹۷۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے اسلامیات کی ڈگری فرسٹ پوزیشن میں حاصل کی (جب کہ پورے پاکستانی پنجاب میں ایک ہی یونیورسٹی تھی) اور انہیں نمایاں کامیابی پر گولڈ میڈل ملا، پھر اگلے سال ایم۔ اے عربی کا امتحان دیا اور پوری پنجاب یونیورسٹی میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ اس کے بعد آپ ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۴ء تک جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں بی۔ اے کے طلبا کو انگریزی پڑھاتے رہے۔ مالدیپ سے دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کم وبیش ۲۵ طلبہ پر مشتمل پہلا گروپ جب پاکستان آیا تو جامعہ سلفیہ میں آپ ہی نے انہیں انگریزی کے ذریعے بنیادی اردو اور عربی سکھائی، آپ اس دوران جامعہ سلفیہ میں لائبریری کے انچارج تھے اور طبع وتالیف کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد تھی۔

مؤلف مذکور سے تین دفعہ میری واجبی سی ملاقات ہوئی۔ سب سے پہلے شہر بورے والا میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا جب میں چالیس سال پہلے مسجد اہل حدیث بورے والا میں ماہ رمضان کے موقع پر نماز تراویح پڑھانے کے لیے گیا۔ رمضان کے آخری عشرہ میں جماعت اہل حدیث کے معروف ہفت روزہ کے مینجر ان دنوں فراہمی چندہ کے لیے وہاں آئے، رات

کے وقت کسی نے ان کا سفری بیگ اٹھالیا تو انہوں نے مجھ پر اپنے شک کا اظہار کیا جبکہ میں وہاں اعتکاف بیٹھا ہوا تھا ڈاکٹر محمد بہاؤالدین اوران کے والد گرامی کی مداخلت سے معاملہ رفع دفع ہوا۔

دوسری ملاقات جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں ہوئی جبکہ مؤلف اس وقت وہاں طلباء کو انگریزی پڑھایا کرتے تھے، میرا وہاں اتفاقاً جانا ہوا تو سابقہ شناسائی کے حوالہ سے مختصر ملاقات ہوئی۔

تیسری ملاقات بہاولپور میں ہوئی، جب میں پی، ایچ، ڈی کی رجسٹریشن کے لیے بہاولپور یونیورسٹی گیا، موصوف ان دنوں یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ ملاقات کے لیے میں ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوا تو گھر سے پتہ چلا کہ ہمارے ممدوح ابھی یونیورسٹی سے واپس نہیں آئے چنانچہ بندہ نے یونیورسٹی میں ان سے ملاقات کی سعادت حاصل کی۔

مؤلف موصوف انتہائی سادہ منش، درویش صفت، خوش اخلاق، باکردار اور منصف مزاج قسم کے انسان ہیں۔ خوش طبعی انہیں اپنے والد گرامی سے وراثت میں ملی ہے، تاریخ نویسی میں یدطولی رکھتے ہیں، ان کی تاریخ اہل حدیث کی چار جلدیں انڈیا میں شائع ہوئی تھیں، اہل پاکستان کو شکوہ تھا کہ دہلی سے کتاب منگوانے پر بے پناہ خرچ ہو جاتا ہے، کتاب کی اصل قیمت سے کئی گنا زیادہ انہیں محصول ڈاک ادا کرنا پڑتا ہے، اس لیے اسے پاکستان میں شائع کیا جائے۔ پاکستان میں اس کی اشاعت کے لیے انہوں نے عزیز محترم محمد سرور عاصم مدیر مکتبہ اسلامیہ کا انتخاب کیا۔ تاریخ اہل حدیث جس طرح اپنے مندرجات کے اعتبار سے انتہائی اہمیت کی حامل ہے، اسی طرح مکتبہ اسلامیہ نے اس کی اشاعت میں اپنی سابقہ تابناک روایات کے مطابق حسن ذوق کا ثبوت دیا ہے، اس مکتبہ کے مدیر بھی نشرواشاعت کے متعلق صاف ستھرا ذوق رکھتے ہیں نیز اس کے روح رواں حافظ محمد عباد نے اس کی طباعت میں جدت پسندی کا مظاہرہ کیا ہے، ان دونوں حضرات نے مجھے چند دن کے نوٹس پر ''حرفے چند'' لکھنے کو کہا جو میں نے جیسے تیسے ہوا لکھ دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب اپنی تالیفات پر بوجوہ اپنا قلمی نام محمد بہاؤالدین لکھتے چلے آ رہے ہیں۔ تاہم اب ہماری گزارش ہے کہ وہ خود کو اسی نام سے ظاہر کریں جس سے انہیں قیامت کے دن آواز دی جائے گی اور وہ ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر ہے۔ اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے ممدوح نے ۲۰۰۷ء میں کتاب ہذا کے دہلی اڈیشن کے سرورق پر "انه من سليمان وانه بسم الله الرحمن الرحيم" لکھ دیا تھا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کی کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور اپنے ہاں اسے ذریعہ نجات بنائے جو کسی بھی پہلو سے تاریخ اہل حدیث کی جمع و ترتیب میں شریک ہیں۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد

طالب الدعوات

(مولانا) حافظ ابو محمد عبدالستار الحماد

مرکز الدراسات الاسلامیہ میاں چنوں

۱۴ فروری ۲۰۱۱ء ۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

پیش لفظ

تاریخ اہلحدیث اور اس کے فاضل مؤلف

ایک عظیم کارنامے کا تعارف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ''تقلید اور عمل بالحدیث'' کے اختلافی مباحث صدیوں پُرانے ہیں۔ تقلیدِ جامد کے رسیا اور قرآن وحدیث کے علمبردار علماء و مصلحین اس موضوع پر سیر حاصل بحث کر کے خوب خُوب دادِ تحقیق دے چکے ہیں۔ خیر القرون کے سیدھے سادھے دور کے مدتوں بعد ایجاد ہونے والے مذاہبِ اربعہ کے جامد مقلد فقہاء نے اپنے اپنے مذہب کی ترجیح میں کیا کیا گُل نہیں کھلائے۔ حتی کہ اپنے مذہب کے جنون میں اپنے مخالف امام تک کو نیچا دکھانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا جیسا کہ اہلِ علم اِس سے بخوبی واقف ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بقول تقلیدی سلسلے قائم ہونے سے قبل قرونِ اُولیٰ کے علماء کی دو قسمیں رہی ہیں۔ ایک فقہائے محدثین اور دوسرے فقہائے اہل الرائے۔ اوّل الذکر میں امام احمدؒ، امام بخاریؒ وغیرہما ہیں اور حضرت امام ابراہیم نخعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ وغیرہما اہل الرائے کے سرخیل ہیں۔ فقہائے محدثین نے استخراج واستنباطِ مسائل کے لیے قرآن وحدیث کو بنیاد بنایا، جب کہ اہل الرائے فقہاء نے اپنے اساتذہ اور اپنے اصحابِ مذہب کے اقوال وآراء کو نصوص قرآن وحدیث کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی اور استخراج واستنباط میں انھی آرائے رجال کو سامنے رکھا، جسے شاہ صاحب نے تفریع در تفریع کا نام دیا ہے۔

ہندوستان میں بوجُوہ حنفیوں کی اکثریت رہی ہے اور شاہ ولی اللہؒ سے قبل حنفی فقہ کے پیروکاروں میں فقہی جمُود اور نصوصِ قرآن وحدیث سے اعراض عام تھا۔ حتی کہ قرآن وحدیث

کی تعلیم وتدریس تک موقوف تھی۔ جس پر شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی نے کاری ضرب لگائی، حدیث اور علوم حدیث کی نشرواشاعت کی اور فقہ حنفیہ پر جمود کی اس سرزمین میں عمل بالحدیث کی طرح ڈالی جس کے کچھ نمونے ''حجۃ اللہ البالغہ'' اور موطا امام مالک کی شرحیں ''مُصفّٰی'' اور ''مسویٰ'' میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ جن میں بہت سے مقامات پر شاہ صاحبؒ نے فقہائے محدثین کے مسلک کو اختیار اور اس سے موافقت ظاہر فرمائی ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کے بعد ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہید نے اپنے جدّ امجد کے اس عمل بالحدیث کو آگے بڑھایا بلکہ عملاً اس کو نافذ فرمایا۔ پھر شاہ عبدالعزیزؒ (شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادے) کے نواسے اور ان کے فیض یافتہ شاہ محمد اسحاقؒ کے جانشین اور ان کے تلمیذِ خاص حضرت مولانا سیّد محمد نذیر حسین دہلویؒ کے پون صدی کے درسِ حدیث کی برکت سے اس مسلک (عمل بالحدیث) نے نشوونما پائی تو اس کی وسعت پذیری کو تقلیدِ جامد کے حامل حنفی حضرات برداشت نہ فرما سکے۔ چنانچہ اس رَو پر بند باندھنے کی مختلف تدبیریں کی گئیں۔ جن میں سے ایک محاذ تصنیف وتالیف کا تھا۔ اس عمل بالحدیث کے خلاف بہت سی کتابیں لکھی گئیں، جن کے جواب اور دفاع میں حضرت شیخ الکل میاں نذیر حسینؒ دہلوی اور ان کے فیض یافتگان نے قرطاس وقلم کا محاذ بھی (تدریس وتبلیغ کے ساتھ) سنبھالا اور اہل تقلید وجمود کے دلائل کے تاروپود بکھیر کر رکھ دیے۔

جب سے ہی برِّ صغیر پاک وہند میں اہل حدیث اور اہلِ تقلید کے مابین مخاصمت اور معرکہ آرائی جاری ہے۔ دیوبند کے فضلاء اور اہلِ علم نے اہلِ الرائے کی نمائندگی وترجمانی کو اپنی تدریس وتالیف کا ہدف بنایا اور احادیثِ صحیحہ وقویہ کی تردید وابطال میں تاویلات کو خوب کام میں لائے اور اس کو اصلی حنفیت قرار دیا۔ جب کہ اصحاب الحدیث کی تائید اور صدر اوّل کے طرزِ علم وعمل کی تبلیغ واشاعت اہل حدیث کے حصّے میں آئی۔

علاوہ ازیں مسلک اہلحدیث اور جماعت اہلحدیث پر حملہ ہو اور اس کی آڑ میں قرآن وحدیث کی نصوص کو توڑا مروڑا جائے تو ظاہر بات ہے کہ احناف کا یہ طرزِ عمل ناقابل برداشت

ہے۔ ایسے حالات میں اہل حدیث مجبور ہوتے ہیں، اور یہ ہر اس صاحب علم کی مجبوری ہے جس کے دل میں قرآن وحدیث کی نصوص کا تقدس واحترام موجود ہے اور اتباع سنت کے جذبے سے وہ سرشار ہے جیسا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دورِ خیر القرون کے دیگر اہل ایمان تھے کہ وہ اصل حقائق کی وضاحت کریں اور قرآن وحدیث پر اڑائے ہوئے تقلیدی گردوغبار کو صاف کریں۔

الحمدللہ اہلحدیث کے اسلاف واکابر کم وبیش ڈیڑھ صدی سے، جب سے عمل بالحدیث کی تحریک اور جذبے کو زیادہ فروغ ملنے لگا اور تقلید کی جکڑ بندیاں ڈھیلی پڑی یا ختم ہونے لگیں، یہ فریضہ سرانجام دیتے آرہے ہیں اور تعلیم وتدریس اور تبلیغ ودعوت کے ساتھ ساتھ قلم وقرطاس کے ذریعے سے بھی تقلیدی جمود پر ضربیں لگائیں اور تقلیدی جمود کی حمایت میں جو جارحانہ لٹریچر سامنے آیا اور جو بدقسمتی سے اب تک آرہا ہے، اس کا علمی وتحقیقی انداز میں جائزہ پیش کیا اور ان کو قلم وقرطاس کا یہ محاذ محض اپنے دفاع اور نصوص قرآن وحدیث کی تائید وحمایت میں سنبھالنا پڑا۔

مزید برآں اہلحدیث پر مساجد کے دروازے تک صرف ان کے جذبۂ عمل بالحدیث کی وجہ سے بند کرنے کی مذموم سعی کی گئی جس کی وجہ سے اہلحدیثوں کو عدالتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ جماعت اہلحدیث کو برٹش استعمار کی طرف سے بھی، جس کی اس وقت ہندوستان میں حکومت قائم تھی، بہت سے ظلم برداشت کرنے پڑے، جس میں داروستم، قیدوبند، اموال وجائداد کی ضبطی وبربادی اور دیگر بہت سی سزائیں شامل ہیں، اس میں جہاں بجا طور پر اہلحدیث کی انگریز دشمنی اور انگریز کے خلاف جہادی سرگرمیوں کا دخل تھا۔ جس کا علم صرف اہلحدیث نے اٹھایا ہوا تھا، باقی دوسرے سارے ایک دوسرے سے بڑھ کر انگریز سے وفاداری کا اظہار کرنے میں مصروف تھے، وہاں اپنوں کی مخبری اور آستینوں میں پنہاں خنجروں کی بھی کار فرمائی تھی۔ ع

ہمیں یاد ہیں سب ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

زیرنظر کتاب ''تاریخ اہلحدیث'' انہی مذکورہ معرکہ آرائیوں، الم ناک رُوداوں، رزم

وبزم کی داستانوں، مدعیانِ علم وتقویٰ اور اصحابِ جبہ ودستار کی چیرہ دستیوں اور کُشتگانِ تیغ وستم اہلحدیث کی دفاعی کوششوں کی سرگزشت اور تاریخ پر ایک نگاہِ بازگشت ہے جو تذکرۂ محبوب کی طرح نہایت دلچسپ بھی ہے۔ جس میں محبوب کی دلکش اداؤں، اس کی نازنینانہ رعنائیوں اور اس کے حسن وجمال کی دل فریبیوں کا بیان ہوتا ہے، عبرت وموعظت کی داستان بھی ہے کہ چند اصحابِ جنون اللہ کی توفیق ونصرت سے اٹھے اور برصغیر (پاک وہند) کی عظیم اکثریت سے محض اللہ کی رضا کی خاطر ٹکرا گئے، تو اللہ نے ان اصحابِ عزیمت واستقامت کو سرخ رو فرمایا اور ان کی قربانیوں کو بار آور فرمایا اور ان کو عزم وحوصلہ سے نوازا، جیسے وہ ممولے کو شہباز سے لڑانے کا حوصلہ عطا فرما دیتا ہے اور کنجشک فرو مایہ کو ہم دوشِ سلیماں کر سکتا ہے، اس میں حق وباطل کی کشمکش اور رزم آرائی کا وہ تذکرہ ہے جس کا سلسلہ ازل سے چلا آ رہا ہے اور سنت الٰہی کے مطابق ابد تک رہے گا اور اس میں سُبلِ متفرقہ کے مقابلے میں اُس صراط مستقیم کی دعوت وتبلیغ کی تفصیل ہے جس کے اتباع کا اور سُبلِ متفرقہ کے اختیار کرنے سے اجتناب کا حکم ہے کیونکہ اس سے وحدت وائتلاف کے بجائے تفرق وانتشار پیدا ہوتا ہے اور اللہ رسول کی بتلائی ہوئی صراطِ مستقیم سے دُوری ہو جاتی ہے۔

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ﴾ (٦/الانعام: ١٥٣)

تحریک عمل بالحدیث کی یہ نہایت تابناک اور روشن تاریخ بکھری ہوئی تھی اور صرف رسائل وجرائد اور کتابوں میں محفوظ تھی، اس کو جمع ومرتب کرنے اور دفینوں سے سفینوں میں منتقل کرنے کے لیے ایسے دیدہ ور محقق کی ضرورت تھی جس کو اللہ نے تیشۂ فرہاد بھی عطا کیا ہو اور کوہ کنی کا عزم وحوصلہ بھی، تاکہ وہ ان دونوں خوبیوں اور صلاحیتوں سے کام لے کر اہلحدیث کی تاریخ کی اس جوئے شیریں کو دنیا کے سامنے نمودار کرنے کا عظیم الشان فریضہ سرانجام دے سکے جو مرورِ ایام کی گردشوں اور بے بنیاد پروپیگنڈے کی دبیز تہوں میں دبی ہوئی تھی۔ اس اعتبار سے بلاشبہ ڈاکٹر محمد بہاؤالدین حفظہ اللہ کی شخصیت اور ان کا یہ عظیم کارنامہ جو انہوں نے تحریک ختم

نبوت (جس کی ۱۵، ۱۶ جلدوں میں تحفظ عقیدۂ ختم نبوت میں علمائے اہلحدیث کی اولیت اور عظیم خدمات کو اجاگر کیا ہے) اور اب تاریخ اہلحدیث (جس کا اندازہ بھی دس جلدوں کا ہے اور چار جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں) لکھ کر سرانجام دیا ہے، درج ذیل مصرعہ اور شعر کا مصداق ہے۔ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کچھ فاضل مؤلف حفظہ اللہ کے بارے میں

اب تک جو گفتگو ہوئی وہ اہل حدیث اور اہل تقلید کے مابین نزاع، اس کے پس منظر اور ان کے باہمی ردود و مناقشات کے سلسلے میں تھی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ باتیں فاضل مؤلف کے تعارف کے سلسلے میں بھی ہو جائیں۔ آپ متحدہ ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ایک جلیل القدر اہلحدیث عالم مولانا عبداللہ گورداسپوری حفظہ اللہ (بوریوالا، ضلع وہاڑی، پنجاب) کے فرزند گرامی قدر ہیں۔ پاکستان اور برطانیہ میں انہوں نے تعلیم حاصل کی۔ پاکستان میں کچھ عرصہ ملازمت کی۔ پھر گردشِ دوراں ان کو کھینچ کر برطانیہ لے گئی اور یہ اس وقت کی بات ہے جب آتش جوان اور انکی عمر کا موسم بہار تھا اور اب جبکہ اللہ تعالی نے ان کو ایک عظیم خدمت کی توفیق سے نوازا ہے، وہ عمر کی خزاں رسیدگی کا دور ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو جس سے کوئی کام لینا منظور ہو، وہ جوان ہو یا بوڑھا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑھتا، وہ بوڑھوں کو بھی جوانوں والا عزم و حوصلہ اور قوت و توانائی عطا فرما سکتا ہے۔ اللہ تعالی کی اس قدرت و کارفرمائی کا ایک مظہر ڈاکٹر محمد بہاؤالدین صاحب بھی ہیں، انہوں نے اللہ کی دی ہوئی توفیق اور ہمت سے مذکورہ تاریخ تحریک ختم نبوت اور تاریخ اہلحدیث مرتب کر کے جوانوں والا ہی کام نہیں کیا ہے، بلکہ کئی اکیڈمیوں والا کام کر ڈالا ہے۔

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (مائدہ)

راقم آج سے تقریباً ۲۲ سال قبل ۱۹۸۸ میں برطانیہ ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے

گیا تھا، کانفرنس لندن میں تھی، اس سے فراغت کے بعد برمنگھم، جہاں مرکزی جمعیت اہلحدیث برطانیہ کا مرکزی دفتر تھا، وہاں چلا گیا، سوا دو مہینے برطانیہ میں رہنے کا اتفاق ہوا جس کی وجہ جمعیت کے ناظم اعلیٰ مولانا محمود احمد میر پوری شہیدؒ کا اصرار تھا، زیادہ وقت بھی وہاں ہی گزرا، ان دنوں ڈاکٹر بہاؤ الدین صاحب بھی، جو اس وقت ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر کے نام سے معروف تھے جو ان کا اصلی نام تھا، جمعیت اہلحدیث برطانیہ سے وابستہ اور ان کے انگریزی ماہوار رسالے، اسٹریٹ پاتھ، کے ایڈیٹر تھے۔

واپس لاہور آکر راقم نے ''دورۂ برطانیہ کے مشاہدات وتأثرات، اسی عنوان سے تحریر کیے تھے اور ''الاعتصام'' میں شائع ہوئے تھے۔ ان مشاہدات میں ''رفقا واحباب جماعت کا تعارف'' کے عنوان سے رفقائے جماعت کے بارے میں بھی اپنے تأثرات قلم بند کیے تھے، جن میں ڈاکٹر صاحب موصوف بھی شامل تھے۔ راقم اس تعارف نامے کو یہاں نقل کرنا مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھتا ہے، وہ کیوں؟ پہلے آپ ۲۲ سال قبل کا یہ تعارفی خاکہ ملاحظہ فرمالیں۔ اس کے بعد ''کیوں؟'' کا جواب اور اس کی مختصر تفصیل درج کی جائے گی۔ یہ تعارفی سطور حسب ذیل ہیں:

ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر بھی آج کل اسی مرکز میں کام کرتے ہیں اور مرکز سے نکلنے والے انگریزی پرچے ماہنامہ ''اسٹریٹ پاتھ'' کی ایڈیٹنگ انھی کے سپرد ہے۔ راقم ڈاکٹر صاحب موصوف سے غائبانہ طور پر تو بڑے عرصے سے متعارف بلکہ ایک گونہ ان کا ارادت مند تھا۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے جب ڈاکٹر صاحب صرف محمد سلیمان اظہر تھے اور ان کے فاضلانہ مقالات جماعتی جرائد ورسائل میں چھپتے تھے۔ یہ مقالات عموماً دو موضوعات پر مشتمل ہوتے:

۱۔ ردِّ مرزائیت میں اہلحدیث اکابر کی خدمات۔

۲۔ تحریک جہاد واستخلاصِ وطن میں اہلحدیث علماء کا حصہ اور اس ضمن میں بعض دوسری مذہبی جماعتوں اور گروہوں کی مُبیّنہ خدمات کی حقیقت اور ان کا طول وعرض۔

پاکستان میں ان کو دیکھنے کا اتفاق بھی نہیں ہوا تھا لیکن مذکورہ بالا موضوعات پر ان کے

مقالوں کی وجہ سے ان سے غائبانہ ارادت ومحبت کا تعلق قائم تھا تا آنکہ ۴، ۵ سال قبل کی بات ہے کہ حضرت الأستاذ المرحوم مولانا محمد عطاء اللہ حنیفؒ نے انہیں ایک مرتبہ لاہور آنے کی دعوت دی اور ڈاکٹر صاحب موصوف حضرت مولانا کی دعوت پر چند روز لاہور میں ان کے مہمان رہے۔ اُن دنوں ڈاکٹر صاحب کا بیشتر وقت سلفیہ لائبریری میں ہی گزرتا تھا۔ کیونکہ مولانا مرحوم نے انہیں غالباً مولانا محمد حسین بٹالویؒ کی خدمات بسلسلہ ردِّ مرزائیت پر ہی کچھ لکھنے کے لیے بلایا تھا۔ میں بھی زیادہ کام لائبریری میں ہی کرتا تھا اور ''تنقیح الرواۃ'' (الرّبع الآخر) کے کرم خوردہ مسودے کی تصحیح و تنقیح کے کام میں مصروف تھا۔ یوں پہلی مرتبہ ان سے نہ صرف ملاقات ہوئی بلکہ چند روز ملاقات رہی۔..

ڈاکٹر صاحب اخّاذ اور نقاد ذہن کے مالک ہیں، تحریر وانشاء کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ ڈاکٹریٹ سے پہلے مسلکی ذہن ومزاج بھی نمایاں اور مسلکی خدمات میں بھی پیش پیش تھے۔ لیکن برطانیہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد افسوس کہ وہ صرف ''ڈاکٹر'' ہی بن کر رہ گئے۔ اور جماعت ایک ''گوہر گراں مایہ'' سے محروم ہوگئی اور پھر بڑھتے بڑھتے نوبت بہ ایں جا رسید کہ پاکستان ایک اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل شخص سے بھی محروم ہوگیا۔...

بہرحال بات یہ ہو رہی تھی کہ ڈاکٹر محمد سلیمان صاحب بھی برمنگھم کے مرکز میں کام کر رہے ہیں۔ جہاں موصوف سے ملاقاتیں ہی نہیں رہیں۔ بلکہ ہم نشینی کا شرف حاصل رہا بلکہ کچھ دن ہم دونوں انڈیا آفس لائبریری سے استفادے کی غرض سے لندن میں شب وروز اکٹھے بھی رہے۔ یوں ہم دونوں ایک دوسرے کے ہم نوالہ وہم پیالہ بھی رہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل ہونے کے باوجود سادہ مزاج اور اخلاقِ کریمانہ کے مالک ہیں۔ یہ ان کی سادگی اور کریمانہ اخلاق ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ مجھ جیسے بے بضاعت اور فرومایہ شخص کے ساتھ لندن جانے اور لندن رہنے کے لیے آمادہ ہو گئے اور وہاں حقِ رفاقت وحقِ تحقیق ادا کرتے رہے۔ برمنگھم میں بھی نہایت عزت واحترام سے ملتے رہے اور بارہا ضیافت اور کام ودہن کی لذّت کا بھی اہتمام کیا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

(ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور ۱۴۔ اکتوبر، ۱۹۸۸ء مختصراً)

ڈاکٹر صاحب موصوف کے بارے میں یہ پرانی تعارفی تحریر مختصراً یہاں نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ:

ایک تو ڈاکٹر صاحب کا پرانا تعارف سامنے آجائے۔

دوسرے، ان کی سادگی اور اخلاق کریمانہ کی وضاحت ہو جائے کیونکہ آج کل پڑھے لکھے لوگوں میں یہ خوبیاں نہایت کم یاب ہیں کَثَّرَ اللّٰہُ اَمْثَالَھُمْ فِیْنَا۔

تیسرے، جن دو موضوعات پر کام کرنے کی اللہ نے ان کو توفیق عطا فرمائی ہے، یہ واضح ہو جائے کہ یہ دونوں موضوعات ایسے ہیں جن سے ان کو عہد شباب ہی سے دلچسپی رہی ہے۔ ان کے سوچ بچار کے محور اور ان خاکوں میں رنگ بھرنے کا جذبہ ان کے دل میں خار بن کر کھٹکتا رہا ہے۔ اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ کم وبیش ۱۵، ۱۶ سال قبل ان کا ایک مکتوب راقم کے پاس آیا تھا، جس میں انہوں نے تحریر کیا تھا کہ اب اللہ نے مجھے ایک اچھی ملازمت دلوادی ہے جس سے مجھے کافی آسودگی حاصل ہوگئی ہے۔ میں اس سے فائدہ اٹھا کر کچھ کام کرنا چاہتا ہوں، اس سلسلے میں مالی تعاون بھی دینے کی پوزیشن میں ہوں۔ راقم نے اس کے جواب میں ان کو لکھا تھا کہ آپ کے ذہن میں کام کرنے کا کیا خاکہ ہے اور آپ کتنا تعاون کرسکیں گے تاکہ اس کی روشنی میں اس کا جائزہ یا کام کا آغاز کیا جاسکے۔ لیکن اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ غالباً ۲۸، ۳۰ سال قبل جب وہ بہاول پور یونیورسٹی میں پروفیسر تھے تو ان موضوعات پر ان کے متعدد مقالات ومضامین ہفت روزہ اہلحدیث لاہور میں شائع ہوئے تھے۔ اس کی کیا وجہ بنی؟ اور ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ اظہارِ عزم کے بعد کیوں خاموشی اختیار کر لی؟ اس کو وہی جانتے ہیں۔ راقم نے تو اس کا حوالہ ان کی اس موضوع سے دلچسپی ووابستگی کے ضمن میں دیا ہے۔ ہر چیز کا علم تو اللہ ہی کو ہے وہی جانتا ہے کہ فلاں کام کب، کس طرح اور کس کے ذریعے سے ہوگا؟ کُلُّ اَمْرٍ مَرْھُوْنٌ بِاَوْقَاتِہٖ اللہ نے اس کام کے لیے جو وقت مقرر کر رکھا تھا، اس کے مطابق یہ کام ہوگیا ہے، جس کے ذریعے سے یہ ہونا تھا، اللہ نے اس کو یہ ہمت

وتوفیق بھی عطا فرمادی۔ ظاہری اسباب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو دیارِ غرب میں اس کام کا ہونا، جہاں متعلقہ لٹریچر اور بکھرے ہوئے مواد کی فراہمی نہایت مشکل تھی، نیز فردِ واحد سے اتنے عظیم کام کا سرانجام پا جانا بھی، دونوں باتیں ایک معجزے سے کم نہیں۔ اللہ کے لیے کسی معجزے کا صدور یقیناً قابل تعجب نہیں، وہ جو معجزہ چاہے، پلک جھپکتے میں معرض وجود میں آجاتا ہے۔

اس مُعجز نما عظیم کام پر پاک وہند کی پوری جماعت اہلحدیث ڈاکٹر محمد سلیمان اظہر صاحب حفظہ اللہ (ڈاکٹر محمد بہاؤالدین) کو خراج تحسین پیش کر رہی ہے، وہ یقیناً سزاوار ہیں، ان کی قدر افزائی کا جتنا بھی اہتمام کیا جائے، کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو مزید ہمت اور توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ بقیہ جلدوں کو بھی جلد از جلد مرتب و مدون کر کے اس سلسلۃ الذھب کی تکمیل فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اور ان کے اعوان وانصار کی مدد فرمائے۔

بارك الله فی علمه وعمله وعمره وشکر مساعیه وجهوده۔ آمین

(مولانا) حافظ صلاح الدین یوسف
مدیر: شعبۂ تحقیق وتالیف دارالسلام، لاہور
ربیع الاول ۱۴۳۲ھ۔ فروری ۲۰۱۱ء

مقدمۃ المؤلف، طبع دوم

تاریخ اہل حدیث جلد اول ۲۰۰۷ء میں فضیلۃ الشیخ مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی ناظم اعلی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اشراف صوری محاسن کے ساتھ مکتبہ ترجمان دہلی سے شائع ہوئی تھی، اللہ سبحانہ وتعالی کے عنایات واحسانات کے طفیل اس کتاب کو برصغیر، عرب ممالک اور یورپ وغیرہ میں اہل حدیث کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اردو دان طبقے میں قبول عام حاصل ہوا ہے۔ قدر دانوں کے ہاتھوں اس کی پذیرائی کا یہ عالم ہے کہ دہلی سے شائع ہونے والا پہلا اڈیشن اب ختم ہو چکا ہے اور ضرورت محسوس ہوئی کہ باردوم اشاعت کا بندوبست کیا جائے۔ ادھر پاکستان کے اہل علم شائقین کو شکائت رہی ہے کہ دہلی سے کتاب منگوانے پر بے پناہ خرچ ہو جاتا ہے کتاب کی اصل قیمت سے کئی گنا زیادہ محصول ڈاک ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے پاکستان میں بھی اسے شائع کیا جائے۔ نیز اڈیشن اول کی کمپوزنگ میں نے خود کی تھی اور مجھے اردو سافٹ ویر کے استعمال میں مہارت حاصل نہیں ہے اس لئے احباب کا مشورہ تھا کہ کمپوز شدہ مسودہ کسی ماہر کمپوزر سے ری ڈیزائن کرا لیا جائے۔ نیز حواشی جو متن کے ساتھ ہی بین القوسین درج ہیں، حاشیے میں درج کر دئے جائیں۔ الحمد للہ یہ سارے کام عزیز محترم حافظ ابوبکر ظفر نے بڑی محنت اور ذوق وشوق سے کر دیئے ہیں اللہ تعالی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے علم وعمل میں اضافہ فرمائے۔

جہاں تک کتاب ہذا کے مندرجات کی بات ہے اس میں چند خفیف ترامیم کے سوا وہی مواد ہے جو اڈیشن اول میں تھا۔ ابتداءً یہ خیال تھا کہ تاریخ اہل حدیث کے اس سلسلہ کتب پر تقریباً تین ہزار صفحات لکھے جائیں گے لیکن ۲۰۱۰ء کے نصف اول میں اس کی چوتھی جلد شائع ہونے کے ساتھ کتاب کی ضخامت کم وبیش تین ہزار صفحات تک پھیل چکی ہے جب کہ صورت حال یہ ہے کہ ابھی تک انیسویں صدی عیسوی کے برصغیر کی تاریخ اہل حدیث کا احاطہ بھی نہیں ہوسکا ہے۔ اور: نہ ہاتھ باگ پہ ہے نہ پا ہے رکاب میں، والا معاملہ ہے۔ معلوم نہیں کتنی مسافت باقی ہے اور کن کن وادیوں سے گذر ہونا ہے۔

ناظرین کے علم میں ہے کہ تاریخ اہل حدیث کی ترتیب وتدوین کے ساتھ حضور نبی کریم خاتم المرسلین ﷺ کی بارگاہ کے لئے تحریک ختم نبوت کے نام سے ایک گلدستہ بھی تیار ہو رہا ہے۔ ابتداءً

خیال تھا کہ تحفظ ختم نبوت کی تاریخ کے موضوع پر چھ ہزار صفحات لکھے جائیں گے اور کتاب ہذا کی جلد اول پر لکھی جانے والی تقریظات میں ۲۰۰۷ء میں بتایا گیا تھا کہ اس گل دستے میں چار پھول سجائے جا چکے ہیں۔ میرا حسن ظن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات ﷺ کی عالی جناب میں پیش کئے جانے والے اس نذرانہ عقیدت کو شرف قبول عطا فرما دیا ہے کیوں کہ وہ اس گل دستے کو حضور ختم المرسلین ﷺ کے مرغوب خاطر بنانے کے لئے اس کے حجم اور حسن میں اضافے کی خاطر اس فقیر پر اپنے، من حیث لا یحتسب کے خزانوں سے لطف واحسان کی بارش برسا رہا ہے اور اس وقت کیفیت یہ ہے کہ ساڑھے آٹھ ہزار صفحات پر مشتمل تحریک ختم نبوت کی ۱۶ جلدیں مکمل ہو چکی ہیں، سترھویں جلد پر کام ہو رہا ہے اور ابھی تک ہم ۱۹۱۲ء سے آگے نہیں نکل سکے ہیں۔

یہ حقیر خدمت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ہو رہی ہے، اسی نے ایک مریض کو کام کی مہلت عطا فرما رکھی ہے، وہی برصغیر کے کونے کونے سے محسنین بالخصوص برادر گرامی شیر خان جمیل احمد عمری کے ذریعے ضروری مواد بھجوا رہا ہے، اسی نے تہہ خانوں میں گم شدہ نایاب مواد تک رسائی، اس کی جھاڑ پونچھ، قطع و برید، ترتیب وتہذیب کی توفیق اس بندہ معذور کو عطا فرما رکھی ہے، اسی نے اس کی طباعت واشاعت کے مالی وسائل فراہم کر رکھے ہیں، سب کچھ اسی کا ہے۔ مجھے دنیا میں نہ ستائش کی تمنا ہے، نہ صلے کی پرواہ۔ اللہ جل شانہ کی خوشنودی اور اس کے حبیب گرامی ﷺ کی دربانی کے سوا مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ اللھم تقبل منا

برصغیر کی تاریخ اہل حدیث پر کئی کتابیں لکھی گئیں، مختصر بھی اور مطول بھی، اور ہر کتاب کا اپنا اپنا حسن ہے۔ امید ہے قاری کو کتاب ہذا ان سب میں مختلف نظر آئے گی۔ ادھر اس کی پانچویں اور چھٹی جلدیں تکمیلی مراحل میں ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کتاب ہذا کو امت مسلمہ کے لئے نفع مند بنائے۔ آمین

فقیر بارگاہ صمدی

محمد بهاؤالدین

۳ صفر ۱۴۳۲ھ

۷ جنوری ۲۰۱۱ء

تقدیم

اصغر علی امام مہدی

الحمد لله والصلوة والسلام على سيد ولد آدم محمد رسول الله وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدّين وبعد!

قال الله جل شانه وعم نواله في محكم التنزيل:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ (الاحزاب:۲۳)

کتاب وسنت کے حفظ وبقا کی ذمہ داری رب العزت والجلال نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے اس کا کلام اس کے ارشادات وفرامین ، ہدایات اور اس کی رہنمائیاں بندوں کے لیے عظیم تحفہ ہیں اس لیے اسے تا قیام قیامت باقی اور زندہ و پائندہ رہنا ہے اور اسی شکل میں رہنا ہے اور اسی آن وبان اور شان سے باقی رہنا ہے کہ بندوں کی رہنمائی اور ہدایت کا کام پیہم بلا انقطاع ہوتا رہے۔ اور بندگان الٰہی اس کے ذریعہ سعادت دارین سے شاد کام ہوتے رہیں یا ان پر کم از کم حجت تمام ہو جائے۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰي مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ .

یہ سب کچھ ضروری ٹھہرا تو اس کے حاملین عالی مقام کا ہر دور میں ہونا بھی ضروری قرار پایا، حسب ارشاد نبوی صادق المصدوق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ))

اور یہ بھی ضروری ٹھہرا کہ حاملین کتاب وسنت کی زندگی کے آثار ونقوش وحالات باقی رہیں اور اس سلسلۂ ذہبیہ اور واقعات صادقہ کا ذکر جمیل ہوتا رہے اور ہر دور اور زمانہ میں چراغ سے چراغ جلتے رہیں، بغیر کسی وقفہ اور انقطاع کے یہ سلسلہ جاری وساری رہے۔ چناں چہ ہر دور میں اہل حدیثان عالم اور اسلاف کرام نے ان نقوش وآثار کو ثبت برقرطاس کرنے کی ہمہ جہت کوشش صرف کی اور اسلام اور مسلمانوں کے ورثے میں ایک عظیم علمی وتاریخی سرمایۂ افتخار جمع ہو گیا جس کی نظیر تاریخ انسانی میں ملنی مشکل ہے۔ جسے دنیا تاریخ اسلام، تاریخ اسماء

الرجال، طبقات وشذرات وغیرہ ناموں سے جانتی ہے۔

ہندوستان میں بھی حاملین کتاب وسنت کی تاریخ ابتدائے اسلام سے درخشندہ رہی ہے اور ہر دور میں اس اصل اسلامی عقیدہ ومنہج کے حاملین کی خدمات واثرات بر نقش دیوار ہیں اور ان عظیم خدمات کا اعتراف بھی سب کو ہے۔ خصوصاً آخری دور میں جب داخلی اور خارجی سیاسی ودینی طور پر اسلامیانِ ہند کے اسلامی تشخص کا برقرار رکھنا مشکل ہورہا تھا تو اس وقت اسی طائفہ منصورہ نے میدانِ عمل میں اتر کر حالات وظروف کا پوری گہرائی وگیرائی سے معائنہ ومشاہدہ کرنے کے بعد تجدید دین اور اصلاح امت اور عباد وبلاد کی خدمت کا وہ فریضہ انجام دیا جس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

خصوصاً آخری ادوار میں جب کہ بعض حکمرانوں کی بے حسی ولاپرواہی وناعاقبت اندیشی سے اور داخلی انتشار اور بیرونی خاص طور پر انگریز عیاریوں کی چال ویلغار سے مسلمانان ہند وباشندگان برصغیر اپنی ہر طرح کی پستی وذلت کا سامنا کر رہے تھے، اسی طائفہ منصورہ کے ایک سپوت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے جانشینوں نے قوم وملت اور امت کو سنبھالا دیا اور ان کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لیے میدان عمل میں اتر کر ایک عظیم تاریخ رقم کردی۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

شاہ صاحب رحمہ اللہ کے حقیقی جانشین اور وارثین جماعت اہل حدیث نے تجدید واحیاء دین اور خدمت ملک وملت کا وہ فریضہ انجام دیا جس کی ممنونیت واحسان مندی سے ہندوستان کا ذرہ ذرہ بوجھل ہے۔ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء اور صادقان صادقپور کی مجاہدانہ وداعیانہ ترک تازیوں کا لازوال کارنامہ ہو، یا وعظ وارشاد اور اصلاح عباد وبلاد اور امت کی رہنمائی وقیادت کا فریضہ ہو، یا اصلاح عقیدہ اور تصحیح منہج واصول ہو، یا کتاب وسنت کی نشر واشاعت ہو، یا استیصال رسوم باطلہ وعقائد فاسدہ اور بدعات وخرافات ہو، یا طرق مبتدعہ کی بیخ کنی ہو، اس جماعت حقہ کے جہود مبارکہ اور خدمات عظیمہ کی مرہون منت ہیں۔ جن کا اعتراف اپنوں سے پہلے غیروں کو ہے۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے اپنی کتاب ''ہندوستانی مسلمان کیا وہ اپنے مذہب کی رُو سے ملکہ وکٹوریہ کے خلاف بغاوت کے پابند ہیں؟'' میں تفصیل سے ان وہابیوں کی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے جو انگریزی فوج میں بغاوت کی تخم ریزی کرتے تھے۔ ہنٹر نے خاص طور پر مولوی محمد جعفر تھانیسری کا ذکر کیا ہے جو ۱۸۵۷ء کے دوران سرگرم تھے۔

وہابیوں نے دیسی سپاہیوں کے دل و دماغ میں بغاوت کی وہ چنگاری رکھ دی تھی جو سلگتے سلگتے آخر کار شعلہ جوالہ میں تبدیل ہوگئی۔ گائے اور سور کی چربی والے کارتوس تو محض ایک بہانہ تھے حقیقت یہ ہے کہ وہابیوں کی تلقین و ترغیب اپنا کام کر رہی تھی۔

اس نے محکمہ خفیہ کی رپورٹوں اور وہابیوں کے خلاف مقدمات کی گواہیوں اور دستاویزی شہادتوں سے اپنی کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ وہابی انگریزوں کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ وہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے تھے اور اسی مقصد سے انہوں نے جہاد (مسلح جدوجہد) کا آغاز کیا تھا۔ سچ ہے: والفضل ماشهدت به الأعداء

اور اسی طرح ہندوستان کے اولین وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے دیش اور ملک و وطن کی خدمت کے سلسلے میں کہا تھا:

> ''اگر ہم ترازو کے ایک پلڑے میں پورے ہندوستان کے سارے لوگوں کی خدمات رکھیں اور دوسرے پلڑے میں اہل صادق پور (اہل حدیث) کی خدمات رکھیں تو اہل صادق پور کا پلڑا بھاری پڑے گا۔''

الغرض اس تحریک ولی اللہی کے جو اثرات مرتب ہوئے وہ عالم آشکارا ہیں۔ کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات واثرات آج جو کچھ کارفرما ہیں وہ اسی تحریک مبارک کے مرہون منت ہیں۔ اسلام پر چوطرفی یلغار اور حملوں کا منہ توڑ جواب ہو، یا فرق باطلہ کی سرکوبی ہو، رفض و تشیع ہو، یا مسئولین و منتحلین ومبطلین اور جاہلوں نیچریوں اور مشککین کی کارستانیوں کا رد و ابطال اور نفی اور اس پر نکیر ہو، سب اسی طائفہ حقہ کی کوششوں کا ثمر ہے۔ اسی کے ذریعہ تمام باطل عقائد وعبادات، خودساختہ روایات اور رائج رسومات کا خاتمہ ہوا، جہالت و بدعقیدگی کی ساری خرابیاں و بیماریاں دور ہوئیں، توحید جو اصل اصول دین وخلاصۂ دین انبیاء ہے اس کو نکھارنے اور خالص طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کرنے کا کام اسی فرقہ ناجیہ کے ذریعہ انجام پایا۔ بدعت کی بیخ کنی کے ساتھ سنت کی حقیقت، اہمیت اور ضرورت کو واضح کیا گیا۔ کتاب وسنت اور اس کے علوم جو شجر ممنوعہ قرار دیے گئے تھے اس کی تعلیم و ترویج کا فریضہ انجام دیا گیا۔ گرچہ بعض حالات میں کتاب وسنت سے عقیدت کا اظہار کیا جاتا تھا لیکن اس کی خواندگی محض حصول برکت اور دفع بلاء کے لئے مختص ہو کر رہ گئی تھی۔ بڑے بڑوں کو تو جرأت نہیں تھی کہ اس کے معانی ومفاہیم کے سمجھنے اور سمجھانے کی بات کرتے۔ فہم وتدبر اور غور وفکر کے سارے دریچے

ابدالآباد کے لئے بند کئے جا چکے تھے۔ نتیجہ معلوم تھا، جب چشمہ علوم وفنون اور منبع آب حیات کے سوتوں کو خشک ہی نہ کیا گیا ہو بلکہ اصل منبع کو ہی بند کردینے کے سارے جتن کردیئے گئے ہوں اور قلوب واذہان پر پردے ڈال کر پہریدار بٹھا دینے پر اکتفا نہ کرکے اصل سرچشمہ صافی کو بند کرکے حصار متین اور بے رحم چوکیداروں کے حوالہ کر دیا گیا ہو تو پھر اس قوم کی علمی، دینی، سماجی، سیاسی وتمدنی حالت کیا ہوگی؟ ذلت، پستی وپسپائی کی وہ کونسی منزل ہے جہاں رہ کر اس کو ٹھہراؤ اور جائے فرار مل سکتی تھی؟ رُو بہ تنزل قوم کو مسلسل اور سرعت سے زوال پذیر ہونے سے روک کر بتدریج بچا لینا ہی ایسے موقع پر بڑا کارنامہ شمار ہوتا ہے۔ جیسے شکست خوردہ اور ہزیمت زدہ فوج کو قسطوں میں بتدریج پسپائی اور واپسی کی راہ ہموار کرا دینے والا کمانڈر کامیاب قائد سمجھا جاتا ہے ایسے وقت میں پلٹ کر حملہ کرنا اور فتح وکامرانی کی بات کرنا آرزوؤں اور تمناؤں کی بات تو ہوسکتی ہے مگر فی الحقیقت محال نہیں تو مشکل ترین ضرور ہوتی ہے۔ چناں چہ ایسے وقت میں اہلحدیث وتحریک اہلحدیث نے مسلمان وباشندگان ہند کو ان کے دور انحطاط وتنزلی میں ہر طرح سنبھالا ہی نہ دیا بلکہ ان کا بھولا ہوا سبق بھی یاد دلا دیا۔ اور اصلاح امت اور انسانیت کی بھلائی کے لئے میدان عمل میں ہر طریقے سے اتار دینے میں کامیابی حاصل کرلی۔ جس کا احساس واعتراف اپنوں اور غیروں سب کو ہے۔ لیکن افسوس کہ اس طرح کی عظیم الشان تاریخ کو مدون کر لینے کا کماحقہ کام اس جماعت حقہ کے فرزندوں کی طرف سے نہیں ہوسکا۔ گرچہ انفرادی طور پر بعض کوششیں بارآور ہوئیں اور تراجم وتاریخ اہل حدیث کے کچھ حصے محفوظ ہوگئے، جو بسا غنیمت ہیں۔ لیکن اس کی جمع وتدوین کا باضابطہ کام اب تک نہیں ہوسکا۔ میں بارہا کہتا رہا ہوں کہ غیروں نے تاریخ سازی کا کام تو کرلیا لیکن ہم اسلاف کی رقم کردہ عظیم الشان ولازوال تاریخ کو قلم وقرطاس کے حوالے کرنے کی بھی بھرپور سعی نہ کرکے اس عظیم ورثے کو سنبھال نہ سکے، حالانکہ یہ ہمارا عظیم سرمایہ حیات ہے اور موجودہ اور آنے والی نسلوں کیلئے آب حیات بھی ہے۔ جس سے عزائم میں قوت، ہمت وحوصلہ کو توانائی، دلوں کو جوش وولولہ اور احساس کامل اور حرکت وعمل کو جوش جنوں اور فکر وآگہی کو جلا، اور منصوبوں کو قوت، حکمت وموعظت اور بصیرت کا سامان فراہم ہوتا ہے۔

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را
تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

مگر یہ بھی کتنی بڑی ستم ظریفی ہے کہ اس قدر عظیم الشان تاریخ رقم کرنے والوں کی سوانح عمریاں تک رقم نہیں کی جاسکیں۔ گویا

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا

ہمیں سو گئے داستان کہتے کہتے

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ "کل شئ مرھون باوانہ" کے تحت ایک باحوصلہ وہمت اور اولوالعزم شخصیت ڈاکٹر محمد بہاء الدین صاحب حفظہ اللہ نے بالترتیب دور اخیر کی تاریخ جس جگر کاوی اور جانفشانی اور لگن سے لکھنے کی سعی مشکور فرمائی ہے، اس پر ان کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے اور رشک ہوتا ہے کہ برصغیر سے دور انگلستان کے علاقہ میں انہوں نے اس طرح کے کام کا بیڑا کیسے اٹھایا اور اسے پار لگانے کے لئے عملی طور پر کامیابی کی راہیں کیسے ہموار کرتے جارہے ہیں۔ سچ ہے: ہمت مرداں مدد خدا

اس عظیم مرد خدا نے تنہا اس کام کو تحریک ختم نبوت کی حیثیت سے کرنیکی کوشش کی اور وہ بہت حد تک کامیابی کے مراحل طے کر لئے جو چار ضخیم جلدوں میں چھپ کر اہل علم کے قلب ونظر کو ٹھنڈک پہنچا چکی ہے۔ اب تاریخ اہل حدیث کا ایک اور باب رقم کرنے اٹھے ہیں۔ اس کے ثمرات کا دیباچہ اور ثمرہ اول ہمارے سامنے ہے اور اسی پر بطور تقدیم یہ چند سطور لکھنے کی سعادت اس حقیر کو حاصل ہو رہی ہے...... گرچہ تاریخ اہلحدیث کا تحریکی، دعوتی، تعلیمی، تدریسی، اصلاحی، سیاسی، اور علمی وغیرہ ہر باب اس قدر روشن اور عظیم الشان ہے کہ تنہا اس میں سے ہر ایک کیلئے دفاتر ومجلّات کی ضرورت ہے...... اس لیے ڈاکٹر صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے وہ تاریخ اہل حدیث کا مرقع کامل نہیں ہے۔ والکمال للہ تعالیٰ فقط مگر بہت سے بکھرے ہوئے اوراق اور منتشر شدہ دفاتر وخزائن سے جو کچھ انہوں نے جمع فرمادیا ہے وہ بسا غنیمت لائق قدر اور بیش بہا دولت وخدمت ہے۔ جس پر ہر طرح سے آپ شکریہ ودعا کے مستحق ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دوسری طرف یہ بھی مدنظر رہے کہ علمی دنیا میں کوئی بھی بات حرف آخر نہیں ہوا کرتی۔ خصوصاً تاریخ وسیر کے سلسلہ میں علماء وسلف کے اقوال معروف ہیں۔ ان ہر دو مادوں میں

واقعات وحکایات کی اگر پوری عکاسی کر بھی دی گئی ہو تو یہ امکان بہر حال رہتا ہے کہ اس میں کہیں اطراء اور غلو کی کارفرمائی ہو، کہیں المعاصرة اصل المنافرة معاصرت ومنافرت کی چشمک دکھائی دے، کہیں شخصی میلانات اور ذاتی رجحانات کی مداخلت اور دخل اندازی ہو، اور کبھی کبھی بغض وعداوت کے ساتھ محبت وعقیدت کی بے جا کارستانیاں بھی در آتی ہیں۔

مؤرخ اور تاریخ نویس کی رگ امانت ودیانت کبھی یوں پھڑکتی ہے کہ یہ جو کچھ تاریخ کی امانت ہے اسے من وعن نقل ہو جانا چاہئے جب کہ تحقیق ودراسہ کی روشنی میں عدل وانصاف دامن دل کو کھینچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ ان حکایات وایرادات بلکہ ہفوات وشطحات سے صرف نظر کر لیا جائے۔ یہ اور اس طرح کے بہت سے مواقف دراصل مؤرخ کے ذہن ودماغ میں آتے ہیں اور دوران مطالعہ وتالیف ان باتوں سے اس کا سامنا ہونا ناگزیر ہوتا ہے۔ مورخ کا قلم ان جگہوں پر کوئی بھی رخ اختیار کر سکتا ہے اگر کچھ واضح خطوط اور منہج پر مولف کاربند ہے اور اس کا اظہار اپنے دیباچہ اور مقدمہ میں کر دیتا ہے تو وہ بہت سے الجھنوں سے خود بھی نجات پا جاتا ہے اور قاری کو بھی مشکلات ومعضلات سے بچا لیتا ہے۔ مگر ان سب کے باوجود وہ نقد وتبصرہ اور جرح واعتراض سے بچ جائے اور داد وتحسین وتشجیع ہی اس کے مقدر کا حصہ بنے یہ ضروری نہیں۔ البتہ نقد وتبصرہ میں عدل وانصاف اور امانت ودیانت داری فرض ہے اور اخلاص وللّٰہیت شرط اولیں۔ لہٰذا اس کتاب کے قارئین اور اہل علم بھی ان امور کو مدنظر رکھیں۔

اس کتاب کی تیاری میں ڈاکٹر صاحب حفظہ اللہ وعافاہ نے جو محنت کی ہے وہ محتاج تعارف نہیں بلکہ ہر باب کے رقم کرنے میں مؤلف کو جو کوہ کنی کرنی پڑ رہی ہے گویا وہ اس پر زبان حال سے کہہ رہے ہیں۔

ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب دینے دفتر کو
ہوا جب اس کا اڑا لے گئی ورق ایک ایک

با ایں ہمہ جانفشانی وقربانی کہ انہوں نے جس طرح اس کارنامہ کو دوسروں کے سر باندھنے کی متواضع کوشش کی ہے وہ بھی انہی کا حصہ ہے ورنہ حقیقت ہے کہ وہ بلا شرکت غیرے اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ البتہ بعض مطلوبہ اوراق اور معلومات کو بہم پہنچانے میں جن مخلصین ومحبین جماعت نے خصوصاً برادرِ محترم جناب مولانا شیر خان جمیل احمد حفظہ اللہ نے جس دلجمعی

ولگن اور محنت سے بعد مکانی کے باوجود ڈاکٹر صاحب کا مختلف مراحل میں ساتھ دیا ہے وہ سب بھی ڈاکٹر صاحب کے بعد ہمارے شکریہ دعاء اور تشجیع کے مستحق ہیں، اللہ تعالی ان کو مزید توفیقات سے نوازے۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ڈاکٹر صاحب کا ایک خاص اسلوب بیان ہے اور منفرد طرز تحریر کے ساتھ وہ تالیف وتصنیف کے منہج واصول میں بھی اپنی خاص رائے وفکر رکھتے ہیں انہوں نے اپنی ذاتی زندگی میں جس سادگی کو مزخرفات دنیا پر ترجیح دے رکھی ہے وہ آپ کی تحریر میں بھی کارفرما ہے وہ بہت سے تکلفات سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں اور اس سلسلہ میں اس حد تک جانے کو تیار ہوگئے کہ جن تاریخ ساز شخصیتوں کی خدمات عظیمہ اور مآثر کریمہ کو دیکھ کر فریفتہ ہوگئے، اور زندگی کے قیمتی اوقات ان کے لئے وقف کردیئے، اپنے بہت سے بنیادی اور اہم کاموں کو جو تاریخ کا ایک حصہ بنتے جس سے دنیا وآخرت سنورتی اور ناموری کا ذریعہ ہوتے پس پشت ڈال کر ان شخصیات کے کارناموں کو صفحہ قرطاس پر بکھیرنے کو ترجیح دی ہے۔ ان چیدہ اور چنیدہ شخصیات کے نام کے ساتھ حسب حال القاب بھی ثبت نہیں فرمائے اور بڑی خوبصورتی سے اس کے لئے جواز بھی پیدا کرلیا۔ ڈاکٹر صاحب کے اس عمل میں خواہ جس قدر بھی اصالت اور پیوریٹی ہو مگر ہے روش عام اور وقت وزمانہ کے معروفات ومعمولات سے ہٹ کر، اس لئے شاید اس عظیم تصنیف وتالیف میں قارئین کرام یہ کمی محسوس کریں گے۔ مثلاً ڈاکٹر صاحب نے شیخ الاسلام، مفسر قرآن، علامہ زماں، امام ثناء اللہ امرتسری کے نام کے ساتھ صرف جناب ثناء اللہ صاحب۔ شیخ الکل فی الکل، سرخیل محدثین، امام وقت، سید نذیر حسین دہلوی کو جناب سید نذیر حسین دہلوی۔ حکیم الاسلام، علامہ محمد حسین بٹالوی کو جناب محمد حسین۔ مصلح امت ومجاہد آزادی شاہ اسماعیل شہید کو جناب شاہ محمد اسماعیل۔ محدث عظیم حسین ابن محسن انصاری کو جناب حسین بن محسن انصاری۔ ولی اللہ علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی کو جناب عبدالعزیز رحیم آبادی۔ مجاہد آزادی اور شہید کالا پانی مولانا یحی علی صادقپوری کو جناب یحی علی صادقپوری وغیرہم رحمہم اللہ لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔ مؤلف کا یہ اپنا اصول ہے۔ میرا اپنا رجحان تو یہی ہے کہ غلو واطراء سے بچتے ہوئے مناسب القاب وآداب ذکر کئے جائیں۔

تاریخ نویسی جس طرح کی مصابرت ومحنت چاہتا ہے تنقیح وتصحیح روایات میں عرق ریزی، دقت نظری اور وسعت مطالعہ چاہتا ہے ڈاکٹر صاحب حفظہ اللہ کا اس میں کتنا بڑا حصہ ہے۔

قارئین کرام اس کا ادراک واحساس ضرور فرمائیں گے۔ اور اس عظیم علمی دینی وتاریخی خدمت کے لئے جہاں مولف وناشر اور معاونین کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ وہیں کتاب پر بطور تعریف وتقریظ وتائید اور تشجیع جن اہل قلم اور اہل علم حضرات نے اپنے گرانقدر خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان میں سے بعض شخصیات کی تنمیقات ورشحات قلم کو شامل اشاعت کرتے ہوئے ان کے لیے دعا گو اور ان کا شکر گزار ہوں خصوصاً استاذ محترم جناب ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری صاحب، استاذ محترم جناب شیخ عبدالمعید مدنی، محترم جناب مولانا ثناء اللہ سیالکوٹی (امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ) اور بالاخص برادر گرامی قدر جناب مولانا شیر خاں جمیل احمد (ناظم تعلیمات مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ) برمنگھم جن کی عنایات خاصہ وتوجہات اور نوازشوں کی بدولت ہی بفضل الٰہی میری رسائی اور ملاقات ڈاکٹر بہاء الدین صاحب سے بذریعہ ٹیلی فون اور پھر بالمشافہ ممکن ہو سکی۔

اللہ تعالیٰ سب کے حسنات وجہود کو قبول فرمائے اور مزید توفیق عنایت کرے۔ آمین

خادم جمعیت و جماعت

اصغر علی امام مہدی سلفی

ناظم اعلیٰ

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

مطابق ۱۲/۴/۲۰۰۷ء

دہلی

تاثرات

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

محترم ڈاکٹر محمد سلیمان (بہاء الدین) صاحب سے خاکسار کا غائبانہ تعارف برمنگھم کے جماعتی مجلّہ ''صراط مستقیم'' کے ذریعہ ہوا، مذکورہ مجلّہ میں موصوف محترم کا مضمون بعنوان ''تحریک ختم نبوت'' بالاقساط شائع ہوتا تھا، پھر ان قسطوں کو کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا، اب تک اس کی چار جلدیں شائع ہوچکی ہیں، ان میں سے بعد کی دو جلدیں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے شائع کی ہیں، ابھی تک مجھے محترم ڈاکٹر صاحب سے شرف ملاقات حاصل نہیں، میں جولائی ۲۰۰۱ء میں برطانیہ گیا تھا تو ان کے صاحبزادہ محمد عمیر سلمہ سے ملاقات ہوئی تھی، لیکن میں ڈاکٹر صاحب کے علاقہ تک نہ جاسکا، البتہ مراسلت ومکالمت کا سلسلہ جاری ہے، ابھی تقریباً دو تین ماہ پہلے کی بات ہے کہ موصوف محترم کا ایک طویل مکتوب موصول ہوا تھا جس میں انہوں نے جامعہ سلفیہ سے (بصورت مسودہ) شائع ہونے والی کتاب ''جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات'' پر اپنے گرانقدر خیالات کا اظہار فرمایا تھا، اور ساتھ ہی یہ خوشخبری دی تھی کہ ''تاریخ اہل حدیث'' کا کام تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ خاکسار کے لیے یہ خبر بے حد مسرت افزا تھی، میں ڈاکٹر صاحب کے قلم کی روانی کے سلسلہ میں کسی شبہ میں نہ تھا، لیکن پچھلے سال دو سال موصوف نے متعدد خطوط میں تحریر فرمایا کہ ان کی طبیعت ناساز رہتی ہے، اور معمول کے مطابق کام نہیں ہوپاتا۔ یہ سن کر دل سے ان کے لیے صحت عاجلہ کاملہ کی دعا نکلتی تھی، لیکن یہ اندازہ نہ تھا کہ دیار غرب میں بیٹھ کر یہ مرد مجاہد، تاریخ اہل حدیث کے لیے مواد اکٹھا کر رہا ہے، اور جس فرض کو ادا کرنے سے اب تک افراد اور تنظیمیں قاصر تھیں اسے ایک فرد انجام دینے کے لیے میدان میں اتر پڑا ہے: ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے مذکورہ مکتوب میں تحریر فرمایا ہے: تاریخ اہل حدیث پر وہ کم وبیش تین ہزار صفحات لکھنے کا عزم رکھتے ہیں جو چار یا پانچ جلدوں میں سمائیں گے۔ یسر اللّٰه له الاتمام.

صراط مستقیم میں تحریک ختم نبوت کی زیر اشاعت قسطوں کا مطالعہ کرنے کے بعد راقم سطور نے محسوس کیا تھا کہ محترم ڈاکٹر صاحب اس موضوع پر صرف لکھ نہیں رہے ہیں بلکہ اب تک کی کوششوں پر محاکمہ فرمارہے ہیں۔ مآخذ سے موصوف کی واقفیت، مختلف تحریروں کے مابین تقابل، ان تحریروں سے استنباط واستدلال، غلطیوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ اور غلط نتائج کی تصحیح واصلاح وغیرہ محاسن موصوف محترم کی تحریر میں موجود ہیں، اسی وجہ سے خاکسار نے اپنے ایک مضمون ”جهود اهل الحديث في مقاومة القاديانية“ میں ڈاکٹر صاحب کی تحریر کے بعض حصوں کا عربی ترجمہ دیا تھا، تاکہ قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ قادیانی تحریک کی سرکوبی میں اولین اور بنیادی کردار کس جماعت اور کن حضرات کا ہے۔

میں یہ سطور عجلت میں تحریر کررہا ہوں، پھر بھی یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آج کے اس تحقیقی دور میں کسی فرد یا جماعت سے متعلق غلط فہمی پھیلانے یا الزام تراشی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، اور جماعت اہل حدیث تو شروع ہی سے ایک ایسی حقیقت ہے جس پر پردہ ڈالنے کی کوشش بے سود ہے، پھر اس وقت ہمارے سامنے جو حالات ہیں ان میں کسی اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے، اگر ہم آپس میں عصبیت اور کردار کشی کا شکار رہیں گے تو اس کا فائدہ دوسرے اٹھائیں گے۔ میں یہ بات مصنف محترم کے پیش کردہ حقائق کی بنیاد پر عرض کررہا ہوں جن کے انکار کی اب کوئی گنجائش نہیں، لہٰذا زبان وقلم کو قابو میں رکھ کر ہمیں آئندہ کے لیے محتاط ہو جانا چاہیے۔

تحریک ختم نبوت سے لے کر تاریخ اہل حدیث تک محترم ڈاکٹر محمد سلیمان صاحب کی فکری کاوش وقلمی کوشش پر نظر ڈالیں تو انبساط وطمانیت کے ساتھ ہی یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ ہماری آئندہ نسلیں جب موصوف کے اس کارنامہ پر نظر ڈالیں گی تو انہیں غیر معمولی مسرت ہوگی، اور وہ اس مرد مجاہد کے لیے صمیم قلب سے دعا کریں گی جس نے وسائل کی کمی اور علاقہ سے دوری کے باوجود ان کے اسلاف کی دینی وعلمی خدمات کو اجاگر کیا، اور جماعت اہل حدیث کے اندر یہ اعتماد پیدا کیا کہ کتاب وسنت کی اشاعت سے لے کر جنگ آزادی تک اس جماعت کے اکابر واصاغر کا کردار قائدانہ اور بے داغ ہے، جو حضرات اس سلسلہ میں کچھ اور کہتے ہیں ان کا دل صاف اور خدمت بے لوث نہیں ہے۔

مصنفِ علام نے اپنے مقدمہ میں موضوعاتِ کتاب کی جانب اشارہ کیا ہے، اس سے یہ

معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کام کی وسعت کا انہیں پورا اندازہ ہے، اور اس میں عدالتی مقدمات ومناظرات سے لے کر دعوت، تدریس، تالیف اور فرقِ باطلہ کی تردید نیز مسلماتِ اسلام کا دفاع وغیرہ تمام مسائل شامل ہیں، اوراس طرح یہ جماعت اہل حدیث کے اصول ومقاصداور خصائص وامتیازات کا ایک انسائیکلوپیڈیا تیار ہورہا ہے جس کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی گئی، اور موجودہ دور میں یہ احساس مزید سخت ہوگیا، اللہ تعالیٰ کا یہ بے پایاں فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے ایک بندہ کے لیے یہ کام آسان فرمادیا، اوراب اس کی پہلی جلد منظرِ عام پر بھی آرہی ہے۔ الحمد للّٰه الّذی بنعمته تتم الصالحات.

محولہ بالا مقدمہ میں مصنفِ باتمکین نے ایک حقیقت رقم فرمائی ہے جس میں کتاب کے قارئین کے لیے بیش قیمت نصیحت بھی ہے، موصوف لکھتے ہیں:

> ''ہماری یہ کتاب جماعت اہل حدیث کے مستقبل کے عزائم کا بیان نہیں ہے، بلکہ (اقرأ کتابك کے مصداق ماضی کی سرگزشت ہے، عزائم ہمیشہ بلنداورسہانے ہوتے ہیں، جب کہ ماضی کی حکایت بلندی وپستی کی روداد ہوتی ہے، رودادِسفرمیں ایسی جگہوں سے گزربھی ہوتا ہے جوقابلِ ذکرنہیں ہوتیں، اورنخلستانوں ومرغزاروں کی معطرفضاؤں سے گزربھی ہوتا ہے۔'' الخ

⊙......مصنفِ علام نے اس جلد کے تقریباً ۱۵۰ صفحات جماعت اہل حدیث کی تعریف، اس کی تاریخ اورقدامت وغیرہ نقاط کے لیے خاص کیا ہے، ممکن ہے کسی ذہن میں ان مباحث کی ضرورت سے متعلق کوئی سوال پیدا ہو، اس لیے گزارش ہے کہ ''تاریخ اہل حدیث'' کے موضوع پر جوکتاب تصنیف کی جائے اس میں ان مباحث پر گفتگو ضروری ہے، آغاز کلام میں اگران مباحث کی تنقیح نہ ہوگی تو آئندہ مباحث کی تشریح میں دشواری ہوگی۔

اس گفتگو کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ جولوگ جماعت اہل حدیث کی مخالفت میں قلم اٹھاتے ہیں ان کے ذریعہ ان نِکات کو ابھارا جاتا ہے، ہرچند کہ ان کا طریقہ مبنی برتحقیق نہیں ہوتا لیکن اپنے شگوفوں کے ذریعہ سادہ ذہن میں وہ الجھاؤ ضرور پیدا کردیتے ہیں، اس لیے مصنفِ محترم نے متعلقہ شبہات کو تشفی بخش طور پر دورفرمادیا ہے۔

اس سلسلہ کی ان کی بحث کے بعض نِکات یہ ہیں: حدیث کے لغوی واصطلاحی معنی، عہد صحابہ ومابعد میں عمل بالحدیث، عمل بالحدیث منصوص ہے، قدامت مذہب اہل حدیث، عمل بالحدیث کا ہردور میں وجود، لفظ وہابی کی تاریخ، ماضی اورحال کے اہل حدیث، برصغیر ہند کے

اہل حدیث، سواد اعظم۔

مستند مآخذ کے حوالہ سے مصنف نے مذکورہ بالا عناوین پر روشنی ڈالی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ جماعت اہل حدیث ہی کے ذریعہ صحیح اسلام کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے، اور یہی جماعت عصر نبوت سے آج تک تسلسل کے ساتھ اپنی دینی ذمہ داری ادا کر رہی ہے۔

عظیم شخصیات کی جانب انتساب کا دعوی عام ہے، ہم اس جذبہ کو برا نہیں کہتے، البتہ یہ ضروری ہے کہ جس شخصیت کی طرف انتساب کے ہم مدعی ہیں اس کے اصول ومقاصد کی پابندی کریں، انتساب کا صرف زبانی دعوی زیب نہیں دیتا۔ ہندوستان میں شاہ ولی اللہ کی طرف انتساب کی دعویدار متعدد جماعتیں ہیں، ڈاکٹر بہاؤالدین صاحب نے لوگوں کے دینی مزاج اور تقلید واتباع سے متعلق ان کی روش کے بارے میں شاہ ولی اللہ کی تحریر کا اقتباس پیش کرنے کے بعد اپنا تاثر یوں ظاہر کیا ہے:

''ایک معروف حنفی اہل علم کی ترجمہ شدہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی یہ تحریر ان لوگوں کے لئے سرمۂ چشم ہے جو اپنے آپ کو فکرِ ولی اللہ کے وارث سمجھتے ہیں۔''

ادیان، تحریکات اور شخصیات کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس عالم رنگ وبو میں زلازل ومحن سے گزرنا ہر ایک کے لئے ضروری ہے، مرحلۂ ابتلاء کبھی تسلسل کے ساتھ برقرار رہتا ہے، اور کبھی مختصر محسوس ہوتا ہے، اسی طرح مشاہدہ ہے کہ حق سے قربت ودوری کے لحاظ سے نوعیت ابتلاء میں شدت ونرمی ہوتی ہے۔

برِصغیر میں جماعتِ اہل حدیث کی تاریخ پر نظر ڈالیے تو مصائب ومحن کا ایک تسلسل نظر آئے گا، اپنوں اور غیروں میں سے جو بھی اٹھا اس نے اس جماعت کو تختۂ مشق بنایا، اور شاید یہی چیز اس کے لئے بہتر ہوئی، آزمائشوں کے تسلسل میں ثابت قدمی وپامردی کی تاریخ رقم کرنے والے اللہ کے مخلص بندوں کو دیکھ کر لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس عزیمت کا سرچشمہ ایمانِ کامل اور اخلاصِ فراواں کے علاوہ کچھ اور نہیں!

ہر چند کہ مظلومیت کی داستان طرازی میں قلبِ انسانی کو سکون حاصل ہوتا ہے، لیکن میں کسی اور مقصد سے یہ بات لکھ رہا ہوں، اس میں وعدۂ الٰہی کی مصداقیت اور جماعت کی حقانیت کا پہلو مضمر ہے، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ابتلا کے بعد جماعت کی توانائی میں اضافہ نظر آتا ہے۔

تاریخ اہل حدیث کے مصنف محترم نے بعض مآخذ کے حوالہ سے متفرقات میں ایک جگہ لکھا ہے کہ انگریز اس جماعت (مجاہدین) سے اس قدر خائف تھا کہ جب وہ سیاسی ہتھیاروں سے ان پر قابو نہ پاسکا تو اس نے وہابیت کا ڈھونگ کھڑا کیا، اور اس جماعت کو وہابی کہہ کر بدنام کرنا شروع کیا تاکہ لوگوں کو اس جماعت کے ساتھ لگاؤ نہ رہے، چنانچہ بریلی کے ایک مولوی کو پانچ سوروپے ماہوار پر ملازم رکھا، اور انھیں اختیار دیا کہ جتنے مولوی چاہیں ملازم رکھ لیں، چنانچہ ان سرکاری تنخواہ دار مولویوں کا ایک پورا گروہ ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گیا، اور مسجدوں میں، پبلک مقامات میں انہوں نے حضرت شاہ اسماعیل صاحب کی تکفیر اور ان کی وہابیت کی تشہیر شروع کی، ان کے خلاف جھوٹے الزام تراشے گئے۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے اپنی سابقہ میقات میں متعدد مفید اشاعتی منصوبوں کی تکمیل کی ہے، اور اس کا ایک اہم کارنامہ ''پاکوڑ کانفرنس'' بھی ہے جس نے جماعت کے اہل غیرت وہمت افراد کو بہت کچھ سوچنے اور کرنے پر مجبور کردیا ہے، مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ نئی میقات میں اس کو ایک ایسا اشاعتی منصوبہ ملا ہے جس کی ایک طویل مدت سے لوگوں کو تمنا تھی، اور وہ منتظر تھے کہ کوئی مرد آہن اٹھے اور اس کام کو انجام دے۔ اللہ تعالیٰ نے مرکزی جمعیت کو توفیق عطا فرمائی کہ وہ تاریخ اہل حدیث کی اشاعت کا کام اپنے ذمہ لے۔ اس موقع پر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے اراکین اور بالخصوص اس کے امیر محترم جناب حافظ محمد یحییٰ اور ناظم اعلیٰ مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی مبارکباد و شکریہ کے مستحق ہیں کہ اس کام کے لیے انہوں نے محنت وتوجہ مبذول کی، اور بالخصوص ناظم اعلی صاحب نے (۲۰۰۶ء میں) اپنے سمندر پار کے طویل سفر میں اس مقصد کو فراموش نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مصنف محترم کو، جمعیت کے ذمہ داران کو اور اشاعت میں معاون تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور قارئین کرام کو اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

وصلّى الله على رسوله الكريم، وعلى آله وصحبه اجمعين والحمد لله ربّ العالمين

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

صدر جامعہ سلفیہ بنارس

ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ

تاثرات

جناب ثناء اللہ سیالکوٹی

بسم اللّٰہ الرّ حمن الرّ حیم

نحمدہ و نصلّی علی رسولہ الکریم

دس سال قبل ٹیلی فون پر محمد بہاء الدین صاحب سے میری گفتگو اب تاریخ کا حصہ بن چکی ہے کیوں کہ اس کے نتیجے میں اس عزیز محترم نے تحریک ختم نبوت کی تاریخ پر علمی و تحقیقی کام کر کے جماعت اہل حدیث کو اس قرض سے سبک دوش کر دیا جو گزشتہ ایک صدی سے اس کے ذمہ واجب الادا چلا آرہا تھا۔ کہاں یہ حالت تھی کہ تحریک کے ابتدائی دور کی تاریخ پر اہل حدیث حضرات کی خدمات کا ذکر کہیں ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا اور کہاں آج کی صورت حال کہ اس جواں ہمت نے تن تنہا کام کر کے ۱۸۹۱ء سے ۱۹۱۲ء کے دور کی تحریک ختم نبوت کی تاریخ پر دو ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل مستند مواد چار جلدوں میں پاکستان اور ہندوستان سے شائع کروا کر شائقین کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ مختصر عرصے میں اس قدر وسیع اور وقیع علمی کام کی مثال اداروں اور تنظیموں کے ہاں بھی نہیں ملتی۔ اللہ ہمارے دوست محمد بہاء الدین کی اس خدمت کو قبول کرے اور جماعت اہل حدیث کو خصوصاً اور عامۃ المسلمین کو عموماً اس سے فائدہ پہنچائے۔ آمین

مذکورہ بالا ٹیلی فونک گفتگو کے چند سال بعد میں نے اپنے دوست سے پھر ایک فرمائش کی۔ اسے توجہ دلائی کہ برصغیر ہند اور برطانیہ کے اہلحدیث کی تاریخ کی ترتیب و تدوین کا کام بھی کر دیا جائے تو جماعتی لٹریچر میں پائی جانے والی یہ کمی پوری ہو جائے۔ اس عزیز نے سمع و اطاعت کا نمونہ پیش کرتے ہوئے فوراً اس موضوع پر کام کرنے کے لئے ہندوستان، پاکستان اور برطانیہ میں اپنے دوستوں کے تعاون سے ضروری ماخذ تلاش کرنا شروع کر دیئے۔ مجھے

معلوم ہے کہ اس مہم کے دوران (جو تا حال جاری ہے) اسے کتنے صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا، لیکن اس نے ثابت قدمی اور اولوالعزمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہل حدیث کی تاریخ سے متعلق لٹریچر کا ایک ڈھیر لگا لیا ہے جسے وہ کباڑ خانے سے تشبیہ دیتا ہے اور اس کباڑ خانے سے چند کار آمد اشیاء نکال کر مناسب جھاڑ پونچھ کے بعد اس نے کم و بیش سات سو صفحات پر مشتمل تاریخ اہلحدیث کی پہلی جلد مکمل کر لی ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالی کی توفیق شامل حال رہی تو آئندہ برسوں میں مزید دو تین جلدیں تیار کر کے شائقین کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ ہے۔

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اکیلا آدمی کتنا کچھ کر رہا ہے۔ وہ اپنی ذات میں انجمن دکھائی دیتا ہے۔ اپنے ذاتی وسائل سے ضروری لٹریچر اکٹھا کر رہا ہے۔ خود ہی اس کی جھاڑ پونچھ کرتا ہے۔ خود ہی انگریزی فارسی عربی سے ضرورت کے مطابق اردو میں ترجمے کر لیتا ہے۔ تاریخ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لینے کی وجہ سے اس کا ذوق اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ خود ہی نقاد و جارح بن کر روایات و معلومات کی چھان بین کر لیتا ہے۔ خود ہی کمپوزر ہے اور خود ہی پروف ریڈر بھی۔ اور جماعت کا ایسا بے لوث خادم ہے کہ جسے نہ ستائش کی تمنا ہے نہ صلے کی پرواہ۔ کسی تنظیم، ادارے یا پبلشر سے کسی بھی قسم کے مادی معاوضے کا طلب گار نہیں ہے بس ایک ہی بات کا خواستگار ہے کہ دوست اللہ سے دعا کریں کہ وہ اس کا دامن حسنات سے بھر دے اور اپنے حبیب کی شفاعت نصیب کرے۔

زیر نظر تحریر اہل حدیث کے مجوزہ دائرہ معارف کی پہلی جلد ہے جس کی فہرست ہی پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نوعیت کا کام ہماری جماعت میں شائد پہلی بار ہو رہا ہے۔ اس نے اکابر اہل حدیث کی زبانی مسلک اہل حدیث کے خدوخال واضح کیے ہیں اور اس کے مابہ الامتیاز مسائل کو اکابر کی تحریروں سے نقل کیا ہے جو اہل حدیث جماعت کے تاریخی ورثے کی حفاظت کی بہترین صورت ہے۔ اس نے تاریخ میں اہل حدیث مسلک کے تسلسل کو بیان کیا ہے اور برصغیر میں جن حلقوں نے عمل بالحدیث کی راہیں دشوار گزار بنانے کی کوشش کی ہے انہیں بے نقاب کیا ہے۔ اس کے علاوہ کتاب میں اور بھی بہت کچھ ہے جو یقیناً قارئین کی

دل چسپی کا باعث ہوگا۔

قارئین سے میری درخواست ہے کہ میرے اس دوست سے تعاون کریں جس کی بہترین صورت یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس تاریخ اہل حدیث سے کچھ معلومات یا دستاویزات موجود ہوں تو اسے استفادہ کا موقع دیا جائے تا کہ ممکنہ حد تک اس دائرہ معارف کو مفید اور مکمل بنایا جاسکے۔ والسلام

ثناءاللہ سیالکوٹی

امیر (جمعیت اہل حدیث برطانیہ)

۲۰/دسمبر ۲۰۰۶ء

تاثرات

جناب عبدالمعید مدنی

تاریخ اہل حدیث ہند ایک روشن اور تابناک سچائی ہے، اس کا ہر باب سنہرا، ہر فصل ضوء فشاں اور ہر عنوان ضیاء بار ہے۔ اس سچائی کی تابشیں خاک ہند پر پہلی صدی ہجری سے ہی نظر آرہی ہیں۔ پہلی صدی سے لے کر پانچویں صدی ہجری تک اہل حدیثوں کی ثقافتی، جہادی اور دعوتی سرگرمیاں عربی وفارسی مؤرخین کے خامہ ہائے حقیقت بار سے زیب قرطاس بن گئیں۔ پھر اردو قلم کاروں نے تاریخی تفصیلات کو اردو میں منتقل کردیا۔

پانچویں صدی کے بعد تصوف، تقلیدی فقہ اور فلسفہ ہائے عجم کا بازار گرم ہوا، دعوت اہل حدیث کو نظر انداز کیا جانے لگا، تقلید وفرقہ پرستی نے تصلّب پسندی کی راہ اپنائی، انجام کار......اہل حدیث اجنبی ہوگئے اور دعوت اہل حدیث سے نفرت کی جانے لگی، پھر حالت اتنی دگرگوں ہوئی کہ ''ترا از حدیث چہ کار، قول ابوحنیفہ بیار'' علماء وفقہاء کا دینی نعرہ بن گیا۔ اس سنت بیزار ماحول میں التزام سنیت سے لوگ آزاد ہوئے تو ہر طرف ''ارباباً من دون اللّٰہ'' کی حکمرانی قائم ہوگئی، علماء ومشائخ دینی سند بن گئے اور غلو فی الاولیاء والصالحین نے عقیدت مندوں کے لیے مرنے کے بعد ان کی قبروں کو کشف کربات وقضاء احتیاجات کی آماجگاہ بنادیا۔ اعقاب ومقابر ان کا ملجا وماوی بن گئے، معبود برحق اور رب کریم کو بھلا دیا گیا، انھیں اس کی حاجت ہی نہ رہی۔ اس بگاڑ کا تسلسل آج بھی جاری ہے اور دن بدن چند دو چند ہوتا رہتا ہے۔ اس بگاڑ کو چند دو چند کرنے میں اہل حدیث مظلوموں کو چھوڑ کر کل کے کل مسلمان لگے ہوئے ہیں۔ اس ماحول میں کہاں اہل حدیث اور کہاں کی دعوتِ اہل حدیث؟ کون پوچھتا اہل حدیثوں کو اور کون پوچھتا دعوت اہل حدیث کو؟

اٹھارہویں صدی میں دعوت اہل حدیث کی شعاعیں پھر سرزمین ہند پر پڑنے لگیں، فاخر زائر الہ آبادی کی بے آمیز خالص دینی دعوت اور شاہ ولی اللہ کی دعوتِ اہل حدیث سے وابستہ

چند مباحث نے قلوب واذہان میں تبدیلی پیدا کی۔ دھیرے دھیرے کاروانِ دعوت بڑھتا رہا اور پھر شہیدین کی دعوت وجہاد کی ملک گیر سرگرمیوں سے پورا ملک مستفید ہوا۔

سید السادات نذیر حسینؒ دہلوی اور سید والا جاہ صدیق حسنؒ بھوپالی کی مبارک ومسعود کوششوں کے نتیجے میں پورے برصغیر میں دعوت اہلحدیث کی آواز گونج اٹھی۔ ان کے ساتھیوں اور تلامذہ نے دعوت وتدریس اور جہاد کیلئے بے مثال جاں نثارانہ جدوجہد کی، یوں کہیے امت اسلامیہ ہند کی اسلامی نشأۃ ثانیہ کا سارا کاروبار انھیں سرفروشوں کے دم سے قائم تھا۔

دعوت اہل حدیث کو مسلسل فروغ اور ترقی بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں تک قائم رہی۔ اس مبارک گروہ کے علماء آگے چل کر غیروں کی چھیڑ چھاڑ کے ساتھ ایسے الجھے اور اُن کی ریشہ دوانیوں، اذیت رسانیوں اور عداوت کے ایسے شکار ہوئے کہ یاروں کو ان کی شبیہ بگاڑنے میں پوری طرح کامیابی حاصل ہوگئی اور پھر کاروانِ دعوتِ حق کی راہ میں ایسی مشکلات پیدا ہوئیں کہ اب تک دردِ سر بنی ہوئی ہیں۔

اِن مشکلات میں ایک اہم الجھن یہ ہے کہ ہماری تاریخ کو ہتھیا لیا گیا۔ سرفروشوں کا گروہ مفادِ ملت کے ہر کام میں آگے تھا۔ دعوت وتبلیغ، تدریس وتعلیم، اسلامی ریاست کے قیام کے لیے جہاد، جہاد حریت، رفاہی اور اجتماعی کام، سیاسی جدوجہد غرض کہ ہر سرگرمی میں یا تو بلاشرکت غیرے رہے یا اس میں ان کی حصہ داری بلا کسی تحفظ وشرط سب سے زیادہ تھی لیکن وہ جہات جن کی تدریسی ودعوتی سرگرمیاں دنیاداری اور مفاد پرستی کی بنیاد پر قائم تھیں اور اب بھی ہیں، انھوں نے بڑی چالاکی سے سنت کے پروانوں کا استیصال کیا، وہ اپنی گمراہیوں کو حق باور کرانے میں کامیاب ہوگئے اور اپنی دنیاداریوں کو قربانی کی شکل دینے اور مقدس بنانے میں سرفراز ہوئے اور مشترکہ پلیٹ فارم پر اکٹھا ہو کر تصوف کی ہوش ربائیوں اور تقلیدی دہائیوں کے ذریعہ قافلہ سالاری کا حق حاصل کرلیا۔ ان تمام محاذوں پر اہل حدیث مات کھا گئے اور کمتر درجے کے لوگوں کی انھیں سیادت قبول کرنی پڑی۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ سیادت اسٹیج سے وہ پیچھے دھکیل دیئے گئے۔ انھیں پس منظر میں جانا پڑا اور پھر جو تصوف اور تقلید کے داعیوں کی ساکھ قائم ہوئی تو اس میں مادی توانائیوں کے حوالے سے مضبوطی آتی گئی اور جمعیۃ العلماء وکانگریس کی بیساکھی نے سیاست کے حوالے سے ان کا ایک رنگ قائم کردیا اور اس پلیٹ فارم کو زر ومال اور جاہ ومنصب کے حصول کا ذریعہ بنالیا گیا، گو اس کی خاطر انھیں بہروپ بھرنے میں مہارت

حاصل کرنی پڑی۔

۱۹۴۱ء میں ایک مستر داور غیر معتبر شخص نے اپنے غیر معتبر فلسفوں کی محفل سجائی، اشتمالیت، وحدت الوجود، وطنیت اور جمود پسند تقلید کو برصغیر میں اسلامی نشأۃ ثانیہ کی بنیاد قرار دیا اور شاہ ولی اللہ کو ان کا داعی قرار دیا، پھر اس سیاسی تحریک کا تسلسل شاہ اسحاق اور مملوک علی سے چلاتے ہوئے دیوبند میں پہونچا دیا۔ ''شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک'' انھیں افسانوں پر مشتمل ہے۔ اس تاریخ سازی کی اس کتاب اور افسانوی تحریروں میں بڑی چالاکی یا بڑی نادانی کے ساتھ دعوت اہل حدیث اور علمائے اہل حدیث کو کتاب وسنت کی تعلیمات کی طرف بازیابی اور اُن کی بالادستی اور فروغ کی ساری مساعی کو دعوت شہیدین سے الگ ہی دکھلانے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ ان پر ان مساعی کے خلاف کام کرنے کا الزام بھی لگایا گیا۔

دینی اصولوں کے اعتبار سے سندھی پورے برصغیر میں علماء کے ہاں مستر داور غیر معتبر قرار پائے۔ لیکن ان کی مذکورہ کتاب کی ہفوات کو ایک خاص دنیادار ولولہ پسند گروہ علماء نے نعمت غیر مترقبہ کے طور پر قبول کرلیا اور پھر برصغیر میں ان ہفوات کو اس گروہ کے علماء نے تاریخ سازی کے اصول کے طور پر اپنا لیا۔ اِن خودساختہ اور وضع کردہ اصولوں کے تحت اہل حدیثوں کی تقریبا ڈھائی سو سالہ تاریخ کو ہتھیا لیا گیا۔ اس ناروا کتاب کی تردید میں مولانا مسعود عالم ندویؒ نے شہرہ آفاق کتاب ''مولانا سندھی اور اُن کے افکار وخیالات پر ایک نظر'' لکھی۔ اس پر مولانا سید سلیمان ندوی نے ۱۶ صفحات کا زبردست مقدمہ لکھا اور اپنے تلمیذ کی بھرپور تائید کی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کے اندر سلفیت کا چراغ روشن تھا۔ لیکن فرقہ پرست ذہنیت پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ دونوں ندوی تحریروں کا ''مولانا سندھی اور ان کے ناقد'' کے نام سے ایک صاحب نے ناروا جواب دینے کی کوشش کی۔

تاریخ سازی کے سندھی افسانوں اور افکار کو بہرحال اصول کے طور پر اپنا لیا گیا اور وہی ملحدانہ افسانے اب اسلامی نشأۃ ثانیہ کی تاریخ نویسی کا منہج بن گئے۔ اس بدنام زمانہ کتاب کی طباعت کے ایک دہے بعد مولانا محمد میاں کا وہ تاریخی سلسلہ ''علماء ہند اور اُن کا شاندار ماضی'' اور ''علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے'' شائع ہوا جس میں کلی طور پر سندھی کے افسانوی اصول پر عمل ہوا۔ ان کی متعمدانہ فروگزاشتوں پر کہیں کہیں مولانا غلام رسول مہر نے شہیدین کی دعوت وجہاد سے متعلق تاریخی سلسلے میں نقد کیا ہے، جمعیۃ العلماء کی تاریخ نویسی نے تاریخ

اہل حدیث کو ہتھیانے کی ابتداء کی اور پھر یہ قلمی پائریسی (Piracy) پورے عالم دیوبندیت پر پھیل گئی۔ ہر کہ ومہ تاریخی اور تاریخ ساز بن گیا۔

یہی نہیں، دوسرا قدم یہ اٹھا کہ ان گنت سر پھرے پیدا ہو گئے جن کا یہ خوشگوار فریضہ اور دلچسپ مشغلہ بن گیا کہ سیدین (سید والا جاہ اور سید السادات دہلوی) کی کردار کشی کریں۔ جب حیات تھے تو ان سر پھروں کے بزرگوں نے انھیں انگریز دشمن جتلا کر انگریزوں کے ذریعہ انھیں تہ تیغ کر دینے کی کوشش کی۔ جب انھوں نے اور مولانا بٹالوی نے پوری اہل حدیث برادری کو تباہی سے بچانے کی کوشش کی تو انھیں کے حملے سے بچاؤ کی کوشش کو انگریز وفاداری سے تعبیر کیا جانے لگا۔ اور یہی غلط شوشے آج قوم کی زبان اور قلم کے نوک پر ہوتے ہیں۔ ہر طرف ﴿يُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا﴾ کی بوالعجبی کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔

اہل حدیثوں کی مظلومیت کی داستان مولانا ابوالحسن علی ندوی کی قلمی چاند ماریوں سے زیادہ ہی دردناک ہو گئی ہے۔ انھوں نے بھی سندھی منہج کو اپنا کر "المسلمون في الهند" میں تاریخ میں بھرپور رنگ آمیزی کی کوشش کی ہے۔ سندھی کے مقاصد جو تھے، تھے ہی، انھوں نے اپنی دلی رغبتوں اور خواہشوں کو برصغیر میں اسلامی نشأۃ ثانیہ کا اصول اور منہج بنا ڈالا۔ یہاں علی میاں کے ہاں بھی دلی رغبتوں اور قلبی خواہشوں کا مسئلہ تھا۔ علی میاں اور ان کے گھرانہ نے سید احمد شہید کو تصوف کے حوالے سے کیش کرانا چاہا اور پھر اپنی ساری کتابوں میں انھیں زندگی بھر لیپ پوت کرتے گزری۔ پرانے چراغ، کاروان زندگی، سیرت سید احمد شہید، تاریخ دعوت وعزیمت اور دیگر سوانحی کتابوں میں وہ ہمیشہ تصوف کی بے سمتی اور عدم منہجیت کے شکار رہے۔

مولانا مسعود عالم ندوی بھی اہل حدیثوں کے متعلق ذہنی تحفظ کے شکار تھے۔ ایک طرف ان کی حق پسندی اور حقیقت شناسی اور دفاع عن الحق میں ان کی تحریریں ہیں۔ دوسری طرف "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" میں اہل حدیثوں پر ان کا بے موقع جارحانہ تبصرہ ہے اور "چند ماہ دیار عرب میں" بالعموم تحریکی جوش میں سلفیت اور سلفیوں کی مذمت ہے۔ دراصل ان کی سلفیت تحریکیت سے دب گئی تھی۔ اس طرح ان کی کتاب "تاريخ الدعوة الاسلامية في الهند" کو ملاحظہ کیا جائے تو اس کی ساری باتیں برصغیر میں دعوت دین سے متعلق ایک تاثر ہیں، تاریخ نہیں۔ اس تاثر نے اچھی خاصی جگہ غیر معتبر تحریکی سرگرمیوں کے لیے لے لیا ہے۔ لوگ اپنے اپنے رجحانات کو اصول کا درجہ دے کر چلے گئے اور برصغیر کی اسلامی نشأۃ ثانیہ کی

تاریخ کو ''خواہشات کی ڈھیر'' بنا ڈالا۔ خواہشات کے اس ڈھیر کو ایک اور مکتب فکر میں پذیرائی مل گئی۔ اب تحریکی بھی اپنی سرگرمیوں کا سلسلہ نسب اس سندھی منہج تاریخ کے مطابق مرتب تاریخ سے جوڑتے ہیں۔

اس ''خواہشات کی ڈھیر'' تاریخ اور منہج تاریخ کو عصری جامعات میں قبول عام کا درجہ حاصل ہو چکا ہے اور سارے مکاتب فکر و عمل اسی ڈگر پر چل پڑے ہیں۔ جس کو دیکھئے تحقیق اور ریسرچ کے نام پر روسیاہیوں کا خرمن لگانے پر تلا ہے۔ اس کا سلبی نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے غیر جانبدار محقق بھی انھی افسانوں پر دادِ تحقیق دیتے نظر آتے ہیں۔

ڈھائی سو سال ہماری اسلامی نشأۃ ثانیہ کی سرگرمیوں پر بیت گئے ایسی سرگرمیاں جن کے پیچھے طہارت خیال، سچے جذبات اور خلوص نیت کی مطلوبہ اور ثمر آور خوبیاں تھیں، ایسی سرگرمیاں جن کے نتیجے میں ملت کو زندگی ملتی ہے اور شجر اسلام شاداب ہوتا ہے۔ ان دینی سرگرمیوں کے نقوش آج بھی پورے برصغیر کے مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر موجود ہیں۔ اگر ایسا ہو سکے کہ ان نقوش کو برصغیر کے مسلمانوں سے جدا کر کے دیکھا جائے کہ پھر کیا بچتا ہے تو شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان اسلامی نقوش کے بعد فتنہ وفساد جہل وضلالت کے سوا کچھ نہ بچے گا لیکن افسوس ہماری تاریخ ''گمشدہ'' کے کھاتے میں چلی گئی۔ اس کی بازیابی اور حقیقت کے انکشاف کی ضرورت کا زمانے کو شدت سے احساس ہے اور بہت سے دیدہ وروں کو تھا اور ہے لیکن یہ کام اب تک نہ ہو سکا۔

تاریخ کی حتمیت کے ہم قائل نہیں لیکن اس حقیقت کے انکار کی کس کو مجال ہے کہ تاریخ انسان کی ساری سرگرمیوں کا ریکارڈ ہے، ماضی کا آئینہ ہے، حال کے لیے توانائی ہے اور مستقبل کی منصوبہ بندی کے لیے اعمال و افکار اور تجربات کا خزانہ ہے۔ انسانی سرگرمیوں کی کامیابی و ناکامیابی استناد و عدم استناد کی تفصیل ہے اور انسانی افکار و خیالات، اعمال و مناہج، عمل اور ردعمل، اسباب و محرکات، نتائج و عواقب کی دلچسپ داستان ہے۔ وہ ایک امانت ہے جو ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقل ہوئی ہے اس لیے اسے مستند، صحیح اور محقق ہونا چاہیے تاکہ نئی نسل فریب اور دھوکے کا شکار نہ ہو، اُسے صحیح جذبہ عمل مل سکے۔ وہ اس کے لیے گمراہ کن سنگ میل نہ بن جائے۔ اس حساسیت کے باوجود اس دیو مالائیت کی سرزمین پر یاروں نے اسلامی نشأۃ ثانیہ کی تاریخ کو افسانہ بنا کے ہی چھوڑا۔

ہماری تاریخ کے اوراق تتر بتر ہو گئے، کچھ طوطیاں لے اڑیں، کچھ قمریاں اور کچھ زاغ وزغن کے ہاتھ لگا اور بہت کچھ پر نہنگوں نے اپنا نشیمن بنا ڈالا۔ ہمت مردانہ کی بات ہے کہ وطن سے دور دیار فرنگ میں بیٹھ کر دعوت اہل حدیث کے لیے تڑپنے والے اور علمائے اہل حدیث کی مظلومیت پر آنسو بہانے اور اخلاص پر عش عش کرنے والے ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ اپنی تاریخ کے اوراق کو ترتیب دینے بیٹھ گئے ہیں۔ ان کے حوصلے اور ہمت، جان کاری اور دیدہ ریزی کی داد پوری اہل حدیث برادری پہلے دے چکی ہے جب انھوں نے چار جلدوں میں دو ہزار صفحات میں قادیانیت کے شجر ملعون کو اکھاڑ پھینکنے کی اہل حدیث سرگرمیوں کو صفحات قرطاس پر سجایا تھا۔ اب پھر پوری برادری اور سارے حقیقی تاریخ کے متلاشی ان کے لیے دعا گو ہیں اور آس لگائے بیٹھے ہیں کہ جماعت کا یہ قرض وہ چکا دیں۔ معبود حقیقی سے دعا ہے کہ یہ خواب پورا ہو اور مفصل، مدلل اور صحیح تاریخ اہل حدیث مرتب ہو جائے۔

''تاریخ اہل حدیث'' کی ترتیب بہت مشکل کام ہے۔ جو شئے کئی دہائیوں سے ''گمشدہ'' کے کھاتے میں پڑی ہو، اُسے تلاش کر لینا اس کے بس کی بات ہے جسے اللہ نے بہت بڑے حوصلے اور ہمت سے نوازا ہو: اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

اور: ایں کار از تو آید و مردان چنیں کنند

ڈاکٹر صاحب نے ''تاریخ اہل حدیث'' کی تدوین کا کام جس منہج پر شروع کیا ہے بروقت وہی عین مطلوب کے درجے میں ہے۔ ہمارے سارے منتشر اوراق کا اکٹھے ہو جانا اور ہماری مکمل اور بھرپور سرگرمیوں کا آئینہ تیار ہو جانا، اس وقت جماعتی فریضے کے درجے میں ہے۔ بعد میں ان کی بنیاد پر دسیوں تاریخ اہل حدیث کا مختلف زبانوں میں تیار ہو جانا مطلوب اور مرغوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمت، حوصلہ، فراغت اور وقت دے کہ ڈاکٹر بہاء الدین محمد سلیمان صاحب کا یہ کام بحسن وخوبی انجام پا جائے، اور اسلامی نشأۃ ثانیہ کے متعلق غلط تاریخ کی اصلاح ہو جائے، اس قیمتی اور اہم کام کی تکمیل میں لگے سارے لوگوں اور اس سے تعاون کرنے والے تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ سرخرو کرے۔

عبد المعید عبد الجلیل، علی گڈھ
ایڈیٹر ماہنامہ الاستقامہ (عربی)
۲۸/اپریل ۲۰۰۷ء

محسن جماعت ڈاکٹر محمد بہاء الدین

مختصر تعارف وخدمات

پنجاب کے ضلع گورداسپور میں قادیانی متنبّی پیدا ہوا تو اسی ضلع کے شیخ محمد حسین نے قادیانیت کے کس بل نکالے۔ پھر اسی ضلع میں ہمارے محبّ ڈاکٹر بہاء الدین پیدا ہوئے جنہوں نے ردّ قادیانیت میں شیخ محمد حسینؒ بٹالوی اور دیگر اہل حدیث علماء کی خدمات کو مرتب کر کے تاریخ کے اوراق میں محفوظ کر دیا۔

کچھ لوگ تاریخ بناتے ہیں اور کچھ لوگ اسے محفوظ کرتے ہیں۔ میرے شفیق دوست اپنے آپ کو آخر الذکر طبقے میں شمار کرتے ہیں لیکن میں اسے ان کی کسر نفسی سمجھتا ہوں، کیونکہ جتنے بڑے بڑے کام وہ کر رہے ہیں وہ بذات خود جماعت اہلحدیث کی تاریخ کے اہم واقعات ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے کہ رد قادیانیت میں اہل حدیث کی خدمات پر چند مختصر تحریروں کے سوا کہیں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہمارے محسن جماعت نے کرم خوردہ اوراق ڈھونڈھ کر دو ہزار صفحات پر مشتمل چار جلدوں میں تحریک ختم نبوت کی تاریخ کو شائع کروا دیا ہے اور اندازاً ایک ہزار صفحے کا مواد ابھی ترتیب وتہذیب کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ لطف کی بات یہ بھی ہے کہ یہ سب کچھ صرف بیس برس کی داستان ہے۔

تحریک ختم نبوت کی پہلی جلد سامنے آئی تو مسلک اہل حدیث سے سچی محبت رکھنے والے کئی احباب کی خواہش ہوئی کہ جس محنت اور لگن سے رد قادیانیت کی تاریخ پر کام ہو رہا ہے، اسی نہج پر تاریخ اہل حدیث کا بکھرا ہوا لٹریچر جمع کر کے تاریخ کے سینے میں محفوظ کر دیا جائے۔ بہت سے احباب نے نجی ملاقاتوں میں، کئی احباب نے خطوط کے ذریعے اور کتنے ہی دوستوں

نے دیگر ذرائع سے ہمارے محبّ گرامی سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ چلتا ہوا قلم اب رکنا نہیں چاہیے، لگے ہاتھوں تاریخ اہل حدیث بھی مرتب ہو جائے تو جماعت کا ایک اور واجب الاداء قرض ادا ہو جائے گا۔

ادھر ہمارے محبّ گرامی خود کم یاب لوگوں میں سے ہیں جن کا خمیر ہی مسلک اہلحدیث کی محبت سے اٹھا ہے۔ اس لئے وہ خود بھی اپنی علمی زندگی کے کسی مرحلے پر یہ کام کرنا چاہتے تھے، مسلک کے شیدائیوں کے پیہم اصرار نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور ہمارے جوان ہمت محسن جماعت نے اللہ کا نام لے کر دشت جنوں میں قدم رکھ دیا۔ تحریک ختم نبوت پر کام کرتے ہوئے تجربہ تو ہو ہی چکا تھا، جب تاریخ اہل حدیث سے متعلق ضروری لٹریچر تلاش کرنے کی مہم شروع ہوئی تو اللہ تعالی نے انہیں اس قدر نوازا کہ بقول خود انہیں اپنے غنی ہونے کا شبہ ہونے لگا ہے۔ تقریباً ۶۷۰ صفحات کی یہ جلد آپ کے سامنے ہے اور بشرط صحت و زندگی و توفیق ایزدی اگلے دو تین برسوں میں مزید تین جلدیں قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ بن رہا ہے۔ ان شاء اللہ

برصغیر کے مسلمانوں کی یہ عادت رہی ہے کہ بڑے بڑے تصنیفی منصوبے بنا کر امراء اور والیان ریاست سے مالی تعاون کے طلب گار ہوتے رہے ہیں۔ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ وظائف بند ہو جانے سے کام ادھورے رہ گئے۔ لیکن ہمارے مکرم بزرگ نہ کسی ادارے سے مالی مدد مانگتے ہیں، نہ کسی تنظیم یا فرد کے دست نگر ہیں۔ کہتے کہ میں تو سید نذیر حسین محدث دہلویؒ سے متاثر ہوں جنہیں بھوپال کے مدار المہام نے ملکہ بھوپال سے رابطہ کرنے کے لئے لکھا۔ آپ نے جواباً لکھا:

در باب اعانت مدرسہ مرا کہ نوشتہ اند کہ تحریرے بجناب سرکار عالیہ والیہ ملک باید نوشت تا معاملہ رو باصلاح گیرد۔ مرا از ہیچوں لغو تحریکہا ہمیشہ اجتناب است۔ بر در خداوند تعالی نشستہ درس میدہم وے تعالی شانہ از خزانہ غیب اعانت مدرسہ و متعلمین خواہد کرد چہ کہ مرا از رجوع خدمت اغنیاء کراہتے بخشیدہ است۔

''کہ آپ نے جو امداد مدرسہ سے متعلق فقیر کو تحریر فرمایا ہے کہ والیہ ریاست کو لکھنا چاہیے تا کہ معاملہ درست ہو جائے۔ عاجز کو ایسی بے کار تحریکوں سے ہمیشہ پرہیز رہا ہے۔ اللہ کے دروازہ

پر بیٹھ کر پڑھاتا ہوں، وہی اللہ اپنے خزانہ غیب سے مدرس و متعلم کی مدد کرے گا۔ مجھے اللہ نے امیروں کے دروازہ پر جانے سے کراہت عطا فرمائی ہے۔''

میاں صاحبؒ کی زبان مستعار لے کر ہمارے محبّ گرامی کا بھی یہی کہنا ہے کہ وہ کوئی امیر کبیر آدمی نہیں ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کے دروازے پر فقیر بن کے بیٹھے ہیں، اور وہی خزانہ غیب سے دیتا ہے۔

بعد مکانی کے باوجود ڈاکٹر صاحب سے میرا تعلق بہت قریبی ہے۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دل کا غنی بنایا ہوا ہے۔ ان کا ذہن بھی جماعتی ہے، اور وہ ایسا کام کر رہے ہیں جو جماعت کے کرنے کا ہے، لیکن کسی سے کسی بھی قسم کی مدد یا حق الخدمت طلب کرنے کی بجائے انہوں نے اس عظیم علمی کام کی نشر و اشاعت کے لئے خود دوسروں کو مالی تعاون کی پیش کش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا کا حافظہ عطا کیا ہے۔ کوئی چیز احاطہ علم میں آتی ہے تو وہ پتھر کی لکیر بن کر محفوظ ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے میری قربت اور دوستی کی وجہ سے مجھے اس کا بار بار تجربہ ہوتا ہے کہ آئے دن دنیا بھر کے جماعتی اور غیر جماعتی جرائد، رسائل، کتابچوں نیز کتابوں میں چھپنے والی تاریخی غلطیوں کو فوری گرفت میں لاتے ہیں کہ یہ شخصیت فلاں نہیں، فلاں ہے۔ یہ بزرگ حنفی المسلک نہیں، اہلحدیث تھے۔ یہ اہلحدیث نہیں، حنفی تھے۔ یہ مقام نہیں تھا جہاں فلاں بات ہوئی۔ یہ سن اور تاریخ نہیں جب فلاں بات ہوئی۔ یہ تحریر فلاں کی نہیں، بلکہ فلاں کی ہے۔ وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ دنوں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند نے آپ کو مؤرخ عصر کے خطاب سے نوازا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہیرے کو جوہری ہی پہچانتے ہیں۔

بہر حال قارئین کو ڈاکٹر صاحب کی ذہانت و فطانت اور جماعتی تاریخ پر عبور اور بے پناہ کمال کا اندازہ زیر نظر کتاب کو پڑھ کر بخوبی ہو جائے گا کہ ہزاروں صفحات کو پڑھنے کے بعد ان کو ذہن میں محفوظ، پھر کتاب کی شکل میں ترتیب دینا، مناسب جگہوں پر موزوں عبارتوں کا استعمال کرنا، یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ میرے خیال میں دسیوں افراد بھی مل کر یہ کام انجام دینا چاہیں تو تھک ہار جائیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب پر عجیب فضل فرمایا ہے کہ وہ تن تنہا یہ سارا کام سر انجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب میں پائی جانے والی خوبیوں کے بیان کا تذکرہ کرنا چاہوں تو ایک کتاب درکار ہوگی اور مجھے اس کی اجازت بھی نہیں ہے۔ بس اس

موقع پر میں آپ کے تعلق سے اتنا کہوں گا کہ میرے مشفق گرامی کا دینی اور عصری تعلیم کے اداروں سے قدیمی تعلق رہا ہے۔

۱۹۶۸ء میں بی اے کرنے کے بعد، انہوں نے لاہور والی پنجاب یونیورسٹی میں تین سال تعلیم حاصل کی اور دو ایم اے کئے۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں کئی سال تک طلباء کو انگریزی پڑھاتے رہے۔ پھر ضلع سیالکوٹ کے ایک کالج میں لیکچرر ہوئے۔ لاہور کے ایک مشہور کالج میں کئی سال لیکچرر رہے۔ بہاولپور کی یونیورسٹی میں عرصہ دراز تک پڑھایا۔ برطانیہ کی مشہور اور قدیم اڈنبرا یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی۔ بعدازاں کئی سال تک پوسٹ ڈاکٹورل فیلو کی حیثیت سے ریسرچ کرتے رہے۔ سٹریٹ پاتھ برمنگھم کے دو سال اڈیٹر رہے۔ برطانیہ کی لیسٹر یونیورسٹی سے ایک اور ایم اے کر کے جماعت کے حلقوں سے دور، جرم وسزا سے متعلق ایک محکمے میں، دس سال تک خدمات انجام دیتے رہے۔ اب کئی سال سے تقریباً صاحب فراش ہیں لیکن کمال ہے کہ انہوں نے تاریخ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب اپنے قلمی نام بہاء الدین سے لکھتے ہیں۔ تاہم میرا خیال ہے کہ اب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ قلمی نام کا تکلف چھوڑ دیا جائے۔ میری تجویز کو انہوں نے تسلیم کرلیا ہے اور اس کتاب کے سرعنوان: انّہ من سلیمان وانّہ بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم لکھنے کی اجازت دے دی ہے۔

اللہ ان کے علم وعمل میں اضافہ فرمائے۔ انہیں صحت وعافیت سے نوازے۔ ہم لوگوں پر ان کا سایہ دیر تک قائم رکھے۔ ان کی عظیم علمی اور دینی خدمت قبول فرمائے اور دنیا وآخرت کی حسنات سے ان کا دامن بھر دے۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔ والسلام

شیر خان جمیل احمد عمری

سابق شیخ: الجامعہ المحمدیہ منصورہ مالیگاؤں، ہند

مدیر: مرکزی مدرسہ سلفیہ۔ ۲۰ گرین لین برمنگھم، انگلینڈ

۲۹ دسمبر ۲۰۰۶ء/ ۹ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ

عرض مؤلف

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم ۔ نحمدہ و نصلّی علی رسولہ الکریم

شاہ محمد اسماعیل دہلویؒ کی ایضاح الحق کے بعض مضامین کی تردید میں احناف نے ''تنویر الحق'' کے نام سے ایک کتاب لکھ کر ۱۲۸۰ھ میں شائع کروائی تو جناب محمد حسین بٹالویؒ نے جو اس وقت دہلی میں میاں نذیر حسین محدثؒ سے حدیث پڑھ رہے تھے [1] ''تنویر الحق'' کے رد میں ایک کتاب ''معیار الحق'' کے نام سے مرتب کر کے اپنے استاد گرامی کی خدمت میں پیش کی۔ اس خدمت کا ذکر جناب بٹالویؒ نے ''سبیل الرشاد'' مصنفہ جناب رشید احمد گنگوہیؒ اور ''الارشاد الی سبیل الرشاد'' مصنفہ جناب محمد شاہجہان پوریؒ پر ریویو لکھتے ہوئے اپنے ماہنامہ ''اشاعۃ السنۃ'' میں بایں الفاظ کیا ہے:

> معیار الحق کو خاکسار نے جمع و مرتب کیا اور حضرت شیخنا و شیخ الکل سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ نے میری درخواست پر اس میں اصلاح و کمی بیشی کر کے اپنے نام نامی کی طرف اس کو منسوب کر کے اس کو عزت، افتخار و اعتبار بخشا۔ [2]

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ نے بھی اسی کے لگ بھگ یہ بات لکھی ہے:

> سب سے پہلے جو کتاب مسائل اختلافیہ میں نکلی ہے وہ معیار الحق مصنفہ حضرت میاں صاحبؒ ہے۔ اس کی تصنیف میں مولانا محمد حسین مرحوم کارکن بلکہ پورے محرر تھے۔ [3]

---

[1] میاں صاحبؒ کی طرف سے جناب محمد حسینؒ کو عطا کی ہوئی سند پر ۱۲۸۲ھ درج ہے اور یہ بھی لکھا ہوا ہے: ان له زيادة صحبة معی مزيد اختصاص بی علی غيره من الطلبة کہ انہیں دیگر طلبہ سے یہ خصوصیت مزید ہے کہ یہ میری ملازمت میں بہت رہتے ہیں۔

[2] ماہنامہ اشاعۃ السنۃ۔ جلد ۲۰

[3] ہفت روزہ اہل حدیث، امرتسر ۱۹/ اگست ۱۹۲۱ء

چوں کہ معیار الحق میں دیگر موضوعات کے علاوہ اہل حدیث کی قدامت وتاریخ پر بھی محققانہ بحث ہوئی ہے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ جناب بٹالویؒ نے اپنے استاد گرامی کے زیر نگرانی، ہندوستان میں عمل بالحدیث کی تاریخ کے موضوع پر لکھنے کا آغاز ۱۸۶۰ء کے عشرے کے نصف اول میں کر دیا تھا۔

جناب غلام رسولؒ قلعہ میہاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ (پنجاب) نے جناب عبداللہ غزنویؒ کے تقلید سے عمل بالحدیث کی طرف سفر اور اس سفر میں پیش آنے والی مشکلات کی داستان، اور جناب غزنویؒ کے تحصیل علم، دعوت وارشاد کی سرگرمیوں کی حکایت مرتب فرمائی جو تاریخ اہلحدیث کے ایک باب کی حیثیت اختیار کر گئی۔ جناب غلام رسولؒ ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۲-۱۸۷۳ء) میں فوت ہوئے اور یہ کتاب ان کی وفات سے قبل مرتب ہو چکی تھی۔

اسی کے گردو پیش جناب سید صدیق حسنؒ نے تاریخ اہل حدیث کے موضوع پر مختلف عنوانات سے وسیع پیمانے پر لکھا۔ اور ان کی کتب مثل موائد العوائد، ہدایۃ السائل، ترجمان وہابیہ وغیرہ ۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۰ء کے عشروں میں سامنے آئیں۔

انہی عشروں میں عمل بالحدیث کی کیفیت وتاریخ سے متعلق عنوانات پر جناب ابوسعید محمد حسین بٹالویؒ بھی اپنے اشاعۃ السنہ میں لکھتے رہے۔ ان کی تحریریں اہل حدیث ہند کی تاریخ کے اہم ماخذ کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں۔

جناب شبلی نعمانیؒ نے سیرۃ النعمان لکھ کر ۱۸۹۱ء میں شائع کرائی تو اس کے جواب میں جناب عبدالعزیز رحیم آبادیؒ نے حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں آپ نے تاریخ اہل حدیث کے کئی گوشے نمایاں کیے۔

شائد انیسویں صدی ہی میں جناب عبدالرحیم صادقپوریؒ کی الدر المنثور فی تراجم اہل الصادقفور سامنے آئی جس نے صادقپوری خاندان کی قربانیوں کو تاریخ میں محفوظ کر دیا۔

ادھر عدالتوں میں احناف اور عاملین بالحدیث کے درمیان مقدمات چلتے رہتے تھے۔ عمل بالحدیث کی تاریخ میں ان مقدمات کی اہمیت کا اندازہ جناب سید محمد علی مونگیریؒ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے درج ذیل خط سے ہوسکتا ہے جو انہوں نے ۱۱ رمضان ۱۳۱۳ھ کو جناب احمد رضا خان بریلویؒ کے نام لکھا تھا:

ذرا غور فرمائیے ہماری سختی اور تشدد نے ہمارے فرقے اہل سنت اور بالخصوص احناف کو کیسا سخت

صدمہ پہنچایا ہے۔ ہندوستان میں تقریباً تمام اہلسنت حنفی تھے، غیر مقلد کا شائد نشان بھی نہ ہو۔ ابتداء میں ایک دو شخصوں کی رائے نے غلطی کی۔ انہوں نے بعض مسائل میں اختلاف کیا، ہمارے بعض حضرات نے بنظر حمایت حق انہیں مخاطب بنایا اور انہیں روکا۔ اگرچہ ان کی نیت خیر تھی۔ اور اس کا ثواب وہ پائیں گے۔ مگر اتنی مدت کے تجربہ نے یہ معلوم کرادیا کہ یہ حمایت خلاف مصلحت ہوئی ......اب اخراج عن المساجد کا فتوی مشتہر ہوا۔ جب سے ہمارے گروہ کو ذلت کا سامنا ہوا۔ غیر مسلم حاکموں کے روبرو ہم مجرموں کی طرح پکڑے ہوئے جاتے ہیں۔ ہمارے دین وایمان کی کتابیں ان کے پیروں پر رکھی ہوتی ہیں۔ ہم اور ہمارے علماء کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں۔ اور ہمارے مخالفین کو ڈگریاں ملتی ہیں۔ افسوس صد افسوس۔ ہمیں اپنے پاک مذہب کی اس ذلت پر ذرا نظر نہیں ہوتی۔ مولانا! خدا کے لئے غور کیجئے، اور ہمارے دشمنان دین کو ہم پر اور ہمارے پاک مذہب پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے۔ ❶

ایسے مقدمات کے کچھ فیصلوں کو جناب محمد حسین بٹالویؒ نے اشاعۃ السنہ جلد ۸ میں، اور جناب احمد حسن شوکتؒ نے شحنہ ہند میرٹھ کے ضمیمہ ۱۶ مئی ۱۸۹۷ء میں شائع کیا۔

اس کے بعد جناب رشید احمد گنگوہیؒ کی سبیل الرشاد کے بعض مضامین کی تردید میں ۱۳۱۹ھ (یعنی بیسویں صدی کے پہلے سال) جناب ابو یحیٰ محمد شاہ جہان پوریؒ نے الارشاد الی سبیل الرشاد میں اہل حدیث کی قدامت وتاریخ پر اپنے انداز میں قلم اٹھایا۔

۱۹۰۳ء میں جناب ثناء اللہ امرتسریؒ نے اہلحدیث کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا جس نے مسلسل ۴۳ سال تک عمل بالحدیث کی ترویج میں اہم خدمات سرانجام دے کر خود اپنا نام بھی تاریخ اہل حدیث کے ایک باب کی شکل میں رقم کروالیا۔

بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں جناب ثناء اللہؒ کا ایک رسالہ اہل حدیث کا مذہب کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس میں مسائل وعبادات کے علاوہ آپ نے اہل حدیث کے قدیم فرقہ ہونے کے موضوع پر بھی قلم اٹھایا۔ میں نے زیر نظر کتاب میں اس رسالے سے کئی اقتباسات نقل کئے ہیں۔

---

❶ تاریخ ندوۃ العلماء حصہ اول ص ۱۷۲-۱۷۳۔ ندوۃ العلماء کا فقہی مسلک ص ۸۲-۸۳۔ بحوالہ مراسلات سنت وندوہ ص ۱۶ بحوالہ سیرت مولانا محمد علی مونگیری ص ۱۷۲

اسی عشرے میں تاریخ اہل حدیث سے متعلق جناب ثناء اللہ امرتسریؒ کی شائع کردہ فتوحات اہل حدیث منظر عام پر آئی۔ ❶

۱۹۰۶ء میں ہندوستان کے اہلحدیث حضرات کو منظّم کرنے کی تحریک اٹھی اور جناب ثناء اللہ کا اخبار اہل حدیث اور آرہ بہار کا مدرسہ احمدیہ ان سرگرمیوں کا مرکز بنے۔ جناب ثناء اللہ نے ۱۵/اکتوبر ۱۹۰۶ء کے اہل حدیث امرتسر میں ایک مضمون لکھا جس میں تجویز پیش فرمائی کہ اہل حدیث حضرات کو منظّم ہونا چاہیے اور ان کی ایک مرکزی تنظیم قائم کی جانی چاہیے اور اس تجویز پر غور وخوض کیلئے انہوں نے اس وقت کے ہندوستان کے معروف علماء اہل حدیث کو مخاطب کر کے دعوت دی کہ وہ دسمبر ۱۹۰۶ء میں منعقد ہونے والے مذاکرہ علمیہ آرہ میں تشریف لا کر اپنی آراء سے آگاہ فرمائیں، اور اگر اس تجویز کو مناسب خیال کریں تو آرہ میں بیٹھ کر تنظیم کا قیام عمل میں لایا جائے۔

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ نے جن علماء کو مخاطب کر کے قیام کانفرنس کی تجویز پیش کی تھی ان کے نام انہی کی دی ہوئی ترتیب سے یوں ہیں:

ابوسعید محمد حسین بٹالویؒ، ابوعبید احمد اللہ امرتسریؒ، محمد حسن لودھانویؒ، الٰہی بخشؒ ہوشیارپوری، حافظ عبدالمنان وزیرآبادیؒ، محمد ابراہیمؒ سیالکوٹی، سید عبدالسلامؒ دہلوی، محمد بشیرؒ سہسوانی، عبدالمجیدؒ دہلوی، محمد حسین کوئلہ فروشؒ، عبدالعزیزؒ رحیم آبادی، حافظ عبداللہؒ آروی، شاہ محمد عین الحقؒ ساکن چھپرہ، عبدالجبار عمرپوریؒ، عبدالجبار غزنویؒ، عبدالعزیزؒ ساکن قلعہ میہاں سنگھ، عبدالحکیم پٹنویؒ، محمد ادریس آرویؒ، عبدالتواب غزنویؒ. ❷

ان مدعوین میں سے جو حضرات دسمبر ۱۹۰۶ء کے مذاکرہ علمیہ آرہ میں شریک ہوئے انہوں نے باہمی مشورہ کے بعد دسمبر ۱۹۰۶ء کے آخری دنوں میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس قائم کی جس کے صدر جناب حافظ عبداللہ آروی غازی پوریؒ اور ناظم اعلیٰ جناب ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ منتخب ہوئے۔

اس کانفرنس کے اجلاس امرتسر منعقدہ ۱۹۱۳ء میں موجود علماء نے خواہش ظاہر کی کہ جناب محمد ابراہیمؒ میر، تاریخ اہل حدیث پر ایک کتاب لکھیں۔

---

❶ انہوں نے بعض عدالتی فیصلوں کا انگریزی سے اردو ترجمہ کتابی صورت میں شائع کیا تھا۔

❷ ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۸ دسمبر ۱۹۳۳ء ص ۳

جناب محمد ابراہیمؒ اس وقت کے نامور مصنفین میں شامل تھے۔ مرزا غلام احمد کی تردید میں ان کی شہادۃ القرآن جیسی لاجواب کتاب منظر عام پر آچکی تھی۔ وہ بڑے مقرر، مناظر، مدرس، محدث اور مفسر تھے۔ انہوں نے کانفرنس سے متعلق اکابر علماء اہل حدیث کے کہنے پر اس کام کیلئے خود کو تیار کیا اور دو تین برس کی محنت سے ۱۹۱۶ء کے گردو پیش ایک کتاب مرتب فرمائی۔ لیکن اس کی اشاعت بعض وجوہ کی بنا پر کم وبیش ۳۷ سال تک معرض التواء میں پڑی رہی۔ ❶

اس عرصہ میں حکیم مظفر حسینؒ بہاری کی الحیات بعد المماۃ، جناب سید عبدالباقی سہسوانیؒ کی حیاۃ العلماء، جناب مسعود عالم ندویؒ کی ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، جناب ابو یحیی امام خان نوشہرویؒ کی (نامکمل) تراجم علماء اہل حدیث ہند، ہندوستان میں جماعت اہل حدیث کی علمی خدمات، سید عبدالعزیز صمدیؒ اور سید عبدالرؤفؒ دہلوی کے مرتب کردہ مکاتیب نذیریہ (طبع دہلی ۱۹۴۰ء) جناب محمدؒ جوناگڑھی کی تاریخ اہلحدیث شائع ہوئیں۔ جناب عبدالرزاق ملیح آبادیؒ کے قلم سے مولانا آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی نکلی۔ جو تاریخ اہل حدیث کے اہم ماخذوں میں شمار ہوئی۔ جناب میر کی تالیف ۱۹۵۳ء میں پہلی بار لاہور سے ۴۴۸ صفحات پر شائع ہوئی جبکہ ہندوستان تقسیم ہو چکا تھا اور آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کہیں ہے کہ نہیں ہے کی کیفیت سے دوچار تھی۔

بعد ازاں اہل حدیث کے رجال اور تاریخ پر مختصر ومطول بہت سی کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں جناب غلام رسول مہرؒ کی سید احمد شہیدؒ (طبع اول ۱۹۵۴ء)، سرگزشت مجاہدین اور جماعت مجاہدین (طبع اول ۱۹۵۵ء)، جناب عبدالمجید سوہدرویؒ کی سیرۃ ثنائی۔ جناب امام خانؒ کی نقوش ابوالوفا، جناب عبداللہ بٹ کی شاہ اسماعیل شہید، جناب محمد علی قصوریؒ کی مشاہدات کابل ویاغستان، جناب نذیر احمد رحمانیؒ کی اہل حدیث اور سیاست، جناب خالد سیف کی تذکرہ شہید، جناب محمد ابراہیم کمیر پوریؒ کی فسانہ قادیان، سید ابوبکر غزنویؒ کی داؤد غزنوی۔ (جو دراصل جناب محمد اسحاق بھٹی کے جمع کردہ مضامین کا مجموعہ ہے)

---

❶ میرا خیال ہے کہ ۱۹۱۶ء کے گردوپیش جناب میر کی حوصلہ افزائی ہوتی تو شائد وہ اس موضوع پر مزید لکھتے اور اس کی مزید جلدیں سامنے آتیں اور کم از کم ۱۹۵۳ء تک کی تاریخ اہل حدیث مدون ومرتب ہو جاتی۔

قاضی عبداللہ خان پوریؒ کا تذکرہ علماء خانپور، جناب ثناء اللہ عمری کی نذرانہ اشک اور تذکرہ واجدی، جناب محمد یوسف سجاد کی تذکرہ علماء اہلحدیث پاکستان، جناب عابد حسن رحمانی اورعزیز الرحمٰن سلفی کی جماعت اہلحدیث کی تدریسی خدمات، جناب محمد مستقیم سلفی کی جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات، قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوریؒ کی تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں اور پاک و ہند میں اہلحدیث کی علمی، دینی اور سیاسی خدمات کا ایک جائزہ، سوانح مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، جناب مقتدی اثری کی تذکرۃ المناظرین (دو حصے)، جناب مجیب الرحمٰن بنگالی کی مولانا محمد جونا گڈھی، جناب عبدالعظیم انصاری کی تذکرہ علمائے بھوجیاں۔

جناب محمد مبارک کی سوانح سید نذیر حسین محدث دہلوی، جناب فضل الرحمان کی مولانا ثناءاللہ امرتسری، جناب محمد عزیر شمس کی حیات المحدث شمس الحق واعمالہ (مولانا شمس الحق عظیم آبادی: حیات وخدمات)، جناب ارشاد الحق اثری کی پاک و ہند میں علمائے اہلحدیث کی خدمات حدیث، جناب تنزیل حسینی کی اصحاب علم وفضل، جناب محمد ابراہیم خلیل کی الفیوض المحمدیہ بتذکار سلالۃ لکھویہ، ڈاکٹر قیام الدین احمد کی ہندوستان میں وہابی تحریک (انگریزی) (اردو ترجمہ محمد مسلم عظیم آبادی)، جناب عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری پر ہندوستان اور پاکستان میں لکھے جانیوالے پی ایچ ڈی کے مقالات۔

جناب محمد اسحاق بھٹی کی قافلہ حدیث، کاروان سلف، نقوش عظمت رفتہ، بزم ارجمنداں، قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ، عبدالعزیز مالواڈہ، صوفی عبداللہؒ، برصغیر میں اہلحدیث کی آمد، اہلحدیث خدام قرآن، میاں فضل حقؒ اوران کی خدمات، قصوری خاندان وغیرہ۔

جناب بدر الزمان محمد شفیع نیپالی کی شیخ عبداللہ غزنویؒ اورتذکرہ علماء اہلحدیث میوات، ڈاکٹر عبدالغفور راشد کی اہلحدیث منزل بمنزل، اور تذکرۃ الابرار، ملک عبدالرشید عراقی کی تذکرۃ النبلاء، تذکرہ محدث روپڑی، غزنوی خاندان، علماء اہلحدیث کی خدمات، ہفت روزہ اہلحدیث لاہور کا خدمات اہلحدیث نمبر، ہفت روزہ الاعتصام کا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نمبر، پاکوڑ کانفرنس کا یادگاری نمبر، ابوحماد عبدالغفار سلفی بلرام پور کی اہل حدیث کا تعارف اور جمعیت اہل حدیث ہند کی مدارس اہل حدیث ہند، وغیرہ شامل ہیں۔

اس کے علاوہ بعض اہلحدیث اکابر پر ایسی کتابیں بھی سامنے آئی ہیں جو غیر اہل حدیث مصنفین نے لکھی ہیں۔ مثلاً جناب عبدالکریم شورشؒ نے ابوالکلامؒ پر ایک کتاب لکھی، اسی طرح

مالک رام نے بھی ابوالکلامؒ پر کتاب لکھی۔نواب وحیدالزمان کی سوانح، حیات وحیدالزمان کے نام سے محمد عبدالحلیم چشتی نے لکھی۔سید عبدالحی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر میں بہت سے علماء کے تراجم لکھے۔ان کے صاحبزادے جناب ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتابوں میں کئی اہل حدیث اکابر کی حیات وخدمات بیان کیں۔

محترمہ رضیہ حامد نے نواب صدیق حسن پر مقالہ تیار کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔محمد سورتی پر ایم اے عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور کی طالبہ محترمہ فرزانہ لطیف نے مقالہ لکھا۔ جناب سید محمد میاںؒ نے علمائے ہند کا شاندار ماضی میں صادقپوری خاندان پر لکھا ہے، اور جناب سید ابوالحسن علیؒ نے تاریخ دعوت وعزیمت میں بعض اہل حدیث اکابر کا تذکرہ کیا ہے، ان سے بہت پہلے جناب سید علی حسنؒ نے اپنے والد جناب سید صدیق حسنؒ کی سوانح عمری مآثر صدیقی مرتب کی۔اور ماضی قریب میں جناب عبدالرشید ارشد صاحب نے بیس بڑے مسلمان کے نام سے ایک ضخیم کتاب مرتب جس میں ابوالکلام آزادؒ کے سوانح بھی درج کیے ہیں۔

یہ مساعی یوں تو بہت گراں قدر ہیں لیکن اہلحدیث کے نقطہ نظر سے منفی انداز کی ہیں کہ ان میں اہلحدیث کے اکابر کو اغوا کر لیا گیا ہے۔مثلاً صادق پوری خاندان کو حنفی کے طور پر پیش کیا گیا۔جناب سید صدیق حسن بھوپالی کو حنفی مقلد بنا دیا گیا۔جناب ابوالکلام آزاد کا غیر مقلد اور اہل حدیث ہونا نظروں سے اوجھل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

غرض تاریخ اور رجال اہل حدیث پر کافی لٹریچر منظر عام پر آ چکا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ درج بالا تالیفات وتصنیفات میں بعض نہایت وقیع اور قابل قدر علمی اور تحقیقی مواد پر مشتمل ہیں لیکن تاحال جماعت اہل حدیث پاک و ہند کے علمی حلقوں میں یہ احساس موجود ہے کہ تاریخ اہل حدیث کی ترتیب وتدوین کی خدمت جماعت اہلحدیث پر بصورت قرض موجود ہے جیسا کہ جامعہ سلفیہ بنارس کے ادارۃ البحوث الاسلامیہ کی سالانہ رپورٹ (جولائی ۲۰۰۶ء) کے صفحہ ۵ پر کہا گیا ہے:

> برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی تاریخ کی ترتیب ایک اہم اور ضروری علمی منصوبہ ہے۔اسے جماعت پر قرض سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔افسوس ہے کہ اس وقت جماعتی تاریخ کی بجائے افراد کی تاریخ کو مدون کرنے کا رجحان پیدا ہو رہا ہے جامعہ سلفیہ (بنارس) نے اللہ تعالی کی مدد سے جماعتی مدارس اور علمائے جماعت کی تصانیف کے موضوع پر نقش اول کے طور پر کچھ کام کیا ہے، لیکن اسے

وسعت کے ساتھ مکمل کرنے کی ضرورت ہے یقین ہے کہ اللہ تعالی کی توفیق سے اس کے ایسے بندے ضرور اٹھ کھڑے ہوں گے جو اس عظیم جماعتی خدمت کے لئے خود کو تیار کریں گے۔ ❶

کئی سال ہوئے جناب ثناء اللہ سیالکوٹی نے مجھے تاریخ اہل حدیث کے موضوع پر کام کرنے کو کہا۔ اس کے بعد جناب محمد عزیز شمس نے ذی قعد ۱۴۲۱ھ (۲۰۰۰ء) میں مکہ معظّمہ سے ایک مکتوب کے ذریعہ اس فقیر کو اہل حدیث کی تاریخ مرتب کرنے کی ترغیب دلائی۔ بنابریں میں نے اہل علم کے دروازوں پر فقیرانہ صدائیں لگا کر اس موضوع پر ضروری لٹریچر جمع کرنا شروع کر دیا۔ یہ مہم (جو تا حال جاری ہے) بڑی صبر آزما اور مہنگی ثابت ہو رہی ہے جس کی تفصیل میں جانا مناسب نہیں ہے۔

اس کام کے دوران جو احباب میری علمی اور اخلاقی مدد فرما رہے ہیں ان کا شکریہ مجھ پر واجب ہے۔ ان میں جناب ثناء اللہ سیالکوٹی لندن، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری بنارس، جناب اصغر علی امام مہدی سلفی دہلی، ڈاکٹر عبدالوہاب انصاری کاسگنج، جناب محمد ابراہیم خلیل حجرہ شاہ مقیم، جناب شیر خان جمیل احمد عمری برمنگھم، جناب محمد اشرف جاوید فیصل آباد، ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر بہاولپور شامل ہیں۔

جناب اشرف جاوید اور جناب ابراہیم خلیل نے پاکستان سے اہلحدیث کا بڑا نایاب قسم کا لٹریچر تلاش کر کے مجھے ممنون احسان کیا ہے اور ہندوستان سے ڈاکٹر عبدالوہاب انصاری، لٹریچر سے متعلق میرے مطالبوں کو پورا کرنے میں ۸ سال سے مصروف ہیں۔ جناب شیر خان جمیل احمد عمری نے اپنے اور اپنے دادا مرحوم ساہوکار شیر خان احمد حسین کے کتب خانہ ادھونی سے کم یاب قسم کا ضروری لٹریچر اس فقیر کے کشکول میں ڈالا ہے۔ اللہ تعالی مذکورہ بالا احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

کئی جلدوں پر مشتمل اس مجوزہ کتاب میں لزوم تقلید اور اجتناب از تقلید کے سلسلے میں ہونے والے تحریری اور تقریری مباحثوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اور ان شاء اللہ اہل حدیث کے دیگر ما بہ الامتیاز مسائل پر مناظرات و مباحثات کی تاریخ بھی پیش کی جائے گی۔

---

❶ منقول از رپورٹ مذکور

اس سلسلے میں ماہنامہ اشاعۃ السنہ، ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر، نقوش ابو الوفا، سیرۃ ثنائی، روئداد مناظرہ مرشد آباد، مکاتیب نذیریہ، مباحثہ فرید کوٹ اور حافظ عبدالقادر روپڑی کے سوانحی تذکرے، جناب مقتدی اثری مئوی کی تذکرۃ المناظرین وغیرہ سے مدد لی جائے گی۔ انشاءاللہ

اہل حدیث کی تاریخ کے ایک دور میں سرکاری عدالتیں ایک ایسا پلیٹ فارم بن گئی تھیں جہاں غیر جانبدار لوگوں کے سامنے فریقین کے نمائندے مہذب انداز میں اپنا موقف پیش کرتے، مکمل معلومات ججوں کے سامنے بڑی احتیاط اور قابلیت کے ساتھ رکھی جاتیں۔ اہلحدیث کے اکابر، اہلحدیث کی طرف سے تیاری کرتے اور کرواتے۔ بے پناہ اخراجات ہوتے، اس کے لئے چندے بھی اکھٹے کئے جاتے [1] اور غیر جانبدار جج فیصلے صادر کرتے تھے۔ ان فیصلوں کے اس جماعت کی تاریخ پر دیرپا اثرات ہوئے ہیں۔ جیسا کہ جناب ثناءاللہ امرتسریؒ لکھتے ہیں:

> جماعت اہل حدیث کی تاریخ میں میرٹھ کو امتیازی مقام حاصل ہے کہ میرٹھ سے مقدمہ آمین بالجہر چلتے چلتے الہ آباد ہائی کورٹ پہنچا جہاں سید محمود ابن سرسید احمد ان دنوں جج تھے۔ آپ نے اس نزاع کا فیصلہ جس خوش اسلوبی اور علمی معلومات سے کیا وہ آپ ہی کا حصہ ہے، پرزور دلائل حدیثیہ اور فقہیہ سے ثابت کیا کہ آمین بالجہر کہنے والا ہر مسجد میں نماز پڑھ سکتا ہے۔ یہ فعل ان افعال میں سے ہے جن کیلئے مسجد بنائی جاتی ہے۔ چاہے اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔ لیکن یہ اختلاف اس حد تک نہیں ہے کہ آمین بالجہر کہنے والا مسجد سے نکالا جائے۔ فیصلہ بہت طویل ہے۔ اس فیصلے کا اثر دوسرے صوبوں پر بھی پہنچا۔ کلکتہ، مدراس، پنجاب وغیرہ صوبوں کے علاوہ پریوی کونسل لندن میں بھی اسی کے مطابق فیصلہ ہوا۔ [2]

---

1. اس سلسلے کا ایک خط جو میاں صاحب دہلویؒ نے جناب محمد سعیدؒ بنارسی کو لکھا تھا، متفرقات کے حصے میں نقل کیا جا رہا ہے۔
2. اہل حدیث ۱۲/اپریل ۱۹۴۰ء ص ۶-۷

اس لئے عدالتی مقدمات کا ذکر بھی اس کتاب میں کیا جائے گا جس کیلئے جناب محمد حسین بٹالویؒ کے اشاعۃ السنۃ، جناب ثناء اللہ امرتسریؒ کے ہفت روزہ اہل حدیث، اوران کی شائع کی ہوئی فتوحات اہل حدیث، نیز مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی، انڈین لاء کورٹس کے نظائر، اور شحنہ ہند میرٹھ وغیرہ سے مدد لی جائے گی۔

اس کتاب میں اہلحدیث اکابرین کے مکاتیب کو بھی جگہ دی جائے گی جوانہوں نے مختلف اوقات میں مختلف علمی عنوانات پر تحریر کئے۔ یوں اس میں میاں صاحب سید نذیر حسین محدثؒ، جناب محمد حسین بٹالویؒ، جناب سید عبداللہ غزنویؒ، جناب محمد اسماعیل سلفیؒ گجرانوالہ، جناب عبیداللہ رحمانیؒ وغیرھم کے مکاتیب شامل ہوں گے۔

اس کتاب میں انشاء اللہ اہل حدیث کی ان خدمات کا ذکر ہوگا جوانہوں نے تقلید کے جمود کوتوڑنے میں انجام دیں، ان خدمات کا احاطہ بھی کیا جائے گا جو فتنہ انکار حدیث کے سدباب میں انجام دی گئیں۔ برصغیر میں عیسائی مشنریوں سے تحریری اور تقریری مقابلوں کی حکایت بھی بیان ہوگی۔ اورقادیانیت کے ردوابطال میں اہل حدیث حضرات نے جو خدمات انجام دی ہیں ان کا ذکر بھی اختصار سے ہوگا۔ ان شاء اللہ۔ اور برطانیہ میں اہل حدیث کی تنظیم ،نشوونما اور خدمات بیان ہونگی اور تراجم علماء کے باب میں برطانیہ میں عمل بالحدیث کی ترویج کرنے والے علماء کی خدمات کا بیان بھی ہوگا۔

کتاب کی زیرنظر جلد میں، میں نے حدیث اور اہل حدیث کے بارے میں کچھ گزارشات پیش کی ہیں۔ مسلک اہل حدیث کے خدوخال واضح کرنے کے بعد اس کی قدامت کا ذکر کیا ہے، اور تاریخ اسلام میں اس مسلک کے تسلسل کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اہلحدیث کو وہابیت کے عنوان سے تعبیر کرنے کی تاریخ اور غلطی کا بیان ہے اور حاملین مسلک کے چند نمایاں اور مابہ الامتیاز عقائد واعمال کا بیان ہے۔ اس سلسلے کے متعلقہ عنوانات کو اہل حدیث اکابرین کی زبانی بیان کیا ہے کیونکہ علم وعمل سے تہی دست اس فقیر کی یہ حیثیت قطعاً نہیں کہ اس کی تحریر کو اہل حدیث کا مسلک قرار دیا جاسکے۔

جن اکابرین کی تحریروں سے مسائل وعقائد کے بیان میں اس عاجز نے مدد لی ہے ان میں شاہ محمد فاخرؒ زائر، شاہ ولی اللہؒ، شاہ محمد اسماعیلؒ، جناب ولایت علیؒ صادقپوری، جناب سید محمد

نذیر حسینؒ، جناب سید صدیق حسنؒ قنوجی، جناب محمد حسین بٹالویؒ، جناب ابو یحیٰ محمد شاہجہان پوریؒ، جناب ثناء اللہ امرتسریؒ، وغیرہ شامل ہیں، اس کے علاوہ آخر کتاب میں متفرقات کی صورت میں بعض اہم امور پر بحث ہے، اور بعض علماء کے مختصر تراجم ہیں جن کا ذکر کسی نہ کسی صورت میں اس جلد میں آیا ہے۔ ❶

اللہ کی توفیق شامل حال رہی تو آئندہ جلدوں میں برصغیر پاک و ہند بنگلہ دیش، نیپال میں اس مسلک کے ورود، اور شاہ ولی اللہ محدث تک عمل بالحدیث کی تاریخ، اور مختلف ادوار میں اس کی نشو و نما کا ذکر ہوگا اور اس سلسلے میں جن اکابر نے تدریسی، تقریری اور تصنیفی کام کیا، ان کی خدمات کا ذکر ہوگا۔ اس کے بعد شاہ اسماعیل دہلویؒ، خاندان سعادت صادقپور، جناب سید نذیر حسینؒ محدث وغیرھم کی خدمات کا ذکر ہوگا اور امید ہے کہ جناب میاں صاحب کی معیار الحق کو بھی شامل اشاعت کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو سید صدیق حسنؒ کی خدمات کا ذکر ہوگا، پھر میاں صاحبؒ کے مشہور تلامذہ کی خدمات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی جائے گی اور اہل حدیث کے مسلک و تاریخ سے متعلق ان کی بعض اہم تحریروں کو نذر قارئین کیا جائے گا۔

توفیق خداوندی کا ابر کرم برستا رہا تو اسی انداز میں زمانہ حال تک تاریخ اہلحدیث کو مکمل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ انشاء اللہ

اس موقع پر میں ایک ضروری بات قارئین کے گوش گزار کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ہماری یہ کتاب جماعت اہل حدیث کے مستقبل کے عزائم کا بیان نہیں ہے بلکہ اقرء کتابک کے مصداق ماضی کی سرگزشت ہے۔ عزائم ہمیشہ بلند اور سہانے ہوتے ہیں جبکہ ماضی کی حکایت، بلندی اور پستی کی روداد ہوتی ہے۔ روداد سفر میں ایسی جگہوں سے گزر بھی ہوتا ہے جو قابل ذکر نہیں ہوتیں اور نخلستانوں، گلستانوں، مرغزاروں کی معطر فضاؤں سے گزر بھی ہوتا ہے۔ جماعت اہل حدیث کی تاریخ بھی اونچ نیچ سے عبارت ہے اس کے افراد سے ایسی خدمات بھی انجام پذیر ہوئیں جن پر اپنوں کے علاوہ بے گانے بھی فخر کر سکتے ہیں، اور ایسے کام بھی سرزد ہوئے جن کا تذکرہ خوش آئند نہیں ہے ان لوگوں نے جو فیصلے کیئے وہ کبھی درست نکلے اور کبھی نادرست۔

---

❶ دراصل ان ریمارکس کو حواشی کی صورت میں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن ان کی طوالت کے باعث کتاب کے آخر میں نقل کر دیا گیا ہے۔

لیکن جیسا کہ سید انور شاہ کشمیری دیو بندیؒ سے ایک مناظرہ میں ایک اہل حدیث عالم نے پوچھا:

کیا آپ امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں؟ فرمایا نہیں۔ میں خود مجتہد ہوں اور اپنی تحقیق پر عمل کرتا ہوں۔
اس عالم نے کہا کہ آپ تو ہر مسئلہ میں فقہ حنفی ہی کی تائید کر رہے ہیں پھر مجتہد کیسے؟ سید انور شاہؒ نے فرمایا یہ حسن اتفاق ہے کہ میرا ہر اجتہاد ابوحنیفہؒ کے اجتہاد کے مطابق پڑتا ہے۔ ❶

اس اقتباس سے میرا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ جب برصغیر کے مقلدین بھی مجتہد ہوتے تھے تو غیر مقلدین کیلئے اجتہاد کیونکر شجر ممنوعہ ہوسکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے بھی ضرورت کے مطابق اجتہادات کئے۔ اور یہ تو سبھی اہل علم جانتے ہیں کہ اجتہاد کبھی درست ہو جاتا ہے اور کبھی نا درست۔ مجتہد جب اجتہاد کرتا ہے اپنی دانست میں درست ہی کرتا ہے۔ بعد میں آنے والا وقت اور حالات بتاتے ہیں کہ اس کا اجتہاد واقعتاً درست تھا کہ نہیں؟ جیسا کہ بتایا جاتا ہے کہ ماضی بعید کے ایک بڑے امام نے حکومت کی ملازمت نہیں کی، دوسرے نے کر لی تھی۔ وہ دونوں مجتہد تھے۔ اور ظاہر ہے کہ سرکاری ملازمت کے بارے میں ان میں سے ایک ہی بزرگ کا اجتہاد درست تھا۔ لیکن جس بزرگ کا اجتہاد درست نہیں تھا، کیا اسے مجتہد نہیں کہا جائے گا؟ یا کیا اس کا اجتہاد درست نہ ہونے کی وجہ سے اسے مطعون کیا جائے گا؟

پھر امام شافعیؒ کے جو اجتہادات درست ثابت نہیں ہوئے، کیا وہ ان کی بنا پر مطعون ہوں گے؟ امام مالکؒ کے جو اجتہادات درست نہ نکلے، کیا وہ ان کی وجہ سے مطعون ہوں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

جناب سید صدیق حسن بھوپالیؒ اور جناب محمد حسین بٹالویؒ اور ان کے مثل دیگر اہل حدیث علماء بھی مجتہد تھے۔ انہوں نے جن معاملات میں اجتہادات کئے وہ درست نتیجہ پر پہنچنے کی صورت میں دو اجروں کے مستحق ہو گئے اور جن معاملات میں ان سے خطا ہو گئی، ان میں ایک اجر کے مستحق ہو گئے۔

میں نے اپنی تحریر میں جو حوالہ جات بقید صفحات دیئے ہیں وہ انہی کتابوں سے دیئے ہیں جن تک میری رسائی ہو سکی ہے۔

---

❶ بیس بڑے مسلمان۔ ص ۳۸۳

لیکن اقتباسات میں جو حوالہ جات موجود ہیں وہ ان کتابوں کے ہیں جو اصل مصنفین کے سامنے تھیں (اور میرے سامنے نہیں ہیں) اور نقل در نقل میں صفحات کے نمبرات کا خلط ملط ہو جانا عین ممکن ہے۔ایسی صورت میں مجھے معذور سمجھ کر معاف کر دیا جائے۔

میں نے اس کتاب میں (سوائے اقتباسات اور حوالہ جات کے) بڑے القابات مثل علامہ، شیخ الاسلام، حکیم الامت، حجۃ الاسلام، وغیرہ کا استعمال نہیں کیا کیونکہ ہمارے اسلاف کی روایت یہی ہے کہ وہ اپنے اکابر کے اسماء گرامی کے ساتھ بڑے بڑے القابات استعمال نہیں کیا کرتے تھے جیسا کہ جناب ثناء اللہ امرتسریؒ لکھتے ہیں:

موطا امام محمدؒ کے ہر صفحے پر یوں لکھا ہے: هذا مذهب ابی حنیفة بطور مثال مؤطا امام محمد سے مندرجہ ذیل مقامات دیکھئے:باب اذا التقی الختانان۔مطبوعه لکھنؤ ص ۷۸۔ باب الرجل ینام ۔ مطبوعه لکھنؤ ص ۷۸۔ باب المرأة تری۔ص ۷۹ ۔ باب التحاضه ص ۷۹۔اسی طرح سارا موطا امام محمد بھرا پڑا ہے۔جس میں اسی طرح صرف ابوحنیفہؒ لکھا ہوتا ہے۔اس کے بعد حنفی مذہب کی معتبر درسی کتاب ہدایہ دیکھئے جو ساری اسی طرح بھری پڑی ہے چند مثالیں ملاحظہ کریں: اذا قرء الامام من المصحف فسدت صلوته عند ابی حنیفه۔ و لابی حنیفة ان حمل المصحف و النظر فیه۔الوتر واجب عندابی حنیفه۔اسی طرح دوسرے اماموں کو بھی صرف نام سے لکھا جاتا ہے،مثلاً: یسکت من خلفه عند ابی حنیفه و محمد و قال ابو یوسف۔یقنت فی الثالثة قبل الرکوع و قال الشافعی۔لایقنت فی صلوة غیرها خلافا للشافعی ۔اسی طرح تمام کتب فقہ بھری پڑی ہیں۔ ❶

جناب مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ فرماتے ہیں:

مولوی محمود حسنؒ جب دار العلوم (دیوبند) کے صدر مدرس ہوئے تو انہیں صرف بڑے مولوی صاحب کہا جاتا تھا۔تعظیمی القاب کے تکلفات بعد میں پیدا ہوئے ہیں۔ ❷

بنا بریں میں نے بڑے بڑے القابات سے اجتناب کیا ہے تاہم میں قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ جب وہ کسی بزرگ کا اسم گرامی دیکھیں تو اپنی مرضی اور ذوق کے مطابق

---

❶ ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲۸ جون ۱۹۲۹ء ص ۱۔۳

❷ ماہنامہ الرشید دار العلوم دیوبند نمبر ص ۱۴۶

خود ہی ان کے نام کے ساتھ علامہ، یا حکیم الامت، یا شیخ الاسلام، یا حجۃ الاسلام وغیرہ کالقب استعمال فرمالیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں نے معروف آئمہ سلف کو امام کے لقب سے اور دیگر تمام علماء کو بنظر احترام **جناب** کے لقب سے یاد کیا ہے۔

جناب اصغر علی امام مہدی اپنے تبلیغی، تحریکی، تنظیمی اسفار کے باعث جہاں گشت بن چکے ہیں۔ چند ماہ قبل وہ برطانیہ تشریف لائے تو جناب شیر خان جمیل احمد عمری کی مدد سے انہوں نے ہیڈریز وال (Hadian's Wall) کے عقب میں چھپے ہوئے اس فقیر بے نوا کو ڈھونڈھ نکالا۔ جمعیت اہل حدیث ہند جیسی بڑی تنظیم کے ناظم اعلی کا ہزاروں میل سفر کر کے میرے غریب خانے پر پہنچ جانا، پیادے کے گھر سالار کی تشریف آوری سے کسی طرح کم نہ تھا۔ میں اپنی خوبی قسمت پر ناز کر ہی رہا تھا کہ مجھے لیک ڈسٹرکٹ (Lake District) کے افسانوی احوال میں لے جا کر انہوں نے یہ بتانا شروع کر دیا کہ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کو قائم ہوئے ایک سو سال ہو رہا ہے، لیکن ابھی تک تاریخ اہل حدیث مرتب نہیں ہوسکی۔ اس لئے آپ اپنے دیگر کام مؤخر کر کے جماعت کا یہ قرض چکا دیجئے۔

جہاں گشت وجہاں دار کا یہ فرمان ایسا نہ تھا کہ اس کی تعمیل میں کوتاہی کی جاسکتی۔ لیکن خرابی صحت آڑے آتی تھی۔ تاہم جب جمعیت اہلحدیث برطانیہ کے امیر جناب ثناء اللہ سیالکوٹی نے میرے عوارض جسمانی کی حکایت طولانی کو تفسیر ابن کثیر قرار دے کر چٹکیوں میں اڑا دیا، تو میرا دامن بہانوں سے بالکل خالی ہو گیا اور اللہ کی مہربانی سے تاریخ اہل حدیث کی پہلی جلد مکمل ہوگئی۔ اللہ تعالی جزائے خیر دے ہماری جماعت کے روح رواں جناب شیر خان جمیل احمد کو جنہوں نے بعد مکانی کے باوجود تاریخی مواد کی ترتیب وتہذیب اور پروف ریڈنگ میں میری اس قدر مدد فرمائی ہے کہ یہ کہنا اب بالکل بجا معلوم ہو رہا ہے کہ کتاب ہذا کی ترتیب وتنظیم میں قارئین اگر کوئی خوبی ڈھونڈھ نکالیں تو اسے بلا تکلف میرے محترم دوست کی طرف منسوب کر دیں۔ خامیوں کا میں خود ذمہ دار ہوں اور جماعت اور ذات باری تعالی سے معافی کا خواستگار۔

قارئین سے گزارش ہے کہ جلد ہذا کے مشمولات کا تنقیدی جائزہ لے کر مجھے غلطیوں کی اطلاع دیں تاکہ بعد میں آنے والی کسی جلد میں اصلاح کی جا سکے۔

والصّلوۃ والسّلام علی سیّدنا محمد

وعلی آلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین

محمد بهاء الدين

۲۹ دسمبر ۲۰۰۶ء۔ ۹ ذی الحجہ ۱۴۲۷ھ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث

لغوی اور اصطلاحی معانی

قرآن مجید میں لفظ **حدیث** مختلف صورتوں میں کئی مقامات میں وارد ہے۔ مثلاً:

❁......﴿فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ﴾ (النساء۔ ۱۴۰)

''آیات قرآن سے انکار وہنسی کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ کوئی اور بات کریں۔''

❁......﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ﴾ (الانعام۔۶۸)

''اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں کرید کرنے والے ہیں تو ان سے منہ پھیرو یہاں تک کہ وہ اور بات میں ٹٹول کریں۔''

❁......﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الاعراف ۔۱۸۵)

''ہماری بات کو چھوڑ کر کس بات میں ایمان لائیں گے۔''

❁......﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ (المرسلات۔ ۵۰)

''اب اس قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔''

❁......﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾

(الکھف۔۶)

''پس اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے۔''

❁......﴿ وَهَلْ أَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴾ (طہ۔۹)

''اور کیا تجھے موسی کی بات، یعنی حکایت، پہنچی ہے۔''

❁......﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ (لقمان۔٦)

''بعض ایسے لوگ ہیں جو کھیل کی باتیں، یعنی قصے کہانیاں، خریدتے ہیں، اس لئے کہ بن سمجھے بوجھے اللہ کی راہ سے لوگوں کو بہکادیں اور اسے ہنسی بنائیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

❁......﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ ﴾ (احزاب۔۵۳)

''اے ایمان والو! جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے تم نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو کھانے کیلئے ایسے وقت میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرتے رہو، بلکہ جب بلائے جاؤ، اس وقت جاؤ، پھر کھانا کھا چکتے ہی وہاں سے چل دو، وہیں آپس کی باتوں میں مشغول نہ ہو جایا کرو۔''

❁......﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ﴾ (زمر۔۲۳)

''خدا تعالی نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے۔ جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں۔ آخر میں ان کے جسم اور دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔''

❁......﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴾

(الجاثیہ۔٦)

''یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنہیں ہم آپ کو راستی سے سنا رہے ہیں۔ پس اللہ تعالی اور اس کی آیتوں کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔''

اس آیت کا ترجمہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ان الفاظ سے کیا:

''تم بعد اللہ اور اس کی آیات کے، کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔''

اس ترجمہ سے اس نے یہ جتانا چاہا ہے کہ خدا تعالی نے حدیث نبوی کا حکم خود قرآن میں یہ بیان فرمایا ہے کہ آیات قرآن کے ہوتے ہوئے کسی حدیث نبوی کو نہ مانو۔ حالانکہ اس آیت میں لفظ حدیث سے اصطلاحی حدیث نبوی، جو وحی خفی اور الہام الٰہی ہے، ہرگز مراد نہیں ہے۔ بلکہ حدیث کے لغوی معنے، بات چیت، مراد ہے جس کو اصطلاحی معنے حدیث نبوی، وحی خفی سے یہاں تعلق نہیں۔ اللہ تعالی اس آیت میں ارشاد فرماتا ہے کہ لوگ خدا کی آیات چھوڑ کر اور کس بات پر ایمان لائیں گے۔ اس بات سے خاص کر آنحضرت ﷺ کی حدیث مراد ٹھہرانا یا اس بات سے عام باتیں مراد ٹھہرا کر آنحضرت ﷺ کی حدیث کو ان میں داخل وشامل سمجھنا، اس اعتقاد کو ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث، وحی خفی والہام الٰہی اور معنی آیات میں دخل نہیں، جس پر کوئی مسلمان جرئت نہیں کرسکتا۔ اور قرآن مجید کی وہ آیات جن میں ارشاد ہے کہ آنحضرت ﷺ جو تمہیں دیں، یعنی فرمائیں، تم قبول کرو اور جس سے روکیں اس سے باز آؤ۔

﴿مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر۔۷)

اور ارشاد ہے: آنحضرت ﷺ جو کچھ، دین میں، فرماتے ہیں وہ وحی سے کہتے ہیں اپنی خواہش نفس سے نہیں کہتے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝﴾ (النجم۔۳،۴)

مرزا قادیانی کے اس اعتقاد کے کذب وضلالت ہونے پر شاہد عدل ہیں۔ [1]

❀ ...... ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝﴾ (الذاریات۔۲۴)

''کیا تجھے ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟''

❀ ...... ﴿فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝﴾ (الطور۔۳۴)

---

[1] مباحثہ لدھیانہ۔ منقول از ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۳

”وہ سچے ہیں تو ایسی ہی کوئی بات لے آئیں۔“

❁ ......﴿ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ اَفَبِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡهِنُوۡنَ ۝ ﴾ (الواقعہ۔ ۸۰،۸۱)

”یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے۔ کیا تم ایسی بات کو سرسری (اور معمولی) سمجھ رہے ہو۔“

❁ ......﴿ اَفَمِنۡ هٰذَا الۡحَدِيۡثِ تَعۡجَبُوۡنَ ۝ ﴾ (النجم۔ ۵۹)

”پس کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو۔“

❁ ......﴿ فَذَرۡنِىۡ وَمَنۡ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ ؕ سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝ ﴾ (القلم۔ ۴۴)

”پس مجھے اور اس کلام کو جھٹلانے والے کو چھوڑ دے۔ ہم انہیں اس طرح آہستہ آہستہ کھینچیں گے کہ انہیں معلوم بھی نہ ہوگا۔“

❁ ......﴿ هَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ مُوۡسٰى ۝ ﴾ (النازعات۔ ۱۵)

”کیا تجھے موسیٰ کی بات پہنچی ہے؟“

❁ ......﴿ هَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ الۡجُـنُوۡدِ ۝ ﴾ (البروج۔ ۱۷)

”کیا تجھے لشکروں کی بات پہنچی ہے؟“

❁ ......﴿ هَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ۝ ﴾ (الغاشیہ۔ ۱)

”کیا تجھے ڈھانکنے والی، یعنی قیامت، کی بات پہنچی ہے؟“

❁ ......﴿ يَوۡمَٮِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَعَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ تُسَوّٰى بِهِمُ الۡاَرۡضُ ؕ وَلَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ حَدِيۡثًا ۝ ﴾ (النساء۔ ۴۲)

”جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش، انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا، اور اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔“

❁ ......﴿ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۤءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا ۝ ﴾ (النساء۔ ۷۸)

”ان کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں۔“

❁ ...... ﴿مَا كَانَ حَدِيثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (یوسف۔ ۱۱۱)

''یہ قرآن جھوٹ بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے کی ہیں، کھول کھول کر بیان کرنے والا ہے ہر چیز کو اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان دار لوگوں کے لئے۔''

❁ ...... ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا﴾ (تحریم۔ ۳)

''جب نبی (ﷺ) نے اپنی کسی بیوی سے ایک پوشیدہ بات کہی۔''

اور جناب سرور کائنات رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ)) ❶

''بہترین حدیث، اللہ کی کتاب ہے۔''

ان مقامات میں لفظ حدیث سے اس کے لغوی معنی یعنی بات، حکایت، کلام مراد ہے۔ خواہ اس کا تعلق اللہ تعالی سے ہو، جیسے:

❁ ...... ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ﴾ ﴿فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ﴾ ﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ﴾ وغیرہ

یا رسول اللہ ﷺ کے کلام سے ہو، جیسے:

❁ ...... ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا﴾

یا کسی اور سے، جیسے:

❁ ...... ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ﴾ ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ ﴿هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ﴾ ﴿لَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا﴾

لیکن اسلامی شریعت کی اصطلاح میں **حدیث** نبی اکرم ﷺ کے ارشادات، افعال اور تقریر کو کہتے ہیں جو وحی خفی والہام الہی ہوتی ہے۔ اس اصطلاحی حدیث کے متعلق آں جناب ﷺ کا ارشاد ہے:

---

❶ مسلم، مشکوۃ

۞......((نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَءًا سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ)) ❶

''اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اس کو یاد رکھا یہاں تک کہ اسے دوسروں تک پہنچا بھی دیا۔''

۞......اور عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((يَقُوْلُ نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَءًا سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ)) ❷

قرآن وحی جلی منزل من اللہ ہے۔اس کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی وحی بھی ہوتی تھی جو قرآن میں موجود نہیں ہے اور اس کی نشان دہی حدیث ہی سے ہوتی ہے۔جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری ہے۔

۞......﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠﴾ (بقرة:۱۴۳،۱۴۴)

ان آیات میں و ماجعلنا القبلة الّتی کنت علیها میں لفظ جعلنا سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ اول، اللہ تعالی کے حکم سے متعین ہوا تھا، حالانکہ قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں جس میں حکم دیا گیا ہو کہ مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کریں۔اس لئے معلوم ہوتا ہے بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم اس وحی کے ذریعہ دیا گیا تھا جسے وحی خفی کہتے ہیں اور جو حدیث میں موجود ہے۔

اور قرآن پاک میں کئی جگہ اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر کتاب کے ساتھ حکمت اتاری ہے۔مثلاً

۞......﴿وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (بقرہ۔۱۵۱)

---

❶ سنن ابو داؤد ، کتاب العلم،باب فضل نشر العلم،رقم الحدیث: ۳۶۶۰

❷ سنن ترمذی، کتاب العلم،باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع،رقم الحدیث: ۲۶۵۷، و قال هذا حدیث حسن صحیح

❁ ...... ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (آل عمران۔ ١٦٤)

❁ ...... ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (جمعه۔ ٢)

❁ ...... ﴿وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ (بقره۔ ٢٣١)

❁ ...... ﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (نساء۔ ١١٣)

❁ ...... ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾

(بقره۔ ١٢٩)

ان آیات میں حکمت سے مراد قرآن سے الگ کوئی چیز ہے اور اسی الگ چیز کا نام حدیث ہے۔

اور یہ ارشاد بھی فرمایا:

❁ ...... ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل۔ ٤٤)

''کہ قرآن اس لئے اتارا گیا کہ آپ اس کی تشریح و تفسیر بھی فرما دیں۔''

یہ تشریح و تفسیر و بیان **حدیث** کہلاتا ہے اور امت مسلمہ جس طرح قرآن کریم کو ماخذِ شریعت مانتی ہے، حدیث مصطفوی کو بھی دین میں حجت تسلیم کرتی ہے۔ اور اہل حدیث وہ لوگ ہیں جو قرآن اور حدیث پر اس طرح عمل کرتے ہیں جس طرح صحابہ کرتے تھے۔ جن کے عقائد و اعمال توارث و تعامل سے صدر اول سے ایک ہی نہج پر چلے آئے ہیں اور زمانہ نبوت سے آیت ذیل پر کاربند چلے آتے ہیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ (نساء ٥٩)

''اے ایمان دارو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور صاحب امر کی۔ اور اگر تم میں تنازع ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، یہ انجام کے لحاظ سے بہتر ہے۔''



عہد صحابہ میں عمل بالحدیث

حضور سرور کائنات ﷺ کی زندگی میں مسلمانوں کا طریق یہ تھا کہ وہ اپنے آقا ﷺ کو جو کچھ کرتے دیکھتے، یا فرماتے سنتے ❶ اس پر عمل کرنے لگتے۔ جب کسی کو کوئی نیا واقعہ پیش آتا، آنجناب ﷺ سے دریافت کرلیتا۔ وہ بلا ضرورت مسائل دریافت نہ کرتے تھے۔ ہاں آپ ﷺ کی جو حدیث پا لیتے ،ضرور یاد کر لیتے تھے اور جو کچھ جانتے تھے، عمل میں اس پر نہایت پختگی کے ساتھ مستعد رہتے تھے۔ وہ پیغمبر ﷺ کے ساتھ سچی عقیدت رکھتے تھے اور آپ کی بے حد تعظیم وادب کرتے تھے۔ ہر بات میں خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی، جو ان میں سے آپ ﷺ سے ثابت ہوتی ،اس پر عمل کرتے تھے۔اور گو ایسا بھی ہوتا کہ بعض صحابہ عند الضرورت ،خصوصاً جو تازہ مسلمان ہوتے یا دور دراز کے علاقوں سے تعلق رکھتے تھے،دوسرے واقف کاروں سے کسی وقت کوئی مسئلہ دریافت کرتے ،مگر سب کے مرجع آپ ﷺ ہی تھے۔ اور سوا آپ کے اور کسی کا کوئی مذہب مقرر نہ تھا۔

✪......آنجناب ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے جو آپ ﷺ کے سفر وحضر کے ساتھی ہونے کے باعث فیض صحبت سے خوب مستفید ہو چکے تھے۔وہ اس طریق پر گامزن رہے کہ ان کے سامنے کوئی مقدمہ آتا تو کتاب اللہ میں نظر کرتے ۔اگر اس میں کچھ پاتے ،تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے۔اور اگر کتاب اللہ میں نہ پاتے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پاتے ،تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے۔اور اگر کسی طرح ان کو کچھ نہ ملتا تو دیگر صحابہ سے پوچھتے اور کہتے کہ میرے پاس یہ معاملہ آیا ہے تم کو اس بارے میں کچھ معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ بعض دفعہ سب لوگ ان کو بتاتے کہ رسول اللہ ﷺ

---

❶ سوائے ان امور کے جن میں پیغمبر ﷺ کی خصوصیت ثابت ہو۔

نے اس میں یہ فیصلہ کیا تھا۔ یہ سن کر ابوبکرؓ کہتے الحمد للّٰہ کہ خدا نے ہم میں ایسے لوگ پیدا کر رکھے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ کے اقوال ہمارے لئے یاد رکھ کر ہم کو سناتے ہیں۔ اور اگر ان کو حدیث نہ ملتی تو اکابر صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ کرتے۔ پھر جس امر پر وہ متفق ہو جاتے اس پر فیصلہ کر دیتے۔ جیسا کہ مسند دارمی میں ہے:

((عن میمون بن مهران قال کان ابوبکر اذا ورد علیه الخصم نظر فی کتاب اللّٰه فان وجد فیه ما یقضی به بینهم، قضی به۔ وان لم یکن فی الکتاب وعلم من رسول اللّٰه ﷺ فی ذالك الامر سنة، قضی به۔ فان اعیاه خرج فسال المسلمین وقال اتانی کذاو کذا فهل علمتم ان رسول اللّٰه ﷺ قضی فی ذالك بقضاء؟ فربما اجتمع الیه النفس کلّهم یذکرمن رسول اللّٰه ﷺ فیه قضاء، فیقول ابوبکر الحمد للّٰه الّذ ی جعل فینا من یّحفظ علی نبیّنا، فان اعیاه ان یجد فیه منه من رسول اللّٰه ﷺ جمع رؤس النّاس وخیارهم فاستشار فاذا اجتمع رأیهم علی امر قضی به))

۞ ...... حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کا دستور بھی اسی کے لگ بھگ رہا۔ شاہ ولی اللہ بتاتے ہیں انہوں نے اپنے دور خلافت میں قاضی کوفہ حضرت شریحؒ کو فرمان لکھا:

(ان جاء ك شیئ فی کتاب اللّٰه فاقض به ولا یلفتك عنه الرّجال فان جاء ك ما لیس فی کتاب اللّٰه فانظر سنّة رسول اللّٰه ﷺ فاقض بها۔ فان جاء کما لیس فی کتاب الله ولم یکن فیه سنة رسول الله، فانظر ما اجتمع علیه النّاس فخذبه۔ فا ن جا ء کمالیس فی کتا ب اللّٰه ولم یکن فیه سنّة رسول اللّٰه ولم یتکلم فیه احد قبلك فاختر ای الامرین شئت، ان شئت ان تجتهد برأیك ثمّ تقدم! فتقدم۔ وان شئت ان تتاخر فتاخر۔ ولااری التاخیرالاخیرا لك) [1]

”جناب عمر فاروقؓ نے قاضی شریح کو یہ فرمان بھیجا کہ تمہارے سامنے اگر ایسا مسئلہ آجائے جو قرآن مجید میں مذکور ہے تو کسی کی مت سنو اور اسی کے مطابق فیصلہ

---

❶ انصاف

کرو۔ اگر وہ مسئلہ قرآن مجید میں نہیں تو رسول کی حدیث میں دیکھو اور اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اور اگر وہ مسئلہ نہ قرآن میں ملے نہ حدیث میں ملے تو دیکھو کہ اس قسم کا کوئی معاملہ اس سے پہلے مسلمانوں کے اتفاق رائے سے فیصل ہو چکا ہو تو اسی کے مطابق فیصلہ کرو۔ اور اگر وہ ایسا مسئلہ ہے کہ نہ قرآن میں ہے نہ حدیث نہ اس سے پہلے کسی نے اس کے متعلق کچھ کہا ہے تو تمہیں اختیار ہے کہ اپنے اجتہاد سے آگے بڑھنا چاہو تو بڑھو۔ اور پیچھے ہٹنا چاہو تو ہٹ جاؤ۔ اور میں پیچھے ہٹنے کو تمہارے لئے بہتر سمجھتا ہوں۔"

✪......خلافت راشدہ کے دوران عام صحابہ کا طریق عمل بھی یہی تھا کہ جب کوئی واقعہ اور ضرورت پیش آتی، اگر اپنے علم میں اس کی بابت کوئی آیت یا حدیث ہوتی، تو اس کے موافق عمل کرتے۔ خود معلوم نہ ہوتی، تو دوسروں سے تلاش کرتے۔ پتہ لگ گیا تو خیر، ورنہ اجتہاد سے کام لیتے۔

خلافت راشدہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تمام قدیمی مسلمان اور نو مسلم سب کے سب مجتہد اور عالم تھے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا کہ تمام عوام و خواص کو یا صرف عوام کو حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ یا کسی دوسرے مجتہد صحابی کی تقلید پر آمادہ یا مجبور کیا جاتا، اور نہ از خود ان لوگوں نے ایسا کیا، بلکہ سب صحابہ و تابعین کا دستور یہی رہا کہ اپنے آپ کو مسئلہ معلوم ہوا، تو اس پر عمل کیا، نہ معلوم ہوا تو جس سے معلوم ہو سکتا تھا، اس سے پوچھ کر عمل کر لیا۔ جس سے اتفاق پڑا، دریافت کر لیا۔ کسی کی کوئی تخصیص یا قید نہ تھی، ہر شخص اپنے شوق و توفیق کے موافق احادیث رسول معلوم کرنے کی کوشش کرتا، اور جہاں سے اور جس سے ملتیں، لے لیتا، اور اس پر عمل کرتا۔



عہد تابعین میں عمل بالحدیث

تابعین کے زمانے میں بھی مسلمانوں کا تعامل قرآن و حدیث ہی پر تھا خلیفہ عمرؒ بن عبدالعزیز نے، جو جلیل القدر تابعی تھے، اسی مضمون کا فرمان جاری کیا تھا:

((عن الاوزاعی قال کتب عمر بن عبد العزیز انّه لارای لاحد فی کتاب اللّٰه انّما رای الآئمة فیما لم ینزل فیه کتاب و لم تمض فیه سنة عن رسول اللّٰه ﷺ ولا رای لاحد فی سنة سنها رسول اللّٰه ﷺ)) ❶

''اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ عمرؒ بن عبدالعزیز نے لکھا کہ اللہ کی کتاب میں کسی رائے کو دخل نہیں۔ اور اماموں کی رائے کا اسی معاملہ میں اعتبار ہے جس میں قرآن کا کوئی حکم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت نہ ہو۔ سنت کی موجودگی میں کسی کی رائے و قیاس معتبر نہیں۔''

۞...... دارمی میں ہے:

((عن عبید اللّٰه بن عمر ان عمر بن عبد العزیز خطب فقال یا ایّها النّاس انّ اللّٰه لم یبعث بعد نبیّکم نبیّاً و لم ینزل بعد هذا الکتا ب الّذی انزل علیه کتاباً، فما احل اللّٰه علی لسان نبیّه فهو حلال الی یوم القیامة و ماحرّم علی لسانه فهو حرام الی یوم القیامة الا وانّی لست بقاض ولکنّی منفذ ولست بمبتدع و لکنّی متبع ولست بخیر منکم غیر انّی اثقلکم حملاً۔ الا وانّه لیس لاحد من خلق اللّٰه ان یطاع فی معصیة اللّٰه۔ الا هل بلغت!)) ❷

---

❶ انصاف ❷ دارمی

”عمرؒ بن عبدالعزیز نے خطبہ دیا۔ فرمایا اے لوگو! اللہ نے تمہارے نبی کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں کیا اور نہ قرآن کے بعد کوئی کتاب نازل کی۔ پس جو کچھ اللہ نے اپنے نبی کے ذریعے حلال بتایا ہے وہ قیامت تک حلال ہے اور جو حرام بتایا ہے وہ قیامت تک حرام ہے۔ سنو! میں قانون بنانے والا نہیں ہوں بلکہ خدا اور رسول کے احکام کو جاری کرنے والا ہوں اور میں بدعتی بھی نہیں ہوں بلکہ میں متبع ہوں۔ اور نہ تم لوگوں سے اچھا ہوں۔ ہاں میرے کندھوں پر تم سے زیادہ بوجھ ہے۔ سنو کسی بندے کا حق نہیں کہ اللہ کی معصیت میں اس کی اطاعت کی جائے۔ پس سن رکھو کہ میں نے پہنچا دیا۔“

۞......تابعی محمدؒ بن سیرین (ف ۱۰۰ھ) کے بارے میں دارمی میں ہے:

((عن قتادة قال حدث ابن سيرين رجلاً بحديث النّبيّ ﷺ فقال الرّجل قال فلان كذا و كذا فقال ابن سيرين احد ثك عن النّبى ﷺ و تقول قال فلان كذا و كذا۔ لا اكلّمك ابداً))

”قتادہ تابعیؒ (ف ۱۱۰ھ) کہتے ہیں کہ محمد بن سیرینؒ نے کسی شخص سے آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کی تو اس شخص نے کہا کہ فلاں شخص تو یوں کہتا ہے۔ اس پر ابن سیرین نے کہا میں تو تجھے حدیث رسول سناتا ہوں اور تو کہتا کہ فلاں شخص ایسا کہتا ہے میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔“

۞......شاہ ولی اللہؒ انصاف میں تحریر فرماتے ہیں:

(وقد تواتر عن الصّحابة و التّابعين انّهم كانوا اذا بلغهم الحديث يعملون به من غير ان يلاحظوا شرطها)

”صحابہ اور تابعین سے بطور تواتر کے ثابت ہے کہ ان کو جب کوئی حدیث پہنچتی تھی تو بلا کسی شرط کے وہ اس پر عمل کرنے لگتے تھے۔“



عمل بالحدیث منصوص ہے

صحابہ اور تابعین کا مذکورہ بالا طریقہ عمل بالحدیث کہلاتا ہے اور اس پر عمل کرنے والے اہلحدیث کہلاتے ہیں اور یہی مسلک حق ہے کیونکہ نبوی اطاعت کا الٰہی اطاعت ہونا منشاء خداوندی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

❁ ...... ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱﴾ (آل عمران ۳۱)

”اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔“

❁ ...... ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ (نساء ٦٤)

”ہم نے رسول صرف اس لیے بھیجے کہ اللہ کے حکم سے ان کی فرمانبرداری کی جائے۔“

❁ ...... ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ﴾ (نساء ١٣)

”اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرے گا اسے اللہ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔“

❁ ...... ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۴﴾ (نساء ـ ١٤)

”اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ ایسوں ہی

کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔''

❀ ......﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴾ (نساء ۵۹)

''اے ایمان والو! فرماں برداری کرو اللہ کی اور فرماں برداری کرو رسول کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالی کی طرف اور رسول کی طرف۔ اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔''

اس آیت میں مسلمانوں کو اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور اختلاف رائے کی صورت میں معاملے کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹانے کا حکم دیا گیا ہے۔

❀ ......﴿ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴾

(النساء۔ ۸۰)

''جس نے اس رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے آپ کو کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

❀ ......﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ (نساء ۶۵)

''سو قسم ہے تیرے پروردگار کی، یہ لوگ ہرگز ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو اپنا حکم نہ بنائیں۔ پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں ذرہ بھر بھی حرج محسوس نہ کریں اور پوری طرح تسلیم کر لیں۔''

❀ ......﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴾ (نساء ۱۰۵)

''ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ اتاری ہے کہ آپ لوگوں میں اس کے موافق فیصلہ کریں جو آپ کو خدا دکھاوے، سمجھاوے۔ اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو۔''

امام رازیؒ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

(قال المحققون هذه الآية تدلّ على انّه عليه السّلام ما كان يحكم الّا بالوحي و النّصّ) ❶

"محققین نے کہا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ سوائے وحی اور نص کے فیصلہ نہیں کرتے تھے۔"

اس آیت اور اس سے پہلے والی آیت کو ملائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ قرآن مجید کے قاضی ہیں کیونکہ پہلی آیت میں خدا نے خود لفظ قضیت فرمایا ہے اور یہی سنن دارمی صفحہ ۷۷ میں امام یحی بن کثیر سے مروی ہے: قال السّنّة قاضية على كتاب اللّه کہ آنحضرت ﷺ کی سنت قرآن کی قاضی ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ حدیث وسنت کو قاضی ہونے کا رتبہ دینا قرآن کی بے قدری ہے وہ آیت بالا کے لفظ **قضیت** کو دیکھیں کہ یہ منصب خدا نے خود آپ ﷺ کو عطا فرمایا ہے۔ ❷

❁ ...... ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ (انفال:٢٤)

"اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالاؤ۔ جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں۔ اور جان لو کہ خدا آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور بلا شبہ تم سب کو اللہ ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔"

❁ ...... ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ﴾ (الانفال:٢٠)

"اے ایمان والو! اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو اور اس (کا کہنا ماننے) سے روگردانی مت کرو، سنتے جانتے ہوئے۔"

❁ ...... ﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب ـ ۷۱)

"اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرے گا اس نے بڑی مراد پالی۔"

---

❶ تفسیر کبیر۔ ج ۳ ص ۳۱۷ ❷ منقول از تاریخ اہل حدیث۔ میر

❁ ...... ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ (احزاب۔ ۲۱)

''تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ کو یاد کرتا ہے۔''

❁ ...... ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (احزاب:۳۶)

''کسی ایمان دار مرد اور عورت کا حق نہیں کہ جب خدا اور اس کا رسول ﷺ کسی کام کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کو خود اپنے کاموں میں کوئی اختیار رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہوگا، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔''

❁ ...... ﴿وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ﴾

''جو کچھ رسول دے لے لو۔ اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔'' (الحشر:۷)

ان آیات سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت منصوص ہے اس کے برعکس فقہاء و مجتہدین کی علی الاطلاق اطاعت منصوص نہیں ہے بلکہ وہ اتفاق کے ساتھ مشروط ہے اور بوقت اختلاف کسی فقیہ و مجتہد و اولوا الامر وغیرہ کی بھی اطاعت بوجہ خلاف نص ہونے کے باطل ہے۔ نبی ﷺ کی اطاعت میں کبھی معصیت نہیں ہو سکتی لیکن غیر نبی کی اطاعت کبھی معصیت بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے تو حدیث میں آیا ہے:

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) ❶

''جہاں خالق کی نافرمانی لازم آئے، وہاں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔''

اس سے نبی مستثنیٰ ہے، باقی غیر نبی کی اطاعت معصیت اور غیر معصیت کو متحمل ہے، پس اس کے لئے نص کی تائید ضروری ہے۔ اسی لئے قول مؤید بالوحی پر عمل کرنا، تقلید نہیں۔ یوں کہنا چاہیے کہ فقہاء کا وہ قول صحیح ہے جو نص سے مؤید ہو اور اس کو دیکھ کر پھر اس کو لینا خدا و رسول کی اطاعت ہے اور یہ اتباع ہے، تقلید نہیں جیسا کہ حافظ ابن عبد البرؒ اور حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب اخبار الآحاد، باب ماجاء فی اجازة خبر الواحد، رقم الحدیث: ۷۲۵۷ بالمعنی۔ شرح السنة، رقم الحدیث: ۲۴۵۵ واللفظ له

(التّقليد معناه فى الشّرع: الرّجوع الى قول لاحجّة لقائله، على هو ذالك ممنوع فى الشّريعة۔ والاتباع ما ثبت عليه حجّة شرعى) ❶

"اصطلاح میں تقلید بلا دلیل کسی بات کو لینا ہے اور یہ شریعت میں ممنوع ہے اور اتباع اسی قول کو لینے کو کہتے ہیں جس پر دلیل ہو۔"

جب فقہاء کا قول مؤید بالوحی ہو تو وہ تقلید نہیں بلکہ اتباع ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو سو سال تک جن مذاہب کا وجود نہ تھا وہ دینی مذاہب کیسے ہوئے۔ اور جو ان مذاہب سے باہر ہو اور خالص کتاب و سنت پر عمل کرے اس کو لامذہب ولا دین وغیرہ کیوں کر کہا جا سکتا ہے۔ کیا صحابہ و تابعین معاذ اللہ لامذہب ولا دین تھے۔ حق تو دین اول ہوگا نہ کہ بعد میں آنے والا۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک جماعت چھوڑی تھی یہ تربیع الامت اور چار مذہب بعد کی ایجاد ہے۔

بحر العلوم حنفیؒ لکھتے ہیں:

(اذ لا واجب الّا ما اوجبه اللّٰه تعالى والحكم له ولم يوجب على احد ان تمذهب بمذهب رجلٍ مّن الآئمة فايجابه تشريع جديد) ❷

"واجب وہی کام ہے جس کو اللہ واجب قرار دے اور اسی کو اختیار ہے اس نے کسی پر واجب نہیں کیا کہ وہ کسی امام کے مذہب کو اختیار کرے۔ اس کو واجب سمجھنا نئی شریعت بنانا ہے۔"



---

❶ جامع بیان العلم وفضلہ جلد۲ صفحہ ۱۱۷۔ اعلام الموقعین جلد۲ صفحہ ۱۷۸

❷ شرح مسلّم الثبوت

قدامت مذہب اہلحدیث

صحیح بخاری میں عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، میرا زمانہ سب سے بہتر ہے۔ پھر وہ لوگ جوان سے ملیں۔ پھر وہ جوان سے ملیں (عمرانؓ بن حصین صحابی کہتے ہیں) مجھے یاد نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانہ کے ذکر کے بعد دو دفعہ (یعنی دو زمانوں کا) ذکر کیا یا تین دفعہ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ اور تابعین اور اتباع تابعین بہترین امت ہیں۔ انہی تین زمانوں کو قرون ثلثہ کہتے ہیں۔ چوں کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے خیر ہونے کی خبر دی ہے اس لئے ان کو قرون مشھود لھا بالخیر بھی کہتے ہیں۔ ان قرون کی حدود ۲۲۰ ہجری تک ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا زمانہ ۱۱ھ تک ہے اور صحابہ کرام کا زمانہ ۱۱۰ھ تک ہے کیونکہ آخری صحابی حضرت ابو طفیلؓ ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے اور تابعین عظام کا زمانہ ۱۸۰ھ تک ہے۔

تابعین تک تو حدیث کے الفاظ یقینی ہیں۔ لیکن اتباع تابعین کیلئے راوی کو شک ہے، تاہم مدت کو طویل کر کے ہم اتباع تابعین کے زمانہ کو بھی شامل کر لیتے ہیں جو زیادہ سے زیادہ ۲۲۰ھ تک ہے۔

۲۲۰ھ تک ہر چہار مذہب کی تقلید ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ چوتھے حضرت امام احمدؒ (ف ۲۴۱ھ) تو ابھی زندہ تھے۔ اور شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

> تو جان لے کہ لوگ چوتھی صدی ہجری سے پیشتر کسی خاص مذہب کی تقلید پر جمع نہیں تھے۔ [1]

حضور رسول کریم ﷺ نے بطور پیش گوئی کے فرمایا ہے:

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ

((لا تـزال طائفة مّن امّتی ظاهرین علی الحقّ لایضرّهم من خذلهم حتّی یاتی امر اللّٰه۔)) الحدیث ❶

''کہ میری امت کا ایک گروہ حقانی ہمیشہ قائم رہے گا۔''

۞......امام علیؒ بن مدینی کہتے ہیں ھم اصحا ب الحدیث کہ وہ اصحاب الحدیث ہیں۔

۞......امام احمدؒ نے فرمایا: ان لـم یکـو نو ااهل الحدیث فمن هم؟ کہ اس کے مصداق اہل حدیث نہیں تو اور کون ہیں؟

۞......حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت سے ایک جماعت ہمیشہ منصور رہے گی۔ ان کی برائی چاہنے والا انہیں نقصان نہ پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

۞......اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ہمیشہ میری امت سے ایک جماعت حق پر رہے گی، ان کے دشمن ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

۞......عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہ کر لڑتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

۞......امام یزید بن ہارونؒ کہتے ہیں اگر اس سے مراد جماعت اہل حدیث نہیں تو میں نہیں جان سکتا کہ اور کون لوگ مراد ہیں۔

۞......حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں اس سے مراد اہل حدیث ہیں۔

۞......احمد بن سنانؒ کے نزدیک اس سے مراد اہل علم، اہل حدیث ہیں۔

۞......امام بخاریؒ بھی فرماتے ہیں کہ یہ جماعت، اصحاب حدیث کی ہے۔ ❷

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، رقم الحدیث: ۱۷۰۔ ۱۹۲۰

❷ شرف اصحاب الحدیث۔ ص ۳۲۔ ۳۳

واقعہ بھی یہی ہے کہ اس حدیث کا مصداق وہی گروہ ہوسکتا ہے جو اس وقت بھی موجود ہو جب صحابہ اور تابعین کا وقت تھا، اس کے بعد بھی ہر دور میں موجود ہو۔ جو گروہ صحابہ اور تابعین کے بعد وجود میں آئے ہیں وہ اس پیش گوئی کا مصداق کیسے ہو سکتے ہیں؟

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ عہد تبع تابعین تک کسی تقلیدی مذہب کا وجود نہ تھا، اور اس دور کے مسلمانوں کا طریقہ، عمل بالحدیث تھا، اس لئے ابتداء اسلام سے چوتھی صدی تک اہل حدیث کے موجود ہونے سے تو کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا۔ اور قرون مشہود لھا بالخیر کے اختتام سے زمانہ حال تک ہر دور میں اہل حدیث کا موجود ہونا ہم عنقریب تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ ان شاء اللّٰہ

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اہل حدیث کا فرقہ نیا نکلا ہے۔ اور پہلے کوئی اس مذہب کا نہ تھا۔ اور مذہب بس یہی چار (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) ہیں اور ان کے سوا محدثین یا اہل حدیث کا کوئی خاص مذہب نہیں۔ ایسے لوگوں کی یہ بات اس لئے غلط ہے:

۞...... مذہب اہل حدیث کی مفصل تاریخ، حجۃ اللہ البالغہ میں موجود ہے۔

۞...... نیز اکثر کتب فقہ وحدیث وتفسیر میں اہل حدیث کا ذکر موجود ہے اور چھوٹی (جیسے خلاصہ کیدانی) اور بڑی (جیسے طحطاوی شرح درمختار، معالم التنزیل، جامع ترمذی، حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ) کتب فقہ وحدیث وغیرہ میں اسی لقب سے ان کو یاد کیا گیا ہے۔

۞...... اور اکثر متداول کتابوں میں اہل حدیث کا مذہب، مذاہب اربعہ سے علیحدہ بتایا جاتا ہے۔

ابتدائے ظہور تقلید کے زمانے سے مابعد میں مسلک اہل حدیث کا موجود ہونا اور بطور نمونہ بعض اہل حدیث حضرات کے نام ہم درج ذیل کرتے ہیں:

۞...... بحث اجماع میں ایک مسئلہ کی بابت علامہ تفتازانی رحمہ اللہ (ف ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں:

(وعليه عامة اهل الحديث والشّافعية) ❶

۞...... تفتازانی شرح مقاصد میں شیعہ کی دلیل حدیث غدیر خم کی تحقیق میں فرماتے ہیں:

---

❶ تلویح مطبوعہ نولکشوری ص ۳۵۴

(وقد صحّ فی صحّته کثیر مّن اھل الحدیث) ❶

۞......ابن ہمامؒ (۷۹۰-۸۶۱ھ) جو متاخرین حنفیہ میں سے درجہ اجتہاد تک پہنچے ہیں اپنی کتاب فتح القدیر ❷ میں متعدد مقامات پر گروہ اہل حدیث کا ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ جلد اول میں صفحہ ۲۲ اور ۹۰ اور ۱۱۵ اور ۲۸۲ پر ان کا ذکر موجود ہے۔

۞......انہوں نے قنوت نازلہ کی مشروعیت میں لکھا ہیں:

(وبه قال جماعةمّن اھل الحدیث) ❸

(فی فتح القدیر انّ مشروعیّة القنوت للنازلة مستمرة ولم تنسخ وبه قال جماعة مّن اھل الحدیث) ❹

''فتح القدیر میں ہے کہ دعا قنوت کا مشروع ہونا برابر جاری رہا اور چلا آیا۔ منسوخ نہیں ہوا۔ اسی کی قائل اہل حدیث کی ایک جماعت ہے۔''

۞......فتح القدیر میں مسئلہ فساد صوم بالحجامۃ میں لکھا ہے:

(کما ھو قول الحنابلة وبعض اھل الحدیث) ❺

(فی شرح النقایة معزیاً الی الغایة وان نزل بالمسلمین نازلة قنت الامام فی صلوة الجھر وھو قول الثّوری واحمد وقال جمھوراھل الحدیث القنوت عند النوازل مشروع فی الصلوة کلّھا) ❻

''شرح نقایہ میں بحوالہ غایہ کہا ہے کہ مسلمانوں پر کوئی حادثہ آپڑے تو امام جہری نمازوں میں دعاء قنوت پڑھے۔ یہی قول ہے امام ثوریؒ و امام احمدؒ کا۔ جمہور اہل حدیث کہتے ہیں کہ حوادث کے وقت سبھی نمازوں میں دعا قنوت مشروع ہے۔''

---

❶ شرح مقاصد مصری ج ۲،ص ۲۹۰
❷ شرح ہدایہ مطبوعہ نولکشور پریس
❸ فتح القدیر نولکشوری۔ ج اول ص ۱۸۸
❹ الاشباہ والنظائر
❺ فتح القدیر: ص ۴۱۱
❻ البحر الرائق ومثلہ فی الطحاوی

۞......(قال جمهور اهل الحديث القنوت عند النّوازل مشروع فی الصّلوة کلّها) [1]
''جمہور اہل حدیث کہتے ہیں کہ حوادث کے وقت سب نمازوں میں قنوت مشروع ہے۔''

۞......(ویحمل علی قنوت النّوازل کما اختاره بعض اهل الحديث انّه علیه الصّلوة والسّلام لم یزل یقنت فی النّوازل) [2]
''دعائے قنوت حوادث کی حالت پر محمول ہے جیسا کہ بعض اہل حدیث قائل ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ حوادث میں دعا قنوت پڑھا کرتے۔''

۞......علامہ شامی شرح درمختار میں قنوت نازلہ کی بابت اہل حدیث کا مذہب ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

(قد علمت ان هذا لم یقل به الّا الشّافعی وعزاه الی جمهور اهل الحديث) [3]
''تم جانتے ہو کہ اس کے قائل صرف امام شافعیؒ ہیں اور اس کو جمہور اہل حدیث کی طرف نسبت کیا ہے۔''

۞......علامہ شامیؒ ایک جگہ لکھتے ہیں:

(وحکم الخوارج عند جمهور الفقهاء والمحدّثين حکم البغا وذهب بعض المحدّثين الی کفرهم و قال ابن المنذر ولااعلم احداً وافق اهل الحديث علی تکفيرهم) [4]
''خارجیوں کا حکم جمہور فقہاء اور محدثین کے نزدیک باغیوں کا سا ہے اور بعض محدثین ان کو کافر کہتے ہیں۔ ابن المنذر کہتے ہیں میرے علم میں کوئی شخص خوارج کی تکفیر میں اہلحدیث کے موافق نہیں ہے۔''

۞......فتاوی تاتارخانیہ میں اور اس سے نقل کر کے ردالمختار میں لکھتے ہیں:

---

1. شرح نقایہ، شمنی
2. مستملی
3. ردالمحتار جلد اول ص ۶۰۷
4. ردالمحتار جلد سوم ص ۴۷۸

(حکی انّ رجلاًمن اصحاب ابی حنیفہ خطب الی رجلٍ مّن اصحاب الحدیث ابنته فی عهد الشّیخ الجوزجانی فابی الرّجل ان یّزوجه الّاان یّترك مذهبه لمذهب اهل الحدیث۔ فقال الشیخ بعد ماسئل عنه: النکاح جائز، ولاکن اخاف علیه ان یذهب ایمانه وقت النزع لانه استخف مذهبه الذی هوحق عنده لاجل جیفة منیة) ❶

''حکایت ہے کہ ایک حنفی نے ایک اہل حدیث سے اس کی بیٹی کا نکاح چاہا تو اہلحدیث نے یہ شرط کی کہ وہ حنفی مذہب ترک کر کے اہلحدیث ہو جائے۔ جس پر امام جوز جانی نے فتوی دیا کہ نکاح تو ہو گیا مگر یہ خوف ہے کہ اس شخص کا خاتمہ اچھا نہ ہو کیونکہ اس نے ایک مذہب کو، جس کو حق جانتا تھا، صرف ایک بد بو والی چیز کی خاطر ترک کر دیا۔''

۞......(وان جماعة من اهل الحدیث منهم ابوالفضل محمد بن طاهر المقدسی یفرقون بینهما بزیادة یاء فی النسبة للمذهب ویقولون حنیفی وانه قال ابن الصلاح لم اجد ذالك من احمدعن......الا من ابی بکر الانباری) ❷

''کہ اہل حدیث کی ایک جماعت کہ ازان جملہ حافظ ابوالفضل مقدسیؒ ہیں، یہ فرق بیان کرتے ہیں کہ لفظ حنفی مذہب کی طرف منسوب ہوتو اس میں حرف (ی) بڑھا کر حنیفی کہا جاوے۔''

۞......(قوله وقیل فی الکل قد علمت ان هذا لم یقل به الشافعی و عزاه فی البحر الی جمهور اهل الحدیث و کان ینبغی عزوة الیهم لئلا یوهم انه قول فی المذهب) ❸

''حوادث کے وقت کل نمازوں میں دعا قنوت پڑھنا صرف شافعیؒ کا قول ہے۔ اور بحر الرائق میں اس کو جمہور اہل حدیث کی طرف منسوب کیا ہے۔ لہذا اس کو انہیں کی طرف منسوب کرنا مناسب ہے تا کہ یہ نہ سمجھا جاوے کہ وہ حنفی مذہب کا ہی قول ہے۔''

---

❶ ردالمحتار۔ ج ۳۔ص ۲۰۷ ❷ ردالمحتار ❸ ردالمختار

۞......ملا علی قاریؒ علم کلام کی مذمت میں لکھتے ہیں:

(والی التّحریم ذهب الشّافعی ومالك واحمد وسفیان وجمیع آئمة الحدیث) ❶

۞......شاہ ولی اللہؒ، حجۃ اللہ البالغہ میں اہلحدیث کے صفات الٰہی کی بابت مذہب کے بیان میں لکھتے ہیں:

(واستطابل هؤلاء الخائضون علی معشر اهل الحدیث وسموهم ومجسمة ومشبهة) ❷

۞......شاہ ولی اللہؒ اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

(وكان صاحب الحدیث ایضاً قد ینسب الی احد المذاهب لكثرة موافقه به) ❸

۞......اسی کے قریب لکھتے ہیں:(وكان اهل الحدیث منهم)

۞......شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب عقد الجید میں لکھتے ہیں:

(فهذا طریقة المحققین من فقهاء المحدثین وقلیل ماهم وهم غیر الظّا هریة من اهل الحدیث الّذین لا یقولون بالقیاس والاجما ع وغیرالمتقدّمین من اصحاب الحدیث ممّن لم یلتفتوا الی اقوال المجتهدین اصلاً ولكنّهم اشبه الناس باصحاب الحدیث) ❹

۞......زرقانیؒ شرح مؤطا میں نماز میں رفع الیدین کے بیان میں لکھتے ہیں:

(و به قال الاوزاعی و الشا فعی و احمدو اسحاق و الطبری وجماعةمن اهل الحدیث) ❺

---

❶ شرح فقہ اکبر

❷ حجۃ اللہ البالغہ،ص ۶۴

❸ حجۃ اللہ البالغہ،ص ۱۵۸

❹ عقد الجید،ص ۵۴

❺ جلد اول ص ۱۲۳

۞......فتح الباری میں نماز مغرب سے قبل دو رکعت کے مستحب ہونے کی بابت لکھا ہے:

(والی استحبابها ذهب احمدو اسحاق و اصحاب الحدیث) ❶

۞......مسئلہ جمع بین الصلوتین میں لکھا ہے:

(وحکاه الخطابی عن جماعة من اصحاب الحدیث) ❷

۞......محلی میں قلتین کے مسئلہ میں لکھتے ہیں:

(وبه قال اسحاق وابوعبید و جماعة مّن اهل الحدیث منهم ابن خزیمة) ❸

۞......امام ابن عبدالبرؒ خمر کے بیان میں لکھتے ہیں:

(قال اهل المدینة و سائر الحجازیین واهل الحدیث کلّهم کلّ مسکر خمر) ❹

۞......حاشیہ نورالانوار میں خبر واحد کے مسئلہ میں لکھتے ہیں:

(وهذا هو مذهب بعض اهل الحدیث) ❺

۞......حاشیہ نخبہ میں مرسل کے بیان میں لکھتے ہیں:

(اختار مذهب اهل الحدیث) ❻

۞......امام نوویؒ مسئلہ ذبح با لعظم کے بیان میں لکھتے ہیں:

(لایجوز الزّکوة به وقد قال الشّافعی واصحابه بهذا وبهذا ـ قال النّخعی والحسن بن صالح واللیث واحمد وفقهاء الحدیث) ❼

---

❶ فتح الباری پارہ۳ص ۳۴۸ ـ مطبع انصاری

❷ فتح الباری پارہ۳ص ۳۰۷

❸ فتح الباری

❹ التمہید لابن عبدالبر

❺ حاشیہ نورالانوار، ص ۱۵۰

❻ حاشیہ نخبہ

❼ شرح ج ۲ص ۱۵۶

✪......مسلّم الثبوت کے حاشیہ میں احکام میں اباحت حرمت کے اصل ہونے میں اہلسنت کا باہمی اختلاف ذکر کر کے اہل حدیث کا مذہب حرمت بیان کیا ہے:

(امّا الخلاف المنقول عن اهل السّنّة ان الاصل فی الاحکام الاباحة کما هو ممتاز اکثر الحنفیة و الشّافعیة...... کما ذهب الیه غیرهم منهم ابو المنصور والتّرمذی و صاحب الهدایة و عامة اهل الحدیث) ❶

✪......شیخ عبدالحق محدثؒ نے شرح سفر السعادت میں کہا ہے:

''کسے از امام احمد پرسید وگفت بعض از اہل حدیث روایت مے کنند باسناد کہ پیغمبر ﷺ در نماز ملاحظہ میکرد۔ امام احمد بجہت عدم صحت ایں اسناد بروے ان کار عظیم میکرد۔'' ❷

✪......تاریخ فرشتہ میں محمود غزنویؒ کے ذکر میں لکھا ہے:

''سلطان محمود نے یز ابو الطیب سہل بن سلیمان.. را کہ از آئمہ اہل حدیث بود برسم رسالت پیش ایلک خاں فرستادہ۔'' ❸

✪......اور ابن خلدونؒ نے لکھا ہے:

(وانقسم الفقه فیهم الی طریقتین طریقة اهل الرّای والقیاس وهم اهل العراق وطریقة اهل الحدیث وهم اهل الحجاز وکان الحدیث قلیلاً فی اهل العراق لما قدمنا) ❹

''منقسم ہوگئی ان میں فقہ دو طریقوں پر، اہل رائے و قیاس کے طریقہ پر اور وہ اہل عراق ہیں۔ اور اہل حدیث کے طریق پر اور وہ اہل حجاز ہیں۔ اور اہل عراق میں علم حدیث قلیل تھا اس وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔''

✪......اس کے بعد اسی فصل میں ابن خلدونؒ کہتے ہیں:

---

❶ حاشیہ مسلم الثبوت

❷ شرح سفر السعادت

❸ جلد اول مقالہ اول ص ۱۲۳

❹ مقدمہ ص ۲۷۷ فصل فی علم الفقہ

(ولم یبق الّا مذھب اھل الرّای من العراق واھل الحدیث من الحجاز) ❶

''اور نہیں باقی رہا مگر مذہب اہل رائے کا عراق سے اور اہل حدیث کا حجاز سے۔''

۞......سید عبدالقادر جیلانی کہتے ہیں:

(فعلامة اھل البدعة الوقیعة فی اھل الاثر) ❷

۞......عبدالحکیم سیالکوٹی (ف ۱۰۶۷ھ) اس تحریر کا فارسی ترجمہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

پس نشان اہل بدعت عیب کردن ست در اہل حدیث۔

''اہل بدعت کی نشانی یہ ہے کہ وہ اہل حدیث کی بدگوئی کرتے ہیں۔''

۞......اس فصل میں سید عبدالقادر جیلانی نے جتنی دفعہ لفظ اھل الاثر لکھا ہے عبدالحکیم سیالکوٹی نے اس کا ترجمہ اہل حدیث ہی کیا ہے۔

۞......سید عبدالقادر جیلانی عبارت مندرجہ بالا کے کچھ آگے یہ ذکر کرتے ہیں کہ بدعتی لوگ اہل حدیث کے طرح طرح کے نام رکھتے ہیں، اس کے بعد کہتے ہیں:

(و لااسم لھم الّا اسم واحد وھو اصحاب الحدیث)

''ان کا تو صرف ایک ہی نام ہے یعنی اہل حدیث۔''

۞......سید عبدالقادر جیلانی اسی کتاب کے صفحہ ۲۱۲ پر فرقہ ناجیہ کے ذکر میں لکھتے ہیں:

''ان کا نام اصحاب الحدیث ہے۔''

۞......فخرالدین رازی (ف ۶۰۶ھ) تفسیر کبیر میں بذیل آیت:

﴿وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا﴾ (بقرہ:۲۳)

اہل حدیث کا ذکر کرتے ہیں۔ ❸

---

❶ مقدمہ ج ۱ ص ۲۷۳

❷ غنیۃ الطالبین۔ مطبع مرتضوی دہلی ص ۱۹۸

❸ جلد اول مطبوعہ مصر ص ۲۳۴

......امام ابن تیمیہؒ (۶۶۱ھ ۔۷۲۸ھ) منہاج السنہ میں متعدد مقامات پر اہل حدیث اور اصحاب الحدیث کے نام سے ایک مستقل فرقہ کا ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ جلد ثالث صفحہ ۲۳ میں جہمیہ، قدریہ، اور معتزلہ وغیرہ کے تردیدی ذکر میں فرقہ اہلحدیث کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ایک جگہ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

(ثـمّ بعد ذالك اختلاف اهل الحديث وهم اقلّ الطّوائف اختلافاً فى اصولهم لانّ ميراثهم من النّبوّة اعظم من ميراث غيرهم فعصمهم حبل اللّه الّذى اعتصموا به) ❶

''اس کے بعد اہلحدیث کا اختلاف ہے جو سب فرقوں میں سے کم اختلاف رکھتے ہیں کیونکہ ان کی علمی وراثت جو نبوت سے ان کو ملی ہے دوسروں کی وراثت سے بہت عظیم ہے۔ ان کو اللہ کی رسی (قرآن مجید) نے بچالیا جس سے وہ متمسک ہیں۔''

......ایک دوسرے موقع پر علامہ حلی شیعی کے اعتراض کے جواب کے ضمن میں اہلحدیث کی تعریف کرتے ہوئے ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

(من المعلوم لكل من له خبرة انّ اهل الحديث من اعظم النّاس بحثا عن اقوال النّبىّ ﷺ وطلباً لعلمها وارغب النّاس فى اتباعها وابعد النّاس عن اتّباع الهوى فهم فى اهل الاسلام كاهل الاسلام فى اهل الملل) ❷

''جس شخص کو کچھ بھی خبر ہے اس کو معلوم ہے کہ اہل حدیث رسول اللہ کے اقوال کی بابت سب سے زیادہ تحقیقات کرنے والے اور ان کے علم کے طالب اور ان کی پیروی میں سب سے زیادہ رغبت رکھنے والے ہیں اور ہویٰ وہوس کی اتباع میں سب سے زیادہ دور ہیں پس وہ اہلحدیث اہل اسلام میں ایسے ہیں جیسے دیگر ادیان میں اہل اسلام ہیں۔''

---

❶ منہاج السنہ جلد ثالث ص ۲۱

❷ جلد ۲ ص ۱۷۹

۞......صاحب کشف الظنون (ف ۱۰۶۷ھ) حنفی نے علم اصول پر بحث کرتے ہوئے امام علاء الدین محمد بن احمد سمرقند کا قول ان کی کتاب میزان الاصول سے نقل کیا ہے:

(واکثر التّصانیف فی اصول الفقه لاهل الاعتزال المخالفین لنا فی الاصول و لاهل الحدیث المخالفین لنا فی الفروع) ❶

''اصول فقہ میں اکثر تصانیف معتزلیوں کی ہیں جو اصول (عقائد) میں ہم سے مخالف ہیں اور اہل حدیث کی (تصانیف بھی) ہیں جو ہم سے فروع میں مخالف ہیں۔''

۞......حافظ ابن حجرؒ (۷۷۰ھ۔۸۵۴ھ) امام شافعیؒ کے جامع الفقہ والحدیث ہونے کی بابت فرماتے ہیں:

(فاجتمع له علم اهل الرای وعلم اهل الحدیث) ❷

۞......امام ترمذیؒ (۲۰۹ھ۔۲۷۹ھ) کی جامع الترمذی اہل حدیث اور اصحاب الحدیث کے ذکر سے بھری ہوئی ہے۔ مثلاً: جلد اول مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص:۴، سطر:۳۔ ص:۶، سطر:۲۳۔ نیز ص:۹، سطر:۱۶، ۲۳۔ ص:۱۰، سطر۳۔

اس قسم کی نظیریں بہت ہیں حالانکہ یہ کتابیں تمام مذاہب کے بیان کی متکفل نہیں بلکہ ان میں بیشتر انہیں اقوال کا ذکر ہے جن سے زیادہ تر کام پڑتا ہے۔

ان فقہی کتابوں میں امام احمدؒ کے مذہب کا بھی بہت کم نام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح امام مالکؒ کا مذہب بھی بہت کمی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ اس پر بھی اہلحدیث کے مذہب کو کہیں کہیں اور مذاہب سے ممتاز کر کے لکھا گیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مذہب اور اس کے ماننے والے قدیم سے چلے آتے ہیں۔ اور مختلف زمانوں کے مصنفین کی توجہ اس مذہب کی طرف ہوتی رہی۔ اور وہ ان کی نظروں میں ایک معتدبہ اور قابل ذکر مذہب تھا جس کو انہوں نے مختلف مواقع میں ذکر کیا۔

---

❶ باب الالف ص ۱۱۴

❷ توالی التاسیس مطبوعہ مصر ص ۱۵۱

بس یہی مذہب تو ان لوگوں کا ہے جن کا دوسرا نام غیر مقلد یا لامذہب لیا جاتا ہے۔حالانکہ وہی اصل مذہب ہے اور عین طریقہ اسلام۔ ❶



---

❶ اہل حدیث قدیم یا جدید۔منقول از ماہنامہ اشاعۃ السنۃ۔جلد ۸ ملخصاً

عمل بالحدیث کا ہر دور میں وجود

قرون مشہود لھا بالخیر میں عمل بالحدیث کا وجود ہم نے گزشتہ صفحات میں بیان کر دیا ہے۔اس کے بعد کے حالات یہاں بیان کیے جاتے ہیں۔

حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں طبقہ عاشرہ میں آئمہ حدیث نبوی میں سے ننانوے امام ذکر کیے ہیں، جن میں:

- بقی بن مخلد قرطبیؒ (ف ۲۷۶ھ) کو ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ وہ امام مشہور پیشوا مجتہد تھے۔ کسی کی تقلید نہ کرتے تھے (لا یقلّد احداً) سنت کے زندہ کرنے والے تھے۔ان کے مذہب اہل حدیث کو ظاہر کرنے کی وجہ سے لوگوں نے ان سے تعصب کیا۔لیکن امیر اندلس نے لوگوں کے ہاتھ سے ان کو بچا لیا۔
- حافظ کبیر احمد ابن عاصمؒ (ف ۲۸۷ھ) کو ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ ان کا مذہب ظاہر قرآن وحدیث تھا۔ قیاس نہیں کرتے تھے۔ حافظ ابو نعیمؒ نے کہا ظاہری المذہب تھے۔

جناب حافظ محمد گوندلویؒ لکھتے ہیں:

اہل الرائے سے مراد وہ گروہ ہے جو قیاس واستنباط کا قائل ہو۔رائے سے مراد نفس فہم وعقل نہیں، کیونکہ اس سے تو کوئی صاحب علم خالی نہیں ہوتا اور نہ ہی رائے سے مراد ایسا قیاس ہے جو سنت پر بالکل معتمد نہ ہو، کیونکہ اسے بھی کوئی مسلمان اختیار نہیں کر سکتا۔اور رائے سے مراد قیاس واستنباط کی قدرت بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، امام شافعیؒ بالاتفاق اہل الرائے سے خارج ہیں حالانکہ وہ قیاس اور استنباط پر اچھی طرح قادر تھے۔

اہل الرائے سے مراد وہ گروہ ہے جو اتفاقی مسائل کے بعد کسی متقدم کے اصل کو لے کر تخریج مسائل کی طرف مائل ہو۔اور جن کا کام صرف ایک نظیر کو دوسری نظیر کی طرف یا اصول میں سے

کسی اصل کی طرف لوٹاتا تھا۔ اور وہ احادیث وآثار کے تتبع کے درپئے نہیں ہوتے تھے۔

اور اہل ظاہر وہ گروہ ہے جو آثار صحابہ وتابعین اور قیاس وتاویل کا قائل نہیں بلکہ احکام کی بنا صرف ظاہر نصوص پر رکھتے ہیں۔ جیسے امام داؤدؒ اور ابن حزمؒ۔

ان دونوں گروہوں، اہل الظاہر اور اہل الرائے، کے بین بین اہل سنت کا ایک تیسرا گروہ ہے جنہیں اہل حدیث کہا جاتا ہے جیسے امام احمدؒ اور اسحاقؒ وغیرہ۔ ❶

- امام ذہبیؒ، قاسم ابن محمد اندلسیؒ (ف ۲۷۶ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، کتاب الایضاح جو مقلدین کے رد میں ہے اس کے مصنف یہی ہیں۔ ان کا مذہب استدلال اور حجت تھا۔ دلیل کے ساتھ بصیرت رکھنے کی بابت اندلس میں کوئی ان کا نظیر نہ تھا۔

- حافظ ابن خزیمہؒ (ف ۳۱۱ھ) کا ذکر کر کے ان کا قول لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کی جب صحیح حدیث مل جائے تو اس کے سامنے پھر کسی کا قول نہیں۔

- علامہ ابن منذرؒ (ف ۳۱۸ھ)، جن کی بے نظیر تصانیف مشہور ہیں، کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔ اختلاف اور دلائل کا علم انتہاء درجے کا رکھتے تھے۔

- حافظ حسین بن محمد سنجیؒ کے ترجمہ میں ذہبیؒ لکھتے ہیں:

خراسان میں ان سے بڑھ کر کوئی حدیث دان نہ تھا۔ اہل الرائے کو حدیث پڑھانے پر بڑی مشکل سے راضی ہوتے تھے۔

- حافظ امام ابویعلیؒ (۳۴۶ھ) کے ترجمہ میں ذہبی لکھتے ہیں:

وہ علماء ظاہریہ میں سے تھے۔ حدیث کی بحث وتلاش بہت کرتے تھے اہل قیاس کا رد کیا کرتے تھے۔ عابد اور متبع سنت تھے۔

- حافظ حسن بن سعید قرطبیؒ کے تذکرے میں ذہبی لکھتے ہیں:

---

❶ نبراس۔ ص ۳۰

وہ مجتہد تھے، کسی کی تقلید نہ کرتے تھے۔

○ محدث العراق ابن شاہینؒ (۳۸۵ھ) کے ترجمہ میں ذہبی لکھتے ہیں:

ان کے سامنے جب کسی کے مذہب کا ذکر آتا تھا تو کہتے تھے میں محمدی المذہب ہوں۔

محمود غزنویؒ کے متعلق علامہ تاج الدین سبکیؒ نے تاریخ الیمینی میں، ابن خلکانؒ نے وفیات الاعیان میں، ابن کثیرؒ نے تاریخ الکامل میں، اور امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک جوینیؒ نے مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق میں لکھا ہے:

محمود غزنوی پہلے حنفی تھا پھر شافعی ہو گیا۔ بعض حضرات نے اس کے شافعی ہونے کی وجہ بھی لکھی ہے کہ اس کے دربار میں قفال مروزی نے علماء حنفیہ اور شافعیہ کی موجودگی میں پہلے شافعی مسلک اور پھر حنفی مسلک کے مطابق نماز پڑھی، اس واقعہ کے نتیجے میں محمود غزنوی نے حنفیت ترک کر دی اور شافعیت قبول کر لی۔ ❶

حاجی خلیفہؒ نے کشف الظنون میں ابن خلکانؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

(لمّارای ان المذهب الشافعي اوفق لظواهر الحديث تشفع بعد ان جمع علماء المذهبين) ❷

''یعنی شافعی اور حنفی دونوں مکاتب فقہ کے مجمع علماء میں جب اس نے سمجھا کہ مذہب شافعی ظواہر حدیث کے زیادہ موافق ہے، تو شافعی مذہب اختیار کر لیا۔'' ❸

محمود غزنوی کے حالات میں تاریخ فرشتہ کے مصنف محمد قاسم نے لکھا ہے:

محمود نے بعض ممالک میں وہ سفیر مقرر کئے جن کا شمار جلیل القدر اہل حدیث علماء میں ہوتا تھا، لکھا ہے:

وایلک کان ماوراء النہر یک بار از آل سلطان سامان متخلص گردانے دو فتح نامہ بہ سلطان محمود فرستادہ او را باستیلائے مملکت خراسان تہنیت گفت بنا برایں میان ہر دو پادشاہ بنائے دوستی و یگانگی استحکام پذیرفت و سلطان نیز ابوالطیب سہل بن سلیمان بن صعلوکی را کہ از آئمہ اہل حدیث

---

❶ وفیات الاعیان، الکامل فی التاریخ وغیرہ

❷ کشف الظنون

❸ یاد رہے کہ شافعیت کے معنی اس وقت اہل حدیثیت کے تھے۔

بود برسم رسالت پیش ایلک خان فرستادہ۔ ❶

”جب ایلک خان نے خاندان سامان کے قبضے سے ماوراء النہر کا علاقہ آزاد کرایا اور خراسان پر فتح پائی تو فتح نامہ تہنیت سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں ارسال کیا۔ جس کے نتیجے میں دونوں بادشاہوں کے درمیان اتحاد و دوستی کی بنیادیں مستحکم ہوگئیں۔ ایلک خان کے جواب میں محمود غزنوی نے ابوالطیب سہل بن سلیمان صعلوکی کو جو اکابر علمائے اہل حدیث میں سے تھے اپنا سفیر اور پیغام رساں بنا کر ایلک خان کے پاس بھیجا۔“

- امام ذہبیؒ نے حفاظ کے گیارھویں طبقہ میں ستر سے زائد آئمہ کو ذکر کیا۔
- بارھویں طبقہ میں تیس اماموں کو ذکر کیا اور ان کے حدیث میں توغل وغیرہ کو بیان کیا۔
- اس میں حافظ محمد بن علی ساحلیؒ (ف ۴۴۱ھ) کو اور ان کے حرص حدیث اور اس کی خدمت کو ذکر کر کے ان کے چند اشعار بھی ذکر کئے جو انہوں نے حدیث سے خلاف کرنے والوں کی مذمت میں لکھے ہیں
- اس میں امام حمیدیؒ صاحب الجمع بین الصحیحین (ف ۴۸۸ھ) کو جو کہ ظاہر کتاب وسنت پر چلتے تھے ذکر کیا۔
- اسی میں حافظ محمد بن طاہر مقدسیؒ اور عبدریؒ (ف ۵۴۴ھ) کو ذکر کیا اور بتایا کہ یہ دونوں حدیث کو لازم پکڑے ہوئے تھے اور ظاہر کتاب وسنت پر چلتے تھے۔
- پھر ذہبیؒ نے تیرھویں طبقہ کو ذکر کیا اور اس میں حافظ امام کوتاہ اصفہانیؒ (۵۵۲ھ) کو ذکر کر کے ان کا یہ قول بیان کیا کہ میں اس شخص کے طریق سے بڑھ کر کوئی طریق جنت کو پہنچانے والا نہیں جانتا کہ جو حدیث پر چلے۔
- پھر چودھویں طبقہ کو ذکر کیا، اور اس میں چوبیس حفاظ حدیث کو بیان کیا جو اثری المذہب عامل بالحدیث تھے۔

---

❶ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۴۰

- پھر پندرھویں طبقہ کو ذکر کیا اور اس میں کتنے عاملین بالحدیث کا بیان کیا جو کسی کے مقلد نہ تھے۔
- اسی پندرھویں طبقہ میں حافظ ابن الرومیہ اندلسیؒ (ف ۶۳۷ھ) کو بھی ذکر کیا جو پہلے مالکی تھے پھر عامل بالحدیث ہو گئے تھے۔
- پھر سولہویں طبقہ کو بیان کیا، اور اسی طرح اکیسویں طبقہ تک برابر سب طبقات کو بیان کیا اور ہر طبقہ میں ایک جماعت علماء عاملین بالحدیث کی جو کسی کے مقلد نہ تھے بیان کی۔ ان میں
- امام ابن تیمیہؒ (ف ۷۲۸ھ) کو ذکر کیا۔
- خود امام ذہبیؒ (ف ۷۴۸ھ) بھی عامل بالحدیث تھے اور کسی کے مقلد نہ تھے۔ چناں چہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

(العلم ما قال اللّٰه وقال رسوله ان صح والاجماع فاجهد فيه واحذرمن نصب الخلاف جهالة بين الرسول وبين رائى فقيه)

- امام ذہبیؒ کے مذکورہ بالا افراد کے علاوہ درج ذیل آئمہ کا ذکر بھی عاملین بالحدیث کے طور پر تاریخ و رجال کی کتابوں میں ملتا ہے۔
- راذانیؒ (ف ۵۴۶ھ)۔ آپ مذہب اہل حدیث کے موافق فتوی دیتے۔
- حسن بن مسلمؒ (۵۰۴ھ۔۵۹۴ھ) انہوں نے شیخ عبد القادرؒ جیلانی کی صحبت اٹھائی تھی۔ امام ابو شامہؒ فرماتے ہیں۔ یہ ابدال میں سے تھے اور سلف کے مسلک عمل بالحدیث کو پکڑے ہوئے تھے۔
- حافظ الحدیث تقی الدین عبد الغنی مقدسیؒ (ولادت ۵۴۱ھ)۔ ایک لاکھ سے بھی زائد حدیثیں ان کو حفظ تھیں۔ تلاش حدیث کا شغل رکھتے تھے۔ ان کی کئی مقبول اور نہایت مفید تصانیف ہیں۔ ابن النجارؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں پرہیز گار تھے سلف کے طریقہ پر حدیث کے ساتھ تمسک کرتے تھے۔ انتہی۔
نہی عن المنکر میں بڑے مضبوط تھے۔ اہل بدعت سے ان کو بہت تکلیفیں پہنچیں۔

⊙ محمد بن احمد بن قدامہ مقدسیؒ (۵۲۸ھ۔۶۰۷ھ)۔بڑے عابد وزاہد تھے۔

حافظ ضیاء مقدسیؒ لکھتے ہیں جو حدیث پاتے اس پر ضرور عمل کر لیتے۔انتھی۔

ابو المظفر کہتے ہیں یہ سلف صالح کے مذہب پر تھے۔کتاب وسنت وآثار مرویہ کے ساتھ تمسک کرنے والے تھے۔

⊙ منصورؒ بن یعقوب بن یوسف سلطان مراکو(ف ۶۱۰ھ) بڑے پکے اہل حدیث تھے۔ باوجود سلطنت کے، بڑے زہد کے ساتھ رہتے تھے۔ذہبی، تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں کہ ان کے وقت میں صالحین اور اہل حدیث کا آوازہ بلند ہو گیا۔اور فقہ کے فروعات اٹھ گئے۔انہوں نے فقہ کے شغل اور اس میں انہماک کے ترک کی لوگوں کو تاکید کی اور محدثین کو کتب حدیث سے لے کر کے حدیث کا مجموعہ تیار کرنے کا حکم دیا جو اس مجموعہ کو حفظ کر لیتا تھا، اس کو انعام دیتے تھے۔

علامہ دمیریؒ، حیوۃ الحیوان میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے حکم دیا کہ صرف قرآن وحدیث سے فتوی دیا جائے اور کسی کی تقلید نہ کی جائے۔انتھی۔

⊙ محی الدینؒ ابن عربی صاحب فتوحات مکیہ (ف ۶۳۸ھ) عامل بالحدیث تھے لیکن ان کو تصوف میں بے حد انہماک تھا۔اسی لئے ان کے بعض کلام ان کی تصانیف میں ایسے ہیں جو بظاہر تسلیم کے قابل نہیں[1] ان کی وجہ سے علماء ان کی بابت مختلف ہیں۔کوئی تو ان کی تکفیر کرتا ہے[2] اور کوئی توقف کرتا ہے۔اور بہت سے بے حد معتقد ہیں[3] والعلم عند اللہ۔آپ اتباع حدیث اور ترک تقلید میں بے نظیر اور قیاس کے منکر تھے۔

---

❶ لیکن درمختار میں لکھا ہے کہ یقیناً وہ کلمات کسی نے شیخ قدس سرہ کی نسبت تھوپ دئے ہیں۔

❷ منجملہ ان کے شیخ ابراہیم حلبیؒ ہیں۔

❸ جن میں ابن الزملکانی، عبدالوہاب شعرانیؒ، شیخ مجدالدین فیروزآبادیؒ شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ، سعدالدین حمویؒ، قاضی احمد حوبیؒ، جلال الدین سیوطیؒ، علامہ مقریؒ، نعمان آفندیؒ، بحرالعلوم لکھنویؒ، شیخ عبدالغنی نابلسیؒ، ابن کمال پاشا، صاحب درمختار، شیخ ابن عابدین صاحب ردالمختار وغیرہ ہیں۔

⦿ ابن حجر عسقلانیؒ ۔ ان کے تبحر اور دلائل سے مسائل پر آزادانہ بحث اور جو مسئلہ من حیث الدلیل راجح ہو اس کے ترجیح دینے پر خواہ وہ کسی امام کا ہو، ان کی تصانیف شاہد ہیں ۔ اور بالتصریح بھی وہ مقلدین کا رد کرتے ہیں ۔ چنانچہ آپ فتح الباری میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

(فیہ ان الوقائع قد تخفی علی الاکا بر ویعلمھا من دونھم وفی ذالك رد علی المقلد اذا استدل علیه بخبر یخالف فیجیب لو کان صحیحاً لعلمه فلان مثلاً)

''اس سے ثابت ہوا کہ وقائع خاصہ کبھی بڑوں سے مخفی رہتے ہیں ۔ اور چھوٹوں کو اس کی خبر ہو جاتی ہے ۔ اور اس سے رد ہو گیا مقلد کا کہ جب اس کے سامنے ایسی حدیث دلیل میں لائی جاتی ہے جو اس کے خلاف ہے تو کہنے لگتا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس کو فلاں عالم جو اس کا امام ومقتدی ہے ضرور جانتا ہوتا۔''

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

(ویستفاد من ذالك ان امره ﷺ اذا ثبت لم یکن لاحد ان یخالفه ولا یتحیل فی مخالفته بل یجعله الاصل الّذی یرد الیه مایخالفه لابالعکس کمایفعل بعض المقلدین ویغفل عن قوله تعالی: ﴿**فلیحذر الذین یخالفون**﴾الآیة۔

''اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر ﷺ کا جب حکم ثابت ہو جائے تو کسی کو اس کے خلاف کرنے کی مجال نہیں ۔ اور نہ یہ کہ اس کے خلاف کے لئے حیلے نکالے ۔ بلکہ اس کو اصل قرار دے کر اس کے خلاف کو اس کی طرف پھیرے ۔ نہ یہ کہ برعکس ۔ جیسا کہ بعض مقلدین کرتے ہیں ۔ اور اللہ تعالی کے قول:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ﴾

''پس چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں حکم رسول کے، اس سے کہ پہنچے ان کو بلا یا عذاب دردناک'' سے غافل رہتے ہیں۔

○ امام عبدالوہاب شعرانی مصریؒ (ف ۹۷۲ھ) نے میزان میں لکھا ہے:

(واما ما نقل عن الآئمة الاربعة فی ذمّ الرای فاوّلھم تبریاً من کل رای یخالف ظاھر الشّریعة الامام الاعظم ابو حنیفة النّعمان بن ثابت خلاف مایضتفه الیه بعض المتعصّبین و یافضیحة یوم القیامة من الامام اذا وقع الوجه فی الوجه

فان من كان فى قلبه نورلايتجراء ان يذكر احداً من الآئمة بسوء واين المقام من المقام اذا لآئمة كالنّجوم فى السّماء وغيرهم كاهل الارض الذين لا يعرفون من النّجوم الاخيالها على وجه الماء وقد روى الشيخ محى الدين فى الفتوحات المكّيّةِ بسنده الى الامام ابى حنيفه انّه كان يقول اياكم والقول فى دين اللّه تعالى بالرّاى وعليكم باتّباع السّنّة فمن خرج عنها ضلّ۔) ❶

''ولیکن جو کچھ آئمہ اربعہ سے رائے کی مذمت میں نقل کیا گیا ہے سب سے اول بے زاری کرنے والے ہر ایسی رائے سے جو ظاہر شریعت کے خلاف ہو امام اعظم امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ خدا تعالی ان سے راضی ہو۔ برخلاف اس کے جو کچھ آپ کی طرف بعض متعصب لوگ نسبت کرتے ہیں۔ پس کیسی رسوائی ہوگی اس (متعصب) کی دن قیامت کے امام کی طرف سے جب رو در رو ہوں گے۔ کیونکہ جس کے دل میں نور ہے وہ ہرگز جرئت نہیں کرتا کہ کسی امام کو برائی سے یاد کرے۔ اور اس (متعصب) کا مقام (اماموں کے) مقام (کے مقابلے) میں کہاں ہے؟ کیونکہ امام آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں اور ان کے سوا دوسرے لوگ مثل اہل زمین کے ہیں۔ جو ستاروں کی بابت کچھ نہیں جانتے سوائے خیال کے اوپر پانی۔ اور بے شک محی الدین ابن عربیؒ نے فتوحات مکیہ میں اپنی سند سے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے (اے لوگو) تم خدا کے دین میں اپنی رائے سے کچھ کہنے سے بچو اور لازم پکڑو اتباع سنت کو کیونکہ جو کوئی اس سے خارج ہوا وہ گمراہ ہو گیا۔''

- شاہ ولی اللہؒ، عبدالوہاب شعرانیؒ (ف ۹۷۳ھ) کے متعلق فرماتے ہیں:

(ثمّ نقل عن جماعة عظيمة من علماء المذاهب انّهم كانوا يعملون ويفتون بالمذاهب من غير التزام مذهب معين من زمن اصحاب المذاهب الى زمانه) ❷

---

❶ میزان کبری۔ص۵۰ ❷ عقدالجید

”شعرانی ؒ نے اصحاب مذاہب کے زمانہ سے لے کر اپنے وقت تک ایک جماعت عظیم علماء مذاہب سے نقل کیا کہ وہ بلا التزام مذہب معین کے فتوی دیتے اور عمل کرتے تھے۔“

- ابن المقریزی احمد بن علیؒ (۷۶۰ھ۔۸۴۵ھ)۔تاریخ میں بڑے متبحر تھے، پہلے حنفی تھے، پھر شافعی ہو گئے۔سخاویؒ کہتے ہیں وہ ظاہریت کی طرف مائل تھے ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ”حدیث سے محبت رکھتے تھے۔اس وجہ سے اس پر قائم رہتے تھے حتی کہ ابن حزمؒ کے مذہب کی طرف متہم کئے جاتے تھے۔“انتہی

- شہاب الدین بن محمد منزلاویؒ (ف ۹۵۱ھ)۔آپ کتاب وسنت پر عمل کرتے اور سنی محمدی کہلاتے۔امام شعرانی طبقات کبرے میں ان کی بابت لکھتے ہیں:

صالح، سنی، محمدی، قرآن وحدیث پر عمل کو لازم پکڑے ہوئے تھے۔میں نے شیخ محمد بن عثمان کے بعد ان سے بڑھ کر کوئی حدیث پر نگاہ رکھنے والا نہیں دیکھا۔شیخ موصوف فرمایا کرتے تھے جس کو حدیث یاد رکھنا منظور ہو تو بس اس پر عمل کرنے لگے وہ اس کی قید میں آ جائے گی۔اور پھر وہ نہ بھولے گا۔میں ان کی صحبت میں قریب چالیس برس کے رہا۔میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کسی بات میں سنت سے ہٹے ہوں۔انتہی

شعرانیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ کتاب وسنت کے اتباع میں ان کی مثال دی جاتی تھی۔

بیان بالا سے اصحاب مذاہب (آئمہ اربعہ) کے زمانہ سے دسویں صدی ہجری تک ایسے لوگوں کا موجود ہونا ثابت ہو گیا جو تقلید شخصی کے پابند نہ تھے، اور عمل بالحدیث پر کاربند تھے۔اس کے بعد کی صورت حال دیکھنا ہو تو امام شوکانی (۱۱۷۲ھ) کی تحریریں ملاحظہ کرنا چاہییں۔وہ بدر طالع میں اپنے زمانے کے قریب زمانوں میں بلاد یمن میں، برخلاف دیگر ممالک کے، بکثرت علماء اہل حدیث کے ہونے پر، جو قرآن وحدیث پر عامل تھے اور کسی کی تقلید نہ کرتے تھے، فخر کیا ہے۔مثلاً:

- محمد بن ابراہیمؒ (ف ۷۷۵ھ) تھے، جو بڑے پکے اہل حدیث سے تھے۔
- یحیی بن حسینؒ (۱۰۳۵ھ۔۱۰۸۰ھ) احادیث پر عمل کی طرف مائل تھے۔نصوص صحیحہ کے

خلاف جس کا قول ہوتا تھا، رد کرتے تھے۔ جیسا کہ بدر طالع میں مذکور ہے صاحب تصانیف ہیں۔ اہل زمانہ سے ان کو مصائب بھی پہنچے۔

- صالح بن مہدی مقبلی صنعانیؒ (۱۰۴۷ھ۔۱۱۰۸ھ)۔ آپ اصحاب رسول اللہ کے مسلک پر تھے اور تقلید کے ایسے تارک کہ اس کے سبب مقلدین نے ان پر کفر کے فتوی لگائے جن سے وہ بحکم سلطان روم امتحان کے بعد بری کئے گئے۔

بدر طالع میں لکھا ہے:

وہ علوم کتاب وسنت واصول وغیرہ میں بڑے ماہر تھے۔ تقلید نہ کرتے تھے۔ دلیل پر چلتے تھے۔ علماء صنعاء سے ان کے مناظرے بھی ہوئے۔ مکہ معظّمہ کو ہجرت کر گئے۔ وہاں بھی مشقتیں جھیلتے رہے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ ان کا کلام اگر کوئی بغور دیکھے تو کبھی تقلید پر قائم نہیں رہ سکتا۔ معتزلہ کا بہت رد کیا ہے۔ اتحاف نامی ایک کتاب لکھی جس میں کشاف پر اعتراض کئے۔ اشعریہ اور صوفیہ اور فقہاء کا بھی جو مسائل ان کے خلاف قرآن وحدیث پائے رد کیا۔ بعض محدثین کے غلو پر بھی اعتراض کیا۔ [1]

- سید یحی بن عمر بن مقبول ابدلؒ (ف ۱۱۴۷ھ)۔ اور ان کے خلف الصدق سید سلیمانؒ اور ان کے فرزند رشید سید عبد الرحمنؒ (ف ۱۲۵۰ھ)۔ یہ سب لوگ عامل بالحدیث اور تارک تقلید تھے اور بڑے عابد وزاہد ومقبول ومقتدا لوگ تھے۔ ان کے مناقب میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔
- عبد القادر بن علی بدریؒ (۱۰۷۰ھ۔۱۱۶۰ھ) علامہ مقبلیؒ کے شاگرد ہیں۔ بدر الطالع میں ہے کہ آپ دلیل کے تابع تھے۔ ان کے چند رسائل بھی ہیں۔ جن میں طریقہ اجتہاد پر چلے۔ کچھ دنوں تک مدینہ میں عہدہ قضا پر بھی مامور رہے۔
- عبد اللہ بن لطف اللہ صنعانیؒ (ف ۱۱۷۲ھ)۔ تقلید سے سخت متنفر تھے۔
- سید محمد بن اسماعیل امیر صنعانیؒ (۱۰۹۹ھ۔۱۱۸۲ھ) بدر طالع میں ہے کہ وہ مجتہد مطلق تھے۔ علماء حرمین سے علوم تحصیل کئے۔ تمام فنون میں فائق ہوگئے۔ دلیل پر عامل تھے۔

---

[1] البدر الطالع

تقلید سے نفرت رکھتے تھے۔ چونکہ یہ کتب حدیث وصحاح ستہ پر سختی سے عامل تھے اس وجہ سے عوام الناس ان کو اپنے خلاف پا کر ان پر ناصبی کی تہمت لگاتے تھے۔

- سید عبدالقادر بن احمد کوکبانی رحمہ اللہ (۱۱۳۵ھ۔۱۲۰۷ھ) کسی کے مقلد نہ تھے باجتہاد خود عمل کرتے۔ آپ نے محمد بن اسماعیل امیر رحمہ اللہ اور محمد حیات رحمہ اللہ سندھی مدنی وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی۔ بڑے محدث تھے۔ بدر طالع میں ان کو مجتہد مطلق بھی کہا گیا ہے۔ انہوں نے بہت سے مسائل حدیثیہ مقلدین کو منوائے تھے۔
- علی بن عبداللہ صنعانی رحمہ اللہ (ولادت ۱۱۶۵ھ) کسی کے مقلد نہ تھے۔ حدیث پر عمل کرتے تھے۔
- محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ (۱۱۷۲ھ۔۱۲۵۰ھ) متاخرین اہل حدیث میں آپ جامع و ماہر جمیع فنون وفروع معقول ومنقول اور مجتہد مطلق گزرے ہیں باجتہاد خود حدیث پر عمل کرتے۔ ان کی تصانیف ان کے کمالات کی شاہد موجود ہیں۔ احکام احادیث میں ان کی کئی مبسوط اور تحقیقات سے پر کتابیں ہیں مثلاً نیل الاوطار اور السیل الجرار وغیرہ۔ اور ایک تفسیر بسیط فتح القدیر ہے۔ اور اصول میں ایک کتاب ارشاد الفحول ہے۔ ان کا ایک رسالہ القول المفید فی رد التقلید بھی ہے ان کے فیض سے ہزارہا لوگ اہل حدیث ہوئے۔
- شوکانی رحمہ اللہ کے زمانہ میں اس کے بعد ان کے شاگردوں میں ایسے بہت لوگ ہوئے ہیں جو کسی کے مقلد نہ تھے اور باجتہاد خود عمل بالحدیث کرتے تھے۔ جیسے محمد بن احمد رحمہ اللہ (ف ۱۲۳۶ھ) اور محمد بن حسن رحمہ اللہ (ف ۱۲۵۷ھ) وغیرہ
- عبدالرحمٰن بن احمد صنعانی رحمہ اللہ (ولادت ۱۱۸۰ھ) کسی کے مقلد نہ تھے۔ خود حدیث پر عمل کرتے۔

قاضی شوکانی رحمہ اللہ سے دور حاضر تک تو خود برصغیر ہند میں بکثرت اہل حدیث کا ہونا ظاہر ہے اور تفصیل بالا سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر دور حاضر تک برابر ایسے لوگوں کا موجود ہونا ثابت ہو گیا جو عامل بالحدیث تھے اور تقلید شخصی کے پابند نہ تھے۔



اہلحدیث اور وہابی

تاریخ کے مختلف ادوار میں عاملین بالحدیث کو مختلف نام دیئے جاتے رہے ہیں جن میں سے کچھ ان کے عقیدہ وعمل کے لحاظ سے درست تھے اور کچھ نادرست۔ مثلاً اصحاب الحدیث، اصحاب الاثر، اہل الآثر، اہل حدیث، محمدی، موحد، سلفی وغیرہ ان کے حسب حال نام ہیں۔ جب کہ ظاہری، شافعی، لامذہب، اور وہابی جیسے نام خواہ مخواہ ان پر چسپاں کئے جاتے ہیں۔

چوں کہ ظاہری اور شافعی ہونے کا مطلب باقی فقہی مذاہب کی طرح کم از کم چوتھی صدی ہجری کے گردوپیش ان کا وجود ثابت کر کے اسے ایک نیا فرقہ ہونے کے الزام سے بری کر دیتا ہے، اس لئے ان کے ظاہری یا شافعی ہونے کی تردید کا کام مؤخر کر کے یہاں وہابی کا نام ان کے لئے اجنبی ہونے کی وضاحت کرتے ہیں کیونکہ وہابیت نسبتاً ایک نیا فرقہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، مائنمار (برما)، نیپال اور افغانستان کے وہ لوگ جو اہل حدیث ہونے کا دعوی کرتے ہیں، دراصل وہابی ہیں جو نجد کے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے متبعین ہیں اور جو تیرہویں صدی ہجری میں ہندوستان میں نمودار ہوئے اور چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں ہندوستان کی برطانوی حکومت کو درخواست دے کر اپنے لئے اہل حدیث کا نام الاٹ کروا کر اہل حدیث بن بیٹھے ہیں۔

چنانچہ ایک مصنف نے لکھا ہے:

> جناب محمد حسین بٹالویؒ نے ارکان اہل حدیث کی ایک دستخطی درخواست لیفٹننٹ گورنر پنجاب کے ذریعے وائسرائے ہند کی خدمت میں روانہ کر دی۔ اس درخواست پر سرفہرست شمس العلماء میاں نذیر حسین کے دستخط تھے۔ گورنر پنجاب نے وہ درخواست اپنی تائیدی تحریر کے ساتھ گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیج دی وہاں سے حسب ضابطہ منظوری آ گئی کہ آئندہ وہابی کی بجائے اہل حدیث

کا لفظ استعمال کیا جائے۔ ❶

اسی طرح سی پی گورنمنٹ کی طرف سے ۱۴ جولائی ۱۸۸۸ء بذریعہ خط نمبری ۴۰۷، یو پی کی طرف سے ۲۰ جولائی ۱۸۸۸ء بذریعہ خط نمبری ۳۸۶۔ بمبئی کی طرف سے ۱۴ اگست ۱۸۸۸ء خط نمبری ۷۳۲۔ مدراس کی طرف سے ۱۵۔ اگست ۱۸۸۸ء بذریعہ خط نمبر ۱۲۷۔ بنگال کی طرف سے ۴ مارچ ۱۸۹۰ء بذریعہ خط نمبری ۱۵۶ بٹالوی صاحب کو منظوری کی اطلاع دی گئی۔ ❷

جناب محمد حسین بٹالویؒ نے اس اقتباس کے مشار الیہ معاملے میں اور بھی بہت کوشش کی ہے جس کا ذکر جنگ آزادی کے مصنف نے شائد بغرض اختصار نہیں کیا۔ اس لئے آگے بڑھنے سے قبل اس کا ذکر ہم خود کر دیتے ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

اشاعۃ السنہ جلد ۸ (۱۸۸۶ء) میں جناب محمد حسین بٹالویؒ نے لفظ وہابی کے استعمال نہ کرنے اور اپنے اور اپنے ہم خیالوں کے لئے پرانے لقب اہل حدیث کے استعمال پر بحث کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ سرحدی بغاوتوں میں بعض اہل حدیث کی شراکت یا معاونت تسلیم کر لینے سے عام گروہ اہل حدیث پر الزام بغاوت قائم نہ ہو سکنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض افراد و چند اشخاص کا فعل تمام قوم کا فعل ہرگز نہیں ہوسکتا اور نہ اس فعل سے جملہ اشخاص قوم یا اس کے مذہب پر الزام عائد ہوسکتا ہے۔ یہ ہو تو دنیا میں کوئی قوم مہذب یا غیر مہذب مسلم یا غیر مسلم بغاوت سے بری نہیں ہوسکتی کیونکہ ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک میں بعض افراد سے خود اپنی ہی سلطنت کی بغاوت و بدخواہی وقوع میں آ چکی ہے۔ جس کے نظائر یورپ و ایشیا وغیرہ میں ایک نہیں صدہا موجود ہیں۔ ازاں جملہ دو چار نظیریں اس مقام میں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ مہذب ملکوں اور سلطنتوں میں اپنی ہی قوم کے بعض افراد میں ڈائنا میٹ کا سلسلہ جاری ہے۔

۲۔ بہت سلاطین یورپ و ایشیا کو انہی کے ہم قوم و ہم مذہب کے اشخاص نے ہلاک کیا۔

۳۔ ہماری ملکہ قیصر ہند پر اس کے ہم قوم و ہم مذہب لوگوں نے کئی دفعہ حملہ کیا۔ ❸

---

❶ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از محمد ایوب قادری

❷ محمد ایوب قادری۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء۔ ص ۶۶

❸ جن میں ایک حضرت مکلے بھی ہیں، لندن میں تھوڑا عرصہ گزرا ہے کہ ان پر گولی چلائی تھی۔

۴۔اس وقت جو یورپ میں اور خاص کر لندن آئر لینڈ وغیرہ میں آئرش وغیرہ سے فساد کا بازار گرم ہے وہ اپنے ہی ہم قوم وہم مذہب اشخاص کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔ وعلی ہذا القیاس ومع ہذا ان شخصی اور افرادی مخالفتوں کے سبب سے ان تمام اقوام عیسائی کو کوئی شخص باغی قومیں قرار نہیں دیتا بلکہ آج کل کے مفسدین آئرش کے لئے تحریک ہو رہی ہے کہ ان کو مدد معاش ملے تاکہ وہ بے روزگاری کے سبب پھر فساد نہ کریں۔

پس اہلحدیث کے بعض افراد کی ذاتی اور شخصی بغاوت کے سبب کل گروہ اہلحدیث کو باغی وبدخواہ سلطنت کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہمارے ایک اسلامی پالیٹیشن بزرگ کا یہ قول

چواز قومے یکے بے دانشی کردنہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

ہمارے اس بیان کا مخالف نہیں، اس قول سے ان کا یہ مقصود نہیں ہے کہ ایسا ہونا چاہیے یا یہ عقل وانصاف کا مقتضی ہے۔ بلکہ اس قول سے ان کا مقصود یہ ہے کہ عام لوگوں میں جو (عقل وانصاف کے پابند نہیں) ایسا ہوتا ہے وہ ایک کے فعل سے اس کے سب گروہ کو برا سمجھتے ہیں گو عقل وانصاف کی رو سے یہ امر جائز نہ ہو۔

اس وجہ دوم کو چشم انصاف سے دیکھنے کے بعد تو سرحدی بغاوتوں وسازشوں کو اہل حدیث کے ذمہ لگانے والے بھی یقین کر سکتے ہیں کہ ان بغاوتوں وسازشوں کے سبب کل گروہ اہلحدیث کو بدخواہ سلطنت قرار دینا انصاف کے مخالف ہے۔ بالجملہ ہماری اس طولانی (مگر ضروری) بحث سے عام ناظرین اور ناواقف عہدہ داران گورنمنٹ کو امر سوم کا یقین ہوگا۔ جیسا کہ گورنمنٹ کو پہلے ہی سے اس امر کا یقین ہے۔

تائیدات امور ثلاثہ ختم ہوئیں۔ امید ہے گورنمنٹ ہماری درخواست کی طرف توجہ کرنے کے وقت ان تائیدات کو پیش چشم رکھے گی ......۔اور اپنے ملازموں اور عہدہ داروں کے نام بذریعہ سرکلر عام اور قطعی حکم نافذ کرے گی کہ وہ سرکاری تحریرات واحکام میں اس گروہ کو اس لفظ (وہابی) سے مخاطب نہ کیا کریں۔ان کے پرانے لقب اہل حدیث سے ان کو

مخاطب کیا کریں۔

گورنمنٹ نے ہماری اس درخواست کی طرف توجہ نہ کی تو لوگوں میں تنازع واختلاف پھیلے گا۔اور لائیبل کی نالشوں کا دروازہ کھلے گا [1] سب سے پہلے سرکاری عہدہ داروں پر جو وقتاً فوقتاً بعض خیر خواہ اشخاص اہلحدیث کو وہابیہ کہہ دیتے ہیں لائیبل کی نالش دائر ہوں گی، ان کے ساتھ ہی ان اخبار نویسوں پر جو اپنے اخباروں میں اس گروہ کے حق میں یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ان کے بعد اہلحدیث کے مقابل فرقہ ہائے اسلامی کے بعض اشخاص پر جو اس لفظ سے ان کو یاد کرتے ہیں جس کا نتیجہ بجز اس کے کہ رعایا میں باہم بغض وفساد پیدا ہو اوران کے باہمی اتحاد وامن میں خلل واقع ہو اور کچھ نہ نکلے گا۔

ہماری دیسی اورانگریزی اخباروں کے اڈیٹر [2] اس نتیجہ کی طرف غور وامعان کی نگاہ کریں۔ اور ہماری اس مضمون کا خلاصہ اپنے اخباروں میں درج کر کے اس دل شکن وتوہین آمیز لفظ کے استعمال پر عذر کریں۔

گورنمنٹ کی توجہ کے منتظر نہ رہیں۔ایسا نہ ہو کہ ہم اور وہ بجائے دوستانہ ملاقات کے، عدالت کے کمروں میں باہم ملاقات کریں۔ اب ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں اوران چٹھیات سرکاری کو نقل کرتے ہیں جن کا اثنا مضمون میں حوالہ دے چکے ہیں۔

✵ گورنمنٹ پنجاب سرکلر (انگریزی) مورخہ ۲۹۔اکتوبر (۱۸۷۶ء) کا ترجمہ:

از گورنمنٹ پنجاب

بنام مولوی محمد حسین ومولوی رحیم اللہ وسہ صد دیگر سائلان

---

[1] لاہور میں اس تہمت وہابیت کو اٹھانے کے لئے ایک خاص کمیٹی قائم ہوئی ہے جو محمڈن نیشنل ڈیفنس کمیٹی کے نام سے موسوم ہوئی ہے۔اس کمیٹی کے ممبروں نے اس امر اہم کے لئے سردست ایک ایک مہینے کی آمدنی بطور چندہ دینے تسلیم کر لی ہے۔اس مضمون کی گورنمنٹ اور خواص ملک پر تاثیر نہ ہوئی اور عدالت تک پہنچنے کی نوبت آئی تو یقین ہے کہ تمام ہندوستان کے لوگ اس کمیٹی کے ممبر ہو جائیں اور اپنی آمدنی سے کافی روپیہ اس کی مدد کو دیں گے۔

[2] جو وقتاً فوقتاً اس گروہ کو وہابی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔اور آجکل اس گروہ کے وکیل رسالہ اشاعۃ السنہ کو وہابی اخبار لکھ چکے ہیں جیسے اڈیٹر پایونیر الہ آباد، سول وملٹری گزٹ لاہور، مسلم ہیرلڈ مدراس، اودھ اخبار لکھنؤ، شمس الاخبار مدراس، اخبار چنار، عالم تصویر کانپور، سراج الاخبار وغیرہ۔

حسب الارشاد لیفٹننٹ گورنر کی طرف سے اس عرضی کا جواب لکھا جاتا ہے جس پر قریب تین سو اشخاس کے دستخط ہیں اور جس میں کئی ہزار اشخاص کی رائے اور خواہشوں کا اظہار ہے جو اہل اسلام میں اس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں جو عوام الناس میں وہابی کے نام سے مشہور ہیں۔

سائلوں کا بیان ہے کہ اگرچہ وہ ایسے خیر خواہ سلطنت ہیں جیسے کوئی اور رعایا حضرت علیا ملکہ معظّمہ دام اقبالھا میں سے نہیں [1] تو بھی وہ بسبب اشتباہ بدخواہی بہت سی تکلیفوں کے زیر بار اور کئی ایک لاچاریوں کے متحمل کئے جاتے ہیں کہ وہ اپنے مذہب کی رسوم کو آزادی کے ساتھ ادا کرنے نہیں پاتے حالانکہ ملکہ کے اشتہار نے سب کو آزادی کا وعدہ دیا۔ وہ مسجدوں سے اسلامی جلوسوں سے الگ کئے جاتے ہیں اور لوگ عموماً سرکار کے طریقہ کی پیروی کر کے ان کو حقارت اور بے اعتباری سے دیکھتے ہیں کہ کسی وہابی کیلئے عدالت ہائے قانونی میں انصاف پانا بھی ناممکن ہے کیونکہ اس کی ملت کے حال معلوم ہونے سے حاکم عدالت اس اپیل کے خلاف ہو جاتا ہے۔

اخیر میں ان کی یہ درخواست ہے کہ

وہ گورنمنٹ کے اعتبار میں لئے جاویں لوگوں کو روکا جاوے کہ وہ ان کو بدخواہ سلطنت خیال کریں اور ان سے ایسا سلوک کریں جیسا بدخواہوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

وہ خبر گیری (یعنی خفیہ نگرانی) اور نظر بندی سے خلاص کئے جاویں۔

اپنے مذہب کی رسوم کو آزادانہ ادا کرنے پاویں۔

جو ملازمان سرکار، وہابی نظریات رکھتے ہیں، وہ آئندہ شبہ سے بری ہوں اور ترقی سے محروم نہ رہیں۔

---

[1] یہ فقرہ قابل غور ہے کہ جناب بٹالویؒ نے لکھا ہے کہ وہ اسی طرح اور اتنے ہی خیر خواہ گورنمنٹ ہیں، جتنے دوسرے۔ اب اس وقت میں جو لوگ تھے ان کی خیر خواہی وفاداری کا وزن کر لیں اور اس کا ہم وزن بٹالویؒ کو قرار دیں لیں۔

لفٹینٹ گورنر خوش ہیں کہ سائل اپنی تکالیف کے اظہار کے لئے پیش قدم ہوئے اوران کی درخواست کا مکمل جواب دینے پر آمادہ ہیں۔

اول حسب الحکم لفٹنٹ گورنر لکھا جاتا ہے کہ اگرچہ سائل نام وہابی کو رد کرتے ہیں لیکن یہ وہ نام ہے جس سے وہ عموماً مشہور ہیں اور جہاں تک لقب مذکور تحریر ہذا میں مستعمل ہوا ہے حقارت کے کلمہ کے طور نہیں ہوا۔

نیز لفٹنٹ گورنر اس مضمون کے ملاحظہ سے نہائت محظوظ ہوئے کہ سائل بالکل خیال بدخواہی دولت ملکہ معظّمہ سے بھی منکر ہیں۔ اور اپنے تئیں ان وہابیوں کی مخالفانہ حرکات اور آراء سے جو کئی سالوں سے خفیہ فتنہ پردازی یا ظاہراً مخالفت میں مشغول رہے ہیں، بالکل بے تعلق ظاہر کرتے ہیں۔ لفٹنٹ گورنر ان گزارشات کے قبول کرنے کیلئے بہمہ وجوہ رضامند ہیں۔ اس جماعت نے جس کی طرف سے سائل معروض رساں ہیں کچھ عرصہ سے پنجاب میں نہایت خیر خواہی اور آشتی کے طریقہ سے سلوک رکھا اور جناب نواب بہادران کو یقین دلاتے ہیں کہ جب تک کہ وہ ملکہ معظّمہ کی نیک رورعایا کی مانند کاربند رہیں گے، سرکار باوقار ان کو برابر اسی مہربانی سے سلوک کرے گی جیسے کسی اور جماعت رعایا سے۔

اگر فرقہ المشہور وہابی کی نسبت بدگمانی رہی ہے تو اس کا باعث یہ ہے کہ اس کے اراکین میں سے بہت نے خصوصاً ہندوستان کے دیگر حصوں میں طریقہ بدخواہی سے کام کیا۔

خاص کر اس معاملہ میں کہ انہوں نے اس گروہ باغیان کو امداد دی جو مقام ملکا سرحد ہزارہ پر آباد ہیں۔ لیکن لفٹنٹ گورنر کا یہ منشا نہیں ہے کہ اوروں کے جرائم سائلوں کے یا کسی اور کے جو ان کی طرح خیر خواہی کا اظہار کریں اور نیک رورعایا کی مانند کاربند رہیں، ذمہ لگائیں۔

۵۔ بحوالہ لاچاری ہائے درباب پرستش مذہبی حسب الارشاد لفٹنٹ گورنر مرقوم ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ کے اشتہار کی رو سے ہر ملت کے پیروؤں کو استحقاق ہے کہ اپنی پرستش بلا بندش کریں تا اینکہ امن عوام کو خطرہ نہ پڑے، ہر

طرف سے تعمیل کی جاوے۔ لیکن جو مخالفت وہابی طریق پرستش کے عام عمل کے باب میں ہے وہ خود اہل اسلام کی طرف سے ہے نہ کہ حکومت کی طرف سے۔

وہابی ایک فرقہ ایسے اشخاص کا ہے جو اس طریقہ اہل اسلام سے جو عموماً پنجاب میں رائج ہے، سے اتفاق کلی نہیں کرتے۔ اور گو وہ اپنی مسجدوں میں اپنی رسوم پر آزادانہ عمل کرنے اور اس جگہ اپنے خاص مسئلوں کے وعظ کرنے کے استحقاق کا اظہار کریں لیکن وہ ان مساجد کے استعمال کے باب میں جو عام مسلمانوں کے زر سے اوران کے استعمال کے لئے بنی ہوئی ہیں، اصرار نہیں کر سکتے۔

۶۔ جہاں تک پولیس کا تعلق ہے اس وقت وہابی کسی خاص نظر بندی میں نہیں ہیں۔ اور لفٹننٹ گورنر سائلوں کی گزارشات سے اس امر کے یقین کرنے کو بہت خوش ہیں کہ آئندہ بھی اس کی ضرورت نہ پڑے گی۔

۷۔ علاوہ بریں سرکار اپنے ان ملازمین کو جو سائلوں کی ملت سے ہیں، نامہربانی سے نہیں دیکھتی اور نہ ان کو ترقی سے محروم رکھتی ہے۔ جو کچھ اپنے ملازموں سے سرکار چاہتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے فرائض سرگرمی اور خیر خواہی سے انجام دیں۔ اس کے ثبوت میں تذکرۃً لکھا جاتا ہے کہ سید ہدائت علی تحصیلدار بٹالہ جو فرقہ وہابی میں بہت مشہور ہیں کچھ عرصہ ہوا عہدہ اکسٹرا اسسٹنٹی پر مترقی ہوئے اور کم سے کم ایک اور شخص کا نام، جو اسی ملت میں سے ہے اور جس کی خدمات اکثر دفعہ پسند ہوئیں ایسی ہی ترقی کے لئے جو کسی مناسب وقت پر عمل میں آوے، فہرست میں درج ہے۔

۸۔ لفٹینٹ گورنر خوش ہیں کہ ان کو یہ موقعہ سائلوں کو یقین دلانے کا ملا کہ جب تک ان کا رویہ ایسا رہے گا، ان سے سرکار نامہربانی سے سلوک نہ کرے گی۔

یہ مراسلت صاحبان کمشنران قسمت ہائے کی اطلاع کے لئے بھیجی جاوے گی۔

فقط۔ ۱۰۔ نومبر ۱۸۷۶ء۔ کوہ مری۔ [1]

✵ یادداشت دفتر، مورخہ ۲۶ جنوری ۱۸۸۲ء۔ صیغہ عام

---

[1] اشاعۃ السنہ جلد ۸ ص ۲۸۶۔۲۹۳

ممالک شمال ومغرب واودھ، ازکیمپ لکھنؤ۔ ۲۶ جنوری ۱۸۸۲ء

مالک ومہتمم پرچہ اشاعۃ السنۃ لاہور کوان کی درخواست (موسومہ گورنمنٹ رپورٹر دیسی اخبارات... مورخہ ۱۱ جنوری ۱۸۸۲ء) کے جواب میں لکھا جاتا ہے کہ راقم کو اس کا سخت افسوس ہے کہ ان اضلاع کی رپورٹ سالانہ بابت ۱۸۸۱ء میں مالک ومہتمم مذکور کا مذہبی خطاب ایسے نام سے لیا گیا ہے جو ان کو ناگوار گزرا۔ جس لفظ پر وہ اعتراض کرتے ہیں وہ اس غرض سے نہیں لکھا گیا کہ ان پر کسی طرح کا حرف آوے، اور آئندہ بکمال احتیاط اس سے پرہیز کیا جائے گا۔

سی رابرٹ سن سکرٹری گورنمنٹ ممالک شمال ومغرب واودھ ❶

○ ایک دفعہ جناب بٹالوی رحمہ اللہ کچھ قومی امور کی انجام دہی کے لئے کلکتہ تشریف لے گئے۔ واپسی پر انہوں نے لکھا:

اشاعۃ السنہ کی وہ خدمات جن کی نظر سے کلکتہ وغیرہ کا سفر ہوا تھا، ہم بعد ظہور اثر بیان کریں گے۔ سردست ہم ایک خدمت بیان کرتے ہیں جو ایام قیام (کلکتہ) میں اس سے ظہور میں آئی ہے:

ممالک مغرب وشمال واودھ کی مردم شماری کے فارموں (نقشہ جات) میں اہل اسلام کی تفریق فرقہ ہا کے لئے ایک خانہ میں لفظ وہابی لکھا گیا تھا۔ ہم نے اس پر اطلاع پاکر گورنمنٹ ممالک مذکورہ سے اس کی موقوفی کی درخواست کی۔ جس کو گورنمنٹ نے از راہ عطوفت منظور فرمایا۔ اور اپنی یادداشت نمبری ۱۳۲۔ ای۔ اے مورخہ ۲۳ جنوری ۱۸۹۱ء کے ذریعہ ہم کو اپنے حکم سے مطلع کیا، جس پر ہم گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اہل حدیث علاقہ ممالک مذکورہ کو شکریہ کی ہدایت کرتے ہیں۔

---

❶ اشاعۃ السنہ۔ جلد ۸۔ ص ۲۹۳

ایسی ہی درخواست گورنمنٹ بنگال اور چیف کمشنر براڑ سے ہم نے کی تھی گورنمنٹ بنگال نے تو ہماری درخواست کو منظور فرمایا۔ اور اپنی چٹھی فنانشل ڈیپارٹمنٹ نمبری ۷۵۶ مورخہ ۴ فروری ۱۸۹۱ء میں ہم کو وعدہ دیا کہ یہ لفظ اس شخص کے حق میں نہ لکھا جائے گا جو خود اپنے آپ کو وہابی نہ لکھائے گا۔ مگر چیف کمشنر براڑ نے ہماری درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔ گمان غالب ہے کہ وہاں بھی اسی حکم پر عمل ہوگا جو دوسری گورنمنٹوں نے جاری کیا ہے۔ اگر وہاں اس کے خلاف ہوا تو ہم کو وہاں کے اہل حدیث اطلاع دیں۔ اس پر ہم کچھ کاروائی کریں گے۔ انشاء اللّٰہ
گورنمنٹ پنجاب اور دیگر لوکل گورنمنٹوں کے ہم نہایت شکر گزار ہیں جنہوں نے خود ہی اپنے حکم سابق، ممانعت استعمال لفظ وہابی، کو ملحوظ رکھا اوران فارموں میں اس دل آزار لفظ کو درج نہ کیا۔ ❶

- اہل حدیث کا نام حکومت سے اپنے لئے الاٹ کرانے کے دعوی کی تائید میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مصنف نے جناب بٹالوی رحمہ اللہ کی وہ درخواست نقل کی ہے جو حکومت کو دی گئی تھی۔ اس درخواست کے ضروری حصے نقل کئے جاتے ہیں:

از جانب ابوسعید محمد حسین لاہوری ایڈیٹر اشاعۃ السنہ وکیل اہلحدیث ہند
بخدمت جناب سکرٹری گورنمنٹ

......اس فرقہ کے حق میں استعمال لفظ وہابی سرکاری خط وکتابت میں موقوف کیا جاوے اور اہل حدیث کے نام سے مخاطب کیا جائے۔ اس درخواست کی تائید کے لئے اور اس امر کی تصدیق کے لئے کہ یہ درخواست کل ممبران اہل حدیث پنجاب و ہندوستان کی طرف سے ہے اور ایڈیٹر اشاعۃ السنہ ان سب کی طرف سے وکیل ہے۔ میں نے چند قطعات محضر نامہ گورنمنٹ پنجاب میں پیش کئے ہیں جن پر فرقہ اہلحدیث تمام صوبہ جات ہندوستان کے دستخط ثبت ہیں اور ان میں اس درخواست کی بڑے زور سے تائید پائی جاتی ہے۔

---

❶ ماہنامہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۲۔ص ۱۶۱۔۱۶۲

چنانچہ سر چارلس اپچی سن نے جو اس وقت پنجاب کے گورنر تھے، گورنمنٹ ہند کو اس درخواست کی طرف توجہ دلا کر اس درخواست کو با جازت گورنمنٹ ہند منظور فرمایا۔ اور استعمال لفظ وہابی کی مخالفت اور اجراء نام اہلحدیث کا حکم پنجاب میں نافذ کیا جائے۔ ابوسعید محمد حسین بٹالوی اڈیٹر اشاعۃ السنہ۔ ❶

○ ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲۶ جون ۱۹۰۸ء میں ہندوستان کی مرکزی حکومت کے خط بنام حکومت پنجاب کا ترجمہ یوں ہے:

❋ نمبر ۱۷۵۸۔ مورخہ ۳ دسمبر۔ ۱۸۸۶ء

از قائم مقام سکرٹری گورنمنٹ ہند ہوم ڈیپارٹمنٹ

بنام سکرٹری گورنمنٹ پنجاب

بجواب آپ کی چٹھی نمبر ۱۰۴۴ مورخہ ۸ جون ۱۸۸۶ء آپ کو تحریر کیا جاتا ہے کہ نواب گورنر جنرل بہادر جناب سی آئی اپچی سن سے اتفاق رائے کرتے ہیں کہ آئندہ سرکاری خط و کتابت میں وہابی کا لفظ استعمال نہ کیا جائے۔

Dated 3rd December 1886

From the officiating Secretary to the government of India, Home Department,

To the Secretary of the Pumjab .

In reply to your letter No 1044 of the 8th June last, I am directed to say that the Governor General in council issued expresses his concurrence with the views of Sir Charles Aitchison that the use of the term Wahhabi should be discontinued in official correspondence .

❋ نمبر ۱۳۷۔ ۱۹ جنوری ۱۸۸۷ء

ازطرف مسٹر۔ یو۔ ایم۔ ینگ۔ سکرٹری گورنر پنجاب

بنام مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب اڈیٹر اخبار اشاعۃ السنۃ لاہور۔

---

❶ جنگ آزادی از ایوب قادری۔ ص ۶۶ بحوالہ اشاعۃ السنہ شمارہ ۲ جلد ۱۱ ص ۲۴ تا ۲۶

بجواب آپ کے خط نمبر ۱۹۵ مرقومہ ۱۲ مئی گزشتہ کہ جس میں آپ نے یہ استدعا کی ہے استعمال لفظ وہابی کا اس فرقہ کے حق میں جس کے آپ وکیل ہیں، سرکاری مراسلات میں متروک کر دیا جاوے۔ میں حسب الایماء جناب لفٹننٹ گورنر آپ کی خدمت میں نقل چٹھی نمبر ۱۷۲۸ مرقومہ ۳۔ ماہ گزشتہ کے بھیجتا ہوں کہ جس میں گورنر جنرل کے قائم مقام سکرٹری ہوم ڈیپارٹمنٹ نے یہ حکم جاری کیا ہے کہ سرکاری مراسلات وتحریرات میں لفظ وہابی کا استعمال نہ کیا جائے۔ میں اس خط کے ساتھ ان کتابوں کو واپس کرتا ہوں جو اپنے خط نمبری ۵۴۷ مرقومہ ۲۱ ستمبر گذشتہ (یعنی ۱۸۸۶ء) کے ملاحظہ کے لئے بھیجا تھا۔

اصل انگریزی خط یوں ہے:

From U.M. Young, Secretary to the Government of Punjab

To Maulvi Abu Saeed Mohammad Hussain Editor of Ishaat ul Sunnah, Lahore

In reply to your letter No 195 of the 12th May last, asking that the use of the expression Wahabi in reference to the members of the community which you claim to represent may be prohibited in government orders.

I am directed to forward the enclosed copy of a letter No 1738 of the 3rd "" from the officiating Secretary to the government of India in the Home Department, sanctioning discontinuance of the use of the term Wahabi in official correspondence.

I return the books received with your letter No 547 of the 21 September last, together with the original signed notices which you have been good enough to submit in your subsequent letters for the persual of the government .

یہ انگریزی خطوط مسلم اہل حدیث گزٹ دہلی دسمبر ۱۹۳۳ء سے نقل کئے گئے ہیں۔ اس گزٹ نے یہ خطوط انگریزی اخبار انگلش مین کلکتہ نمبر ۴۴ مطبوعہ ۲۲ فروری ۱۸۸۷ء سے نقل کئے تھے۔

جناب بٹالوی ؒ کی مساعی اور حکومت کو دی جانے والی درخواست کا پس منظر یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا ایک طبقہ اور برطانوی حکومت، اہل حدیث حضرات کو وہابی کہتے تھے

جب کہ نجد کے وہابی ❶ مقلد تھے اور اہل حدیث غیر مقلد تھے۔ اور یہ ایسا بنیادی اختلاف ہے جس کی بنا پر ہندوستان کے مقلدین نے اپنی زیر انتظام مساجد سے اہل حدیث حضرات کو نکالا تھا اور ان کے کفر کے فتوے دیے تھے۔ وہابی کا نام اگر کسی ہندوستانی طبقے پر لاگو ہوسکتا تھا تو وہ مقلدین ہی کا کوئی گروہ ہوسکتا تھا کیونکہ نجد کے وہابی اور ہندوستان کے مقلدین میں تقلید کے ایک ہی کنویں کے مینڈک یا ایک ہی محیط الدائرہ میں قیدی تھے۔

اہل حدیث حضرات کو وہابی کہنا صریح دھاندلی اور ناانصافی تھی جس کے خلاف جناب محمد حسین بٹالویؒ نے آواز بلند کی اور حکومت وقت کو ❷ درخواست کی کہ انہیں وہابی کی بجائے ان کے اصل نام سے سرکاری خط و کتابت میں ذکر کیا جائے۔ درخواست یہ نہیں تھی کہ وہابیوں کو چوں کہ وہابی کا نام پسند نہیں ہے اس لئے انہیں ایک نیا نام الاٹ کر دیا جائے۔ ❸

حقیقت یہ ہے کہ اس درخواست کے ماقبل زمانے کے ہندوستان میں بھی اہل حدیث کا نام موجود تھا اور اسی نام کے حاملین نے درخواست دی تھی کہ ہمیں ہمارے اصل نام سے پکارا جائے، وہابی نہ کہا جائے۔

یہ درخواست ۱۸۸۶ء میں دی گئی تھی اور اسی میں اس بات کی شہادت موجود ہے کہ درخواست دہندگان خود کو پہلے سے اہل حدیث کہتے تھے اور اسی نام سے پکارا جانا پسند کرتے تھے۔

اس درخواست کے ماقبل زمانہ میں جناب محمد حسین اور ان کے ہم خیالوں کے لئے اہل حدیث کا نام استعمال ہونے کی کئی مثالیں اشاعۃ السنہ ہی میں مل جاتی ہیں۔ جیسا کہ جناب بٹالویؒ لکھتے ہیں:

> مولانا سید محمد نذیر حسین محدث ملک ہند میں ایک ہی ایسے شخص ہیں جو علم حدیث، کثرت تلامذہ، کثرت اتباع، عام قبولیت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ افاضل و اماجد اس گروہ اہل حدیث میں

---

❶ جن کے نام پر ہندوستان کے اہل حدیث کو وہابی کہا جاتا تھا۔

❷ اس میں برطانوی حکومت کی تخصیص نہیں ہے۔ مسلمانوں یا ہندوؤں یا سکھوں کی حکومت ہوتی تب بھی ایسا ہی کیا جاتا۔

❸ جیسا کہ ہندوستان میں ایک نچلی ذات کے لوگوں کو نیا نام الاٹ کیا گیا تھا۔

اور بھی ہیں، جن سے علم کی اشاعت بذریعہ تالیفات اور سنت کی اقامت بذریعہ تحریرات اور دین کی تجدید بازالہ منکرات و بدعات بہت ہوئی۔ ولیکن ان اوصاف اربعہ خصوصاً وصف چہارم میں ہم کسی کو ان کا نظیر نہیں پاتے اور اس نظر سے ہم کہہ سکتے ہیں اور گورنمنٹ کو اس کا یقین دلا سکتے ہیں کہ مولانا ممدوح کی تعظیم و تکریم تمام گروہ اہل حدیث کی تعظیم و تکریم ہے اور ان کی توہین کل گروہ اہلحدیث کی توہین۔ ❶

اشاعۃ السنہ نمبر ۵ جلد ۶ بابت ماہ مئی ۱۸۸۳ء میں جناب بٹالوی ؒ نے چند امور منسوبہ بجانب اہل حدیث کو اہل حدیث کی کتب معمولہ و متمسکہ سے ثابت کردینے پر ایک ہزار روپیہ انعام دینے کا اشتہار جاری کیا جس کی نقل یہ ہے:

خاکسار بذریعہ اشتہار ایک ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت کا اس شخص کو وعدہ انعام دیتا ہے جو ان مفتریات و بہتانات کا جو اہلحدیث کے ذمہ لگائے جاتے ہیں ان کی ان کتب معمولہ و متمسکہ سے (جو شرقاً و غرباً و سلفاً و خلفاً ان کی متمسک بہا ہیں) ثابت کرے، یا ان کا داخل مذہب اہلحدیث ہونا ان اصول و قانون سے جو انتباہ حضرت شاہ ولی اللہ ؒ و میزان شعرانی ؒ و ایقاف ملا حیات سندھی ؒ اور اشاعۃ السنہ نمبر ۶ جلد ۴ میں بصفحہ ۱۸۴ بیان ہوا ہے، ثابت کرے۔

المشتہر: ابوسعید محمد حسین لاہوری

جناب بٹالوی ؒ کی درخواست کے جواب میں آنے والے خط سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہلحدیث نام نہ تو حکومت کا ایجاد کردہ ہے اور نہ اس کا الاٹ کردہ۔ کیونکہ اس خط میں یہ نہیں کہا گیا کہ درخواست دہندگان کو آئندہ اہلحدیث کہا جائے گا بلکہ حکومت نے یہ کہا ہے کہ محمد حسین کو، اور ان لوگوں کو جن کی نمائندگی کا وہ مدعی ہے، سرکاری خط و کتابت میں وہابی نہیں لکھا جائے گا۔



❶ ماہنامہ اشاعۃ السنہ۔ ج ۶

لفظ وہابی کی تاریخ

جناب سید صدیق حسنؒ نے اپنی کتاب ترجمان وہابیہ میں لفظ وہابی کی تاریخ، ہندوستان کے اہل حدیث پر اس کے استعمال کی غلطی، اور اس لفظ کے اصل مشار الیہ طبقے کے ساتھ ہندوستان کے اہل حدیث کی مغائرت اور اجنبیت کی وضاحت کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ انہوں نے پہلی بار یہ بحث اپنی کتاب ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل [1] میں ایک سائل کے سوال کے جواب میں کی تھی اور لکھا تھا:

جن لوگوں نے فرقہ وہابیہ کو عبدالوہاب کی طرف منسوب کیا ہے یہ ان کی غلطی ہوئی اس لئے کہ جس نے دعوت اپنے مذہب حنبلی کی طرف خاص اپنے ملک میں کی تھی وہ ان کا بیٹا محمد نامی تھا، نہ خود عبدالوہاب مذکور۔ اس کی طرف نسبت وہابیہ صحیح نہیں۔

عبدالوہاب مذکور نے کوئی مذہب مشرب جدید نہیں نکالا۔ وہ خود اور ان کا بیٹا (محمدؒ) دونوں حنبلی مذہب تھے۔ اور ہندوستان کے مسلمان یا تو حنفی ہیں یا عامل بالحدیث یا شیعہ۔ یہاں قدیم سے اب تک کوئی (شخص) حنبلی مذہب پیدا نہیں ہوا۔

ان (محمدؒ) کی ولادت ۱۱۱۵ھ میں عینیہ میں، جو ایک مقام بلاد نجد سے ہے، ہوئی۔ اور ۱۲۰۰ھ میں ان کا خروج حدود حجاز اور یمن میں ہوا۔ اور ۱۲۰۶ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ اور اصل مذہب ان کا حنبلی تھا۔

اس مذہب کے لوگ حجاز و یمن وغیرہ میں، سنا گیا ہے کہ، بہت ہیں اور ہند میں ایک بھی نہیں۔ اور اصل اسلام میں اتباع قرآن وحدیث کا ہے، نا اتباع کسی عالم کا۔ اور نیا مذہب نکالنے کی نسبت ان کی طرف بظاہر غلط محض ہے، اس لئے کہ وہ مذہب حنبلی میں پہلے سے آخر تک رہے۔

---

[1] جو ۱۲۹۱ھ میں تالیف ہو چکی تھی اور ۱۲۹۲ھ میں دوبارہ طبع ہوئی۔

کسی مسلمان کو جو قرآن وحدیث کا تابع ہو اس کو ان (محمدؒ) کا تابع اور ان کے مذہب کا جاری کرنے والا جاننا محض نادانی ہے اور بڑا ظلم ہے اور نہایت جھوٹ۔ ہر مسلمان خالص اطاعت خدا اور رسول کی سب دینوں اور مذہبوں پر مقدم جانتا ہے اور بڑے بڑے لوگوں کی بات بھی خدا اور رسول کے مقابلہ میں پسند نہیں کرتا، محمد بن عبدالوہاب کی بات کا کیا ذکر ہے اور وہ کس شمار قطار میں ہے؟ لاکھوں علماء، اسلام میں گزرے ہیں لیکن کوئی ادنی مسلمان بھی سچی باتوں کو ان کے طریقہ میں منحصر نہیں جانتا اور ان کے پیچھے چلنا واجب نہیں سمجھتا۔

خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے اسلام آیا ہے چوں کہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں، اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں۔ اور اسی مذہب کے عالم اور فاضل قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے، یہاں تک کہ ایک جم غفیر نے مل کر فتاوی ہندیہ یعنی فتاوی عالم گیری جمع کیا، اور اس میں شیخ عبدالرحیم دہلویؒ، والد بزرگوار شاہ ولی اللہ مرحوم کے، بھی شریک تھے۔

بعد اس کے شاہ ولی اللہ محدثؒ جو بڑے عالم حنفیوں میں اور بڑے متبع کتاب وسنت تھے انہوں نے بہت مسائل دین کی چھان بین کی اور ضعیف اور بودی باتوں کو قوی اور مضبوط باتوں سے علیحدہ کیا۔

اسی طریقہ اور رویہ پر ان کے پوتے محمد اسماعیل دہلویؒ گزرے کہ انہوں نے بہت سی شرک وبدعت کی باتوں کو، جو امن خلائق اور رفاہ عام میں خلل انداز ہوتی ہیں اور دین ودنیا میں باعث فتنہ وفساد ہوا کرتی ہیں، دور کیا۔ اور سچی شریعت کو بیان کیا۔ اور بہت سی بری رسمیں، جس سے مسلمانوں کی دین ودنیا کی خرابی ہوتی ہے، مثل تعزیہ پرستی اور ناچ رنگ اور چوری چکاری اور خیانت اور بغاوت وغیرہ، ان کو اکثر اہل ہند سے رفع کیا اور سچی سچی حدیثوں پر اور پیغمبر ﷺ کی عمدہ عمدہ باتوں کی طرف لوگوں کو بلایا۔ حتی کہ بہت سے مدارس ومساجد ان کی سعی وکوشش سے آباد ہوئے اور بہت سے بھنگڑ خانے اور مدک خانے اور شراب خانے اور چکلے ویران ہو گئے جس کے سبب سے ملک سرکار برٹش میں اندیشہ فساد رہتا تھا، اور بڑے امن وامان کا نور ہندوستان میں چمکنے لگا۔ انہوں نے اپنی کسی کتاب میں مسئلہ جہاد کا نہیں لکھا، چہ جائے کہ ذکر جہاد باسرکار عالیہ انگریزی۔ بلکہ سرکار نے ان کی نسبت معاملہ قدر شناسی کا اس وقت میں فرمایا، چنانچہ تحریر سید احمد خان نیچری سے بھی ثابت ہے۔ اگر چہ بہت سے مفسدین نے جن کا

شعار فسق و فجور تھا ان کے مقابلہ میں بہت کوششیں کیں مگر حکام انگریزی نے اس کی سماعت نہیں کی، اور نہ کبھی ان سے تعرض کیا۔

غرض کہ خاندان محمد بن عبدالوہاب کا حنبلی مذہب تھا اور محمد اسماعیلؒ ہندی نژاد کو ان سے کسی طرح کا علاقہ شاگردی یا مریدی کا نہ تھا۔ نہ کوئی وجہ تعارف اور جان پہچان کی آپس میں پائی گئی۔ پھر یہاں کے لوگوں کو، عالم ہوں کہ جاہل، محمد بن عبدالوہاب سے منسوب کرنا، اس کی وجہ کسی عاقل کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اور بجز بے وقوفی اور دشمنی عوام کے اور کچھ بات سمجھی نہیں جاتی، حالانکہ نجدیوں اور ہندیوں میں اس زمانہ سے آج تک ❶ کوئی ربط ضبط اور کسی طرح کا علاقہ اور میل جول نہیں، اور ہزاروں کوس اور سینکڑوں منزلوں کا فاصلہ ہے، اور دریائے شور بیچ میں حائل ہے۔ اور دنیا اور دین کے برتاؤ میں جو امور یہاں مروج ہیں وہاں (نجد میں) ان کا نام نہیں اور جو باتیں وہاں رائج ہیں، یہاں ان کا نشان نہیں۔ غرض کہ یہاں کے چال اور ڈھنگ کو وہاں کی چال چلن سے کسی طرح کچھ نسبت ہی نہیں۔

علاوہ اس کے کبھی یہاں کے کسی گروہ نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا، نہ زبان سے، نہ قلم سے، کہ سچا دین اور خالص اسلام اہل نجد کے طریقہ والوں ہی میں منحصر ہے اور باقی سب مسلمان یوں ہی ہیں۔ اس بات کو ہر عاقل بخوبی دریافت کرسکتا ہے آج علماء دہلی کی ہزاروں کتابیں، چھوٹی بڑی، عربی فارسی اردو میں موجود ہیں، کسی میں یہ بات کوئی پڑھا لکھا دکھا تو دیوے۔

غرض اصلی بات اسلام میں وہی قرآن و حدیث پر چلنا ہے جس میں فساد کے کاموں سے روکا گیا ہے۔ نہ کسی شخص خاص کی بات اور چلن پر۔ اس میں سارے روئے زمین کے عالم و فاضل برابر ہیں۔ خواہ نجد کے ہوں یا ہند کے یا دکن کے یا سندھ کے۔ ہم اپنے دین میں نہ محمدؒ بن عبدالوہاب کے تابع ہیں نہ محمد اسماعیلؒ کے مطیع، قرآن و حدیث ہمارے پیش نظر ہے اور جو معاملہ ایک عالم سے ہے وہی سارے جہان کے عالموں سے ہے۔ نہ یہ کہ ایک طرف اپنے تئیں منسوب کرنا اور ان کی طرفداری میں لڑنا جھگڑنا شور و فساد بپا کرنا۔

ہندوستان کے نادان مسلمانوں نے ہر جگہ وہابی کے ایک نئے معنی تراشے ہیں۔ میان داب میں وہابی وہ ہے جو قبریں پوجنے اور تعزیہ رکھنے اور ولیوں سے مدد چاہنے اور مولود کی مجلسوں سے منع کرے اور یا رسول اللہ ﷺ اور یا علیؓ کہنے سے باز رکھے۔

---

❶ تصنیف کتاب یعنی ۱۸۷۰ء کے عشرے تک۔

حیدر آباد دکن میں وہابی وہ ہے کہ سند ہی نہ پئے اور پاجامہ ٹخنوں سے اونچا رکھے اور ڈاڑھی نہ منڈواوے اور نماز وروزہ ادا کرتا رہے۔اور بمبئی میں وہابی وہ ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کو سارے جہان کا مالک نہ جانے اور محفل مولود کو بدعت بتاوے۔اور پوربیوں کے نزدیک مشرق کے ہندوستانی شہروں میں وہابی وہ ہے جو چاراماموں میں سے کسی مذہب خاصہ کا مقلدو مقید نہ ہو بلکہ پیغمبر کے سچے اور اچھے طریقہ پر چلتا ہو اور ان نئی باتوں سے جو پیغمبر کے بعد لوگوں نے اپنی عقل سے تراش لیں ،دور رہتا ہو۔

بعضے لوگوں کے نزدیک وہابی وہ ہے جس میں یہ سب باتیں موجود ہوں اور اکثر ہند میں وہابیہ بدعتیوں کے مقابل میں بولا جاتا ہے اور بدعتی وہ لوگ ہیں جو ان مذہبوں پر اڑ رہے ہیں جو پیغمبر برحق کے بعد نکلے ہیں، اور پیغمبر ﷺ کی حدیث اور عادت پر چلنا جائز اور روا نہیں رکھتے اور فقیروں اور درویشوں کی حد سے بڑھ کر تعظیم اور سجدے اور نذریں نیازیں کیا کرتے ہیں اور قبروں پر چلّے (چالیس دن رات گزارنا) اور دونے اور مٹھائیاں اور گٹے اور کٹیاں چڑھاتے ہیں اور ان کی روحوں کو جہان کا مالک اور حاکم اور قابض اور متصرف جانتے ہیں اور غیب کی چھپی چیزوں سے،خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی ،ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ کا واقف اور خبردار سمجھتے ہیں اور طرح طرح کے شرک و بدعت کی باتیں اور لایعنی بے کار اور خراب رسمیں ناچ رنگ وغیرہ ان میں پھیل رہے ہیں۔

یہ امر بھی بخوبی ظاہر ہے اور تاریخ دانوں پر خوب روشن ہے کہ

کوئی شخص آج تک نجد سے عالم فاضل کی صورت میں ہو کر ہند میں داخل نہیں ہوا کہ لوگ اس کے شاگرد ہوئے ہوں اور اس کی دعوت تمام ہند کے شہروں اور قریوں میں پھیل گئی ہو، یا اس نے یہاں کسی طرح کی حکومت اور سلطنت حاصل کی ہو کہ لوگ اس کے طریقہ اور چال پر ہو جاویں۔اور اسی کا گیت گائیں۔

نہ کوئی سلسلہ شاگردی اور پیری مریدی کا اہل ہند اور اہل نجد میں باہمی ایسا جاری ہے جس کی رو سے ان کو اہل نجد کے طریقہ اور رویہ پر کہہ سکیں۔

نہ کوئی تعلق یہاں کے لوگوں کو بذریعہ اخبار یا تار یا ریل کے ان لوگوں سے حاصل ہے...جس کے ذریعہ سے ان کو اہل نجد کا ہم طریقہ کہیں۔

غرض ہند کے لوگوں کو وہابیہ نجد سے نسبت دینا کمال نادانی اور نہایت بیوقوفی اور صریح

غلطی ہے۔ ❶

○ جناب صدیق حسنؒ نے موائد العوائد (در ترجمان وہابیہ) میں لکھا ہے:

سچ تو یہ ہے کہ وہابی ہونا عبارت ہے مقلد مذہب خاص کے ہونے سے کیونکہ پیشوا وہابیوں کا ابن عبدالوہاب مقلد مذہب حنبلی تھا اور تابعان حدیث کسی مذہب کے مذاہب مقلدین میں سے مقلد نہیں۔ پس وہابیہ اور اہلحدیث میں فرق زمین و آسمان کا ہے۔ مذہب وہابیہ ۱۸۱۸ء میں مفقود ہو گیا اور اہلحدیث تیرہ سو برس سے چلے آتے ہیں.... اہلحدیث کیا حوالہ وطبقات کی صدہا ہزارہا کتابیں بطور تاریخ مذہب اسلام میں موجود ہیں۔

○ ترجمان وہابیہ کے صفحہ ۴۴۔۴۵ پر سید صدیق حسنؒ لکھتے ہیں:

ایک شخص فضل رسول نام شہر بدایون کا رہنے والہ تھا سب سے پہلے وہابی نام اس نے مسلمانان ہند کا رکھا۔ پھر اس نام کو عوام میں مشہور کر دیا۔ جو لوگ فسادی تھے انہوں نے حکام کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ جو لوگ وہابی کہلاتے ہیں وہ سرکار انگریزی کے دشمن ہیں سرکار نے جو غور فرمایا تو یہ دریافت کیا کہ مطلق وہابی کہنے سے کوئی ہمارا دشمن نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ کوئی جرم بغاوت اس سے صادر نہ ہو۔ مگر یہ بات مدت دراز کے بعد سرکار نے سمجھی، ورنہ ایک زمانے میں صرف کسی کے وہابی کہہ دینے پر بھی مواخذہ ہو جاتا تھا۔ اب وہ بات باقی نہ رہی۔ سید احمدؒ شاہ ساکن نصیر آباد بریلی میں ایک شخص تھے جنہوں نے بہت خلق کو نماز روزے پر قائم کیا اور گناہوں اور فساد کے کاموں سے روکا۔

○ ترجمان وہابیہ کے صفحہ ۵۱ پر جناب سید صدیق حسنؒ لکھتے ہیں:

سید احمدؒ شاہ بریلوی جن کا نام فضل رسول بدایونی نے وہابی مشہور کیا تھا، اپنی ذات سے عالم مولوی نہ تھے۔ ایک درویش قوم سادات سے تھے اور شاہ عبدالعزیزؒ دہلوی کے مرید۔ انہی کے طریقہ پر چلتے تھے اور وہ اپنے باپ شاہ ولی اللہؒ کے طریقہ پر تھے اور خلق کو وعظ و نصیحت کرتے تھے اور ان کی صحبت سے ہزاروں جاہل ہندوستان کے راہ راست پر آ گئے۔

---

❶ ہدایۃ السائل در ترجمان وہابیہ

شاہ عبدالعزیزؒ اوران کے باپ کا زمانہ ہنگامہ ملک نجد سے قریب یا اول تھا، مگران کوکسی نے وہابی نہ کہا اور نہ انہوں نے ملک نجد کو دیکھا اور نہ ان کو طریقہ اہل نجد پر اطلاع حاصل ہوئی اور نہ انہوں نے کسی اپنی تصنیف میں ذکر وہابیوں کا لکھا بلکہ وہ نام و مذہب وہابی سے بھی آگاہ نہ تھے۔

ہم ایک خدا کے ماننے والے اور ایک نبی برحق کے چال چلنے والے اپنے تیئں کسی اگلے بڑے اماموں کی طرف منسوب نہیں کرتے، نہ اپنے تیئں حنفی اور شافعی کہتے ہیں اور نہ حنبلی اور مالکی کہنے سے راضی ہوتے ہیں پھر محمد بن عبدالوہاب کے پیچھے چلنے اور ان کے طریقہ میں اپنے تیئں داخل کرنے پر کب راضی ہوں گے دوسرے یہ کہ کسی مذہب میں داخل ہونا یا کسی طریقہ میں کہلانا بغیر اس کے نہیں ہوتا کہ وہ شخص اس کا شاگرد ہو یا اس کے گھر کا چیلہ یا معتقد ہو یا اس کا ہم وطن ہو۔ غرض داخل ہونا ہندوستان کے لوگوں کا محمدؒ بن عبدالوہاب کے طریقہ میں درج بالا صورتوں کے بغیر ممکن نہیں اور کوئی ہندوستانی کسی طرح کا علاقہ ان علاقوں میں سے ان کے ساتھ نہیں رکھتا ہے۔ پھر ان کو ان کی طرف منسوب کرنا سوائے خطا اور غلط کے کیا تصور کیا جائے؟

نیز یہ کہ قبول کرنا کسی مذہب کا اور داخل کرنا کسی طریقہ میں اس مذہب اور اس طریقہ کی کتابیں دیکھنے اور سننے سے بھی ہوتا ہے اور صحبت سے بھی آدمی کسی مذہب وملت کو اختیار کرتا ہے جیسے بہت سی رسوم ہندوؤں کی بہ سبب ہم صحبتی کے ہند کے مسلمانوں نے سیکھ لیں۔ اور برسوں سے ان کی شادی اور بیاہ میں جاری ہیں۔ سو یہ بھی ظاہر ہے کہ محمدؒ بن عبدالوہاب کی کوئی کتاب ہند کے کسی شہر میں ایسے شائع نہیں کہ مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہو اور عالموں میں اس کا ہاتھوں ہاتھ لین دین ہو۔

اسی طرح محمدؒ بن عبدالوہاب جو کہ نجد میں پیدا ہوئے اور وہاں کے لوگ اکثر حنبلی مذہب تھے جیسے ہند کے لوگ حنفی مذہب ہیں، اور انہوں نے کوئی نیا مذہب بھی نہیں ایجاد کیا کہ وہ اس پر چلنے والے کو وہابی کہیں۔ اور اگر ایجاد کیا ہو گا تو اس مذہب کی کتاب ہندوستان میں نہیں پائی جاتی، نجد کے شہروں میں ہو گی۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ ہم لوگ ایک خدا کے پوجنے والے ایک پیغمبر برحق کے طریق پر چلنے والے حنفیہ اور شافعیہ کی تقلید کو پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح مالکیہ اور حنبلیہ سے بھی خورسند نہیں ہوتے۔ پس اس صورت میں تہمت وہابیت کی ہرگز ہمارے اوپر ٹھیک اور درست نہیں ہوسکتی۔

ایک خدا کے پوجنے والوں کا طریقہ اور مذہب تو یہ ہے کہ نماز روزہ ادا کرنا اور ماں باپ وعزیز وا قارب کے حقوق کو پورا کرنا اور شرع کے موافق شادی اور غمی میں کار بند ہونا اور شور و شغف وفتنہ وفساد سے اور ناچ رنگ وغیرہ کے بکھیڑوں سے دور رہنا اور کسی کا قول خواہ جہاد وغیرہ میں ہو یا اور امر شرع میں سوائے خدا اور رسول کے قبول نہ کرنا۔ پھر ان لوگوں کو وہابی کہنا ظلم صریح ہے۔

نیز یہ کہ ہند کے لوگوں کی ملک نجد میں کبھی آمد و رفت نہیں ہوئی۔ نہ کوئی معبد مسلمانوں کا وہاں ایسا ہے جیسے کعبہ وغیرہ، کہ وہاں جانا آنا ان کا ضرور ہو۔ اور وہاں سے یہ مذہب محمد بن عبدالوہاب کا سیکھ آتے ہوں۔ اور اس ملک میں پھیلاتے ہوں، نہ کوئی تجارت عمدہ وہاں سے جاری ہے کہ خرید وفروخت کے ذریعہ سے وہاں ان کی آمد وشد ہو کہ اس کی وجہ سے لوگ ان کا طریقہ اختیار کر کے اپنے ملک میں رائج کرتے ہوں۔ نہ رسم خط و کتابت کا علاقہ کسی کو وہاں سے حاصل ہے کہ اس کے سبب سے ان کے مذہب کے امور ہندوستان کے لوگوں نے اخذ کئے ہوں۔ پھر باوجود نہ ہونے کسی علاقہ کے ان کو محمدؒ بن عبدالوہاب کی طرف منسوب کرنا عجب طرح کا افتراء ہے۔

بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم لوگ صرف کتاب وسنت کی دلیلوں کو اپنا دستور العمل ٹھہراتے ہیں اور اگلے بڑے بڑے مجتہدوں اور عالموں کی طرف منسوب ہونے سے گریز کرتے ہیں۔ پھر کیوں کر ہوسکتا ہے کہ محمدؒ بن عبدالوہاب کی طرف، کہ وہ بھی ایک مذہب حنبلی کی طرف منسوب تھا، اپنی نسبت ظاہر کریں اور اس کی طرف منسوب ہونے سے مسرور ومحفوظ ہوں۔

○ یاد ہوگا کہ اس سے پیشتر جو کتاب میں نے ۱۲۹۲ھ میں لکھی ہے اور اس کا نام ہدایۃ السائل ہے۔ اس کے صفحہ ۱۲۱ میں لکھا ہے کہ

نہ محمدؒ بن عبدالوہاب کے پیچھے چلنا ہم پر واجب ہے نہ کسی اور عالم کے پیچھے۔

اور اس کتاب کے صفحہ ۱۱۵ میں ہے کہ

محمدؒ بن عبدالوہاب حنبلی المذہب تھے اور ہم کسی مذہب کے مقلد نہیں۔ پس تابع ہونا ہمارا محمد بن عبدالوہاب کا نہایت عجیب ہے اور ہرگز کچھ معنی نہیں رکھتا۔

نیز یہ کہ مورخین اسلام اور مذہب عیسوی دونوں نے اپنی اپنی تاریخوں میں فتنہ نجد کا حال

جو ۱۲۱۲ھ میں گزرا ہے بخوبی لکھا ہے اور اس سن میں کوئی ہند کا آدمی نجد کو نہیں گیا بلکہ خود اہل ہند کو اس کے حال سے مطلق خبر نہ تھی اور کیوں کر خبر ہوتی کہ جیسے اب بہ سبب حسن بند و بست سرکار انگلش یہ ہر طرف تار اور اخبار اور ریل جاری ہے اس وقت میں ان چیزوں کا نام ونشان بھی نہ تھا بلکہ آج تک باوجود کثرت اخبار اور اجرائے تار کے کوئی اخبار بھی ملک نجد کا ہندوستان میں شائع نہیں کہ شیوہ علماء نجد کا اور طریقہ وہاں کے عوام الناس کا ہم لوگوں کو معلوم ہو۔ غرض کہ کوئی علاقہ دینی اور دنیوی ہندوستان کے مسلمانان موحدین کو نجد کے لوگوں کے ساتھ حاصل نہیں اور یہ جو ہند کے مسلمان ایک خدا کو ماننے والے اور اچھی باتیں لوگوں کو سکھانے والے اور بری باتوں سے، جیسے گور پرستی اور ڈھول ڈھما کا اور ناچ رنگ اور سود خواری اور زنا کاری ہے، سے منع کرنے والے ہیں۔ کسی طرح کی نسبت ان کو مردمان نجد سے نہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ چند لوگ متعصّبان مذہب حنفی اور اپنی باتوں کے پیچ کرنے والے لوگوں نے جو قبروں کی نذر نیاز میں مشغول ہیں یہ تہمت ایک خدا کے پوجنے والوں پر باندھ دی ہے اور حاکموں سے اس بات کا اظہار سراپا کذب کر کے کہ یہ لوگ وہابی اور مجاہد ہیں اپنے منصب اور عزت اور جاہ بڑھانے کی تدبیر نکالتے ہیں حالانکہ تہمت ان کی بالکل صدوق سے دور ہے اور انصاف سے مہجور ہے۔

○ ترجمان وہابیہ کے صفحہ ۵۶ پر جناب سید صدیق حسنؒ نے لکھا ہے:

جس طرح اہل بدعت اور مقلدین مذاہب نے اہل حدیث اور قرآن کا نام زبردستی وہابی رکھا...... اسی طرح قاری عبدالرحمٰنؒ پانی پتی نے رسالہ کشف الحجاب نام مطبوعہ لکھنؤ ۱۲۹۸ھ میں یہ چھاپا کہ یہ لوگ جو آپ کو محدث اور تابع قرآن وحدیث کہتے ہیں یہ سب رافضی شیعہ ہیں۔ اور نام حدیث کا بطور تقیہ لے کر خلق خدا کو گمراہ کرتے ہیں اور خاص مجھ پر طعن کی ہے کہ یہ لوگ انگریزوں کے قانون پر چلتے ہیں۔ عبارت رسالہ مذکور کی یہ ہے۔

ترویج خمر کی خوب کی ہے۔ شراب کا نکالنا بیچنا بھوپال میں برملا ہے۔ چنگی ہر چیز پر لینا شائد بحکم الناس علی دین ملوکھم حسب قانون انگریزی کے حلال کر لیا ہے خرچ رجسٹری و خرچ کاغذ اسٹامپ اور طرح طرح کی رسوم تحصیل کے حسب قانون انگریزی کے نواب والا جاہ نے رعیت پر لگا رکھے ہیں۔ اور یہ سب رسوم وابواب ظلم صریح ہیں۔ اب کیا شبہ اس فرقے کے رافضی ہونے میں باقی رہا۔ ان کو نہ ہنود سے رنج ہے نہ نصاریٰ سے، نہ اور کفار سے جب اہل مذہب کا نام سنتے ہیں جل جاتے ہیں۔ انتہی بلفظہ

سید صدیق حسنؒ کہتے ہیں:

قاری عبدالرحمٰنؒ کی یہ عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تہمت وہابیت کی اہل حدیث پر غلط ہے۔ اور در پردہ یہ لوگ جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں ... رافضی ہیں۔ اور نیز عبارت مذکور حجت ہے اس بات پر کہ مفسد و دشمن امن و آزادگی خلق کے وہی لوگ ہیں جو مقلد کسی مذہب خاص کے ہیں جیسے مصنف رسالہ مذکور کہ ان کو اپنے حنفی مذہب ہونے کا دعوی ہے۔ بخلاف ان لوگوں کے جو لفظ وہابی کو پسند نہیں کرتے اور اہل سنت و حدیث ہیں اور ان کے دین میں حکومت حاصل کرنے کی فکر کرنا اور زمین میں فساد پھیلانا اور تعصب مذہبی کو رونق دینا.... سخت گناہ اور حرام ہے۔

نورالانوار اخبار مطبع نظامی مورخہ پانزدہم شوال ۱۲۹۸ھ میں ایک انگریزی فورٹ نائیٹلی ریویو مطبوعہ ۱۸۸۱ء سے نقل کیا ہے کہ فی الحال مردم شماری سے یہ معلوم ہوا کہ (دنیا کے) سب مسلمان سترہ کروڑ پچاس لاکھ ہیں۔ من جملہ ان کے سنی چودہ کروڑ پچاس لاکھ اور شیعہ ایک کروڑ پچاس لاکھ اور وہابی اسّی (۸۰) لاکھ ہیں اور ہندوستانی مسلمانوں کی تعداد جو برٹش کی رعایا ہیں چار کروڑ ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مسلمان ہندوستان کے وہابی نہیں ہیں۔ اور یہ بات سچ ہے اس لئے کہ نام وہابی کا ہندوستان میں کبھی نہ تھا۔ اہل مکہ و مدینہ نے حق میں اہل نجد کے ۱۱۶۰ھ میں یہ نام نکالا ، پھر ۱۸۱۸ء میں وہ دفتر گاؤ خورد ہوگیا۔ روم (ترکی) کے مسلمان حنفی اور مصر کے شافعی، اور مغرب کے مالکی اور دمشق کے حنبلی مذہب رکھتے ہیں اور اہل سنت قرآن و حدیث پر چلتے ہیں۔ ایران کے مسلمان شیعہ اور اطراف یمن کے بعض زیدی اور بعض محدث اور مسقط کے خارجی ہیں۔ اور ہندوستان کے مسلمان اکثر حنفی اور بعض شیعہ اور کمتر اہلحدیث ہیں۔

○ ترجمان وہابیہ کے صفحہ ۵۸۔۵۹ میں جناب صدیق حسنؒ نے لکھا ہے:

لفظ وہابی محمدؒ بن عبدالوہاب نجدی کے وقت سے نکلا ہے۔ اسلام کی کتابوں میں کہیں اس کا ذکر نہیں۔ جیسے ایک فرقہ بابیہ چالیس برس ہوئے کہ ایران میں پیدا ہوا تھا اور اس نے شاہ ایران وغیرہ سے بغاوت کی۔ سو مذہب نجدی کا حنبلی تھا اور اس نے بوہروں اور بدوؤں پر چڑھائی کی تھی اس مذہب کی کتابیں ہندوستان میں رائج نہیں۔ خصوصاً تصنیفات محمد بن عبد الوہاب کو کسی نے آنکھ سے بھی نہیں دیکھا۔ ان کے موجود ہونے اور پڑھنے پڑھانے اشاعت

کرنے کا تو کیا ذکر ہے۔ اور ۱۷۶۰ء میں ابتداء مذہب نجدی کی ہوئی اور ۱۸۱۸ء میں وہ ہنگامہ ختم ہو گیا۔ اٹھاون برس غلغلہ اس کا ملک نجد میں رہا اکثر لوگ اس قوم کے دشمن ہو گئے۔ اب ۶۳ برس ہوئے کہ وہ دفتر گاؤ خورد ہو گیا۔

○ (سید صدیق حسنؒ کہتے ہیں) میرے والد مرحوم (اولاد حسنؒ) نے ایک رسالہ ہدایۃ المؤمنین میں ۱۲۳۹ھ میں تالیف کیا تھا جو ان کی حیات میں بمقام کلکتہ طبع ہو کر خاص و عام میں پھیل گیا۔ پھر بارہا چھپا اور حال میں بمقام دہلی مطبع فاروقی ۱۲۹۸ ہجری میں طبع ہو کر یہاں (بھوپال) آیا ہے۔ اس میں بذیل رد بدعت تعزیہ تحریر فرمایا ہے کہ

بعض بے وقوف جس کو سنتے ہیں کہ بدعت تعزیہ داری وغیرہ سے منع کرتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص وہابی ہے کیونکہ ایسی باتیں وہابی کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس بات سے ہم منع کرتے ہیں اس کی برائی قرآن وحدیث سے بیان کرتے ہیں، کہیں وہابیوں کا نام نہیں لیتے اور نہ ان کی سند پکڑتے ہیں۔ باوجود اس کے تمہارا ہم کو وہابی کہنا جہالت ہے۔ اور اگر وہابی اسی کا نام ہے جو شرک و بدعت کو دور کرے اور موافق قرآن وحدیث کے عمل میں لاوے تو ہم وہابی سہی۔ بقول امام شافعی کے کہ

''اگر رفض حبّ آل محمد کا نام ہے تو ہم بھی رافضی ہیں۔'' انتہی۔

یہ عبارت ہدایت المؤمنین مطبوعہ حال (یعنی ۱۸۸۰ء کے گردو پیش) کے صفحہ ۴۲ اور ۴۳ میں لکھی ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اہل حدیث وہابی نہیں ہیں بلکہ اہل سنت و حدیث کا مذہب اس دن سے ہے جس دن سے دین اسلام آیا۔ کسی تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ کسی محدث کو کسی نے وہابی کہا ہو یا کسی محدث نے کسی ملک میں فساد کیا ہو۔ یا کسی بادشاہ وحاکم وغیرہ سے بنام جہاد لڑا ہو۔ بلکہ ساری کتب طبقات وتواریخ اس امر پر متفق ہیں کہ ہمیشہ طریقہ ان لوگوں کا ترک دنیا وشغل عبادت وعلم رہا ہے۔ بعض ان میں درویش تھے جن کو صوفی وفقیر وزاہد کہتے ہیں۔ ان کو لڑائی سے کیا واسطہ، وہ تو دنیا دار لوگوں سے ملاقات بھی نہیں کرتے تھے اور بعض عالم تھے ان کو شغل تعلیم وتدریس وتصنیف وتالیف کا تھا وہ بادشاہوں کی نوکری سے اور ان کی صحبت سے بھاگتے تھے۔ باقی رہی یہ بات کہ بعض عقائد ومسائل ان کے ایسے ہیں کہ یہ ان میں مثلاً موافق نجدیہ کے ہیں۔ سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کوئی

مذہب حق و باطل ایسا نہیں ہے کہ اس کے بعض مسائل موافق دوسرے مذہب کے نہ ہوں۔ یہاں تک کہ چوری کرنا، زنا کرنا، ظلم کرنا، جھوٹ بولنا، خون ریزی کرنا، بغاوت کرنا، سب مذہبوں میں گناہ ہے اور زمین سے فساد دور کرنا، رعایا کو امن دینا، خیرات کرنا، محتاج کو روٹی دینا، کپڑا دینا، سب کے نزدیک اچھا ہے۔ قرآن وحدیث میں چند عقیدے اور مسائل ایسے ہیں جو موافق توریت وانجیل کے ہیں۔ اور بہت سے قاعدے دین اسلام کے ایسے ہیں کہ گورنمنٹ بھی ان کو انتظام ملکی میں پسند کرتی ہے۔ سو اس شرکت جزئی سے ہرگز وہ دوسرا شخص مستحق اس نام کا نہیں ہو سکتا جو نام خاص اس صاحب مذہب کا ہے۔ ہم حضرت عیسی وموسی علیہما السلام کو پیغمبر جانتے ہیں جس طرح اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول خدا جانتے ہیں، لیکن اس عقیدہ کی وجہ سے ہمیں کوئی بھی عیسائی یا یہودی نہ کہے گا۔ شیعہ بھی نماز میں رفع الیدین کرتے ہیں اور اہلحدیث بھی کرتے ہیں۔ مگر اہلحدیث کو کسی نے آج تک شیعہ نہیں کہا۔ اور شیعہ بھی قائل جہاد کے ہیں وقت ظہور مہدی کے۔ لیکن ان کو کسی نے وہابی نہیں کہا۔

کتاب آثار الادہار تالیف سلیم خوری عیسائی اور کتاب المرئۃ الوضیۃ تالیف کرنل یوس قندیک میں تحقیق وہابیوں کی یہ ہے کہ سعود نجدی کی لڑائی بوہروں اور عرب کے بدوؤں سے تھی، کسی ہندو راجہ یا سرکار انگریزی سے نہ تھی...... اب جو اہل سنت وحدیث ہیں تو وہ کچھ اس کے طریقہ پر نہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک مذہب خاص رکھتا تھا اور یہ لوگ مذہب خاص نہیں رکھتے۔ قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہیں، یہی ان کا مذہب ہے۔ اور ہر فساد کی بات سے ہزاروں کوس بھاگتے ہیں اور نام سے وہابی کے انکار وتعجب کرتے ہیں اور وہابیت کو دین میں ایک بدعت جانتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو سنّی اور اپنے مذہب کا نام اہل سنت بتاتے ہیں۔ اس صورت میں ہر محدث اہل سنت پر لفظ وہابی بولنا اور وہابی کے معنی باغی وجہادی ٹھہرانا خلاف عقل ونقل ہے۔ حنفی اپنے آپ کو حنفی اور حنبلی اپنے آپ کو حنبلی اور زیدی اپنے آپ کو زیدی اور شیعی اپنے آپ کو شیعہ کہتے ہیں۔ اسی طرح عیسائی اپنے آپ کو عیسائی اور یہودی اپنے آپ کو یہود بتلاتے ہیں مگر کوئی محدث اپنے آپ کو وہابی نہیں کہتا۔ اور کس طرح کہے کہ جب محدث کو حنفی شافعی مالکی کہنا اپنے حق میں ناپسند ہے حالانکہ یہ الفاظ بہت پرانے ہیں، تو وہابی کہلانا کیوں کر روا رکھے گا جو نیا لفظ ہے۔ طریقہ حدیث تو زمانہ نجدیہ سے ہزار برس پہلے کا ہے۔ اور وہابی نجد کے بعد ہزار برس کے اب پیدا ہوئے ہیں یہ نام اہل حدیث پر کسی طرح نہیں چپکتا ہے بلکہ خلاف

اہلحدیث کا وہابیوں سے ایسا ہی ہے جیسا پراٹسٹنٹ کا رومن کیتھولک سے ہے۔ ❶

○ ترجمان وہابیہ کے صفحہ ۶۲ میں جناب سید صدیق حسنؒ نے لکھا ہے:

محمدؒ بن عبدالوہاب خود مقلد مذہب حنبلی منجملہ انہیں چار مذاہب کے ہے جو بالفعل رائج عام ہیں اور یہ فرقہ موحدین مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کا پیرو اور مقلد نہیں ہے۔ کیوں کہ مذاہب اربعہ بعد از زمانہ نبوت حادث ہوئے ہیں۔ فرق درمیان مقلد مذہب اور فرقہ موحدین کے یہ ہے کہ موحدین صرف قرآن و حدیث صحیح کو ہی مانتے ہیں اور باقی اہل مذہب اہل الرائے ہیں جو مخالف سنت اور طریقہ شریعت ہے۔ اور نیز یہ بات ہے کہ تقلید رائے، تعلیم و تعلم قرآن و حدیث کو روکتی ہے...... اور اہل الرائے جو اپنے فوت شدگان کے لئے صدقات طعام وغیرہ کو حسب رواج حال جائز رکھتے ہیں سو یہ مسلک ہنود کا ہے۔ فرقہ موحدین ان باتوں میں نہیں ہیں۔ ثالثاً کوئی تصنیفات محمد بن عبدالوہاب مذکور کے نزدیک علماء موحدین ہند کی موجود نہیں ہے جس سے یہ امر ثابت ہو سکے کہ کچھ یہی ہدایت عبدالوہاب سے موحدین ہند کو ملی۔ اور نہ یہ امر کسی اہل ہند میں دیکھا گیا ہے کہ ہند کے موحدین اہل نجد سے خط و کتابت بھی رکھتے ہوں یا ان کے شاگرد و مرید ہوں۔ غرض کہ مولوی محمد حسینؒ کا طریق یہ ہے کہ موحدین لفظ وہابی سے نہ پکارے جاویں۔ ❷

○ جناب ثناء اللہ امرتسریؒ لکھتے ہیں:

اہلحدیث کے مذہب کے بانی سید الانبیاء محمد احمد مجتبی فخر آدم افتخار بنی آدم فداہ ابی و امی ﷺ ہیں۔ چنانچہ اہل حدیث کے مسائل دیکھنے والوں پر یہ امر ذرہ بھر مخفی نہ ہوگا کہ اہل حدیث ہر ایک مسئلہ پر قرآن شریف کی آیت یا حضور اقدس کی حدیث ہی سے مقدم استدلال کرتے ہیں۔

جہلاء میں مشہور ہے کہ اہل حدیث کے مذہب کا بانی عبدالوہاب نجدی ہوا ہے۔ مگر حاشا وکلا ہمیں اس سے کوئی بھی نسبت نہیں۔ یہ تو صاف بات ہے کہ ہر ایک فرقہ اپنے بانی مذہب کے اقوال اپنے فتووں میں نقل کیا کرتا ہے۔

---

❶ ترجمان وہابیہ ص ۵۸۔۶۰

❷ ترجمان وہابیہ

چنانچہ ہمارے بھائی حنفیہ، شافعیہ، امامیہ وغیرھم کے طریق عمل اس امر پر شاہد عدل ہیں۔ لیکن آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا کہ اہل حدیث نے کبھی بھولے سے بھی عبدالوہاب نجدی کے اقوال کو سنداً پیش کیا ہو اور کہا ہو کہ

(ھذا قول امامنا عبدالوھاب وبہ ناخذ)

''یہ قول ہمارے امام عبدالوہاب کا ہے۔''

بلکہ اہلحدیث کے بہت سے افراد کو یہ بھی معلوم نہیں کہ عبدالوہاب کون تھا؟ اس کی بود و باش کیا تھی؟ ہاں تاریخوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے بھائیوں کی طرح وہ بھی ایک مقلد تھا۔ چنانچہ فقہ کی معتبر کتاب ردالمختار باب البغاۃ میں صاف لکھا ہے:

(کانوا ای عبد الوھاب واتباعہ یقلدون مذھب الحنابلۃ)

''یعنی عبدالوہاب نجدی اور اس کے اتباع حنبلی مذہب کے مقلد تھے (ان لوگوں کی ناواقفی کا یہ حال ہے کہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ نجد کے اس بزرگ کا نام محمد بن عبدالوہاب ہے۔)''

ہمارے نزدیک تقلید کا وہی حال ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ پس باوجود اس بے تعلقی کے ہم کو محمد بن عبدالوہاب کے پیرو یا اس کو ہمارے مذہب کا بانی بتلانا صریح جھوٹ اور دل آزاری نہیں تو اور کیا ہے؟ دراصل یہ ناپسندیدہ القاب اسی عشق محمدی ﷺ کے کرشمے ہیں جس نے صحابہ کرام کو عرب کے لوگوں سے صابی کا لقب دلایا تھا۔

جرم عشق تو ام مے کشند وغوغائیست تو نیز برسر بام آعجب تماشائیست

اہل حدیث کے مذہب کا خلاصہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے یعنی جو تعلیم سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے بذریعہ قرآن اور احادیث صحیحہ کے مخلوق کو فرمائی ہے، اس کا اتباع کرنا ہمارا مذہب ہے اور بس

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامیکہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

محمد بن عبدالوہاب نجدی سے اہل حدیث ہند نے کسی وجہ سے استفادہ نہیں کیا۔ نہ اس کی شاگردی کی، نہ اس کے مرید ہوئے نہ اس کی کوئی ایسی کتاب جس میں اہل حدیث کے جملہ اصول وفروع کا بیان ہو، ان کے پاس پہنچی، نہ اس کے خاص اعتقاد وعمل سے ان کو اتفاق ہے...... پھر

ان کو وہابی کہنا اور مذہب محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟[1]

○ جناب محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

محمد بن عبدالوہاب نجدی تیرھویں صدی ہجری میں پیدا ہوئے جب کہ یہ فرقہ اہلحدیث پہلی صدی سے چلا آتا ہے۔ اس فرقہ کو وہابی کہنا ایسا ہے جیسا اہل کتاب کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہودی یا نصرانی کہنا۔ جن کے جواب میں خدا فرماتا ہے:

﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿65﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿66﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿67﴾﴾ (آل عمران ـ ٦٥،٦٧)

''کہ تورات وانجیل (جن پر یہودیت ونصرانیت کی بنیاد ہے) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی تھیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہودی یا نصرانی کہنا کیا معنی رکھتا ہے؟''



---

[1] اہل حدیث کا مذہب

عمل بالحدیث

بلا واسطہ مجتہد

تفصیل بالا کی روشنی میں یہ ہرگز روا نہیں کہ اہل حدیث کو نیا فرقہ کہا جائے یا ان کا نام وہابی رکھا جائے۔ تاہم کچھ لوگ اس امر کے اعتراف کے باوجود کہ اہلحدیث واقعی ایک قدیم فرقہ ہے، یہ بھی کہتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں جو لوگ اہل حدیث کہلاتے تھے وہ کسی نہ کسی امام کے مقلد تھے اور حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کہلاتے تھے جب کہ آج کل کے مدعیان عمل بالحدیث چوں کہ مطلق العنان ہیں اور کسی مذہب حنفی شافعی مالکی حنبلی کے مقلد نہیں کہلاتے اور مجتہدین کے واسطہ کے بغیر حدیث پر عمل کرتے ہیں، لہذا یہ لوگ، اہل حدیث سلف کے طریقہ پر نہیں اور نہ اہل حدیث کہلانے کے مستحق ہیں۔ [1] اور ان کو نجدی یا وہابی یا لامذہب ہی کہنا چاہیے۔

جناب محمد حسین بٹالوی ؒ نے ماہنامہ اشاعۃ السنۃ میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کا خیال ذیل کے عذرات یا دلائل پر مبنی ہوسکتا ہے:

- اول یہ کہ اکثر اہل حدیث سلف، عام لوگوں میں کسی نہ کسی مذہب کی طرف منسوب ہیں۔ کوئی حنفی، کوئی شافعی (جیسے امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ) کوئی مالکی (جیسے امام قرطبیؒ) کوئی حنبلی (جیسے شیخ ابن تیمیہؒ)۔
- امر دوم یہ کہ بعض اہل حدیث کو کتب طبقات میں خاص خاص طبقات میں شمار کیا گیا ہے۔

---

1. دیکھئے جناب خالد محمود کی آثار الحدیث، دار المعارف لاہور، ۱۹۸۸ء

○ امر سوم (جو ان کے خیال کا بڑا قوی مؤید ہے) یہ کہ اکابر اہل حدیث نے ناکامل محدث کو حدیث کی بجائے، اتباع فقہ کی تاکید کی ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ سے قصہ رباعیات مشہور ہے جس میں انہوں نے صاف فرمایا ہے کہ جو شخص ان مشقتوں کا، جو محدث ہونے کے لئے ہم نے بیان کی ہیں، متحمل نہ ہو سکے وہ فقہ کا اتباع کرے [1] اور اس زمانہ کے اہل حدیث کا یہ حال ہے کہ جسے کسی ایک کتاب حدیث پر بھی نظر نہیں، بلکہ جو ایک حدیث کی عربی عبارت پڑھنے کی لیاقت بھی نہیں رکھتا، وہ فقہ کا نام نہیں لیتا اور مجتہد کے واسطہ کے بغیر حدیث پر عمل کرنے کا مدعی ہے۔ پھر اس فرق کے ساتھ (جو ایسے لوگوں میں اور اہلحدیث سلف میں ہے) یہ لوگ اہلحدیث کہلانے کے کیونکر مستحق ہیں؟

(بٹالویؒ کہتے ہیں) میرے نزدیک ان کا یہ خیال محض غلط ہے اور جو امور ثلاثہ اس خیال کی تائید میں انہوں نے پیش کیئے ہیں ان میں بھی وہ غلطی کرتے ہیں، کیونکہ

○ اہل حدیث زمانہ حال اور اہل حدیث زمانہ گزشتہ میں بلحاظ امور مذکورہ (عمل بالحدیث، ترک تقلید، عدم رجوع بمذہب معین) سرموئے تفاوت نہیں۔ سلف سے خلف تک صدہا اہل حدیث ایسے گزرے ہیں جو کسی مجتہد یا مذہب خاص کے مقلد نہ تھے اور بلا واسطہ مجتہدین و مذاہب خاص و کتب فقہ رسمیہ، وہ حدیث پر عمل کرتے تھے خصوصاً وہ امام جن کا یہ لوگ اپنے خیال کی تائید میں نام لیتے ہیں، ان میں بعض آئمہ حدیث کو کسی نے حنفی یا شافعی کہا، یا ان کے طبقات میں داخل کیا ہے تو یا تو ان کی ابتدائی حالت کی نظر سے، یا اکثر مسائل میں ان مذاہب کے آئمہ سے ان کے توافق رائے کے خیال سے یا شہرت کے لحاظ سے (ایسا کیا ہے) ورنہ درحقیقت وہ ان آئمہ مذاہب کے مقلد نہ تھے۔

○ قصہ رباعیات جو امام بخاریؒ سے نقل کیا گیا ہے اور اس میں حدیث کے علم و شغل (چہ جائے عمل) کو مشکل قرار دیا ہے اور اتباع فقہ کو سہل و آسان، وہ صحت کو نہیں پہنچتا۔

---

[1] یہ قصہ قسطلانی شرح بخاری صفحہ ۲۱ جلد اول میں بسند ابو عصمہ نوح بن الفرغانی بروایت ابوالمظفر بخاری سے منقول ہے اور متفرقات میں نقل کیا جاتا ہے۔ بہاء

اس کی اسناد میں جو ابو عصمہ نوح راوی ہے (جس کو قسطلانی نے ذکر کیا ہے) اگر یہ وہی ابو عصمہ بن ابی مریم ہے جو فضائل قرآن کی احادیث وضع کرنے کا اقراری ہے تو اس کی روایت پر اعتماد مناسب نہیں ہے۔ چناں چہ شرح شرح نخبہ وغیرہ کتب اصول حدیث میں مذکور ہے کہ ابو عصمہ نوح کو لوگوں نے پوچھا کہ فضائل قرآن میں تجھے یہ حدیثیں کہاں سے ملی ہیں جو تو بواسطہ عکرمہ، ابن عباسؓ سے روایت کرتا ہے، کیونکہ عکرمہ کے شاگردوں کے پاس تو ان حدیثوں کا نام ونشان نہیں ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ ابو حنیفہؒ کی فقہ اور محمد بن اسحاقؒ کے مغازی پڑھتے تھے اور قرآن پڑھنے سے منہ پھیرے ہوئے تھے تو میں نے بہ نیت ثواب فضائل قرآن کی حدیثیں خود بنائیں:

(روی عن ابی عصمة نوح ابن ابی مریم المروزی قاضی مرو فیما رواه الحاکم بسنده الی ابی عمار المروزی انه قیل لابی عصمة من این لك عن عکرمة عن ابن عباس فی فضائل القرآن سورة سورة ولیس عند اصحاب عکرمة هذا فقال انی رأیت الناس قد اعرضوا عن القرآن واشتغلوا بفقه ابی حنیفة ومغازی ابن اسحاق فوضعت مذاصبة) ❶

اگر یہ ابو عصمہ کوئی اور شخص ہے تو جب تک اسکی توثیق آئمہ حدیث سے ثابت نہ ہو اور اس روایت کی صحت واتصال معلوم نہ ہو یہ روایت لائق احتجاج نہیں۔

اور جس قدر علم وشغل حدیث میں اشکال بیان کئے گئے ہیں ان سے بڑھ کر اشتغال وعمل فقہ میں ہیں۔ بالجملہ بلاواسطہ مجتہدین وبلا مراجعت کتب فقہ حدیث پر عمل کرنا اور کسی مذہب خاص حنفی یا شافعی کا پیرو ومقلد نہ کہلانا ایسے امور نہیں ہیں جو صرف اس وقت کے اہل حدیث میں پائے جاتے ہوں۔

---

❶ شرح شرح نخبہ

یہ امور اہل حدیث سلف میں بھی موجود تھے۔ ان امور کی نظر سے آج کے اہل حدیث اور اہلحدیث سلف میں سر موئے تفاوت نہیں ہے۔ پھر ان امور کی نظر سے اس وقت کے اہلحدیث کو گروہ اہلحدیث سے خارج اور وہابی اور نجدی قرار دینا اور اہل حدیث سلف کا اہل حدیث و اہل سنت تسلیم کرنا انصاف نہیں ہے۔

(جناب بٹالویؒ کہتے ہیں کہ) اس مقام میں، میں نے تین دعوی کئے ہیں۔

- اول۔ محدثین سلف، بلا واسطہ مجتہدین حدیث پر عمل کرتے۔
- دوم۔ ان کا حنفی یا شافعی وغیرہ کہلانا توافق رائے یا ان کی سابق حالت یا شہرت کی وجہ سے تھا۔ درحقیقت وہ مقلد نہ تھے۔
- سوم۔ قصہ رباعیات لائق احتجاج نہیں۔

دعوی سوم کی نسبت تو ہم اس مقام میں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتے جو کہہ چکے ہیں کہ اس کے راوی نوح ابوعصمہ کی روایت لائق دست آویز نہیں۔ گو اس قصہ کے موضوع و مفتری ہونے پر اور وجوہات عقلیہ و نقلیہ سے بھی بحث ہو سکتی ہے جو اس محل میں کسی قدر اجنبی ہے۔ باقی ماندہ دعاوی (اول و دوم) سے ہر ایک دعوی کو شواہد و نقول معتبرہ سے ثابت کیا جاتا ہے۔

- دعوی اول کے شواہد۔ محدثین سلف کو جو کسی مذہب خاص کے مقلد نہ تھے اور بلا واسطہ مجتہدین حدیث پر عمل کرتے تھے اگر ہم بالاستیعاب و تفصیل ذکر کریں تو یہ بیان طویل ہو جائے گا لہذا بطور مثال چند اکابر کا ذکر کیا جاتا ہے۔ از انجملہ

⊙......(عبد اللّٰه بن وهب بن مسلم الامام الحافظ جمع بين الفقه والحديث والعبادة كان ثقة حضة حافظاً مجتهداً لايقلد احداً ذا تعبد وتزهد وثقه غير واحد مات سنة سبع وتسعين ومأة ـ) ذهبى

عبداللہ بن وہبؒ (ف ۱۹۰ھ) ہیں جن کے حق میں ذہبیؒ نے فرمایا ہے کہ وہ خود اجتہاد کرتے، کسی کے مقلد نہ تھے۔

⊙......وہ دوصد امام اہل حدیث ہیں جن کا حال ذہبی نے ترجمہ حافظ ابی التقی کے بعد یوں بیان فرمایا ہے:

(قال الذّهبی بعد ترجمة ابی النقی فهؤلاء المسمون فی هذه الطبقة هم نقاوة الحفاظ ولعل قد اهملنا طائفة من نظرائهم فان المجلس الواحد فی هذا الوقت کان یجمع فیه ازید من عشرة آلاف (دوات)......یکتبون الآثارالنبویة ویعنون بهذا الشان وبینهم نحومن مأتی امام ـ قد برزوا وتاحلو للفتیا فلقد تفانی اصحاب الحدیث وتلامثوا وتبدل النّاس بطلبة یهزا بهم اعداء الحدیث والسنة ویسخرون منهم وصار علماء العصر فی الغالب عاکفین علی التقلید فی الفروع) ❶

ان کے زمانہ میں ایک مجلس میں اہلحدیث دس ہزار دواتیں لے کر جمع ہوتے تھے جن میں دوسو امام تھے اور آثار نبویہ میں لکھتے ـ ۲۵۱ھ میں وہ لوگ فنا ہوئے اور جو رہے منتشر ہوگئے تو اہل تقلید پیدا ہوئے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ اہلحدیث مقلد نہ تھے ـ ان کے بعد پیدا ہوئے ہیں ـ

⦿......ازانجملہ امام قرطبیؒ (ف ۲۷۶ھ) ہیں جن کو عام لوگ مالکی سمجھتے ہیں ـ ان کے حق میں ذہبی نے کہا ہے کہ وہ کسی کے مقلد نہ تھے خود اجتہاد کرتے تھے

(بقی بن مخلد الامام شیخ الاسلام ابو عبدالرّحمن القرطبی الحافظ صاحب المسند الکبیر والتفسیر کان اماماً، علما، قدوة، مجتهداً، لایقلد احدا، ثقة، حجة ـ) ❷

⦿...... ازاں جملہ امام قاسمؒ بن محمد (ف ۲۷۶ھ) ہیں ـ ان کے حق میں ذہبی نے فرمایا ہے کہ وہ کسی کے مقلد نہ تھے انہوں نے مقلدین کے رد میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام ایضاح ہے ـ ان کا مذہب دلیل تھا اور ان کو شافعی مذہب کی طرف بھی کچھ میلان تھا ـ

(قاسم بن محمد بن یسار الامام الحافظ الاندلسی القرطبی شیخ المحدثین والفقهاء لازم ابن عبد الحکم حتی برع فی الفقه وصار اماماً مجتهداً لایقلد

---

❶ ملخص طبقات ذہبی
❷ ملخص طبقات ذہبی

احداً وھو مصنف کتاب الایضاح فی الرد علی المقلدین و کان مذھبه الحجة و النظر و یمیل الی مذھب الشافعی ولم یکن بالاندلس مثله فی حسن النظر و البصر بالحجة ۔ قال ابن عبدالبر لم یکن احداً بقرطبة افقه منه مات سنة ست و سبعین و مأتین) ❶

⦿......اورامام ابن خزیمہؒ ہیں ۔ان کے حق میں ذہبیؒ نے فرمایا ہے کہ وہ امام تھے، لوگ ان کے پیچھے چلتے ۔ان کا یہ قول تھا کہ خدا اور رسول کے سامنے کسی کا قول لائق دستاویز نہیں ہے۔

(ابن خزیمة الحافظ الکبیر الثبت امام الآئمة شیخ الاسلام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمة بن المغیرة بن صالح بن بکر السمی النیسابوری قال ابوحاتم لما سئلوه عن ابن خزیمة قال ویحکم ھو یسئل عنه و لا یسئل عنه ھو امام یقتد ی بـه و مـن کلام ابن خزیمة لیس لاحد مع رسول الله قول اذا صح الخبر) ❷

⦿......ازاں جملہ حافظ ابن المنذرؒ (۳۱۸ھ) ہیں جن کے حق میں ذہبیؒ نے فرمایا ہے کہ وہ مجتہد تھے، کسی کے مقلد نہ تھے، خود اجتہاد کرتے اور اختلاف اور دلائل کی معرفت میں بڑے کامل تھے اور اس امر میں موافق اور مخالف ان کی تصانیف کے محتاج رہے۔

(ابن المنذر الحافظ الفقیه لاوحد ابوبکر محمد بن ابراھیم بن المنذر النیسابوری شیخ الحرم و صاحب الکتب التی لم یصنف مثلھا و کان مجتھداً لا یقلد احداً و کان غایة فی معرفة الاختلاف و الدلیل و احتاج الی کتبه الموافق و المخالف وفاته سنة ثمان عشرة و ثلاث مأة ۔) ❸

⦿......ازانجملہ حسنؒ بن سعد (۳۳۱ھ) ہیں جن کے حق میں ذہبی نے کہا ہے کہ وہ مقلد نہ تھے خود اجتہاد کرتے تھے اور شافعیؒ کے اقوال کی طرف کچھ میلان تھا:

---

❶ ملخص طبقات ذہبی
❷ ملخص طبقات ذہبی
❸ ملخص طبقات ذہبی

(الحسن بن سعد بن ادریس الحافظ الکبیر الامام ابو علی الکنانی القرطبی کان علامة مجتهداً لا یقلّد ویمیل الی اقوال الشافعی قال ابن الفرضی کان یحضر الشوری فلمارأی الفتیا دائرة علی المالکیة ترک شهودها وکان شیخاً صالحاً ولم یکن یضابط جداً۔ مات یوم عرفة یوم الجمعة سنة احدی وثلاثین وثلاث مأة) ❶

⊙......ازاں جملہ ابن شاہینؒ (ف ۳۸۵ھ) ہیں وہ ایسے عامل بالحدیث تھے اور کتب فقہ رسمیہ سے بے خبر کہ جب ان کے پاس کبھی کسی امام کے مذہب کا کوئی ذکر کرتا تو آپ فرماتے کہ میں تو محمدی المذہب ہوں۔

(ابن شاهین الحافظ الامام المفید المکثر محدث العراق ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد البغدادی الواعظ المعروف بابن شاهین ...... قال الخطیب سمعت محمد بن عمر الداودی یقول ابن شاهین ثقة نسبت الشیوخ الا انه کان لحانا ولایعرف الفقه وکان اذا ذکر له مذهب احد یقول انا محمدی المذهب ۔ مات فی ذی الحجة سنة خمس وثمانین وثلاث مأة) ❷

⊙......ازاں جملہ ترمذیؒ ہیں جن کا با جتہاد خود، حدیث پر عمل واستدلال کرنا ان کی کتاب جامع ترمذی سے ثابت ہے جس کے حق میں علماء نے کہہ رکھا ہے کہ وہ مجتہد کے لئے کافی ہے اور مقلد کو دیگر کتابوں سے مستغنی کرنے والی۔ اور بعض آئمہ نے اس کتاب کو صحیح مسلم اور صحیح بخاری سے نفع عام کی نظر سے افضل کہا ہے:

(ولذا قیل انّه کاف للمجتهد ومغن للمقلد بل قال ابو اسماعیل الهروی هو ...... انفع من الصّحیحین لانّ کلّ احد یصل الفائدة منه وهما یصل الیها منهما العالم المتبحر) ❸

---

❶ طبقات ذہبی
❷ ملخص طبقات ذہبی
❸ شرح ملا علی قاری

⦿......ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں اپنا مذہب وہ مذہب اہلحدیث قرار دیا ہے جس کو کسی خاص امام، شافعیؒ وغیرہ سے کچھ خصوصیت نہیں ہے بلکہ وہ سبھی آئمہ مذاہب میں مشترک ہے۔ چنانچہ اس اشتراک کو خود ترمذیؒ نے ظاہر کیا ہے اور اسی اشتراک کی نظر سے ان سب آئمہ کا اپنا ہم مذہب ہونا بلفظ اصحاب نے بیان فرمایا ہے۔

⦿......اوائل کتاب میں آپ نے بوسہ کا ناقض وضوء ہونا امام مالکؒ واوزاعیؒ وشافعیؒ و امام احمدؒ واسحاقؒ کا مذہب بتایا ہے اور اس مذہب میں ان آئمہ کا اپنا ہم مذہب ہونا بلفظ اصحابنا ظاہر کیا ہے۔

(وقال مالك بن انس والاوزاعی والشافعی واحمد واسحاق فی القبلة الوضوء وهو قول غير واحدمن اهل العلم من اصحاب النّبیّ ﷺ والتّابعين وانّما ترك اصحابنا حديث عائشة عن النّبیّ ﷺ فی هذا لانّه لايصحّ عندهم لحال الاسناد) ❶

⦿......امام ترمذی نے، بھولی ہوئی نماز کو یاد آنے کے وقت (طلوع یا غروب آفتاب کا وقت کیوں نہ ہو) پڑھ لینا امام احمدؒ واسحاقؒ کا مذہب بتایا ہے پھر اس مذہب میں ان آئمہ کا اپنا ہم مذہب ہونا بلفظ اصحابنا ظاہر کیا ہے۔

(ويروى عن علىّ بن ابى طالب ، انّه قال فی الرّجل ينسى الصّلوة، يصلّيها متى ذكرها فی وقتٍ او فی غيرِ وقتٍ۔ وهو قول احمد واسحاق۔ ويروى عن ابى بكرة انّه نام عن صلوة العصر فاستيقظ عند غروب الشّمس فلم يصلّ حتى غربتِ الشمس۔وقد ذهب قوم من اهل الكوفة الى هذا۔ وامّا اصحابنا فذهبوا الى قول على بن ابى طالب) ❷

⦿......امام ترمذی نے فجر اور عصر کی نماز کی ایک رکعت مل جانے سے پوری نماز کا مل جانا امام شافعیؒ وامام احمدؒ وامام اسحاقؒ سے نقل کیا ہے اور ان آئمہ کو بلفظ اصحابنا اپنا ہم مذہب کہا ہے:

---

❶ ترمذی مطبوعہ میرٹھ، ص۱۴

❷ سنن ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی الرجل ینسی الصلوۃ، رقم الحدیث:۱۷۸

(وبہ یقول اصحابنا الشّافعی واحمد واسحاق ـ ومعنی ھذا الحدیث عندھم لصاحب العذر، مثل الرّجل ینام عن الصّلوۃ اوینساھا فیستیقظ ویذکر عند طلوع الشّمس وعند غروبھا) ❶

اس قسم کی تصریحات ❷ اس کتاب میں بہت ہیں۔ ان تصریحات کے ساتھ امام ترمذی کو ایک مذہب کا پابند سمجھنا یا امام شافعیؒ کا مقلد قرار دینا علم وانصاف کا مقتضی نہیں۔

⊙ ...... ازاں جملہ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ ہیں ان کے بلاواسطہ تقلید اپنے فہم واجتہاد سے حدیث سے استدلال کرنا، اور امام شافعیؒ وغیرہ آئمہ مجتہد کا مقلد نہ ہونا آپ کی کتاب (صحیح بخاری) سے بھی ثابت ہے ❸ اور اس پر بیرونی شہادت ❹ بھی پائی جاتی ہیں۔

اندرونی شہادت کا بیان

امام بخاریؒ کا باجتہاد خود حدیث سے استدلال کرنا اس کتاب (بخاری) کے تراجم ❺ سے ظاہر ہے۔ اس کے تراجم میں ادق مسائل اجتہادیہ کتاب وسنت سے استنباط کئے گئے ہیں۔ جن کی نظر سے بہت سے فضلاء نے کہہ دیا ہے کہ بخاری کا اجتہاد اس کے تراجم ابواب میں ہے:

(فلذا اشتھر قول جمع من الفضلاء: فقه البخاری فی تراجمه ـ واکثر مایفعل البخاری ذالك اذا لم یجد حدیثاً علی شرطه) ❻

اور ان کا مقلد شافعیؒ نہ ہونا اس کتاب سے یوں ثابت ہے کہ اس میں امام شافعیؒ سے کچھ اخذ نہیں کیا۔ صرف ایک جگہ بلفظ ابن ادریسؒ ان کا نام تو لیا ہے پھر ان سے کوئی حدیث لی ہے نہ کسی فقہی مسئلہ میں ان کے پیروی ظاہر کی ہے، بلکہ جابجا ان کی مخالفت کا اظہار فرمایا ہے اور مسائل فرعیہ میں وہ مذہب اختیار کیا ہے جو امام شافعیؒ کا صریح مخالف ہے۔ پھر ان کا مقلد امام شافعیؒ کیوں کر متصور ہے؟

---

❶ سنن ترمذی، کتاب الصلوۃ، باب ماجاء فی من ادرك رکعة من العصر، رقم الحدیث: ۱۸۶
❷ جن میں کئی آئمہ کو ترمذیؒ نے اپنا ہم مذہب یا یوں کہو کہ پیشوائے مذہب ٹھہرایا اور اصحابنا کہا ہے۔
❸ جس کو ہم اندرونی شہادت کہہ سکتے ہیں۔ ❹ تصریحات واقوال علماء جن میں ان کو مجتہد کہا گیا ہے۔
❺ وہ مسائل جن کو باب کے ذیل میں وارد کیا گیا ہے، جیسے باب تکبیر، مسح، موزہ وغیرہ۔
❻ مقدمہ فتح الباری۔ ص ۱۳

جس شخص کو کوئی ثقہ اور لائق اخذ روایت نہ سمجھے اور اس کی پیروی کا اظہار نہ کرے بلکہ مخالفت کا دم بھرے، اس کو وہ اپنا امام کب سمجھتا ہے اور اس کی تقلید کب اختیار کرتا ہے؟ ہاں امام بخاریؒ نے امام شافعیؒ پر اتنی مہربانی ضرور کی ہے کہ ان کو ضعیف لوگوں میں شمار نہیں کیا۔

(امّا البخاری فقد ذکرالشّافعی فی تاریخه الکبیرفقال فی باب المیم محمد ابن ادریس الشافعی القرشی مات سنة اربع ومأتین ۔ثمّ انّه ما ذکره فی باب الضّعفاء مع علمه بانّه کان قد روی شیئاً کثیراً مّن الحدیث ولو کان من الضّعفاء فی هذا الباب لذکره کما ذکر اباحنیفة فی هذا الباب) ❶

جیسا کہ جناب امام ابو حنیفہؒ کو ضعفاء میں شمار کیا ہے ❷ چنانچہ رازیؒ نے بعض رسائل میں بدست آویز تاریخ کبیر امام بخاریؒ اس امر کا دعوی کیا ہے ولیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ان کو لائق اتباع واخذ روایت بھی سمجھتے تھے، ایسا سمجھتے تو ان کی روایت کو ترک نہ کرتے۔

امام بخاریؒ کا امام شافعیؒ کی حدیث واتباع سے ساکت رہنا تو ناظرین کو اصل کتاب کے ملاحظہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ ان کے مذہب سے مخالفت کرنا بذکر چند مسائل اس مقام میں بیان کیا جاتا ہے۔

ا۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ انسان کے بال بدن سے جدا ہونے سے نجس ہوجاتے ہیں اور پانی جس میں وہ بال ہوں، پلید ہے۔ امام بخاریؒ نے بصفحہ ۲۹ کتاب اس قول کو ردّ کیا ہے اور اس پانی کا پاک ہونا اختیار فرمایا ہے۔ دیکھو عینی شرح بخاری۔ جس کی عبارت حاشیہ بخاری صفحہ ۲۹ میں منقول ہے:

---

❶ رسالہ رازی در ترجیح مذہب الشافعی

❷ اس مقام میں ہم کو یہ دعوی ہرگز نہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کو ضعیف سمجھنے یا امام شافعیؒ کو قوی لائق اخذ روایت سمجھنے میں امام بخاریؒ حق پر تھے۔ اور یہ کہ امام والا مقامؒ واقعی ضعیف یا لائق اخذ روایت نہ تھے۔ ہمارا دعوی صرف یہ ہے کہ امام بخاریؒ کے خیال میں یہ امام ایسے تھے، اس خیال میں وہ مصیب ہوں یا خطا پر، پھر ان کو امام شافعیؒ کا مقلد کہنا کیا معنی رکھتا ہے؟

(قال ابن بطال اراد البخاری ردّ قول الشافعی ان شعر الانسان اذا فارق الجسد نجس واذا وقع فی الماء نجس) ❶

۲۔امام شافعیؒ کا قول ہے کہ وضو میں تمام سر کا مسح واجب نہیں ہے، ایک دو بال کا مسح بھی کافی ہے۔امام بخاریؒ نے اس کا خلاف کیا اوراس کے مقابلہ میں بصفحہ ۳۱ کتاب،امام مالکؒ کا وہ قول وارد کیا ہے جس میں بعض حصہ سر کے مسح کا عدم جواز بیان ہوا ہے

(قال الشّافعی احتمل قوله وامسحوا برؤسکم جمیع الرأس او بعضه فدلت السنة ان بعضه یجزی) ❷

۳۔امام شافعیؒ وغیرہ جمہور مجتہدین کا قول ہے کہ مباشرت بلافراغ سے غسل واجب ہوتا ہے اورحدیث عثمان جس میں صرف وضو کا حکم ہے منسوخ ہے۔امام بخاری نے اس کا خلاف کیااور بصفحہ ۴۳ کتاب کہاہے کہ غسل صرف احتیاطی امر ہے۔یعنی حدیث وضو منسوخ نہیں۔دیکھو عینی وقسطلانی شروح بخاری۔

(قال ابوعبداللّٰه الغسل احوط وذالك الآخر (بخاری ص۴۳) اراد بهذا ان الحدیث غیر منسوخ - عینی - ومذهب الشافعی وجوب الغسل وان الحدیث منسوخ) ❸

۴۔امام شافعیؒ کا آخری قول یہ ہے کہ حاملہ عورت کو جوخون ظاہر ہووہ حیض ہے۔بخاری نے اس کا خلاف کیا۔اور بصفحہ کتاب اس مسئلہ کی مؤید حدیث وارد کی کہ حاملہ کو حیض نہیں آتا، دیکھو فتح الباری جس کی عبارت حاشیہ بخاری میں منقول ہے:

(قال ابن بطال غرض البخاری بادخال هذا الحدیث فی باب الحیض تقویة مذهب من یقول ان الحامل لاتحیض وهو قول الکوفیین والیه ذهب الشافعی فی القدیم وفی الجدید انها تحیض) ❹

---

❶ عینی شرح بخاری
❷ قسطلانی شرح بخاری
❸ قسطلانی شرح بخاری، صفحہ ۳۹ جلد۱
❹ فتح الباری شرح صحیح البخاری

۵، ۶ ۔امام شافعیؒ کا مذہب ہے (جیسا کہ حنفیہ کا ہے) کہ تیمّم میں دو ضربیں ہیں، ایک منہ کے لئے دوسری ہاتھوں کے لئے، اور ہاتھوں کی حد تیمّم میں بنا بر قول اخیر امام شافعیؒ کہنیوں تک ہے ۔ امام بخاریؒ نے ان دونوں کا خلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ تیمّم میں منہ اور ہاتھوں کے لئے ایک ضرب ہے اور ہاتھوں کی حد تیمّم میں پہنچوں تک ہے ۔

(باب التّيمّم للوجه والكفّين(بخاری) ۔باب التّيمّم ضربة(بخاری)مفهومه (يعنی حديث عمار) ان زاد علی الكفين فليس بفرض وهو مذهب احمد و حكی عن الشّافعی فی القديم وهو القوی من جهة الدليل......الاصح المصوص (يعنی عن الشافعی وجوب ضربتين) ❶

۷ ۔امام شافعیؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ مریض مرض کے سبب دو نمازوں کو جمع نہ کرے امام بخاریؒ نے اس کا خلاف کیا اور بصفحہ ۷۹ کتاب عطاء تابعیؒ کا قول مشعر جواز نقل کیا ہے:

(قال عطاء ويجمع المريخ بين المغرب والعشاء) ❷

(وبه قال احمد واسحاق مطلقاً وبعض الشافعية وجوزه مالك بشرطه والمشهور عن الشافعی واصحابه المنع) ❸

۸ ۔امام شافعیؒ کا قول ہے کہ امام کو نماز میں شک ہو تو وہ مقتدی کی تقلید نہ کرے اپنے یقین پر فیصلہ کرے ۔ بخاریؒ نے اس کا خلاف کیا ہے اور بصفحہ ۹۹ کتاب اس مضمون کو حدیث سے ثابت کیا ہے کہ امام کو شک ہو تو وہ مقتدی کا کہا مان لے ۔

(هل يأخذ الامام اذا شك بقول النّاس) ❹

(قال الشّافعية لا يأخذ بقولهم وقال الحنفية نعم ...... قاهره(ای الحديث) انه رجع الی قولهم لاكن حمله امامنا الشافعی علی انه تذكر) ❺

---

❶ قسطلانی ص ۴۳۱ و ۴۴۰

❷ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب وقت المغرب، رقم الباب: ۱۸

❸ قسطلانی ۔ ج ۱ ص ۵۷۲

❹ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب ھل یاخذ الامام اذا شک بقول الناس، رقم الباب: ۶۹

❺ قسطلانی ج ۲ ص ۷۱، ۷۲

۹۔امام شافعیؒ کا قول ہے کہ سونے چاندی کی زکوۃ میں صرف درہم دینار لئے جائیں گے، ان کی قیمت کے کپڑے وغیرہ نہیں لئے جائیں گے۔امام بخاریؒ نے اس کا خلاف کیا ہے اور بصفحہ ۱۹۴ کتاب یہ ثابت کیا ہے کہ کپڑے وغیرہ بھی زکوۃ میں لینا درست ہے۔

(باب العرض فی الزکوۃ (بخاری ص ۱۹۴) قال العینی احتجّ باصحابنا فی جواز دفع القیم فی الزکوۃ ۔ ولھذا قال ابن رشید وافق البخاری فی ھذہ المسئلة الحنفیة مع کثرة مخالفة لھم ۔ قال الکرمانی وعند الشافعی لایجوز) ❶

۱۰۔امام شافعیؒ کا مذہب ہے (جیسا کہ امام مالکؒ کا ہے) کہ ایک شہر کی زکوۃ دوسرے شہر کے مساکین کے لئے منتقل نہ ہو۔امام بخاریؒ نے اس کا خلاف کیا اور بصفحہ ۲۰۲ کتاب فرمایا ہے کہ جہاں کہیں کے فقیر ہوں ان کو زکوۃ دی جائے۔

(باب اخذ الصّدقة عن الاغنیاء وترد علی الفقراء حیث کانوا۔ ظاھرہ ان المؤلف یختار جواز نقل الزکوۃ من بلد المال وھومذھب الحنفیة والاصح عند الشّافعی والمالکیة عدم الجواز) ❷

۱۱۔امام شافعیؒ کا قول ہے (جیسا کہ امام مالکؒ واحمدؒ واسحاقؒ وغیرہ کا مذہب ہے) کہ محرم کو بحالت احرام نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔امام بخاریؒ نے اس کا خلاف کیا اور بصفحہ ۳۴۴ کتاب مذہب حنفیہ کے موافق یہ دعوی کیا ہے کہ محرم کو نکاح کرنا جائز ہے:

(باب تزویج المحرم۔ بخاری ۔قال الکوفیون یجوز للمحرم ان یتزوج) ❸

(وقال مالك والشافعی واحمد واسحاق لایجوز للمحرم ان ینکح) ❹

---

❶ ھامش بخاری ص ۱۹۴ ومثلہ فی القسطلانی ص ۴۶ ج ۳

❷ قسطلانی ۳ ص ۸۸

❸ قسطلانی ص ۵۳ ج ۳

❹ عینی شرح بخاری

اس مخالفت کے نظائر صحیح بخاری میں ایک دو نہیں، بیسیوں ہیں۔ان نظائر کے ناظرین کو اس اندرونی شہادت میں کوئی اشتباہ نہیں رہ سکتا۔اوران نظائر کو دیکھ کر کوئی منصف مزاج یہ نہیں کہہ سکتا کہ امام بخاریؒ، امام مشافعیؒ کے مقلد تھے۔

یہ مسلمہ ہے کہ بخاریؒ کو بہت سے مسائل میں امام شافعیؒ کی رائے سے اتفاق بھی ہے مگر چوں کہ بہت سے مسائل میں اختلاف بھی ہے لہذا اس امر کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ بنظر مسائل اتفاقیہ ان کو امام شافعیؒ کا مقلد تو سمجھا جائے لیکن بنظر مسائل اختلافیہ ان کو تارک تقلید امام شافعی خیال نہ کیا جاوے۔ یہ ترجیح بلا مرجح ہے جس پر کوئی اہل عقل و انصاف اقدام نہیں کرسکتا۔

بیرونی شہادت کا بیان

بہت سے اکابر آئمہ سلف نے امام بخاریؒ کو فقیہ یعنی مجتہد تسلیم کیا ہے۔یہاں چند علماء کے اقوال مقدمہ فتح الباری سے نقل کئے جاتے ہیں۔

- ابو مطعب احمد بن ابی بکر زہریؒ نے فرمایا ہے بخاریؒ ہمارے خیال میں امام احمدؒ سے بڑھ کر مجتہد اور عارف حدیث ہیں۔اس پر کسی نے اعتراض کیا کہ اس میں آپ نے مبالغہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں مالکؒ کا زمانہ پاتا اور ان دونوں (مالکؒ و بخاریؒ) کو دیکھتا تو کہتا کہ یہ دونوں اجتہاد اور حدیث میں برابر ہیں:

(حدّثنا حاشد بن اسماعیل قال لی ابو مطعب احمد بن ابی بکر الزهری محمد بن اسماعیل افقه عندنا و ابصر بالحدیث من احمد بن حنبل فقال له رجل من جلسائه جاوزت الحد فقال له ابو مطعب لو ادرکت مالکا و نظرت الی وجهه ووجه محمد بن اسماعیل لقلت کلاهما واحد فی الحدیث والفقه) ❶

---

❶ مقدمہ فتح الباری ص ۵۶۴

○ (وقال قتيبة بن سعيد جالست الفقهاء والزهاد والعباد فمارأيت منذ عقلت مثل محمد بن اسماعيل وصرفى زمانه كعمر فى الصحابة وعن قتيبة ايضاً قال لو كان محمد بن اسماعيل فى الصحابة لكان آية۔ قال محمد بن يوسف الهمدانى كنا عند قتيبة فجاء رجل شعرانى يقال له ابويعقوب فساله عن محمد بن اسماعيل فقال ياهؤلاء! نظرت فى الحديث ونظرت فى الرائى وجالست الفقهاء والزهاد والعباد ما رأيت منذ عقلت مثل محمد بن اسماعيل البخارى قال وسئل قتيبة عن طلاق السكران فدخل محمدبن اسماعيل فقال قتيبة للسائل هذا احمد بن حنبل واسحاق بن راهويه وعلى بن المدينى قدساقهم الله اليك واشار الى البخارى) ❶

قتیبہ بن سعدؒ نے فرمایا کہ میں مجتہدوں زاہدوں اور عابدوں کا ہم نشین رہا ہوں۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے محمد بن اسماعیل بخاریؒ جیسا کسی کو نہیں پایا۔ وہ اپنے زمانہ میں ایسے تھے جیسے صحابہ میں حضرت عمرؓ۔ اور فرمایا کہ اگر امام بخاریؒ صحابہ کے زمانہ میں ہوتے تو (قدرت خداوندی کا) ایک نشان ہوتے۔ ایک روایت میں قتیبہؒ سے منقول ہے کہ میں حدیث اور فقہ میں نظر رکھتا ہوں اور اجتہادات بھی دیکھتا ہوں اور مجتہدوں، زاہدوں، عابدوں کا ہم نشین بھی رہا ہوں لیکن میں نے بخاریؒ جیسا کسی کو نہیں پایا۔

قتیبہ سے کسی نے نشہ والے کی طلاق کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے سائل کو امام بخاریؒ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ اور علی بن مدینیؒ ہیں۔ خدا ان کو تیرے پاس لے آیا ہے (ان سے مسئلہ دریافت کر لے)

---

❶ فتح الباری مقدمہ۔ص ۵۶۶و۵۶۹

- (وقال يعقوب بن ابراهيم الدورقى و نعيم بن حماد الخزاعى محمد بن اسماعيل البخارى فقيه هذه الامة وقال بندار محمد بن بشار هو افقه خلق اللّٰه فى زماننا وقال الفيرى سمعت محمد بن ابى حاتم يقول سمعت حاشد بن اسماعيل يقول كنت بالبصرة فسمعت بقدوم محمد بن اسماعيل فلمّا قدم قال محمد بن بشار دخل اليوم سيد الفقهاء) ❶

یعقوب بن ابراہیمؒ اور نعیم بن حماد خزاعیؒ نے کہا ہے امام بخاری اس امت کے ایک مجتہد تھے۔ بندار بن محمد بن بشار نے کہا ہے امام بخاریؒ ہمارے زمانہ کے سب لوگوں سے بڑھ کر مجتہد تھے۔ ایک دفعہ امام بخاری بصرہ میں آئے تو محمد بن بشارؒ نے کہا آج مجتہدوں کے سردار اس شہر میں داخل ہوئے ہیں۔

- امام اسحاق بن راہویہؒ کی امام بخاریؒ نے ایک حدیث میں غلطی نکالی تو امام اسحاقؒ نے مان لی اور فرمایا اے گروہ اہل حدیث اس نوجوان کو دیکھو اور اس سے حدیث سنو۔

یہ شخص امام حسن بصریؒ کے زمانہ میں ہوتا تو وہ بھی حدیث کی پہچان اور اجتہاد میں اس کے محتاج ہوتے۔ ایک دفعہ امام اسحاقؒ سے کسی نے حالت نسیان میں طلاق دینے کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فکرو تامل میں سکوت فرمایا۔ امام بخاریؒ یہ حدیث نبوی:

”خدا تعالیٰ نے میری امت کی ان باتوں سے درگزر فرمایا ہے جو ان کے دل میں گزریں جب تک کہ ان کو عمل اور کہنے میں نہ لاویں۔“

سنا کر کہا کہ اس حدیث میں اسی فعل کو معتبر ٹھہرایا ہے جو دل سے اور ارادہ سے ہو اور جب نسیان کی حالت میں ارادہ نہیں تو طلاق کیوں کر واقع ہو سکتی ہے؟ اسحاقؒ نے فرمایا تو نے مجھے مدد دی خدا تجھے مدد دے۔ اور پھر اس کے موافق فتوی دیا۔

(قال حاشد بن اسماعيل رأيت اسحاق بن راهويه جالساً على المنبر و البخارى جالس معه و اسحاق يحدث ـ فمر بحديث فانكره محمد فرجع اسحاق الى قوله وقال يامعشر اصحاب الحديث انظروا الى هذا الشاب و

---

❶ مقدمہ فتح الباری۔ صفحہ ۵۶۹

اکتبوا عنه فانه لو کان فی زمان الحسن بن ابی الحسن البصری لاحتاج الیه لمعرفته ...... وقال البخاری کنت عند اسحاق بن راهویه فسئل عمن طلق ناسیا فسکت طویلاً متکرا فقلت اما قال النبی ﷺ انّ اللّٰه تعالی تجاوز عن امتی ماحدثت به انفسها مالم تعمل به او تکلم وانّمایراد مباشرة هؤلاء الثلاث العمل والقلب اکلام والقلب هذا لم یعتقد بقلبه فقال اسحاق نویتنی ...... جزاک الله وافتی به)[1]

○ امام علی بن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ خراسان میں تین ہی شخص ہوئے ہیں ان میں امام بخاریؒ کو ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ ان سب سے بڑھ کر صاحب بصیرت وصاحب علم اور مجتہد تھے میں ایسا کسی کو نہیں جانتا۔ اور امام احمد بن اسحاق سرماریؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ٹھیک اور سچے مجتہد کو دیکھنا چاہے وہ امام بخاریؒ کو دیکھ لے۔

(وقال علی بن حجر اخرجت خراسان ثلاثة البخاری فبداء به وقال وهو ابصرهم واعلمهم بالحدیث وافقهم فقال لا اعلم احداً مثله وقال احمد بن اسحاق السرماری من اراد ان ینظر الی فقیه بحقه وصدقه فلینظر الی محمد بن اسماعیل)[2]

اس قسم کے اقوال آئمہ سلف کے امام ابن کثیرؒ نے بھی تاریخ البدایۃ والنہایۃ میں امام بخاریؒ کے حق میں نقل کیے ہیں۔

ان دونوں شہادتوں (اندرونی و بیرونی) سے کس وناکس کو جو فہم وانصاف سے بے بہرہ نہ ہو قطعاً و یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ، امام شافعیؒ کے مقلد نہ تھے۔ بلکہ وہ اپنے فہم واجتہاد پر عمل واستدلال کرتے تھے۔ اور یہ تفصیل ہمارے دعوی اول کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

ان آئمہ کے علاوہ اہل حدیث سلف میں اور بہت لوگ گزرے ہیں جو کسی کے مقلد نہ تھے مثال کے طور پر

---

[1] فتح الباری مقدمہ۔ص ۵۷۰ [2] مقدمہ فتح الباری۔ص ۵۷۱

- امام مسلم بن قتیبہؒ (۲۱۳۔۲۷۶ھ) نے کتاب تاویل مختلف الحدیث میں ایک خاص عنوان اصحاب الحدیث کا مقرر کیا ہے اور اس میں فرماتے ہیں:

اصحاب حدیث نے حق کو اس کے ملنے کی جگہوں میں تلاش کیا اور ان کو رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کی وجہ سے قرب الٰہی حاصل ہو گیا پھر فرماتے ہیں کہ اصحاب الحدیث کی برکت سے حق ظاہر ہو گیا اور لوگ سنت نبوی کے مطیع و منقاد ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر فیصلے کرنے لگے بعد اس کے کہ وہ فلاں اور فلاں کے اقوال پر فیصلے کرتے تھے، اگرچہ وہ اقوال رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہی ہوں۔ ❶

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابن قتیبہؒ کے وقت میں اور ان سے پیشتر ان مذکورہ بالا فرقوں کے مقابلے میں ایک خاص فرقہ اصحاب حدیث کا موجود تھا جن کا مذہب اقوال الرجال کے مقابلے میں احادیث رسول ﷺ کی پیروی تھا اور یہی اہلحدیث کا امتیاز ہے۔

- محمد بن جریر طبریؒ، جو شافعی مشہور تھے۔ (پیدائش۔۲۲۴ھ) لیکن آپ کسی کے مقلد نہ تھے۔ اپنا مذہب مستقل رکھتے تھے جس کے بہت لوگ پیرو تھے۔
- یحی بن یحی مصمودیؒ مشہور مالکی (ف ۲۳۴ھ)۔ آپ مذہب امام مالکؒ کے مخالف فتوی دے دیا کرتے تھے۔
- دارکیؒ (ف ۳۷۵ھ)۔ شافعی مشہور تھے لیکن آپ مذہب شافعی کے مخالف فتوی دیتے۔ کوئی معترض ہوتا کہ یہ فتوی تو مذہب شافعی کے مخالف ہے تو آپ فرماتے تجھ پر افسوس ہے یہ تو حدیث کا فتوی ہے۔ کبھی سائل سے کہتے کہ تو امام شافعیؒ کا قول پوچھتا ہے یا جو میرے خیال میں ہے۔
- حافظ علی ابن حزمؒ مشہور ظاہری (۳۸۴ھ۔۴۵۶ھ)۔ پہلے شافعی المذہب تھے پھر ترک تقلید کر کے ظاہر قرآن و حدیث پر عامل ہو گئے تھے۔

---

❶ ص ۸۸۔۸۹

آپ تقلید کو برا کہنے میں ضرب المثل ہیں۔ ❶

- حافظ ابن مندہؒ مشہور حنبلی (ف ۴۷۰ھ)۔آپ عامل بالحدیث تھے۔اور تارک اقوال مخالف حدیث۔
- ابو اسماعیل ہروی انصاریؒ۔مشہور حنبلی (۳۹۶ھ۔۴۸۱ھ)۔آپ اہل حدیث کے مذہب پر تھے اور اتباع میں عبداللہ بن المبارکؒ کی مثل۔ یہ حفظ حدیث میں مشہور تھے ان کی تصنیف سے کئی کتابیں ہیں۔ اشاعت سنت میں انہوں نے بڑی بڑی تکالیف اٹھائیں۔اظہار حق میں بڑے پکے تھے، خود ان کا بیان ہے کہ پانچ مرتبہ میرے اوپر تلوار صرف اسی بات پر لائی گئی کہ مجھ سے کہا جاتا تھا کہ سکوت اختیار کرو، کسی سے کچھ مت کہو۔ میں نے کہا، کہنا نہیں چھوڑوں گا۔ایک مرتبہ علماء شافعیہ وحنفیہ نے بحضور سلطان وقت کے ان سے مناظرہ چاہا۔انہوں نے کہا میں مستعد ہوں لیکن جو میرے پاس موجود ہے اس کے ساتھ مناظرہ کروں گا۔لوگوں نے کہا، تمہارے پاس کیا ہے، کہا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ چنانچہ قرآن اور صحیحین ان کے پاس موجود تھیں۔ سلطان نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا کہ کیا کہتے ہو؟ پھر کسی نے مناظرہ کا ارادہ نہ کیا۔عقائد میں جیسا کہ عموماً اہل حدیث کا حال ہے امام احمدؒ کا سا مذہب رکھتے تھے۔اور اس پر بہت متشدد تھے۔علم کلام کی مذمت میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

---

❶ محدثین کے بعض لوگوں نے انکار قیاس اور اتباع ظاہر میں ایک حد تک تشدد کیا، وہ ظاہری کہلاتے ہیں۔لیکن یہ جو کہا جاتا ہے کہ ظاہر قرآن وحدیث پر چلتے تھے،اس کے ہرگز یہی معنی نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مقلدین کی طرح اپنے امام کے موافق بنانے کے لئے نصوص شرعیہ میں تاویل نہیں کرتے تھے بلکہ جو صریح مقتضی نصوص شرعی کا ہوتا تھا اس کے پابند تھے۔اور بعض لوگوں نے ان کی زبان درازی اور علماء پر اعتراض کی شکایت کی ہے لیکن ان کے دیگر حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ سچ ہے تو ان کا ایسا کرنا بوجہ جوش دینی و بغرض حمایت حق تھا، نہ بغرض عیب گیری۔ والعلم عند اللّٰہ۔اور اگر فی الواقع ہی کسی میں کوئی بات نامناسب ہو تو ہم کو اس سے کیا مطلب۔ ہمارا مذہب خذ ما صفا ودع ما کدر ہے۔

ابن تیمیہؒ اجو بہ مصریہ میں لکھتے ہیں ۔ حدیث اور تفسیراور تصوف میں امام تھے ، اور فقہ میں اہل حدیث کے مذہب پر تھے ۔ان پر اتباع حدیث غالب تھی ۔ انتھی
لوگوں نے ان کوان کے وطن سے بھی نکال دیا تھا۔نکالے جانے کے بعد جب مرو میں پہنچے،تو بغویؒ ان سے ملے اور کہا آپ میں اللہ نے سارے فضائل جمع کر دیئے تھے، ایک سنت رسول (وطن سے نکالا جانا) باقی تھی ،اس کوبھی پورا کر دیا۔

- ابوالوفاءؒ ۔مشہور حنبلی (ف ۵۱۳ھ) ۔آپ فرماتے پیروی دلیل واجب ہے نہ پیروی امام احمدؒ۔
- مغافریؒ ۔مشہور مالکی ۔ چھٹی صدی ہجری میں ہوئے ۔آپ تارک تقلید تھے اوراصول (کتاب وسنت) سے فروع نکالتے ۔
- ابوشامہؒ جوشافعی کے طور پر مشہور ہیں (ف ۶۶۵ھ) آپ نے مذمت تقلید وترغیب اتباع میں ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جس کا نام ''الکتاب المؤمل فی الرد الی الامر الاول'' ہے۔
- احمد بن ابراہیم واسطی خرامیؒ (۶۵۷ھ ۔۷۱۱ھ) عارف وزاہد ومحدث تھے ۔ابتداء میں یہ فقہاء شافعیہ سے اور پھر اسکندریہ میں شاذلیوں سے ملے ۔ پھر دمشق پہنچے تو شیخ تقی الدین ابن تیمیہؒ سے ملے اوران کی صحبت میں رہے ۔انہوں نے سیرت محمدیہ کے مطالعہ کی ہدایت کی ۔ پس یہ کتب حدیث کے مطالعہ میں مشغول ہوئے ۔ اور تمام طریقوں اور ذوقوں کو چھوڑ کر احادیث رسول ﷺ کے تابع ہوگئے ۔ اصول وفروع ہر دو میں حدیث کے ہورہے ۔ جو حدیث میں پاتے اس پر عمل کرتے ۔امام احمد کا مذہب عقائد میں اختیار کرلیا۔طریقت اور فقر محمدی اور حدیث کے موافق سلوک کے بیان میں متعدد کتابیں لکھیں جن سے صوفیہ اہلحدیث نے بہت فائدہ اٹھایا۔
- شیخ ابن تیمیہؒ (ف ۷۲۸ھ) حنبلی مشہور ہیں لیکن آپ کا تارک تقلید وباجتہاد خود عامل بالحدیث ہونا آپ کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔
- شیخ ابن قیمؒ (ف ۷۵۱ھ) حنبلی مشہور ہیں لیکن آپ کا تارک تقلید و باجتہاد خود، عامل بالحدیث ہونا آپ کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔

- محمد بن ابراہیم وزیرؒ (ولادت ۷۷۵ھ) زیدی مشہور ہیں لیکن آپ عامل بالحدیث اور تارک تقلید تھے۔ مذہب زیدی وغیرہ کے مقلد نہ تھے۔
- جلال الدین محلیؒ (ف ۸۶۴ھ)۔ آپ شافعی مشہور ہیں لیکن جس شخص کے پاس حق پاتے اس کی طرف رجوع کرتے شافعی مذہب کے ملتزم نہ تھے۔
- زبیدیؒ، مشہور حنفی (ولادت ۱۱۵۹ھ) حنفی مشہور تھے لیکن فرماتے ہیں کہ میرا دین وہ نہیں ہے جو امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کا قول ہے، اگر وہ حدیث صحیح کے مخالف ہو۔

یہاں پر ہم نے جن اصحاب کا ذکر کیا ان کے سوا اور بھی بہت اشخاص ہیں۔ اور یہ سب علماء جن کا ہم نے ذکر کیا، کم درجے کے لوگ نہ تھے۔ بلکہ مستند لوگ تھے۔ جب عمل بالحدیث باجتہاد خود، ان کا مسلک ومشرب تھا تو ان کے زمانے میں عوام وخواص ان کی بات کے ماننے والے اور ان کے طریقے پر چلنے والے بھی ضرور موجود تھے جو مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کی تقلید کے پابند نہ تھے۔ چوتھی صدی سے تیرھویں صدی ہجری تک ہر زمانہ میں نہ صرف خواص بلکہ عوام وخواص ہر قسم کے لوگوں کا ترک تقلید شخصی اور عمل بالحدیث پر کاربند ہونا بھی ثابت ہوتا ہے اور تارکین تقلید اور مجتہد کے واسطہ کے بغیر عاملین بالحدیث کا موجود ہونا ثابت ہوا۔

یہ تو ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں پہلی صدی اور دوسری صدی میں کسی خاص مذہب کی تقلید کا نام ونشان نہ تھا۔ دوسری صدی کے بعد خاص خاص مذاہب کے اصول پر اجتہاد کیا جانا شروع ہوا لیکن پھر بھی چوتھی صدی تک تقلید محض کسی خاص مذہب کی شروع نہ ہوئی تھی۔ یہ رسم چوتھی صدی کے بعد نکلی ہے۔[1] اس کو انصاف اور غور سے ملاحظہ کرنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ ترک تقلید ایک نیا امر ہے جو صرف دور حاضر کے اہل حدیث میں پایا جاتا ہے اور اہل حدیث سلف میں یہ امر پایا نہ جاتا تھا۔



---

[1] جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ماضی اور حال کے اہلحدیث

ایک خیال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ

اہل حدیث سلف چوں کہ مجتہد تھے، اس لئے کسی کی تقلید کرنے کی بجائے وہ خود اجتہاد کرتے تھے جب کہ آج کے اہل حدیث اس لائق نہیں ہیں کہ وہ خود اجتہاد کر سکیں اور مجتہدین کی تقلید سے مستغنی ہوں۔ اس لئے یہ لوگ ترک تقلید میں اہل حدیث سلف کے طریق پر کیوں کر ہو سکتے ہیں؟

اس موضوع پر جناب محمد حسینؒ، اشاعۃ السنۃ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہر زمانہ میں دو قسم کے لوگ چلے آئے ہیں۔ عوام اور خواص (یعنی علماء)۔ عوام تو خواہ کسی زمانہ کے ہوں نہ مجتہد ہو سکتے ہیں نہ کسی مذہب کے مقلد۔ ان کا کسی مذہب کی جانب منسوب ہونا اور حنفی، شافعی کہلانا ایسا ہے جیسا ان کا ان پڑھ ہو کر کسی علم کی طرف منسوب ہونا اور نحوی، منطقی وغیرہ کہلانا ہو۔ اسی نظر سے محققین حنفیہ وغیرہ نے کہہ رکھا ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ ان کا کسی مذہب کی طرف منسوب ہونا اور حنفی، شافعی یا اہلحدیث کہلانا صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کے علماء وقت جن کے فتوی پر وہ چلتے ہیں اس مذہب کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور حنفی یا شافعی یا اہل حدیث کہلاتے ہیں۔

جہاں تک خواص یا علماء کا معاملہ ہے تو ہر زمانہ کے علماء، مجتہد بھی ہو سکتے ہیں [1] اور مقلد بھی [2] اور ان دونوں قسموں کے مابین قسم سوم [3] بھی ہو سکتے ہیں۔ [4]

---

1. جو کتاب وسنت سے خفی اور باریک مسائل نکال سکیں۔
2. جو بلا مراجعت دلیل علماء سابقین کی پیروی کریں۔
3. عاملین بظواہر کتاب وسنت۔
4. جن کو نہ مجتہد کہا جا سکتا ہے نہ مقلد۔

قسم سوم وقسم اول کے لوگ پچھلے زمانوں میں پہلے زمانوں کی نسبت زیادہ ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ کتاب وسنت سے استدلال کرنے کا قصد کریں۔ اور پچھلے زمانوں میں اجتہاد اور عمل بالحدیث کے اسباب وآلات پہلے زمانوں کی نسبت زیادہ مہیا ومیسر ہیں، لہذا کوئی وجہ نہیں کہ زمانہ حال کے خواص اہل حدیث کو جو شبانہ روز درس قرآن وحدیث میں مشغول ہیں اور بلا استعانت یا باستعانت محدثین سابقین، کتاب وسنت کے اسرار ولطائف بیان کرتے ہیں اور عمدہ توجیہات سے متعارض احادیث کو باہم متوافق اور ناسخ کو منسوخ سے ممتاز کرتے ہیں، ترک تقلید سابقین میں معذور نہ سمجھیں۔ اور ان کو بفہم واجتہاد خود، عمل بالحدیث کی اجازت نہ دیں اور اس ترک تقلید وعمل بالحدیث کے سبب ان کا لا مذہب یا نجدی وہابی نام رکھیں۔ اور نہ اس کی کوئی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے عوام اہل حدیث کو جو اپنے علماء وقت سے کوئی حدیث سن کر یا اس کے موافق ان سے فتوی لے کر عمل کرتے ہیں گروہ اہل حدیث میں داخل نہ سمجھا جائے۔ اور ان کو عوام مقلدین کی مثل ❶ تسلیم نہ کیا جاوے۔

ہاں بعض عوام کالانعام گروہ اہل حدیث میں ایسے بھی ہیں جو اہل حدیث کہلانے کے مستحق نہیں۔ ان کو لا مذہب، بد مذہب، ضال مضل جو کچھ کہو، زیبا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ خود کتاب وسنت کا علم رکھتے ہیں نہ اپنے گروہ کے اہل علم کا اتباع کرتے ہیں۔ کسی سے کوئی حدیث سن کر یا کسی اردو مترجم کتاب میں دیکھ کر نہ صرف اس کے ظاہری معنی کے موافق ❷ عمل کرنے پر صبر واکتفا کرتے ہیں۔ بلکہ اس میں اپنی خواہش نفس کے موافق استنباط واجتہاد بھی شروع کر دیتے ہیں۔ جس میں وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

لیکن ان چند افراد کے فعل سے عام گروہ اہلحدیث پر الزام قائم نہیں ہوسکتا اور ان کی لا مذہبی سے کل گروہ کو لا مذہب کہنا انصاف نہیں۔ ایسے بے قید وآزاد عوام مقلدین مذاہب میں بلکہ ان کے خواص متبعین میں بھی ہیں جو امام ابوحنیفہؒ وامام شافعیؒ وغیرہ کے اقوال کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ اور اپنی ہوائے نفسانی پر عمل کر لیتے ہیں۔ بایں ہمہ ان کی اس بے دینی و آزادی کے سبب کل گروہ حنفیہ وشافعیہ کو کوئی برا نہیں کہتا۔

---

❶ جو اصل مذہب سے واقف نہیں ہوتے صرف اپنے مذہب کے علماء کے اتباع سے اس مذہب میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔

❷ جو کسی سے سنتے ہیں یا اردو کتاب میں دیکھتے ہیں۔

پس گروہ اہل حدیث کے بعض افراد کی آزادی سے کل گروہ اہل حدیث کو لا مذہب کہنا کیوں کر جائز ہے؟ بالجملہ گروہ اہل حدیث زمانہ حال کے خواص علماء اور ان کے عوام اتباع ترک تقلید مذاہب خاص میں ویسے ہی معذور ہیں جیسے کہ محدثین سابقین اور وہ عمل بالحدیث سے ویسے ہی مامور و مجاز ہیں جیسے کہ آئمہ محدثین۔ ❶

تقلید اور عمل بالحدیث میں اہل حدیث زمانہ حال اور زمانہ سابق میں سر مو فرق نہیں۔ سابقین کے لئے یہ امور جائز تھے تو آج کے لوگوں کے لئے بھی جائز ہیں۔ لہذا یہ لوگ بھی ویسے ہی اہل حدیث کہلانے کے مستحق ہیں جیسے کہ وہ تھے۔ آج کے اہل حدیث ان امور کے سبب لا مذہب اور وہابی ونجدی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں جیسے کہ وہ نہیں۔

ہمارا دعوی:

محدثین سلف جو کسی مذہب کی طرف منسوب تھے صرف توافق رائے یا سابق حالت یا شہرت کی وجہ سے منسوب تھے۔ در حقیقت وہ ان مذاہب کے مقلد نہ تھے۔

پر خود ان محدثین کے اقوال و اعمال بھی شاہد ہیں۔ اور بعد میں آنے والے علماء کے اقوال بھی اس پر شاہد ہیں۔ ان دونوں قسم کے شواہد کو اس مقام میں پیش کیا جاتا ہے۔

شواہد قسم اول

○ ا۔ امام ابو جعفر طحاویؒ (جن کو لوگ مذہب حنفی کا مقلد سمجھتے ہیں) کا قول ہے:

(نقل الحافظ ابن حجر فی لسان المیزان عن الطحاوی انّه قال او کل ما قال ابوحنیفة اقول به وهل یقلّد الا غبی او عصبی فطاوت هذه الکلمة بمصر حتی صارت مثلاً) ❷

کیا میں ہر اس بات کا قائل ہوں جو امام ابو حنیفہؒ نے فرمائی ہے؟ (نہیں) مقلد تو وہی ہوگا جو غبی ہو گا یا متعصب۔ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ امام طحاویؒ کا یہ قول مصر میں ضرب المثل ہو گیا۔

---

❶ گو تصحیح و تنقید احادیث میں یہ اور وہ برابر نہیں۔ وہ اس میں بھی مجتہد تھے اور یہ ان کے مقلد۔

❷ ایقاف علی سبب الاختلاف۔ محمد حیات سندھی

امام طحاویؒ نے اس بات کو صرف زبانی کہنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا ہے۔ چنانچہ پہلے خطبہ کتاب میں کہا:

(قال فی اول کتاب شرح الآثار: اذکر فی کل کتاب ما فیه الناسخ والمنسوخ وتاویل العلماء واحتجاج بعضهم علی بعض واقامة الحجة لمن صح عندی قوله) ❶

میں اس کتاب میں ناسخ ومنسوخ کو ذکر کروں گا اور علماء کی تاویلات کو اور ایک کے مقابلہ میں دوسرے کے دلائل کو وارد کروں گا اور جس کا قول میرے نزدیک صحیح ہوگا اس پر دلیل قائم کروں گا۔

پھر اس کے موافق کئی جگہ (جہاں امام ابوحنیفہؒ کا قول، دلیل کے مخالف پایا) صاف کہہ دیا کہ اس باب میں جو امام ابوحنیفہؒ نے کہا وہ باطل (یعنی غلط) ہے۔

(وھذا ابوجعفرالطحاوی مع مبالغته المفرطة فی نصرة المذهب اذا تمت الحجّة علی ابی حنیفة تراه فی معانی الآثار یأتی بکلام حدید حتّی قال فی بعض المواضع فما قال ابوحنیفة باطل) ❷

○ ۲،۳،۴ (قال القفال الشّافعی والقاضی ابوعلی الشافعی والقاضی حسین الشافعی: لسنا مقلدین للشافعی بل وافق رأینا رأیه) ❸

ابوبکر قفالؒ وابوعلیؒ وقاضی حسینؒ (جو شافعی مذہب کے مقلد کے طور پر مشہور ہیں) کا قول ہے کہ ہم لوگ امام شافعیؒ کے مقلد نہیں ہیں، ہماری رائے ان کی رائے سے موافق ہوگئی ہے۔

○ ۵۔ اسی مضمون کا ابوالوفاؒ مشہور حنبلی کا قول ہے:

دلیل کی پیروی واجب ہے نہ کہ قول امام احمدؒ کی۔

---

❶ ناظورۃ الحق

❷ دراسات، ص ۲۷۹ و ۸۳

❸ مغتنم الحصول۔ و ناظورۃ الحق

○ ٦۔ زبیدیؒ (مشہور حنفی) کا قول ہے:

میں امام ابوحنیفہؒ اوران کے شاگردوں کے اقوال کا اگروہ مخالف حدیث ہوں مقلد نہیں ہوں۔

یہ ان حضرات کے اقوال ہیں۔ ان اقوال کے موافق جوان سے عمل ہوا، اور جن مسائل میں انہوں نے آئمہ مذاہب کا خلاف کیا ہے، اس کی مثالیں شاہ ولی اللہؒ نے اپنے رسالہ عقد الجید میں درج کی ہیں۔

شواہد قسم دوم

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے میزان کبری جلداول کے صفحہ ۲۶ میں سید عبدالقادرؒ جیلانی کے حنبلی کہلانے اور شیخ شاذلی کے حنفی کہلانے، ایسا ہی دیگرا کابر اولیاء اللہ کے خاص خاص مذاہب کی طرف منسوب ہونے کی یہی وجہ بیان کی ہے کہ

وہ عوام میں اسی نام سے مشہور رہے تھے۔

یا ان کی رائے کو آئمہ کی رائے سے توافق ہوگیا تھا۔

یا لوگ ان کی سابق حالت کے قیاس سے ان کو حنبلی، شافعی وغیرہ کہتے تھے۔

امام شعرانیؒ نے لکھا ہے:

(انّ الولیّ الکامل لا یکون مقلداً وانّما یأخذ علمه من العین الّتی اخذ منها المجتهدون مذاهبهم ونری بعض الاولیاء مقلّدا لبعض الآئمة فالجواب قد یکون ذالك الولیّ لم یبلغ الی مقام الکمال او بلغه ولکن اظهر تقییده ...... تلك مسئلة بمذهب بعض الآئمة ادباً معه حیث سبقه الی القول بها وجعله اللّه تعالی اماماً یقتدی به واشتهر فی الارض دونه وقد یکون عمل ذالك الولی بما قال به ذلك المجتهد لاطلاعه علی دلیله لاعملا بقول تلك المجتهد علی وجه التقلید له بل لموافقته لما ادی الیه کشفه فرجع تقلید هذا الولی للشارع لا لغیره وماتم ولی یأخذ علما الا عن الشارع ویحرم علیه ان یخطو خطوة فی شیء لا یری قدم نبیه امامه فیه وقدقلت مرة لسیدی علی الخواص رضی اللّه عنه کیف صح تقلید سیدی عبدالقادر الجیلی للامام

احمد بن حنبل و سیدی محمد الحنفی الشاذلی للامام ابی حنیفة مع اشتھارھما بالقطبیة الکبری و صاحب ھذا المقام لا یکون مقلداً الّا للشارع وحدہ فقال قد یکون ذالك منھما قبل بلوغھما الی مقام الکمال ثمّ لمّا بلغا الیه استصحب النّاس ذالك اللقب فی حقھما مع خروجھما عن التقلید)❶

ولی کامل کسی کا مقلد نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ اپنا علم اسی چشمہ سے لیتا ہے جس سے مجتہدوں نے اپنے مذاہب لئے ہیں ...... میں نے ایک مرتبہ سید علی الخواصؒ سے عرض کیا کہ شیخ عبدالقادرؒ جیلانی کے لئے امام احمد بن حنبلؒ کی تقلید اور شیخ محمد شاذلیؒ کے لئے امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کیسے صحیح ہوئی؟ حالانہ یہ دونوں قطبیت کے مرتبہ کے ساتھ مشہور ہیں۔ اور اس مرتبہ والہ شارع ﷺ کے سوا کسی اور کا مقلد نہیں ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تقلید ان کے اس مقام پر پہنچنے سے پہلے ہوگی۔ اور جب وہ اس مقام کو پہنچ گئے تو بھی لوگ ان کے حق میں یہ القاب (حنبلی و حنفی) استعمال کرتے رہے حالانکہ وہ تقلید سے باہر نکل چکے تھے۔ (ترجمہ مختصراً)

یہی وجوہ ان محدثین اور مجتہدین کے حنفی، شافعی کہلانے کے ہو سکتے ہیں جن کا ذکر اوپر گزرا۔ گو ان کے مقلد نہ ہونے کی وہ وجہ نہیں ہے جو امام شعرانیؒ نے اولیاء اللہ کے مقلد نہ ہونے کی ٹھہرائی ہے کہ وہ کشف اور معائنہ باطنی سے اصل چشمہ شریعت سے احکام اخذ کرتے تھے۔ بلکہ ان آئمہ کے مقلد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ظاہری علم سے ادلہ شریعت پر خود نظر رکھتے تھے۔



---

❶ المیزان الکبری ج ا ص ۲۴

سید عبدالقادرؒ جیلانی کا مسلک

شیخ عبدالقادرؒ جیلانی (۴۹۱ھ۔۵۶۱ھ) حنبلی مشہور ہیں لیکن دراصل وہ کسی کے مقلد نہ تھے چنانچہ امام شعرانیؒ کا قول گزر چکا۔اور بہجۃ الاسرار میں ہے:

(انّہ کان یفتی علی مذھب الشّافعی واحمد بن حنبل) ❶

کہ (شاہ جیلان) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مذہب پر فتوی دیا کرتے تھے۔

معلوم ہوا کہ بلا پابندی کسی ایک مذہب کے جس بات کو قوی پاتے تھے، اسی پر فتوی دیتے تھے۔

جناب محمد ابراہیم میرؒ نے لکھا ہے کہ شاہ جیلانؒ فتوح الغیب میں فرماتے ہیں:

قرآن وحدیث کو اپنے پیش نظر رکھو اور ان کو غور وتامل کے ساتھ دیکھو۔اور کسی کے قول سے دھوکا نہ کھانا۔

غنیۃ الطالبین میں پیر صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

اہل بدعت کی کتنی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچان لئے جاتے ہیں۔ایک علامت ان کی اہلحدیث کی بدگوئی کرنا ہے۔

ہمیں پیر صاحبؒ کے قول سے کہیں نظر نہیں آتا کہ آپ نے رتبہ علم پر پہنچ کر کسی خاص امام کی تقلید کا اقرار کیا ہو۔ بلکہ آپ کی تصانیف میں خالص کتاب وسنت کی پیروی کی گئی عبارتیں پائی جاتی ہیں۔جن سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ آپ اہل حدیث تھے۔

آیئے دیکھیں کہ آیا شاہ جیلان، کتاب وسنت کی اتباع کے سوا کسی اور چیز کو بھی واجب الاتباع جانتے تھے؟

---

❶ بہجۃ الاسرار

آپؒ فتوح الغیب کا دوسرا مقالہ یوں شروع کرتے ہیں:

(اتبعوا ولاتبتدعوا واطیعوا ولاتمرقوا و وحدوا ولاتشرکوا) ❶

سنت کی پیروی کرو اور بدعتیں مت نکالو۔ خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور دین سے باہر مت ہو۔ توحید مانو شرک مت کرو۔

پیر صاحبؒ چھتیسویں مقالہ میں فرماتے ہیں:

(واجعل الکتاب والسّنّة امامك واعمل بها ولاتغتر بالقال والقیل والهوس، قال اللّٰه تعالی: ﴿وما آتاکم الرسول فخذوه ومانهاکم عنه فانتهوا واتقوا اللّٰه﴾ ولاتخالفوه فتترکوا العمل بما جاء به وتخترعوا لانفسکم عملاً وعبادةً کما قال اللّٰه تعالی فی حق قوم ضلوا عن سواء السّبیل: ﴿**ورهبانیة ن ابتدعوها ما کتبناها علیهم**﴾ ثمّ انّه قد زکی هو نبیه ونزهه من الباطل فقال: ﴿**وما ینطق عن الهوی ان هو الّا وحی یوحی**﴾ ای ما اتٰکم به فهو من عندی لا من هواه ونفسه فاتّبعوه ثمّ قال: ﴿**قل ان کنتم تحبّون اللّٰه فاتّبعونی یحببکم اللّٰه**﴾ فبین ان طریق المحبة اتباعه قولاً وفعلاً) ❷

قرآن وحدیث کو اپنا امام بنالے اور انہی پر عمل کیا کر۔ اور کسی کے کہے سے دھوکہ مت کھائیو۔ اللہ تعالی نے فرمادیا ہے جو تم کو رسول دے، وہ لے لو اور جس سے ہٹائے ہٹے رہو۔ اللہ سے ڈرو اور اس کی مخالفت نہ کرو کہ جو کچھ تم کو اس نے دیا ہے اسے تو چھوڑ دو اور نئی بدعتیں ایجاد کرنے لگو جیسے اللہ تعالی نے ایک گمراہ قوم کے حق میں فرمایا کہ انہوں نے رہبانیت نکالی ہم نے ان کو حکم نہ دیا تھا۔ پھر اللہ تعالی نے اپنے نبی کو پاک کرنے میں فرمایا کہ میرا رسول ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتا ہے۔ یعنی جو کچھ تمہیں دیتا ہے وہ میرے پاس سے ہے نہ اس کی اپنی خواہش نفسانی سے۔ پس تم اس کی پیروی کرو۔ پھر فرمایا تو اے نبی کہہ دے اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا تم سے محبت کرے گا۔ بتادیا کہ محبت کی راہ اتباع ہے قول میں اور عمل میں۔

---

❶ مقالہ ثانیہ ص ۱۱ ❷ مقالہ ۳۶ ص ۱۶۷۔۱۶۹

غنیۃ الطالبین میں پیر صاحبؒ فرماتے ہیں:

(فالمريد من كانت فيه هذه الجملة واتصف هذه الصفة فهو ابداً مقبل على الله عزوجل واطاعته مئول من غيره واجابه يسمع من ربه عزوجل فيعمل بما فى الكتاب والسنة) ❶

مرید وہ ہے جس میں یہ سب صفات ہوں اور اس صفت سے موصوف ہو۔ پس وہ ہمیشہ اللہ کی طرف راغب اور غیر کی طرف سے معرض ہوگا۔ خدا کی سنے گا۔ قرآن اور سنت پر عمل کرے گا اور اس کے سوا باقی سے کان بند کرے گا۔

اگر کہا جائے کہ بعض مصنفین نے سید عبد القادرؒ جیلانی کو حنبلی لکھا ہے۔ تو اول اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے شاہ جیلانؒ کے اپنے قول سے نہیں لکھا۔ دیگر یہ کہ بعض اصحاب حدیث کو لوگوں نے کثرت موافقت کے سبب بعض آئمہ کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ وہ ان کے مقلد نہیں تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

(وكان صاحب الحديث قد ينسب الى احد المذاهب لكثرة موافقته له كالنّسائى والبيهقى ينسبان الى الشّافعى) ❷

اہل حدیث بھی کبھی کسی مذہب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں بوجہ کثرت موافقت کے جیسے کہ نسائی اور بیہقی امام شافعی کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں۔

اس لئے ہوسکتا ہے کہ سید عبد القادرؒ کو بھی کسی نے کثرت موافقت کے سبب حنبلی کہہ دیا ہو۔ ورنہ تقلید سے ان کی شان بہت بلند ہے۔

وہ اپنی تصانیف میں عام طور سے حدیث سے سند پکڑتے ہیں اور محض امام احمدؒ کے قول کو بطور دلیل نہیں لاتے جبکہ مقلد کی دلیل اس کے امام کا قول ہے جیسا کہ کتب اصول میں مصرح ہے۔

---

❶ غنیۃ الطالبین، مترجم فارسی ص ۹۷۵

❷ حجۃ اللہ مصری، جلد اول ص ۱۵۲

سید عبد القادرؒ کی تصانیف میں کئی مسائل ایسے ہیں جن میں حدیث کی موافقت میں آپ نے امام احمدؒ کے قول کو اختیار نہیں کیا اور یہی ترک تقلید ہے۔ مثلاً امام احمدؒ سورۃ فاتحہ کو نماز میں فرض قرار نہیں دیتے ❶ لیکن شاہ جیلانؒ فاتحہ کو نماز کا رکن کہتے ہیں۔ ❷

جس طرح فروع میں چار مذاہب حنفی شافعی مالکی اور حنبلی ہیں اسی طرح اصول (عقائد) میں تین مسلک ہیں اشعریہ، ماتریدیہ، اور حنابلہ۔

امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ اور سید عبد القادرؒ جیلانی بلحاظ اصول، حنبلی تھے نہ کہ بلحاظ فروع کہ ان کو مقلد بمعنی معروف کہا جائے۔ چوں کہ لفظ حنبلی دونوں (اصول وفروع) میں یکساں تھا اس لئے ان حضرات کے اسماء گرامی کے ساتھ حنبلی لکھا ہونے سے کسی نے ان کو حنبلی بلحاظ فروع سمجھ لیا ہو تو یہ اس کی اپنی سمجھ ہے جو درست نہیں۔ ورنہ ان بزرگوں کی تصانیف تقلید شخصی کے خلاف شہادت دیتی ہیں۔ اور یہ بات کئی ایک علماء کے حالات میں ملتی ہے کہ وہ ازروئے اصول کسی ایک مذہب کے پیرو تھے اور ازروئے فروع کسی دوسرے کے۔ مثلاً زمخشریؒ کہ رئیس المعتزلہ کہے جاتے ہیں اور باوجود اس کے حنفی بھی تھے، تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ازروئے فروع حنفی تھے اور علامہ تلمسانیؒ کہ یہ بھی ازروئے فروع حنفی تھے اور ازروئے اصول حنبلی تھے ❸ اور قاضی ابوحسین سمنانیؒ کہ فروع میں حنفی تھے اور اصول میں اشعری۔ ❹

پس اس طرح سید عبد القادرؒ جیلانی فروع میں اہل حدیث تھے اور اصول میں حنبلی۔ ❺



---

❶ ترمذی باب ماجاء فی ترک القرأۃ خلف الامام اذا جھر

❷ غنیۃ الطالبین مترجم فارسی ص ۴

❸ ابجد العلوم

❹ تاریخ کامل۔ واقعات ۴۶۶ھ

❺ تاریخ اہل حدیث۔ میر۔ ص۔ ۱۵۰۔ ۱۵۴

شاہ ولی اللہ کا طریق فکر

شاہ ولی اللہؒ نے توافق رائے اور اتحاد اجتہاد کے سبب اہل حدیث اور اہل اجتہاد کا حنفی، شافعی کہلانا اور طبقات حنفیہ وشافعیہ میں شمار کیا جانا اور اسی وجہ سے امام بخاریؒ، بیہقیؒ، نسائیؒ وغیرہ کا شافعی مشہور ہونا عمدہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں:

(باب حکایة حال الناس قبل المأة الرابعة و بعدها:

اعلم ان النّاس کانوا قبل المأة الرابعة غیر مجتمعین علی التقلید الخالص لمذهب واحد بعینه ـ قال ابو طالب المکی فی قوة القلوب: انّ الکتب والمجموعات محدثة والقول بمقالات النّاس والفتیا بمذهب الواحد من الناس واتخاذ قوله والحکایة له من کل شیء والتفقه علی مذهبه لم یکن النّاس قدیماً علی ذالك فی القرنین الاول والثانی ـ انتهی ـ

اقول: وبعد القرنین حدث فیهم شیء من التخریج غیر ان اهل المأة الرّابعة لم یکونوا مجتمعین علی التّقلید الخالص علی مذهب واحد والتفقه له والحکایة لقوله کما یظهر من التتبع بل کان فیهم العلماء والعامة ـ وکان من خبر العامة انهم کانوا فی المسائل الاجماعیة التی لا اختلاف فیما بین المسلمین او جمهور المجتهدین لا یقلدون الّا صاحب الشّرع وکانوا یتعلمون صفة الوضوء والغسل والصلوة والزکوة ونحو ذالك من آبائهم ومعلمی بلدانهم فیمشون حسب ذالك واذا وقعت لهم واقعة استفتوا فیها ای مفتی وجدوا من غیر تعیین مذهب وکان من خبر الخاصة انه کان اهل الحدیث منهم یشتغلون بالحدیث فیخلص الیهم من احادیث النّبیّ ﷺ وآثار

الصّحابة مالایحتاجون معه الی شیء آخر فی المسئلة من حدیث مستفیض او صحیح قد عمل به بعض الفقهاء ولا عذر لتارك العمل به او اقوال متظاهرة لجمهور الصحابة والتّابعین ممّا لایحسن مخالفتها فان لم یجد فی المسئلة مایطمئن به قلبه لیعارض النقل وعدم وضوح الترجیح ونحو ذالك بسبع الی کلام بعض من مضی من الفقهاء فان وجد قولین اختار اوثقهما سواء کان من اهل المدینة او من اهل الکوفة ۔

وکان اهل التخریج منهم یخرجون فیما لایجدونه مصرحاً ویجتهدون فی المذهب وکان هؤلاء ینسبون الی مذهب اصحابهم فیقال فلان شافعی و فلان حنفی وکان صاحب الحدیث ایضاً قدینسب الی احد المذاهب لکثرة موافقته به کالنسائی والبیهقی ینسبان الی الشافعی فکان لایتولی القضا والافتاء الامجتهد ولایسمی الفقیه الامجتهدا ثم بعد هذه القرون کان ناس آخرون ذهبوا یمیناً وشمالاً وحدث فیهم امور ۔) [1]

اس مقام کی مکمل بحث کا اردو ترجمہ ایک حنفی عالم نے یوں کیا ہے:

معلوم کرنا چاہیے کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ کسی خالص ایک مذہب معین پر متفق نہ تھے ۔قوت القلوب میں ابو طالب مکی نے بیان کیا ہے کہ یہ کتابیں اور مجموعے نئی چیزیں ہیں۔ قرن اول اور دوم میں پہلے لوگ اور لوگوں کے قائل نہ تھے ۔کسی مذہب معین کے مطابق فتوی دینے کا طریقہ معین نہ تھا۔ خاص کسی شخص کا قول اختیار نہ کیا جایا کرتا تھا۔ ہر ایک قسم کے امر میں اسی کے قول کو نقل نہیں کیا کرتے تھے ۔اس کے مذہب پر فقہ کی بنیاد قائم نہیں ہوتی تھی ۔انتہی ۔

میں کہتا ہوں کہ دونوں قرنوں کے بعد کسی قدر تخریج کا طریقہ پیدا ہو گیا۔ تاہم چوتھی صدی کے لوگ مذہب معین کی تقلید پر متفق نہ تھے ۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ

کسی ایک مذہب کے فقہ کی پابندی نہ تھی کہ اسی کا قول نقل کیا جائے جیسے کہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ اس زمانہ میں دو قسم کے لوگ تھے۔علماء اور عامی۔

عوام کی یہ حالت تھی کہ اتفاقی مسائل میں جو مسلمانوں اور جمہور مجتہدین میں مختلف فیہ تھے وہ صرف صاحب شرع ہی کی تقلید کرتے تھے۔ وضو، غسل ،نماز، زکوۃ کا طریقہ وہ اپنے باپ دادوں یا اپنے شہروں کے علماء سے سیکھ لیا کرتے تھے۔اسی روش پر وہ چلتے تھے۔اور جو کوئی نیا واقعہ پیش آتا تو جو کوئی مفتی مل گیا، اس سے مسئلہ دریافت کرلیا۔کسی مذہب معین کی تخصیص نہ تھی۔

خاص درجہ کے لوگوں کی یہ حالت تھی کہ ان میں سے محدثین علم حدیث میں مصروف تھے۔ان کے پاس احادیث نبوی اور آثار صحابہ میں ضروری حدیثیں موجود تھیں کہ مسئلہ میں اور کسی چیز کی ان کو حاجت نہ تھی۔اور وہ حدیثیں مستفیض یا صحیح قسم کی جمع تھیں۔جن پر فقہاء عمل کر چکے تھے۔جو ان پر عمل نہ کرے وہ قابل عذر نہیں ہے۔اور نیز ان کے پاس ایک مجموعہ ان قولوں کا تھا جو جمہور صحابہ اور تابعین سے ایسے مؤید تھے کہ ان کی مخالفت نازیبا نہ تھی۔ ❶ اگر تعارض نقل یا وجہ ترجیح ظاہر نہ ہونے وغیرہ سے مسئلوں میں ان کا دل مطمئن نہیں ہوتا تھا تو گزشتہ فقہاء میں سے کسی کے قول کی طرف رجوع کرلیا کرتے تھے۔اور اگر فقہاء کے دو قول اس مسئلہ میں ان کو ملتے تھے تو ان میں سے جو زیادہ قابل اعتماد ہوتا اس کو اختیار کرلیا کرتے تھے خواہ وہ فقیہ اہل مدینہ سے ہو یا اہل کوفہ سے اور ایک فرقہ ان خاص لوگوں میں اصحاب التخریج کا تھا۔جس مسئلہ کو وہ مصرح نہ پاتے اس میں وہ تخریج کرتے تھے۔اور مذہب میں اجتہاد کیا کرتے تھے۔اور یہ لوگ اپنے اصحاب کے مذاہب کی طرف منسوب ہوا کرتے تھے یوں کہا جاتا تھا کہ فلاں شخص شافعی ہے اور فلاں حنفی۔اور اہل حدیث بھی جس مذہب سے زیادہ موافق ہوا کرتے تھے،کبھی کبھی اس مذہب سے منسوب ہوتے تھے جیسے کہ نسائی رحمہ اللہ اور بیہقی رحمہ اللہ ، امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہوتے تھے۔اور نہ بجز مجتہد کے کسی کو قضا اور فتوی کی خدمت ملتی تھی۔اور صرف مجتہد ہی کو فقیہ کہتے تھے۔ان قرنوں کے بعد لوگ دائیں بائیں آوارہ ہو گئے اور چند امور ان میں بالکل نئے پیدا ہو گئے۔

---

❶ یہاں ترجمہ غلط ہے۔نازیبا کی بجائے ،زیبا ہونا چاہیے۔بہاء الدین

ا۔علم فقہ کے متعلق ان میں نزاع اور اختلاف پیدا ہو گیا۔اس کی تفصیل جیسے کہ غزالی نے بیان کی ہے، یہ ہے کہ جب خلفاء راشدین کا زمانہ گزر گیا اور خلافت ان لوگوں کو مل گئی جو اس کے قابل اور مستحق نہ تھے اور فتووں اور احکام دین کا مستقل علم ان کو نہ تھا، اس واسطے ان کو ضرورت ہوئی کہ فقہاء سے مدد لیں اور ہر حال میں ان کو اپنے ساتھ رکھیں۔اس زمانہ میں ایسے علماء باقی تھے جن کی روش قدیمی تھی وہ ہمیشہ صاف دین کے پابند تھے۔اس لئے جب وہ حریم خلافت میں طلب کئے جاتے تھے تو اس سے گریز کرتے تھے۔اور خلفاء کی صحبت سے اعراض کرتے تھے۔تب اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھا کہ علماء کی بڑی عزت ہے، یہ لوگ سلاطین سے اعراض کرتے ہیں اور وہ ان پر ٹوٹے پڑتے ہیں تو ان لوگوں نے اعزاز و مرتبہ حاصل کرنے کی آرزو میں نہایت شوق سے طلب علم کی طرف توجہ کی اور فقہاء مطلوب ہونے کے بعد طالب ہو گئے اور پہلے جیسے سلاطین کی (طرف) بے التفاتی کی وجہ سے معزز تھے ویسے ہی اب ذلیل ہو گئے سلاطین کی طرف توجہ کرنے سے الّا من وفقہ اللّٰہ ان لوگوں سے پہلے لوگ علم کلام میں کتابیں تصنیف کر چکے تھے، اس فن میں بہت قیل وقال ہو چکی تھی، اعتراضات وجوابات مقابلہ اور جدل کا طریقہ ممہد ہو چکا تھا۔

اب افسروں اور سلاطین کی طبیعتیں فقہ میں مناظرہ کی جانب مائل ہوئیں اور مذہب شافعی اور ابو حنیفہؒ کے مذاہب کی اولویت ظاہر ہونے کی خواہشیں ان میں پیدا ہو گئیں۔اس لئے اس علم کلام کی ترتیب ان علماء کے لئے باموقع ہو گئی۔لوگ علم کلام اور علمی فنون کو چھوڑ کر خاصۃً امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے خلافی مسائل کی طرف متوجہ ہو گئے اور جو اختلافات باہم امام مالکؒ اور سفیانؒ اور احمد بن حنبلؒ وغیرھم کے تھے ان کا بخوبی اہتمام نہیں کیا اور یہ لوگ سمجھے کہ اس تفتیش سے ہماری غرض شرع کے دقیق مسائل کا مستنبط کرنا اور مذاہب کی علتوں اور وجوہ کا بیان کرنا اور اصول وفنون کی تمہید ہے۔

ان اختلافات میں تصانیف اور استنباطات بکثرت ہو گئیں۔اور رنگ برنگ مجادلوں اور تصانیف کو انہوں نے مرتب کیا اور اب تک (یعنی غزالی کے وقت تک) برابر وہ اسی حالت میں مصروف ہیں ہم نہیں جانتے کہ آئندہ زمانوں میں ان کے لئے خدا تعالیٰ نے کیا مقدر کیا ہے۔انتھی حاصلہ

جیسے یہ خرابی لوگوں میں پیدا ہوگئی تھی ، ایسے ہی یہ خرابی بھی پیدا ہوگئی کہ ان کو تقلید کا پورا اطمینان ہو گیا اور آہستہ آہستہ تقلید ان کے سینوں میں سرایت کرتی گئی اور ان کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ اثر کیوں کر پھیلتا جاتا ہے ۔ اس تقلید کی پختگی کا ایک سبب تو یہ تھا کہ فقہاء میں باہم مزاحمت اور مجادلہ ہونے لگا ۔ لوگ فتووں میں روک ٹوک کرنے لگے ۔ جو شخص فتوی دیتا تھا فوراً اس کے فتوی پر اعتراضات کئے جانے لگے ۔ اس کا رد کیا جاتا تھا ۔ انجام کار سخن کا سلسلہ متقدمین میں سے کسی شخص کے مصرح قول پر ختم ہوتا تھا ۔

دوسرا سبب حکام اور قضاۃ کا جور و تعدی بھی تقلید کا باعث ہوا ۔ اکثر حکام کی طبیعت میں جور ہو گیا تھا ۔ ان میں تدین اور امانت کی صفت مفقود تھی ۔ ان کے فیصلے جب ہی مقبول سمجھے جاتے تھے کہ عام لوگوں کو ان میں اشتباہ باقی نہ رہے اور اس کا قول کسی شخص سابق کے مطابق ہو ۔

تیسرا سبب سرتاج لوگوں کی جہالت اور بے علموں سے فتوی لینا تقلید کا باعث ہوا ۔ یہ مفتی علم حدیث اور تخریج کے طریقے سے ناواقف ہوتے تھے ۔ جیسے کہ اکثر متاخرین کی ظاہرا حالت ایسے ہی تم دیکھتے ہو ۔ ابن ہمام وغیرہ نے اس پر تنبیہ کی ہے ۔ اس زمانہ میں فقیہ ان لوگوں کا نام تھا جو مجتہد کے پایہ کے نہ تھے ۔

چوتھی وجہ تقلید کی یہ ہوئی کہ اکثر لوگوں نے ہر فن میں عمیق باتوں کی جانب زیادہ توجہ کی ، بعض نے خیال کیا کہ ہم علم اسماء الرجال کی بنیاد مستحکم کر رہے ہیں ، جرح اور تعدیل کے مرتبوں کو معلوم کرتے ہیں ۔ اس کے بعد انہوں نے قدیم اور جدید تاریخ کی طرف توجہ کی ۔ بعضوں نے نادر نادر خبروں اور غرائب آثار میں تفحص کیا ۔ اگرچہ وہ خبریں موضوع کے درجہ کی تھیں ۔ کسی نے اصول فقہ کے متعلق زیادہ گفتگو کی ۔

ہر ایک شخص نے اپنے اپنے اصحاب کے مناظرہ کے اصول مستنبط کئے اور انتہائی درجہ تک اعتراضات کی بھرمار کی اور ان کے جواب دے دے کر گلو خلاصی کی ۔ ہر ایک امر کی تعریفات اور تقسیم کا اہتمام کیا ۔ کبھی طول کلام کیا کبھی اختصار کیا ۔ بعض نے اس میں یہ روش اختیار کی کہ مسائل کی وہ مستبعد صورتیں فرض کیں جو اس قابل تھیں کہ کوئی عاقل ان کے درپے نہ ہوتا ۔ مخرجین اور ان سے ادنی درجہ کے لوگوں کے کلام سے ایسے عمومات اور ایماءات کی

تفتیش کی کہ جن کا سننا عالم بلکہ جاہل کو بھی گوارا اور پسند نہیں ہوا کرتا۔ اس جدل ومخالفت اور تعمق کا ضرر اور فتنہ اس فتنہ اولی کے قریب قریب تھا جب لوگوں نے ملک کے متعلق فساد اور جھگڑے برپا کر دیے تھے۔

ہر شخص نے اپنے ہمراہی کی امداد کی تھی جیسے ان فسادوں کا یہ انجام ہوا کہ آخر کو گزندہ حکومت قائم ہوگئی اور نہایت کورو تاریک واقعات پیش آئے۔ ایسے ہی ان اختلافات نے جہالت اور اختلاط اور شکوک واوہام کو ہر جانب پھیلا دیا۔ اسلئے ان قرنوں کے بعد صرف خالص تقلید شائع ہوگئی۔ حق و باطل اور مخاصمت اور استنباط میں کچھ تمیز نہ رہی۔ فقیہ اس زمانہ میں اس شخص کا نام ہوگیا جو بے احتیاطی سے زیادہ بک بک کرے۔

فقہاء کے قوی وضعیف اقوال بلا تمیز محفوظ کرے اور منہ زوری سے ان کو بیان کرتا جائے۔ اور محدث اس شخص کا نام ہوگیا جو صحیح سقیم حدیثیں شمار کرے اور قصہ گوئیوں کی طرح ان کو بے سمجھے بوجھے بیان کرتا جائے۔ میں کلیۃً یہ بیان نہیں کرتا ہوں۔ اس لئے کہ بندگان الٰہی میں ایسی جماعت ہمیشہ ہوا کرتی ہے جس کو کوئی رسوا کرنے والا مضرت نہیں پہنچا سکتا۔ و ھم حجّة اللّٰه فی ارضه۔ اگرچہ ان کی تعداد کم ہی ہو۔

اب جو زمانہ آتا گیا اس میں فتنہ اور تقلید کی زیادتی ہی ہوتی گئی اور لوگوں کے دلوں سے دم بدم دین دور ہوتا گیا حتی کہ امور دین میں غور وخوض کرنا انہوں نے ترک کر دیا اور وہ مطمئن ہوگئے اور کہنے لگے

﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ﴾

''ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک جماعت پر متفق پایا ہے ہم ان ہی کے نشانوں کے پیرو ہیں۔''

و الی اللّٰه المشتکی و هو المستعا ن و به الثقة و علیه التکلا ن [1]

ایک حنفی اہل علم کی ترجمہ شدہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی یہ تحریر ان لوگوں کے لئے سرمہء چشم ہے جو اپنے آپ کو فکر ولی اللہ کے وارث سمجھتے ہیں۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ مترجم اردو محمد عبدالحق حقانی ص ۲۷۴۔۲۷۷

○ ایک دوسرے مقام پر شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

بعض صحیح احادیث ان علماء تابعین کو نہ پہنچی تھیں جن پر فتوی کا مدار تھا۔ اسلئے ان کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑا۔ عام الفاظ کا انہوں نے لحاظ کیا اور گزشتہ صحابہ کی انہوں نے پیروی کی، اسی کے موافق انہوں نے فتوی دیا۔ لیکن تیسرے طبقہ میں ان احادیث کی شہرت ہوگئی اور انہوں نے یہ گمان کر کے کہ یہ احادیث ان کے علمائے شہر کے عمل اور متفق علیہ طریقوں کے مخالف ہیں ان احادیث پر عمل نہ کیا اس کی وجہ سے یہ احادیث مورد طعن ہوگئیں اور اس کی وجہ سے وہ قابل السقوط ہوگئیں، یا تیسرے طبقے میں ان احادیث کو شہرت نہ ہوئی تھی لیکن محدثین نے احادیث کے تمام طرق روایت کو خوب غور سے دیکھا اور اطراف ملک میں سفر کر کے علمائے حدیث سے ان کی تفتیش کی گئی تو اکثر ایسی احادیث ظاہر ہوتی گئیں کہ صحابہ میں سے صرف ایک یا دو شخصوں نے روایت کی تھی۔ اور ان صحابہ سے بھی صرف ایک دو راویوں نے ان کی روایت کی تھی۔ وھلمّ جراً

اس لئے اکثر فقہاء کی نظر سے مخفی رہیں۔ اور ان حفاظ حدیث کے وقت ان کی شہرت ہوئی جنہوں نے تمام طرق حدیث کو جمع کیا تھا۔ بہت سی احادیث مثلاً ایسی تھیں کہ بصرہ کے علماء ان کی روایت کرتے تھے اور باقی حصوں میں ان کی جانب سے غفلت تھی۔ اس وقت میں امام شافعیؒ نے اس کی توضیح کر دی کہ علمائے صحابہ تابعین ہر مسئلہ میں احادیث کے متلاشی رہے۔ جب کوئی حدیث ان کو نہ ملی تو انہوں نے کوئی اور استدلال اختیار کیا لیکن اس استدلال کے بعد جب ہی کوئی حدیث ظاہر ہوئی تو انہوں نے اپنے اجتہاد کو ترک کر دیا اور حدیث پر عمل کیا۔ جب ان کی ایسی حالت تھی تو حدیث پر عمل نہ کرنا حدیث کے لئے موجب قدح نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں قدح جب ہی ہوسکتا ہے کہ کوئی علت قادحہ بیان کی جائے۔ مثلاً حدیث قلتین صحیح حدیث ہے۔ مختلف سلاسل روایت سے اس کا ثبوت ہے ان سب میں بڑا سلسلہ اس کا یہ ہے جس کی سند ابوالولید بن کثیر پر منتہی ہوتی ہے۔ انہوں نے اس کو محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت کیا ہے اور ابن جعفر نے عبداللہ یا محمد بن عباد بن جعفر سے بروایت عبیداللہ بن عبد اللہ اور ان دونوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے اور اس کے بعد طرق روایت متعدد ہوگئے اور یہ دونوں راوی اگرچہ ثقہ ہیں لیکن وہ مسائل میں مرجع اور معتمد علیہ نہ تھے، اس لئے یہ حدیث سعید بن مسیّب کے عہد میں اور نہ امام زہریؒ کے عہد میں مشتہر ہوئی۔ اسی واسطے

مالکیہ اور حنفیہ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ لیکن امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا۔ ❶

اپنے رسالہ انصاف فی بیان اسباب الاختلاف میں فقیہ ابن زیاد شافعی سے امام بلقینیؒ کا مجتہد منتسب ہونا نقل کر کے شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے:

(قال بعد ذکر البلقینی وغیرہ من المجتھدین المطلقین المنتسبین، ومعنی انتسابه الی الشافعی انه جری علی طریقته فی الاجتھاد واستقراء الادلة و ترتیب بعضھا علی بعض و وافق اجتھاده واجتھاده واذا خالف احیاناً لم یبال بالمخالفة ولم یخرج عن طریقته الّا فی مسائل وذالك لا یقدح فی دخوله و فی مذھب الشافعی ومن ھذا القبیل محمد بن اسماعیل البخاری فانّه معدود فی طبقات الشافعیة وممن ذکرہ فی طبقات الشافعیة تاج الدین السبکی وقال انّه تفقه بالحمیدی وتفقه الحمیدی بالشافعی واستدل شیخنا العلامة علی ادخال البخاری فی الشافعیة بذکرہ فی طبقاتھم فی کلام النووی شاھداً له) ❷

کہ مذہب شافعی کی طرف ان کا منسوب ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ طریق اجتہاد اور ظاہر و ترتیب دلائل میں ان کا اجتہاد امام شافعیؒ کے اجتہاد کے موافق ہو گیا تھا۔ کبھی مخالف بھی ہوتا تو اس کی وہ پرواہ نہ کرتے اور اس مخالفت کے سبب وہ امام شافعی کے طریق سے خارج نہ سمجھے جاتے۔ ایسے ہی محمد بن اسماعیل بخاریؒ تھے، جن کو سبکیؒ نے طبقات شافعیہ میں شمار کیا ہے۔ اور اس سے ہمارے استاد نے امام بخاریؒ کا شافعی ہونا ثابت کیا ہے اور امام نوویؒ کا کلام بھی اس پر شاہد ہے۔

اس کے بعد جناب شاہ صاحبؒ نے کتاب انوار سے نقل کیا ہے:

(ومن شواھد ماذکرنا ایضاً مافی کتاب الانوار حیث قال والمنتسبون الی مذھب الشّافعی وابی حنیفة ومالك واحمد اصناف ۔

احدھما العوام وتقلیدھم الشافعی متفرع علی تقلید المیت ۔

---

❶ حجۃ اللہ البالغہ مترجم، عبدالحق حقانی۔ص ۲۶۴۔۲۶۵

❷ انصاف نقلاً عن فتاوی الفقیہ بن زیاد مختصراً

والثانی البالغون الی رتبة الاجتهاد والمجتهد لایقلد مجتهداً وانّما ینسبون الیه لجریهم علی طریقته فی الاجتهاد واستعمال الادلة۔ وتیب بعضها علی بعض۔ والثالث المتوسطون وهم الّذین لم یبلغوا رتبة الاجتهاد لکنهم وقفوا علی اصول الامام وتمکنوا من قیاس ما لم یجدوه منصوصاً علی مانص علیه وهؤلاء مقلدون له) ❶

''کہ شافعی و حنفی و مالکی و حنبلی کہلانے والے لوگ کئی قسم ہیں۔ اول عام لوگ، ان کا شافعی وغیرہ کہلانا مسئلہ تقلید میت کی فرع ہے۔ ❷ قسم دوم وہ لوگ جو رتبہ اجتہاد کو پہنچ چکے ہیں۔ وہ لوگ امام شافعی وغیرہ کے مقلد نہیں کیونکہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا مقلد نہیں ہوتا۔ ان کا شافعی حنفی کہلانا صرف اس لئے ہے کہ وہ طریق اجتہاد اور ترتیب واستعمال دلائل میں ان کی چال چلتے ہیں۔ قسم سوم ان دونوں قسم کے بیچ کے لوگ ہیں۔ یہ وہ ہیں جو نہ محض عامی ہیں نہ رتبہ اجتہاد کو پہنچے ہیں ولیکن وہ اصول امام سے واقف ہیں اور امام کے اقوال سے وہ باتیں نکال سکتے ہیں جو امام نے نہ کہی ہوں یہ لوگ امام کے مقلد ہیں (یعنی گو مجتهد فی المذهب کہلاتے ہیں)''

اس کے بعد آپ نے مجتہد اقسام ثلاثہ (مجتہد مستقل، مجتہد منتسب، مجتہد فی المذہب) بیان کئے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد منتسب (منسوب بمذہب غیر) اس مذہب کا مقلد نہیں ہوتا جس مذہب کی طرف وہ منسوب ہوتا ہے۔

(قال رحمه الله تعالی اعلم ان هذا المجتهد قدیکون مستقلاً وقدیکون منتسباً الی المستقل والمستقل من ...... عن سائرالمجتهدین بثلاث۔

---

❶ الانصاف

❷ جس کو بعض جائز کہتے ہیں بعض ناجائز۔ پھر جائز کہنے والے عوام کو برائے نام مقلد امام مانتے ہیں اور درحقیقت ان کو علماء وقت کا مقلد سمجھتے ہیں۔

احدها ان یتصرف فی الاصول والقواعد التی یستنبط منها الفقه۔

وثانیها ان یجمع الاحادیث والآثار فیحصل احکامها ویتنبه مأخذ الفقه منها ویجمع مختلفاتها ویرجح بعضها علی بعض ویعین بعض محتملاتها۔

وثالثها ان یفرع التّفاریع الّتی نرد علیه ممالم یسبق بالجواب فیها من القرون المشهود لها بالخیر۔

والمجتهد المنتسب هو المقتدی المسلم له فی الخصلة الاولی الجاری مجراه فی الخصلة الثانیة والمجتهد فی المذهب هو الذی سلم منه الاولی والثانیة وجری مجراه فی التفاریع علی منهاج تفاریعه) ❶

آپ فرماتے ہیں مجتہد مطلق کبھی خود مستقل ہوتا ہے کبھی منتسب۔

مجتہد مستقل دیگر مجتہدوں سے تین وصف میں ممتاز ہوتا ہے۔

اصول وقواعد بنانا جن کے ذریعہ سے کتاب وسنت سے احکام ومسائل کا استنباط ہوتا ہے۔

احادیث وآثار کو جمع کر کے ان کے مواضع استنباط احکام کو جاننا۔ اور متعارض احادیث کو تاویل کر کے یا ایک دوسرے پر ترجیح دے کر ان کو باہم متفق کرنا۔

نئے مسائل استنباط کرنا جو پہلے مجتہدوں نے استنباط نہ کئے ہوں۔

مجتہد منتسب پہلی وصف مجتہد مستقل کے لئے مسلم سمجھتا ہے اسی کے بنائے ہوئے قواعد ❷ تسلیم کر لیتا ہے۔ از خود نئے قواعد نہیں بناتا۔ اور دوسری وصف میں وہ مجتہد مستقل کا ہم سر ہوتا ہے۔ یعنی احادیث وآثار کو جمع کرتا ہے اور ان میں تطبیق و ترجیح وغیرہ عمل میں لا کر مواضع استنباط احکام کو جانتا ہے ❸ اور جو مجتہد مستقل کے لئے مسلم سمجھتا ہے صرف وصف سوم میں وہ اس کا ہم سر ہوتا ہے۔

---

❶ انصاف۔ مختصراً غایۃ الاختصار

❷ بنظر دلائل، نہ بتقلید محض۔

❸ وعلی ہذا القیاس وصف سوم میں وہ اس کا ہم سر ہوتا ہے۔

○ جناب محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

مجتہد منتسب، مجتہد مستقل کا مقلد نہیں ہوتا۔ صرف دلائل کی نظر سے اس کے اصول و قواعد کو تسلیم کرتا ہے اور اس کی رائے کو مجتہد مستقل کی رائے سے توافق ہو جاتا ہے تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ کہیں نہ کہیں اس کی رائے کو اس کی رائے سے تخالف بھی ہوگا اور کسی دوسرے مجتہد کی رائے سے توافق۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ کسی خاص مذہب یا مجتہد کی طرف کسی مجتہد منتسب کا منسوب ہونا اکثر مسائل میں توافق کی نظر سے ہے۔ بعض مسائل کی نظر سے اس کو دوسرے مذہب یا مجتہد کی طرف جس سے ان مسائل میں اس کو توافق ہو، منسوب کرنا بھی صحیح ہے، اور ایک مجتہد منتسب کو حنفی شافعی مالکی حنبلی سب کچھ کہنا جائز ہے۔ اور مجتہد منتسب خود تو صرف دلیل کا پیرو ہوتا ہے خواہ کسی کے پاس ملے، نہ کسی خاص مجتہد یا مذہب کا، لیکن اہل مذہب اس کو اپنے مذہب کا پیرو سمجھتے ہیں۔ اور اپنے طبقات میں داخل کر لیتے ہیں اسی خیال سے امام بخاری رحمہ اللہ ونسائی رحمہ اللہ وغیرہ شافعی بنائے گئے ہیں۔ حقیقت میں وہ امام شافعی رحمہ اللہ کے پیرو پابند و مقلد نہ تھے۔

ان دونوں قسم کے شواہد سے امید ہے کہ ناظرین منصفین کو یقین ہوگا کہ اہلحدیث سلف کے حنفی شافعی کہلانے سے ان کا مقلد مذہب حنفی یا شافعی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور ہمارا دعوی دوم ثابت ہوا۔ جیسا کہ شواہد دعوی اول سے دعوی اول ثابت ہو چکا ہے۔ و اللّٰہ الموفق والمعین ❶



---

❶ ماہنامہ اشاعۃ السنہ۔ جلد ۸۔ ص ۲۹۶ سے ۳۳۱

سواد اعظم

بحث وجدال کے حلقوں میں اہل حدیث کے مخالفین انہیں من شذّ شذّ فی النار سے ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل سنت کے مذاہب اربعہ پر عمومی طور پر لوگوں کے جم جانے کے بعد مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی پیروی نہ کرنے والا سواد اعظم سے نکل جاتا ہے اور حدیث میں موجود وعید کا مصداق بن جاتا ہے۔ جناب برکت علی عرف محی الدین احمد قصوریؒ نے یہ معاملہ ایک مرتبہ جناب ابوالکلام آزادؒ کے سامنے پیش کیا تھا جس کے جواب میں انہوں نے لکھا:

التزام جماعت اور علیکم بالسّواد الاعظم...... سے آپ غالباً سمجھتے ہیں کہ حکم ''التزام جماعت'' اور علیکم بالسّواد الاعظم کا تعلق مسلمانوں کے عقائد واعمال اور افکار و آراء سے ہے یعنی جب کبھی مسلمانوں کی کوئی بھیڑ کوئی رائے وعمل اختیار کر لے تو شرعاً ہر مسلمان پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرے۔ نہیں کرے گا تو من شذّ شذّ فی النار کی وعید کا مستوجب ہوگا اور اس کی موت میت جاھلیہ کی موت ہوگی، حالانکہ حاشا وکلا حکم التزام جماعت اور اتباع سواد اعظم کا یہ مطلب ہو۔ اگر ایک لمحے کے لئے یہ مطلب تسلیم کر لیا جائے تو حق و باطل اور سیاہ وسفید کا سارا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا اور اسلامی زندگی کے معنی صرف یہ رہ جائیں گے کہ جس جہل وضلالت پر سو آدمی متفق ہو جائیں ننانوے کو ان کی پیروی ضرور کرنی چاہیے۔ گویا اسلام کے نزدیک عقائد واعمال کی صحت کا معیار حقیقت نہیں، بلکہ مقدار کی محض اضافی ووقتی اکثریت ہے۔ کوئی راہ کتنی ہی جہل وضلالت کی راہ ہو، لیکن اگر دس نے قدم اٹھا دیا تو گیارھویں کیلئے بحکم التزام جماعت واتّبعوا سواد الاعظم اسکی پیروی لازم ہوگئی، نہیں کرے گا تو من شذّ شذّ فی النار۔

اس نافہمی میں وہ مدعیان علم مبتلا ہوئے تھے جو اس حدیث سے تقلید شخصی کے وجوب و التزام پر استدلال کرتے تھے اور اب بھی اگر میدان مناظرہ گرم ہو جائے تو ضرور کریں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ چوں کہ مسلمانوں کا سواد اعظم آئمہ اربعہ کی تقلید شخصی پر جم گیا ہے اور حق کو انہی مذاہب مدونہ اربعہ میں تسلیم کرتا ہے اس لئے اب کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں کہ تقلید شخصی کے التزام کی بجائے براہ راست کتاب وسنت پر تدبر کرے۔ کیونکہ ایسا کرے گا تو سواد اعظم سے تخلف کرے گا اور التزام جماعت سے باہر ہو جائے گا و من شذّ شذّ فی النار۔

انیسویں صدی کے اوائل میں جب مولانا اسماعیل شہیدؒ نے اتباع دین خالص کی دعوت بلند کی تھی تو ان کے مقابلے میں بھی پرستاران بدع ومحدثات نے...... یہی مطلب بنائے استدلال ٹھہرایا تھا اور اتبعوا سواد الاعظم کی بنا پر من شذّ شذّ فی النار کا فتوی دیا تھا چنانچہ جامع مسجد دہلی کے مباحثہ ۱۲۴۰ھ میں سب سے بڑی دلیل یہی پیش کی گئی تھی کہ جن عقائد و اعمال کو آج بدعت وضلالت ٹھہرایا جا رہا ہے یہ تمام تر وہی اعمال وعقائد ہیں جن پر مسلمانوں کے سواد اعظم کا اتفاق ہو گیا اور مسلمانوں کا کوئی شہر وقریہ نہیں جہاں یہ امور عمل میں نہ لائے جاتے ہوں پس ان کے استحسان میں شک کرنا اور انہیں بدع ومحدثات قرار دینا سبیل المومنین سے تخلف کرنا اور راہ شذوذ اختیار کرنا اور فارق جماعت ہونا ہے۔

شاہ اسماعیلؒ اور مولوی عبدالحیؒ...... کے زمانے میں ایک تحریر "تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی" کے نام سے دہلی میں شائع کی گئی تھی۔ مولوی صاحبؒ موصوف سے سائل پوچھتا ہے

ایں ہمہ اعمال کہ کافہ اہل اسلام مستحسن ومقبول دانستہ می کردند ومی کنند الآن درعقیدہ شما شرک وبدعت گردیدہ آیا این طریق جدید افساد فی الدین وشق عصائے مسلمین وشذوذ از جماعت واتباع سبیل غیر مومنین نیست؟ مگر کہ حکم التزام جماعت وحدیث مشہورہ اتبعوا سواد الاعظم از خاطر شریف بکلی محو ومتلاشی گشتہ۔

اس غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ حکم التزام جماعت کا محل ومورد ان لوگوں نے معلوم نہیں کیا اور کوتاہ نظری نے تحقیق ومطالعہ کی مہلت نہ دی۔ اگر ان لوگوں نے کم از کم صحائف سنت کے تراجم ابواب ہی پر غور کر لیا ہوتا یا اس ایک حدیث کے ساتھ اس کی دوسری ہم معنی احادیث ہی دیکھ لی ہوتیں تو کبھی اس نافہمی میں مبتلا نہ ہوتے۔

دراصل ان تمام احکام کا تعلق امامت کبری کے معاملے سے ہے یعنی خلافت اسلامیہ کے معاملے سے نہ کہ عقائد وافکار اور اعمال و آراء سے۔ عرب کے جنوب وشمال میں اگرچہ حکومتوں کے بعض سلسلے قائم ہو چکے تھے لیکن وسطی عرب ہمیشہ خودرو اور مطلق العنان قائل کا جولاں گاہ رہا۔ ان کی بے قید طبائع پر اس سے زیادہ کوئی بات شاق نہ گزرتی تھی کہ کسی نظام حکومت سے وابستہ ہو کر رہیں۔ یا کسی امیر کے آگے سر اطاعت جھکا دیں اسلام کا ظہور ہوا تو اس کی روح جمہوریت کے ساتھ نظم واطاعت کا بھی قوام چاہتی تھی وہ اگر ایک طرف انفرادی آزادی کا محافظ تھا تو دوسری طرف نظم وامارت کا بھی مقوم تھا۔ پس ضروری ہوا کہ مسئلے کے اس پہلو پر زور دیا جاتا اور عرب کے بے قید طبائع میں یہ بات اتار دی جاتی کہ جب ایک امیر منتخب کر لیا گیا اور جماعت اس پر متفق ہوگئی تو پھر کسی مسلمان کو محض اپنی انفرادی رائے کی بنا پر تخلف نہیں کرنا چاہیے۔ بہرحال اس کا ساتھ دینا چاہیے اگر تخلف کرے گا تو جماعت میں تفرقہ ہو گا، فتنوں کی تولید ہوگی، نظام ملت درہم برہم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ فارق جماعت کی نسبت فرمایا اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ یعنی جاہلیت میں جماعت کا قوام نہ تھا۔ ایک طرح کی فوضویت (انارکی) کی حالت طاری تھی۔ اسلام آیا تو اس نے تمام قوم کو ایک رشتہ امارت میں منسلک کر دیا۔ اب اگر اس اطاعت کا ربقہ گردن سے نکالا جاتا ہے تو یہ اسی جاہلیت کی طرف عود کرتا ہے۔

چنانچہ جن احادیث میں التزام جماعت کا حکم دیا گیا ہے، ان کا منطوق اس بارے میں بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہے۔ تمام احادیث بالاتفاق اطاعت امیر کا حکم دیتی ہیں اور اسی سے تخلف کو تفرق عن الجماعت اور دعوت بدعوی جاهلیت قرار دیتی ہیں، مثلاً:

((من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات ميتة الجاهلية))

اور روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ:

((فانه ليس احد من الناس خرج من السلطان شبراً فمات عليه الا ميتةً جاهليةً))

نیز روایت مسند:

((من خرج من الجماعة قدر شبراً فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه الا ان یراجع و من دعا بدعوی جاهلية))

اگر حکم التزام جماعت کا مطلب یہی قرار دیا جائے کہ تمام عقائد وافکار اور اعمال و کردار میں مسلمانوں کو چاہیے کہ سواد اعظم کی پیروی کریں ورنہ من شذّ شذ فی النار کے مستوجب ہوں گے تو ظاہر ہے حق و باطل، سنت و بدعت اور اسلام و کفر کے تمام احکام وقواعد کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیا ایک لمحے کے لئے بھی کوئی ذی عقل اس کا یہ مطلب قرار دے سکتا ہے؟ پھر کیا حکم ہوگا ان سینکڑوں مبلغین اور دعاۃ حق کا جنہوں نے...... باوجود کثرت شیوع فتن واستیلاء بدع ومحدثات و غلبہ بطلان و فساد و غربت اصحاب حق و قلت مخلصین و صادقین، سواد اعظم کی گمراہیوں کا ساتھ نہیں دیا اور راہ حق وصواب پر قائم رہے؟ کیا یہ سب التزام جماعت سے باہر ہو گئے تھے؟ اور ان سب کی موت جاہلیت کی موت ہوئی؟

پھر اگر التزام جماعت اور اتباع سواد اعظم کا یہی مطلب ہے تو ان تمام اختلافات کا کیا حکم ہوگا، جس میں تنہا ایک فرد کی رائے ایک طرف اور جماعت کی رائے دوسری طرف تھی اور حق وصواب فرد کے ساتھ تھا، نہ کہ جماعت کے ساتھ۔ خود عہد صحابہ کے بیشمار واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں۔ جب مانعین زکوۃ کے قتال کا سوال اٹھا تو تمام مجمع صحابہ کی رائے ایک طرف تھی اور ابوبکرؓ کی ایک طرف، یعنی سواد اعظم قتال کا مخالف تھا...... پھر کیا یہ حکم لگایا جا سکتا ہے کہ ابوبکرؓ نے اتّبعوا سواد الاعظم کی مخالفت کی؟ حاشا وکلا۔

کیا حکم ہوگا ان افراد شواذ کا جنہوں نے مامون وواثق کے زمانے میں سواد اعظم کا ساتھ نہ دیا اور خلق قرآن کے مسئلے میں سب سے الگ رہے؟ آپ کو معلوم ہے سواد اعظم کے مقابلے میں امام احمد بن حنبلؒ نے کیا جواب دیا تھا؟

ایتونی شیئاً من کتاب اللّٰہ او سنّة رسوله

یعنی اس میدان میں معیار رد وقبول سواد اعظم نہیں بلکہ علم وبصیرت ہے۔

پھر اگر التزام جماعت کا یہی حکم ہے تو ان حدیثوں کا مطلب کیا ٹھہرا جائے گا، جن میں صاف صاف ایسے زمانوں کی خبر دی گئی ہے، جب مسلمانوں کے سواد اعظم کی راہ گمراہی کی راہ

ہو گی اور اصحاب حق قلیل واقل ہوں گے؟ غربت ثانیہ والی حدیث:

((بدء الاسلام غريباً و سيعود غريباً كما بدء فطوبى للغرباء)) ❶

تو کبھی نہ کبھی آپ کے کانوں میں پڑی ہو گی؟ اسی میں ہے:

قلنا وما الغرباء ؟ قال ((قوم صالحون، قليل في ناس سوء كثير، من يعصيهم كثير ممن يطيعهم))

''کہ صحابہ ؓ نے سوال کیا غرباء سے مقصود کون لوگ ہیں جن کیلئے طوبی للغرباء کی بشارت ہوئی؟ فرمایا صالح مسلمانوں کا ایک گروہ۔ برے لوگوں کی کثرت میں تھوڑے سے آدمی۔''

اب غور کر لیجئے وہ سواد اعظم والی بات کیا ہوئی؟ اس سے تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر وقت آئے گا جب حق سواد اعظم کے ساتھ نہ ہو گا بلکہ قوم صالحون قلیل فی ناس سوء کثیر کے ساتھ ہو گا۔ اسی طرح مسلم کی مشہور حدیث:

((لا تزال طائفة من امّتى ظاهرين على الحقّ لايضرّهم من خالفهم)) ❷

میں اصحاب حق کو طائفہ سے تعبیر فرمایا۔ یعنی سواد اعظم کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی ٹکڑی۔ اور اسی طرح شیخین کی مشہور حدیث میں خبر دی کہ جب مسلمانوں کا کوئی امام نہ رہے اور لوگ طرح طرح کی ٹولیوں میں بٹ جائیں تو

((فاعتزل تلك الفرق كلّها ولو ان تعض اصل شجرة)) ❸

''اگر درخت کے پتے چبا کر جینا پڑے جب بھی ان ٹولیوں کا ساتھ نہ دو۔ ان سب سے الگ ہو جاؤ۔''

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الاسلام بدا غریبا وسیعو دغریبا، رقم الحدیث: ۲۳۲۔۱۴۵

❷ صحیح مسلم، کتاب الجہاد، رقم الحدیث: ۱۷۰۔۱۹۲۰

❸ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، رقم الحدیث: ۳۶۰۶۔ صحیح مسلم، کتاب المغازی، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظہور الفتن، رقم الحدیث: ۵۱۔۱۸۴۷

اب کہیے سواد اعظم یہاں کہاں رہا؟

آج اگر مسلمانوں کی مردم شماری کی جائے تو شائد سو میں سے دو آدمی بھی ایسے نہیں نکلیں گے جو اپنے عقائد و اعمال میں دین خالص پر عمل پیرا ہوں۔ پس سواد اعظم کی راہ انحراف و بدعت کی ہوئی اور اتّبعوا السّواد الاعظم کا حکم اگر موجود ہے اور مطلب اس کا آپ کے نزدیک یہ ہے کہ جس طرف بھیڑ چلے وہی راہ چلو، تو نتیجہ یہ نکلا کہ کسی مسلمان کے لئے دین خالص کا اتباع جائز نہیں۔ لیجئے قصہ تمام ہوا۔ انّا للّٰہ و انّا الیہ را جعون

ابوالکلام ❶



---

❶ (تبرکات آزاد۔ محی الدین احمد قصوری)

ہندی وہابی

جناب سید احمد شہیدؒ ، حنفی المسلک تھے اور انکے کئی خلفاء ❶ کے بعد یکے بعد دیگرے ہونے والے ان کے کئی جانشین بھی حنفی المسلک تھے۔یعنی یہ سب حنفی وہابی تھے۔

سید احمد شہیدؒ کی جماعت مجاہدین میں جناب شاہ اسماعیل دہلویؒ کی وجہ سے کچھ لوگ عامل بالحدیث بھی تھے، لیکن ان کا تناسب احناف سے بہت کم تھا۔اس کا ایک ثبوت جناب مولوی سید نصیر الدینؒ داماد شاہ اسحاق دہلویؒ کی امارت کے زمانے میں سامنے آتا ہے۔اس کی تفصیل یوں ہے کہ ۱۸۳۵ء میں سید نصیر الدینؒ نے دہلی اور اس کے گردونواح میں تبلیغ کا کام کر کے مجاہدین کی ایک جماعت فراہم کر لی تو دہلی میں ان کو جماعت کا امیر مقرر کر دیا گیا اسکے بعد جناب نصیر الدینؒ نے اندرون ہند کئی جگہ اپنے نائب مقرر کئے ، اور کئی جگہ پرانے کارکنوں سے کام لیا اور جوش دلا کر انہیں دوبارہ جہاد کی سرگرمیوں میں مشغول کر دیا۔ پھر مجاہدین ہند کی ایک جماعت لے کر ذی الحج ۱۲۵۰ھ (اپریل ۱۸۳۵ء) کے مہینے میں مرکز مجاہدین سرحد کی طرف روانہ ہوئے اور شکار پور ہوتے ہوئے ۱۸۴۰ء کے شروع میں ستھانہ پہنچ گئے، جہاں اہل ستھانہ نے بھی آپ کو اپنا امیر منتخب کر لیا۔ چند ماہ بعد کسی نے دھوکہ سے انہیں زہر دے کر شہید کر دیا۔ ❷

سید نصیر الدینؒ نے جماعت مجاہدین کی تنظیم نو کے دوران سارے ہندوستان میں علماء و اکابرین کو تبلیغی و دعوتی خطوط لکھے، جنہیں اعلام نامے کہا جاتا ہے۔

---

❶ جناب عبدالحی بڈھانویؒ، شاہ محمد فصیحؒ وغیرہ) بھی حنفی تھے۔ان کی شہادت (۱۸۳۱ء)

❷ اسکے بعد سید عبدالرحیم امیر مقرر ہوئے جو جون ۱۸۴۱ء تک رہے۔ بالآخر وہاں عظیم آبادی خاندان کے جناب ولائت علیؒ نے تحریک کی زمام کار سنبھالی۔

ان اعلام ناموں کے مدعووین کی تعداد ایک سو سے زائد ہے اور ان کے نام جناب غلام رسول مہرؒ نے سرگزشت مجاہدین ❶ میں درج کر دیئے ہیں جو ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:

مولوی محمد سراج الدین اور دوسرے مخلص دین دار و ساکنان اجمیر مولوی خلیل الرحمٰن، انکے فرزند اور بھائی، مولوی بہادر علی، سید حمید الدین ❷ سید محمد یعقوب ❸ سید زین العابدین سید ابوالقاسم ❹ اور دوسرے دین دار ساکنان ٹونک۔ شاہ اسحاق، شاہ یعقوب، مولوی کرامت علی، مولوی محبوب علی، مولوی نصیر الدین، مولوی مظفر حسین، مولوی شیخ محمد، حاجی محمد، حاجی مزمل، مولوی حافظ محمد حسین، مولوی کرم اللہ، مولوی الٰہی بخش، مولوی جمال الدین، حافظ عبد الرحمٰن، مولوی محمد وزیر علی، منشی ایزد بخش، امیر الدین، امین الدین، حافظ عبدالرزاق، مولوی عبداللہ، مولوی علی محمد، مولوی خرم علی بلہوری، مولوی محمود علی، مولوی الٰہی بخش، سید اولاد حسن، مولوی بہاء الدین، مولوی عبدالخالق، مولوی امام علی، حافظ اکرام الدین، مولوی شاہ علی، مولوی عبداللہ خان علوی، بشارت خان، مولوی عبدالمجید، قاری احمد زمان، حافظ چھجو بیگ، حافظ احمد خان، عظیم اللہ خان، میرزا ایوب بیگ، میاں احمد، میاں نجابت علی، قاضی عبدالرحمٰن عرب سرائے والے، میاں غلام محی الدین، حافظ ولی محمد، میان رکن الدین، میاں الٰہی بخش آئینہ ساز، مولوی امداد علی، مولوی نذیر حسین۔ ❺ نیز دوسرے علماء طلبا اور صلحاء ساکنان دہلی۔ مولوی بزرگ علی ❻ مولوی عنائت احمد ❼ مولوی محمد متقی، داروغہ راحم۔ ساکنان میرٹھ۔

---

❶ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ ص ۱۶۴۔ ۱۶۶

❷ خواہر زادہ سید احمد شہید ❸ برادر زادہ سید احمد

❹ ابناء سید احمد علی خواہر زادہ سید احمد

❺ شیخ الکل میاں سید نذیر حسین مرحوم محدث دہلوی

❻ علی گڈھ کی جامع مسجد کے مدرسہ کے استاد معقول ومنقول کے بہت بڑے عالم تھے)

❼ عنائت احمد کاکوروی جنہوں نے شاہ اسحاق سے حدیث کی سند لی۔ پھر بزرگ علی سے فیض حاصل کیا اور انہیں کے مدرسے میں ملازم ہوگئے آخر کار آگرہ میں صدر اعلی بن گئے تھے۔ غدر کے سلسلے میں ان پر مقدمہ چلا اور حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا ملی وہیں انہوں نے تاریخ حبیب اللہ لکھی۔ قید سے رہا ہوکر آئے اور حج کو روانہ ہوئے راستے میں جہاز چٹان سے ٹکرا کر غرق ہوگیا اور سمندر کی نذر ہوئے تاریخ وفات ۷۔ اپریل ۱۸۶۳ء

مولوی وحید الدین، مولوی خدا بخش، مولوی تہور علی ❶ مولوی خیر الدین ❷ مولوی منیر الدین ساکنان پھلت نگینہ وغیرہ۔

مولوی رمضان علی، مولوی امانت علی، مولوی کریم اللہ، شیخ رحمان بخش، صوفی صاحب، شاہ غلام علی، میر ہدی، اور دوسرے اکابر ساکنان امروہہ۔ حافظ عبد الرحیم، میاں عثمان، میاں جی خلیفہ ساکنان مراد باد، حاجی صبغت اللہ، شیخ محمد حسین اور دوسرے دین دار ساکنان گڑھ مکتیشر۔ مولوی حیدر علی، مولوی نور الاسلام، اخوند غفران، اکبر علی خان، شاہ دل خان، حافظ احمد علی، مرتضی خان، اخوند امام الدین، قاری صاحب اور دوسرے ساکنان رامپور۔

میرزا حسن علی، ❸ مولوی محمود علی، مولوی مکارم خان، مولوی سخاوت علی (جون پوری) مولوی کرامت علی (جون پوری) ساکنان کان پور، فرخ آباد، باندہ، بریلی، قنوج، جون پور۔ مولوی احمد اللہ، مولوی رحمت اللہ، حافظ صدیق اور دوسرے علماء صلحاء بنارس۔ شیخ فرزند علی، مولوی محمد فصیح، اور دوسرے علماء ساکنان غازی پور، سہسرام، آرہ۔

شاہ محمد حسین، مولوی ولائت علی، مولوی الٰہی بخش اور دوسرے خلفاء سید صاحب ساکنان عظیم آباد، مظفر پور، چھپرہ، مونگیر۔ مولوی محمد علی، مولوی امام الدین، مولوی مراد، قاضی عبد الباری، صوفی نور محمد، منشی غلام رحمٰن، مولوی حراست اللہ، مولوی عبد اللہ، مستری رجب علی اور دوسرے علاء و صلحاء کلکتہ ونواح۔ ❹

اس فہرست پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں اکثریت احناف کی ہے۔ ❺

---

❶ احمد اللہ میرٹھی کے والد

❷ غالباً خیر الدین شیرکوٹی مراد ہیں

❸ مرزا حسن علی محدث

❹ سرگزشت مجاہدین۔ ص ۱۶۴۔۱۶۶

❺ ۱۸۳۵ء میں جب یہ اعلام نامے جاری ہوئے اس وقت سید نذیر حسین بھی حنفی مقلد تھے

اس فہرست کے نقل کرنے سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ قارئین پر واضح ہو جائے کہ حنفی وہابی کتنے تھے اور اہل حدیث کا وہابیوں میں کیا تناسب تھا؟ نیز یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ سید احمد شہیدؒ کی زندگی میں اور ان کے بعد کے عشرے میں حنفی بھی وہابیوں میں شامل تھے اور اہل حدیث بھی۔

احناف اور اہل حدیث کے علاوہ وہابیوں میں نیچری بھی شامل تھے۔ جناب سرسید احمد خان جو پیر نیچر کہلاتے تھے، سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیلؒ کے معتقد تھے اور اپنے آپ کو علی الاعلان وہابی کہتے تھے۔ جیسا کہ جناب الطاف حسین حالیؒ نے لکھا ہے:

> سنا ہے کہ جن دنوں بنگال میں وہابیوں کی تحقیقات اور تلاش ہو رہی تھی ایک یورپئن معزز افسر سے، جو اسی کام پر مامور تھا، ریل میں سرسید سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ دونوں آگرہ جاتے تھے اور سرسید کو کسی ذریعہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ افسر وہابیوں کی تلاش پر مامور ہے۔ اس افسر نے ان سے پوچھا کہ آپ کا کیا مذہب ہے؟ انہوں نے کہا وہابی مسلمان ہوں۔ پھر اس نے سرسید کا سارا پتہ دریافت کیا، انہوں نے صحیح صحیح بیان کر دیا۔ ❶

جناب الطاف حسین حالی اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب کا ریویو جو انہوں نے ۱۸۷۱ء میں لکھا تھا...... سرسید کی ان جلیل القدر خدمات میں سے ہے جس کے شکر سے ہندوستان کے تمام مسلمان عموماً اور وہابی مسلمان خصوصاً کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ چوں کہ اس ریویو میں سرسید نے اپنے وہابی ہونے کا اقرار کیا تھا اس لئے انگریزوں کی بدگمانی وہابیوں سے بالکل جاتی رہی تھی۔ منشی غلام نبی مرحوم کہتے تھے کہ غالباً ۱۸۷۱ء میں جب مسٹر گریفن ڈپٹی کمشنر لاہور نے منشی قادر بخش خان تحصیل دار چونیاں کو ڈسٹرکٹ پولیس کی رپورٹ پر بجرم وہابیت زیر مواخذہ کر کے صاحب فنانشل کمشنر کے پاس بھیجا اور کرنل ڈیوڈ کو جو اس وقت کمشنر تھے، یہ معلوم ہوا کہ قادر بخش کا وہی مذہب ہے جو سید احمد خان کا ہے تو انہوں نے فنانشل کمشنر سے سفارش کر کے ان کی تبدیلی

---

❶ حیات جاوید۔ ص ۱۷۸

قصور میں کروادی۔ ❶

یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دینا بھی نامناسب نہیں ہے کہ نہ تو ہندوستان کے سارے حنفی، جماعت مجاہدین یعنی سید احمد کی تحریک میں شامل تھے۔ ❷ اور نہ سارے عاملین بالحدیث اس میں شامل تھے ❸ اور نہ ہی سارے نیچری، وہابیوں میں شامل تھے۔

غرض ہندوستان کی کسی بھی مذہبی جماعت کے نہ تو سب لوگ وہابیوں میں شامل تھے اور نہ سب ان کے مخالف۔ احناف کا بھی ایک ہی طبقہ اس میں شامل ہوا اور دوسرا اس سے باہر رہا۔ عاملین بالحدیث کا بھی ایک ہی طبقہ اس میں شامل ہوا اور دوسرا اس سے الگ رہا۔ نیچریوں کا بھی ایک ہی طبقہ اس میں شامل رہا اور دوسرا الگ رہا۔

جب ۱۸۶۰ء کے عشرے میں حکومت نے وہابیوں کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع کیا تو احناف کا وہ طبقہ بھی اس جماعت سے الگ ہو گیا جو پہلے اس میں شامل تھا۔ اور تحریک کا تقریباً سارا بوجھ ان لوگوں پر آ رہا، جو عامل بالحدیث تھے۔

جناب فضل رسول بدایونی نے ہند میں جب وہابی کا لفظ متعارف کرایا تھا تو وہ سید احمد شہید کے حنفی، اہل حدیث اور نیچری معتقدین کے لئے یکساں استعمال کیا جاتا تھا۔ جب احناف نے تحریک مجاہدین سے علیحدگی اختیار کر لی تو انہوں نے وہابیت کا لیبل بھی عاملین بالحدیث کے لئے مخصوص کر دیا۔

جب سوال پیدا ہوا کہ اگر تم وہابی نہیں ہو تو پھر ہم وہابیوں کو کہاں تلاش کریں؟ تو سادگی سے کہہ دیا کہ وہابیوں کی تلاش کون سا مشکل کام ہے۔ وہ سامنے مسجد میں چلے جاؤ، جس نمازی کو رفع یدین اور آمین بالجہر پر عامل دیکھو، پکڑ لو۔

یوں آمین بالجہر اور رفع یدین کے ہر عامل کو، قطع نظر اس بات کے کہ وہ سید احمد شہید کی جماعت میں شامل تھا یا نہیں، وہابی مشہور کر دیا گیا۔



---

❶ حیات جاوید۔ ص ۳۴۴

❷ جیسا کہ مفتی صدر الدین، نواب قطب الدین، جناب مملوک علی وغیرہ اسکے سایہ سے بھی دور تھے

❸ جیسا کہ شاہ مخصوص اللہ، شاہ ابو اسحاق لہراوی کا نام اس جماعت کے تذکروں میں نہیں ملتا

ہند کے اہلحدیث

برصغیر ہند میں اہل حدیث ایک مذہبی جماعت کا نام رہا ہے جس میں سیاسی طور پر مختلف الآراء لوگ شامل رہے ہیں اور آج کے دور میں بھی ان کی یہ روش برقرار ہے۔ تقسیم ہند کے بعد مسلم لیگ، نیشنل عوامی پارٹی، عوامی لیگ، تحریک استقلال، پاکستان جمہوری پارٹی، میں اہل حدیث جماعت کے افراد نے شامل ہو کر کام کیا ہے۔ جماعت اسلامی میں جا کر بھی بہت سے اہل حدیث گم ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں اہل حدیث نے کانگریس میں بھی شرکت کی اور دوسری سیاسی جماعتوں میں بھی۔

تقسیم ہند سے ماقبل زمانے میں اہلحدیث کے ارکان نے کانگریس، مسلم لیگ، احرار، جمعیت العلماء، تحریک خلافت وغیرہ جماعتوں میں شرکت کی۔

اسی طرح اہل حدیث کے بعض ارکان، وہابیوں میں شامل رہے اور بعض ارکان وہابیوں کے مخالف بھی رہے۔ ❶

اسی طرح اہل حدیث کے بعض ارکان نے سرسید احمد کی تعلیمی تحریک کی حمایت کی جن میں سید مہدی علی، اور جناب محمد اسماعیل علی گڈھی شامل ہیں۔ اور اہلحدیث کے بعض ارکان نے سرسید کی تحریک کی مخالفت بھی کی جن میں ڈپٹی امداد علی قابل ذکر ہیں۔

اہل حدیث کے بعض ارکان نے سرکاری ملازمتیں بھی کیں جب کہ دوسرے اس کی مخالفت کرتے رہے۔

---

❶ جناب محمد حسین نے لکھا ہے کہ میں امرتسر کے ایک بڑے اہل حدیث عالم کو جانتا ہوں جن کے نزدیک سید احمد شہید کی تحریک درست نہیں تھی۔

ندوہ کی تحریک سیاسی نہ تھی لیکن اس میں بھی اہل حدیث نہ صرف شامل رہے بلکہ اس کے بانیوں میں شامل ہیں، جن میں جناب محمد ابراہیم آرویؒ اور شیخ محمد حسینؒ بٹالوی ہیں، اور یہ بات شائد قارئین کی دلچسپی کا باعث ہو کہ ندوہ کی سرگرمیوں میں شیخ محمد حسین بٹالویؒ کی شرکت و شمولیت سید نذیر حسین محدثؒ کی براہ راست ہدایات کے تحت تھی۔ جیسا کہ شیخ محمد حسینؒ نے اشاعۃ السنہ جلد ۱۶ نمبر ۶ کے آخر میں لکھا ہے:

> خاکسار کو کان پور کے مدرسہ دار العلوم کے جلسہ دستار بندی میں شامل ہونے کا نوید پہنچا۔ اور اس کے ساتھ حضرت شیخنا و شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب کا اس نوید پر تعمیل کرنے کا حکم پہنچ گیا۔ لہذا خاکسار نے عزم کا نپور کیا۔ اس تقریب سے امید ہے الہ آباد، آرہ، رحیم آباد ضلع دربھنگہ وغیرہ بھی جانا ہوگا جو صاحب ریلوے لائن پر مسکن رکھتے ہوں اور وہ ملنا چاہیں تو وہ الہ آباد معرفت ڈاکٹر کرامت اللہ ملازم پلٹن نمبر ۵۔ اور آرہ معرفت مولوی ابو محمد ابراہیم ملیں۔

اس کے علاوہ اس کے نمایاں قائدین میں محمد یونس رئیس دتاولی، جناب ثناء اللہ امرتسری وغیرہ اس کے بانیوں میں سے ہیں۔ قاضی سلیمان منصور پوری ایک عرصہ تک اس کے رکن اور معاون رہے۔ اس ادارہ کے کئی شیوخ الحدیث اہل حدیث مسلک کے حامل تھے۔ اور جناب سید سلیمان ندویؒ بھی جناب اشرف علی تھانویؒ کے زیر اثر آنے سے پہلے اہلحدیث ہی سمجھے جاتے تھے جس کا شکوہ کرتے ہوئے جناب شبلی نعمانی نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ عجیب بات ہے کہ میں حنفی ہوں لیکن مجھ سے پڑھنے والے اہلحدیث ہو جاتے ہیں۔ [1]

دار العلوم دیو بند میں نہ تو اہل حدیث اساتذہ کو بغرض تعلیم و تدریس ملازم رکھا جاتا تھا اور نہ وہاں کسی اہل حدیث طالب علم کو داخلہ دیا جاتا تھا [2] لیکن اس کے باوجود دار العلوم دیو بند کی تعمیر و ترقی میں اہل حدیث حصہ لیتے رہے ہیں۔ [3]

---

[1] ندوہ میں اہل حدیث کے کردار پر تفصیلی گزارشات کسی آئندہ موقع پر ہوں گی۔ انشاء اللہ

[2] جناب ثناء اللہ امرتسری جیسے چند افراد اس سے مستثنیٰ ہیں

[3] اس کی دو مثالیں متفرقات میں نقل کی گئی ہیں

الغرض جماعت اہل حدیث میں سیاسی طور پر کئی قسم کے لوگ شامل تھے کیونکہ جماعت اہل حدیث کوئی ایک سیاسی جماعت نہ تھی کہ سب کا موقف ایک ہی ہو۔ یہ ایک مذہبی جماعت تھی جس کا مقصد کتاب وسنت کی ترویج تھا۔ ۱۹۰۶ء میں قائم ہونے والی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس بھی کوئی سیاسی جماعت نہ تھی اور نہ ہی اس میں سارے اہل حدیث شامل تھے۔ شیخ محمد حسین بٹالویؒ اور جناب عبدالجبار غزنویؒ وغیرہ اس میں شامل نہیں ہوئے۔ ❶

نیز جو لوگ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس میں شامل تھے ان کا سیاسی موقف بھی یکساں نہ تھا۔ مثلاً جناب ابوالقاسمؒ سیف متحدہ ہندوستان کے حامی تھے، اور سیاسی سرگرمیوں کے لئے انہوں نے اہلحدیث لیگ بنا رکھی تھی۔ ❷

نیز آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے علاوہ بھی متحدہ ہندوستان میں اہل حدیث کی تنظیمیں موجود رہیں جن میں غرباء اہلحدیث، موتمر اہلحدیث، انجمن اہل حدیث پنجاب شامل ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں سید محمد داؤد غزنویؒ کی قیادت میں مرکزی جمعیت اہل حدیث قائم ہوئی تو اسکے ساتھ مرکزی جماعت اہلحدیث بھی بن گئی جس کے سرپرست جناب حافظ محمد عبداللہ روپڑیؒ تھے۔ حافظ احسان الٰہی ظہیرؒ نے بھی ایک جمعیت کی داغ بیل ڈالی تھی جس کے صدر جناب عبداللہ شیخ الحدیثؒ گوجرانولہ رہے۔ جماعت غرباء اہل حدیث بھی شروع ہی سے سرگرم رہی ہے۔

ان سب تنظیموں، اور اداروں کی چھتری، اہل حدیث کا لقب تھا۔

ہماری اس بات کی وضاحت یوں ہوسکتی ہے کہ فرنگی محلی بھی حنفی ہیں، دیوبندی بھی حنفی ہیں، بدایونی بھی حنفی ہیں، خیرآبادی بھی حنفی ہیں، گولڑوی بھی حنفی ہیں، مارہروی بھی حنفی ہیں، بریلوی بھی حنفی ہیں۔ اور ان سب کی چھتری، حنفی ہونا ہے۔

---

❶ جیسا کہ جناب حافظ عنائت اللہ لکھتے ہیں: اہل حدیث کانفرنس کو مولوی ثناء اللہ مرحوم نے بنایا اور مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ اور حافظ عبد اللہ غازیپوریؒ جیسے بزرگوں نے اسکا ساتھ دیا غزنوی بزرگوں نے ساتھ نہیں دیا بلکہ ڈٹ کر مخالفت کی۔ جسر البلیغ۔ ص ۱۴۲۔۱۴۳

❷ اہل حدیث لیگ کے ایک اجلاس کی روداد متفرقات میں نقل کی گئی ہے

دیوبندیوں میں مدنی گروپ بھی حنفی ہے، تھانوی گروپ بھی حنفی ہے، سندھی گروپ بھی حنفی ہے، تبلیغی جماعت والے بھی حنفی ہیں، قاری محمد طیب بھی دیوبندی حنفی تھے اور انہیں دیوبند سے بے دخل کرنیوالے بھی دیوبندی حنفی تھے۔ اوران سب کی چھتری، دیوبندی حنفی ہونا ہے۔

یہی بات جناب محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے حکومت کے نام اپنی درخواست میں کہی تھی کہ میں وہابی نہیں ہوں، عامل بالحدیث ہوں اور جن کی میں نمائندگی کرتا ہوں وہ بھی میری طرح عامل بالحدیث ہیں۔ اس لئے مجھے اور جن کی میں نمائندگی کرتا ہوں انہیں وہابی نہ کہا جائے۔ جو وہابی ہیں انہیں وہابی کہو، خواہ وہ اہل حدیث میں سے ہوں، خواہ احناف میں سے، خواہ نیچریوں میں سے۔ اور جو وہابی نہیں ہیں ان کو ایسا مت کہو۔



اہلحدیث کی تعریف

کہتے ہیں کہ ۱۳۲۲ھ میں اہلحدیث کے اعیان وارکان لاہور میں جمع ہوئے جن میں شیخ محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ بھی شامل تھے۔ اس اجلاس میں اس امر پر بحث ہوئی کہ اہل حدیث کے نام سے کون شخص موسوم ہوسکتا ہے۔ بحث ومباحثہ کے بعد قرار دیا گیا:

اہل حدیث وہ ہے جو اپنا دستورالعمل والاستدلال، احادیث صحیحہ اورآ ثار سلفیہ کو بناوے اور جب اس کے نزدیک ثابت ومحقق ہو جائے کہ ان کے مقابلہ میں کوئی معارض مساوی یا اس سے قوی نہیں پایا جاتا تو وہ ان احادیث وآثار پر عمل کرنے کو مستعد ہو جاوے اور اس عمل سے اس کو کسی امام یا مجتہد کا قول بلا دلیل مانع نہ ہو۔

یعنی اہل حدیث وہ ہے جو براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو سرچشمہ ہدایت سمجھتا ہو اور ان ہر دو سے براہ راست استفادہ کرتا ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی ((ترکت فیکم امرین لن تضلّوا ماتمسّکتم بھما کتاب اللّٰہ و سنّۃ رسولہ)) پر یقین رکھتا ہو۔ ہر وہ شخص اہل حدیث ہے جو اس طریق پر گامزن ہو خواہ بعض جزئیات میں اہل حدیث کے معروف مسلک کے موافق نہ ہو۔ اسی طرح وہ شخص جو رفع الیدین آمین بالجہر وغیرہ پر کاربند ہو لیکن قرآن وسنت کو براہ راست سرچشمہ ہدایت نہ سمجھتا ہو وہ اہل حدیث نہیں جیسا کہ شوافع اور حنابلہ وغیرہ۔

اہل حدیث کا مسلک دلائل کو ماننا ہے، خواہ دلائل انہیں خود مل جائیں یا کسی اور کتاب سے مل جائیں۔ چاہے حنفی کتاب میں ہوں یا شافعیہ یا کسی اور کی کتاب میں۔ دلیل پر عمل کرنا یا اس کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کی تمیز کرنا یا دلالت ودال مدلول میں مطابقت معلوم کرنا مجتہد کا کام ہے نہ کہ مقلد کا۔

شیخ محمد حسین بٹالویؒ کہتے ہیں:

جو قول کسی حدیث صحیح کے مطابق وموافق ہوگا، وہ مذہب اہل حدیث کہلائے گا اور جو قول جملہ احادیث صحیحہ کے مخالف ومتناقض ہوگا وہ مخالف مذہب اہل حدیث ہوگا اور منجملہ احادیث مختلف الصحت اور متضاد المفاد، جس حدیث کے جس معنے مختار سلف سے کوئی تمسک کرے گا وہ مذہب اہلحدیث ہوگا۔ اگر کوئی شخص کسی حدیث کی صحت میں متردد ہو یا اس کے مقابلہ میں کوئی اور حدیث دستاویز رکھتا ہو اور اس حدیث کی نظر سے وہ اس حدیث میں تاویل کرتا ہو، وہ منکر حدیث نہیں ہے۔ جو اہل حدیث عالم یا کوئی حنفی المذہب، سورۃ فاتحہ کو واجب نہ سمجھے اور اس پر کسی آیت مثلاً ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآن﴾ یا حدیث مثلاً ((من کان لہ امام))① یا حدیث ((اذا قرء فانصتوا))② سے اس کو صحیح سمجھ کر استدلال کرے وہ بھی اہلحدیث ہے۔ اور جو شخص سورہ فاتحہ کو واجب کہے اور اس پر حدیث ((لا صلوۃ لمن لم یقرء بامّ القرآن))③ سے استدلال کرے وہ بھی اہلحدیث ہے۔

○...... جناب ثناء اللہ امرتسریؒ کہتے ہیں:

اہل حدیث لقب چوں کہ پسندیدہ ہے اس لئے ہمارے بھائی مقلدین اس لفظ کو سنتے ہی کہا کرتے ہیں کہ کیا ہم اہل حدیث نہیں؟ تم ہی اہل حدیث ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جن معنی میں اہل حدیث اپنا نام اہل حدیث رکھتے ہیں، ان معنی سے مقلدین اہل حدیث نہیں ہیں۔ اہل حدیث اور مقلدین کے طریق عمل بالحدیث الگ الگ ہیں تو بموجب اصول مسلمہ حدیث کو دوم درجہ قرآن سے سمجھ کر، اور قرآن شریف کے بعد تلاش مسائل کے وقت پہلی نظر حدیث پر ڈالتے ہیں۔ اگر باقاعدہ حدیث سے وہ مسئلہ مل گیا تو پھر انہیں اس بات کی پروا نہیں رہتی کہ اس مسئلہ میں کسی کا کیا مذہب ہے، اور کسی کا کیا خیال؟ زید کیا کہتا ہے اور عمرو کیا فرماتا ہے؟ بلکہ وہ بے کھٹکا اس پر عمل کر لیتے ہیں۔

---

① سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ، باب اذا قرء الامام فانصتوا، رقم الحدیث: ۸۵۰

② صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب التشہد فی الصلوۃ، رقم الحدیث: ۶۳۔۴۰۴

③ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب وجوب قرائۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، رقم الحدیث: ۳۶۔۳۹۴

یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے فتووں میں مقدم قرآن اور حدیث لکھ کر کسی کا قول لکھتے ہیں تو بطور تائید کے لکھتے ہیں نہ کہ اثبات مدعا کے لئے۔ ان کے دلائل میں سوائے قرآن و حدیث کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اور یہی طریقہ تمام سلف صالحین کا تھا۔ مگر ہمارے بھائیوں کا یہ طریق نہیں بلکہ وہ اپنی دلیل اپنے امام کا قول نقل کر کے اکثر تو اسی پر قانع ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی مخالف کا خوف ہو تو اس قول کی محض تائید کے لئے کسی حدیث کی تلاش کریں گے۔ ملی تو فبها ورنہ اتنا ہی کافی ہے کہ هی روایة عن الامام "یہی روایت امام صاحب سے ہے" اور اگر کوئی حدیث امام کے مذہب کے خلاف ملی، تو یہ تو ان سے ہو ہی نہیں سکے گا کہ امام کے قول کو بحسن ظن سردست چھوڑ دیں، اور حدیث مصطفیٰ فداہ ابی و امی ﷺ پر عمل کریں۔ نہیں، بلکہ سردست حدیث رسول ﷺ کو بایں تاویل چھوڑ دیں گے کہ خدا جانے یہ حدیث کیسی ہے؟ صحیح ہے یا غیر صحیح۔ پھر اگر صحیح ہے تو منسوخ ہے یا غیر منسوخ و غیر ذالك من العذرات الباردة۔ مگر اہل حدیث کو ان باتوں کا خیال بھی نہ آئے گا۔ پس یہی وہ بناء ہے جس کی وجہ سے اہلحدیث تو اہل حدیث کہلانے کے مستحق ہیں، مقلدین نہیں۔ اور غالباً یہ وجہ بالکل نمایاں ہے جس کی تسلیم میں کسی کو چون و چرا نہ ہوگی۔ میں نے ایک بڑے حنفی عالم سے، جو شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدثؒ دہلوی کے شاگرد تھے، یہ اپنے کانوں سنا:

> ہم لوگ تو حدیث اس لئے پڑھتے ہیں کہ تم لوگ جو ہمیں تنگ کرتے ہو جواب دے سکیں۔ ورنہ عمل کے لئے ہمیں کیا حاجت ہے۔

جب میں نے حیرانی سے ان کا یہ کلام سنا، تو فرمانے لگے:

> آپ حیرانی سے سنتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ جب ہم مقلد ہیں تو ہمیں اپنے امام کی تحقیق سے کس کی تحقیق اچھی ہے؟ جو کچھ وہ تحقیق کر گئے ہیں ہمارے لئے تو وہی شاہراہ ہے۔

پس یہی وہ فرق ہے جس پر یہ پیارا نام مبنی ہے ورنہ یوں تو کون ہے جو یہ لقب اپنے حق میں نہ چاہتا ہو

و کل یدعی وصلا بلیلی   ولیلی لا تقر لهم بذاکا

"ہر ایک لیلیٰ کے وصال کا دعویدار ہے مگر لیلیٰ کسی کے حق میں اقراری نہیں ہے۔"

مقلدین جب دیکھتے ہیں کہ ان کے امام کا کوئی قول کسی وجہ سے مخالف حدیث پڑ گیا ہے تو حدیث کی تاویل کر دیتے ہیں لیکن قول کی تائید سے باز نہیں آتے۔ نیز اگر کسی مقتدا و امام نے کسی ایسی روایت سے تمسک کیا ہے جو عند التحقیق ضعیف بلکہ منکر بلکہ باتفاق محدثین غیر ثابت و بے اصل یا غیر مرفوع ہے تو اس کا حال معلوم ہو جانے پر بھی اس امام کے مقلدین نے اس قول کو نہیں چھوڑا۔ یوں ان لوگوں نے عملاً حدیث کو مرجع شرع نہیں جانا گو اعتقاداً و لفظاً حدیث کے قائل ہو گئے ہیں۔ نیز ہر فرقے کے متاخرین نے احادیث نبویہ کو ملحوظ رکھے بغیر اپنے اپنے امام و مقتداء کے اقوال کو اصول قرار دے کر ان پر تخریجات و تفریعات کا دروازہ کھول دیا جس سے عام علماء اس وہم میں پڑ گئے کہ یہ تخریجات بھی امام کے قول ہیں۔ اور انہوں نے کتب فقہ کی ہر جزئی کو وحی آسمانی کی طرح سمجھ لیا۔ یوں انہوں نے آئمہ کے اقوال کو حدیث کی طرح اصول قرار دیا۔ شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ باب حکایت حال الناس کی فصل مما یناسب ھذا المقام میں اس کا ذکر کیا ہے۔

لیکن اہلحدیث نے اعتقاداً و عملاً سر مو حدیث نبوی سے تجاوز نہیں کیا۔ حدیث صحیح کے ہوتے ہوئے نہ تو کسی امتی کی مخالفت کی پرواہ کی (خواہ وہ کتنا بڑا آدمی کیوں نہ ہو) اور نہ کسی ضعیف حدیث پر اپنے احتجاج کی بنیاد رکھی۔

اگر کوئی مقلد ایسا ہی سعید ہو کہ ہمیشہ اس بات کی فکر میں رہے کہ کوئی مسئلہ بغیر ثبوت قرآن و حدیث کے نہ مانے اور ہر مسئلہ میں اہل حدیث کی طرح مقدم قرآن و حدیث ہی سے استدلال کرے، جس مسئلہ کی گواہی یہ دو عادل گواہ (قرآن و حدیث) دیں اسی کو واجب التسلیم جانے اور جس کی بابت یہ گواہی نہ دیں اسے متروک سمجھے، تو ایسے صاحب بھی اہل حدیث کے محاورے میں اہلحدیث ہی ہیں گو ان کے نام کے ساتھ حنفی شافعی وغیرہ پچھلوں کی طرف سے ملائے گئے ہوں لیکن قلیل ما ھم

اس بیان سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ اہل حدیث کی غرض و غائت گروہ بندی سے نہیں تھی، اور نہ ہے۔ بلکہ ان کا دائرہ ایسا وسیع ہے کہ ہر ایک محقق کو شامل ہے جو شخص اپنی تحقیق کا مدار آزادانہ قرآن و حدیث پر رکھے، وہ اہل حدیث ہے گو اس کی تحقیق کسی مسئلہ میں کسی امام

یا محدث کے رائے کے خلاف بھی کیوں نہ ہو۔ ❶

○......شیخ محمد حسین بٹالویؒ کہتے ہیں:

مذاہب اربعہ ان مجموعہ مسائل کا نام ہے جو کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ واجماع وقیاس سے ماخوذ ہیں، ان مذاہب کی حقیقت معلوم ہونے سے فوراً سمجھ میں آجاتا ہے کہ ان میں سے جو حصہ حدیث سے ماخوذ ہے وہ جیسا کہ مذہب حنفی یا شافعی کہلاتا ہے، ویسا ہی وہ مذہب اہلحدیث بھی کہلا سکتا ہے۔ اور مذہب اہلحدیث میں اور ان مذاہب میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، نہ نسبت تضاد جو قسیموں میں ہوتی ہے۔ لہذا جو حصہ ان مذاہب کا حدیث سے ماخوذ ہے وہ مذہب حنفی شافعی بھی کہلائے گا اور مذہب اہلحدیث بھی، اور جو حصہ ان مذاہب کا قیاس سے ماخوذ ہے وہ مذہب حنفی وشافعی کہلائے گا، اس پر مذہب اہل حدیث کا لقب صادق نہیں آئے گا۔

اگر ان مذاہب اربعہ اور مذہب اہلحدیث کے اہل، یعنی انکے مضاف اور ان مذاہب کی طرف منسوب اشخاص کو دیکھا جاتا ہے تو ان میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت مشاہدہ میں آتی ہے جس میں ایک مادہ اجتماع ہوتا ہے دو مادہ افتراق۔ کیونکہ بعض تابعین مذاہب اربعہ تقلید اور پیروی آئمہ مذاہب کی نظر سے ایسے ہیں جو شافعی وحنفی وغیرہ بھی کہلاتے ہیں اور عموماً عمل و استدلال حدیث کی نظر سے اور خصوصاً بعض مسائل میں تقلید امام مذہب چھوڑ کر حدیث صحیح کی پیروی کرنے کی وجہ سے اہلحدیث کہلانے کے بھی مستحق ہیں اور کہلاتے ہیں۔ ان کی مثال آئمہ متقدمین میں سے امام ابوجعفر طحاویؒ ہیں جن کی حنفیت تو مسلمہ کل ہے اور اہلحدیث ہونا اس بات سے ثابت ہے کہ جس جگہ وہ شرح معانی الآثار میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو موافق صحیح حدیث نہیں پاتے، وہاں ان کی تقلید وتائید سے دست بردار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اعتقاد تحقیق میں اور ہمارے شیخ، شیخ الکل (سید نذیر حسین محدثؒ) کی تحقیق اعتقاد میں فقہاء عراق سے اکثر ایسے ہی تھے۔ اور فقہاء ماوراء النہر میں ایسے کم تھے۔ اور متاخرین سے شاہ ولی اللہ اور ان کی اولاد امجاد ہیں، جن کا اہل حدیث اور حنفی ہونا ان کی تصانیف سے عیاں ہے۔

---

❶ منقول از اہل حدیث کا مذہب

حضرت شیخنا وشیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسینؒ صاحب شمس العلماء دہلوی بھی ایسے ہی تھے کہ وہ اہلحدیث کے سردار بھی تھے اور حنفی بھی کہلاتے ۔ اور حنفی مذہب کی کتب متون وشروح اور فتاوی پر فتوی دیتے ۔ ان ہی کی یہ روش ایک مدت مشاہدہ کر کے...... خاکسار خود بھی اولاً حدیث پر عمل کرتا ہے اور اس کے مطابق فتوی دیتا ہے ۔ پھر جس مسئلہ میں حدیث صحیح صریح نہ ملے اور اجتہاد کی ضرورت پڑے تو وہاں امام ابوحنیفہؒ کے اصول وفروع مذہب پر عمل واستدلال کرتا ہے۔

مذہب اہل حدیث ، مذاہب اربعہ مشہورہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) وغیرہ کی طرح مدون نہیں ۔ بس ایک رسالہ درر بھیہ اور اس کی شرح ذراری مضیہ قاضی محمد بن علی شوکانیؒ کی تالیف ہے۔ ان میں کمی بیشی کر کے نواب صاحب بھوپال نے ہندی میں 'فقہ مغیث' اور عربی میں روضہ ندیہ نام رکھ کر چھپوایا ہے۔ لیکن جیسا کہ فقہ حنفی وغیرہ میں رسم المفتی لکھی گئی ہے چنانچہ درمختار اور اسکے حواشی میں مرقوم ہے، اس مذہب اہلحدیث کی رسم المفتی کوئی نہیں لکھی گئی۔ لہذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی شخص کے قول کو مذہب اہل حدیث کے موافق یا مخالف ٹھہرانے کی کیا صورت ہوگی، اور اس موافقت یا مخالفت کی کسوٹی کیا ہوگی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اہل حدیث کا مذہب، حدیث صحیح ہے، جس کو اکابر مجتہدین نے اذا صحّ الحدیث فھو مذھبی کہہ کر اپنا مذہب بتایا ہے۔ خواہ وہ حدیث متعلق احکام ہو، خواہ متعلق اعتقاد، قصص واخبار ماضیہ کے متعلق ہو، خواہ متعلق واقعات آئندہ دنیاویہ، برزخیہ، حشریہ، اخرویہ۔ تفسیر وتشریح احکام قرآن کرتی ہو خواہ نئے احکام شرعیہ کی مثبت ہو۔ پس جو قول کسی حدیث صحیح کے مطابق وموافق ہوگا وہ مذہب اہل حدیث کہلائے گا، گو اور مذاہب کے لوگ بھی اس کو اپنا مذہب بناویں، اور جو قول جملہ احادیث صحیحہ کے مخالف ومتناقض ہوگا، وہ مخالف مذہب اہلحدیث ہوگا، خواہ کوئی شخص اس کو اپنا مذہب ٹھہرائے۔

○......شیخ محمد حسین بٹالویؒ کہتے ہیں:

ہرچند مذہب ایک ادعائی امر ہے۔ ہر شخص جس مذہب کو چاہتا ہے، اس کا مدعی بن جاتا ہے جیسا مشرکین مکہ کا یہ ادعا تھا کہ ابراہیمی ملت پر ہم ہی ہیں، اور وہ آنحضرت ﷺ اور ان

کے پیرو مومنین کو صابی (یعنی دین ابراہیم سے خارج) کہتے تھے۔عصر نبوی کے اہل کتاب دعوی کرتے کہ مومن ہم ہی ہیں اور ہم ہی بہشت میں جاویں گے۔اور مومنین قرآن کو وہ لائق بہشت نہ جانتے تھے۔مسلمانوں میں سے فرقہ خوارج مدعی تھا کہ مسلمان ہم ہی ہیں اور دوسرے اسلامی فرقوں کو وہ خارج از اسلام سمجھتے......

اس ادعا کے مقابلہ میں ہر مذہب کے حامیوں اور سچے پیروان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ جس شخص کو اپنے مذہب کا حقیقی اور اصلی پیرو نہ جانیں اس کو مذہب سے خارج کریں، مگر اس میں شرط انصاف یہ ہے کہ جس مذہب سے وہ اس کو خارج کریں اس کے واقعی اور مسلمہ اصول کی عدم تسلیم کی شہادت سے خارج کریں۔

ہر چند یہ اصول مسلمہ ہے کہ لازم المذھب لیس بمذھب یعنی کسی مذہب سے ایک بات صرف مفہوم ہو اور لازم آتی ہو، تو وہ عین مذہب نہیں ہو جاتا۔مگر جب لزوم سے التزام تک نوبت پہنچ جائے تو اس وقت امر مستلزم کو مستلزم کا مذہب ٹھہرا دینا خلاف انصاف نہیں ہے۔

اسی لئے قرآن نے مشرکین مکہ کو ملت ابراہیمی سے خارج کیا، اور ان کا نام مشرک رکھا، اور دین اسلام کو ملت ابراہیمی بنایا، کیونکہ وہاں التزام شرک تھا، اس التزام کے ساتھ ان کا ابراہیمی کہلانا خلاف انصاف تھا، کیونکہ حضرت ابراہیمؑ مشرک نہ تھے:

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (آل عمران:٦٧)

اسی التزام کے سبب اہل کتاب کو مومنین سے خارج کیا اور مشرک بنایا (آیت مذکورہ بالا ملاحظہ ہو)۔

اسی التزام نے خوارج کو خارجی بنایا اور سنی مسلمانوں سے خارج کیا۔

اس معیار کے دوسرے درجہ پر جہاں صحیح حدیث نبوی نہ پائی جاتی ہو، دوسرا معیار سلفیہ آثار صحابہ کبار و تابعین ابرار و محدثین اخیار ہیں، جس مسئلہ اعتقادیہ و عملیہ میں صریح سنت نبوی کا علم نہ ہو، اس مسئلہ میں اہل حدیث کا متمسک آثار سلفیہ ہوتے ہیں اور وہی مذہب اہلحدیث کہلاتا ہے، جس کو متون و شروح کتب حدیث و فقہ وغیرہ میں اہلحدیث سے منسوب کیا گیا ہے، اور جس قول کا قائل بجز اہل بدعت معتزلہ وغیرہ یا فلاسفہ یا متکلمین کوئی معلوم نہ ہو، اور

سلف صالحین صحابہ وتابعین اوران کے اتباع محدثین سے کسی ایک شخص سے بھی وہ قول مروی و منقول نہ ہو، وہ مذہب اہل حدیث نہ ہوگا۔

معیار اول کی نسبت اگر کوئی یہ کہے کہ احادیث صحیحہ کی صحت میں اختلاف ہوتا ہے، ایک امام ایک حدیث کو صحیح کہتا ہے، دوسرا اس کو ضعیف قرار دیتا ہے۔ اور بعد تسلیم صحت واتفاق ان احادیث صحیحہ میں تعارض وتخالف ہوتا ہے۔ ایک حدیث صحیح ایک امر کی مجوز ہوتی ہے، دوسری مانع۔ اور بصورت عدم تعارض احادیث ایک ہی حدیث صحیح کے معنی میں اختلاف ہوتا ہے۔ ایک عالم محدث ایک حدیث کے کچھ معنی کرتا ہے دوسرا کچھ اور۔ پس ان صورتوں میں مذہب اہل حدیث کون سا قبول ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ من جملہ احادیث مختلفۃ الصحۃ اور متضاد ومختلفۃ المفاد اور مختلف الوجوہ والمعانی، جس حدیث کے جس معنی مختار سلف سے کوئی تمسک کرے گا وہ مذہب اہل حدیث کہلائے گا۔ اسی نظر سے ہم نے تعریف مذہب اہل حدیث میں کسی حدیث کا لفظ اختیار کیا ہے۔

دوسرے معیار پر شائد یہ سوال ہو کہ اقوال اہل حدیث وآثار سلف میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک صحابی یا تابعی یا کوئی اہل حدیث کچھ کہتا ہے، دوسرا کچھ اور۔ بعض اوقات ایک ہی صحابی وتابعی واہل حدیث سے دو قول مختلف مروی ہوتے ہیں، پھر مذہب اہل حدیث کون سا قول قرار دیا جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بصورت اختلاف اقوال قواعد رسم المفتی مقررہ مذاہب اربعہ کے مطابق قوت ماخذ اور رتبہ ناقل ان الفاظ روایت کو دیکھا جائے گا، اور جو شخص کہ قوت مواز نہ نہیں رکھتا، اس کو اختیار ہوگا کہ وہ جس صحابی یا تابعی یا اہل حدیث کے قول کو چاہے، اخذ کرے۔ من تبع عالماً لقی اللّٰہ سالماً

اور ایسے قول سے بچے جس کا سلف صالحین اوران کے اتباع اہل حدیث سے کوئی قائل نہ ہو اور کبراء اہل حدیث سے منقول ہے:

ایّاك ان تقول قولاً لیس لك فیه من السّلف امام ۔

اس اصول کی دلیل یہ ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لَسۡتُمۡ عَلَىٰ شَيۡءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُواْ ٱلتَّوۡرَىٰةَ وَٱلۡإِنجِيلَ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم مِّن رَّبِّكُمۡۗ ﴾ (مائدہ:٦٨)

لستم علی شیءٍ من الدّین ولا فی ایدیکم شیء من الحقّ والصّواب (تفسیر کبیر) علی شیء دین۔ ویصح ان یسمی شیئا لانّه باطل۔ من ربکم ومن اقامتها الایمان بمحمد ﷺ۔ ❶

''یعنی اے اہل کتاب تم کسی دین پر نہیں ہو، جب تک کہ تم توریت اور انجیل کو اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اترا ہے قائم نہ رکھو۔''

یہ آیت یہودیوں کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی تھی جو انہوں نے کہا تھا کہ اے محمد (ﷺ) آپ اقراری ہیں کہ توریت حق ہے۔ سو ہم اس کتاب کو مانتے ہیں۔ اس کے سوا اور کتاب (قرآن) کو نہیں مانتے۔ ایسا ہی تفسیر کبیر میں منقول ہے۔

روی عن ابن عباس انّه جاء جماعة من الیهود وقالوا یا محمّد انت تقر ان التوراة حق من الله تعالی، قال بلی، قالوا فانّا نؤمن بها ولا نؤمن بغیرها،فنزلت۔ ❷

اس مضمون کی ایک اور آیت یوں ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱدۡخُلُواْ فِي ٱلسِّلۡمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُواْ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيۡطَٰنِۚ إِنَّهُۥ لَكُمۡ عَدُوّٞ مُّبِينٞ ﴾ (البقرہ:۲۰۸)

نزلت فی عبد الله بن سلام واصحابه لما عزوا السبت وکرهوا الابل بعد الاسلام۔ ❸

---

❶ بیضاوی۔ ج۱ص۴۴
❷ تفسیر کبیر۔
❸ جلالین ومثله فی التفسیر الکبیر ج۲ص۲۷۶ والبیضاوی ص۱۰۴

(اے ایمان والو اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو)۔

یہ آیت ان مومنین اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بعض احکام اسلام (اونٹ کو حلال جاننے) سے پرہیز کیا اور اس کے مقابلہ میں غیر اسلامی حکم (اونٹ کو مکروہ ماننے) پر عمل کرنے کا ارادہ کیا۔ ایسا ہی جلالین و بیضاوی و تفسیر کبیر میں کہا ہے۔

ان آیتوں میں ان کو ڈرایا اور فرمایا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو پورے مسلمان نہ ہو گے۔ ان دو آیتوں نے قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ جو شخص احکام یا اخبار یا عقائد اسلام میں سے کسی ایک حکم یا عقیدہ یا خبر کی تسلیم سے انکار کریگا اور ان کے مقابلہ میں غیر اسلامی احکام، اخبار عقائد کو پسند کرے گا، تو وہ مسلمان نہ ہو گا۔

ان ہی آیات کے مطابق احادیث نبویہ کا فیصلہ ہے۔ بہت سی احادیث صحیحہ میں قرار داد اسلام سے نفرت وانکار اور غیر اسلامی طریق وقرارداد کے ارتکاب پر لیس منّا (وہ شخص ہم میں نہیں) فرمایا گیا ہے۔ یہاں تین حدیثوں کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اول:

((فمن رغب عن سنّتی فلیس منّی)) ❶

آں حضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص میری سنت سے نفرت کرے گا وہ مجھ سے نہ ہو گا۔ دوم: قال رسول اللہ ﷺ

((لا یؤمن احدکم حتّی یکون هواه تبعاً لّما جئت به)) ❷

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ تم میں سے کوئی مومن نہ ہو گا جب تک کہ اس کی خواہشیں ان کے تابع نہ ہوں جو میں لے کر آیا ہوں۔ سوم:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، رقم الحدیث: ۵۰۶۳ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه الیه، رقم الحدیث: ۵۔۱۴۰۱

❷ رواه فی شرح السّنّة، ج ۱/ص ۲۱۲، ۲۱۳ والاربعین، رقم: ۹

قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم:((ابغض النّاس الی اللّٰه ثلاثة، ملحد فی الحرم ومبتغ فی الاسلام سنّة الجاهليّة ومطلب دم امری مسلم بغير حق ليهريقه)) ❶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب لوگوں سے ناخوش تر اللہ کے نزدیک تین شخص ہیں حرم میں رہ کر الحاد کرنے والا، مسلمان ہو کر غیر اسلامی طریق کی تلاش کرنے والا، مسلمان کی ناحق خون ریزی چاہنے والا۔

ان ہی احادیث کے فیصلہ کے مطابق فقہائے اسلام میں یہ مسئلہ مسلمہ چلا آتا ہے کہ جو شخص تمام انبیاء کو مانتا ہے مگر ایک نبی کو نہیں مانتا۔ یا وہ تمام احکام اسلام کو مانتا ہے مگر ایک حکم اسلامی (مثلاً نماز یا زکوۃ) کو یا ایک خبر شارع متعلق واقعات گزشتہ یا آئندہ حشریہ، برزخیہ وغیرہ کو نہیں مانتا، وہ مسلمان نہیں ہے۔

اسی فیصلہ کتاب وسنت واتفاقیہ مسئلہ مسلمہ علمائے ملت کے مطابق (حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ عمل کتب سنت میں ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے بنی یربوع وغیرہ ☆ کو صرف ایک حکم زکوۃ سے انکار کرنے کی وجہ سے کافر و مرتد قرار دیا اور ایک اسلامی انتظام میں خلل انداز قرار دے کر تہہ تیغ کیا۔ ❷



---

❶ صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب من طلب دم امرئ بغیر حق، رقم الحدیث:۶۸۸۲

❷ صحیح مسلم، کتاب الیمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ، رقم الحدیث:۳۲۔۲۰

اہلحدیث کے چند عقائد

عہد صحابہ وتابعین میں اسلام کی سادگی اس کا طرہ امتیاز تھا۔ بعد میں اسے اصطلاحی عقل اور عرفانی فلسفہ کے ساتھ آمیز کرنے کی کوشش کی گئی تو نتیجہ میں اعتزال اور جہمیت پیدا ہوئی۔ خلق قرآن اور صفات باری تعالی کی عینیت اور غیریت کے بےضرورت مباحث پیدا ہوئے۔ اسلام کونصوص اور عقل کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے اسلام کے بعض اساسی اور بنیادی مسائل کا انکارکیا جانے لگا۔توحید باری تعالی کے باب میں معتزلہ جہمیہ وغیرھم نے صفات باری تعالی کا انکارکر کے تعطیل کی راہ اختیار کی اورتوحید باری تعالی کا سلبی تصور لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ ان کے مقابل مجسمہ تشبیہہ کے قائل ہو گئے ۔اس دور میں متکلمین اہل سنت (اشاعرہ اور ماتریدیہ) نہ معتزلہ کا ساتھ دے سکے اور نہ ان کا توڑ پیش کر سکے۔ ابن قیم نے خوب کہا ہے: لالـلاسـلام نـصروا و لاللفلاسفة كسروا ''نہ اسلام کی کوئی خدمت کر سکے اور نہ فلاسفہ کا مقابلہ کر سکے۔'' مگر آئمہ اہل حدیث نے راہ اعتدال اختیار کر کے توحید کے مسئلہ میں ان کا رد کیا۔صفات کی حقیقت کوتسلیم فرمایا اورتشبیہہ کی نفی فرمائی۔

امام ابوالحسن اشعریؒ (۲۶۰ھ۔۳۲۵ھ) سلف اہلحدیث کے عقائد یوں لکھتے ہیں:

اللہ کا اقرار کرنا، اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کوصحیح قرار دینا، اس کے رسولوں کو ماننا، فرشتوں پر ایمان، اللہ کی نازل شدہ کتابوں پر ایمان، جو احکام اللہ کی طرف سے نازل ہوئے اور احادیث کا جو ذخیرہ ثقہ راویوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا اور پھر اسے امت تک پہنچایا، اس کی حقانیت کا اقرار کرنا اور ان میں سے کسی چیز کی بھی تردید نہ کرنا۔ تقدیر پر ایمان۔

ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور بے نیاز ہے۔ اسکے سوا کوئی معبود نہیں نہ اس کا کوئی بیٹا ہے، نہ بیوی۔

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾ (سورۃ الاخلاص)

اللہ ہمیشہ سے زندہ ہے۔ عالم، قادر، سمیع، بصیر، عزیز، عظیم ،جلیل، کبیر، کریم، ارادہ کرنے والا، جواد ہے۔

اہل حدیث کا عقیدہ ہے کہ محمد ﷺ ، اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔ وہ معراج نبوی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک جنت برحق ہے، جہنم بھی برحق ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی اس کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

﴿وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ ۝﴾ (الحج:۷)

وہ نبی ﷺ کی شفاعت کا اقرار کرتے ہیں، ان کے نزدیک عذاب قبر، حوض کوثر، پل صراط، موت کے بعد زندہ ہونا، اور حساب برحق ہے۔

ان کا عقیدہ ہے کہ زمین میں خیر وشر وغیرہ جو کچھ بھی ظہور پذیر ہوتا ہے اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے اور تمام امور اللہ کی مشیت کے تابع ہیں۔ اللہ تعالی کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔ ہر شئے کا خالق صرف اللہ ہے۔ خیر وشر کے تمام معاملات اللہ کی قضا وقدر کے تابع ہیں۔ نفع و نقصان کا سلسلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اہل حدیث کے نزدیک قرآن غیر مخلوق ہے۔ قیامت کے دن مومنوں کو اللہ کا دیدار ہوگا۔

وہ کہتے ہیں کہ ایمان انسان کے قول وعمل سے عبارت ہے اور ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ وہ کبائر کے مرتکبین کیلئے جہنمی ہونے کی گواہی نہیں دیتے اور نہ موحدین کے لئے جنت کو حتمی سمجھتے ہیں۔ بلکہ یہ سب معاملات اللہ کے سپرد ہیں۔

اہل حدیث، جبر وقدر کے معاملات میں بحث وتمحیص سے بچتے ہیں اور ہر اس بات کو مبنی برصحت کہتے ہیں جو صحیح احادیث میں ہے یا جس بات کا ثبوت ان آثار سے ملتا ہے جو ثقہ عادل راویوں کے ذریعہ ہم تک پہنچا۔

اہل حدیث، دینی مسائل میں کیوں ہوا؟ اور کیوں کر ہوا؟ کہنے کے عادی نہیں۔ وہ لم اور کیف کو صحیح نہیں قرار دیتے۔

اہل حدیث، صحابہ کے فضائل بیان کرتے ہیں لیکن ان کے مشاجرات کے بیان سے دور

رہتے ہیں۔ کتاب وسنت کو حجت تسلیم کرتے ہیں:

﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء:۵۹)

اہل حدیث دینی امور میں بدعات سے دور رہتے ہیں انہی باتوں کو لائق اتباع سمجھتے ہیں جن کا اللہ اور رسول نے حکم دیا ہے۔ ❶

ہندوستان میں ایک عرصہ تک مسلمانوں کے عقائد و اعمال صحابہ اور تابعین کے نہج پر موجود رہے۔ پھر آہستہ آہستہ تقلید اور ہندو فلسفے کے زیر اثر معاملات بگڑنے لگے، ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے ان کی بہت سی مذہبی رسوم کو علی الاعلان شرف قبولیت بخش دیا گیا۔ شرک و بدعت کا زور ہوا۔ توحید اور کتاب وسنت کو پس پشت ڈالا گیا۔ اہل حدیث نے ان فتنوں کا مقابلہ کیا۔ شاہ محمد فاخر زائرؒ نے نجاتیہ اور شاہ محمد اسماعیل دہلویؒ نے تقویۃ الایمان لکھ کر اسلامی عقائد کو نکھارا اور شرک و بدعت کا رد کیا۔ اور شیخ محمد حسین بٹالویؒ اور جناب ثناء اللہ امرتسریؒ وغیرہ نے اپنی کتب اور رسائل میں ان عقائد کو آسان اور عام فہم انداز میں بیان کیا۔ ہم ہندوستان میں اہل حدیث کے بعض عقائد انہی کتابوں سے اقتباسات پیش کر کے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

اللہ کی ذات وصفات

شاہ محمد فاخر زائرؒ نے رسالہ نجاتیہ میں لکھا ہے:

منجملہ دیگر صفات، اللہ تعالیٰ کے لئے ارادہ، مشیت، فعل، پیدا کرنا، رزق دینا، اور تکوین وغیرہ صفتیں بھی ثابت ہیں۔ کتاب وسنت میں رضا، غضب، لعن، سخط، تاسف، کرہ، مجی، مکر، کید، قرب و بعد، عزت، نظر، ضحک، فرح، بغض، تعجب، منع، عطا، معیت، عندیت، خلافت، صحبت، نفی ولد اور نفی شریک وغیرہ خدا کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ نیز اس کے لئے نفس، ذات، صوت، اصبع، یمین، شمال، ید، ساق، قدم، حقو، اور جنب کا اطلاق بھی آیا ہے۔ اللہ کی صفات میں متکلمین کا یہ قول کہ وہ جوہر، عرض، محدود، معدود، متبعض اور متحیز نہیں ہے، اور نہ ہی کسی مکان میں ہے، بدعت ہے۔

---

❶ مقالات الاسلامیین جلد دوم، منقول از برصغیر میں اہلحدیث کی آمد۔ ص ۱۴۹۔۱۵۷

ہاں اس کے لئے آٹھ صفات ثابت ہیں جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ پس جن صفات کا اطلاق اللہ کیلئے قرآن وحدیث میں آیا ہے ان پر بلا چون وچرا اور بلا تاویل ایمان لانا فرض ہے۔ اس کیلئے ضد، ند، شبیہ اور نظیر نہیں ہے۔ معاون ومددگار سے پاک ہے۔ غیر کے ساتھ کبھی متحد نہیں ہوتا۔ وحدت وجود باطل ہے اور استوی علی العرش کا مسئلہ وجودیوں کے مذہب کی تردید کے لئے برہان قاطع ہے۔

کتاب اللہ میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ صفات، خدا کی ذات کا عین ہیں یا اس سے کوئی شیئے زائد ہیں۔ ہاں اس قدر موجود ہے کہ وہ جملہ صفات کمال سے متصف اور تمام اوصاف جمال وجلال کا حامل ہے۔ صفات کی نفی کرنے والے کے حق میں بڑا خطرہ ہے۔ جو لوگ صفات کو اللہ کی ذات کا عین کہتے ہیں، جو نہ عین اور نہ غیر کہتے ہیں، اور جو صفات کو ذات پر زائد اعتبار کرتے ہیں، یہ سب لوگ ایسی باتیں کہہ رہے ہیں جن کے وہ مکلّف نہیں ہیں۔ اور اعتقادات میں وہ وہ چیزیں داخل کر رہے ہیں، جو ہر گز عقائد میں داخل نہیں ہیں۔

سلف صالحین صحابہ کرام، تابعین عظام، آئمہ مجتہدین اور ان کے تلامذہ کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ذات اور اسکی صفات اسی طرح ہیں جس طرح کہ خود اس نے قرآن میں بیان فرمائی ہیں۔ اس نے قرآن میں اپنی جو صفت بیان کی ہے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اسے اسی کے ساتھ موصوف سمجھیں، اور جس چیز سے اس نے اپنے آپ کو پاک کہا ہے، ہم اس کو اس سے پاک ومنزہ ہی خیال کریں۔ اس نے اپنے لئے جو صفات ثابت کی ہیں، وہ ثابت ہیں اور جن کی نفی کی ہے ان کو ہر گز اس کی طرف منسوب نہ کریں۔ غرض خداوند کریم کی صفات کے اثبات یا نفی میں کتاب وسنت کی اقتداء لازم ہے۔ وہ ایک ہے، ازل سے ابد تک موجود ہے۔ جملہ صفات کمال کے ساتھ متصف ہے۔ اسے کھانے پینے کی حاجت نہیں ہے۔ نہ کسی کا باپ ہے۔ اور نہ ہی کسی کا بیٹا۔ ہمسر سے پاک ہے۔ حکیم ہے۔ ہر کام حکمت سے کرتا ہے، فعال ہے جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ اسکے تمام کمالات بالفعل ہیں۔ قدیم سے ہے اور صفات ازلیہ حیات، علم، ارادہ، تکوین، کلام، سمع، بصر اور قدرت اسکے ساتھ قائم بالذات ہیں۔ قرآن کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے علاوہ سمع اور بصر اللہ تعالی کی دو الگ مستقل صفات ہیں۔ اسلئے سمیع کا معنی علیم بالمسموعات، بصیر کا معنی علیم بالبصرات، کرنا قرآن وحدیث کی تحریف

ہے، کیونکہ جس سے سمع و بصر کی نفی ہو گی اس کو سمیع و بصیر نہیں کہہ سکتے۔ اور اس معنی کی قباحت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

اللہ کی صفت کلام

شاہ فاخر زائرؒ کہتے ہیں:

یہ خیال کہ اللہ کے کلام کیلئے حرف اور آواز نہیں ہے، قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اور اس کا بے حرف و آواز کلام کرنا سمجھ میں نہیں آتا، جس طرح انسان سے تمام اعضاء جدا کر دیئے جائیں تو اسے انسان نہیں سمجھا جاتا۔

قرآن کریم خدا کا کلام غیر مخلوق ہے، اسی کی طرف سے شروع ہوا اور اسی کی طرف لوٹے گا۔ اس کے لفظ اور معنی اللہ کی طرف سے ہیں۔ جبریل صرف ناقل ہیں اور محمد ﷺ اس کے مبلغ۔ اس مقدس کلام کا جو حرف یا جو جملہ مخلوق کی زبان پر جاری ہوتا ہے، وہ اللہ کا کلام ہے جو فی الواقع جبریل نے سنا ہے۔ اور بالیقین محمد ﷺ پر اتارا ہے۔ جو شخص اسے فرشتہ یا کسی انسان کا کلام کہے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اپنے کلام کرنے کا طریقہ اللہ ہی جانتا ہے اور اس کی کیفیت اسی کے علم کے سپرد ہے۔

تعالی اللّٰہ ان یّکون شبیھاً بمخلوقاتہ فی شیء من ذاتہ و صفاتہ

کیا کلام کرنے کیلئے اللہ گلے اور زبان کا محتاج ہے؟ کلام کرنے کے طریقہ کو اسی طریقہ میں جو حیوانات میں جاری ہے، منحصر سمجھنا درست نہیں ہے۔ اس خیال محال نے بہت سے لوگوں کو تاویل پر مجبور کیا ہے، اور ساحل نجات سے دور لے جا کر گرداب اضطراب میں غرق کر دیا ہے۔ صحیح اور درست بات یہ ہے کہ جو کچھ کتاب و سنت میں آیا ہے، بلا چون و چرا اس پر ایمان لایا جائے۔ جب آنحضرت ﷺ کے معجزات میں کنکروں، پتھروں اور درختوں کے کلام کرنے اور تسبیح پڑھنے میں تکلم کا معروف طریقہ استعمال نہیں کیا گیا تو اگر اللہ تعالی، جو ہر چیز پر قادر ہے، اس طریقہ سے بے نیاز ہو کر کلام کرے تو اس میں کون سا استحالہ لازم آتا ہے اور جس کلام نفسی کا اشاعرہ کی کتابوں میں تذکرہ ہے، قرآن و حدیث میں اس کی بو تک موجود نہیں ہے اور اس کے اور اللہ کی صفت علم کے مابین بجز فرق اعتباری کے تمیز کرنا مشکل ہے۔

استواء علی العرش

شاہ فاخر زائرؒ کے مطابق اہل حدیث کا عقیدہ ہے کہ

اللہ آسمانوں سے اوپر عرش بریں پر بلند ہے۔ عرش اور اس سے نیچے کی جملہ کائنات کو اللہ تعالی سے وہی نسبت ہے جو رائی کے ایک دانہ کو ایک انسان سے ہوسکتی ہے جو اپنے ہاتھ میں لے لے، اس کا علم بلند اور پست ہر قسم کی موجودات کو محیط ہے، جو کچھ ہو چکا یا جو آئندہ ہو گا سب اس کے احاطہ میں ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ (طہ:۵)

''اللہ عرش پر بلند ہوا۔''

عرش پر خدا تعالی کے استواء کا ذکر قرآن مجید میں سات جگہ آیا ہے۔

یہ بھی فرمایا:

﴿ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴾ (الطلاق:۱۲)

(اللہ نے اپنے علم سے ہر چیز کو گھیر لیا ہے)

اس مضمون کا بھی قرآن کریم میں کئی جگہ ذکر ہوا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ جس چیز کا ثبوت قرآن میں مل جائے اس کا اعتقاد رکھنا صحیح ہے اور اس کی تاویل کرنا، یا اسے اپنے ظاہری معنوں سے ہٹانا درست نہیں ہے۔

قرآن مجید کی درج ذیل آیات مسئلہ استواء پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں:

﴿ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ ﴾ (فاطر:۱۰)

''عمل صالح اور کلمات طیبات اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔''

﴿ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ ﴾ (آلعمران:۵۵)

''اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔''

﴿ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ﴾

''اللہ نے اس کو اپنے پاس اٹھا لیا۔''

﴿ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ ﴾ (المعارج:۴)

''فرشتے اور جبریل اس کی طرف چڑھتے ہیں۔''

﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ﴾ (السجدہ:۵)

''آسمان سے زمین تک جملہ کائنات کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر اس کی طرف چڑھ جاتا ہے۔''

﴿يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ﴾ (النحل:۵۰)

''فرشتے اوپر کی جانب سے اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔''

﴿تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ①﴾ (الزمر:۱)

''کتاب کا اتارنا اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے۔''

﴿ءَأَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ﴾ (الملك:۱۶)

''کیا تم آسمان کے رہنے والے سے امن میں ہو گئے ہو۔''

نیز اللہ کا فرعون سے موسیٰ کی اس بات پر کہ میرا خدا آسمان پر ہے، یہ اعتراض نقل کرنا

﴿يٰهَامٰنُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّيٓ أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۝ أَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلٰهِ مُوسٰى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا﴾ (المؤمن:۳۶،۳۷)

''اے ہامان میرے لئے ایک اونچا محل تعمیر کر، تاکہ میں آسمان کے راستوں میں پہنچ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں۔ میرے خیال میں وہ ایک جھوٹا انسان ہے۔''

اس پر شاہد ہے کہ اللہ کے لئے صفت علو کے ثبوت میں قرآن میں اس سے بھی زیادہ دلائل مل سکتے ہیں جو اس بات پر نص یا ظاہر ہیں کہ اللہ عرش پر اپنی تمام مخلوقات سے اس طرح جدا اور الگ ہے جس طرح اس کی ذات اقدس کے لائق ہے۔ ہاں اگر اس جیسی نص یا ظاہر اس کے خلاف آجائے تو تاویل سے انکار نہیں ہوسکتا و دونه خرط القتاد ، اللہ کا فرمان ﴿لیس کمثله شیء﴾ اس کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ مماثلت یا تو جمیع وجوہ سے مراد ہے جس طرح اہل سنت کا مذہب ہے، یا اخص اوصاف میں جس طرح معتزلہ کا مذہب ہے، اور اس جگہ مماثلت کی یہ دونوں صورتیں ناپید ہیں، اور اس سے اللہ کے لئے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف متغیر ہونا بھی، جو حدوث کی علامت ہے لازم نہیں آتا ہے، کیونکہ جس طرح دنیا کو ایجاد کرنے اور اس کا موجد کہلانے سے اس کے لئے تغیر نہیں ہوا ہے، ٹھیک اسی طرح عرش کو پیدا کرنے اور اس پر مستوی ہونے سے بھی کوئی تغیر نہیں ہوتا ہے۔

جس طرح قرآن میں وارد ہونے والی اللہ تعالی کی ہر صفت پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح احادیث نبویہ میں آنے والی ہر ہر صفت پر اعتقاد رکھنا لازم ہے۔اس میں کسی طرح کی تحریف وتاویل کرنا ہرگز جائز نہیں۔صفات کے متعلق آپ ﷺ سے بے شمار احادیث ثابت ہیں، جن میں سے کچھ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

ا۔صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے لوح محفوظ کے حق میں آیا ہے کہ اس پر لکھا ہے:

((سبقت رحمتی علی غضبی فھو عندہ فوق العرش)) ❶

''میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے اور لوح محفوظ میں عرش پر اس کے پاس موجود ہے۔''

ایک روایت میں عندہ کی بجائے موضوع فوق العرش ❷ آیا ہے۔دوسری روایت میں مکتوب عندہ ❸ کا لفظ وارد ہوا ہے۔

۲۔معراج کے واقعہ میں انس رضی اللہ عنہ سے بخاری میں آیا ہے:

((دنی الجبّار ربّ العزّة وتدلی))

''اللہ رب العزت قریب ہو گیا، اور نیچے اتر آیا۔''

اس واقعہ میں یہ بھی ہے ((قال لہ موسی ارجع الی ربّك)) ''موسیٰ نے آپ ﷺ سے کہا کہ اپنے رب کے پاس جاؤ'' یہ بھی ہے:

((فعلی به الی الجبّار تبارك وتعالی فقال وھو مکانه))

''فرشتہ آپ ﷺ کو اوپر اللہ کے پاس لے گیا اور اللہ نے اپنی جگہ سے فرمایا۔''

۳۔بخاری ومسلم میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿بل ھو قرآن مجید﴾، رقم الحدیث:۷۵۵۳ صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فی سعة رحمة اللہ تعالیٰ، رقم الحدیث:۱۴۔۲۷۵۱

❷ صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فی سعة رحمة اللہ تعالیٰ، رقم الحدیث:۱۶۔۲۷۵۱

❸ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿بل ھو قرآن مجید﴾، رقم الحدیث:۷۵۵۴

((انا امین من فی السماء)) ❶

''میں آسمانوں میں رہنے والے خدا کا امین ہوں۔''

۴۔صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک لونڈی سے سوال کیا:

((این اللّٰہ ؟ فقالت فی السّماء۔ قال انّھا مؤمنۃ)) ❷

''اللہ کہاں ہے؟ کہنے لگی آسمانوں میں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایمان دار ہے۔''

۵۔ام المؤمنین حضرت زینبؓ فرماتی ہیں:

((زوّجنی اللّٰہ من فوق سبع سماوات))

''اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے میرا نکاح کر دیا ہے۔''

۶۔ابوداؤد میں فضالہ سے مروی ہے:

((ربّنا الّذی فی السّماء تقدس اسمك)) ❸

''اے آسمانوں میں رہنے والے ہمارے خدا! تیرا نام پاک اور مقدس ہے۔''

۷۔عبداللہ بن عمرؓ سے ترمذی میں روایت ہے اور امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے:

((ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السّماء)) ❹

''تم زمین میں رہنے والوں پر رحم کرو تم پر آسمانوں میں رہنے والہ رحم کرے گا۔''

۸۔امام شافعیؒ اپنی مسند میں انس سے فضائل جمعہ میں یہ حدیث لائے ہیں:

((ھو الیوم الّذی استوی فیہ ربّك تبارك وتعالی علی العرش))

''یہ وہ دن ہے جس میں تیرا رب عرش پر بلند ہوا۔''

---

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث علی بن ابی طالب......رقم الحدیث:۴۳۵۱

❷ صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ......رقم الحدیث:۳۳۔۵۳۷

❸ سنن ابوداؤد، کتاب الطب، باب کیف الرقیٰ، رقم الحدیث:۳۸۹۲

❹ سنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الناس، رقم الحدیث:۱۹۲۴

۹۔ابن ماجہ میں جابرؓ سے روایت ہے:

((فاذا الرب قد اشرف عليهم من فوقهم)) ❶

''ناگہاں اللہ نے اوپر سے ان پر نگاہ ڈالی۔''

۱۰۔شفاعت کے بارہ میں انسؓ سے بخاری میں آیا ہے:

((فادخل على ربّي وهو على عرشه))

''میں اپنے رب پر داخل ہوں گا حالانکہ وہ اپنے عرش پر ہوگا۔''

بخاری میں بعض الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں:

((فاستاذن على ربي في داره)) ❷

''میں اپنے رب کے گھر جا کر ملاقات کیلئے اذن طلب کروں گا۔''

۱۱۔اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کے ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرمانے کی حدیث بہت مشہور ہے۔❸ اور تقریباً حدیث کی ہر کتاب میں مسطور ہے۔

غرض اس مسئلہ میں اس قدر احادیث آئی ہیں کہ اس مختصر تحریر میں ان کا شمار کرنا بہت مشکل ہے۔ان احادیث کی بہت بڑی مقدار کتاب العلو امام ذہبیؒ، کتاب النزول و کتاب العرش امام ابن تیمیہؒ اور ان کے تلامذہ کی کتابوں میں آ گئی ہے۔صحابہ کرام، آئمہ مجتہدین اور ان کے شاگردوں کے اقوال اس بارہ میں ان گنت اور بے شمار ثابت ہیں۔مگر آیات قرآن و احادیث رسول اللہ کی موجودگی میں ان کے ذکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔بس اللہ کی کتاب اور محمد ﷺ کی احادیث پر ایمان لانے والوں کے لئے لازم ہے کہ وہ اس عقیدہ سے سرمو انحراف نہ کریں۔ بلکہ ایسا اعتقاد رکھنے والوں کے رنگ میں رنگ جائیں اور متاخرین اور دوسرے لوگوں کے اقوال و آراء کی طرف التفات نہ کریں۔

---

❶ سنن ابن ماجہ، المقدمہ، باب فیما انکرت الجھمیۃ، رقم الحدیث:۱۸۴

❷ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ، ﴿وجوہ یومئذ ناظرۃ﴾ رقم الحدیث:۷۴۴۰

❸ صحیح بخاری، کتاب التھجد، باب الدعاء والصلاۃ من آخر اللیل، رقم الحدیث:۱۱۴۵ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الترغیب فی الدعاء......رقم الحدیث:۱۶۸۔۷۵۸

قیامت کے روز خدا کا دیدار

شاہ محمد فاخر زائرؒ رسالہ نجاتیہ میں کہتے ہیں:

قیامت کے روز ان آنکھوں سے خدا کا دیدار برحق ہے، جس طرح چودھویں رات کو چاند دیکھنے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رؤیت میں بھی کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رؤیت کسی مکان اور جہت میں نہیں ہوگی۔ شعاع کے اتصال اور رائی و مرئی کے درمیان مسافت کے ذریعہ بھی حاصل نہیں ہوگی، مگر کتاب و سنت اس سے خاموش ہیں۔ رؤیت باری کی احادیث تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور قرآن مجید کی آیت:

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝﴾ (القيامة: ٢٢، ٢٣)

''اس روز بہت سے چہرے پر رونق، اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔''

اس پر نص صریح اور دلیل قطعی ہے۔ سلف صالحین اور آئمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہے۔ جہمیہ نے خدا کو ایسے صفات کے ساتھ موصوف گردانا ہے جو عدم محض کے سوا کہیں نہیں پائی جاتیں۔ رؤیت، استواء اور دیگر صفات کی نفی کرتے ہیں۔ لیکن آئمہ حدیث اور سلف امت نے ہمیشہ اثبات حق اور تردید باطل میں کوشش بلیغ فرمائی ہے۔ جملہ اہل اسلام کے لئے ان کی اتباع لازمی ہے۔

فانّهم مركز الحقّ، وهم يدورون معه حيث دار۔

حدوث دنیا

شاہ محمد فاخر زائر رسالہ نجاتیہ میں کہتے ہیں:

دنیا اور اس کے تمام اجزاء حادث ہیں، جو موجود ہونے سے پہلے اپنا وجود نہیں رکھتے تھے۔ اس کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے اختیار سے کتم عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا ہے اور اس کے علم اور قدرت سے ہی خلعت وجود حاصل کی ہے۔ کسی چیز کے لئے اپنی مقررہ حد سے تجاوز کرنا ممکن نہیں، چناں چہ عمران بن حصین کی حدیث:

((كان الله ولم يكن شيء قبله وكان عرشه على الماء ثمّ خلق السّماوات

والارض و کتب فی الذکر کل شیء)) ❶

''اللہ تعالی موجود تھا، اوراس سے پہلے کسی چیز کا وجود نہیں تھا۔اس وقت اللہ تعالی کا عرش پانی پر تھا، پھراس نے زمین اور آسمان پیدا کیے اورلوح محفوظ میں ہر ہونے والی چیز کولکھ دیا) اس پر شاہد ہے۔ وہ ہر روز کسی نہ کسی کام میں لگا رہتا ہے ۔ اس کی ساحت کمال میں بے کاری کی گنجائش نہیں ہے۔''

معراج

آنحضرت ﷺ کا معراج روح اور جسم سمیت مسجد حرام سے مسجد اقصی تک اور وہاں سے آسمان اورسدرۃ المنتہی تک برحق ہے۔اوراللہ تعالی کے لئے علو، استواء اور تمام مخلوق سے الگ تھلگ رہنے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا مسجد حرام سے مسجد اقصی تک تشریف لے جانا نص قرآنی سے ثابت ہے اور وہاں سے آسمان، جنت، سدرۃ المنتہی تک صحیح احادیث سے ثابت ہے، جو اپنا مدعا ثابت کرنے میں حجت ہیں۔

کمال ایمان یہ ہے کہ یہ خبر سنتے ہی اس کی تصدیق دل نشین ہو جائے اور شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

بعثت انبیاء

رسولوں کا مبعوث فرمانا عین حکمت اور اللہ تعالی کی مخلوق پر اتمام حجت ہے، ہمیشہ انسانوں کی طرف انسان ہی رسول بن کر آئے ہیں اور مومنوں کیلئے بشارت اور کفار کیلئے انذار کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔

اللہ تعالی نے معجزات اورخرق عادات چیزوں سے ان کی تائید فرمائی ہے۔سب سے اول آدمؑ ابوالبشر ہیں اور آخر میں حضرت محمد ﷺ ہیں، جیسا کہ آیت:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی قول اللہ تعالیٰ: ﴿وھوالذی یبدء الخلق ثم یعیدہ﴾ رقم الحدیث: ۳۱۹۱

﴿ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ﴾ (الاحزاب: ٤٠)

''لیکن آپ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔'' سورہ احزاب

اور حدیث:

((بعثت الی الخلق كافةً)) ❶

((جئت فختمت الانبياء عليهم السلام)) ❷

''میں تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں اور مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔''

میں تصریح کی گئی ہے۔

جملہ نبیوں اور رسولوں کے نام شمار کرنے کی کوشش نہ کرنا ہی بہتر ہے، کیونکہ اللہ نے بعض انبیا اور رسل کے نام بتائے ہیں اور بعض کے نہیں بتائے۔

﴿ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾ (المؤمن: ٧٨)

اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ انبیاء کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ اور صغائر کا مطلقاً قصد نہیں کرتے ہیں۔ اسی طرح احکام الٰہی کی تبلیغ میں بھی ان کی عصمت متحقق ہے۔ قرآن میں جو کچھ بعض انبیاء کرام کے حق میں بظاہر عصمت کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس کے متعلق بہتر یہ ہے کہ آیہ شریفہ:

﴿ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴾ (الاحزاب: ٣٨)

''اللہ تعالیٰ کا کل کام تقدیر کے مطابق ہوتا ہے جس کا اندازہ پہلے سے ہو چکا ہے۔''

کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن مجید کی تحریف سے اجتناب کیا جائے۔

خدا کی معیت

اس موضوع پر شیخ محمد حسین بٹالویؒ نے اشاعۃ السنۃ کی آٹھویں جلد میں تفصیلی بحث کی تھی اور سید نذیر حسین محدث دہلویؒ نے اس کی تحسین فرمائی تھی۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب قول النبی: جعلت لی الارض مسجدا وطهورا، رقم الحدیث: ٤٣٨

❷ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ خاتم النبیین، رقم الحدیث: ٢٣-٢٢٨٧

ہم اس تحریر کی تلخیص اہل حدیث کے عقیدے کے اس باب میں نقل کرتے ہیں۔ جناب بٹالوی رقم طراز ہیں:

سلف صالحین صحابہ تابعین اوران کے اتباع متقدمین ومتاخرین کا صفت قرب ومعیت رب العالمین کی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ جس طرح اس کولائق ہے وہ ہمارے ساتھ ہے جیسا اس کوشایان ہے وہ ہم سے قریب ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اکثر حاملین شریعت وناقلین آثارو اقوال علماء ملت نے سلف صالحین صحابہ وتابعین وغیرہم سے عموماً صفت قرب ومعیت کے متعلق یہی نقل کیا ہے کہ یہ صفات جس طرح قرآن وحدیث میں وارد ہیں اس طرح بلاکم و کاست ان پر ایمان واجب ہے اور کسی صفت میں کوئی تاویل وتشبیہ وتعطیل جائزنہیں ہے اور بعض علماء نقل نے خصوصاً صفت قرب ومعیت کی نسبت بھی مذہب سلف سے نقل کیا ہے اور بہت سے علماء خصوصاً مئولین صفت قرب ومعیت نے یہ بھی کہا ہے کہ جو کچھ خدا نے اپنی صفت میں یا اسکے رسول نے خدا کی صفات میں فرمایا ہے اس سے تجاوز کرنا جائزنہیں۔ ان مضامین کے اقوال کتب متقدمین ومتاخرین میں بکثرت ہیں اور کتب رسائل مئولین ومفوضین میں منقول ہیں۔ چند اقوال اس مقام میں نقل کئے جاتے ہیں:

○......تفسیر اتقان میں آیات صفات کو متشابہات کے ضمن میں لاکر کہا ہے کہ جمہور اہل سنت جن میں سلف صالحین اوراہل حدیث ہیں، اس پر ہیں کہ ان صفات پر ایمان لائیں اور ان کے معانی کو جو خدا کی مراد ہیں خدا کے سپرد کریں۔ حقیقی معانی سے ان کی تفسیر (تاویل) نہ کریں اور کہا ہے:

فصل من المتشابه آيات الصّفات

وجمهور اهل السّنّة منهم السّلف الصّالح واهل الحديث على الايمان بها وتفويض معناها: المراد الى اللّه تعالى ولا نفرها مع تاويلها عن حقيقتها۔

اخرج الالكائى فى السنة من طريق قرة بن خالد عن الحسن عن ام سلمة فى قوله ﴿الرّحمن على العرش استوى﴾غير مجهول، والاقرار به ايمان والجحود به كفر۔

واخرج عن ربیعة بن عبد الرحمن انّه سئل عن قو له﴿الرّحمن علی العرش استوی﴾فقال الایمان غیر مجهول، والکیف غیرمعقول ومن اللّٰه الرّسالة وعلی الرّسول البلاغ المبین وعلینا التّصدیق۔

واخرج ایضاً عن مالك سئل عن الآیة فقال: الکیف غیر معقول والاستواء غیرمجهول والایمان به واجب والسوال عنه بدعة۔

واخرج البهیقی((قال هو کما وصف نفسه ولا یقال کیف وکیف عنه مرفوع))

واخرج الالکائی عن محمد بن الحسن قال اتفق الفقهاء کلهم من الشرق الی المغرب علی الایمان بالصفات من غیر تفسیر ولاتشبه۔ قال الترمذی فی الکلام علی حدیث الرویة: المذهب عند اهل العلم من الآئمة مثل سفیان الثوری ومالك وابن المبارك وابن عبید وو کیع وغیرهم انهم قالوا یروی هذه الاحادیث کما جاء ت ونؤمن بها ومذهب طائفة من اهل السّنّة الی ان تاولها علی مایلیق بجلاله تعالی وهذا مذهب الخلف وکان امام الحرمین یمیل الیه ثم رجع.

قال ابن الصّلاح وعلی هذه الطریق مضی صدر الامة وسادتها وایاها اختار آئمة الحدیث......ولااحد من المتکلمین واختارابن برهان مذهب التاویل، قال ومنشا الاختلاف الفریقین هل یجوز ان یکون فی القرآن شیء لایعرف معناه ولایعلمه الراسخون۔

وتوسط ابن دقیق العید فقال اذا کان التاویل قریبا من لسان العرب لم ینکر لوبعیداً توقفنا ونداك بمعناه علی الوجه الذی اراد......قال وماکان معناه من هذه الاشیاء ظاهراً مفهوماً من تخاطب العرب قلنا به من غیر......قوله تعالی

﴿یا حسرتی علی مافرطت فی جنب اللّٰہ﴾...... ❶

فمن فسر الیوم شیئا من ذالك فقد خرج عما كان علیه النبی ﷺ وفارق الجماعة فانهم لم یصیفوا ولم یفسروا ولكن افتوا بما فی الكتاب و السنة ثم سكتوا ۔ ❷

وروی البهیقی وغیره باسناد صحیح عن ابی عبید القاسم بن سلام قال هذه الاحادیث التی یقول فیها ((ضحك ربنا......))حق عندنا حملها الثقات بعضهم عن بعض غیر انا اذا سئلنا عن تفسیرها لا نفسرها وما ادركنا احدا یفسرها ابوعبید احد الأئمة الاربعة الذین هم الشا فعی واحمد واسحاق و ابوعبید وله من المعرفة بالفقه واللغة والتاویل ما هو أشهر من ان یوصف و قدكان فی الزمان الذی ظهرت فیه الفتن والاهواء فقد اخبر أنه ما ادرك احداً من العلماء یفسرها تفسیر الجهمیة۔ ❸

ابوالقاسم لالکائی نے کتاب السنہ میں خدا کے عرش پر ہونے کی نسبت ام سلمہؓ سے نقل کیا کہ اس کی کیفیت نہ معلوم ہے اور اس صفت کا ہونا معلوم ہے اس کا اقرار ایمان ہے اور اس سے انکار کفر۔ اور ربیعہ بن عبدالرحمٰن سے نقل کیا ہے کہ ان سے کسی نے اس صفت کی بابت سوال کیا تو انہوں نے بھی ایسا فرمایا۔ ایسا ہی مالکؒ سے نقل کیا اور لالکائی نے امام محمد بن حسن سے نقل کیا ہے کہ مشرق سے مغرب تک فقہاء بلاتفسیر وتشبیہ صفات پر ایمان لانے پر متفق ہیں اور ترمذی نے

---

❶ اتقان، ص ۲۵۰

❷ حمویہ ص ۵۹

❸ حمویہ ص ۵۹۔۶۰

حدیث رؤیت خداوندی کے ذیل میں فرمایا ہے کہ سفیان ثوریؒ وامام مالکؒ وابن مبارکؒ وابن عیینہؒ، وکیعؒ وغیرہ علماء کی یہی رائے ہے کہ یہ احادیث صفات جیسی وارد ہیں ان پر ایمان لائیں ان کی نسبت نہ کیفیت کا سوال کرنا چاہیے نہ ان کی کوئی تفسیر یا تاویل نہ ان کے معانی کی نسبت جوئی وہم وخیال کرنا چاہیے۔

ایک جماعت اہل سنت ان صفات کی تاویل مناسب بجلال خداوندی کرتے ہیں اور یہی مذہب پچھلے علماء کا ہے۔ امام الحرمینؒ پہلے اسی مذہب پر تھے پھر اس سے انہوں نے رجوع کیا۔ اور رسالہ نظامیہ میں کہا کہ جس دین کو ہم پسند کرتے ہیں وہ آئمہ سلف کا اتباع ہے وہ ان صفات خدا تعالی سے تعرض نہ کرنے پر گزرے ہیں۔ ابن الصلاحؒ نے کہا ہے کہ اس طریق ترک تعرض تاویل وتفسیر صفات اس امت کے صدر اور سردار (صحابہ) گزرے ہیں۔ اسی کو آئمہ فقہاء وغیرہ متقدمین نے اختیار کیا۔ اسی کی طرف اکثر اہل حدیث نے لوگوں کو بلایا ہے۔ ہمارے متکلمین نے اس سے منہ نہیں پھیرا۔

ابن برہانؒ نے مذہب تاویل کو اختیار کیا ہے۔ اس اختلاف کا منشاء اس باب میں اختلاف ہے کہ قرآن میں ایسی چیز کا جس کو نہ جانیں، پایا جانا ممکن ہے یا نہیں۔ اور ابن دقیق العیدؒ نے تاویل وتفویض کے بیچ راہ اختیار کی ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ اگر تاویل محاورہ عرب سے قریب ہوگی تو اس سے انکار نہ ہوگا۔ بعید ہوگی تو اس سے ہم توقف کریں گے اور اس کے معنی پر جو خدا کی مراد ہیں ایمان لاویں گے۔ اور جو معنی ظاہر طور پر محاورہ عرب سے مفہوم ہوں گے اس کے ہم بلا تعلیم شارع بھی قائل ہو جائیں گے جیسے جنب اللہ کے معنی حق اللہ کے ہیں۔

لالکائی کی کتاب السنہ سے امام محمدؒ کا یہ قول کہ مشرق سے مغرب تک فقہاء بلا تفسیر و تشبیہہ خدا کی صفات پر ایمان لانے پر متفق ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ حمویہ میں نقل کیا ہے کہ جو شخص آج منجملہ ان صفات کے جو قرآن وحدیث میں وارد ہیں کسی صفت کی تفسیر کرے وہ اس طریق سے نکل گیا جس پر آنحضرت ﷺ تھے اور اس نے اس جماعت کو چھوڑ دیا کیونکہ انہوں نے اپنے پاس سے خدا کی

کوئی صفت بیان نہیں کی۔اور نہ کسی صفت باری کی تفسیر کی ہے بلکہ اس پر فتوی دیا ہے جو کتاب وسنت میں پایا پھر چپ ہو گئے۔اس کی تفسیر میں کچھ نہیں کہا۔ پھر بروایت بیہقی امام ابوعبید قاسم ابن سلامؒ سے نقل کیا کہ یہ احادیث جن میں خدا کا ہنسنا مروی ہے......ثقہ لوگوں نے ان کو روائت کیا ہے لیکن اگر ہم سے ان کی کوئی تفسیر پوچھے تو ہم ان کی تفسیر نہ کریں گے اور ہم نے کسی کو نہیں پایا۔

وقال الامام احمد بن حنبل لایوصف اللّٰہ الا بماوصف اللّٰہ نفسہ او وصفہ بہ رسولہ ولایتجاوز القرآن والحدیث ❶

اوائل رسالہ میں احمد بن حنبلؒ سے نقل کیا ہے کہ خدا کی صفت میں بجز اسکے جو خدا نے از خود بتایا ہے اور اسکے رسول نے بیان کیا ہے کچھ نہ کہیں اور قرآن وحدیث سے آگے نہ بڑھیں۔

○......اسی رسالہ میں صفحہ ۵۲ پر خود امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

فما وصف اللّٰہ من نفسہ فسمّاہ علی لسان نبیّہ ﷺ سمّیناہ کما سمّاہ ولانتکلف صفة ماسواء لہ ھذا، ولانجحد ما وصف ولانتکلّف معرفة مالم یصف۔اعلم رحمك اللّٰہ ! انّ العصمة فی الدّین ان تنتھی فی الدّین حیث انتھی بك ولا تجاوز ما قد حدلك۔

کہ خدا تعالی نے اپنی جس صفت کا اپنے رسول کی زبان پر نام لیا ہے ہم بھی اس کا ویسا ہی نام لیں گے اس کے علاوہ اور صفت کے نام لینے کا تکلف نہ کریں گے اور نہ اس صفت کا جس کا رسول نے نام لیا ہے، انکار کریں گے۔ دین میں بچاؤ کی یہی صورت ہے کہ اس حد پر پہنچ جائے جس حد تک تجھے دین پہونچائے اس حد سے آگے نہ بڑھے۔

---

❶ حمویہ ۲۷

○......اسی رسالہ میں ایک جگہ معمر بن احمد اصبہانی سے نقل کرتے ہیں:

وینزل کلّ لیلۃ الی السّماء الدّنیا کیف شاء فیقول ھل من داعٍ فاستجیب لہ؟ ھل من مستغفر فاغفرلہ؟ ھل من تائب فاتوب علیہ؟ حتی یطلع الفجر۔ ونزول الربّ الی السّماء بلاکیف ولاتشبیہ ولاتاویل فمن انکر النّزول او تاول فھو مبتدع ضال۔ ❶

خدا تعالی ہر شب آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے جیسا وہ چاہتا ہے اور یہ نزول آسمان دنیا کی طرف بلا کیف وتشبیہہ ہے جو اس نزول کا منکر یا مئول ہے وہ مبتدع وگمراہ ہے۔

○......اسی رسالہ میں ایک جگہ امام ابوالحسن اشعریؒ کی کتاب اختلاف المصلین ومقالات الاسلامیین سے نقل کرتے ہیں:

ویقرون أن اللّٰہ یجئ یوم القیامۃ کماقال اللّٰہ تعالی:﴿وجاء ربّک والملک صفّاً صفّاً﴾ (الفجر:۲۲) وان اللّٰہ تعالی یقرب من خلقہ کیف شاء کما قال:﴿ونحن اقرب الیہ من حبل الورید﴾

اہل سنت معترف ہیں کہ خدا تعالی قیامت کے دن آئے گا چنانچہ خدا تعالی نے فرمایا ہے تیرا رب اور فرشتے صفیں باندھ کر آئیں گے، اور اس بات کے معترف ہیں کہ خدا تعالی مخلوق سے جس طرح اس نے چاہا قریب ہے چنانچہ اس نے فرمایا ہے ہم انسان سے اس کی رگ جان سے زیادہ نزدیک ہیں۔

○......اسی رسالہ میں ایک جگہ امام اشعریؒ کے رسالہ ابانہ سے نقل کیا ہے:

ونصدق بجمیع الروایات الّتی اثبتھا اھل النّقل من النّزول الی السّماء الدّنیا...... ولانبتدع فی دین اللّٰہ مالم یاذن لنا بہ، ولا نقول علی اللّٰہ مالم نعلم، ونقول

---

❶ حمویہ ص ۶۶

إن اللّٰه یجیء یوم القیامة کما قال:﴿و جاء ربّك و الملك صفّاً صفّاً﴾ و انّ اللّٰه یقرب من عباده کیف شاء کما قال:﴿و نحن اقرب الیه من حبل الورید﴾ و کماقال:﴿ثمّ دنی فتدلّی۔فکان قاب قوسین او ادنی﴾ ❶

ہم اہل سنت و اہل حدیث ان سب روایات کو جو نزول کے باب میں وارد ہیں، تصدیق کرتے ہیں اور اس کی تفسیر یا تاویل میں از خود کچھ بدعت نہیں نکالتے اور خدا کی نسبت وہ بات نہیں کہتے جس کا ہم کو خدا کی طرف سے اذن نہیں ۔ یہی کہتے ہیں کہ خدا تعالی قیامت کے دن آئے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے تیرا رب اور فرشتے صفیں باندھ کر آئیں گے ۔ اور یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالی اپنے بندوں سے قریب ہے جیسا کہ اس نے چاہا ہے ۔ چنانچہ فرمایا ہے ہم انسان سے اس کی رگ جان سے زیادہ قریب ہیں اور فرمایا پھر خدا تعالی اپنے رسول ❷ سے شب معراج میں قریب ہوا۔ پھر اور بھی قریب ہوا۔ پس بقدر دو کمانوں کے فرق رہ گیا یا اس سے بھی نزدیک ۔

○......امام محمد بن علی شوکانیؒ رسالہ التحف فی الارشاد الی مذاھب السّلف میں خدا تعالی کا عرش پر ہونا سلف صالحین صحابہ و تابعین وغیرہ سے ثابت کر کے فرماتے ہیں:

و کما نقول ھذا فی الاستواء و الکون فی ذالك الجھة فکذا نقول فی مثل قوله تعالی:﴿و ھو یعلم اینما کنتم﴾ وقوله سبحانه:﴿و مایکون من نجوی ثلاثة الّا ھو رابعھم و لا خمسة الّا ھو سادسھم﴾ و فی﴿انّ اللّٰه مع الصّابرین﴾ ﴿و انّ اللّٰه مع الّذین اتّقوا و الّذین ھم محسنون﴾ الی مایشابه ذالك......

---

❶ حمویہ۔ص ۷۸

❷ یہ اس آیت کے معنی میں ایک قول ہے دوسرا قول جو حضرت عائشہؓ وغیرہ سے ہے یہ ہے کہ اس آیت میں جبریل کا قریب ہونا آنحضرت ﷺ سے بیان ہوا ہے۔ محمد حسین

فنقول فی مثل هذه الآیات هکذا جاء فی القرآن انّ اللّه سبحانه مع هئولاء ولا نتکلف بتاویل ذالك کما یتکلّف غیرنا بانّ المراد بهذا الکون و المعیة هو کون العلم......فان هذه شعبة من شعب التّاویل تخالف مذاهب السّلف وتبائن ما کان علیه الصحابة و تابعوهم رضوان اللّه علیهم اجمعین، واذانتهیت الی السّنّة......فی......فلا تجاوز۔ ❶

ہم جیسا کہ استواء اور جہت فوق کی نسبت سے اعتقاد رکھتے ہیں ویسا ہی ان اقوال خداوندی (وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو، کہیں تین شخص چھپکے باتیں کرنے والے نہیں ہوتے جہاں خدا ان میں چوتھا نہ ہو، خدا تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے...... نیکوکاروں کے ساتھ ہے) کی نسبت اعتقاد رکھتے ہیں کہ قرآن میں ایسا ہی آیا ہے کہ خدا تعالی ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ ہم اس کی تاویل سے کہ وہ علم کے ساتھ ہے یا نصرت سے، تکلف نہیں کرتے جیسا کہ اور لوگ یہ تکلف کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ ساتھ ہونے سے عالم ہونا اور علم سے ساتھ ہونا مراد ہے۔ یہ بھی تاویل کی ایک شاخ ہے جو مذاہب صحابہ و تابعین و سلف کے مخالف ہے، جب تو حد سلامت کو پہونچے تو اس سے آگے نہ بڑھ۔

○......امام شوکانیؒ کے شاگرد شیخ محمد بن ناصر حازمیؒ نے اپنے رسالہ میں خدا کی صفات (ید، وجہ، سمع، بصر، قرب، معیت وغیرہ) شمار کر کے یہ کہا ہے:

فکل هذه الصّفات تساق ساقاً واحداً وقولنا فیها کما فی العلو والاستواء فیجب علینا الایمان بما نصّ به الکتاب والسّنّة سواء عرفنا معناه اولم نعرف۔

یہ سبھی صفات ایک ہی روش پر ہیں ان میں ہمارا وہی قول ہے جو صفت علو واستواء میں ہے کہ ان پر ایمان واجب ہے اگرچہ ہم ان کی معنے نہیں جانتے۔

---

❶ اتحف ص ۱۶

ان اقوال میں صاف تصریح ہے:

قرب ومعیت خدا تعالی کی نسبت سلف صالحین صحابہ وتابعین وغیرھم یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ جس طرح خدا تعالی کو لائق ہے وہ بندوں کے ساتھ ہے جیسا اس کو شایان ہے وہ ان سے قریب ہے اور وہ اس قرب ومعیت کے علم یا نصرت سے تاویل نہ کرتے جیسا اور صفات خداوندی (وجہ، ید، استواء وغیرہ) کی تاویل نہ کرتے جو لفظ خدا تعالی کی صفت میں قرآن و حدیث میں وارد ہے اسی لفظ یا اس کے لفظی ترجمہ کے بیان پر اکتفا کرتے۔ اس سے علاوہ کوئی لفظ وہ اس کی تفسیر وتاویل میں اپنے پاس سے نہ کہتے اور نہ اس کو جائز کہتے بالجملہ صفت قرب و معیت اور بقیہ صفات خداوندی کو وہ یکساں سمجھتے۔ اب جو شخص خدا کی صفت قرب ومعیت کی نسبت یہی روش صحابہ وتابعین و دیگر سلف صالحین اختیار کرے، صرف لفظ قرب ومعیت کے استعمال پر اکتفا کرے اور اس کا ہندی (اردو) ترجمہ: وہ خدا ہم سے قریب ہے اور وہ ہمارے ساتھ ہے، کردے، اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہے، وہی راہ صواب پر معلوم ہوتا ہے۔

جبر وقدر

شاہ محمد فاخر زائر الہ آبادیؒ رسالہ نجاتیہ میں فرماتے ہیں:

انسان اپنے اعمال میں خود مختار ہے اور اسی اختیار کی وجہ سے ثواب اور عقاب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ نیک اعمال اللہ تعالی کی رضا مندی اور محبت سے ہوتے ہیں اور بداعمال اس کی رضا اور محبت سے نہیں ہیں، اس کے ارادہ سے ضرور ہوتے ہیں۔ نیکیوں پر ثواب اور بدیوں پر عذاب دینا اس کا عدل ہے، اور یہ اس پر کسی کی طرف سے واجب نہیں ہے۔ خود اپنے آپ پر واجب کرلے تو اس کی مرضی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ ”اللہ نے اپنے آپ پر رحمت کو فرض کرلیا ہے“ اور دوسری متعدد آیات واحادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔

- تکلیف کا اعتبار عقل، تمیز اور بلوغ پر ہے بعض لوگوں کا یہ قول کہ استطاعت فعل کے ساتھ ہے، قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے۔ بندہ کو اللہ تعالی کی طرف سے اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔
- بندوں کے افعال خدا کے مخلوق ہیں اور فاعل خود انسان ہیں۔ قرآن کی آیت:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (الصافات:٩٦)

''تمہارا اور تمہارے اعمال کا اللہ خالق ہے۔''

سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ خلق کی نسبت اللہ تعالی نے اپنی طرف کی ہے، اور عمل کو بندوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ کہنا کہ فعل اللہ کا اور کسب بندہ کا ہے سمجھ میں نہیں آتا، اور قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

○ چیزوں کی حقیقت ثابت ہے۔ اور ان کا علم یقیناً حاصل ہے۔ مخلوق کے لئے حصول علم کے تین ذریعے ہیں: ۱۔ حواس خمسہ۔ ۲۔ خبر صادق۔ ۳۔ عقل۔

بداہۃً عقل سے ثابت ہونے والہ علم ضروری ہے اور استدلال اور مقدمات کو ترتیب دینے سے حاصل ہونیوالہ علم اکتسابی ہے، الہام کسی چیز کی صحت معلوم کرنے کا سبب نہیں ہے۔

○ دنیا موجود ہونے کے بعد ضرور فنا ہونے والی ہے:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ (القصص:٨٨)

''اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونیوالی ہے۔''

مقتول اپنی ہی موت سے مرتا ہے۔ اور موت ایک ہی ہے:

﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا﴾ (المنافقون:١١)

''اور اللہ تعالی ہرگز کسی جان کو ڈھیل نہیں دیتا جب اس کی موت آجاتی ہے۔''

اور کئی دوسری آیات میں یہی حکم بیان کیا گیا ہے۔

○ حلال یا حرام جو کچھ بھی لوگ کھاتے ہیں، رزق ہے، ہر شخص اپنا رزق پورا کر لیتا ہے۔ کوئی آدمی دوسرے کا رزق نہیں کھا سکتا:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (ھود:٦)

''زمین پر ہر چلنے پھرنے والی چیز کا رزق خدا تعالی کے ذمہ ہے۔''

میں اسی طرف اشارہ ہے۔

○ چیزوں کے حسن وقبح کا فیصلہ عقل نہیں کر سکتی، یہ حکم لگانا اللہ کیلئے مخصوص ہے۔

○ قبر میں کافروں اور گنہ گار مومنوں کیلئے عذاب، اہل اطاعت کے واسطے نعمتوں کا حاصل

ہونا، منکر نکیر کا سوال، مردوں کا قبر سے اٹھنا، اعمال کا وزن، عمل ناموں کا تقسیم ہونا، حساب ہونا، حوض پر جانا، صراط سے گزرنا، دوزخ و جنت میں جانا، اور اللہ تعالی کی اجازت سے نیکو کاروں اور انبیاء کا سفارش کرنا، برحق ہے۔

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ﴾ (البقرة:٢٥٥)

''اللہ کے پاس اس کی اجازت کے بغیر کون سفارش کرسکتا ہے۔'' اور

﴿مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ﴾ (السجدہ:٤)

''اللہ کے بغیر نہ کوئی تمہارا دوست ہے اور نہ کوئی سفارشی ہے۔''

وغیرہ آیات اس پر شاہد ہیں۔

- حیرت ہے کہ یہ لوگ اللہ سے (جو ہر نزدیک سے زیادہ نزدیک ہے) کیوں اپنی حاجت طلب نہیں کرتے؟ اس کی رحمت کیوں نہیں چاہتے؟ اس سے بخشش کیوں نہیں مانگتے؟ اور اس سے ہی کسی شفیع کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے؟ جو اسکی اجازت سے اس کا کام سرانجام دیدے، یقیناً یہ باتیں آجکل کے قبر پرستوں اور پیر پرستوں کو سخت ناگوار گزریں گی۔ لیکن کیا کیا جائے کہ صرف حق ہی اس لائق ہے کہ اسکی اتباع کی جائے۔

اتباع سنت

جناب ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسریؒ لکھتے ہیں:

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ ہر مذہبی کام میں پیغمبر خدا ﷺ کا اتباع فرض ہے۔ جس کام کو رسول خدا نے نہ خود کیا ہو اور نہ کرنے کی اجازت فرمائی ہو، نہ اصولاً نہ فروعاً، وہ بدعت ہے، خواہ اس کا شیوع اس وقت تمام عالم میں ہو خواہ حرمین شریفین میں ہو۔ خواہ اس کے موجد ہندی ہوں یا حجازی، عربی ہوں یا عجمی۔

قرآن میں کئی ایک آیات ہیں جن کا صریح حکم ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ کا طریقہ اختیار کرو۔ بلکہ یوں کہیے کہ تمام قرآن اسی ہدائت سے بھرا پڑا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ

وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا﴾ (الاحزاب: ۲۱)

”جو لوگ خدا پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کا بہت ذکر کرتے ہیں ان کے لئے اللہ کے رسول ﷺ کے کاموں میں بہت عمدہ نمونہ ہے۔“

احادیث بھی ان معنی کی کثرت سے ہیں۔ ایک متفق علیہ حدیث کا مضمون ہے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ: ((من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد)) ❶

پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی ہمارے دین میں ایسی کوئی نئی بات پیدا کرے جو اس میں نہیں تو وہ عمل خدا کی جناب میں مردود ہے۔

قرآن شریف کا صریح حکم ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء: ۶۵)

”جب تک لوگ ہر مذہبی بات میں پیغمبر ﷺ کے تابع نہ ہوں گے کبھی مسلمان نہ بن سکیں گے۔“

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کو اتباع سنت کا اہتمام سب سے زیادہ تھا۔ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ جیسے بزرگ بھی یہی خواہش بلکہ آرزو کرتے تھے کہ اتباع سنت کی جاوے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

الحال آرزوئے نماندہ است الا آنکہ احیاء سنت از سنن مصطفویہ علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیمات نمودہ آید۔ ❷

پھر اسی جلد کے مکتوب ۴۲ میں شیخ درویش کو ارقام فرماتے ہیں:

بہترین مصقلہا از برائے زدودن زنگ محبت ما دون حق سبحانہ از برائے حقیقت جامعہ قلبیہ متابعت سنت است

ایسا ہی شیخ عبدالقادر جیلانی بھی اتباع سنت کی تاکید میں فرماتے ہیں:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، رقم الحدیث: ۲۶۹۷ صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور، رقم الحدیث: ۱۷۱۸-۱۷

❷ مکتوبات۔ ج ۱۔ مکتوب ۳۷

اجعل الكتاب والسّنّة امامك وانظر فيهما واعمل بهما ولاتغتر بالقال والقيل والهوس، قال اللّه تعالى: ﴿**ما آتاكم الرّسول فخذوه ومانهاكم عنه فانتهوا واتّقوا اللّه انّ اللّه شديد العقاب**﴾ واتّقوا اللّه ولاتخالفوه فتتركوا العمل بما جاء به وتخترعوا لانفسكم عملا وعبادة كما قال اللّه جلّ وعلا فى حق قوم ضلّوا عن سواء السّبيل: ﴿**و رهبانيّة ن ابتدعوها ماكتبناها عليهم**﴾ ثمّ انّه زكى نبيّه عليه السّلام ونزهه من الباطل فقال: ﴿**وما ينطق عن الهوى ان هو الّا وحى يّوحى**﴾ اى ما آتاكم به من عندى لا من هواه ونفسه فاتبعوه ثم قال: ﴿**قل ان كنتم تحبّون اللّه فاتّبعونى يحببكم اللّه**﴾ فبين ان طريق المحبة اتباعه ﷺ قولاً وفعلاً۔ ❶

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو اپنا امام بنا اور اس پر غور وفکر کر اور ان کے مطابق عمل کیا کر اور ادھر ادھر کی قیل وقال، بے ہودہ ہوس سے دھوکہ نہ کھا۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے جو تم کو رسول دیوے وہ مظبوط پکڑو، اور جس سے منع فرماوے اس سے ہٹ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بڑے سخت عذاب والہ ہے۔ اللہ سے ڈرو اور اس کی مخالفت نہ کرو۔ ایسی کہ جو تعلیم اس کا رسول تمہارے پاس لایا ہے اسے چھوڑ کر اور قسم کی عبادتیں اپنی طرف سے نکالنے لگ جاؤ۔ جیسا کہ خدا نے گمراہ قوم عیسائیوں کے حق میں فرمایا ہے کہ انہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی ہے جو ہم نے ان پر نہ لکھی تھی۔ پھر اپنے رسول ﷺ کی پاکی بیان کی اور باطل سے اس کا الگ ہونا بتلایا۔ چنانچہ فرمایا کہ ہمارا رسول اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ اس کا بول ہماری وحی ہے یعنی جو کچھ وہ تمارے پاس لایا ہے وہ میرے پاس سے لایا ہے نہ اپنی خواہش سے اس نے کہا ہے۔ پس اس کا اتباع کرو۔

---

❶ فتوح الغیب۔ مقالہ ۳۶

پھر خدا نے فرمایا اے رسول تو ان سے کہہ کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ پس صاف بتلا دیا کہ اللہ کی محبت کا طریق اس کے رسول کا اتباع ہے قول اور فعل میں۔

حضرت موصوفؒ نے نہ صرف اتباع سنت کی تاکید فرمائی ہے بلکہ اس بات سے بھی ڈرایا ہے کہ کوئی کام از قسم عبادات ایسا نہ نکالنا چاہیے جو سنت نبویہ نہ ہو۔ ❶

نیز فرمایا:

لیس لنا نبیّ غیره فنتبعه و لا کتاب غیر القرآن فنعمل به فلا تخرج عنهما فتهلك فیضل هواك و الشیطان۔ ❷

سوائے محمد ﷺ کے ہمارا کوئی نبی نہیں جس کی ہم اتباع کریں۔ سوائے قرآن کے ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں جس پر ہم عمل کریں۔ خبردار اگر تو نے قرآن اور حدیث کے سوا کسی اور چیز کی طرف رخ کیا تو برباد اور ہلاک ہو جائے گا۔ خواہش نفس اور شیطان تجھے گمراہ کر دینگے۔

نیز فرمایا:

والسّلامة مع الکتاب والسّنة والهلاك مع غیرهما بهما یرتقی العبد الی حالة الولایة والبدلیة ۔ ❸

(سلامتی صرف کتاب وسنت پر عمل کرنے میں ہے اور ان دونوں کے سوا کسی اور چیز پر عمل کرنے میں بربادی اور ہلاکت ہے۔ اولیاء اللہ اور ابدال بننے کے مرتبے صرف قرآن وحدیث پر عمل کرنے سے حاصل ہوتے ہیں)۔

---

❶ اہل حدیث کا مذہب۔ ص ۳۶۔۳۹

❷ فتوح الغیب

❸ فتوح الغیب

امارت وامامت

شیخ محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

امامت دو قسم کی ہے۔ ایک چھوٹی امامت جو نماز کے پیش امام میں پائی جاتی ہے دوسری بڑی امامت جو خلیفہ وقت اور امام زمانہ میں پائی جاتی ہے۔ امام قسم ثانی کے لئے کتب فقہ وعقائد میں بہت سی شرطیں بیان ہوئی ہیں۔

- در مختار (صفحہ ۷۰) میں ہے:

باب الامامة: هی صغری و کبری، فالکبری استحقاق تصرف عام علی الانام وحقیقته فی علم الکلام ونصبه اهم الواجبات فلذا قدموه علی دفن صاحب المعجزات و یشترط کونه مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً قادراً قرشیاً لا هاشمیاً علویاً معصوماً......والصغری ربط صلوة المؤتم بالامام۔

امامت دو قسم ہے چھوٹی اور بڑی۔ بڑی امامت لوگوں پر عام تصرف واختیارات کے استحقاق کا نام ہے جس کی تفصیلات علم کلام میں ہے۔ ایسے امام کیلئے یہ شروط ہیں کہ وہ مسلمان ہو غلام نہ ہو۔ مرد ہو عورت اور بچہ نہ ہو۔ عقلمند صاحب قدرت ہو قریشی ہو۔ یہ شرط نہیں کہ وہ ہاشمی یا علوی ہو اور معصوم ہو۔ چھوٹی امامت کا تعلق نماز کے پیش امام کا مقتدیوں سے ہوتا ہے۔

- ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر (ص ۱۱۶۔۱۱۷) میں ہے:

انّ المسلمین لابدّلهم من امام یقوم بتنفیذ احکامهم واقامة حدودهم وسد ثغورهم و تجهیز جیوشهم واخذ صدقاتهم و قهرالمتغلبة والمتلصصة وقطاع الطریق واقامة الجمع والاعیاد و تزویج الصغار والضعایف الذین لا اولیاء لهم وقسمة الغنائم ونحو ذالك من الواجبات الشّرعیّة الّتی لا یتولاها احاد الامة...... ثمّ یشترط للامام ان یکون قرشیاً لقوله علیه السلام ((الآئمة من قریش))

وھو حدیث مشھور ولیس المراد به الامامة فی الصلوۃ اتفاقاً فتعینت الامامة الکبری خلافاً للخوارج......ولا یشترط ان یّکون الامام ھاشمیاً او علویاً او معصوماً......ویشترط ان یکون من اھل الولایة المطلقة الکاملة بان یکون مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً سائساً بقوۃ رایه ورویته بالقدرۃ ومعونة باسه وشوکته قادراً بعلمه وعدالته وکفایته وشجاعته علی تنفیذ الاحکام وحفظ حدود الاسلام وانصاف المظلوم من الظالم عند حدوث المظالم۔

مسلمانوں کیلئے ایسے امام کا ہونا ضروری ہے جو ان میں احکام اور حدود شرعی کو جاری کرے اور ان کی سرحدوں کو محفوظ رکھے اور انکے لشکر تیار کرے اور ان سے زکوۃ وغیرہ صدقات وصول کرے، اور ان پر غلبہ پانے والوں اور چوروں اور رہزنوں کو مغلوب کرے، اور ایسے ہی اور امور جن کو عام لوگ نہیں کر سکتے...... پھر امام کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ قریشی ہو کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے آئمہ قریش سے ہوں۔ یہ حدیث مشہور ہے اور اس میں نماز کا پیش امام بالاتفاق مراد نہیں ہے۔لہذا اس میں خلیفہ وقت کا مراد ہونا متعین ومسلم ہوا۔ اس کا ہاشمی یا علوی یا معصوم ہونا شرط نہیں۔ اور اس میں یہ شرط ہے کہ وہ عام اور کامل اختیارات کے لائق ہو، یعنی مسلمان ہو، غلام نہ ہو، مرد ہو، بچہ یا عورت نہ ہو، صاحب سیاست و تدبیر وفکر وشوکت وقدرت ہو۔ اپنے علم وشجاعت وعدالت سے احکام جاری کرنے، حدود اسلام کے محفوظ رکھنے اور ظالم سے مظلوم کا حق دلانے پر قادر ہو۔

○ شرح مواقف (ص۷۳۴) میں ہے:

المقصد الثّانی فی شروط الامامة: الجمھور علی ان اھل الامامة ومستحقھا من ھو مجتھد فی الاصول والفروع لیقوم بامور الدین متمکناً من اقامة الحج وحل الشّبھة فی العقائد الدّینیة مستقلاً بالفتوی فی النوازل والاحکام و الوقائع نصاً واستنباطاً لان اھم مقاصد الامامة حفظ العقائد وفصل المحکومات

ورفع المحاكمات ولن يتم بدون هذا الشرط ذو راى وبصارة بتدبير الحرب والسّلم وترتيب الجيوش وحفظ الثّغور ليقوم بامور الملك شجاع قوى القلب ليقوى على الذب على الحوزة والحفظ لبيضة الاسلام بالثبات فى المعارك كما روى انّه عليه الصلوة والسلام وقف بعد انهزام المسلمين فى الصف قائلاً :((انا النّبىّ لا كذب ، انا ابن عبدالمطلب)) ولاسهولة ايضاً فى اقامة الحدود وضرب الرّقاب وقيل لايشترط فى الامامة هذه الثلاث لانّها لا توجد الصّفات الآن مجتمعة واذا لم يوجد كذالك فامّا ان يجب نصب قائدها فيكون اشراطها عبثاً لتحقق الامامة بدونها اويجب نصب واجدها فيكون تكليفاً بما لا يطاق......

نعم يجب ان يكون عدلا فى الظّاهر لئلا يجوز فان الفاسق ربما يصرف الاموال فى اغراض نفسه فيضع الحقوق عاقلاً ليصلح للتصرفات الشرعية والملكية بالغاً لقصور عقل الصبى ذكرا، اذا النساء ناقصات العقل والدين، حرا لئلا يشغله خدمة السيد عن وظائف الامامة ولئلا يحتقر فيعصى فان الاحرار يستهزئون العبيد ويستنكفون عن طاعتها فهذه الصفات الثمانى او الخمس شروط معتبرة فى الامامة بالاجماع وفيه اشارة الى ان القول لعدم اشتراط الثلث الاول مما لا يلتفت اليه ۔

وههنا صفات اخرى فى اشتراطها خلاف الاول ان يكون قرشياً اشترطه الاشاعرة...... ومنعه الخوارج و بعض المعتزلة لنا قوله عليه السلام ((الآئمة من قريش ثم ان الصحابة عملوا بمضمون هذا الحديث فان ابابكر استدل به يوم السقيفة على الانصار حين نازعوا فى الامامة بمحضر من الصحابة

فقبلوه واجمعوا عليه فصار دليلاً قاطعاً مفيداً ليقين باشتراطا لقريشية احتجوا الى المانعون من اشتراطها بقوله عليه السلام ((السمع والطاعة ولوعبداً حبشياً)) فانه يدل على ان الامام قد لايكون قريشاً ـ

قلنا ذالك الحديث فيمن امره الامام اى جعله اميراً على سرية او على غيرها كناحية ويجب حمله على هذا دفعاً للتعارض بينه وبين الاجماع ـ او نقول هو مبالغة على سبيل الفرض ويدل عليه انه لا يجوز كون الامام عبداً جماعاً الثانية من تلك الصفات ان يكون هاشمياً شرط الشيعه ـ الثالثه ان يكون عالماً بجميع مسائل الدين اصولها وفروعها بالفعل لابالقوة وقد شرط الامامية ـ الرابعة ظهور المعجزة اذ به يعلم صدقه فى دعوى الامامة والعصمة وبه قال الغلاة ويبطل هذه الثلثه واشتراطها فى الامامة انا ندل عنقريب على خلافة ابى بكررضى الله عنه كونه اماماً حقاً ولايجب شىء مما ذكر من تلك الاوصاف فان كونه هاشمياً ممتنع والاخيران لايجبان اجماعاً، الخامسة ان يكون معصوماً شرط الامامية والاسماعيليه ويبطله ان ابابكر لايجب عصمته اتفاقاً مع ثبوت امامته

جمہور علماء اس پر ہیں کہ امامت کا مستحق وہ شخص ہے جس میں شروط ذیل پائی جاویں ـ اول یہ کہ وہ مسائل اصول وفروع میں خود مجتہد ہو، جس سے وہ امور دین کو قائم رکھے اور دینی عقائد پر دلائل قائم کر سکے، اور شبہات جو لوگوں کو عقائد اسلام میں پیدا ہوں دور کر سکے اپنے آپ احکام وحوادث میں فتوی دے، نص قرآن وحدیث سے خواہ اپنے اجتہاد واستنباط سے کیونکہ عقائد اسلام کی محافظت اور فصل خصومات وانفصال مقدمات امام کے فرائض سے اہم (زیادہ تر مقصود) فرض ہے، جو بلا وجوب شرط اجتہاد پورا نہیں ہوسکتا ـ دوسری شرط یہ کہ وہ ملکی و پولیٹیکل معاملات میں صاحب رائے ہو ـ اور لڑائی وصلح وآراستگی لشکر ومحافظت

حدود کی تدبیروں سے واقف ہو، جس سے وہ ملکی انتظام کر سکے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ دل کا بہادر ہو جس سے وہ ممالک اسلام سے دشمن کو ہٹا سکے اور جماعت اسلام کی اپنی ثابت قدمی سے حفاظت کرے، جیسا کہ منقول ہے کہ میدان جنگ سے لوگوں کے بھاگ جانے کے بعد آپ ﷺ تنہا کھڑے رہے اور یہ فخریہ اور بہادرانہ کلمات فرماتے تھے: میں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اور نیز شرعی حدود (سزاؤں) کا قائم کرنا اور قصاص و مقابلہ میں مجرموں اور ظالموں کی گردن مارنا کوئی ہلکا کام نہیں جس کو بزدل کر سکے۔ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ امام میں ان تین شرائط کا وجود ضروری نہیں، کیونکہ یہ صفات اس وقت اکٹھی کسی شخص میں پائی نہیں جاتیں۔ پھر اگر ان شرائط سے معرا امام کا تقرر کرنا واجب ٹہرایا جائے تو ان شروط کا اعتبار عبث ہوتا ہے اور اگر ان شرائط کا جامع امام کا مقرر کرنا واجب ٹھہرایا جائے تو یہ ایک ایسے امر کو واجب ٹھہراتا ہے جو طاقت سے باہر ہے۔ ہاں بجائے ان شرائط کے، شرائط ذیل کا اعتبار ضرور ہے۔

ا۔ بحسب ظاہر عادل ہو کیونکہ فاسق (ظالم) لوگوں کے مال اغراض فاسدہ میں صرف کرتا ہے اور حقوق کو تلف کرتا ہے۔ ۲۔ وہ عاقل ہو جو شرعی اور ملکی تصرفات کی لیاقت رکھے۔ ۳۔ وہ حد بلوغت کو پہنچا ہو کیونکہ لڑکے کی عقل ناقص ہوتی ہے۔ ۴۔ وہ عورت نہ ہو کیونکہ عورتیں عموماً ناقص العقل ہوتی ہیں۔ ۵۔ وہ آزاد ہو کیونکہ غلام اپنے مالک کی خدمت سے فارغ نہیں ہوتا تو وہ خلافت کا کام کیوں کر کریگا۔ یہ صفتیں (پہلی تین ملا کر) آٹھ یا صرف آخری پانچ بالاتفاق امامت کی شرائط ہیں۔ مصنف کے اس قول میں یہ اشارہ ہے کہ پہلی تین کو شروط نہ ٹھہرانا لائق التفات نہیں ہے۔

خلافت میں بعض صفات ایسی ہیں جنکے شرط ہونے میں بعض لوگوں کو اختلاف ہے۔ پہلی شرط خلیفہ کا قریشی ہونا۔ اشاعرہ اس کو شرط ٹھہراتے ہیں خارجی اور بعض معتزلی اس سے انکاری ہیں۔ ہماری دلیل شرط ہونے پر آنحضرت ﷺ کا یہ قول ہے کہ امام قریش سے ہونے چاہییں۔ پھر اس قول آنحضرت ﷺ پر آنحضرت ﷺ کے

اصحاب نے عمل کیا ہے جبکہ سقیفہ کے دن انصار نے امامت میں جھگڑا کیا تھا تو حضرت ابوبکر نے اس قول سے تمسک کیا جس کو سب نے تسلیم کرلیا۔ اوراس پر اتفاق کیا۔ یہ اتفاق اس بات پر یقینی دلیل ہے کہ قریشی ہونا شرط خلافت ہے جو لوگ اس شرط کو نہیں مانتے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ امیر یا حاکم کا حکم مانو، اگرچہ وہ حبشی غلام ہو، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی امام قریش سے نہیں بھی ہوتا۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں یہ حدیث اس حاکم یا امیر کی نسبت ہے جس کو قریشی امام وقت نے کسی لشکر یا کسی جگہ کا امیر بنادیا ہو۔ اس حدیث کے یہی معنی کرنا چاہیے تاکہ اس حدیث میں اوران احادیث میں جو قریش کو امامت کیلئے مخصوص کرتے ہیں تعارض نہ ہو یا یوں کہیں کہ یہ فرضی طور پر مبالغۃً کیا گیا ہے اس لئے کہ حقیقۃً غلام بالاتفاق امام نہیں ہوسکتا۔ دوسری شرط اختلافی امام کا ہاشمی ہونا ہے۔ اس کو شیعہ شرط ٹھہراتے ہیں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ مسائل اصول وفروع کو دم نقد جانتا ہو نہ صرف ملکہ رکھتا ہو، امامیہ نے یہ چوتھی شرط کی ہے کہ امام صاحب معجزہ ہو جس سے اسکے دعوی کی تصدیق ہو ان شروط کے ناجائز ہونے پر یہ دلیل ہے کہ ہم عنقریب صدیق اکبر کی خلافت بدلائل ثابت کریں گے جن میں یہ شرطیں پائی نہیں گئیں۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ امام معصوم ہو۔ یہ شرط امامیہ اسماعیلیہ نے لگائی ہے اوراس کا ابطال بھی اس سے ظاہر ہے کہ صدیق اکبر کی امامت بدلائل ہے اور وہ معصوم نہ تھے۔

○ شرح مقاصد میں بھی ان شروط وصفات امامت کو تسلیم کرکے کہا ہے:

فان قيل لو وجب نصب الامام لزم اطباق الامة فی اكثر الامصار على ترك الواجب لانتفاء الامام المتصف بما يجب من الصفات سيما بعد انقضاء الدولة العباسية ...... واللازم منتف لانّ ترك الواجب معصيّة وضلالة والامة لاتجتمع على الضلالة قلنا انّمايلزم الضّلالة لو تركوه عن قدرة واختيارلاعجز واضطرار۔

ایسی صفات کا امام تو ایک مدت سے (جب سے خلفاء عباسیہ کی خلافت تمام ہوئی

ہے) مفقود ہو چکا ہے۔ پھر اگر ایسے امام کا مقرر کرنا مسلمانوں پر واجب ہے تو امت محمدیہ کا تارک واجب اور گناہ گار ہونا لازم آیا، پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ امت کا گناہ گار یا تارک واجب ہونا تب لازم آتا ہے جبکہ وہ قدرت و اختیار کے ساتھ امام مقرر نہ کرتے۔ جب وہ ایسے امام کے مقرر کرنے سے عاجز و ناچار ہیں تو وہ تارک واجب و گناہ گار کیوں کر ہو سکتے ہیں۔

- ایک اہلحدیث عالم ابو حفص محمد بن ابی احمد المدینی الحسینی نے ایک کتاب، حسن المساعی الی نصح الرعیة و الراعی ، احکام امام و رعیت میں تالیف کی ہے جو ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء بھوپال یا آگرہ میں طبع ہو کر شائع ہوئی ہے اس میں بھی اسی تفصیل سے شروط امامت کو بیان کیا اور دلائل قرآن و حدیث سے ان کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔
- ایسا ہی اور متکلمین و محدثین متقدمین و متاخرین نے ان شروط کو بیان کیا ہے اور عقلی و نقلی دلائل سے اسکا ثبوت دیا ہے۔ علی الخصوص قریش ہونے امام کی شرط کے اس کے ثبوت پر کتب حدیث میں بہت زور دیا گیا ہے۔ لہذا ہم بھی اس کی تائید میں چند احادیث و اقوال محدثین کو نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((الآئمة من قریش)) ❶

امام قریش سے ہوں گے۔

((الملك فی قریش)) ❷

ملک یعنی خلافت قریش کیلئے ہے۔

((الخلافة فی قریش)) ❸

---

❶ امام احمد۔ طبرانی ابویعلی
❷ سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل الیمن، رقم الحدیث: ۳۹۳۶
❸ مسند احمد

خلافت قریش میں ہے۔

((الامراء من قریش ابرارها امراء أبرارها و فجارها امراء فجارها)) ❶

آپ ﷺ نے فرمایا کہ امیر قریش میں سے ہیں (یا ہونے چاہییں) نیکوکار، نیکوکاروں کیلئے۔ بدکار، بدکاروں کے لئے۔

((النّاس تبع لقریش فی هذا الشان مسلمهم تبع لمسلمهم و کافرهم تبع لکافرهم)) ❷

آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اس (امر خلافت) میں قریش کے تابع ہیں، مسلمان، مسلمانوں کے۔ کافر، کافروں کے۔

((لا یزال هذا الامر فی قریش مابقی من الناس اثنان)) ❸

(آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ امر (خلافت) ہمیشہ قریش کیلئے رہیگا، (یعنی) وہی اس کے مستحق ہونگے جب تک کہ دو آدمی بھی دنیا میں رہیں گے)

((ان هذا الامر فی قریش لا یعادیهم احد الا کبه اللّٰه علی وجهه ما اقاموا الدین)) ❹

(اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ امر قریش میں رہیگا۔ جو کوئی ان سے دشمنی کریگا خدا اس کو منہ کے بل ڈالے گا، جب تک کہ وہ دین کو قائم رکھیں گے)

---

❶ البزاز۔ تاریخ الخلفاء شیخ جلال الدین سیوطی

❷ صحیح بخاری کتاب المناقب، باب المناقب، رقم الحدیث: ۳۴۹۵ صحیح مسلم، کتاب المغازی، باب الناس تبع لقریش، رقم الحدیث: ۲۔۱۸۱۸

❸ صحیح بخاری کتاب المناقب، باب مناقب قریش، رقم الحدیث: ۳۵۰۱ صحیح مسلم، کتاب المغازی، باب الناس تبع لقریش، رقم الحدیث: ۴۔۱۸۲۰

❹ صحیح بخاری کتاب المناقب، باب مناقب قریش، رقم الحدیث: ۳۵۰۰

امام نوویؒ [1] نے فرمایا ہے:

هذه الاحاديث واشباهها دليل ظاهر ان الخلافة مختصة بقريش لايجوز عقدها لاحد من غيرهم وعلى هذا انعقد الاجماع فى زمن الصحابة و كذالك بعدهم ومن خالف فيه من اهل البدع او عرض بخلاف من غيرهم فهو محجوج باجماع الصحابة والتابعين فمن بعدهم، بالاحاديث الصحيحة۔ قال القاضى اشتراط كونه قريشياً هومذهب العلماء كافةً۔ قال وقد احتج به ابوبكر وعمر على الانصار يوم السقيفة فلم ينكره احد۔

قال القاضى (عياض) وقد عدها العلماء فى مسائل الاجماع ولم ينقل عن احد من السلف فيها قول ولافعل يخالف ماذكرنا وكذالك من بعدهم فى جميع الامصار وقال ولا اعتداد بقول النظام ومن وافقه من الخوارج واهل البدع انه يجوز كونه من غير قريش ولا بسخافة ضرار بن عمرو فى قوله: ان غير القرشى من النبط وغيرهم يقدم على القرشى لهو ان خلعه ان عوض منه امر وهذا الذى قاله من باطل القول وزخرفه مع ماهو عليه من مخالفة اجماع المسلمين ۔ و اللّٰه اعلم

یہ حدیثیں اور جو ان کی مثل ہیں اس بات پر دلیل ہیں کہ خلافت قریش سے مخصوص ہے۔ بجز قریش کسی کیلئے عقد خلافت جائز نہیں ہے۔ اس پر صحابہ کے زمانہ میں اور ان کے بعد اجماع ہو چکا ہے۔ اور جس نے اہل بدعت سے اس میں اختلاف کیا ہے وہ باجماع صحابہ وتابعین احادیث صحیحہ سے مغلوب ہے۔

---

[1] شرح مسلم۔ ج ۳ ص ۱۱۹

قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ امام کے قریش میں سے ہونے کی شرط تمام علماء کا مذہب ہے۔ اس سے ابوبکرؓ صدیق نے سقیفہ کے دن استدلال کیا تو کسی نے اس کو رد نہیں کیا۔ قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ کو علماء نے اجماعی مسائل سے شمار کیا ہے اور سلف وخلف سے اس کا مخالف کوئی قول یا فعل منقول نہیں ہوا۔ اور فرمایا ہے کہ نظام (معتزلی) اور اس کے ہم مذہب خارجیوں اور بدعتیوں کے اس قول کا کہ غیر قریش بھی امام ہوسکتا ہے کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اور نہ ضرار بن عمرو کی اس حماقت کا اعتبار ہے جو اس کے اس قول میں پائی جاتی ہے کہ غیر قریش امام ہو تو وہ قریش سے مقدم ہے کیونکہ اس کو خلافت سے برطرف کرنا آسان ہوتا ہے۔ جب اس سے کوئی امر موجب برطرفی سرزد ہو۔ اس کا یہ قول باطل ہے اور مع اور تمام مسلمانوں کے برخلاف ہے۔

عمدۃ القاری اور فتح الباری شروح صحیح بخاری میں لکھا ہے:

قال القرطبی ھذا الحدیث خبر عن المشروعیة ای لاینعقد الامامة الکبری الالقریش مھما وجد منھم احدہ فکانه جنح الی انّه خبر بمعنی الامر۔ ❶

قرطبیؒ نے کہا ہے کہ آنخضرت ﷺ کا یہ قول کہ خلافت قریش میں رہے گی، حکم شرعی کا بیان ہے کہ بجز قریش خلافت کسی کیلئے صحیح نہ ہوگی جب تک کہ کوئی ایک ان میں سے موجود رہے گا۔ ان کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس خبر کے بمعنی امر ہونے کی طرف مائل ہوئے ہیں۔

اس تفصیل سے بخوبی معلوم ہوگا کہ امام جس کو اس حدیث میں شرط جہاد ٹھہرایا گیا ہے، کس کو کہتے ہیں۔ اور اس میں کن کن شرائط واوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

مسلمانوں کے بحالت ناچاری بلا امام رہنے اور مع ہذا گناہ گار یا ناقص الایمان نہ ہونے پر دلیل یہ حدیث ہے جو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں جب مسلمانوں کی کوئی جماعت نہ رہے کے باب میں حذیفہؓ سے نقل کی ہے:

---

❶ عینی وفتح الباری

باب كيف الامر اذا لم تكن جماعة

حدثنا محمد بن المثنى قال حدثنا الوليد بن مسلم قال حدثنا ابن جابر قال حدثنى بسر بن عبد اللّه الحضرمى انّه سمع حذيفة بن اليمان يقول كان الناس يسئلون رسول اللّه ﷺ عن الخير و كنت اسئله عن الشر مخافة ان يدركنى فقلت يارسول اللّه ﷺ انا كنّا فى جاهلية و شرفجاء نا الله بهذا الخير فهل بعد هذا الخير من شر؟ قال:((نعم)) قلت وهل بعد ذالك الشر من خير؟ قال:((نعم وفيه دخن)) قلت ومادخنه قال:((قوم يهدون بغير هديى، تعرف منهم وتنكر)) قال قلت فهل بعد ذالك الخير شر؟ قال:((نعم دعاة على ابواب جهنم من اجابهم اليها قذفوه فيها)) قلت يا رسول اللّه صفهم لنا، قال:((هم من جلدتنا ويتكلمون بالسنتنا)) قلت فما تامرنى ان ادركنى ذالك، قال:((تلزم جماعة المسلمين وامامهم)) قلت فان لم يكن لهم جماعة ولا امام، قال:((فاعتزل تلك الفرق كلها ولوان تعض باصل شجرة حتى يدركك الموت وانت على ذالك)) ❶

انہوں نے فرمایا لوگ آنخضرت ﷺ سے بھلائی کا حال پوچھتے تھے، میں آپ ﷺ سے برائی کا حال پوچھتا رہتا، اس ڈر کے مارے کہ وہ برائی مجھے نہ آ لگے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ہم ایک زمانہ جاہلیت (کفر) اور برائی میں رہے۔ پھر خدا تعالی یہ خیر (اسلام) لایا۔ اس خیر کے بعد بھی برائی آنے والی ہے؟ آنخضرت ﷺ نے فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا کیا اس برائی کے بعد بھی خیر آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، پر اس میں دھندلا پن ہوگا۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب کیف الامر اذا لم تکن جماعۃ، رقم الحدیث:۷۰۸۴

میں نے عرض کیا وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ایسی قوم پیدا ہوگی جو میری راہ کے بغیر اور راہ چلے گی۔ ان میں اچھی باتیں بھی پاؤ گے بری بھی۔ میں نے عرض کیا اس خیر کے بعد بھی برائی ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ جہنم کے دروازہ پر بلانے والے لوگ ہوں گے، جس نے انکا کہنا مانا اس کو وہ جہنم میں پھینک دیں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ان کا کچھ حال بیان فرمادیں آپ ﷺ نے فرمایا وہ ہم میں سے ہوں گے اور ہماری ہی بولی بولیں گے (یعنی کلمۃ الاسلام کہیں گے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کیا حکم دیتے ہیں، اگر مجھ پر وہ دن آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم مسلمانوں کی جماعت اور امام کے ساتھ ہو جاؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی جماعت اور امام نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر سب فرقوں سے کنارہ ہو جاؤ، اگرچہ درخت کی جڑ دانت سے کاٹے (یعنی کھانے کے لئے بجز درخت کچھ نہ ملے) اسی پر رہیو یہاں تک کہ تجھے موت آپہنچے۔

جہاد کے لئے امام کے موجود ہونے کی شرط پر یہ حدیث دلیل ہے جو بخاری و مسلم نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے:

عن ابی ہریرة عن النّبیّ ﷺ قال:((انّما الامام جنة یقاتل من ورائه ویتقی به)) ❶

''امام ڈھال ہے اس کی آڑ میں لڑیں اور اس کو اپنا بچاؤ بنائیں۔''

اس حدیث کی شرح میں امام نووی نے ❷ کہا ہے:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب یقاتل من وراء الامام ویتقی به، رقم الحدیث: ۲۹۵۷، صحیح مسلم، کتاب المغازی، باب الامام جنة یقاتل من وراءہ ویتقی به، رقم الحدیث: ۴۳۔۱۸۴۱

❷ شرح مسلم ص ۱۴۶

((انّما الامام جنّة ای کالسائر لانّه یمنع العدو من اذی المسلمین و یمنع النّاس بعضهم من بعض و یحمی بیضة الاسلام ویقیه الناس و یخافون سطوته و معنی یقاتل من ورائه ای یقاتل معه الکفار و البغاة و الخوارج و سائر اهل الفساد و الظلم مطلقاً))

امام مسلمانوں کیلئے آڑ یا پردہ کی مثل ہوتا ہے، مسلمانوں کو دشمن کی تکلیف سے بچاتا ہے۔ اس کی آڑ میں لڑنے کے یہ معنی ہیں کہ اسکے ساتھ ہو کر کافروں سے اور باغیوں اور خارجیوں وغیرہ اہل فساد و ظلم سے لڑیں۔

ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ میں اس حدیث کی شرح میں کہا ہے:

انّما الامام ای الخلیفة او امیره جنة بضم الجیم کالترس فهو تشبیه بلیغ یقاتل بصیغه المجهول من ورائه بکسر المیم یاتی به بیان لکونه جنة ای یکون امیراً فی الحرب قدام القوم لیستظهروا به ویقاتلوا بقوته کالترس للمتترس و الاولی ان یحمل علی جمیع الاحوال لان الامام یکون ملجاءً للمسلمین فی حوائجهم دائماً ۔ ❶

امام سے مراد خلیفہ وقت ہے یا جو اسکا تجویز کیا ہوا امیر ہو، وہ سپر کی مانند ہوتا ہے جس کے آڑ میں لڑیں اور اس کو اپنا بچاؤ بناویں یہ اس کے سپر ہونے کا بیان ہے کیونکہ امام یا اس کا نائب امیر لڑائی میں قوم کے آگے ہوتا ہے، لوگ اسی کی مدد اور قوت سے لڑتے ہیں، اور اگر اسکو ہر حال میں سپر کہیں تو بہتر ہے کیونکہ امام مسلمانوں کا انکے سب کاموں میں جائے پناہ ہوتا ہے۔

ایسا ہی شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح مشکوۃ میں کہا ہے۔

محمد اسماعیل دہلویؒ نے منصب امامت میں احکام خلیفہ راشد کے بیان میں کہا:

---

❶ مرقاۃ ملا علی قاری

وازانجملہ توقف عبادات شرعیہ برموافقت امراء یعنی چنانکہ عبادات دینیہ و طاعات شرعیہ اگر مطابق سنت نبویہ باشد مقبول است والامردود وہمچناں صحت جمعہ واعیاد وجہاد وحدود وتعزیرات ہمہ متوقف است برامرامام، قال النّبیّ ﷺ انّما الامام جنّة یقاتل من ورائه ویتقی به۔ ❶

مسلمانوں کے لئے ایک قریشی امام کا ہونا ضروری ہے۔ جو آزاد، مسلمان، اور مکلّف ہو۔ مخفی اور منتظر نہ ہو۔ نیز احکام الٰہی حدود سلطنت میں نافذ کر سکتا ہو۔ امام وقت فسق وفجور کے ارتکاب سے معزول نہیں ہوسکتا، خواہ وہ کتنا بڑا ظالم ہی کیوں نہ ہو۔ امامت اولاد ہاشم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، نبوت کے طریقہ پر خلافت صرف تیس سال رہی۔ پھر شہنشاہیت قائم ہوگئی ثمّ یکون ملکا عضوضاً (ایضاً) کا اسی طرف اشارہ ہے۔ امام وقت کیلئے نہ معصوم ہونا ضروری ہے، اور نہ ہی تمام اہل دنیا سے اعلیٰ اور افضل ہونا واجب ہے۔ صرف کامل ولایت ہی کافی ہے کیونکہ امام مقرر کرنے سے شارع کے دو ہی مقصد ہیں:

اول: مسلمانوں کے لئے حصول منافع اور دفع مفاسد کی تدبیر سوچنا، خدا کا دیا ہوا مال مسلمانوں میں تقسیم کرنا، جن کے ذمہ واجب ہے ان سے لے کر مستحقین کو دینا، دنیا سے ظلم و فساد دور کرنے کیلئے فوجیں تیار کرنا، اوران کیلئے سامان حرب وضرب مہیا کرنا، اسلامی ملکوں پر کفار کی یورش کو روکنا، ساز وسامان اور فوجی طاقت کے ساتھ مشرکین سے جہاد کرنا، سیاسیات میں پوری بصیرت اور قدرت رکھنا، حدود اسلام کی نگہداشت کرنا، ظالم سے مظلوم کا انصاف لینا، لٹیروں اور ڈاکوؤں کو مغلوب کرنا، جمعہ جماعت اور عیدین کا قائم کرنا، مختلف گروہوں میں ہونے والے جھگڑوں کو نپٹانا، حق پر مبنی شہادات قائم کرنا، لڑکےلڑکیوں، بیواؤں اور لاوارثوں کی شادی کا انتظام کرنا اور غنائم کو تقسیم کرنا وغیرہ۔

دوم: جو پہلے سے زیادہ اہم اور افضل ہے، شعائر دین کو قائم رکھنا، بندگان خدا کو صراط مستقیم کا پابند بنانا اوران کو شریعت کی مخالفت اور ارتکاب مناہی سے روکنا۔

---

❶ الاقتصاد فی مسائل الجہاد

یہی وہ مقاصد ہیں جن کو پورا کرنے کیلئے شریعت نے امام کا تقرر لازم قرار دیا ہے۔اور ایسے امام کی اطاعت بشرطیکہ خدا تعالی کی نافرمانی لازم نہ آئے واجب ہے۔نیکی کے کاموں میں اسکے اوامر ونواہی پر عمل کرنا ضروری ہے، اس سے جھگڑنا اور اسکی فرمانبرداری سے ہاتھ کھینچ لینا حرام ہے۔ ہاں اگر وہ صریح کفر کا ارتکاب کرے تو اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا جائز ہے۔اس کے برعکس اگر وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تقاضوں کو پورا کرے۔ رعیت سے فرائض الہی کی پابندی کرائے، تو ایسی صورت میں تمام مسلمانوں پر اس کی نصرت اور تائید لازم ہے۔لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب کرنے والے تمام احکام کے مخاطب، اور فرائض الہیہ کو ادا کرنے کے مکلّف عام مسلمان ہوں گے، وہ شریعت کے حکم کے مطابق ان پر عمل کئے بغیر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوں گے۔ ❶

مقام صحابہ

صحابہ کرام کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا لازم ہے۔ان کی برائی بیان کرنا، یا انہیں گالی دینا نہ صرف حرام ہی ہے بلکہ کفر کے قریب ہے۔اللہ تعالی کے فرمان:

﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (الفتح:۲۹)

”تاکہ ان کی وجہ سے کفار کو غصہ میں مبتلا کرے۔“

سے اس کی شہادت ملتی ہے۔اور سارے صحابہ قابل احترام ہیں۔

ذیل میں حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق ایک تحریر درج کی جارہی ہے جو ایک سائل کے جواب میں جناب شاہ محمد فصیح غازی پوریؒ نے رقم فرمائی تھی اور اسکی تردید میں میاں نذیر حسین محدثؒ دہلوی نے قلم اٹھایا تھا تاکہ صحابہ کے متعلق اہلحدیث کا عقیدہ واضح ہو جائے۔ ملاحظہ فرمایئے:

سوال: چہ می فرمائند علمائے دین ومفتیان شرع متین اہل سنت والجماعت دریں صورت کہ بمقابلہ ذکر حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ ومعاویہ کہ نیز صحابی آنحضرت ﷺ بود، معاویہ را خاطی باغی باید گفت یا امیر معاویہ وبغیر مقابلہ ذکر حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ

---

❶ الاقتصاد فی مسائل الجہاد

در دیگر جا ہا با مام معاویہ لفظ حضرت یا رضی اللہ ضرور ایانہ ولفظ رضی اللہ عنہ یا نام مذکور در صحاح ستہ وغیرہ کتب مسطور است یا نہ وخطا وبغی کہ از امیر معاویہ با حضرت علی کرم اللہ وجہہ بوقوع آمدہ بود باز بصلاح پیوست یا تا یوم الوفات بعداوت ماند۔ واگر شخصے بتعصب معاویہ گوید چہ حکم دارد فقط بیّنو اتوجروا؟

ترجمہ سوال: کیا حضرت علیؓ کے مقابلے میں امیر معاویہؓ کو باغی یا خاطی کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور علیؓ کے مقابلہ کے بغیر ان کو امیر یا رضی اللہ عنہ کہنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور صحاح ستہ میں ان کے نام کے ساتھ ساتھ کہیں رضی اللہ عنہ کا لفظ آیا ہے یا نہیں؟ اور وہ غلطی یا بغاوت جو امیر معاویہ سے سرزد ہوئی، پھر اسکا اندمال ہو گیا تھا یا آخری دم تک قائم رہا؟ اگر کوئی تعصب کی بنا پر صرف معاویہ کہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بمقابلہ ذکر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجہہ ہر گاہ تذکرہ در پیش شود، در آں مقام ذکر لفظ حضرت والفاظ دعائیہ تعظیمیہ مناسب نیست۔ زیرا کہ بمقابلہ خاتم الخلفاء حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ خطا و بغاوت اوشان ثابت شدہ است لہذا خاطی و باغی باید دانست، زیادہ ازیں شناعت وزیادتی درست نیست، کف لسان ضرور است، چنانچہ ملا جامی علیہ الرحمۃ در عقائد منظومہ خود افادہ فرمودہ اند، بیت

آن خطائے کہ رفت منکر بود حق در آنجا بدست حیدر بود

چہ بلاغت نمودہ اند، کہ نام ہم نہ گرفتہ اند و داد بلاغت دادہ اند، جزاہ اللہ خیر الجزاء، نکتہ کف لسان را خوب فہمیدہ اند وتصریح ایں مضمون در کتب کلامیہ موجود است، و در کتب سیر ہم علما محققین فرمودہ اند، چنانچہ در مواہب و مدارج وشرح سفر السعادت موجود است، ہر کس بخواہد بہ بیند، و در صحاح ستہ لفظ رضی اللہ عنہ نیست، وآنچہ خطا وبغی واقع شدہ، اگر رفع می شد علمائے محققین خاطی باغی چرا می گفتند، ایں امر آنچناں نیس، کہ دران ایں قدر تفحص وتفتیش رود و بغیر مقابلہ ذکر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ لفظ حضرت بگوئند، چنانکہ با خود ہا ہم ایں لفظ را استعمال می کنند، بایں مسبب کہ صحبت رسول اللہ ﷺ دریافتہ اند، وخود حضرت علی مرتضی کہ خاتم خلفاء بودند و باب مدینۃ العلم بودند بلفظ اخوان تعبیر فرمودہ اند، بہر کیف از ما مردما بہتر اند، مضائقہ ہم ندارد و چنداں جائے بحث نیست، زیرا کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہمیں فرمودہ اند، اخواننا

قد بغوا علینا دریں باب آداب حضرت خاتم الخلفاء را ملاحظہ باید کرد، کہ چہ قدر پاس صحبت رسالت ہماں است نمودہ اند، کہ باوجود بغی وخطا از برادری اسلامی خارج نہ فرمودند، سبحان اللہ ثمّ سبحان اللہ، پس مذہب اہل سنت والجماعت ہماں اس کہ عین مضمون ارشاد حضرت خاتم اخلفاء است، چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ در تحفہ اثنا عشریہ افادہ آں فرمودہ اند، ہرکس کہ خواہد بہ بیند وزیادہ تطویل کلام دریں مقام نمائد کلمہ کف لسان وارد است و بہ ہمیں نکتہ دار سیدہ محققین کف لسان نمودہ اند۔ چناں چہ حافظ شیراز کہ لسان الغیب لقب دارند اوشان ہم کف لسان نمودہ وفرمودہ اند۔

رموز سلطنت وملک خسروان دانند　　گدائے گوشہ نشینے تو حافظا مخروش

جزاہ اللہ خیر الجزاء ہمیں مسلک اہل سنت والجماعت است، بدگفتن وطعن نمودن ولعن گفتن را عبادت ثمردن کار روافض وخوارج است، کہ از پایہ حق دور افتادہ اند وامر حق نصیب اہل سنت والجماعت شدہ، چنانچہ حافظ شیراز فرمودہ۔

جنگ ہفتاد ودو ملت ملت ہمہ را عذر بنہ　　چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

چہ بلاغت نمودند حافظ شیرازی دریں مقام کہ ہفتاد و دو ملت را ذکر نمودہ و یک ملت را گزشتہ ہماں ملت ملت سنت و جماعت است، کہ اہل حق اند، چنانچہ از حدیث معلوم می شود و تفصیل آن طول می خواہد، کہ این مقام مقام آن نیست وہمیں قدر برائے اہل انصاف کافی ووافی است، واہل تعصب را دفاتر ہم کفائت نمی کنند۔ فقط

حررہ العبد الضعیف محمد فصیح عفی عنہ۔ بمقام مظفر پور

جناب محمد فصیح کی جوابی تحریر کا ترجمہ:

حضرت علیؓ کے مقابلے میں جہاں امیر معاویہؓ کا تذکرہ ہو وہاں لفظ حضرت یا دعائیہ الفاظ کہنا درست نہیں کیونکہ انہوں نے آخری خلیفہ راشد کے خلاف بغاوت کی ہے، لہذا ان کو خطا کار اور باغی سمجھنا چاہیے اور اس سے آگے بڑھ کر ان کو برا بھلا کہنا درست نہیں ہے، اس سے زبان کو روکنا چاہیے۔ ملا جامی نے کیا خوب کہا ہے: جو غلطی ان سے سرزد ہوئی وہ بری تھی اور حق اس وقت حضرت علیؓ کی طرف تھا۔

دیکھو کس طرح انہوں نے اپنی زبان کو روکا اور اس کی تصریح کتب کلامیہ میں موجود ہے مثلاً مواہب، مدارج، شرح سفر السعادۃ وغیرہ۔ صحاح ستہ میں امیر معاویہ کے ساتھ رضی اللہ عنہ کے الفاظ نہیں آئے۔ خطا و بغاوت کا اگر ازالہ ہو جاتا تو علما ان کو خاطی اور باغی کیوں کہتے۔ اور یہ بات کوئی ڈھکی چھپی ہوئی نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کے مقابلہ کے بغیر انکے نام کے ساتھ حضرت کا لفظ کہنا چاہیے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اور خود حضرت علیؓ نے ان کو بھائی کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ بہر حال وہ ہم سے بہتر ہیں۔ اس معاملہ میں حضرت علی کی پیروی ہم پر لازم ہے کہ باوجودیکہ انکے خلاف بغاوت کی گئی لیکن پھر بھی انہوں نے صحابی ہونے کا پاس رکھا اور اسلامی برادری سے ان کو خارج نہ کیا۔ چناں چہ اہل سنت کا یہی مذہب ہے اور شاہ عبد العزیزؒ نے تحفہ اثنا عشریہ میں یہی کچھ فرمایا ہے۔ اگر خواہش ہو تو اسکا مطالعہ فرمائیں اور اس حد سے آگے بڑھ کر ان کو برا بھلا کہنا روافض کا مذہب ہے، اہلسنت کا نہیں۔ اس کی تفصیل بڑی لمبی چوڑی ہے اہل انصاف کے لئے اتنا ہی کافی ہے اور متعصب کے لئے کئی دفتر ہوں تو بھی کافی نہیں۔

تحریر سید محمد نذیر حسین در رد جواب شاہ محمد فصیح:

درصورت مرقومہ بر ارباب دیانت واصحاب فطانت پوشیدہ نیست کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ از جملہ صحابہ پیغمبر خدا ﷺ است۔ وروی ابن بطال باسناد صحیح

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ انّہ قال:(لا تسبّوا اصحاب محمد ﷺ فلمقام احدھم ساعۃ مع النّبی ﷺ خیر من عمل احد کم اربعین سنۃ) وفی روایۃ وکیع (خیر من عبادۃ احد کم عمرہ)

واسلام آوردہ بود وے رضی اللہ عنہ روز فتح مکہ، ویک صد وشصت وسہ حدیث از وے مروی است۔ چنانچہ در کتب صحاح ستہ وغیرہ از کتب احادیث اہل سنت وجماعت مذکور است، و از وے رضی اللہ چندے از صحابہ کبار مانند عبد اللہ بن عباس وعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن زبیر و ابو الدرداء وجریر بن عبد اللہ البجلی ونعمان بن بشیر وغیرھم من الصحابۃ روائت حدیث کردہ اند،

وازتابعین کبار مثل سعید بن المسیب وحمید بن عبد الرحمٰن وغیرھما، نیز ازوے روائت حدیث کردہ اند، چنانکہ درتقریب وتہذیب الکمال ولسان المیزان وتہذیب الاسماء......ابو یحیی مزی واکمال وغیرہ من کتب اسماء الرجال کہ نقاد وصرف اسامی رواۃ حدیث، مستند مذکوراست، ونیز دراصابہ ابن حجر وشیخ جلال الدین سیوطی دربعض تصانیف تصریح بدان کردہ اند کما لا یخفی علی من تتبع کتب اسماء الرجال والسیر المعتبرہ من تواریخ الخلفاء۔

وحدیثے کہ مشتمل بردعا خیر کردن آن سرور خیر البشر ﷺ برائے وے رضی اللہ عنہ دارد گشتہ درجامع ترمذی موجوداست وترمذی آن راحسن گفتہ،

اخرج التّرمذی وحسنه عن عبد اللّه بن ابی عمیرة الصحابی عن النّبیّ ﷺ انّه قال لمعاویه ((اللّهم اجعله هادیاً مهدیاً)) ❶

واخرج الامام احمد فی مسنده عن عرباض بن ساریة سمعت رسول اللّه ﷺ یقول:((اللّهم علّم معاویة الکتاب والحساب وقه العذاب)) ❷

واخرج ابن ابی شیبة فی المصنّف والطبرانی فی الکبیرعن عبد الملك بن عمیر قال معاویه مازلت اطمع فی خلافة منذ قال لی رسول اللّه ﷺ ((یامعاویة اذا ملکت فاحسن)) کذا فی تاریخ الخلفاء للسیوطی

ودرصحیح بخاری درذکرامیر معاویہ می نویسد

حدّثنا الحسن بن بشر ثنا المعافی عن عثمان بن الاسود عن ابن ابی ملیکة قال اوتر معاویه بعد العشاء برکعة وعنده مولی لابن عباس فاتی ابن عباس فقال دعه فانه قد صحب رسول اللّه ﷺ۔

حدّثنا ابن ابی مریم ثنا نافع بن عمر ثنا ابن ابی ملیکة قیل لابن عباس هل لك فی امیر المؤمنین معاویة فانّه ما اوتر الا بواحدة قال انه فقیه۔

---

❶ سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب معاویۃ بن ابی سفیان، رقم الحدیث:۳۸۴۲

❷ مسند احمد ۴/۱۲۷

حدثنا عمرو بن عباس ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبة عن ابی التیاح قال سمعت حمران بن ابان عن معاویة قال انکم لتصلون صلوة لقد صحبنا النبی ﷺ فما رأیناہ یصلیها ولقد نهی عنهما یعنی الرکعتین بعد العصر۔ انتهی ❶

پس از صحیح البخاری کہ اصح کتب است در احادیث، چنانکہ علماء معتبرین بران تصریح کردہ اند، صحابی بودن امیر المومنین معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ وعدالت وفقاہت وے از زبان ابن عباس رضی اللہ عنہ ثابت شدہ، وہرگاہ بودن امیر المومنین معاویہ صحابی آن حضرت ﷺ متحقق گردید پس ترضی وترحم برائے وے مستحب خواہد بود چہ وے صحابی است وبرائے ہر صحابی ترضی وترحم نزد اہل سنت وجماعت بالاجماع مستحب است، دریں صورت باعتبار نفس شرافت صحابیت امیر معاویہ را حضرت ورضی اللہ عنہ گفتن بمقابلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہ نزد اہل سنت وجماعت درست ورواست وممنوع نیست، زیرا کہ مشاجرات باخود ہا از صحابیت خارج نمی کنند خلافاً لروافض، آرے درمیان بزرگی حضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تفاوت بسیار بودن بعید نیست، چہ جناب علی مرتضی در عشرۃ مبشرہ بالجنۃ داخل اند وکثیر الصحبۃ ازان حضرت ﷺ وفضیلت دامادی وغیر میدارند۔

کما لا یخفی علی الماهر بالشریعة الغراء ویستحب الترضی للصحابة والترحم للتابعین ومن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الاخیار وکذا یجوز عکسه وهو الترحم للصحابة والترضی للتابعین ومن بعدهم علی الراجح ذکره الکرمانی وقال الزیلعی الاولی ان یدعوا الصحابة بالترضی والتابعین بالرحمة ولمن بعدهم بالمغفرة والتجاوز کذا فی تنویر الابصار والدر المختار والفتاوی العالمگیریة والغیاثیة وغیره من کتب الفقه الحنفیة وغیرها من کتب سائر المذاهب المتبوعة کما لایخفی علی الماهر بالکتب الشرعیة۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب ذکر معاویۃ، رقم الحدیث: ۳۷۶۴، ۳۷۶۵، ۳۷۶۶

وغیر صحابی از ادنی فی صحابی بدرجہ بزرگی صحابی نخواہد رسید

فهم احق ولا يبلغ غيرهم ادناهم ولو اتفق ملاء الارض ذهباً ۔ كذا فى الطحطاوى حاشية الدرالمختار وغيرها من كتب اهل السنة۔

ومناقب وفضائل صحابہ بر دیگران بنا بر شرف صحبت آن حضرت ﷺ کافی ووافی است

قال ﷺ فى حديث ابن مالك اذا ذكر اصحابى فامسكوا وفى لفظ ((واياكم والشجر بين اصحابى فلو انفق احدكم مثل احد ذهباً ما بلغ مد احدهم ولا نصيفه)) الحديث وقال ﷺ فى حديث ابن مالك ((طوبى لمن رانى ومن راى من رانى)) و قال ﷺ ((لاتسبّوا اصحابى فمن سبهم فعليه لعنة الله))

کذا فی غنیۃ الطالبین للشیخ الکامل المکمل عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ومشاجرات صحابہ منافی نیستند بودن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پس افضلیت شان بر غیر صحابہ در ضمن عمومات نصوص لازم آمد اگرچہ فضیلت با فضیلت غیرے تفاوت از عرش تا فرش وارد ھو المقصود، پس آنہا کفّ اللّسان باید بود وتاویل نیک باید کرد وجہت صحابی بودن آنہا مقتضی ترک کینہ و عداوت است لقولہ تعالی ولاتجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا۔ ازیں جہت عداوت باکسے از صحابہ نتوان کرد، کہ دلیل ضلالت است، اما محبت با ہر یک از آنہا بقدر محبت ہر یک از آنہا است با رسول خدا ﷺ وچوں در مقابلہ ومطاعن صحابہ ظاہر شدہ کہ منازعات ومشاجرات کہ در صحابہ واقع شدہ بنا بر خطا اجتہادی واقع شدہ بکفر نمیرساند، چنانچہ امیر المومنین علی مرتضیؓ گفتہ:

انّما اصبحنا نقاتل اخواننا فى الاسلام على ما دخل فيه من الزيغ والاعوجاج والشبهه والتاويل كذا فى نهج البلاغة۔

ورسول خدا ﷺ در حق امام حسن فرمودہ:

((ابنى هذا سيدو لعلّ اللّه يصلح بين فئتين عظيمتين من المسلمين))

چنانچہ جناب قاضی ثناء اللہ صاحب تفسیر مظہری در سیف المسلول افادہ فرمودہ:

وهكذا يستفاد من نهج الازهر لملا على القارى۔

ومولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ درتحفہ اثنا عشریۃ می فرمانید کہ پس در کتب امامیہ متواتر رسیدہ کہ حضرت امیر ازلعن از اہل شام منع فرمودہ ، ونیز اہل سنت گفتہ اند، کہ در نہج البلاغہ روائتے دیگر موجود است کہ شیعہ ازان چشم پوشی می کنند وآن روایت صریح دلالت دارد برآنکہ مانع بقاء شرکت اسلام واخوت ایمانی بود۔

وهو انّه لمّا سمع لمن اهل الشّام من اصحابه خطب وقال اصبحنا نقاتل اخواننا فى الاسلام على مادخل فيه من الزيغ والاعوجاج والشبهة و التاويل انتهى ما فى تحفة اثنا عشرية۔

وجناب مورد تجلیات سبحانی محبوب رحمانی حضرت سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ، درغنیۃ الطالبین درعقیدہ اہل سنت والجماعت افادہ می فرمایند وارشاد می نمایند،

اتّفق اهل السّنّة على وجوب الكف عما شجر بينهم والامساك عن مساويهم واظهار فضائلهم ومحاسنهم وتسليم امرهم الى اللّه عزوجل على ماكانو جرى من اختلاف على وطلحة و زبير وعائشة ومعاوية رضى اللّه عنهم على ما قدمنا بيانه واعطاء كل ذى فضل فضله كما قال اللّه عزوجل ﴿**والّذين جائوا من بعدهم يقولون ربّنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولاتجعل فى قلوبنا غلاً للذين آمنوا ربنا انك رؤف رحيم**﴾ وقال اللّه تعالى ﴿**تلك امة قد خلت لها ماكسبت ولكم ماكسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملون**﴾ انتهى ما فى غنية الطالبين

ونیز دریں کتاب مسطوراست نبذی ازاں بقلم می آید

فخرج على رضى اللّه الى المسجد فبايعه الناس فكان اماماً حقاً الى ان قتل خلاف ما قال الخوارج انه لم يكن اماماً تبالهم، واما قتاله بطلحة وزبير و عائشة ومعاوية فقد نص الامام احمد على الامساك عن ذالك وجميع ما

شجر بینهم من منازعة ومنافرة وخصومة لانّ اللّٰه تعالی یزید ذلك من بینهم یوم القیامة کما قال عزوجل: ﴿**ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخواننا علی سرر متقابلین**﴾ الآیة۔ ومن قاتله من معاویة وطلحة والزبیر وطلبوا ثارعثمان خلیفه حق المقتول ظلماً والذین قتلوه کانوا فی عسکر علی رضی الله فکل ذهب الی تاویل صحیح فاحسن احوالنا الامساك فی ذالك وردهم الی اللّٰه عزوجل وهو احکم الحاکمین وخیر الفاصلین ۔ انتهی مافی غنیة الطالبین ۔

پس از تقریر دلپذیر جناب محبوب سبحانی رحمہ اللہ علیہ ہم ہویدا گردید، کہ مشاجرات صحابہ آنہا را بر خطا اجتہادی حمل باید کرد، وایں معاملہ را سپرد خدا می شامد، چنانکہ از کلام در نظام شان مستفادمی شود، کما لا یخفی علی العالم المنصف المتفطن بالکلام۔

و باغیان و مقتولان از مقابلین علی مرتضی بر حکم اشتباہ حق و خطاء اجتہادی کہ ہر کس از فریقین خود را بر امر حق دانستہ مقاتلہ کرد و اشتباہ حق و باطل دریں معرکہ روداده، اگرچہ در حقیقت یکے مصیب بود و دیگر مأول و مخطی گشتہ شدند و بعقیده ہر یکے از فریقین و طرفین شہید گشتند، بنا بر اعتقاد حق ہر یک از آنا بجانب خویش چنانکہ از غنیۃ الطالبین وغیرہ مستفاد گردد، بلکہ از کلام امیر المؤمنین علیؓ صاف خطاء اجتہادی از مقابل وےؓ واضح می شود:

حیث قال اصبحنا نقاتل اخواننا فی الاسلام علی مادخل فیه من الزیغ و الاعوجاج والشبهة والتاویل۔ کذا فی نهج البلاغة۔

ولہذا در کتب فقہ می نویسند:

وان قتل عادل باغیاً ورثه مطلقاً وبالعکس اذا قال الباغی وقت قتله انا علی باطل لایرثه اتفاقاً لعدم الشبهة وان قال انا علی حق فی الخروج علی الامام و اصر علی دعواه ورثه۔ کذا فی تنویر الابصار والدر المختار وغیرهما من کتب الفقه

وفی الاختیار وما اصاب کل واحد من الفریقین من الاخر من دم او جراحة او استهلاك مال فهو موضوع لا دیة فیه ولاضمان وما کان قائماً فی ید کل واحد من الفریقین للآخر فهو لصاحب۔انتهی ما فی رد المحتار حاشیة درالمختار وغیره

وآنچہ درسوال مذکوراست ، کہ کسے کہ خودرابمذہب اہل سنت وجماعت گویداز تعصب بحق حضرت معاویہ لفظ رضی اللہ عنہ نہ گوید بلکہ بدگوید چہ حکم دارد، پس جوابش این است کہ امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عن باعلی مرتضی کرم اللہ وجہہ مقابلہ ومقاتلہ کردہ مخطی بود وعلی رضی اللہ تعالی عنہ مصیب بود ومخطی دراجتہاد موردلعن وسب وشتم نیست بر مذہب اہل سنت بلکہ فاسق معین ومرتکب کبیرہ رالعن کردن جائز نیست ، بر مسلک اہل سنت چہ جائے کہ مخطی دراجتہاد حاشا کہ لعن وسب درحق او اصلاً روانیست

لانّ النّبیّ ﷺ نهی عن لعن المصلین ومن کان من اهل القبلة کذا فی خلاصة الفتاوی وغیره من کتب الفقه والعقاید۔اما ما وقع من امتناع جماعة من الصحابة عن نصرة علی۔وخروج معه فی المحاربة طائفة منهم کما وقع فی حرب الجمل والصفین فلا یدل علی عدم صحة خلافته ولاتضلیل علی مخالفیه فی ولایته اذا لم یکن ذلك نزاع فی حقیقة امارته بل کان عن خطاء فی اجتهادهم حیث امکروا علیه ترك القود من قتلة عثمان رضی اللّٰه عنه بل زعم بعضهم انّه کان مائلاً الی قتله والخطی فی الاجتهاد لایضلّ ولا یفسق علی ماعلیه الاعتماد۔کذا فی نهج الازهر شرح فقه اکبر لملّا علی القاری الحنفی وغیره من کتب العقاید۔

پس ہرکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ راازراہ تعصب وبغض رضی اللہ عنہ نہ گوید اوخود دروعید حدیث گرفتارخواہد بود۔

قال رسول الله ﷺ:((لا تسبّوا اصحابی فمن سبّھم فعلیه لعنة اللّٰه))

کذا فی غنیۃ الطالبین وغیرہ من کتب اہل السنۃ، وسب کنندہ و بدگوینده او در پردہ عقیدہ روافض می دارد گو بظاہر خودرا از اہل سنت می شمارد، وہم چنیں ہر کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا را بد گوئد او موذی است و من جملہ من یوذی اللّٰہ و رسولہ داخل است از گمان بد و سوء نفسانی خود توبہ نماید، پس واجب است بر د کہ این عقیدہ بد کہ زوجہ مطہرہ آن حضرت ﷺ و صحابی پیغمبر خدا ﷺ را بد می گوئد توبہ کند، و مسلک اہل سنت اختیار نماید تا در دنیا و دین از مواخذہ نجات یابد و ایں آیت کریمہ را﴿ کنتم خیر امّةٍ اخرجت للنّاس﴾ و﴿ رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه﴾ کہ در شان صحابہ درجہ بدرجہ بقدر استحقاق خیریت ہر یک از ایشاں مشعر و ناطق است تلاوت کردہ باشد (وعقیدة الصحابة انّ ترتیب الخلفاء الرّاشدین کترتیبھم فی الخلافة) پیش نظر دارد، وفضیلت ہر یک صحابی را حسب روایات کتب احادیث صحیحہ و موافق قراداد مذہب متبوعہ اہل سنت و جماعت ملحوظ در عقیدہ خود بدارد تا خود را در زمرہ اہل سنت پندارد وتفصیل این اجمال را در شرح مواقف وشرح مقاصد و ازالۃ الخفاء فی اثبات خلافۃ الخلفاء وغیرہ ملاحظہ نماید تا از انہا عبرت گیرد و مذہب و مسلک اہل سنت را معلوم کند و از جہالت و نادانی خود بیرون آید۔

وما علینا الّا البلاغ ۔ واللّٰه اعلم بالصّواب ۔ فاعتبروا یا اولی الالباب ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه ربّ العالمین ۔ سید محمد نذیرحسین ۔

میاں نذیر حسین محدثؒ کی فارسی تحریر کا اردو ترجمہ:

اہل عقل و دیانت پر مخفی نہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو گالی نہ دو۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں ان کا ایک ساعت بیٹھنا تمہارے چالیس سال کے اعمال سے بہتر ہے اور وکیع کی روایت میں عمر بھر کے اعمال سے بہتر ہے کے الفاظ ہیں۔

امیر معاویہؓ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ آپ سے ۱۶۳، احادیث مروی ہیں۔ جو صحاح ستہ میں اور دوسری کتابوں میں مروی ہیں۔ ان سے بڑے بڑے صحابہ نے روایت کی مثلاً ابن

عباسؓ ،ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابوالدرداؓ، جریر بن عبداللہ بجلیؓ ،نعمان بن بشیرؓ وغیرہ اور تابعین میں سے سعید بن مسیّبؒ ،حمید بن عبدالرحمٰنؒ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تصریح کتب اسماء الرجال اور سیرت میں ہے۔

ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اے اللہ اسے ہادی اور مہدی بنادے۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی ،اے اللہ معاویہؓ کو کتاب اور حساب کا علم سکھا اور اسے عذاب سے محفوظ رکھ۔ امیر معاویہؓ کہتے ہیں کہ جب سے نبی ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ جب تو بادشاہ ہو جائے تو احسان کرنا ، مجھے اسی روز سے اپنے بادشاہ بننے کا یقین ہو گیا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ امیر معاویہؓ نے ایک رکعت وتر پڑھا۔ ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام پاس تھے ،انہوں نے جا کر ابن عباسؓ سے کہا کہ امیر معاویہؓ نے ایک رکعت وتر پڑھا ہے تو انہوں نے فرمایا جانے دو، وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے ٹھیک کیا وہ ایک فقیہ صحابی ہیں۔ ایک دفعہ امیر معاویہ نے کہا کہ تم ایسی نمازیں پڑھنے لگے ہو جو ہم نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی پڑھتے نہیں دیکھا حالانکہ ہم ان کی صحبت میں رہے۔ آپ نے عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

صحیح بخاری میں جو حدیث کی کتابوں میں سے صحیح ترین کتاب ہے،آپ کا صحابی ہونا اور بزبان ابن عباسؓ عادل اور فقیہ ہونا ثابت ہو گیا تو آپ ترضی اور ترحم کے مستحق ہوں گے۔ کیونکہ اہل سنت کے نزدیک صحابہ کے لئے رضی اللّٰہ عنہ کہنا بالاتفاق مستحب ہے۔

صحابی ہونے کی حیثیت سے ان کے متعلق حضرت علیؓ کے مقابلہ میں بھی حضرت اور رضی اللہ عنہ کے الفاظ کہنا مستحب ہے، ممنوع نہیں ہے۔ کیونکہ آپس کی لڑائی سے صحابہ، صحابیت کی بزرگی سے محروم نہیں ہو جاتے۔ ہاں رافضی کا مذہب اس کے خلاف ہے۔

البتہ امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ میں درجے کا بہت فرق ہونا بھی بعید نہیں ہے کیونکہ حضرت علیؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں کثیر الصحبت ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے داماد ہیں۔

صحابہ کے لئے رضی اللہ اور تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں کے لئے رحمہ اللہ کہنا مستحب ہے۔ فقہ اور عقائد کی کتابوں سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور غیر صحابی خواہ کتنے ہی مرتبے کا ہو، کسی ادنی صحابی کے درجے کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

شرف صحبت کے بہت سے حقوق ہیں۔ سرور کائنات صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے جب میرے صحابہ کا تذکرہ کرو تو اپنی زبان کو تھام لو۔

اور فرمایا میرے صحابہ کے جھگڑوں کا تذکرہ مت کرو۔ کیونکہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے جتنا سونا بھی خرچ کرے تو ان کے ایک مد یا نصف مد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا مبارک ہے وہ جس نے مجھے دیکھا اور مبارک ہے وہ جس نے میرے صحابہ کو دیکھا۔ اور فرمایا میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ جو ان کو گالی دے گا اس پر خدا کی لعنت پڑے گی۔

پس معاویہؓ چوں کہ صحابی ہیں لہذا تمام روئے زمین کے غیر صحابہ سے افضل ہیں۔ اگرچہ صحابہ، صحابہ میں عرش سے فرش تک سے بھی زیادہ فاصلہ ہو۔ لہذا ان کو دعائے خیر سے یاد کرنا چاہیے۔ اور ان کے متعلق دل میں کینہ اور عداوت نہ رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالی نے ایمان داروں کی کیفیت بیان فرمائی ہے کہ وہ دعائیں مانگتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں ایمان داروں کے متعلق کینہ اور عداوت نہ رکھنا۔ اور ہمارے دلوں میں ہر صحابی کے لئے اتنی ہی محبت ہونی چاہیے جتنی کہ ان کی محبت رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے تھی۔

جو جھگڑے صحابہ میں ہوئے وہ اجتہادی غلطی کی بنا پر سرزد ہوئے۔ اور اجتہادی غلطی سے کوئی آدمی کافر نہیں ہو جاتا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خود فرمایا تھا ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے لڑنے لگے کیونکہ شبہ اور تاویل سے ان کے دلوں میں کجی آگئی ہے۔

شیعہ کی کتابوں میں ہے کہ حضرت علیؓ نے شامیوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے اور نہج البلاغت میں یہ روایت موجود ہے کہ اس جنگ کی وجہ سے علیؓ نے ان کو ایمان اور اسلامی برادری سے خارج نہ کیا۔ اور وہ روایت یہ ہے کہ جب علیؓ نے اپنی فوج سے شامیوں کے متعلق سبّ وشتم سنا تو فرمایا ہماری اپنے بھائیوں سے لڑائی چھڑ گئی ہے کیونکہ شبہ اور تاویل کی وجہ سے ان کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔

شیخ عبدالقادرؒ جیلانی غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں کہ اہل سنت کا اتفاق ہے کہ صحابہ کرام کے جھگڑوں اور ان کی بدگوئی سے اپنی زبان روک رکھنی چاہیے اور ان کے فضائل ومحاسن کو بیان کرنا چاہیے اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرنا چاہیے۔ حضرت علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عائشہ صدیقہؓ

اور امیر معاویہؓ کی لڑائی کا تذکرہ نہ ہونا چاہیے۔ اور ہر ایک کی بزرگی کا اقرار کرنا چاہیے۔

غنیۃ الطالبین میں یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ مسجد کی طرف نکلے تو لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سو آپ شہید ہونے تک امام برحق تھے۔ لیکن خارجی ان کو امام برحق نہیں مانتے۔ خدا ان کو غارت کرے۔ اور حضرت علیؓ وطلحہؓ وزبیرؓ ومعاویہؓ وحضرت عائشہؓ کی جنگ سے اپنی زبان کو روکنا چاہیے کیونکہ مسند احمد میں نص ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے روز ان کے دلوں سے دشمنی اور کینہ وغیرہ نکال دیں گے۔

حضرت علیؓ خلیفہ برحق تھے، ان کے خلاف خروج ہوا۔ حضرت علیؓ اس حیثیت سے سچے تھے۔ اور ان سے لڑائی کرنے والے حضرت عثمانؓ خلیفہ برحق اور مظلوم خلیفہ کے خون کا مطالبہ کرتے تھے، اور جن سے مطالبہ تھا وہ حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے۔ لہذا وہ اپنی جگہ پر سچے تھے۔ تو ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اس معاملہ میں خاموش رہیں اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیں۔

طرفین کے جو آدمی ان جنگوں میں مرے ہیں وہ شہید ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا۔ اگر چہ فی الحقیقت ایک گروہ حق پر تھا اور دوسرا غلطی پر۔ اور وہ غلطی اجتہادی تھی جس کی اللہ تعالی کی طرف سے معافی ہے۔

فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر عادل باغی کو قتل کر دے تو وہ اس کا وارث ہوگا اور اس کے برعکس بھی۔ اگر باغی اس کا اصرار کرے کہ میں اس خروج میں حق پر ہوں۔ اور اگر باغی قتل کے وقت اقرار کرلے کہ میں باطل پر تھا تو اس کا وارث نہیں ہوگا۔ اور ان جنگوں میں جو زخم فریقین کو آئے ان کی دیت نہیں ہے اور جو مال لوٹ لیا گیا اگر وہ ختم ہو چکا ہے تو اس کی ضمان نہیں اور اگر مال بعینہ ہو تو وہ مالک کو مل جائے گا۔

یہ جو لکھا ہے کہ اگر کوئی تعصب کی راہ سے امیر معاویہ کو رضی اللہ عنہ نہ کہے بلکہ برائی بیان کرے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ امیر معاویہ نے حضرت علی سے لڑائی کی۔ اور اس لڑائی میں حضرت علی حق پر تھے اور امیر معاویہ خطا پر۔ اور اجتہادی غلطی پر اہل سنت کے نزدیک سب وشتم اور بدگوئی کرنا درست نہیں ہے، بلکہ فاسق معین اور مرتکب کبیرہ کو بھی لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اجتہادی غلطی پر اس کی بدگوئی کی جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا نمازی اور اہل قبلہ پر

لعنت نہ کیا کرو۔

جو لوگ حضرت علیؓ کی مدد کرنے سے رک گئے یا جنہوں نے ان کے برخلاف جنگ کی، نہ تو وہ اس سے گمراہ ہوئے اور نہ حضرت علیؓ کی خلافت اس سے ناجائز ہوئی کیونکہ حضرت علیؓ کی خلافت کی حقانیت کے متعلق کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ بلکہ ان کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے میں کوتاہی کر رہے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ تو اس طرف تھے کہ حضرت علی خود قاتلین کی حمائت کرتے رہے ہیں۔

اب اگر کوئی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا کہے تو وہ اس وعید کے لئے تیار رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو گالی نہ دو جوان کو گالی دے گا اس پر اللہ کی لعنت برسے گی۔

ایسا آدمی جوان کو گالی دے، وہ حقیقت میں شیعہ ہے اگرچہ بظاہر اپنے آپ کو اہل سنت کہلائے۔ اور جو حضرت عائشہؓ کی بدگوئی کرے حقیقت میں وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتا ہے۔ پس ایسے عقیدہ سے توبہ کرنا لازمی ہے۔

صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ ان چاروں خلفاء کی خلافت جس ترتیب سے ہوئی ہے اسی ترتیب سے ان کا مرتبہ اور مقام تھا۔ اس اجمال کی تفصیل دیکھنا منظور ہو تو شرح مواقف، شرح مقاصد اور ازالۃ الخفا کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔ محمد نذیر حسین۔ ❶

بدعت حسنہ

اہل حدیث کا عقیدہ ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تقسیم غلط ہے، اور قرآن و حدیث میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے۔ اس موضوع پر ہم پہلے جناب مسعود عالم ندویؒ کی ایک تحریر نقل کرتے ہیں اور بعد ازاں ایک حنفی اہل علم، جناب ابوالحسن علی ندویؒ کی تحریر پیش کریں گے۔

○ جناب مسعود عالم ندویؒ، حضرت مجدد احمد سرہندیؒ کے ذکر خیر میں لکھتے ہیں:

---

❶ منقول از فتاوی نذیریہ

عاجز کے نزدیک ان (احمد سرہندی) کا ایک بڑا تجدیدی کارنامہ، بدعت حسنہ، کی پردہ دری ہے۔ دوسری تیسری صدی ہجری ہی سے علماء سوء اور نام نہاد صوفیہ اپنی نت نئی بدعتوں کی پردہ پوشی بدعت حسنہ کے خوبصورت اور جاذب فقرہ سے کیا کرتے تھے، کسی منکر پر حرف گیری کرو، جواب ملے گا: بدعت حسنہ ہے، کسی بدعت پر متنبہ کرو فوراً حسنہ کی سپر سامنے آجائے گی۔ اللہ! اللہ!، رسول اللہ ﷺ کا تو ارشاد ہے:

((من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو ردّ)) ❶

لیکن علماء ہیں کہ دین کے اندر بدعات کا انبار لگاتے جارہے ہیں۔ اور پوچھو تو ایک جواب بدعت حسنہ۔

حقیقت یہ ہے کہ دین کے اندر جو اضافہ کیا جائے وہ بدعت ہے اور اس لئے ضلالت بھی ہے۔ حسنہ، سیئہ کی کوئی تفریق نہیں۔ میں دین کے اندر کہہ رہا ہوں۔ رسول کریم فداہ ابی وامّی نے فی امرنا ھذا فرمایا ہے۔ لباس طعام اٹھنے بیٹھنے کے آداب طور طریقوں کا سوال نہیں۔ بحث ان جدتوں اور نوتراشیدہ رسموں سے ہے جو دین اور دینی اعمال کے اندر پیدا کر لی گئی ہیں۔ وہ کسی حال میں حسنہ نہیں ہوسکتیں۔ مجدد صاحب کا احسان ہے کہ انہوں نے اس کفرزار میں پہلی مرتبہ اس بدعت کا راز فاش کیا۔ انہوں نے صاف صاف فرمایا:

النّصیحة ھی الدّین ومتابعة سیّد المرسلین علیه وعلیھم الصلوة والسلام و اتیان السنّة السّنیّة والاجتناب عن البدعة ...... و ان کانت البدعة تری مثل فلق الصبح لانّه فی الحقیقة لا نور فیھا ولا ضیاء، و لا للعلیل منھا شفاء و لا للدّاء منھا دواء ـ کیف والبدعة امّا رافعة للسنّة او ساکتة عنھا والساکتة لابد وان تکون زائدة علی السنة فتکون ناسخة لھا فی الحقیقة ایضاً لان الزیادة

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، رقم الحدیث: ۲۶۹۷ صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور، رقم الحدیث: ۱۷۱۸-۱۷

علی النص نسخ له، فالبدعة کیف تکون رافعة للسنة تقیضة فلا خیر فیها و لا حسن فیها۔لیت شعری من این حکموا بحسن البدعة فی الدین الکامل...... ❶

سچ کہا حضرت مجددؒ نے، کہ معلوم نہیں ان لوگوں نے دین کامل کے اندر اختراع کردہ بدعتوں کی بہتری اور اچھائی کا حکم کہاں سے لگا دیا؟......

صاف صاف کہتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے، پر موقع ایسا آ پڑا ہے کہ رہا بھی نہیں جاتا۔ نام نہاد فقراء اور صوفیا، فقر کی بساط بچھا کر سادہ لوح مسلمانوں کے مال اور ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں، مدرسوں میں ابھی تک ارسطو کی سڑی ہوئی لاش سے علم وحکمت کا استفادہ جاری ہے، شمس بازغہ اور قاضی مبارک کی دھوم ہے۔قرآن کریم اور حدیث رسول کی کانوں میں بھنک پڑ جائے، تو خیر حرج نہیں، لیکن ان کی تحصیل میں عمر عزیز کے کچھ حصے نذر کیے جائیں، یہ ناممکن ہے۔ بڑے بڑے علماء کے خانوادے مشکوۃ شریف اور مشارق الانوار پڑھانا کافی خیال کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیر مجددؒ اور شیخ عبدالحقؒ کی ترغیب وتحریص کے فیض سے کوئی جماعت اگر یکسر محروم رہی ہے تو انہیں اہل مدرسہ کی......آپ پوچھیں گے کہ اس بزم میں کتاب ربانی کا کیا حال تھا؟ تو سچی بات تو یہ ہے کہ آج تک سننے میں نہیں آیا کہ ان اہل مدرسہ کے ہاں کتاب عزیز کبھی جگہ پاتی تھی۔اور واقعی ان بے چاروں کو دوسرے علوم سے اتنی فرصت کہاں ملتی تھی کہ وہ کلام الٰہی کی طرف توجہ کرتے۔ پورے درس نظامی میں اگر کوئی کتاب واقعی درس سے خارج تھی تو یہی کتاب ربانی، جسے قرآن مجید کہا جاتا ہے، جس پر ہم آپ ایمان رکھنے کا دعوی کرتے ہیں۔ ❷

○ جناب سید ابوالحسن علی ندویؒ کہتے ہیں:

لوگوں نے بدعت کی دو قسمیں بنا رکھی تھیں، بدعت سیئہ اور بدعت حسنہ۔ وہ کہتے تھے کہ ہر بدعت سیئہ نہیں ہوتی، بہت سی بدعات، بدعات حسنہ ہیں جو حدیث کے اطلاق کلّ بدعةٍ ضلالة سے مستثنی ہیں۔

---

❶ مکتوب ۱۹۔حصہ ششم دفتر دوئم

❷ ماہنامہ الفرقان۔دسمبر ۲۰۰۱ء ص ۲۷، ۲۹۔۳۰

ان کی سب سے بڑی دلیل حضرت عمرؓ کا قول ہے جو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے والوں کو دیکھ کر فرمایا تھا نعمت البدعة هذه ۔ ''یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔'' حالانکہ اس پر اتفاق ہے کہ یہاں محض لغوی حیثیت سے اس کو بدعت کہا گیا ہے ورنہ تراویح کا پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت اور متواتر ہے۔ بدعت کی تعریف کے لئے امام شاطبیؒ کی کتاب الاعتصام بالسنة اور مولانا اسماعیلؒ شہید کی کتاب ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح جو اس موضوع پر بہترین ہیں، پڑھنی چاہیے۔ مجدد صاحب نے اس تقسیم اور بدعت حسنہ کے خلاف جس زور سے علم جہاد بلند کیا اور جس اعتماد وقوت اور علمی استدلال کے ساتھ اس کا انکار کیا اس کی نظیر دور تک اور دیر تک نہیں ملتی۔ اس سلسلہ میں مکتوبات کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

سنن نبویہ کی ترویج واشاعت کی تحریض اور بدعات کے انسداد کی ترغیب دیتے ہوئے اپنے مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر ﷺ کی بعثت پر ہزار سال گزر چکے ہیں اور علامات قیامت ظاہر ہونا شروع ہوگئی ہیں، عہد نبوت کے بعد کی وجہ سے سنت مستور اور، چوں کہ زمانہ کذب و دروغ کا ہے، بدعت رائج ومقبول ہو رہی ہے، کسی شہباز کی ضرورت ہے جو سنت کی نصرت وحمائت کرے اور بدعت کو پسپا اور مغلوب کرے۔ بدعت کی ترویج دین کی تحریف کے مترادف ہے اور بدعتی کی تعظیم قصر اسلام کو منہدم کرنے کے ہم معنی۔ حدیث میں آتا ہے:

((من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام)) ❶

''جو کسی بدعت والے کی توقیر کرے گا اس نے اسلام کے منہدم کرنے میں حصہ لیا۔''

پورے عزم وہمت کے ساتھ اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ سنتوں میں سے کسی سنت کو رواج دیا جائے اور بدعتوں میں سے کسی بدعت کا ازالہ کیا جائے، یہ کام ہر وقت ضروری تھا، لیکن ضعف اسلام کے اس زمانہ میں کہ مراسم اسلام کا قیام سنت کی ترویج اور بدعت کی تخریب کے ساتھ وابستہ ہوگیا ہے اور بھی ضروری ہے۔

---

❶ شعب الایمان، للبیهقی، رقم الحدیث: ۹۴۶۴

اسکے بعد مجدد صاحب اسی مکتوب میں بدعت میں کسی قسم کے حسن و جمال ہونے اور بدعت حسنہ کی تعبیر واصلاح کی مخالفت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

گزشتہ لوگوں میں سے بعض نے بدعت میں کچھ حسن دیکھا کہ بدعت کی بعض قسموں کو انہوں نے مستحسن قرار دیا، لیکن اس فقیر کو اس مسئلہ میں ان سے اتفاق نہیں، وہ کسی بھی بدعت کو حسنہ نہیں سمجھتا اور اس میں اس کو سوائے ظلمت و کدورت کے کچھ اور محسوس نہیں ہوتا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: کلّ بدعةٍ ضلالة ''ہر بدعت گمراہی ہے۔'' ❶

ایک مکتوب میں جو عربی میں میر محبّ اللہ کے نام ہے، تحریر فرماتے ہیں:

سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں نے کہاں سے کسی ایسے کام میں حسن ہونے کا فیصلہ کیا جو اسلام کے دین کامل اور خدا کے پسندیدہ ومقبول مذہب میں اتمام نعمت کے بعد ایجاد کیا گیا ہو، کیا ان کو یہ موٹی بات معلوم نہیں کہ اتمام واکمال اور قبولیت کے بعد کسی دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جائے تو اس میں حسن نہیں ہوسکتا۔

﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ﴾ (یونس: ۳۲)

''حق کے بعد صرف ضلال ہی کا درجہ رہ جاتا ہے۔''

اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ دین کامل میں کسی نو پیدا شدہ چیز کے حسن کا فیصلہ کرنا اس کے عدم کمال کو مستلزم ہے اور اس بات کا اعلان کہ نعمت ابھی تمام نہیں ہوئی تو وہ کبھی اس کی جرئت نہ کرتے۔ ❷

ایک دوسرے مکتوب میں اسی استثنا پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

جب (دین میں) ہر نو ایجاد چیز بدعت ہوگی اور ہر بدعت ضلالت تو کسی بدعت میں حسن پائے جانے کا کیا مطلب؟ اور جب احادیث سے صاف طریقہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ہر بدعت رافع سنت ہوتی ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر بدعت سیئہ ہے، حدیث میں آتا ہے:

---

❶ مکتوب ۲۳-۲ بنام مخدوم زادہ خواجہ محمد عبداللہ

❷ مکتوب ۱۹-۲ بنام میر محبّ اللہ

((ما احدث قوم بدعة الّا رفع مثلها من السّنّة فتمسك بسنة خير من احداث بدعة)) ❶

''جب کوئی قوم کوئی بدعت نکالتی ہے تو اسی کے بقدر سنت اٹھالی جاتی ہے۔ پس سنت سے وابستگی بدعت کی ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔''

حضرت حسانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ما ابتدع قوم بدعة فی دينهم الا نزع اللّه من سنتهم مثلها ثمّ لايعيدها اليهم الی يوم القيامة)) ❷

''جب بھی کوئی قوم اپنے دین میں کوئی بدعت پیدا کریگی تو ضرور اللہ ان سنتوں میں سے جن پر وہ عمل پیرا ہیں کوئی سنت ضرور سلب کر لے گا پھر قیامت تک وہ ان کو واپس نہ کرے گا۔''

جاننا چاہیے کہ بعض بدعتیں جن کو مشائخ نے حسنہ سمجھا ہے جب ان پر اچھی طرح سے غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی رافع سنت ہیں۔ ❸

اسی مکتوب میں بدعت حسنہ کے وجود کا بالکل انکار کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

لوگوں نے کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ اس نیک عمل کو بدعت حسنہ کہتے ہیں جو عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو اور اس سے کوئی سنت نہ اٹھتی ہو۔ اور بدعت سیئہ وہ ہے جو رافع سنت ہو۔ اس فقیر کو ان بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن و نورانیت نظر نہیں آتی اور اس میں سوائے ظلمت و کدورت کے کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ فرض بھی کر لیا جائے کہ آج کسی عمل مبتدع میں ضعف بصارت کی وجہ سے تازگی اور صفائی نظر آتی ہے تو کل جب نظر تیز اور دور بین ہوگی تو خسارہ کے احساس اور ندامت کے سوا کچھ نتیجہ نہ نکلے گا:

---

❶ مسند احمد ۱۰۵/۴

❷ سنن دارمی، کتاب العلم، رقم الحدیث: ۹۸

❸ مکتوب ۱۸۶۔ ابنام خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کابلی

بوقت صبح شود ہم چو روز معلومت   کہ با کہ باختہء عشق در شب دیجور

سید البشر ﷺ فرماتے ہیں:

((من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو ردّ)) ❶

''جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز پیدا کریگا جو اس کے اصل میں نہیں ہے تو وہ رد ہے۔'' ❷

ان بدعات حسنہ میں جو اس زمانہ میں رواج پذیر ہو رہی تھیں ایک محفل میلاد بھی تھی۔ اس کے مقصد اور عالی انتساب کی وجہ سے اس کو بدعت کہنا اور اس کی مخالفت بڑا نازک اور دشوار کام تھا اور اس سے عوام میں غلط فہمی پیدا ہونے اور اس کو بے ادبی اور محبت کی کمی پر محمول کرنے کا خطرہ تھا۔ لیکن حضرت مجدد نے جن کو اس بارے میں کامل شرح صدر حاصل تھا کہ جس چیز کا ثبوت خیر القرون میں نہیں، اس میں دین کی ترقی اور امت کی فلاح نہیں ہے۔ اور اس میں مرور زمانہ کے ساتھ مختلف مفاسد کا اندیشہ ہے، آپ سے استفسار کیا گیا کہ اگر محفل میلاد محظورات سے خالی ہو تو اس میں کیا حرج ہے؟ جواب میں ارشاد ہوا:

مخدوما! اس فقیر کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ جب تک کہ اس کا دروازہ مطلقاً نہ بند کر دیا جائے گا، اہل ہوس اس سے باز نہیں رہیں گے۔ اگر ذرا بھی اس کے جواز کا فتوی دیا جائے گا تو رفتہ رفتہ بات کہیں سے کہیں پہونچ جائے گی: قلیله یفضی الی کثیره ❸

اس طرح حضرت مجدد کے اس مبصرانہ و جرئت مندانہ اقدام (بدعات کی عمومی مخالفت اور بدعت حسنہ کے وجود سے اختلاف) سے ایک بڑے خطرہ کا انسداد اور ایک بڑے دینی انتشار کا سد باب ہو گیا جو غیر محقق علما کی تائید، خانقاہوں کی سرپرستی اور خوش اعتقاد امراء و رؤساء کی دل چسپی اور حمائت کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں پھیلتا جا رہا تھا۔ ❹

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود، رقم الحدیث: ۲۶۹۷ صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور، رقم الحدیث: ۱۷۔۱۷۱۸

❷ مکتوب ۱۸۶۔۱ بنام خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کابلی

❸ مکتوب ۲۷۔۲ بنام خواجہ حسام الدین

❹ تاریخ دعوت وعزیمت۔ ج ۴۔ ص ۲۵۶۔۲۶۰

کلمہ کی تشریح

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ تحریر فرماتے ہیں:

کلمہ طیبہ لا الـہ الا اللـہ کی تشریح دو طرح سے کی گئی ہے۔ایک تشریح عالمانہ ہے اور دوسری متصوفانہ۔

اس کی عالمانہ تشریح قریب الفہم ہونے کی وجہ سے عام فہم ہے جس کے الفاظ ہیں لامعبود الا اللہ یعنی اللہ کے سواء کوئی چیز قابل عبادت نہیں ہے۔مگر اس کی متصوفانہ تشریح ذرا غامض ہے (اور ایک رائے کے مطابق،گمراہی کی جڑ) یا یوں کہیے کہ وہ عالمانہ تشریح کی بنا ہے۔صوفی لوگ اس تشریح کو ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں لامعبود الا اللہ یعنی دنیا میں اللہ کے سوا کوئی چیز اپنی ہستی سے موجود نہیں ہے۔چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی ایک رباعی انہی معنی کا اظہار کرتی ہے،جس کے الفاظ ہیں:

لا آدم فی الکون و لا ابلیس

لا ملك سلیمان و لا بلقیس

فالکل عبارة و انت المعنی

یا من ھو للقلوب مقناطیس

یہ رباعی عارفانہ رنگ میں خالق اور کائنات کے درمیان نسبت بتا رہی ہے۔مطلب اس کا یہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز حقیقی معنی میں موجود نہیں ہے، بلکہ یہ سب چیزیں خدا کی ہستی کی طرف رہنما ہیں اسی لئے انکے مجموعہ کو عالم کہا جاتا ہے جو اسم آلہ کا صیغہ ہے۔

مولانا رومیؒ نے بھی اس کلمہ کی تشریح کی طرف اشارہ کیا ہے۔ارشاد ہے:

تیغ لا برفرق غیر خود براند

درنگر زاں پس کہ بعداز لا چہ ماند

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت

شاد باش اے عشق وحدت سوز رفت

یعنی خدا نے کلمہ کے لا کی تلوار کے ذریعہ سے سب اغیار کی گردنیں اڑا دیں۔اسکے بعد

دیکھو کہ لا کے بعد کیا رہ گیا؟ اللہ کے سوا باقی سب کچھ فنا ہو گیا۔ اے عشق توحید تو خوش ہو کہ تیرے رقیب سارے فنا ہو گئے۔

یہ ہے متصوفانہ توحید، جس کا خلاصہ مرزا غالب کے الفاظ میں یہ ہے:

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں ❶

ایک دوسرے مقام پر جناب ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں:

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ خداوند تعالی سب چیزوں کا خالق ہے۔ سب مخلوق کیا چھوٹی کیا بڑی۔ کیا عزیز کیا ذلیل۔ اس کے سامنے سب سر تسلیم خم ہیں۔ کوئی بھی اس کے حکم کو پھیرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ سب دنیا کی اصل حکومت خاص اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ؗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۟ۙ﴾ (الملك: ١)

''یعنی برکتوں والی وہ ذات ہے جس کے قبضہ قدرت میں تمام ملک کی حکومت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت تام رکھتا ہے۔''

نیز ارشاد ہے:

﴿قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۟ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ﴾ (المؤمنون: ٨٨، ٨٩)

''یعنی اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو ان مشرکوں سے پوچھ کہ کون ہے جس کے قبضہ قدرت میں سب چیزوں کی حکومت ہے اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور اس سے بھاگ کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اگر تمہیں علم ہے تو بتاؤ؟ یہ بھی کہہ دیں گے کہ ایسی شان خدا ہی کی ہے۔''

قریب قریب تمام قرآن شریف اس مضمون سے پر ہے۔ بلکہ کلمہ شریف لا اله الا اللّٰه ہی میں یہ بیان بالاجمال پایا جاتا ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں خدا کے سوا اور کوئی حقیقی معبود نہیں۔

---

❶ ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔ ١٤ جون ١٩٤٠ء۔ ص ٣

صرف خدا ہی معبود برحق ہے۔ باقی مخلوق اس کی عابد اور مملوک ہے۔ پس عابد کو معبود سے جو نسبت ہوتی ہے وہی تمام مخلوق کو (نبی ہو یا ولی۔ رسول ہو یا امتی۔ مومن ہو یا کافر) خالق سے ہے۔ پھر جس نے اس نسبت کو پورا نباہا۔ وہ تو خدا تعالی کے نزدیک معزز ہوا جیسے انبیاء اولیاء، اور جس نے اس نسبت کے حقوق ادا نہ کیے وہ ذلیل خوار مستوجب سزا اٹھہرا۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ (التین: ٤ تا ٦)

''ہم نے انسان کو سب سے اچھی قابلیت اور لیاقت کی حالت میں پیدا کیا، پھر اسکی بدکرداریوں کی وجہ سے اس کو ذلیل ترین کر دیا۔ لیکن جو لوگ ایمان دار ہیں اور عمل نیک کرتے ہیں۔''

مختصر یہ کہ اہل حدیث کا ایمان اور عقیدہ یہ ہے:

اوست سلطان ہر چہ خواہد آں کند
عالمے را در دمے ویراں کند



مضامین تقویۃ الایمان

شاہ محمد اسماعیل دہلویؒ کی تقویۃ الایمان معرکہ آراء کتاب ہے اس میں نہائت سادہ اور آسان زبان میں توحید و شرک کے ابواب میں اہل حدیث کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔ اسلئے اس کتاب کے بعض حصے ذیل میں ملخصاً نقل کیے جاتے ہیں۔

شاہ محمد اسماعیل دہلویؒ فرماتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ ایمان کے دو جزو ہیں۔ اللہ کو اللہ جاننا اور رسول کو رسول سمجھنا۔ اللہ کو اللہ سمجھنا اس طرح ہوتا ہے کہ کسی کو اس کا شریک نہ سمجھے اور رسول کو رسول سمجھنا اس طرح ہوتا ہے کہ اس کے سوا کسی کی راہ نہ پکڑے۔

پہلی بات کو توحید کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو شرک، اور دوسری بات کو اتباع سنت کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو بدعت۔

شرک لوگوں میں بہت پھیل رہا ہے اور اصل توحید نایاب ہے۔ لیکن اکثر لوگ شرک و توحید کے معنی نہیں سمجھتے اور دعوی ایمان کا رکھتے ہیں، حالانکہ شرک میں گرفتار ہیں۔ اس لئے اول معنی شرک و توحید سمجھنا چاہیے۔

فرمایا اللہ تعالی نے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ﴾ (یوسف:۱۰٦)

''یعنی اکثر لوگ جو ایمان کا دعوی کرتے ہیں وہ شرک میں گرفتار ہیں۔''

پھر اگر کوئی سمجھانے والا ان لوگوں سے کہے کہ تم دعوی ایمان کا کرتے ہو اور افعال شرک کے کرتے ہو، یہ دونوں باتیں ایک ساتھ کیوں ملاتے ہو؟ اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہم تو شرک نہیں کرتے بلکہ اپنا عقیدہ انبیاء و اولیاء کی جناب میں ظاہر کرتے ہیں۔ شرک تو جب ہوتا

ہے کہ ہم ان انبیا واولیا پیروں اور شہیدوں کو اللہ کے برابر سمجھتے۔ ہم ایسا تو نہیں سمجھتے ، بلکہ ہم ان کو اللہ کا بندہ جانتے ہیں اور اس کی مخلوق۔ اور یہ تصرف کی قدرت اللہ ہی نے ان کو بخشی ہے، وہ اس کی مرضی سے عالم میں تصرف کرتے ہیں۔ اور ان کا پکارنا عین اللہ ہی کا پکارنا ہے اور ان سے مدد مانگنی عین اسی سے مدد مانگنی ہے، وہ اللہ کے پیارے ہیں، جو چاہیں کریں اور اس کی جناب میں ہمارے سفارشی اور وکیل ہیں اور ان کو پکارنے سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

ان سب باتوں کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ اور رسول اکرم ﷺ کے کلام کو چھوڑ کر اپنی عقل کو دخل دیا اور جھوٹی کہانیوں کے پیچھے پڑے اور غلط رسموں کی سند پکڑی۔ اگر اللہ و رسول کا کلام تحقیق کر لیتے تو سمجھ لیتے کہ نبی ﷺ کے سامنے بھی کافر لوگ ایسی ہی باتیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جھوٹا بتایا۔ چنانچہ سورہ یونس میں فرمایا:

﴿ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾ (یونس: ۱۸)

''یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ کو معلوم نہیں ، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام آسمان و زمین میں کوئی ایسا سفارشی نہیں ہے کہ اس کو ماننے اور پکارنے سے کچھ فائدہ یا نقصان پہونچے۔ بلکہ انبیاء اور اولیا کی جو سفارش ہے وہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ ان کے پکارنے یا نہ پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی کو سفارشی سمجھ کر پوجے وہ بھی مشرک ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ﴾ (الزمر:۳)

''خبردار اللہ ہی کیلئے خالص عبادت کرنا ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کے سواء

اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اسلئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کر دیں یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا فیصلہ اللہ کریگا۔ جھوٹے اور ناشکرے لوگوں کو اللہ راہ نہیں دکھاتا۔“

یعنی جو سچی بات تھی کہ: اللہ، بندے کی طرف سب سے زیادہ قریب ہے، اس کو چھوڑ کر جھوٹی بات بنائی کہ بت ہمیں اللہ کے قریب کر دینگے اور ان کو حمایتی ٹھہرایا۔ اور یہ جو اللہ کی نعمت تھی کہ وہ محض اپنے فضل سے بغیر کسی واسطے کے سب مرادیں پوری کرتا ہے اور سب بلائیں ٹال دیتا ہے اسکا حق نہ پہچانا اور اس کا شکر نہ ادا کیا۔ بلکہ یہ بات اوروں سے چاہنے لگے۔ پھر اس الٹی راہ میں اللہ کی نزدیکی ڈھونڈتے ہیں۔ اللہ ہرگز ان کو راہ نہیں دے گا۔ اور اس راہ سے ہرگز اس کی نزدیکی نہ پائیں گے بلکہ جوں جوں اس راہ پر چلیں گے وہ اس سے دور ہوتے جائیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی کو اپنا حمایتی سمجھے، خواہ یہی سمجھ کر کہ اس کے پوجنے کے سبب اللہ کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے وہ بھی مشرک ہے اور جھوٹا اور اللہ کا ناشکرا ہے۔ اور اللہ تعالی نے سورہ مومنون میں فرمایا ہے:

﴿قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٨﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ﴿٨٩﴾﴾ (المؤمنون:۸۸،۸۹)

”پوچھیئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا، اگر تم جانتے ہو تو بتلادو۔ یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔ کہہ دیجئے پھر تم کدھر سے جادو کر دیئے جاتے ہو؟“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی اور نہ ہی کوئی کسی کا حمایتی ہوسکتا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ انہیں اس کی مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے۔ مگر انہیں پکارنا، ان کی منتیں ماننا اور نذر رو نیاز کرنا اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا ہی ان کا شرک تھا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ جو کوئی

کسی سے ایسا ہی برتاؤ کرے، اگر چہ اس کو اللہ کا بندہ ومخلوق ہی سمجھے، تو وہ اور ابوجہل شرک میں برابر ہیں۔

﴿قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝﴾ (الجن: ۲۱،۲۲)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ یہ جولوگ اپنے پیروں شہیدوں کی حمایت پر بھروسہ کر کے اللہ تعالی کو بھول جاتے ہیں اور اس کے احکام کی تعظیم نہیں کرتے، یہ سب محض گمراہ ہیں کہ تمام پیروں کے پیر رسول اللہ ﷺ رات دن اللہ سے ڈرتے تھے اس کی رحمت کے سوا کسی طرح اپنا بچاؤ نہیں سمجھتے تھے پھر اور کسی کا کیا ذکر ہے؟

﴿وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَیْـًٔا وَّلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۝﴾ (النحل: ۷۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عوام میں کچھ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ انبیاء واولیاء یا امام اور شہیدوں کو عالم میں تصرف کی قدرت تو ہے لیکن اللہ کی تقدیر پر وہ شاکر ہیں اور اس کے ادب سے دم نہیں مارتے۔ اگر چاہیں تو ایک دم میں الٹ پلٹ کر دیں، لیکن شرع کی تعظیم کر کے چپ بیٹھے ہیں۔ تو یہ سب بات غلط ہے

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝﴾ (یونس: ۱۰۶)

یعنی اللہ زبردست کے ہوتے ہوئے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا جو کچھ فائدہ اور نقصان نہیں پہونچا سکتے محض بے انصافی ہے کہ ایسی بڑی ذات کا مرتبہ ایسے ناکارہ لوگوں کو ثابت کیجئے۔

○......شرک یہی نہیں ہے کہ کسی کو اللہ کے برابر یا اس کے مقابلے کا مانا جائے، بلکہ شرک یہ بھی ہے کہ جو چیزیں اللہ کے لئے خاص ہیں اور بندوں پر بندگی کی علامتیں قرار دی ہیں، انہیں غیروں کے آگے بجالانا۔ جیسے سجدہ کرنا، اس کے نام کی قربانی، اس کی منت ماننا اور مشکل کے وقت پکارنا، ہر جگہ حاضر سمجھنا اور تصرف کی قدرت ثابت کرنا۔ تو ان سب باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے۔

سجدہ صرف اللہ ہی کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔قربانی اسی کے لئے کی جاتی ہے۔ منت اسی کی مانی جاتی ہے۔مشکل کے وقت اسی کو پکارا جاتا ہے۔وہی ہر جگہ حاوی ونگران ہے اور ہر طرح کا تصرف واختیار اسی کے قبضے میں ہے۔اگر ان میں سے کوئی صفت غیر اللہ میں بھی مانی جائے تو شرک ہے گو اس کو اللہ سے چھوٹا ہی سمجھا جائے اور اسی کی مخلوق اور اسی کا بندہ مانا جائے۔اس معاملہ میں اولیا اور انبیاء جن وشیطان بھوت، پریت، سب برابر ہیں۔جس سے بھی یہ معاملہ کیا جائے گا شرک ہوگا اور کرنے والہ مشرک ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ نے بت پرستوں کی طرح یہودیوں اور عیسائیوں پر بھی عتاب کیا ہے حالانکہ وہ بت پرست نہ تھے۔ البتہ انبیاء اور اولیاء سے ایسا ہی معاملہ رکھتے تھے۔فرمایا:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳۱﴾

(التوبة: ۳۱)

”ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو، حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ تن تنہا ہے اسکا کوئی شریک نہیں۔سب اسکے بے بس بندے ہیں اور عجز میں برابر ہیں۔چنانچہ فرمایا:

﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝۹۳ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝۹۴ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝۹۵﴾ (المریم: ۹۳ تا ۹۵)

”جتنے لوگ آسمان وزمین میں ہیں وہ رحمٰن کے سامنے بندے ہو کر آنیوالے ہیں اور ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو پوری طرح گن بھی رکھا ہے۔اور ان میں سے ہر شخص قیامت کے دن اکیلا اکیلا اللہ کے پاس آنے والا ہے۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۱۶﴾ (النساء: ۱۱۶)

شرک جلی اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت ہے جس سے غیرت الٰہی کو جوش آتا ہے اس آیت

سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔

﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان:۱۳)

"جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے سے اور وہ اس کو نصیحت کر رہے تھے اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔"

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (الانبیاء:۲۵)

"یعنی جتنے پیغمبر آئے وہ سب اللہ تعالی کی طرف سے یہی حکم لائے کہ اللہ کو مانو اور اس کے سوا کسی کو نہ مانو۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک سے منع اور توحید کا حکم سب شریعتوں میں ہے۔ یہی راہ نجات ہے اس کے سوا سب راہیں غلط ہیں۔

اللہ صرف اپنے لئے خالص عمل کو قبول کرتا ہے۔

اخرج مسلم عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم :((قال الله تعالى انا اغنى الشركاء عن الشّرك من عمل عملاً اشرك فيه معى غيرى تركته و شركه وانا منه برىء)) [1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے فرمایا میں ساجھیوں میں ساجھے سے بے پرواہوں۔ جو کوئی شخص عمل کرے اور اس میں میرے ساتھ کسی اور کو ساجھی مقرر کر دے تو میں اس کو چھوڑ دیتا ہوں اور اس کے ساجھے دار کو بھی۔ اور میں اس سے بے زار اور بری ہوں۔"

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب من اشرک فی عملہ غیر اللہ، رقم الحدیث:۴۶۔۲۹۸۵سنن ابن ماجہ ،ابواب الزهد، باب الریاء والسمعۃ، رقم الحدیث:۴۲۰۲

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص ایک کام اللہ کے واسطے کرے پھر وہی کام کسی اور کے واسطے بھی کرے، تو اس سے شرک ثابت ہوتا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرک اللہ کیلئے جو عبادت کرتا ہے، اللہ کے یہاں وہ مقبول نہیں بلکہ اللہ اس سے بے زار ہے۔

عالم ارواح کا عہد و میثاق بھی اسی نوع کا ہے۔ جیسا کہ منقول ہے:

اخرج احمد عن ابی بن کعب فی تفسیر قول اللّٰہ تعالی ﴿**واذ اخذ ربّک من بنی آدم من ظھورھم ذرّیّتھم**﴾ قال جمعھم فجعلھم ازواجاً ثمّ صورھم فاستنطقھم فتکلموا ثمّ اخذ علیھم العھد والمیثاق و اشھدھم علی انفسھم ﴿**الست بربکم**﴾ قالوا بلی قال فانّی اشھد علیکم السّماوات السبّع والارضین السّبع واشھد علیکم اباکم آدم قالوا شھدنا ان تقولوا یوم القیامۃ انّا کنّا عن ھذا غافلین لم نعلم بھذا ۔ اعلموا انّہ لا الہ غیری ولا ربّ غیری و لا تشرکوا بی شیئاً ۔ انی سارسل الیکم رسلی یذکرون عھدی ومیثاقی وانزل علیکم کتبی قالوا شھدنا بانّك ربنا والھنا ولا ربّ غیرك ولا الہ غیرك۔ ❶

”جب تیرے رب نے آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو ان پر گواہ بنایا اور کہا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا بے شک ہم نے اس کا اقرار کیا، یہ ہم نے اس لئے کیا کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے غافل تھے، یا یہ نہ کہنے لگو کہ شرک تو کیا تھا ہمارے باپ دادا نے ہم سے بہت پہلے اور ہم تو ان کے بعد ہوئے تھے تو کیا ان باطل پرستوں کے کرتوت کے عوض ہم کو ہلاک و برباد کرے گا۔“

یہ ترجمہ کلام اللہ کی آیت کا ہے۔ اس کی تفسیر میں ابی بن کعبؓ نے فرمایا:
اللہ نے ساری اولاد آدم کو ایک جگہ اکٹھا کیا اور ان کی جدا جدا مثلیں (گروہ) لگائیں

---

❶ مسند احمد ۱۳۵/۵

جیسے پیغمبروں کی جدا مثل، نیک بختوں کی جدا مثل، حکم برداروں کی جدا مثل، اور بدکاروں کی جدا مثل اور اسی طرح کافروں کی مثلیں لگائیں جیسے یہود، نصاری، مجوس، ہندو وغیرہ۔ پھر ان سب کی صورتیں بنائیں یعنی کسی کو خوب صورت، کسی کو بدصورت، کسی کو بہرا، کسی کو گونگا، کسی کو کانا، کسی کو اندھا، علی ہذا القیاس۔ پھر ان کو بولنے کی طاقت دی پھر ان سے اللہ تعالی نے یوں فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا کہ تو ہمارا رب ہے۔ پھر ان سے قول وقرار لیا کہ میرے سوا کسی کو حاکم و مالک نہ سمجھنا۔ ان سب نے ان تمام باتوں کا قول وقرار کیا اور اللہ تعالی نے اس بات پر آسمان و زمین و آدم کو گواہ بنایا اور فرمایا کہ اس قول وقرار کو یاد دلانے پیغمبر آئیں گے اور کتابیں لائیں گے۔ ہر کسی نے جدا جدا اللہ کی توحید کا اقرار کیا اور شرک کا انکار۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ شرک کی بات میں ایک دوسرے کی دلیل نہیں پکڑنی چاہیے، نہ پیر کی، نہ استاد کی، نہ باپ دادا کی، نہ کسی بادشاہ کی، نہ کسی عالم کی، نہ کسی بزرگ کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل میں توحید کا حکم اور شرک کی ممانعت تو اللہ تعالی نے عالم ارواح میں کردی ہے اور سارے پیغمبر اس کی تاکید کیلئے آئے ہیں اور ساری کتابیں اس کے بیان میں اتری ہیں۔

فتنہ وآزمائش کے وقت توحید پر پختہ یقین اور استقامت کی تلقین کی گئی ہے:

اخرج احمد عن معاذ بن جبل قال قال لی رسول اللّٰہ ﷺ ((لا تشرك باللّٰہ شیئاً وان قتلت او حرّقت)) ❶

"حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا خواہ تم قتل کردیئے جاؤ یا جلا دیئے جاؤ)۔

اخرج الشّیخان عن ابن مسعود قال قال رجل یا رسول اللّٰہ ﷺ ایّ

---

❶ مسند احمد ۱۳۸/۵

الذّنبِ اکبر عند اللّٰہ؟ قال:((ان تدعوا للّٰہ نِداً وھو خلقك)) [1]

(بخاری ومسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ، اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو کسی کو اللہ تعالیٰ کا ہم سر بنا کر پکارے حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی نے تجھ کو پیدا کیا ہے)۔

موحد اپنے گناہ سے توبہ کرے تو اللہ اس کو معاف کرے گا

عن انس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ:((قال اللّٰہ تعالی یا بنی آدم انّك لو لقیتنی بقراب الارض خطایا ثمّ لقیتنی لاتشرك بی شیئاً لاتیتك بقرابها مغفرة)) [2]

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کا ارشاد ہے، اے ابن آدم اگر تو مجھ سے ملے دنیا بھر کی خطائیں لے کر۔ پھر تو ملے اس حالت میں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو، تو میں تجھ سے ملوں گا دنیا بھر کی مغفرت کے ساتھ)

شاہ اسماعیلؒ دہلوی فرماتے ہیں:

اب یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کون کون سی چیزیں اپنے واسطے خاص کر رکھی ہیں۔ کہ اس میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ بحیثیت علم ہر جگہ حاضر ناظر ہے یعنی اس کا علم ہر چیز کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر چیز سے ہر وقت باخبر ہے۔ خواہ وہ چیز دور ہو یا نزدیک، چھپی ہو یا کھلی، اندھیرے میں ہو یا اجالے میں، آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہو یا سمندر کی تہہ میں۔

---

1. صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ومن یقتل مؤمنا......﴾ رقم الحدیث: ۶۸۶۱ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون الشرک اقبح الذنوب، رقم الحدیث: ۱۴۲۔۸۶
2. سنن ترمذی، کتاب الدعوات، باب الحدیث القدسی: ((یا ابن آدم انک مادعوتنی)) رقم الحدیث: ۳۵۴۰

یہ اللہ ہی کی شان ہے اور کسی کی یہ شان نہیں۔ اگر کوئی کسی کا نام اٹھتے بیٹھتے لیا کرے، یا دور ونزدیک سے اسے پکارا کرے کہ وہ اس کی مصیبت رفع کردے یا دشمن پر اس کا نام پڑھ کر حملہ کرے یا اس کے نام کا ختم پڑھے یا اس کے نام کا ورد رکھے، یا اس کی صورت کا خیال باندھے اور یوں سمجھے کہ جب میں اس کا نام لیتا ہوں یا دل میں اس کا تصور آتا ہے یا اس کی صورت کا خیال کرتا ہوں یا اس کی قبر کا خیال باندھتا ہوں، تو اس کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہتی اور مجھ پر جو احوال گزرتے ہیں جیسے بیماری وتندرستی فراخی وتنگی مرنا وجینا غم وخوشی سب کی اسے ہر وقت خبر ہے اور جو بات میرے منہ سے نکلتی ہے وہ سب سن لیتا ہے اور میرے دل کے خیالات اور تصورات سے واقف رہتا ہے، تو ان سب باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ **شرک فی العلم** ہے۔ یعنی اللہ کی طرح کا علم کسی اور کے لئے ثابت کرنا۔ اس عقیدے سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے۔ خواہ یہ عقیدہ کسی بڑے سے بڑے انسان کے متعلق رکھے یا مقرب سے مقرب فرشتے کے بارے میں۔ چاہے ان کا یہ علم ذاتی سمجھا جائے یا اللہ کا عطا کیا ہوا، ہر صورت میں شرکیہ عقیدہ ہے۔

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۝﴾ (الاحقاف:٥)

(ان سے بڑا گمراہ کون ہے جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارتے ہیں کہ اول تو وہ ان کا پکارنا سنتے ہی نہیں۔ اور دوسرے کچھ قدرت نہیں رکھتے۔ اگر کوئی قیامت تک ان کو پکارے تو وہ کچھ نہیں کر سکتے)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بعض لوگ اگلے بزرگوں کو دور دور سے پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں کہ یا حضرت تم اللہ کی جناب میں دعا کرو کہ وہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت پوری کردے اور پھر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے کوئی شرک نہیں کیا اس واسطے کہ ان سے حاجت نہیں مانگی بلکہ دعا کروائی ہے۔ یہ بات غلط ہے اس لئے کہ اس کے مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا، لیکن پکارنے کی راہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کو ایسا سمجھا کہ دور سے اور نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں جب ہی ان کو اس طرح پکارا۔ حالانکہ اللہ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو اللہ کے سوا ہیں، یعنی مخلوق، وہ ان پکارنے والوں کے پکارنے سے غافل ہیں۔

○...... دوسری بات یہ ہے کہ عالم میں ارادہ سے تصرف کرنا اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے مارنا جلانا، روزی کی فراخی اور تنگی کرنا تندرست و بیمار کر دینا فتح وشکست دینا اقبال و امداد دینا، مرادیں پوری کرنا، حاجتیں برلانا، بلائیں ٹالنا، مشکل میں دستگیری کرنا، وقت پڑنے پر پہنچنا، یہ سب اللہ ہی کی شان ہے، کسی غیر اللہ کی یہ شان نہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا انسان یا فرشتہ کیوں نہ ہو۔

جو شخص اللہ کے بجائے کسی اور میں ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مراد مانگے اور اسی غرض سے اس کے نام کی منت مانے یا قربانی کرے اور اس کو مصیبت کے وقت پکارے کہ وہ اس کی بلائیں ٹال دے، ایسا شخص مشرک ہے۔ اور اس کو **شرک فی التصرف** کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کا سا تصرف غیر اللہ میں مان لینا شرک ہے، خواہ وہ ذاتی مانا جائے یا اللہ کا دیا ہوا، ہر صورت میں یہ عقیدہ شرکیہ ہے۔

کسی نبی و ولی کو جن و فرشتے کو پیر و شہید کو امام و امام زادہ کو بھوت و پری کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی ہے کہ جب وہ چاہیں غیب کی بات معلوم کرلیں، بلکہ اللہ تعالی اپنے ارادے سے کبھی کسی کو جتنی بات چاہتا ہے خبر کر دیتا ہے اور یہ بھی نہ ان کے ارادے کے مطابق ہے نہ ان کی خواہش پر۔ چنانچہ حضرت پیغمبر ﷺ کو بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ بعض باتوں کے دریافت کرنے کی خواہش ہوئی اور وہ بات نہ معلوم ہوئی۔ پھر جب اللہ کا ارادہ ہوا تو ایک آن میں بتا دی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے وقت میں منافقوں نے حضرت عائشہ پر تہمت لگائی اور حضرت ﷺ کو اس سے بڑا رنج ہوا۔ کئی دن تک بہت تحقیق کی۔ پھر بھی کچھ حقیقت نہ معلوم ہوئی۔ بہت فکر و غم میں رہے۔ پھر جب اللہ تعالی کا ارادہ ہوا تو بتا دیا کہ منافق جھوٹے ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا پاک ہے۔

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝۶۵﴾ (النمل:٦٥)

یعنی اللہ نے پیغمبر ﷺ سے فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دیں کہ غیب کی بات سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ نہ فرشتے نہ آدمی نہ جن نہ کوئی اور۔

○......آئندہ کا حال قطعیت کے ساتھ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا:

﴿إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (لقمان:۳٤)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ سب جو غیب دانی کا دعوی کرتے ہیں کوئی کشف کا دعوی کرتا ہے، کوئی استخارہ کا عمل سکھاتا ہے، کوئی تقویم اور پترا نکالتا ہے، کوئی رمل و قرعہ پھینکتا ہے، کوئی فالنامے لئے پھرتا ہے، یہ سب جھوٹے اور دغا باز ہیں ان کے جال میں ہرگز نہیں پھنسنا چاہیے۔ لیکن جو شخص غیب دانی کا دعوی نہ رکھتا ہو بلکہ اتنی ہی بات بیان کرتا ہو کہ کچھ بات کبھی اللہ تعالی کی طرف سے مجھ کو معلوم ہو جاتی ہے وہ میرے اختیار میں نہیں کہ جو بات میں چاہوں دریافت کرلوں تو ایسا ممکن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ سچا ہو، یا ہوسکتا ہے کہ جھوٹا مکار ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ اللہ نے بعض کام اپنی عبادت کے لئے مخصوص فرما دیئے ہیں جن کو عبادت کہتے ہیں، جیسے سجدہ اور رکوع اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا۔ اللہ کے نام پر خیرات کرنا، اور اس کے نام کا روزہ رکھنا اور اس کے مقدس گھر کی زیارت کے لئے دور دور سے سفر کر کے آنا اور ایسی صورت بنا کر چلنا کہ ہر شخص جان لے کہ یہ لوگ اس گھر کی زیارت کو جارہے ہیں، اور راستے میں اللہ ہی کا نام پکارنا اور نامعقول باتوں سے اور شکار سے بچنا، پوری احتیاط سے جا کر اس کے گھر کا طواف کرنا، اور اس گھر کی طرف سجدہ کرنا، اور اس کی طرف قربانی کے جانور لے جانا، اور وہاں منتیں ماننا، کعبہ پر غلاف ڈالنا اور اسکی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہو کر دعا مانگنا اور دین و دنیا کی بھلائیاں طلب کرنا، اور حجر اسود کو بوسہ دینا اور کعبہ کی دیوار سے اپنا منہ اور چھاتی لگانا، اور اس کا غلاف پکڑ کر دعا کرنا اور اس کے گرد روشنی کرنی اور اس میں خادم بن کر رہنا، جھاڑو دینا، فرش بچھانا، حاجیوں کو پانی پلانا، وضو و غسل کا سامان لوگوں کے لئے درست کرنا، آب زمزم کو متبرک سمجھ کر پینا، بدن پر ڈالنا، آپس میں بانٹنا، عزیز و اقارب کیلئے لے جانا، رخصت ہوتے وقت الٹے پاؤں چلنا اور اس کے گردو پیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھاس نہ اکھاڑنا، مویشی نہ چرانا۔

یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کے لئے اپنے بندوں کو بتائے ہیں۔ پھر جو کوئی کسی پیرو پیغمبر یا بھوت پری کو کسی سچی یا جھوٹی قبر کو یا کسی کے تھان کو یا کسی کے چلے کو یا کسی کے مکان کو یا کسی کے تبرک کو یا نشان کو یا تابوت کو سجدہ کرے یا رکوع کرے یا اس کے نام کا روزہ رکھے یا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو، یا جانور چڑھائے، یا ایسے مکانوں میں دور دور سے قصد کر کے جائے۔ یا وہاں روشنی کرے، غلاف ڈالے یا چادر چڑھائے، انکے نام کی چھڑی کھڑی کرے، رخصت ہوتے ہوئے الٹے پاؤں چلے، ان کی قبر کو بوسہ دے، مورچھل جھلے، اس پر شامیانہ کھڑا کرے، چوکھٹ کو بوسہ دے، ہاتھ باندھ کر التجا کرے، مراد مانگے، مجاور بن کر بیٹھ رہے، وہاں کے گردو پیش کا ادب کرے، تو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے۔ اس کو **شرک فی العبادت** کہتے ہیں۔ یعنی غیر اللہ کی تعظیم اللہ کی سی کرنا۔ خواہ یہ سمجھ کر کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں یا یوں سمجھے کہ ان کی اس طرح تعظیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے اور اسکی تعظیم کی برکت سے اللہ مشکلیں کھول دیتا ہے۔ ہر صورت میں یہ شرکیہ عقیدہ ہے۔

○...... ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٥﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٦﴾﴾ (ھود:۲۵۔۲۶)

یعنی مسلمانوں اور کافروں میں تقابل نوح علیہ السلام ہی کے وقت سے شروع ہوا ہے۔ جب ہی سے اس بات پر مقابلہ ہے کہ اللہ کے مقبول بندے یہی کہتے آئے ہیں کہ اللہ جیسی تعظیم کسی اور کی نہ کی جائے اور جو کام اس کی تعظیم کے ہیں وہ اوروں کے لئے نہ کئے جائیں۔

○...... ہر قسم کے سجدے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے جائز ہیں۔

﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿٣٧﴾﴾ (حم سجدہ:۳۷)

''یعنی جو آدمی چاہے کہ اللہ ہی کا بندہ بنے تو سجدہ اسی کو کرے اور کسی چاند سورج کو سجدہ نہ کرے۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ہمارے دین میں یوں ہی فرمایا ہے کہ سجدہ کرنا صرف خالق ہی کا حق ہے کسی بھی مخلوق کو سجدہ نہ کیا جائے اور مخلوق ہونے میں چاند، سورج، نبی، ولی برابر ہیں۔

اللہ کے صالح بندوں کے بارے میں معتقدین کا گمراہ کن عقیدہ۔

﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝﴾

(الجن:۱۸۔۲۰)

یعنی جب کوئی اللہ کا بندہ اپنے پاک دل سے اس کو پکارتا ہے تو بے وقوف لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تو بڑا بزرگ ہو گیا۔ یہ جس کو جو چاہے دے، جس سے جو چاہے چھین لے۔ اس بات کی امید کر کے اس پر ہجوم کرتے ہیں۔ اس بندے کو چاہیے کہ سچی بات بیان کر دے کہ مشکل کے وقت اللہ ہی کو پکارنا حق ہے اور اسی سے نفع ونقصان کی امید رکھنی چاہیے۔ اسلئے کہ ایسا معاملہ کسی اور کے ساتھ کرنا شرک ہے۔ اور شریک وشرک سے اللہ بے زار ہے، جو شخص ایسا معاملہ کرے اور چاہے کہ اللہ اس سے راضی رہے تو یہ ہرگز ممکن نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ادب سے کھڑا ہونا اور اس کو پکارنا اور اس کا نام جپنا ان کاموں میں سے ہے جنہیں اللہ تعالی نے اپنے لئے خاص کیا ہے۔ کسی اور سے یہ معاملہ کرنا شرک ہے۔

○......ارکان حج اور انتہائی تعظیم کے اعمال بیت اللہ اور حرم کے ساتھ خاص ہیں:

﴿وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ الْفَقِيْرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝﴾

(الحج:۲۷۔۲۹)

یعنی اللہ نے اپنی تعظیم کیلئے بعض جگہوں کو مقرر کیا ہے جیسے کعبہ، عرفات، مزدلفہ، منی، صفا مروہ، مقام ابراہیمؑ اور ساری مسجد الحرام بلکہ سارا مکہ سارا حرم اور لوگوں کے دلوں میں وہاں جانے کا شوق ڈال دیا ہے کہ ہر طرح سے خواہ سواری سے، خواہ پیدل دور دور سے قصد کرتے ہیں۔ رنج اور سفر کی تکلیف اٹھاتے ہیں، میلے کچیلے ہو کر وہاں پہونچتے ہیں اور اسی کے نام پر وہاں جانور ذبح کرتے ہیں اور اپنی منتیں ادا کرتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں اور اپنے

مالک کی تعظیم جو دل میں بھری ہوئی ہے وہاں جا کر خوب نکالتے ہیں کوئی چوکھٹ چومتا ہے کوئی دروازے کے سامنے اعتکاف کی نیت سے بیٹھ کر رات دن اللہ کی یاد میں مشغول ہے، کوئی ادب سے کھڑا اس کو دیکھ ہی رہا ہے، غرض اس طرح کے کام اللہ کی تعظیم کیلئے کرتے ہیں اور اللہ ان سے راضی ہے اور انکو دین دنیا کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

خود تراشیدہ بتوں کی عبادت

اخرج الترّمذی عن ثوبان قال قال رسول اللّٰہ ﷺ:((لا تقوم السّاعۃ حتّی تلحق قبائل من امّتی بالمشرکین وحتّی تعبد قبائل من امّتی الاوثان)) ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے آنے تک میری امت کے بہت سے قبائل مشرکین میں مل جائیں گے اور میری امت کے بہت سے قبائل تھانوں کی پوجا کرنے لگیں گے۔''

یعنی شرک دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ کسی کے نام کی صورت بنا کر پوجے۔ اس کو عربی میں صنم کہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ کسی تھان کو مانے یعنی کسی مکان کو یا درخت کو یا کسی پتھر کو یا لکڑی کو یا کاغذ کو کسی کے نام کا ٹھہرا کر پوجے۔ اس کو عربی زبان میں وثن کہتے ہیں۔ اسی میں قبر اور کسی کا چلّہ اور لحد اور کسی کے نام کی چھڑی، تعزیہ، علم، امام قاسم اور پیر دستگیر کی مہندی، امام کا چبوترہ، استاد اور پیروں کے بیٹھنے کی جگہ بھی داخل ہے، کیونکہ لوگ اس کی تعظیم کرتے ہیں اور وہاں جا کر نذریں چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں۔ اور اسی طرح بعض مکان بعض امراض کے نام سے مشہور کرتے ہیں جیسے سیتلا کا تھان، یا مسان، یا بھوانی کا، یا کالی کا، یا کالکا کا، یا براہی کا، غرض یہ سب وثن ہیں۔

○...... بزرگوں کے نام پر جانور چھوڑنا اور ان کے احترام میں جانوروں کا ذبح کرنا انہیں ان کے نام نذر کرنا، سب حرام ہے:

﴿قُل لَّآ أَجِدُ فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُۥٓ إِلَّآ أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ

---

❶ سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون، رقم الحدیث: ۲۲۱۹

﴿دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾

(الانعام:١٤٥)

''کہہ دے مجھ پر جو اترا ہے (قرآن) اس میں سے کوئی چیز کسی کھانے والے پر جو اس کو کھائے حرام نہیں پاتا مگر یہ کہ مردار ہو یا بہتا خون یا سور کا گوشت وہ نجس ہے یا گناہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی جانور پر کسی دوسرے کا نام پکارا جائے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو جانور کسی مخلوق کے نام کا ٹھہرایا جائے وہ جانور حرام اور ناپاک ہے۔ اس آیت میں یہ ذکر نہیں کہ اس جانور کے ذبح کرتے وقت کسی مخلوق کا نام لیں تب ہی وہ حرام ہوگا۔ بلکہ اتنی ہی بات کا ذکر ہے کہ کسی مخلوق کے نام پر جہاں کوئی جانور مشہور کیا مثلاً یہ کہا کہ یہ گائے سید احمد کبیر کی ہے۔ یہ بکرا شیخ سدّو کا ہے۔ وہ حرام ہو جاتا۔ پھر جو جانور مرغی یا اونٹ کسی مخلوق کے نام ذبح کر دیجئے خواہ ولی کا ہو، یا نبی کا، باپ کا ہو یا دادے کا، وہ سب حرام و ناپاک ہے اور کرنیوالے پر شرک ثابت ہو جاتا ہے۔

تقرب اور تعظیم کے لئے جانور ذبح کرنا، اللہ تعالیٰ کا حق ہے

اخرج مسلم عن ابی الطّفیل ان علیاً اخرج صحیفة فیها ((لعن اللّٰه من ذبح لغیر اللّٰه)) ❶

''ابوالطفیل نے نقل کیا کہ حضرت علیؓ نے ایک کتاب نکالی جس میں یوں لکھا تھا کہ اللہ لعنت کرے اس شخص پر جو غیر اللہ کیلئے ذبح کرے۔''

اخرج الشّیخان عن ابی هریره قال قال رسول اللّٰه ﷺ:((لا تقوم السّاعة حتّی تضطرب الیات نساء دوس حول ذی الخلصة)) ❷

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب تحریم الذبح لغیر اللہ تعالیٰ ولعن فاعلہ، رقم الحدیث:۴۳۔۱۹۷۸

❷ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب تغیر الزمان حتی تعبد الاوثان، رقم الحدیث:۷۱۱۶؛ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب لاتقوم الساعۃ حتی تعبد دوس ذا الخلصۃ، رقم الحدیث:۵۱۔۲۹۰۶

دوس نام ہے عرب کی ایک قوم کا۔ان کا ایک بت تھا جس کا نام ذی خلصہ تھا وہ رسول اللہ ﷺ کے وقت توڑ ڈالا گیا تھا۔مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے قریب لوگ اس کو پھر ماننے لگیں گے اور عورتیں اس کے گرد طواف کریں گی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے سوا اور کسی کا طواف کرنا شرک کی بات ہے، اور کافروں کی رسم ہے۔یہ ہرگز نہ کی جائے۔

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ (المائدة:۱۰۳)

یعنی جو جانور کسی کے نام کا مقرر کرتے تھے اس کا کان پھاڑ دیتے تھے اس کو بحیرہ کہتے تھے اور جو سانڈ کرتے تھے اس کو سائبہ کہتے تھے اور جو کسی کی منت مانتا کہ اگر فلاں جانور کا بچہ نر ہوگا تو ہم اس کی نیاز دینگے اگر دو بچے نر و مادہ ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں تو نر کو بھی نیاز نہ چڑھاتے کہ مادہ کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے وہ نیاز نہیں ہوسکتا، اس مادہ کو وصیلہ کہتے تھے اور جس جانور کی پشت سے دس بچے ہو لیتے تو اس پر وزن لادنا اور سوار ہونا چھوڑ دیتے اس کو حامی کہتے تھے۔فرمایا کہ یہ سب باتیں اللہ نے نہیں فرمائی ہیں۔اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کسی جانور کو کسی غیر اللہ کے نام کا مقرر کرنا اور اس کا کچھ نشان اس پر لگا دینا اور یہ خاص کر دینا کہ فلاں کی نیاز گائے ہی ہوتی ہے، فلاں کی بکری اور فلاں شخص کی مرغی ہی ہوتی ہے۔یہ سب رسمیں بے وقوفی کی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہیں۔

چوتھی بات یہ کہ اللہ نے اپنے بندوں کو تعلیم دی ہے کہ اپنے دنیا کے کاموں میں اللہ کو یاد رکھیں، اور اس کی تعظیم کرتے رہیں تاکہ ایمان بھی سنور جائے اور ان کاموں میں بھی برکت ہو۔جیسے مصیبت کے وقت اللہ کی نذر مان لینا اور مشکل کے وقت اسی کو پکارنا اور ہر کام کا شروع اس کے نام سے کرنا۔اور جب اولاد ہو تو اس نعمت کے شکر میں اس کے نام پر جانور ذبح کرنا، اور اس کا نام عبداللہ، عبدالرحمٰن، الٰہی بخش، اللہ دیا، امۃ اللہ، اللہ دی رکھنا۔اور کھیت اور باغ میں سے کچھ غلّہ اس کے نام کا نکالنا۔پھلوں میں سے کچھ پھل اس کے نام کے نکالنا۔جانوروں میں سے کچھ جانور اس کے نام کے مقرر کرنا اور جو جانور اسکے نام کے بیت اللہ کی طرف لے جائے ان کا ادب کرنا، یعنی نہ ان پر سوار ہونا، نہ لادنا، اور کھانے پینے پہننے میں اللہ

کے حکم پر چلنا۔ یعنی جس چیز کے برتنے کو اس نے فرمایا اس کو برتنا اور جو منع کیا اس سے دور رہنا، دنیا میں گرانی اور ارزانی، صحت و بیماری، فتح و شکست، اقبال و ادبار، غمی و خوشی، جو کچھ بھی پیش آتی ہے، سب کو اللہ کے اختیار میں سمجھنا، اور ہر کام کا ارادہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہنا۔ مثلاً یوں کہنا کہ اگر اللہ چاہے تو ہم فلاں کام کرینگے، اور اللہ تعالی کے اسم گرامی کو اسی عظمت کے ساتھ لینا جس سے اس کی تعظیم نمایاں ہو اور اپنی غلامی کا اظہار ہوتا ہو جیسے یوں کہنا ہمارا رب، ہمارا مالک، ہمارا خالق ہمارا معبود۔ اور اگر کسی موقع پر قسم کھانے کی ضرورت پڑ جائے تو اسی کے نام کی قسم کھانا۔

یہ تمام باتیں اور اسی قسم کی دیگر باتیں اللہ تعالی نے اپنی تعظیم کے لئے بنائی ہیں۔ پھر جو کوئی اسی قسم کی تعظیم غیر اللہ کی کرے، مثلاً کام رکا ہوا ہو، یا بگڑ رہا ہو تو اس کو چلانے یا سنوارنے کے لئے غیر اللہ کی نذر مان لی۔ اولاد کا نام عبدالنبی، امام بخش، پیر بخش رکھا جائے کھیت و باغ کی پیداوار میں ان کا حصہ رکھا جائے۔ جب پھل تیار ہو کر آئیں تو پہلے ان کے نام کا حصہ الگ کر دیا جائے تب اسے استعمال میں لایا جائے۔ جانوروں میں سے ان کے نام کے جانور مقرر کر دیئے جائیں، پھر ان جانوروں کا ادب کرے۔ اور کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے میں رسموں کا خیال رکھا جائے کہ فلاں لوگ فلاں کھانا نہ کھائیں، فلاں کپڑا نہ پہنیں۔ بی بی کی صحنک مرد نہ کھائیں، جس عورت نے دوسرا شوہر کیا ہو وہ نہ کھائے شاہ عبدالحق کا توشہ حقہ پینے والا نہ کھائے۔ اور برائی و بھلائی جو دنیا میں پیش آتی ہے اس کو ان کی طرف نسبت کرے کہ فلاں ان کی پھٹکار میں آ کر پاگل ہو گیا ہے، اور فلاں کو انہوں نے اتنا راندا کہ محتاج ہو گیا اور فلاں کو نواز دیا کہ فتح و اقبال مل گیا۔ قحط فلاں ستارے کے سبب پڑا، فلاں کام فلاں ساعت میں فلاں دن شروع کیا تھا اس لئے پورا نہ ہوا۔ یا یوں کہے کہ اللہ و رسول چاہے گا تو میں آؤں گا۔ یا پیر صاحب کی مرضی ہو گی تو یہ بات ہو جائے گی۔ یا گفتگو میں داتا، بے پروا، خداوند خدائیگاں، مالک الملک اور شہنشاہ جیسے الفاظ (غیر اللہ کے لئے) استعمال کئے جائیں۔ جب قسم کھانے کی ضرورت پڑے تو پیغمبر کی یا علی کی یا امام کی یا پیر کی یا ان کی قبروں کی یا اپنی جان کی قسم کھائے۔ ان سب باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے اور اس کو **شرک فی العادت** کہتے ہیں۔

نبی ﷺ کی تعظیم کے آداب

اخرج احمد عن عائشه انّ رسول اللّٰه ﷺ کان فی نفرٍ مّن المهاجرین و الانصار فجاء بعیر فسجد له ۔ فقال اصحابه یا رسول اللّٰه تسجد لك البهائم والشّجر فنحن احقّ ان نسجد لك۔ فقال:((اعبدوا ربّکم واکرموا اخاکم)) ❶

''رسول اللہ ﷺ مہاجرین وانصار کے ایک گروہ میں بیٹھے تھے کہ ایک اونٹ آیا۔ اوراس نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا، تو آپ ﷺ کے اصحاب کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو درخت اور جانور سجدہ کرتے ہیں تو ہم تو زیادہ حق دار ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کریں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے رب کی عبادت کرواور اپنے بھائی کی عزت کرو۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء وانبیاء یعنی جتنے اللہ تعالی کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہیں اور اللہ تعالی کے عاجز بندے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں مگر اللہ تعالی نے ان کو بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ۔ ہم کو ان کی فرمان برداری کا حکم ہے ۔ ہم ان کے چھوٹے ہیں، ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیے نہ کہ اللہ تعالی کی طرح ۔

عن قیس بن سعد قال اتیت الحیرة فرأیتهم یسجدو ن لمرزبان لهم فقلت لرسول اللّٰه ﷺ احقّ ان یّسجد له قال فاتیت رسول اللّٰه ﷺ فقلت انّی اتیت الحیرة فرأیتهم یسجدو ن لمرزبان لهم فانت یارسول الله ﷺ احقّ ان نسجد لك، فقال لی:((ارأیت لو مررت بقبری اکنت تسجد له)) قال فقلت لا ، فقال:((لا تفعلوا)) ❷

---

❶ مسند احمد ۶/ ۷۶

❷ سنن ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی حق الزواج علی المرئة، رقم الحدیث: ۲۱۴۰

’’ قیسؓ بن سعد نے روایت کیا کہ میں نے حیرہ شہر کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے حاکم کو سجدہ کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ ان کو سجدہ کیا جائے۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر عرض کیا کہ میں نے حیرہ شہر میں دیکھا کہ لوگ اپنے حاکم کو سجدہ کر رہے ہیں تو آپ زیادہ حق دار ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم میری قبر پر گزرو گے تو کیا اس کو سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر مجھے سجدہ نہ کرو)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ نہ کسی زندہ کو کیجئے نہ کسی فوت شدہ کو۔ نہ کسی قبر کو نہ کسی تھان کو۔ کیونکہ جو زندہ ہے ایک دن ضرور مرنے والا ہے اور جو مر گیا وہ کبھی زندہ تھا۔ اور بشریت کی قید میں گرفتار تھا، پھر مر کر خدا نہیں بن گیا۔ بندہ، بندہ ہی ہے۔

مسئلہ علم غیب:

شاہ محمد اسماعیل دہلویؒ تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ کو علم غیب حاصل نہ تھا۔ اور غیب کا علم صرف اللہ کو ہے:

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (الانعام:۵۹)

اور اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

معلوم ہوا کہ غیب کے خزانے کی کنجی صرف اللہ تعالی کے پاس ہے۔ اس نے کسی کے ہاتھ میں نہیں دی اور کوئی اس کا خزانچی نہیں۔ بس وہی اسے اپنے ہاتھ سے قفل کھول کر اس میں سے جتنا جسکو چاہے بخش دے اس کا ہاتھ کوئی نہیں پکڑ سکتا:

﴿قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَّبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ﴾ (الاعراف:۱۸۸)

آپ ﷺ نے بیان کر دیا کہ مجھ کو نہ کچھ قدرت ہے نہ غیب دانی، بلکہ میری قدرت کا تو حال یہ ہے کہ اپنی جان تک کے بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں، تو دوسرے کا کیا کر سکوں۔

اورغیب دانی اگر میرے قابو میں ہوتی تو پہلے ہر کام کا نتیجہ معلوم کر لیتا۔اگر بھلا معلوم ہوتا تو اس میں ہاتھ ڈالتا اور اگر برا معلوم ہوتا تو کاہے کو اس میں قدم رکھتا۔

مشکوۃ شریف کے باب اعلان نکاح میں ہے:

عن الرّبیع بنت معوذ بن عفراء قالت جاء النّبیّ ﷺ فدخل حین بنی علی فجلس علی فراشی کمجلسك منّی فجعلت جویریات لنا یضربن بالدن ویندبن من قتل من آبائی یوم بدر اذ قالت احد ھن و فینا نبی یعلم ما فی غدّ فقال:((دعی ھذہ و قولی با لّذی کنت تقو لین)) ❶

یعنی ربیع ایک انصاری خاتون تھیں۔رسول اللہ ﷺ ان کی شادی کے موقع پر ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے پاس بیٹھ گئے۔ربیع کے گھر کی لڑکیاں کچھ گانے لگیں اس میں رسول اللہ ﷺ کی تعریف میں یہ بات کہی کہ اللہ نے ان کو ایسا مرتبہ دیا ہے کہ آپ ﷺ آئندہ کی باتیں جانتے ہیں۔یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بات مت کہو۔باقی اور جو پہلے گاتی تھیں وہی گائے جاؤ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی نبی ولی یا امام وشہید کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی یہ عقیدہ نہ رکھے اور نہ ان کی تعریف میں ایسی بات کہے۔

عن عائشة قالت من اخبرك انّ محمدا لیعلم الخمس التی قال اللّٰہ تعالی:

﴿انّ اللّٰہ عندہ علم السّاعة﴾ فقد اعظم الفریة۔ ❷

''عائشہؓ کہتی ہیں کہ ان پانچ باتوں کے بارے میں جو سورہ لقمان کے آخر میں مذکور ہیں جو کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ وہ پانچ باتیں جانتے تھے وہ بڑا جھوٹا ہے۔''

---

❶ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة، رقم الحدیث: ۵۱۴۷

❷ صحیح بخاری، کتاب التوحید، رقم الباب: ۴، رقم الحدیث: ۷۳۸۰ بالمعنی

عن ام العلاء قالت قال رسول اللّٰہ ﷺ:((واللّٰہ لا ادری واللّٰہ لا ادری وانا رسول اللّٰہ ما یفعل بی و لا بکم)) ❶

”بخاری نے روایت کیا کہ ام العلاءؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اللہ کی میں نہیں جانتا اور قسم ہے اللہ کی کہ میں نہیں جانتا کیا معاملہ ہوگا مجھ سے اور تم سے۔“

مسئلہ شفاعت:

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝﴾ (سبا:۲۲-۲۳)

”کہہ دو جن کو تم اللہ کے سوا اپنا حاجت روا سمجھتے ہو ذرا ان کو پکار کر دیکھ لو کہ وہ آسمانوں اور زمینوں میں ایک ذرہ کے برابر بھی ملکیت نہیں رکھتے اور نہ زمین و آسمان میں ان کا کچھ ساجھا ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار اور اللہ تعالی کے نزدیک صرف اسی کی شفاعت کام آئیگی جس کو اللہ اجازت دے یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور ہوتی ہے ان کے دلوں سے تو کہتے ہیں کیا فرمایا تمہارے رب نے، کہتے ہیں کہ حق، اور وہی بلند اور بڑا ہے۔“

یعنی جو کوئی کسی سے مراد مانگتا ہے اور مشکل کے وقت پکارتا ہے اور وہ اس کی ضرورت پوری کر دیتا ہے تو یہ بات اس طرح ہوتی ہے کہ یا تو وہ خود مالک ہو یا مالک کا ساجھی ہو یا مالک پر اس کا دباؤ ہو۔

---

❶ صحیح بخاری کتاب التعبیر، باب العین الجاریۃ فی المنام، رقم الحدیث:۷۰۱۸، ۱۲۴۳

جیسے بڑے بڑے امیروں کا کہنا بادشاہ دب کر مان لیتا ہے کیونکہ وہ اس کے بازو ہیں اوراس کی سلطنت کے رکن ۔ان کے ناخوش ہونے سے سلطنت بگڑتی ہے، یااس طرح کہ مالک سے سفارش کرے اور وہ اس کی سفارش خواہ مخواہ قبول کر لے ۔ پھر دل سے خوش ہو یا ناخوش ۔ جیسے بادشاہ زادی یا بیگمات، کہ بادشاہ ان کی محبت سے ان کی سفارش رد نہیں کرسکتا۔ چارو ناچار ان کی سفارش قبول کر لیتا ہے جن کو اللہ کے سوا یہ لوگ پکارتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں نہ وہ آسمان و زمین میں ایک ذرہ کے مالک ہیں اور نہ کچھ ان کا ساجھا ہے اور نہ اللہ کی سلطنت کے رکن ہیں اور نہ اس کے بازو کہ ان سے دب کر ان کی بات مان لے اور نہ بغیر پروانگی سفارش کر سکتے ہیں کہ خواہ مخواہ اس سے دلوا دیں بلکہ اس کے دربار میں تو ان کا یہ حال ہے کہ جب وہ کچھ حکم فرماتا ہے تو وہ سب رعب میں آکر بے حواس ہو جاتے ہیں اور ادب و دہشت کے مارے دوسری بار اس بات کی تحقیق اس سے نہیں کر سکتے بلکہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں اور جب اس بات کی آپس میں تحقیق کر لیتے ہیں تو سوائے آمنّا و صدقنا کے کچھ نہیں کہہ سکتے، پھر بات الٹنے کا تو ذکر کیا اور کسی کی وکالت اور حمایت کرنے کی کیا طاقت ہے۔

معلوم ہو کہ شفاعت کہتے ہیں سفارش کو۔اور دنیا میں سفارش کئی طرح کی ہوتی ہے۔ جیسے دنیاوی بادشاہ کے ہاں کسی شخص کی چوری ثابت ہو جائے اور کوئی امیر یا وزیر اس کو اپنی سفارش سے بچالے۔

⚙......ایک صورت یہ ہے کہ بادشاہ چاہتا ہے کہ اس چور کو گرفتار کیا جائے اور بادشاہ کے قانون کے مطابق اس چور کو سزا پہنچتی ہے مگر اس امیر سے دب کر اس کی سفارش مان لیتا ہے کیونکہ وہ امیر اس کی سلطنت کا بڑا رکن ہے اور اس کی بادشاہت کو بڑی رونق دے رہا ہے۔ بادشاہ یہ سمجھ رہا ہے کہ ایک جگہ اپنے غصہ کو تھام لینا اور ایک چور سے درگزر کرنا اس سے بہتر ہے کہ اتنے بڑے امیر کو ناراض کر دیں۔کہ جس سے بڑے بڑے کام خراب ہو جائیں۔اور سلطنت کی رونق گھٹ جائے ۔ایسی شفاعت کو **شفاعت وجاہت** کہتے ہیں۔یعنی اس امیر کی وجاہت کے سبب سے اس کی سفارش قبول کی۔

اس قسم کی سفارش اللہ کے دربار میں ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتی۔اور جو کوئی نبی یا ولی کو یا امام

اور شہید کو یا کسی فرشتے کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے، وہ اصلی مشرک ہے اور بڑا جاہل ہے کہ اس نے اللہ کے معنی ہی نہیں سمجھے اور اس مالک الملک کی کچھ بھی قدر نہیں پہچانی۔ اس شہنشاہ کی تو شان یہ ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن اور فرشتے جبرئیل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے اور ایک دم میں سارا عالم عرش سے فرش تک الٹ پلٹ کر ڈالے اور ایک اور ہی عالم اس جگہ قائم کر دے کہ اسکے تو محض ارادے ہی سے ہر چیز ہو جاتی ہے۔ کسی بھی کام کے اسباب اور سامان جمع کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔ اور اگر سب اگلے پچھلے لوگ جنات اور انسان بھی مل کر جبرئیل اور پیغمبر ہی جیسے ہو جائیں تو اس مالک الملک کی سلطنت میں ان کے سبب کچھ رونق بڑھ نہ جائے گی۔ اور اگر سب شیطان و دجال جیسے ہو جائیں تو اس کی کچھ رونق نہیں گھٹے گی وہ ہر صورت میں بڑوں کا بڑا اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کا نہ کوئی کچھ بگاڑ سکے اور نہ کچھ سنوار سکے۔

✪......دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شہزادوں یا بیگمات میں سے کوئی بادشاہ کا محبوب اس چور کا سفارشی ہو کر کھڑا ہو جائے اور چوری کی سزا نہ دینے دے اور بادشاہ اس کی محبت سے لاچار ہو کر اس چور کی تقصیر کو معاف کر دے تو اس کو **شفاعت محبت** کہتے ہیں یعنی بادشاہ نے محبت کے سبب سے سفارش قبول کر لی اور یہ بات سمجھی کہ ایک بار غصہ پی جانا اور ایک چور کو معاف کر دینا بہتر ہے اس رنج سے جو اس محبوب کے روٹھ جانے سے مجھ کو ہوگا۔ اس قسم کی شفاعت بھی اس دربار میں کسی طرح ممکن نہیں۔ اور جو کوئی کسی کو اس کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے وہ بھی ایسا ہی مشرک اور جاہل ہے جیسا کہ اول ذکر ہو چکا ہے۔ وہ مالک الملک اپنے بندوں کو بہتیرا ہی نوازے اور کسی کو حبیب کا، کسی کو خلیل کا، کسی کو کلیم کا، کسی کو روح اللہ، وجیہہ کا خطاب بخشے اور کسی کو رسول کریم، اور روح القدس اور روح الامین فرمادے۔ مگر پھر بھی مالک، مالک اور غلام، غلام۔ کوئی بندگی کے رتبے سے قدم باہر نہیں رکھ سکتا اور غلامی کی حد سے زیادہ نہیں بڑھ سکتا۔ جیسا کہ اس کی رحمت سے ہر دم خوشی سے جھکتا ہے ویسا ہی اس کی ہیبت سے رات دن زہرہ پھٹتا ہے۔

✪...... تیسری صورت یہ ہے کہ چور پر چوری ثابت ہوگئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کو اس نے اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہو گیا۔ اس پر شرمندہ ہے۔ اور

رات دن ڈرتا ہے اور بادشاہ کے آئین کو سر آنکھوں پر رکھ کر اپنے کو قصوروار سمجھتا ہے اور سزا کے لائق جانتا ہے اور بادشاہ سے بھاگ کر کسی امیر یا وزیر کی پناہ نہیں ڈھونڈتا اور اس کے مقابلہ میں کسی کی حمایت نہیں جتاتا اور رات دن اس کا منہ دیکھ رہا ہے کہ دیکھئے میرے حق میں کیا حکم فرمادے۔ اس کا حال دیکھ کر بادشاہ کے دل میں اس پر ترس آتا ہے مگر آئین بادشاہت کا خیال کر کے بے سبب درگزر نہیں کرتا کہ کہیں لوگوں کے دل میں اس آئین کی قدر نہ گھٹ جائے۔ اور کوئی امیر و وزیر اسکی مرضی پا کر اس قصوروار کی سفارش کرتا ہے اور بادشاہ اس امیر کی عزت بڑھانے کیلئے ظاہر میں سفارش کا نام کر کے اس چور کا قصور معاف کر دیتا ہے۔ اس امیر نے اس چور کی سفارش اسلئے نہیں کی کہ اس کا قرابتی ہے یا آشنا، یا اس نے اس کی حمایت کا ذمہ لیا ہے۔ بلکہ محض بادشاہ کی مرضی سمجھ کر سفارش کی۔ کیونکہ وہ تو بادشاہ کا امیر ہے نہ کہ چوروں کا۔ اور جو چور کا حمایتی بن کر اس کی سفارش کرتا ہے تو خود بھی چور ہو جاتا ہے۔ اسکو **شفاعت بالاذن** کہتے ہیں یعنی یہ سفارش خود مالک کی اجازت سے ہوتی ہے۔ اللہ کی جناب میں اس قسم کی شفاعت کا قرآن مجید و حدیث میں ذکر ہے۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ ہر بندے کو چاہیے کہ ہر دم اللہ ہی کو پکارے اور اسی سے ڈرتا رہے اور اسی سے التجا کرتا رہے اور اسی کے روبرو اپنے گناہوں کا قائل رہے اور اس کو اپنا مالک بھی سمجھے اور حمایتی بھی۔ اور جہاں تک خیال دوڑائے اللہ کے سوا کسی کو اپنا بچاؤ نہ جانے اور کسی کی حمایت پر بھروسہ نہ کرے، کیونکہ وہ خود بڑا غفور رحیم ہے۔ سب مشکلیں اپنے ہی فضل سے کھول دے گا اور سب گناہ اپنی رحمت سے بخش دے گا اور جس کو چاہے گا اپنے حکم سے اس کا شفیع بنا دے گا۔

غرض یہ کہ جیسی اپنی ہر حاجت اسی کو سونپنا چاہیے اسی طرح ہر حاجت بھی اسی کے اختیار میں چھوڑ دیجئے۔ جس کو وہ چاہے ہمارا شفیع کرے۔ نہ یہ کہ کسی کی حمایت پر بھروسہ کیجئے اور اس کو اپنی حمایت کے واسطے پکاریئے اور اس کو اپنا حمایتی سمجھ کر اصل مالک کو بھول جایئے اور اس کے احکام یعنی شرع کو بے قدر کر دیجئے اور اپنے اسی حمایتی کی رسم و راہ کو مقدم سمجھئے کیونکہ یہ بڑی قباحت کی بات ہے اور سارے نبی اور ولی اس سے بیزار ہیں اور وہ ہرگز ایسے لوگوں کے شفیع نہیں بنتے بلکہ غصہ ہو جاتے ہیں اور اس لئے اس کے دشمن ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی بزرگی یہی تھی کہ اللہ کی خاطر و مرضی کو سب بیوی، بیٹی، مرید، شاگرد، نوکر کی خاطر و مرضی سے

مقدم رکھتے تھے۔ پھر یہ پکارنے والے ایسے کیا ہیں کہ وہ بڑے بڑے لوگ ان کے حمایتی بن کر اس کی مرضی کے خلاف ان کی طرف سے اس کے حضور میں جھگڑنے بیٹھیں گے بلکہ بات تو یوں ہے کہ الحبّ للّٰہ و البغض للّٰہ ''اللہ ہی کیلئے محبت اور اللہ ہی کیلئے عداوت'' ان کی شان ہے۔ جس کے حق میں اللہ کی خوشی یوں ٹھہری کہ اس کو دوزخ ہی میں بھیجو تو وہ اسے اور دو چار دھکے دینے کو تیار ہیں۔ ❶

محسوس ہوتا ہے کہ شفاعت کے مسئلہ کو تقویۃ الایمان میں شاہ محمد اسماعیل دہلویؒ نے اپنے دادا شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات سے فیض یاب ہو کر لکھا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہؒ نے تحفۃ الموحدین میں یہ مسئلہ کم وبیش اسی انداز میں بیان کیا ہے۔ حتی کہ شاہ محمد اسماعیلؒ نے مسئلے کو سمجھانے کے لئے جو مثالیں دی ہیں وہ بھی بڑے شاہ صاحب کی تحریر میں پائی جاتی ہیں۔

تحفۃ الموحدین میں شاہ ولی اللہؒ کی تحریر ملاحظہ فرمایئے:

اما حال شفاعت را باید کہ مردماں چنانکہ بدنیا اکثر حال شفاعت مے بیند بآخرت نیز ہمیں قسم گمان مے برند۔ مثلاً بادشاہ بدزدے اشارہ فرمود کہ دستش ببرند۔ وزیر یا دیگرے از ارکان دولتش شفاعت کرد۔ باللہ، بادشاہ اندیشہ نمود کہ اگر شفاعت شاں قبول نکنم خللے بسلطنت باہم مے رسد۔

ناچار ملک ارادہ خود را بسبب شفاعت آنہا باز گردانید۔ و باذن بادشاہ روبشفاعت مے آردہ باعث محبت آل محبوبہ ملک جبر بر خود اختیار مے نماید و دزد را اخلاص میفرماید پس باید اندیشید کہ دریں اقسام رد خواہش لازم مے آید و جبر پیدا می شود بروز آخرت بحضور آں مختار محض ایں معاملہ چگونہ واقع خواہد شد کہ میگوئند لا رآد لقضاۂ باز گرداننده نیست کسے خواہش او تعالی را۔ یا مردماں معنی شفاعت ہمیں مے فہمند کہ شخصے قصداً انتقامے کند و بسبب مانع دیگر عمل خود را نمے تواند کرد پیش خدا تعالی ایں معنی ہرگز نیست شان او پاک است ازیں نقصان صریح و ہمیں مضمون را در قرآن رو میفرماید

---

❶ منقول از تقویۃ الایمان۔ ملخصاً

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ (البقرة:٤٨)

بترسداز اں روز کہ جزا نداده خواہد شد شخصے از شخصے از ہیچ چیز وقبول نہ کرده خواہد شد از کسے شخصے شفاعت وگرفتہ نخواہد شد از شخصے بدلہ ونہ ایشاں مددکرده خواہند شد۔

وبعضے مے گوئند کہ ایں آیت وامثال دیگراں درحق کافراں باوجودیکہ لفظ لانکره است کہ دلالت بہ عموم مے کند برائے دفع شبہ ایشاں خداتعالی خطاب بمومنین مے فرمایند

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ﴾ (البقرة:٢٥٤)

اے مومناں نفقہ کنید از..رزق داده ام شما پیش ازانکہ بیاید روزے کہ نہ بیع است دراں روز یعنی فروختن گناه وخریدن نیکی نخواہد شد وکسے بسبب دوستی نہ بخشنده خواہد شد وکسے را شفاعت کسے نہ نفع نہ خواہد کرد۔ چرا کہ درقبول شفاعت مذکوره جبر لازم مے آید ومعلوم شد کہ ایں آیت درحق مومناں فرموده اند چراکہ خطاب بآنہا وشفاعت راقسمے است دیگر کہ دراں جبر لازم نمے آید۔ مثالش آن کہ دزدے خوش نویس را بحضرت بادشاہ حاضر آوردند............

اس مقام کی پوری عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

آدمی جس طرح دنیا میں اکثر اوقات شفاعت کا حال دیکھتے ہیں اسی طرح آخرت میں شفاعت کا گمان کرتے ہیں۔ مثلاً بادشاہ نے ایک چور کے ہاتھ کاٹنے کا اشارہ کیا۔ وزیر یا ارکان دولت میں سے کسی اور شخص نے اس کی سفارش کی۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ اگر ان کی سفارش قبول نہیں کرتا تو میری سلطنت کو خلل عظیم پہنچتا ہے۔ ناچار بادشاہ نے ان کی سفارش کی وجہ سے اپنے قصد اور ارادے کو باز رکھا۔ یا بادشاہ کی بیوی اس کی سفارش کرتی ہے۔ اور بادشاہ اس محبوبہ کی محبت کے سبب سے اپنے پر جبر اختیار کر کے چور کی رہائی کرتا ہے۔

سو خیال کرنا چاہیے کہ ان باتوں میں خواہش کا رد کرنا لازم آتا ہے اور جبر پیدا ہوتا ہے قیامت کے دن اس قادر کی جناب میں اس قسم کا معاملہ کس طرح واقع ہونے لگا؟ کیوں کہ لا رآد لقضائہ اس کی خواہش وارادہ کوئی پھیر نہیں سکتا۔

یا آدمی شفاعت کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ ایک شخص اپنا بدلہ لینا چاہتا ہے مگر دوسرے کی

ممانعت کی وجہ سے بدلہ نہیں لے سکتا۔ سو خدا کے حضور میں یہ بات ہرگز محقق نہیں ہے۔ اس کی شان تو اس قسم کے صریح نقصان سے پاک ہے ارشاد ہے:

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ (البقرة:٤٨)

''اے لوگو اس دن سے خوف کرو جس میں کوئی نفس کسی نفس سے کچھ بھی کفایت نہ کرے گا اور نہ اسکی سفارش قبول ہوگی۔ نہ کسی سے بدلہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد دیے جائیں گے۔''

مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت اور اس جیسی دیگر آیتیں کافروں کے حق میں اتری ہیں حالانکہ یہاں لفظ **لا** نکرہ آیا ہے۔ جو عموم وشمول پر دلالت کیا کرتا ہے۔ پس اس شبہ کے دفعیہ میں خدا نے مومنوں کو خطاب کیا کہ اے ایمان والو! جو چیز ہم نے تم کو دی ہے اس میں سے خرچ کرو۔ اور اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ بیع ہے یعنی نہ تو گناہ بیچ کرنیکی خریدی جائے گی اور نہ کوئی شخص کسی کی دوستی کی وجہ سے بخشا جائے گا اور نہ کسی کو کسی کی سفارش نفع دے گی کیونکہ اس قسم کی شفاعت کے قبول کرنے میں جبر لازم آتا ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ یہ آیت مسلمانوں کے حق میں نازل فرمائی ہے۔ کس لئے کہ خطاب انہی سے ہوا ہے۔

شفاعت کی ایک دوسری قسم بھی ہے جس میں جبر لازم نہیں آتا۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ ایک خوش نویس چور کو بادشاہ کے دربار میں لوگوں نے حاضر کیا۔ بادشاہ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ مگر ایک اور شخص نے بادشاہ کے حضور میں عرض کی کہ یہ گنہ گار خط خوب لکھتا ہے اگر اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے تو اس شہر میں خوش نویس کا وجود باقی رہے گا۔ اس خبر کے سننے سے بادشاہ کا ارادہ خود بخود بدون اس کے کہ کوئی اس پر جبر کرے، بدل جاتا ہے۔ اور کسی قسم کا جبر لازم نہیں آتا۔ اتنی بات ضرور ہے کہ ایک شخص مجرم کے وصفوں میں سے ایک ایسا وصف بیان کرتا ہے جس سے بادشاہ غافل تھا۔ خدا نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہماری جناب میں اس قسم کی بھی سفارش واقع نہ ہوگی۔ چناں چہ فرمایا: اور خدا کے علاوہ ان کو پوجتے ہیں جو انہیں نہ ضرر دیتے ہیں اور نہ نفع پہنچاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالی کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔ اے محمد ﷺ تم کہہ دو، کیا آگاہ کرتے ہو خدا کو اس

چیز سے جسے وہ آسمان و زمین میں نہیں جانتا۔ خدا پاک اور بزرگ ہے اس چیز سے کہ جسے شریک کرتے ہیں۔

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾ (یونس:۱۸)

یعنی جو چیز زمین اور آسمان میں ہے خدا اسے خوب جانتا ہے کیونکہ وہ عالم الغیب ہے۔ اور بندے اس کے مخلوق ہیں۔ نیز وہ ہر بندہ کی بھلائی برائی خود ہی خوب جانتا ہے۔ اس کے سامنے دوسروں کے بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ پس اس قسم کی شفاعت میں ہر چند کہ جبر لازم نہیں آتا لیکن اس عالم الغیب والشھادۃ کی بے علمی اور نادانی لازم آتی ہے۔ (اسکی شان اس سے برتر ہے)

شفاعت کا ایک اور طریقہ بھی ہے جس کی مثال یہ ہے کہ چار چور دفعۃً بادشاہ کے سامنے گرفتار ہو کر آئے۔ تین تو ان میں سے چوری اور عیاری کے فن میں نہایت ہشیار اور سلطانی غضب سے بے باک تھے۔ اور ایک ان میں پرہیزگار آدمی تھا جو اتفاقاً شیطان کے مکروفریب میں آکر اس برے فعل میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اب بادشاہ کے حضور میں آنکھوں سے آنسو بہاتا اور گناہ کی شرمندگی سے سر اوپر نہیں اٹھاتا ہے۔ جس سے بادشاہ نے معلوم کر لیا کہ یہ بےچارہ اس برے فعل میں ناگہاں گرفتار ہو گیا ہے۔ اس نے چوری کا پیشہ مقرر نہیں کیا۔ اس وقت بادشاہ کی مہربانی گو اس کی عفو تقصیر کی طرف متوجہ ہوتی ہے مگر سلطنت کا قانون اس بات کو نہیں چاہتا کہ ایک کو بخش دیں اور دوسروں کے ہاتھ کاٹیں۔ اس وقت بادشاہ خود کوئی سبب ڈھونڈتا ہے اور حاضرین دربار میں سے ایک شخص کو خفیہ اشارہ کرتا ہے۔ کہ تو فلاں شخص کی سفارش کر، تاکہ میں اسے بخش دوں۔ اس اشارہ کے سمجھتے ہی مقربان مجلس میں وہ شخص شفاعت کی پیشانی زمین پر گھستا ہے کہ اس مجرم کا ہم سے تعلق ہے اگر آپ اسکی تقصیر کو معاف فرمائیں گے تو احسان پر احسان ہوگا۔ یہ حال دیکھ کر بادشاہ بدلہ لینے سے درگزر کرتا ہے۔ پس اس قسم کی شفاعت سے کوئی جبر لازم نہیں آتا بلکہ اس کی رضا اور خواہش اس میں تھی جو واقع ہوا۔ سو قیامت کے دن شفاعت کی یہ ہی صورت متحقق ہو گی جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے یوں اشارہ فرمایا ہے:

﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (البقرة:۲۵۵)

''کون شخص ہے جو اللہ کے پاس سفارش کرے مگر اس کی اجازت کے ساتھ۔''

پس جس شخص کے حق میں اجازت ہوگی اس کی سفارش جلوہ گر ہوگی اور اگر عیاذاً باللہ ارادہ الٰہی کسی کے بدلہ لینے پر متعلق ہوگا تو کس کو طاقت ہوگی جو اس کے حضور میں شفاعت کا دم مارے۔ پس خدا تعالیٰ کو راضی کرنا چاہیے جس کے ہاتھ میں شفاعت کی باگ ہے اور درحقیقت سفارش کرنے والے بھی وہی پاک اور بے پرواہ ذات ہے۔ چنانچہ اسی معنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا﴾ (الزمر: ۴۴)

''اے محمد ﷺ تم کہہ دو کہ خاص خدا ہی کے واسطے تمام سفارش ہے۔''

یعنی شفاعت بھی کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ❶

غیر اللہ کی حمایت وحفاظت

اللہ کے سوا کسی کی حمایت وحفاظت کی ضرورت نہیں۔ شاہ محمد اسماعیل دہلوی ؒ نے اس مسئلہ کو سمجھانے کیلئے تقویۃ الایمان میں یہ حدیث نقل کی ہے:

عن ابن عباسؓ قال كنت خلف رسول الله يوماً فقال:((ياغلام احفظ اللّٰه يحفظك احفظ اللّٰه تجده تجاهك واذا سئالت فاسئل اللّٰه واذا استعنت فاستعن باللّٰه واعلم انّ الامّة لواجتمعت على ان ينفعوك بشيء لم ينفعوك الّا بشيء قد كتبه اللّٰه لك ـ ولواجتمعوا على ان يضرّوك بشيءٍ لم يضرّوك الّا بشيء قد كتب اللّٰه عليك، رفعت الاقلام و جفت الصحف)) ❷

''حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی سواری کے پیچھے تھا کہ آپ نے فرمایا۔ اے بچے اللہ کو یاد رکھ، اللہ تجھے یاد رکھے گا۔ اللہ کو یاد رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔

---

❶ تحفۃ الموحدین۔ شاہ ولی اللہ ؒ۔ ترجمہ رحیم بخش ؒ دہلوی۔ ص ۱۲۔ ۱۷

❷ سنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب حدیث حنظلۃ، رقم الحدیث: ۲۵۱۶

جب تم کچھ مانگو تو اللہ ہی سے مانگو۔ اور جب تم مدد چاہو تو اللہ ہی سے مدد چاہو۔ اور یقین رکھو کہ اگر سب لوگ اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تم کو فائدہ پہنچائیں تو تم کو اتنا ہی فائدہ پہنچا سکیں گے جتنا اللہ نے تمہارے حق میں لکھ رکھا ہے، اور اگر سب لوگ اس بات پر اکھٹے ہو جائیں کہ تم کو کچھ نقصان پہونچائیں تو اتنا ہی نقصان پہونچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں لکھ رکھا ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے اور کاغذ سوکھ گئے۔''

غیر اللہ کی قرابت کام نہیں دے سکتی

شاہ محمد اسماعیل دہلویؒ نے تقویۃ الایمان میں بتایا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے رشتہ داروں کو تنبیہ فرمائی کہ مجھ سے اپنی رشتہ داری پر بھروسہ مت رکھنا۔ عمل کے بغیر کسی کی نجات نہیں ہو گی۔ روایت ہے:

عن ابی هریرة قال لمّا نزلت: ﴿**وانذر عشیرتک الاقربین**﴾ دعا النبیّ ﷺ قرابته فعم وخص فقال:((یا بنی کعب بن لوی انقذوا انفسکم من النّار)) ❶

عن انس قال قال رسول اللّٰه ﷺ:((لیسئل احدکم ربّه حاجته کلّها حتّی یسأله الملح وحتّی یسئله شسع نعله اذا انقطع)) ❷

((فانّی لا املك لکم من اللّٰه شیئاً او قال فانّی لا اغنی عنکم من اللّٰه شیئاً و یا بنی مرة بن کعب انقذوا انفسکم من النّار فانّی لا اغنی عنکم من اللّٰه شیئاً ویابنی عبد الشّمس انقذوا انفسکم من النّار فانّی لا اغنی عنکم من اللّٰه شیئاً ویا بنی عبد مناف انقذوا انفسکم من النّار فانّی لا اغنی عنکم من اللّٰه شیئاً

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب هل یدخل النساء والولد فی الاقارب، رقم الحدیث:۲۷۵۳ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قوله تعالیٰ ﴿وانذر عشیرتک الاقربین﴾ رقم الحدیث:۳۴۸۔۲۰۴، ۳۵۱۔۲۰۶

❷ سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب لیسئل احدکم ربه حاجته کلها، رقم الحدیث:۳۶۰۴(۸)

و یا بنی عبدالمطلب انقذوا انفسکم من النّار فانّی لا اغنی عنکم من اللّٰه شیئاً و یا فاطمة انقذی نفسك من النّار ۔ سلینی ما شئت من مالی فانّی لا اغنی عنك من اللّٰه شیئاً)) ❶

''جب آیت و انذر عشیر تک نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرابت داروں کو بلایا اور اکٹھا کر کے عام کو مخاطب کر کے بھی کہا اور الگ الگ بھی کہا، اور سب کو بلکہ اپنی بیٹی تک کو سنا دیا کہ قرابت کا حق ادا کرنا اسی چیز میں ہوسکتا ہے جو اپنے اختیار میں ہو جو میرا مال ہے اس میں مجھ کو بخل نہیں اور اللہ کے ہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے ۔ وہاں میں کسی کی حمایت نہیں کرسکتا اور کسی کا وکیل نہیں بن سکتا۔ وہاں کا معاملہ ہر کوئی اپنا درست کرلے اور دوزخ سے بچنے کی ہر کوئی تدبیر کرے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقط قرابت کسی بزرگ کی، اللہ کے یہاں کچھ کام نہیں آتی، جب تک سب کچھ معاملہ اللہ تعالیٰ ہی صاف نہ کرے تو کچھ کام نہیں نکلتا۔

اللہ تعالیٰ کا ادب

اللہ تعالیٰ کی شان میں جہالت اور بے ادبی کی بات پر چپ رہنا جائز نہیں:

عن جبیر بن مطعم قال اتی رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی فقال جهدت الانفس وجاعت العیال وفهلکت الاموال وهلك الانعام فاستسق اللّٰه لنا فانا نستشفع بك علی اللّٰه و نستشفع باللّٰه علیك ۔ وقال النّبیّ صلی اللہ علیہ وسلم:((ویحك اتدری ما تقول؟))وسبح رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم فما زال یسبّح حتّی عرف ذالك فی وجوه اصحابه ثمّ قال:((ویحك انّه لا یستشفع باللّٰه علی احد من خلقه ، شان اللّٰه اعظم من ذالك ۔ ویحك اتدری ما اللّٰه؟ ان عرشه علی سماواته)) لهکذا

---

❶ مشکوۃ باب الخلافۃ

وقال باصبعه مثل القبة عليه ((وانّه ليئط به اطيط الرحل بالراكب)) ❶

''عرب میں قحط پڑا ہوا تھا۔ ایک شخص نے آ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کی سختی بیان کی اور دعا طلب کی اور کہا کہ آپ کی سفارش ہم اللہ کے پاس چاہتے ہیں اور اللہ کی سفارش آپ کے پاس چاہتے ہیں۔ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ دہشت میں آ گئے اور اللہ کی بزرگی آپ کے منہ سے نکلنے لگی۔ ساری مجلس کے لوگوں کے چہرے اللہ کی عظمت سے متغیر ہو گئے۔''

یہ کہنا کہ اللہ کو ہم نے پیغمبر کے پاس سفارشی ٹھہرایا تو گویا اصل مختار پیغمبر کو سمجھا اور اللہ کو سفارشی۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ اللہ کی شان بہت بڑی ہے۔ سب انبیاء اور اولیاء اس کے سامنے ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں اور اس کا عرش زمین و آسمان کو ایک قبہ کی طرح گھیر رہا ہے۔ اس کی وسعت کے باوجود اس شہنشاہ کی عظمت کو نہیں تھام سکتا بلکہ اس کی عظمت سے چرچراتا ہے، کسی مخلوق کی کیا طاقت کہ اس کی بڑائی کا بیان کر سکے اور اس کی عظمت کے میدان میں اپنا خیال اور وہم بھی دوڑا سکے۔

پھر کسی کام میں دخل دینے کی اور اس کی سلطنت میں ہاتھ ڈالنے کی کس کو قدرت ہے۔ وہ خود مالک الملک ہے، کسی لشکر اور فوج اور وزیر و مشیر کے بغیر ایک آن میں کروڑوں کام کرتا ہے۔ بھلا وہ کس کے سامنے سفارش کرے۔ اور کس کی ہمت ہے کہ اس کے سامنے کسی کام کا مختار بن کر بیٹھے۔

اشرف المخلوقات محمد رسول اللہ ﷺ کی تو اس کے دربار میں یہ حالت ہے کہ ایک دیہاتی کے منہ سے اتنی بات سنتے ہی مارے دہشت کے بے حواس ہو گئے اور عرش سے فرش تک اللہ تعالیٰ کی جو عظمت بھری ہوئی ہے اسے بیان کرنے لگے لیکن ان لوگوں کے بارے میں کیا کہا جائے جو اس مالک الملک سے ایک بھائی بندی کا رشتہ یا دوستی آشنائی جیسا تعلق سمجھ کر اتنی بڑھ بڑھ کر باتیں کرتے ہیں۔

---

❶ سنن ابوداؤد، کتاب السنة، باب فی الجهمية، رقم الحديث: ۴۷۲۶

کوئی کہتا ہے کہ میں نے اپنے رب کو ایک کوڑی میں مول لے لیا اور کوئی کہتا ہے کہ میں اپنے رب سے دو سال بڑا ہوں۔ کوئی کہتا ہے کہ اگر میرا رب میرے پیر کے سوا کسی دوسری صورت میں ظاہر ہو تو میں ہرگز نہ دیکھوں اور کوئی کہتا ہے:

دل از مہر محمد ریش دارم رقابت با خدائے خویش دارم

''میں محمد کی محبت سے دل زخمی رکھتا ہوں، میں اپنے خدا سے اس بارے میں رقابت رکھتا ہوں۔''

اور کسی نے یوں کہا:

با خدا دیوانہ باشد و با محمد ہوشیار

اللہ کے بارے میں کہنے سننے میں پاگلوں کی طرح آزاد و بے باک ہو لیکن محمد ﷺ کی شان میں انتہائی ہوش و عقل سے کچھ کہو۔

از خدا خواہیم توفیق ادب بے ادب محروم گشت از فضل رب

ہم اللہ سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں کیونکہ بے ادب اللہ کے فضل سے محروم ہوتا ہے۔

رسالت اور ولایت

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ لکھتے ہیں کہ اہل حدیث کا مذہب ہے کہ تمام مخلوق میں سید البشر انبیاء علیہم السلام ہیں اور انبیاء میں سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ ہیں جو قیامت کے دن شفاعت کبری وصغری کریں گے۔ کیونکہ خدا تعالی فرماتا ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳)

''جو لوگ زیادہ متقی اور پرہیز گار ہیں وہی اللہ کے نزدیک زیادہ معزز ہیں۔''

یہ تو ظاہر کہ انبیاء کے برابر کوئی شخص تقوی اختیار نہیں کر سکتا۔ نیز حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

((انا سیّد ولد آدم و لا فخر)) ❶

---

❶ سنن ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ بنی اسرائیل، رقم الحدیث:۳۱۴۸

نیز آیت بالا کے مطابق اولیاء اللہ عام امت سے افضل ہیں کیونکہ آیت موصوفہ نے ایک عام قاعدہ بتایا ہے کہ خدا کے نزدیک قرب اور اکرام کا مدار تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ پس جو کوئی جس قدر تقویٰ شعار ہو گا اسی قدر خدا کے نزدیک مکرم و محترم ہو گا۔

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ انبیاء کی توہین کرنے والا کافر اور اولیاء کی (جن کا تقویٰ، طہارت معلوم اور ثابت ہو) توہین کرنے والا یا ان کی نسبت بدظنی یا تحقیر کرنے والا فاسق ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی توہین کرنے والوں کی نسبت خدا نے فرمایا ہے:

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا﴾

(بنی اسرائیل:٤٨)

''جن لوگوں نے تیرے حق میں بری بری تمثیلیں دی ہیں وہ ایسے گمراہ ہوئے ہیں کہ ان کی ہدایت کی کوئی صورت ہی نہیں۔''

حدیث قدسی میں ہے:

((من عادی لی ولیاً فقد آذنته بالحرب)) ❶

''خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کوئی میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔''

پھر اس کی خیر کہاں؟ بلکہ عام مسلمانوں کی توہین اور تذلیل کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے، خاص کر جو لوگ ہم سے پہلے ایمان دار ہو گزرے ہوں ان کی نسبت تو نیک دعا کا حکم ہے۔ قرآن شریف میں تعلیم ہے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الحشر: ١٠)

مختصر یہ کہ اہل حدیث کا مذہب توہین سلف کے حق میں وہی ہے جو مصنف ہدایہ نے لکھا ہے:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، رقم الحدیث:٦٥٠٢

(لا تقبل شهادة من يظهر سبّ السلف لظهور فسقه) ❶

یعنی جو سلف صالحین کو برا کہے اس کی شہادت معتبر نہیں۔ ❷

استمداد بالغیر

جناب ثناء اللہ امرتسری بتاتے ہیں:

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ خدا کے سوا کوئی بھی دافع بلا اور جالب نفع نہیں ہے یعنی کسی حالت اور کسی صورت میں بھی کسی مخلوق کو یہ قوت نہیں کہ ہمارے اڑے کام سنوار دے یا بگڑے کام بنا دے۔ خداوند تعالی نے اپنے رسول پاک ﷺ کو ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا﴾ (الجن: ۲۱)

''اے ہمارے رسول تو کہہ دے کہ میں تمہارے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔''

بلکہ ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ (الاعراف: ۱۸۸)

''مجھے اپنی جان کے لئے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں۔''

جس طرح دوسروں کو مضرت اور تکلیف پہنچتی۔ آپ ﷺ کو بھی پہنچتی تھی۔ خیبر کے زہر کا قصہ مشہور ہے کہ ایک ہی لقمہ کھانے سے اخیر تک تکلیف رہی۔

﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (الکھف: ۱۱۰)

''میں تمہاری طرح آدمی ہوں۔''

اسی معنی پر شاہد عدل ہے۔

اس میں ذرا شک نہیں کہ تمام مخلوق میں حضرت مجتبی محمد مصطفی ﷺ افضل اکمل بلکہ سید الاکملین ہیں۔ پس افضل و اکمل کے حق میں جب خدا تعالی نے قطعی فیصلہ کر دیا کہ ان کو بھی ہمارے نفع و نقصان کا اختیار نہیں دیا گیا۔ باقی سب مخلوق تو ان سے پیچھے بلکہ انہی سے فیض یاب ہے۔

---

❶ کتاب الشہادت ❷ اہل حدیث کا مذہب

آنحضرت ﷺ کی ذات ستودہ صفات میں جو وصف کمال نہ ہو وہ کسی دوسرے میں اعتقاد یا تلاش کرنا صریح بے ادبی اور سراسر گمراہی ہے۔ پس اسی ایک آیت سے مضمون صاف ہے کہ کسی مخلوق کو طاقت اور یہ قدرت نہیں (نہ ذاتی نہ وہبی) کہ وہ ہماری کسی طرح مشکل کشائی کر سکے یا ہم اس سے استمداد واستعانت کریں جیسا کہ لا املک لکم والی آیت سے ایک عام قاعدہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں بطور ایک قاعدہ کلیہ کے فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (یونس:١٠٦)

”تم کسی ایسی چیز کو مت پکارا کرو جو نہ تم کو نفع دے سکے اور نہ نقصان پر قادر ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم بھی ظالم ہو جاؤ گے۔“

پہلی آیت نے ہم کو یہ بتایا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی بھی نہیں جو ہم کو نفع یا نقصان دے سکے کیونکہ جب سید الانبیاء کو اس امر پر قدرت نہیں جیسا کہ آیات مرقومہ کا صریح مطلب ہے تو پھر اور کسی کو کیا یارا؟

دوسری آیت نے ہم کو یہ سکھایا ہے کہ جو چیز ہم کو نفع یا نقصان دینے پر قادر نہ ہو اس سے دعا نہ کریں۔ نہ کسی اڑے کام میں اس کو پکاریں۔ نہ استمداد کریں۔ پس داناؤں کے لئے مضمون بالکل صاف ہے۔

قرآن کا تو کوئی پارہ بلکہ رکوع تک اس تعلیم سے خالی نہیں۔ بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی غرض ہی یہی ہے کہ مخلوق کو مخلوق کے پکارنے سے روکا جائے۔ یہی معنی ہیں درج ذیل آیت کے:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ (الفاتحۃ:٤)

”اے ہمارے مولا! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہر ایک کام کی انجام دہی میں تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔“

عرب کے لوگوں میں کئی ایک حضرت مسیح کو پکارتے تھے، کئی ایک حضرت عزیر کو۔ کئی ایک دیگر بزرگان سے دعائیں مانگتے تھے۔ ان سب کی تردید اور توحید کی تائید کرنے کو خدا

تعالیٰ نے اپنی صفات کاملہ کا بیان کر کے فرمایا ہے:

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝﴾ (فاطر:۱۳،۱۴)

''اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کا سب ملک اور اختیار ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن لوگوں کو تم پکارتے ہو وہ ذرا بھی اختیار اور قدرت نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو تو تمہاری دعا نہیں سنتے اور اگر سنیں تو تمہاری فریادرسی نہیں کر سکتے اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کریں گے) (کہ ہم نے ان سے نہ کہا تھا نہ یہ لوگ ہم کو پکارتے تھے بلکہ شیاطین کے بہکانے میں تھے۔''

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن بزرگوں کو لوگ پکارتے اور دعائیں مانگتے ہیں۔ ان کو ان دعاؤں کا علم بھی نہیں۔ چنانچہ دوسری آیت میں صاف مذکور ہے:

﴿وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝﴾ (الاحقاف:۵)

''جن لوگوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی دعاؤں سے بے خبر ہیں۔''

پس اڑے وقت میں جو لوگ پیروں فقیروں سے امداد چاہتے ہیں یا دعا کرتے ہیں قرآن و حدیث کی رو سے ان کا یہ فعل شرک ہے جو صریح کلمہ توحید لا الہ الا اللّٰہ اور آیت ایاک نستعین کے خلاف ہے۔ گو ایسے صاف مضمون کیلئے جو کلمہ شریف لا الہ الا اللّٰہ ہی کا ترجمہ ہو کسی بیرونی شہادت یا تائید کی حاجت نہیں تاہم ہم اپنے بھائیوں کی مزید تشفی کیلئے سید عبدالقادرؒ جیلانی کے ملفوظات میں سے چند کلمات نقل کرتے ہیں۔ حضرت موصوف فتوح الغیب کے مقالہ نمبر۴۲ میں فرماتے ہیں:

عن ابن عباس قال بينا انا رديف رسول اللّٰه ﷺ اذ قال:((يا غلام احفظ اللّٰه يحفظك احفظ اللّٰه تجده امامك فاذا سا لت فاسئل اللّٰه و اذا استعنت فاستعن باللّٰه جف القلم بما هو كائن، ولو جهد العباد ان ينفعوك بشيء لم يقضه اللّٰه لك لم يقدروا عليه ولو جهد العباد ان يضرّوك بشيء لم يقضه اللّٰه عليك لم

يقدروا فان استطعت ان تعمل لله بالصّدق فى اليقين فاعمل وان لم تستطع فاصبر فان فى الصبر على ماتكره خيرا كثيرا۔

واعلم انّ النّصر مع الصّبر والفرج من الكرب و ان مع العسر يسرا فينبغى لكل مؤمن ان يجعل هذ الحديث مذة لقلبه و شعار ودثاره و وحديثه فيعمل به فى جميع حركاته وسكناته حتّى يسلم فى الدّنيا والآخرة ويجد العزة فيها برحمة اللّه عزوجل ۔ ❶

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک وقت میں جب کہ میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے سوار تھا مجھ سے مخاطب ہو کر حضور ﷺ نے فرمایا اے بیٹا۔ تو خدا کے حقوق کی حفاظت کر خدا تیری حفاظت کرے گا تو خدا کے حقوق کو محفوظ رکھ تو خدا کو اپنے سامنے پاوے گا جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تو سوال کیا کرے تو اللہ ہی سے کیا کر۔ اور جب تو مدد چاہے تو اللہ ہی سے چاہا کر۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اگر تمام مخلوق تجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہے جو خدا نے تیرے لئے مقدر نہ کیا ہو تو کبھی قدرت نہ پاسکیں گے اور اگر تمام مخلوق تجھے کسی قسم کا ضرر پہنچانے کا ارادہ کرے جو خدا نے تیرے حق میں مقدر نہ کیا ہو تو کبھی نہ پہنچا سکیں گے۔ پس اگر طاقت رکھے کہ سچائی اور یقین کے ساتھ اللہ کیلئے عمل کرے تو کر اور اگر عمل کی طاقت نہیں رکھتا تو تکلیفوں پر صبر کیا کر۔ کیونکہ صبر میں بھی بہت سی بھلائی ہے اور تو جان کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کے ساتھ ہے۔ اور آسانی تکلیف سے متصل اور تنگی کے ساتھ آسانی۔''

(اس حدیث کے بعد حضرت پیر صاحبؒ فرماتے ہیں) پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس حدیث کو اپنے دل کا آئینہ اور اپنے جسم کا اندرونی اور بیرونی لباس بنائے اور اپنی ہر ایک بات میں اسی کو پیش نظر رکھے اور اپنی تمام حرکات وسکنات میں اسی پر عمل کرے (کہ خدا کے سوا کسی

---

❶ فتوح الغیب، مقالہ:۴۲

مخلوق سے استمداد اور استعانت نہ کرے۔نہ کسی سے امید نفع ونقصان کی رکھے) تاکہ دنیا وآخرت میں سلامتی سے رہے اور اللہ کی رحمت سے عزت پاوے)۔

غرض اس مسئلہ میں اہلحدیث کا مذہب وہی ہے جو فرید الدین عطارؒ نے فرمایا ہے:

در بلا یاری مخواہ از ہیچ کس زانکہ نبود جز خدا فریادرس

غیر حق راہر کہ خواند اے پسر کیست در دنیا از دگمراہ تر

ہاں ہمارا یہ بھی مذہب ہے کہ نیک بندوں کی دعا سے فائدہ ہوسکتا ہے۔احادیث تو اس بارے میں بہت سی وارد ہیں۔جن کا مضمون صریح ہے کہ صحابہ کرام آنخضرت ﷺ سے دعا کے طالب ہوتے تھے اور آپ حسب منشاء ان کیلئے دعا فرماتے۔قرآن میں بھی یہ اشارہ بالاجمال پایا جاتا ہے کہ خداوند تعالی نیک بندوں کی دعائیں بہ نسبت دوسرے لوگوں کے جلد تر قبول فرماتا ہے۔مگر دعا کا قبول کرنا بھی خدا ہی کے اختیار میں ہے اور قبول کر کے فائدہ پہنچانا بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اسی لئے کسی بزرگ کو مخاطب کر کے یوں کہنا:

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا

ہمارا طریق نہیں کیونکہ قرآن وحدیث میں غیروں سے ایسی آرزو کرنے کو شرک کہا گیا ہے۔ [1]

خلافت راشدہ

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ کہتے ہیں:

خلافت راشدہ کے بارے میں اہل حدیث کا مذہب یہ ہے کہ خلافت راشدہ حق پر ہے یعنی حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ ذی النورین اور حضرت علیؓ مرتضی خلفاء راشدین تھے۔ان کی اطاعت بموجب شریعت سب پر لازم تھی کیونکہ خلافت راشدہ کے معنی نیابت نبوت کے ہیں۔حضرت ابو بکرؓ کو حضور ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں اپنا نائب بنایا تھا۔ مرض الموت میں حضرت صدیق اکبرؓ کو امام مقرر کیا۔

---

[1] منقول از: اہل حدیث کا مذہب

حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بنت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ حضرت ابوبکرؓ بڑے رقیق القلب ہیں وہ آپ کی جگہ امامت نہیں کرا سکیں گے، آپ عمر فاروقؓ کو امام بنا دیجئے۔ مگر آپ ﷺ نے ایک نہ سنی۔ بلکہ نہائت خفگی سے فرمایا:

((انتنّ صواحب یوسف))

''تم ویسی عورتیں ہو جو یوسفؑ کو بہکاتی تھیں۔''

یعنی جن عورتوں کو زلیخا نے دعوت میں بلایا تھا اور انہوں نے بھی یوسفؑ کو زلیخا کی طرف ناجائز میلان کرنے کی رغبت دی تھی اسی طرح مجھ کو ایک ناجائز کام کی طرف رغبت دیتی ہو۔ کہ میں ابوبکرؓ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو منصب امامت پر مامور کروں۔ چنانچہ صدیق اکبرؓ برابر نماز پڑھاتے رہے۔ آخر سرور عالم ﷺ کے انتقال پر ملال کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو سب نے خلیفہ مان لیا۔ اتنا بالاجمال واقعہ تو سنی شیعہ دونوں گروہوں میں متفقہ ہے۔ ایک حدیث جو خاص سنیوں کی روایت سے ہے اس امر کا قطعی فیصلہ کرتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے مرض الموت میں حضرت عائشہؓ کو فرمایا تھا:

عن عائشة قالت قال لی رسول اللّٰه ﷺ فی مرضه:((ادعی لی ابا بکر اباكِ واخاكِ حتّى اكتب كتاباً فانّي اخاف ان يّتمنى متمن ويقول قائل انا ولايابى اللّٰه والمؤمنون الّا ابابكر)) ❶

''رسول اللہ ﷺ نے عائشہؓ سے فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکرؓ اور بھائیؓ کو بلا کہ میں خلافت کا فیصلہ لکھ دوں۔ ایسا نہ ہو کہ میرے بعد کوئی کہنے لگے کہ میں خلافت کا حق دار ہوں حالانکہ خدا کو اور سب مومنوں کو ابوبکر کے سوا کوئی بھی منظور نہ ہوگا۔''

اس حدیث سے نہ صرف خلافت صدیقی کا فیصلہ ہوتا ہے بلکہ اس مشہور قرطاس کا بھی تصفیہ ہوتا ہے جو آنحضرت ﷺ کے قلم دوات طلب کرنے پر صحابہ کے انکار و اقرار کا مشہور ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا تھا قلم دوات منگاؤ میں تم کو کچھ لکھ دوں میرے بعد جھگڑا نہ ہو۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل ابی بکر الصدیق، رقم الحدیث: ۱۱۔۲۳۸۷

اس پر صحابہ کا باہیں خیال اختلاف رہا کہ حضور ﷺ کو بیماری میں تکلیف ہوگی۔ آخر آپ خلافت کی بابت ہی کچھ لکھوائیں گے۔ عرض کیا حسبنا کتاب اللّٰہ ''ہم کو شریعت الہیہ کافی ہے'' کیا ضرورت ہے کہ حضور کو ایسی تکلیف میں اور تکلیف بڑھاویں۔ اس دلیل کے پیش کرنے والے حضرت فاروقؓ تھے جن کی قوت استدلال سب کو مسلّم تھی چنانچہ اکثر نے ان سے اس رائے میں اتفاق کیا۔ اور آنحضرت ﷺ کو ایسے وقت میں تکلیف دینی پسند نہ کی۔ آنحضرت ﷺ نے بھی معمولی اظہار رنج کر کے جیسے عموماً کسی ہمدرد بزرگ کو ایسے موقع پر ہوتا ہے، ان کو اٹھا دیا اور فرمایا کہ میں اس وقت جس شغل میں ہوں تمہارے شغل سے کہیں بہتر ہے۔

اس واقعہ پر فریقین (سنی ۔ شیعہ) کی آراء اور توجیہیں مختلف ہیں۔ شیعہ کہتے ہیں مضمون اس کتاب کا جو آنحضرت ﷺ نے لکھنا چاہی تھی، خلافت علیؓ کی وصیت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عمرؓ نے اس باب میں مزاحمت کی۔ اہل سنت کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ اگر لکھتے تو ابوبکرؓ کی خلافت لکھتے، مگر آپ ﷺ نے لکھنے کو ضروری نہ سمجھا کیونکہ آپ پہلے ہی بطور پیشگی کے فرما چکے تھے کہ یابی اللّٰہ والمؤمنون الّا ابابکر ''خدا اور مومنوں کو سوا ابوبکر کے کوئی پسند ہی نہ ہوگا'' اسی وجہ سے اس وقت بھی سکوت اختیار کیا۔ یہ حدیث اہل سنت کے لئے قوی دلیل ہے کہ خلافت صدیقی منظور نبوی ہے۔ نیز مسئلہ قرطاس کی بابت صریح تصفیہ ہے کہ حضور ﷺ وہی بات لکھتے جس کے لکھنے کی خواہش پہلے ہی ظاہر فرما چکے تھے کہ ابوبکرؓ کو خلیفہ بنانا۔

خاص شیعہ کی طرز بھی اس کا جواب ہوسکتا ہے کہ بقول ان کے آنحضرت ﷺ خلافت علیؓ کے پہنچانے پر مامور تھے۔ اور بقول ان کے آیت:

﴿ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ﴾ (المائدة:٦٧)

''جو کچھ تجھ کو خدا کی طرف سے حکم پہنچا ہے، وہ پہنچا دے۔''

انہی معنے کے لئے نازل ہوئی تھی کہ خلافت علی کی بابت جو تجھے حکم دیا گیا ہے وہ لوگوں کو پہنچا دے۔ اگر تو نے نہ پہنچایا تو گویا تو نے نبوت کی تبلیغ نہ کی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ عمرؓ کے روکنے سے حضور ﷺ ایسے ضروری کام سے جس کا ارشاد جناب باری تعالی سے پہنچا ہوا تھا، جس کے نہ کرنے پر تمام نبوت کی تبلیغ کالعدم ہوتی تھی، آپ ﷺ نے لکھوانے سے تساہل فرمایا۔ اگر

اس موقع پر عمرؓ کی مخالفت مانع تھی تو صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی تو عمرؓ ہی صلح کے مخالف تھے بلکہ بڑے زور سے اس مخالفت کو نیکنیتی سے ظاہر کرتے تھے اور پھیلاتے تھے۔ مگر اس نازک موقع پر جہاں ایک طرف کفار کا ہجوم ہے اور دوسری طرف خود صحابی بھی رنجور دل بیٹھے ہیں، عمرؓ کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ ہوئی۔ تو اس موقع پر جب کہ تمام حاضرین خدام ہیں، اہل بیت سب حاضر ہیں۔ عمرؓ کا اس قدر اثر ہوا کہ حکم الٰہی کی تبلیغ سے خاموش ہو گئے۔ ہمارے خیال میں ایسا گمان شان نبوت میں بدگمانی پیدا کرنے کا موجب ہے۔

شیعوں کی طرف سے اس دعوی پر کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی بابت حضور ﷺ نے خلافت کی وصیت فرمائی تھی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((من کنت مولاہ فعلی مولاہ)) ❶

''جس کا میں مولا ہوں علیؓ بھی اس کا مولا ہے۔''

چوں کہ آنحضرت ﷺ سب ایمان داروں کے مولا ہیں، اس لئے حضرت علیؓ بھی سب کے مولا ہیں اور مولا کے معنی حاکم اور امیر کے بتاتے ہیں۔ اسی حدیث کا تتمہ وہ الفاظ ہیں جو فاروق اعظم کی طرف سے روایت کئے جاتے ہیں کہ فرمان نبوی:

((من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ))

سن کر انہوں نے کہا تھا:

((بخ بخ یا ابا الحسن اصبحت مولالی و مولا کلّ مؤمن و مؤمنۃ))

''اے ابوالحسن! تجھے مبارک ہو کہ تو میرا اور ہر ایمان دار کا مولا ہو چکا۔''

لیکن بغور دیکھا جائے تو اس سے شیعوں کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کہ علیؓ ہی کو حق خلافت تھا۔ اور ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ وغیرہ نے خلافت علی کو معاذ اللہ ظلم سے غصب کیا جس کی وجہ سے وہ مورد عتاب الٰہی ہو گئے۔

---

❶ سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب، رقم الحدیث: ۳۷۱۳

کیونکہ اس حدیث میں جو مولا کا لفظ ہے جس پر سارا مدار ہے اس کے معنی دوست اور خالص محبوب کے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے خاص اپنی ذات ستودہ صفات کی نسبت بھی فرمایا ہے:

((لا یؤمن احدکم حتّی اکون احبّ الیه من والده وولده والنّاس اجمعین))

''جب تک میں سب چیزوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور مجھے تم اپنی اولاد اور ماں باپ اور تمام جہاں کے لوگوں سے زیادہ پیارا نہ سمجھو گے، مسلمان نہ ہو گے۔''

نیز اسی حدیث میں من کنت مولاہ کے اخیر میں بروایت امام احمد، ابویعلی اور طبرانی کے یہ الفاظ بھی ہیں:

((اللّٰهم وال من والاہ و عاد من عاداہ)) ❶

یعنی حضور ﷺ نے بعد فرمانے من کنت مولاہ ...... یہ بھی فرمایا کہ اے اللہ جو حضرت علیؓ سے محبت کرے اس سے تو محبت کر۔ اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اس سے دشمنی کر اور اس کو مبغوض رکھ۔

اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خلافت کے متعلق وصیت نہ فرمائی تھی بلکہ اخلاص اور محبت کے متعلق تھی جو ہم کو بھی منظور ہے کیونکہ موالات کے مقابلہ میں آپ ﷺ نے معادات کا لفظ فرمایا ہے۔ پس جو اس مقابلے کا مفہوم ہے وہ صرف اسی قدر ہے کہ حضرت علیؓ سے عداوت رکھنے والے خدا تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں۔ جس پر ہمارا بھی صاد ہے۔

اس سے بڑھ کر قوی قرینہ بلکہ دلیل ان معنی کی کہ آنحضرت ﷺ کی مراد ان الفاظ سے صرف وصیت محبت تھی نہ وصیت خلافت، واقعہ بیعت ابوبکر صدیقؓ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ فداہ ابی واُمّی کے انتقال فرماتے ہی انصار مدینہ نے ایک الگ مجلس منعقد کر کے امیر بنانے کی تجویز کی جس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ یہ خبر سنتے ہی مع حضرت ابوعبیدہؓ امین امت کے وہاں برسر موقع پہنچے۔

---

❶ مسند احمد ۴/۲۸۱

دیکھا کہ مباحثہ گرم ہے۔ انصار کا ارادہ ہے کہ اہل مدینہ میں سے امیر مقرر ہو۔ ان صاحبوں کے سوال جواب کرنے کرانے پر آخرانہوں نے یہ بھی کہا کہ منّا امیر و منکم امیر یعنی ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو۔ جس پر حضرت ابوبکرؓ نے حدیث نبوی پیش کی کہ الآئمّة من القریش یعنی امارت اور امامت قریش ہی میں ہے۔ جب سب انصار کے رو برو حضرت ابوبکرؓ نے یہ دلیل پیش کی تو کسی کو اس سے انکار کی جرئت نہ ہوئی۔ آخر کار فیصلہ ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ مقرر ہو گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ جس طرح ابوبکر صدیقؓ نے انصار کے مقابلہ پر حدیث پیش کر کے ان کے دعوی کو توڑا۔ اسی طرح کسی صحابی نے انصار یا مہاجرین سے بلکہ اہل بیت میں سے یہ حدیث کیوں پیش نہ کی۔ کہ آپ یوں ہی خلیفہ بنائے گئے ہیں حالانکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ مرتضی کیلئے وصیت اور تاکید فرمائی ہوئی ہے۔ اور آپ دونوں (ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ) صاحبوں نے حضرت علیؓ سے بیعت خلافت حضرت ﷺ کی زندگی میں کی ہوئی ہے بلکہ مبارکبادیاں بھی دی ہوئی ہیں، پھر آپکا کیا منصب ہے کہ آپ خلافت کے مدعی ہوں۔ اور تو اور آئمہ اہل بیت اور خاندان بنی ہاشم نے بھی اس دلیل کو معلوم نہیں کیوں پیش نہ کیا؟ حالانکہ ایسی قوی دلیل تھی کہ اس دلیل کے سامنے کسی کی چون و چرا چل ہی نہ سکتی کیونکہ ہزاروں آدمی اس کے گواہ موجود تھے۔

جب حضرت علیؓ مرتضی اور دیگر آئمہ ہدی اور خاندان بنی ہاشم بلکہ مہاجرین و انصار میں سے کسی نے یہ حدیث اور واقعہ غدیر کو ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے خلاف بلکہ خلافت صدیقی کے بعد حضرت عمرؓ فاروق کی خلافت کے وقت بلکہ بعد ازاں حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے وقت بھی پیش نہ کیا۔ جب کہ کوئی امر مشکل نہ تھا۔ صرف حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی رائے پر فیصلہ موقوف تھا۔ اور بالکل الگ صرف تینوں بزرگ (عبدالرحمٰن بن عوفؓ، عثمانؓ، علیؓ) بیٹھے ہوئے تھے اس حدیث کا پیش کرنا کیا مشکل تھا؟

پس جب کہ کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔ نہ کسی اپنے نے نہ بیگانے نے۔ مہاجرین نے نہ انصار نے، بلکہ نہ خود حضرت علی مرتضیؓ نے، تو معلوم ہوا کہ سب صحابہ نے معہ اہل بیعت اس حدیث من کنت مولاہ سے یہی معنی سمجھے تھے جو ہم نے بیان کئے۔ نہ

وہ جو شیعہ کا گمان ہے۔

اس بیان سے شیعوں کی کل روایتوں کا جواب ہو سکتا ہے جو اس مسئلہ کے متعلق پیش کیا کرتے ہیں جن میں سے بعض میں حضرت علیؓ کی نسبت امیر المؤمنین کا لفظ بھی آتا ہے۔ کیونکہ اس دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ روایات غلط ہیں یا مأول۔ اسی تقریر سے عمرؓ فاروق و عثمانؓ ذی النورین کی خلافت کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ خلافت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ رعایا میں سے صلحاء لوگ خلیفہ کو منتخب کریں۔ یا خلیفہ خود اپنے نائب کو منتخب کر جائے اور بعد اس کے لوگ اس سے بیعت کر لیں۔ چنانچہ عمرؓ فاروق کو خلیفہ اول نے انتخاب کیا اور سب لوگوں نے منظور کیا تھا اور باقی دونوں رعایا کے انتخاب سے خلیفہ ہوئے مگر چوں کہ اصل بحث سنی شیعہ صرف اس امر پر ہے کہ حضرت علیؓ ہی کا حق خلافت تھا جو ابو بکرؓ وغیرہ نے معاذ اللہ غصب کیا۔ یا ابو بکرؓ بھی خلیفہ برحق تھے۔ اس واسطے ہم نے اس جگہ مختصر طور سے اس امر پر بحث کی ہے کہ علیؓ خلیفہ بلافصل نہ تھے بلکہ جو کچھ ہوا یہی حق تھا۔

اس دعوی پر سنی دلائل کے علاوہ شیعوں کی روایات بھی مؤید ہیں۔ شیعوں کی مستند اور معتبر کتاب نہج البلاغۃ میں علی کرم اللہ وجہ کا قول منقول ہے جو شیعہ سنی کی نزاع میں قول فیصل ہے۔ حضرت ممدوح امیر معاویہؓ کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

انّه بايعنى القوم الّذين بايعوا ابابكر وعمر وعثمان على مابايعوا هم عليه فلم يكن للشّاهد ان يختار ولاللغائب ان يرد وانّما الشّورى للمهاجرين والانصار فان اجتمعا على رجل وسموه اماماً كان ذالك رضى فان خرج من امرهم خارج بطعن او بدعة ردوه الى ماخرج منه فان ابى قاتلوه على اتّباعه غير سبيل المؤمنين وولاه الله ما تولى ❶

(کہ مجھ سے اس قوم نے بیعت کی ہے جس نے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ سے بیعت کی تھی، اسی شرط پر بیعت کی ہے جس شرط پر ان سے کی

❶ نہج البلاغۃ ص ۷ ج دوم

تھی۔ پس اب کسی حاضر کو الگ رہنے اور کسی غائب کو رد کرنے کا اختیار نہیں۔ اور شوریٰ تو مہاجرین اور انصار کا ہے اگر یہ لوگ کسی شخص پر جمع ہو کر اس کو امام بنا دیں تو وہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوگا۔ پھر اگر ان کے حکم سے کوئی شخص طعنے یا بدعت سے سرتابی کرے گا تو اس کو وہ اس طرف پھیریں گے جہاں سے وہ نکلا ہوگا (یعنی دین کی طرف) اگر وہ انکار کرے گا تو مسلمانوں کے خلاف روش چلنے پر اس سے لڑیں گے اور جدھر وہ جائے گا خدا بھی اس کو ادھر ہی پھیر دے گا)۔

یہ روایت صاف بتلا رہی ہے کہ حضرت علیؓ خود بھی خلافت کا مسئلہ شوریٰ کے متعلق جانتے تھے اور اپنی خلافت کو اصحاب ثلاثہ (ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ) کی خلافت جیسی سمجھتے تھے۔ بغور دیکھا جائے تو یہ روایت اس مسئلہ کی بابت صاف فیصلہ دیتی ہے مگر دیکھنے کو چشم بینا اور سننے کو گوش وا ہونے چاہئیں۔ ❶

وراثت انبیاء

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ انبیاء کی وراثت ان کی اولاد اور دیگر ورثاء کی طرف منتقل نہیں ہوتی بلکہ مثل صدقہ اور وقف مال کے ہوتی ہے۔

یہ مسئلہ، خلافت کے مسئلہ کے بعد سنیوں اور شیعوں میں معرکہ آراء ہے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ شیعوں نے اپنی کتابوں اور روایتوں کی بھی پرواہ نہیں کی اور ناحق اس مسئلہ کی آڑ میں صحابہ کرامؓ سے بدگمان ہو گئے۔ اس مسئلہ میں ہم ایک روایت اہل سنت کی، اور ایک دو روایتیں شیعہ کی بیان کریں گے۔

اہل سنت کی روایت، اس دعویٰ کی صحیح بخاری کی حدیث ہے جس کا مضمون ہے:

قال ابوبکر سمعت رسول اللّٰہ ﷺ: ((لا نورث ما ترکناہ صدقۃ)) ❷

---

❶ منقول از اہل حدیث کا مذہب۔ ص ۲۲۔ ۳۱

❷ صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس، رقم الحدیث: ۳۰۹۳ صحیح مسلم، کتاب المغازی، باب قول النبی ((لانورث ماترکنا صدقۃ)) رقم الحدیث: ۵۲۔ ۱۷۵۹

''ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، فرماتے تھے ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''

شیعوں کی حدیث اس بارے میں اصول کلینی کی یہ روایت ہے:

عن ابی عبد اللّٰہ قال:انّ العلماء ورثة الانبیاء وذالك انّ الانبیاء لم یورثوا درھماً ولا دیناراً وانّما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیء منھا اخذ حظاً وافراً۔ ❶

''اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں اس لئے کہ انبیاء اپنی وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑا کرتے بلکہ صرف علم کی باتیں چھوڑ جاتے ہیں۔ جو شخص ان علمی باتوں سے کچھ لیتا ہے وہ بہت بڑا حصہ لیتا ہے۔''

شیعوں کی ایک مستند کتاب میں مرقوم ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے جب میراث طلب کی تو خلیفہ صدیق نے کہا۔ جو آپ کے مورث (باپ) کا حق تھا وہی آپ کو ملے گا۔ آنحضرت ﷺ کا دستور تھا کہ باغ فدک میں سے (جسے آپ وراثت میں مانگتی ہیں) تمہارا یعنی عیال کا گزارہ لے لیتے تھے اور باقی تقسیم کر دیتے اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے۔ آپ کے سامنے میں عہد کرتا ہوں کہ میں بھی اسی طرح کروں گا جس طرح آنحضرت ﷺ خود کیا کرتے۔ (پس یہ سن کر فاطمہؓ) اس پر راضی ہو گئیں اور خلیفہ سے اس پر وعدہ پختہ لیا۔

لكِ ما لابيكِ، كان رسول اللّٰه يأخذ من فدك قوتكم ويقسم الباقى وينفق منه فى سبيل اللّٰه ولك على ان اصنع بها كما كان يصنع فرضيت بذلك و اخذت العهد عليه به ـ ❷

---

❶ اصول کلینی، کتاب العلم

❷ شرح ابن ابی الحدید ص ۵۳۸

چوں کہ یہ مضمون دونوں گروہوں کی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے اس لئے جو سوال وارد ہوگا اس کے جواب دہ دونوں گروہ ہوں گے۔ پس اگر ہمارے جواب، سوالات آئندہ کے اٹھانے کو کافی نہ ہوں تو شیعہ ہی کوئی جواب دیں۔ کیونکہ بموجب روایت کلینی ان کا اور ہمارا مذہب اس مسئلہ میں ایک ہی ہے، یا ایک ہی ہونا چاہیے۔

ایک سوال اس پر یہ ہے کہ خدا نے قرآن میں تمام ایمان داروں کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ (النساء: ۱۱)

''خدا تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکی کی نسبت لڑکے کو دوگنا حصہ ہے۔''

یہ تو ظاہر ہے کہ اس قسم کے خطاب سرور عالم فداہ ابی وامی کو بھی شامل ہوتے ہیں۔ پس آیت قرآنی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اولاد کو بھی تمام مسلمانوں کی طرح وراثت ملنی چاہیے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ آیت موصوف مخصوص البعض ہے یعنی جس قدر اس کا عموم ظاہر میں معلوم ہورہا ہے، اتنا مراد نہیں بلکہ اس میں سے بعض اقسام دونوں گروہوں (سنی اور شیعہ) کے نزدیک اس حکم سے باوجود شمول آیت کے خارج ہیں۔ چناں چہ ذیل میں ہم دونوں گروہوں کی کتب سے عبارت نقل کرتے ہیں جو یہ ہے:

المانع من الارث اربعة الرق وافرا کان او ناقصا والقتل الّذی یتعلق به وجوب القصاص او الکفّارۃ واختلاف الدینین واختلاف الدارین اما حقیقة کالحربی او الذّمی او حکما کالمستامن اوالحربیین من دارین مختلفین [1]

غلام خواہ مسلمان ہو۔ اور باپ کا قاتل اور مسلمان باپ کا کافر بیٹا وغیرہ ذالک، باپ کے وارث نہ ہوں گے حالانکہ آیت مرقومہ میں عام حکم ہے۔ پس جس طرح یہ اقسام آیت سے باوجود شمول کے خارج از حکم ہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ کے ورثا بھی خارج ہیں کیونکہ انبیاء کی اولاد وارث مال نہیں ہوتی۔

---

[1] سراجی وشرائع الاسلام

دوسرا شبہ اس مضمون پر اس آیت سے کیا جاتا ہے جس میں حضرت داؤدؑ کی وراثت سلیمانؑ تک پہنچنے کا ذکر ہے یعنی ورث سلیمان داؤد پس جب حضرت سلیمانؑ نے اپنے باپ حضرت داؤدؑ سے وراثت پائی تو آنحضرت ﷺ کے ورثاء (حضرت فاطمہؓ وغیرہ) کیوں وارث نہ سمجھے جائیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو وراثت علمی ملی تھی۔ یعنی نبوت اور حکمت میں سلیمانؑ، حضرت داؤدؑ کے وارث ہوئے تھے۔ نہ کہ مال واسباب میں۔ علمی وراثت کے تو ہم بھی قائل ہیں۔ اختلاف تو مالی وراثت میں ہے۔ اگر مالی وراثت مراد ہوتی تو اس کا ذکر ہی کیا ضروری تھا۔ جب حضرت سلیمانؑ، حضرت داؤدؑ کے بیٹے تھے تو ان کے وارث ہونے میں اشتباہ ہی کیا تھا جس کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوا۔ نیز حضرت داؤدؑ کے اور بیٹے بھی تھے پھر بالخصوص حضرت سلیمانؑ کو وراثت مالی کیسے پہنچ گئی اور دوسرے محروم کئے گئے۔ ان وجوہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی علمی وراثت حضرت سلیمانؑ تک پہنچی تھی نہ کہ مالی۔

اسی دعوی پر ہمارے پاس شیعی روایت بھی موجود ہے جو فیصلہ کن ہے۔ امام ابوعبداللہ جعفر صادق ؒ نے فرمایا:

ان داؤد ورث الانبیاء وان سلیمان ورث داؤد وان محمداً ورث سلیمان وانّاورثنا محمد ❶

”حضرت داؤدؑ انبیاء کے وارث ہوئے، حضرت سلیمانؑ، داؤدؑ کے وارث بنے، اور حضرت محمد ﷺ حضرت سلیمانؑ کے وارث ہوئے اور ہم اہل بیت حضرت محمد ﷺ کے وارث بنے۔“

یہ روایت صاف بتلاتی ہے کہ حضرت داؤدؑ کی وراثت علمی تھی جو آنحضرت ﷺ تک آئی اور آنحضرت ﷺ کے بعد آئمہ ہدی تک پہنچی۔ ❷

---

❶ اصول کلینی ص ۱۳۷

❷ اہل حدیث کا مذہب۔ ص ۳۱۔ ۳۵

عرس......مولود

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ کہتے ہیں کہ اہل حدیث قبروں پر عرس کرنے کو بدعت جانتے ہیں (بشرطیکہ کسی قسم کی استمداد و استعانت اہل قبور سے نہ ہو۔ ورنہ شرک ہو جائے گا) اور آج کل کے رسمی مولود کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے۔ اور جس طریق سے کی جاتی ہیں نہ ان کو باعث ثواب یا مطابق سنت جانتے ہیں اس لئے کہ زمانہ پیغمبر خدا ﷺ میں اس ہیئت کی مجلسیں نہ ہوتی تھیں۔ نہ آنحضرت ﷺ نے اپنے تولد کے ذکر پر قیام کا حکم دیا اور نہ صحابہ کرام نے کیا۔ بلکہ آئمہ اربعہ کے زمانہ میں بھی اس کا رواج نہ ہوا۔...... ایسی مجالس کے انعقاد کی بابت ہم سے کہا جاتا ہے کہ مطلق ذکر اللہ جب شرع میں ثابت ہے تو مجلس مولود میں کیا قباحت ہے؟ یہ بھی ذکر اللہ کی مجلس ہے۔ قیام کی بابت خدا نے فرمایا ہے: **لتعزروہ و توقروہ** یعنی "مسلمانو! تم رسول پاک کی تعظیم و تکریم کرو۔" آنحضرت ﷺ کے تولد کے ذکر پر کھڑا ہونا حضرت کی تعظیم ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے۔ جب کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طرح ذکر الٰہی جائز ہے تو پھر کھڑے ہو کر صلوۃ و سلام پڑھنے میں کیا حرج ہے۔

ان سب امور کا جواب یہ ہے کہ گو (بالفرض) مجلس مولود میں تمام ذکر ہی ہوتا ہے مگر چوں کہ اس قسم کی مجلسیں نہ زمانہ رسول پاک میں اور نہ زمانہ صحابہ میں منعقد ہوتی تھیں، اس لئے سنت نہیں ہوسکتیں۔ اور نہ اس قسم کی تعظیم حضور نے سکھائی ہے اور نہ صحابہ نے کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیام، تعظیم کی قسم سے نہیں بلکہ بدعت ہے۔ نیز مجلس مولود کا سراسر ذکر الٰہی پر مشتمل ہونا بھی صحیح نہیں بلکہ اس کا جزو اعظم قیام ہے جسکی کوئی سند اور اصل شرع میں نہیں۔ بے شک کتاب اللہ میں کھڑے بیٹھے سب طرح ذکر کی اجازت بلکہ حکم ہے مگر یہ تو نہیں کہ ایک حالت پر ذکر کر رہے ہو تو ایک خاص موقع پر پہنچ کر اس حالت سے دوسری حالت کو انتقال کر جاؤ۔ اس انتقال کی اگر کوئی وجہ شرعی ہے تو بتلاؤ، ورنہ بلا وجہ شرعی کسی کام کو موجب ثواب جاننا ہی بدعت ہوتا ہے۔ یعنی جس کام کو شریعت نے ثواب نہ کہا ہو اسے ثواب سمجھنا، بس یہی بدعت ہے۔ پس بر وقت ذکر ولادت سرور کائنات قیام میں دست بستہ ہو جانا کہاں سے ثابت ہوتا ہے؟ علاوہ اسکے جس نیت سے کھڑے ہوتے ہیں وہ بھی خاص غور طلب ہے۔ اس

وقت کھڑے ہونے والوں کی نیت ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی روح پرفتوح اس مجلس میں آئی ہیں۔ چناں چہ اس وقت سب کے سب درود بصیغہ مخاطب دست بستہ الصلوۃ و السلام علیك یا رسول اللہ پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ یہ نیت وخیال سراسر حاضر ناظر جاننے کے برابر ہے، یہ صریح شرک ہے۔

پس جب کہ مولود میں جزو اعظم قیام ہے اور وہ بالکل بے ثبوت امر ہے جس کو ثواب سمجھا جاتا ہے تو مجموعہ مجلس میلاد جو ایسے جزو بے ثبوت بلکہ بدعت پر مشتمل ہے اگر اس میں اور کچھ بھی خرابی نہ ہو تو یہی خرابی بہت ہے کہ اس کا جزو اعظم بدعت بلکہ بعض وجوہ اور فاعلین کی نیت سے شرک ہے۔ تعجب ہے کہ بعض علماء ❶ اس قیام کو بے ثبوت تو مانتے ہیں، پھر بھی بایں لحاظ کہ حرمین شریفین کے علماء کرتے ہیں ❷ اس کو بدعت کہنے سے خاموش رہتے ہیں بلکہ اس کے مستحسن ہونے کے قائل ہو جاتے ہیں حالانکہ خدا کی کتاب صاف ناطق ہے کہ مسائل شرعیہ میں کسی شخص کو منصب شریعت نہیں۔ ہر ایک امتی کا یہی منصب ہے کہ پیغمبر ﷺ کے طریق پر چلے۔ حرمین والے بھی اسی طرح شریعت کے مکلّف اور مخاطب ہیں جس طرح ہند والے۔ ایسے ہی موقع کیلئے ارشاد ہے:

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ (الاعراف:۳)

”خدا کی نازل کی ہوئی ہدائت پر چلو اور اس کے سوا اور دوستوں کی بات نہ مانو۔“

یہی وجہ ہے امام ابوحنیفہؒ نے حرمین شریفین کے علماء کا اجماع حجت نہیں مانا۔ چناں چہ اصول فقہ کی ہر ایک کتاب میں یہ مسئلہ مصرح ہے۔ پس اگر کسی متبرک مقام کے لوگ کوئی فعل کریں اور اس کا ثبوت شرع سے نہ دے سکیں تو وہ بھی ہمارے مخاطب ویسے ہی ہیں جیسے ہندی اور سندھی۔ ہم بہ تعلیم قرآن وحدیث کسی امتی شخص میں یہ قابلیت نہیں مانتے کہ اس کا قول و فعل بلا دلیل شرعی سند اور حجت ہو۔ یہی مذہب علماء سلف کا ہے کہ بغیر اجازت شرعی کے وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

---

❶ جناب مولوی محمد عبداللہ ٹونکی۔ دیکھو فتوی مندرجہ کتاب رحمۃ للعالمین مطبوعہ چشمہ نور امرتسر

❷ حجاز میں سعودی حکومت کے قیام سے قبل کی بات ہے

دیکھوتو درود شریف کا پڑھنا جو بموجب تعلیم قرآن وحدیث سراسر بموجب برکت ہے۔ بعض جگہ اسی درود کے پڑھنے سے علماء سلف نے منع فرمایا ہے۔ مثلاً نماز کے پہلے قعدہ (التحیات) میں اگر درود کا ایک جملہ بھی پڑھ لے گا تو سجدہ سہو لازم آجائے گا۔ حالانکہ قرآن و حدیث سے درود پڑھنے کی فضیلتیں بے انتہاء ثابت ہیں۔ پھر کیوں سجدہ سہو لازم آیا؟ صرف اسلئے کہ بے اجازت شرعی پڑھا گیا۔ سعدی کہتے ہیں:

نہ بے حکم شرع آب خوردن خطاست اگر خوں بفتوی بریزی رواست

یہی وجہ ہے کہ علماء محققین حنفیہ بھی مولود کی مجلسوں کو بدعت جانتے ہیں۔ من جملہ ان کے علماء گنگوہ، سہارنپور، دیوبند، مراد آباد، امروہہ، علماء دہلی، لکھنو، راولپنڈی[1] وغیرہ حنفیہ کرام میں سے اس کے بدعت ہونے کے قائل ہیں۔ غرض مختصر یہ کہ اہل حدیث کسی امر کو بغیر اطلاع شرعی کے موجب ثواب نہیں جانتے۔ ان کے خیال پر بعض سادہ لوحوں کی طرف سے ان گنت سوال ہوتے ہیں۔ گو دراصل وہ سوال ہی اپنے جواب ہیں۔ اور وہ سائل کی بے سمجھی اور لاعلمی پر بین دلالت کرتے ہیں، مگر بعض لوگ ایسے سائلوں سے بھی سادہ لوحی میں بڑھے ہوتے ہیں۔ ان کے سمجھانے کو ایسے سوالوں کے جوابات ہم ذکر کرتے ہیں۔

پہلا سوال۔ جس کو بہت ہی بڑی رنگ آمیزی سے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ ہے کہ تم (اہل حدیث) قرآن شریف کا ترجمہ دیسی زبان میں کیوں کرتے اور پڑھتے ہو۔ کس حدیث میں آیا ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ اردو، فارسی، پنجابی زبانوں میں آنحضرت ﷺ نے کیا ہے۔ یا کوئی تفسیر عجمی زبان میں لکھی یا لکھائی؟ اس کا جواب مختصر تو یہ ہے کہ

تو آشنائے حقیقت نہ خطا ایں جاست

اردو، فارسی وغیرہ میں قرآن شریف سمجھنے کی اجازت بلکہ حکم صاف خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (ص:۲۹)

---

[1] ضلع راولپنڈی کے علماء سے مراد حضرت دین محمد المعروف ملا صاحب تھے۔ علماء حنفیہ امرتسر جن کے خدام تھے۔

''ہم نے یہ بابرکت کتاب اسی لئے نازل کی ہے کہ لوگ اس کے حکموں پر غور کریں اور عقل منداس سے نصیحت پائیں۔''

پس جب قرآن مجید کا نزول ہی ہمارے تدبر اور سمجھنے کے لئے ہے تو دیسی زبان میں ترجمہ کئے بغیر ہم کیوں کر سمجھ یا سمجھا سکتے ہیں؟

اصل یہ ہے کہ بعض احکام شریعت میں بطور اصل مقصود کے قرار دیے گئے ہیں۔ ان کے ذرائع پر نظر نہیں ہوتی۔ بلکہ جو کچھ مناسب حال اور لائق مقام ذریعہ ان کے حصول کا بن سکے، بنالیا جاتا ہے۔ مثلاً جہاد یا حج وغیرہ کے سفر کو جانا تو شرع میں ثابت ہے، مگر اس امر کی خصوصیت نہیں کہ کس سواری کے ذریعہ سفر ہو۔ اونٹوں کے ذریعہ، یا گھوڑوں کے ذریعہ، یکے سے یا ریل سے، کیونکہ یہ سب اسباب ہیں جو مناسب حال ہو اسے برت لینا چاہیے۔ ایسا ہی شریعت میں کفار کے غلبہ اور مزاحمت فی الدین کے وقت جہاد کرنے کا حکم ہے۔ مگر اس امر کی کوئی خصوصیت نہیں کہ نیزوں سے ہو یا تلواروں سے، جو زمانہ پیغمبر ﷺ میں اسباب جنگ تھے، بلکہ مناسب حال جو ہتھیار ملے بندوق ہو یا توپ ہو یا تلوار۔ اسی طرح فہم مطالب قرآنی کو سمجھنا چاہیے۔ کہ اصل مطلب قرآن شریف کا سمجھنا ہے اس کے ذرائع کی تخصیص نہیں۔ علی هذا القیاس۔ اور بھی جتنے اعتراضات ہیں، اسی قسم سے ہیں۔ پس ان سب کے جوابات اسی اصول سے مستنبط ہو سکتے ہیں۔

مجلس مولود اس قسم سے نہیں کیونکہ وہ (بقول حامیان مولود) ذکر ہے اور ذکر کی بابت خاص ارشاد ہے:

﴿وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ﴾ (البقرة:۱۹۸)

''خدا کا ذکر کرو۔ مگر اس طریق سے کرو جو طریق اس نے تم کو سکھایا ہے۔ اس سے پہلے ابھی تم گمراہ تھے۔''

پس جس طرح اور جس طریق سے شریعت مطہرہ نے ہمیں ذکر کرنا سکھایا ہے اسی طرح کریں گے تو ثواب کے مستحق ہوں گے۔ ورنہ نہیں۔

قبور پر عرس وغیرہ کرنے سے تو صاف منع فرمایا ہے۔ فوت ہونے کے وقت آخری وصیت حضور ﷺ نے یہ فرمائی تھی:

((لا تجعلوا قبری عیدا))......((لا تجعلوا قبری وثناً یعبد))
''میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا۔'' ''میری قبر کو بت کی مانند نہ بنانا۔''

یہی وجہ ہے کہ حامیان عرس ایک واقعہ بھی ایسا نہیں بتلا سکتے کہ سرور کائنات ﷺ کے انتقال کے بعد صحابہ کرامؓ نے باوجود اس محبت خالصہ کے جس کا عشر عشیر تو کیا ہزارواں حصہ بھی حامیان عرس کو ان بزرگوں سے نہ ہوگا۔ جن کی قبروں پر عرس کرتے ہیں۔ کبھی ایک دفعہ بھی مزار مقدس پر عرس کیا ہو۔ پھر ہمارے لئے کیسی غور کی بات ہے کہ جو کام نہ تو رسول ﷺ نے اپنے حق میں فرمایا ہو، نہ صحابہ کرام نے حضور ﷺ سے جو معاملہ کیا ہو، وہ ہم اولیاء اللہ اور ان کے مزاروں سے کریں۔

یہ تو ابھی سرسری نظر محض عرس کے اجتماع اور اژدہام پر ہے اور اگر وہاں کے تفصیلی حالات دیکھے یا سنے جائیں تو یوں معلوم ہوگا کہ مکہ شریف میں جس خرابی کی اصلاح کے لئے خدا نے سید الانبیاء ﷺ کو مبعوث فرمایا تھا وہ اس خرابی سے زائد نہ ہوگی۔ عموماً قبروں پر طواف کیئے جاتے ہیں، منتیں مانی جاتی ہیں، سجدے اور رکوع قبروں پر کیئے جاتے ہیں۔ خاکسار راقم کو اپنا چشم دید واقعہ یاد ہے۔

''میں ایک دفعہ ایام طالب علمی میں بغرض تحقیق اس امر کے رڑکی کے پیران کلیر کے مزار پر گیا۔ مزار کے گنبد کے اندر جاتے ہی میں نے ایک شخص کو سربسجود دیکھا۔...... دریافت کیا تو جواب ملا کہ یہ شخص چراغ جلانے کیلئے ہر روز اسی طرح اجازت لیا کرتا ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ عذر گناہ بدتر از گناہ۔...... بعد نماز تمام خدام نے مزار کے گرد طواف کرنا شروع کر دیا۔ پھر ایک ایک پھیرے کے بعد ایک موقع پر پہنچ کر سب رکوع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے سات طواف پورے کیئے، میں امام صاحب کی تاک میں تھا، وہ ایک خاص مقام پر دوزانو بیٹھے ہوئے تھے۔ بعد کچھ مدت کے انہوں نے قبر کی طرف سجدہ کر دیا۔ میں نے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر اپنی نماز کا تو اعادہ کیا۔ اور غضب الٰہی کے خوف سے راتوں رات وہاں سے چلا آیا۔

علاوہ اس کے قبروں کی عالی شان عمارتیں، ان کے غلاف، جھاڑ، قندیل وغیرہ سامان

عشرت کے کیا کہنے؟ حالاں کہ پیغمبر خدا ﷺ نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خاص اسی کام کے لئے مامور فرمایا تھا، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے: "جو اونچی قبر دیکھے اس کو برابر کردے جو تصویر دیکھے اس کو مٹا دے۔" فقہائے حنفیہ نے بھی ایسی عمارات کو سخت ناپسند کیا ہے۔ قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ پانی پتی، مالا بدمنہ میں فرماتے ہیں:

آنچہ بر قبور اولیاء عمارتہائے رفیع بنا می کنند و چراغان روشن می کنند و ایں قبیل ہر چہ می کنند۔ حرام ست یا مکروہ۔

اسی طرح تمام فقہائے حنفیہ نے اس پر ناراضگی فرمائی ہے۔

اہل حدیث کے اس بیان کے مقابل حامیان عرس وغیرہ آیت، یا حدیث تو کیا ہی پیش کریں گے ولن یفعلوا البتہ کسی نہ کسی غیر مستند صوفی یا ملا کے اقوال وافعال کا ذکر کریں تو ممکن ہے۔ لیکن اہل حدیث و نیز کل علماء راسخین کے نزدیک ایسے استدلالات کے جوابات وہی ہیں جو شیخ سعدی نے ایک بیت میں ادا کر دیئے ہیں:

آنکس کہ بقرآن و خبر زو نہ رہی

ایں ست جوابش کہ جوابش نہ دہی

اہل حدیث کی یہی باتیں اور دلیلیں ہیں جن سے لاجواب ہو کر ہمارے بھائیوں کی طرف سے ان کے حق میں منکرین اولیا کے القاب بخشے جاتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ان کو بزرگوں سے بے اعتقادی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ایسی بے اعتقادی کے مقابلہ پر حامیان بدعت کی حسن اعتقادی بجوئے نیرزد۔ (کوڑی کے کام کی نہیں)

ذیل میں ایک فتوی مجلس مولود کے بارے میں نقل کیا جاتا ہے جس پر اہلحدیث اور احناف کے اکابر علماء کے دستخط ہیں:

رحمۃ اللہ علیہ: زید دعوی کرتا ہے کہ حضرت ﷺ مجلس مولود شریف میں تشریف لے گئے اور آپ نے اجازت دی۔ اور آپ کے زمانہ میں یہ مجلس ہوئی۔ اور حضرت رسول اللہ ﷺ نے دودھ اور چھوارے پر فاتحہ اپنے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کی دی۔ اور عمرو کہتا ہے کہ یہ بات محض جھوٹ ہے۔ کسی کتاب حدیث اور فقہ معتبر سے ثابت نہیں۔ اللہ کی لعنت ہے جھوٹوں پر۔ اگر یہ بات

ثابت ہو جاوے تو میں اپنے کہنے اور اعتقاد سے توبہ کروں گا۔ اور زید بھی یہی کہتا ہے کہ اگر یہ بات ثابت نہیں ہوئی تو میں اپنے عقیدہ اور قول سے توبہ کروں گا۔ اس واسطے علمائے دین سے سوال ہے کہ جو کچھ حق ہو اللہ سے ڈر کر کتب معتبرہ سے اس کا جواب لکھیں۔

رحمۃ اللہ علیہ: زید جھوٹا ہے اور یہ بات کسی معتبر کتاب میں نہیں لکھی۔ زید کو چاہیے کہ ایسی بات سے توبہ کرے۔ اور اگر کسی عالم بے دین سے ایسی بات سنی ہو تو اس کی صحبت میں نہ بیٹھے اور دوسری بات جو زید نے کہی وہ بھی جھوٹ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے بے دین کو سمجھاویں اور اگر پھر بھی توبہ نہ کرے تو اس کی ملاقات سے پرہیز کریں۔ اور کسی کتاب سے کہ قابل اعتبار ہو یہ بات ثابت نہیں۔ اور عمرو دونوں مسئلوں میں سچا ہے۔ اور اس کی بات بھی ٹھیک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین ...... حفیظ اللہ بس حسبنا اللہ...... خواجہ فقیر ضیاء الدین ...... منصور علی ہست از احمد...... قول المجیب حق، احق بالاتباع۔ فقیر محمد حسن ...... سید امیر حسین ...... سید امیر احمد نقوی ...... جواب صحیح ست و مہر ایں وقت دیگر جا بودہ لہذا بر دستخط اکتفا نمودہ شد۔ الراقم محمد اسد علی...... الجواب صحیح، الراقم عنائت علی ...... الجواب صحیح، احمد علی عفی عنہ محدث سہارنپوری شاگرد شاہ محمد اسحاق صاحب ...... الجواب صحیح بندہ رشید احمد گنگوہی۔ ❶

نذر لغیر اللہ

جناب ثناء اللہؒ امرتسری بتاتے ہیں کہ اہل حدیث کا مذہب ہے کہ جو چیز غیر اللہ کے لئے نذر کی جائے وہ حرام ہے۔ اس مسئلہ میں چوں کہ اہل حدیث اپنے بھائیوں سے منفرد نہیں بلکہ حنفیہ کرام کا بھی یہی مذہب ہے۔ فرق صرف تھوڑا سا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس لئے ہم یہاں پر نذر لغیر اللہ کے معنی اور تفصیل علماء دہلی کی عبارات میں بتلاتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدثؒ تفسیر عزیزی میں زیر آیت ﴿وما اهلّ لغير اللّه﴾ فرماتے ہیں:

مگر وہ چیز کہ آواز دی گئی ہو حق اس جانور میں واسطے غیر خدا کے خواہ تو وہ غیر بت ہو یا روح خبیث، اور خواہ کسی جن کے نام خواہ پیر و پیغمبر کے نام زندہ جانور مقرر کر دیں کہ یہ سب حرام

---

❶ فتاویٰ رشیدیہ۔ ص۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹

ہیں اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو واسطے تقرب غیر خدا کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے۔ اور وقت ذبح کے خدا کا نام لے یا نہ لے اس واسطے کہ جب شہرت کردی کہ یہ جانور فلانے کے واسطے ہے تو وقت ذبح کے خدا کا نام مفید نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ وہ جانور منسوب بغیر خدا ہوگیا اور اس میں پلیدی پیدا ہوگئی اور خبث اس کا مردار کے خبث سے زیادہ ہے اس واسطے کہ مردار بغیر ذکر نام خدا کے مر گیا ہے اور یہ جانور غیر خدا کے نام پر مارا گیا ہے۔

یہ عین شرک ہے اور جب کہ یہ خبث مئوثر ہوا تو ذکر نام خدا اس کو حلال نہیں کرسکتا جیسے کہ کتا اور سوٴر کہ نام خدا لے کر بھی ذبح کئے جائیں حلال نہ ہوں گے۔

پھر شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نے اس شبہ کا جواب دیا ہے جو بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ﴿ماا ھل لغیر اللّٰہ﴾ کے معنی ہیں کہ جو چیز غیر خدا کے نام سے ذبح کی جائے اس کے ذبح کرنے پر غیر خدا کا نام لیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اہل کو ذبح پر حمل کرنا خلاف لغت عرب اور عرف ہے۔ اہلال لغت عرب اور عرف اس ملک میں بمعنی ذبح کے نہیں آیا۔ کسی شعر اور کسی عبارت میں پایا نہیں جاتا بلکہ اہلال لغت عرب میں بمعنی آواز اور شہرت دینے کے ہے جیسے آواز طفل نو اور شہرت چاند اور بمعنی آواز حج اور اس کے سوا معنوں میں مستعمل ہے۔ اگر کوئی کہے اھللت للہ ہرگز بمعنی ذبحت للہ نہ سمجھا جاوے گا۔

تفسیر نیشا پوری میں لکھا ہے کہ تمام علماء نے اجماع کیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی جانور کو ذبح کرے اور ارادہ ذبح سے تقرّب الی غیر اللّٰہ رکھے تو وہ آدمی مرتد ہے اور اس کی ذبیحہ حرام ہے۔

نواب قطب الدینؒ نے مظاہر الحق جلد سوم، باب الایمان والنذور میں اس سے بھی کسی قدر وضاحت سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

حاصل یہ کہ جو کچھ لوگ نذر بزرگوں کی از راہ نزدیکی حاصل کرنے کے ان سے یا اوپر بر آنے ایک کام کے متعلق کر کے کرتے ہیں۔ بموجب روایات مرقومۃ الصدر [1] کے وہ نذر ناجائز اور کھانا اس کا ناروا ہے اور جو کچھ کہ نیاز ان کی نہ بطور نزدیکی حاصل کرنے کے ان سے

---

[1] اس سے پہلے منقول روایات حنفیہ کی طرف نواب قطب الدین کا اشارہ ہے

اور نہ متعلق ساتھ کسی کام کے کرتے ہیں بلکہ اول اس چیز کو از راہ نزدیکی حاصل کرنے کے اللہ تعالیٰ سے دیتے ہیں اور ثواب اس کا کسی بزرگ کو بخشتے ہیں۔ کھانا اس کا اغنیاء کو در صورتیکہ نیت پہچانے ثواب صدقہ ما کولی کی کسی بزرگ کو جائز نہیں۔

جناب ثناء اللہ امرتسری کہتے ہیں کہ جو کچھ ان دونوں بزرگوں کی تحریروں سے ثابت ہوتا ہے وہی اہل حدیث کا مذہب ہے۔ یعنی ان صدقات و نذرات کا دینے والا اگر اس خیال سے دیتا ہے کہ یہ بزرگ مجھے کچھ فائدہ پہنچائیں گے یا میری کوئی بلا ٹال دیں گے، تو ایسے صدقات کھانا حرام ہے اور اگر ان صدقات کو قبول کرنے والہ خدا کو سمجھے اور یہ نیت کرے کہ میں یہ کام فلاں بزرگ کی طرف سے کرتا ہوں تا کہ اس کا ثواب اس بزرگ کو پہنچے تو یہ جائز ہے۔ یہاں تک تو ہمارے بھائیوں کا اور ہمارا اتفاق ہے۔ لیکن تنقیح طلب بات صرف یہ ہے کہ آج کل جو صدقات خیرات اس قسم کے دیے جاتے ہیں جن میں بزرگوں کا نام آتا ہے، آیا وہ قسم اول سے ہیں یا دوم سے؟ پھر بعد تحقیق قرائن سے جو کچھ معلوم ہوگا فریقین کا اسی پر عمل ہوگا۔ اہل حدیث کی تحقیق میں (جو بالکل قرائن صیحہ بلکہ دلائل قویہ پر مبنی ہے) کچھ شک نہیں کہ ایسے صدقات دینے والوں کی نیت عموماً یہی ہوتی ہے کہ یہ بزرگ ان کو قبول کر کے ہمیں کوئی فائدہ پہنچا دیں گے۔ یا ہم سے بلا ٹال دیں گے۔ اس کی قوی دلیل اور نشانی یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے صدقات اور خیرات دیتے وقت عموماً ایسے ختمات پڑھتے ہیں جن میں صاف اور صریح لفظوں میں ان بزرگوں سے دعائیں اور التجائیں کی جاتی ہیں چنانچہ ان میں سے بعض الفاظ یہ ہیں:

○......ختم حضرت علیہ السلام

شیئاً للہ یا حضرت سید العرب والعجم مشکل کشا بالخیر

فریاد یا حضرت احمدا شیئاً للہ۔ (اے حضرت خدا کے لئے کچھ دیجئے)۔

قطع نظر اس اجمال بلکہ اہمال کے کہ اس سوال سے کوئی معقول امر مفہوم نہیں ہوتا یعنی نہیں سمجھا جاتا کہ سائل کیا چیز مانگتا ہے۔ اس لفظ کی بابت درمختار باب المرتد میں لکھا ہے کہ بعض فقہاء نے اس کو کلمہ کفر کہا ہے کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ کی ہتک ہے۔ علاوہ اس کے یہ حکم بھی صرف اس صورت میں ہے کہ زندے سے سوال ہو۔ لیکن جس صورت میں مخاطب فوت

ہو، جو سنتا بھی نہیں، اس سے ایسا سوال کرنا تو دو وجہ سے کفر ہو گا۔ ایک وہ وجہ جو صاحب در مختار کی مراد ہے، دوسری وجہ جو خدا نے فرمائی ہے، یعنی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ﴾ (الاعراف:١٩٤)

''جن لوگوں سے تم دعا کرتے ہو وہ بھی تمہاری طرح کے آدمی ہیں۔''

﴿إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ﴾ (فاطر:١٤)

''وہ تمہاری دعا بھی نہیں سن سکتے۔ اگر سنیں تو قبول نہیں کر سکتے۔''

○...... ختم حضرت پیر جیلانی رحمۃ اللہ

خذ یدی یا شاہ جیلان خذ یدی ۔ شیئاً للّٰہ انت نور احمد

خذ یدی شیئاً للّٰہ یا حضرت سلطان شیخ عبد القادر جیلانی محی الدّین مشکل کشا بالخیر ۔

امداد کن امداد کن ۔ از بند غم آزاد کن ۔ در دین و دنیا شاد کن ۔ یا شیخ عبد القادرا

○...... ختم حضرت نقش بند رحمۃ اللہ علیہ

شیئاً للہ چوں گدائے مستمند المدد خواہم ز خواجہ نقش بند

○...... ختم حضرت مخدوم صاحب کشمیری

سلطان مرا خرم کند۔ سلطان مرا بے غم کند

سلطان بر آرد کار ما سلطان بداند حال ما

آسان کند دشوار ما یا شیخ حمزہ پیر ما

○...... ختم حضرت شیخ نور الدین مرحوم کشمیری

شیئاً للہ چوں گدائے دل حزین المدد خواہم ز شاہ نور دین

○...... ختم حضرت امیر کبیر مرحوم کشمیری

شیئاً للہ یا حضرت شہنشاہ ولی علی ثانی المدد

ان کے علاوہ کئی ایک قسم کے الفاظ ہیں جن کے ذریعہ سے اظہار مدعا کیا جاتا ہے ناظرین مشتے نمونہ از خروارے، انہی کو سمجھیں۔ یہ الفاظ اس بات کی صاف دلیل ہیں کہ ان قائلوں کا خیال ہے کہ ان بزرگوں کو نفع ونقصان رسانی پر قدرت ہے۔ پس یہی دلیل اس بات کی ہے کہ ایسے صدقات دینے سے ان کی نیت بھی یہی ہوتی ہے کہ یہ بزرگ ہماری حاجت روائی کردیں گے چنانچہ الفاظ مذکورہ بالا کا صریح مضمون ہے۔ گو ان ختمات میں خدا کا ذکر اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھی پڑھتے ہیں مگر صرف درود پڑھنے سے اس نیت کا عدم نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ انّما الاعمال بالنیّات وانّما لکلّ امرء مانوی ❶ یعنی ہر عمل کا بدلہ نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔ پس جب کہ فاعلین کی نیت صاف اور صریح لفظ سے ظاہر ہورہی ہے تو اب کسی ملاں یا مولوی کی اصلاح کہاں چل سکتی ہے، بلکہ تاویل الکلام بما لایرضی بہ قائلہ کی مصداق ہے۔

افسوس کہ بعض بھائی صرف اس خیال سے کہ ایک تو اس قسم کی دعوتوں سے محروم رہیں گے۔ نیز ان کے چھوڑنے سے لوگوں میں وہابی مشہور ہوجائیں گے۔ باوجود ایسے کلمات کو ناجائز اور ایسے کھانوں کو حرام جاننے کے پرہیز نہیں کرتے۔ حالانکہ قرآن شریف ایسی استمدادوں کا صریح رد کرتا ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ ایسی استمدادوں ہی کے رد کرنے کو قرآن نازل ہوا تھا۔ جو اس قسم کے کھانوں کو کھلے لفظوں میں حرام بتلاتا ہے اور تمام آئمہ دین اور علماء حنفیہ اعلام ان کی حرمت کے قائل ہیں مگر ہمارے بھائیوں کا یہ طریق کار ہے کہ ان کی مسجدوں میں ایک شخص تو سنت سمجھ کر آمین بالجہر کہہ دے اور دوسرا شخص بعد نماز گیارہ قدم مار کر پیر صاحب سے دعاء استمداد کرے جو صریح شرک ہے۔ بے چارے آمین کہنے والے کی تو گت ہوجائیگی مگر دوسرے کو کسی کی مجال نہیں کہ کچھ کہے، حالانکہ آمین حنفی مذہب میں سنت نہیں تو حرام یا مفسد صلوۃ بھی نہیں، خاص کر دوسرے شخص کے حق میں تو کچھ بھی حرج نہیں، اکثر مجتہدین اور آئمہ حدیث اس کی سنیت کے قائل ہیں۔ اور مخلوق سے دعا کرنی اور مسجد میں بیٹھ کر کرنا صریح قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن میں صاف حکم ہے:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۱

﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾ (الجن:۱۸)

''مسجدیں اللہ کے ذکر کے لئے ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی کو بھی مت پکارو۔''

یہ ہے دونوں کا حکم اور یہ ہے ہمارے بھائیوں کا طریق عمل۔ الی اللہ المشتکی

اس کے بعد جناب ثناء اللہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر احناف کا ایک فتوی درج کیا ہے:

رحمۃ اللہ علیہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ کسی بزرگ سے امداد طلب کرنا مثلاً وظیفہ پڑھنا:

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن

در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا

یا کسی ولی کو مخاطب کر کے شیئاً للہ پڑھنا، مثلاً یوں کہنا

شیئاً للہ چوں گدائے مستمند المدد خواہم ز خواجہ نقش بند

یا یوں کہنا:

شیئاً للہ چوں گدائے دل حزیں المدد خواہم ز شاہ نور دین

یا یوں کہنا:

خذ یدی یا شاہ جیلان خذ یدی شیئاً للہ انت نور احمد

وغیرہ، قسم کے وظائف اور ختمات پڑھنے جائز ہیں یا منع؟ بینوا و توجروا

رحمۃ اللہ علیہ: اس قسم کے ورد و ظائف اگر ان بزرگوں کو حاظر ناظر جان کر اور قادر و متصرف اعتقاد کر کے پڑھے جائیں تو صریح کفر اور محض شرک ہیں۔ اور اگر اس اعتقاد سے نہ پڑھے جائیں، صرف ان الفاظ و کلمات کی تاثیر و خاصیت کا اعتقاد ہو، تب بھی گناہ ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ...... الجواب صحیح، بندہ محمود عفی عنہ مدرس اعلی مدرسہ دیو بند...... الجواب صحیح، بندہ مسکین محمد یسین عفی عنہ مدرس مدرسہ دیو بند...... الجواب صحیح، عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ...... الجواب صحیح، بندہ محمد مرتضی عفی عنہ مدرس مدرسہ دیو بند...... الجواب صحیح، احقر الزمان گل محمد خان عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ عربیہ دیو بند۔ [1]

---

[1] منقول از اہل حدیث کا مذہب

مسئلہ علم غیب

جناب ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ سوائے خدا کے علم غیب کسی مخلوق کو نہیں۔ نہ ذاتی نہ وہبی نہ کسبی۔ کیونکہ خدا تعالی فرماتا ہے:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (النمل:٦٥)

''تو اے رسول کہہ دے کہ آسمانوں اور زمین والوں میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔''

نیز ارشاد ہے:

﴿لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ﴾ (الاعراف:١٨٨)

''اے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو کہہ دے کہ اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو بہت سی بھلائی اپنے لئے جمع کر لیتا اور مجھے کسی طرح کی کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔''

اس نص قطعی کے علاوہ سینکڑوں واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہیں جن سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ حضور فداہ روحی کو غیب نہ تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے افک کا قصہ کہ حرم محترم پر بہتان لگنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی دنوں تک مغموم ومحزون رہے۔ مگر اصل حال معلوم نہ ہو سکا جب تک خدا نے اطلاع نہ دی۔ ایسے ہی دیگر انبیاء کے حالات شاہد عدل ہیں کہ کسی کو علم غیب نہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کا مہمانوں کی شکل میں آنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان سے ڈر جانا، قرآن کی صریح آیات میں مذکور ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس ملائکہ کا لڑکوں کی شکل میں آنا اور حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی قوم سے ان کو چھپانا وغیرہ صریح قرآن میں مذکور ہے جو عدم علم پر دلالت تام کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بوجہ بے خبری اور عدم واقفیت اصل حال کے اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو قصوروار سمجھ کر بے حرمت کرنا اور ان کا نہائیت عاجزانہ لہجے میں اصل حال بتلانا وغیرہ سب کے سب واقعات بتلا رہے ہیں کہ انبیاء کو علم غیب نہ تھا۔ یہ تو قرآن وحدیث کے صریح دلائل ہیں۔ فقہاء بھی انہی واقعات پر بنا کر کے انبیاء کی

نسبت علم غیب کے عقیدے کو کفر لکھا ہے۔ ملا علیؒ قاری شرح فقہ اکبر ❶ میں فرماتے ہیں:

واعلم انّ الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الّا ما اعلمھم اللّٰہ تعالی احیانا وذکر الحنفیة تصریحا بالتّکفیر باعتقاد انّ النّبیّ ﷺ یعلم الغیب لمعارضة قولہ تعالی ﴿**قل لا یعلم من فی السّماوات والارض**......﴾ الآیة

''جان لو کہ انبیا غیب نہیں جانتے تھے لیکن اتنا ہی جتنا کبھی کبھی خدا ان کو بتلاتا اور علماء حنفیہ نے صاف کہا ہے کہ جو کوئی پیغمبر ﷺ کی نسبت علم غیب کا اعتقاد کرے وہ کافر ہے کیونکہ خدا فرماتا ہے اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔''

ایسا ہی فتاوی قاضی خان میں ہے جو فقہ کی ایک مشہور اور معتبر کتاب ہے:

رجل تزوج بغیر شھود فقال الرجل والمرأة خدا ورسول گواہ کردیم۔ قالوا یکون کفرا لانہ اعتقد انّ رسول اللّٰہ ﷺ یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت ❷

''جو شخص اپنے نکاح میں خدا اور رسول کو گواہ کرے وہ کافر ہے کیونکہ اس کے گواہ کرنے سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس نے اس بات کا اعتقاد کیا کہ آنحضرت ﷺ غیب جانتے ہیں جب حضور زندگی میں غیب نہ جانتے تھے تو بعد انتقال کیوں کر جانتے ہیں۔''

ایسا ہی قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، مالا بد منہ میں فرماتے ہیں:

اگر کسے بدون شہود نکاح کرد وگفت کہ خدا و رسول را گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم۔ کافر شود۔

اسی مقام کے حاشیے پر اس کفر کی دلیل لکھی ہے:

---

❶ شرح فقہ اکبر، ص: ۱۸۵

❷ قاضی خان۔ ج ۴۔ باب ما یکون کفرا من المسلم ولا یکون

چرا کہ آنکس اعتقاد کرد کہ رسول خدا ﷺ غیب مے داند و پیغمبر خدا در حالت حیات غیب رانمی دانست پس چگونہ بعد موت غیب داند ❶

جب انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہ ہوا تو آئمہ اہل بیت اور دیگر صلحا امت کو کیسے ہوسکتا ہے؟

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی بابت فرمایا ہے:

﴿عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ﴾ (النساء:۱۱۳)

''خدا نے تجھ کو وہ باتیں سکھائیں جو تو نہ جانتا تھا۔''

اور **ما** کا لفظ عام ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو کل چیزوں کا علم سکھایا گیا۔ پس علم غیب اسی کا نام ہے۔ ہم کہتے ہیں یہی لفظ **ما** مسلمانوں کے حق میں بھی فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرة: ۲۳۹)

''جو تم نہ جاتے تھے وہ تم کو سکھایا۔''

تو کیا ہم سب مسلمان جن کو اس آئت میں خطاب ہے سب کو علم غیب حاصل ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے علاوہ عام انسانوں کی بابت بھی یہی فرمایا:

﴿عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾ (العلق:۵)

(انسان جو نہ جانتا تھا خدا نے اس کو سکھا دیا)

کیا تمام کے تمام انسان عالم الغیب ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی نسبت اس لفظ کا ورود ہوا ہے یعنی دینی باتیں جو تو نہ جانتا تھا وہ ہم نے تجھ کو سکھائیں اور تم مسلمان بھی جو دینی امور سے ناواقف تھے، وہ تم کو بتلائے۔ چنانچہ ایک آیت میں اس معنی کی تشریح بھی فرمادی ہے جہاں ارشاد ہے:

﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ﴾ (الشوریٰ:۵۲)

---

❶ کذا فی قاضی خان

''تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا چیز ہے، لیکن ہم نے تیرے دل میں نور پیدا کیا۔ اس نور کے ساتھ اپنے بندوں میں سے ہم جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔''

اس آیت میں صاف مذکور ہے کہ قرآن شریف خدا نے آنحضرت ﷺ کو سکھایا ہے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اس کو تو علم غیب نہیں کہتے۔ نہ اس کا کوئی منکر ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اوتیت علم الاوّلین والآخرین))

(مجھ کو پہلوں اور پچھلوں کا علم عطا کیا گیا ہے)

اس سے آنحضرت ﷺ کا علم غیب ثابت ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے معنی بھی یہ ہیں کہ جو کچھ معرفت خداوندی کا علم پہلے نیک لوگوں کو حاصل تھا۔ یا میرے بعد لوگوں کو حاصل ہوگا۔ وہ سب علم مجھے حاصل ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کل اولاد آدم کے سردار ہیں۔ اور سب سے زیادہ متقی۔ پس آپ کی معرفت اور علم سب سے زائد ہونے میں کس کو کلام ہے؟

اور واضح طور سے سنئے۔ حدیث مذکور میں علم کا لفظ مصدر مضاف ہے اولین کی طرف جو فاعل ہے۔ پس معنے یہ ہوں گے کہ جتنا علم پہلے اور پچھلے لوگوں کو تھا اور ہوگا وہ سب مجھے حاصل ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ بحکم

﴿قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ (النمل:٦٥)

(اے نبی تو کہہ کوئی بھی آسمان والوں میں اور زمین والوں میں علم غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے)

پہلے پچھلے کسی کو علم غیب نہیں ملا۔ پس علم الاولین والآخرین سے مراد یہی ہے کہ جتنا علم شریعت پہلے اور پچھلے لوگوں کا ہے وہ سب پیغمبر ﷺ کو دیا گیا۔ اگر اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی غیب دانی کا ثبوت ہو۔ تو قرآن کی آیات مذکورہ اور اہل سنت کے تمام فقہاء اور محدثین و اولیاء کاملین کے صریح خلاف ہوگا۔

علاوہ اس کے قرآن پاک میں صاف ارشاد ہے کہ

﴿مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ﴾ (الاحقاف: ۹)

(یعنی اے رسول! تو ان سے کہہ دے کہ مجھے نہیں معلوم آئندہ کو مجھے کیا کیا امور پیش آنے والے ہیں اور تمہیں کیا)۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علم الاوّلین والآخرین سے مراد وہ واقعات اور حادثات ہوں جو قرآن وحدیث میں پہلے اور پچھلے لوگوں کے حضور ﷺ نے بیان فرمائے ہیں۔ جن کو غیب دانی سے کچھ بھی تعلق نہیں کیونکہ جتنا کچھ خدا نے بتلایا اس کا تو کسی کو بھی انکار نہیں۔ انکار تو اس کا ہے کہ آنحضرت ﷺ یا کسی اور نبی یا ولی کو سب اشیاء کا علم تھا۔ جیسا کہ آج کل کہا جاتا ہے۔ اگر صرف اسی قدر تھا جو خدا کی طرف سے بتلائی گئی تھیں جن کا ذکر قرآن شریف اور احادیث شریفہ میں آتا ہے جیسے گزشتہ اور آئندہ واقعات، تو اسکا کوئی منکر نہیں۔

اس قسم کی اور بھی احادیث ہیں جن سے اس امر کے ثابت کرنے کی ناکام سعی کی جاتی ہے۔ کہ حضور اقدس فداہ ابی وامی کو علم غیب تھا۔ مگر تعجب ہے کہ ایسے بدیہہ امر کے برخلاف کوشش کی جائے جس کے ثبوت کے لئے قرآن وحدیث بلکہ فقہاء کی مستند تصریحات بھی موجود ہوں۔ ❶

نیز جناب ثناء اللہ امرتسری بتاتے ہیں کہ ان کی تحریر: ''انبیاء کو نہ ذاتی علم غیب تھا، اور نہ وہبی اور کسبی'' پر ایک مرتبہ امرتسر کے علماء حنفیہ نے مجالس وعظ میں بڑی سختی سے اعتراضات کرنے شروع کیئے۔ کبھی دعوی اور دلیل میں عدم مطابقت پر سوال، کبھی مستثنی پر کلام، کبھی کفر کا لزوم، غرض کبھی کچھ، کبھی کچھ۔ آخر بات بڑھتے بڑھتے مباحثہ کی ٹھہری۔ اور مولانا ابوعبید میر احمد اللہ امرتسریؒ اور مولانا ابومحمد عبدالحق حقانی دہلویؒ منصف قرار پائے۔ اور ۳ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ کو بموجودگی منصفان، احناف سے میرا (ثناء اللہ امرتسری) مباحثہ ہوا۔ فریقین کی تقریریں سن کر ہر دو منصفان نے بیک زبان فیصلہ کیا کہ عبارت مذکور صحیح ہے۔

---

❶ منقول از اہل حدیث کا مذہب

اس کے بعد احناف نے خفیہ طور پر ایک استفتاء علماء دیو بند کی خدمت میں بھیجا۔ جس کی نقل میرے ایک دوست مدرس مدرسہ دیو بند نے معہ دستخط مدرسین میرے پاس امرتسر بھیجی۔ جو یہ ہے:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس شخص کے حق میں جس نے مندرجہ ذیل دو عبارتیں ایک رسالہ میں شائع کی ہوں۔

اولاً یہ کہ سوائے خدا کے کسی مخلوق کو علم غیب نہیں، نہ ذاتی نہ وہبی نہ کسبی، کیونکہ خدا فرماتا ہے:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (النمل:٦٥)

دعوی دلیل میں تطابق اور آیت کریمہ سند منع ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور جو شخص اس قسم کا دعوی کرے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ انبیاء علیہم السلام کو مطلقاً علم غیب نہ تھا، نہ ذاتی نہ وہبی نہ کسبی۔ پس وہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبر باخبار ماضیہ و حالیہ و استقبالیہ کے منکر ہونے سے کافر ہوا یا نہیں؟

ثانیاً۔ عابد کو معبود سے جو نسبت ہوتی ہے وہی عام مخلوق کو نبی ہو یا ولی رسول ہو یا امتی۔ مؤمن یا کافر، خالق سے ہے۔ اب اس عبارت میں لفظ عابد غور طلب ہے۔ لفظ عابد سے من حیث انہ مطیع و عابد مراد لیا جائے گا یا مخلوق من حیث هو هو؟ پس بر تقدیر اول بلحاظ عبادت و اطاعت مساوات و مماثلت انبیاء علیہم السلام و اولیا کرام کی کفار نا ہنجار سے ثابت کرنے والا کافر ہوا یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی اس کی غرض تنقیص شان حضرات اور ان حضرات کا بعد الارتحال توسل نہ ہونا اس سے ثابت ہو گا یا نہیں؟

رحمۃ اللہ علیہ: اصطلاحاً عالم الغیب سے مراد ہے کہ جمیع مغیبات کلیتاً و جزئیتاً ازلاً و ابداً عالم ہو۔ سو یہ شان باری تعالی ہے اور کوئی مخلوق میں سے شریک اس کا اس وصف میں نہیں۔ سو اگر مراد قائل کی یہ ہے کہ ایسا علم کسی کو نہیں نہ ذاتی نہ وہبی نہ کسبی۔ پس دلیل مطابق دعوی ہے کما هو ظاهر من الاطلاق ولا يشك فيه غير اهل الشقاق اور جو غرض یہ ہے کہ بعض مغیبات کا علم کسی کو کسی طرح نہیں تو غلط ہے، کیونکہ بہت سے مغیبات کا علم انبیاء کرام کو خصوصاً افضل الرسل خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ عطا ہوا ہے اور ان حضرات کی وساطت سے ان کی امتوں کو بھی بہت سی مغیبات کا علم حاصل ہوا ہے۔ خود قرآن شریف میں ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا

يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَسُوْلٍ﴾ پس انکاراس کا خلاف منصوص ہے۔مگر ظاہر یہ ہے کہ قائل مذکور کی غرض قسم ثانی کا انکار نہیں بلکہ علم غیب علی الاطلاق کی نسبت یہ قول ہے سو معلوم ہوا کہ صحیح ہے اور عقیدہ اہل سنت والجماعت حسب نصوص قطعیہ یہی ہے کہ عالم الغیب علی الاطلاق بجز ذات باری تعالیٰ کوئی نہیں ۔اور جولوگ رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہتے ہیں سخت ضلالت میں ہیں اور مفتری اور کذاب ہیں ۔حضرت عائشہؓ نے ایسا ہی فرمایا کما رواہ البخاری درحقیقت یہ شرک ہے۔صفات خاصہ باری تعالیٰ میں امر ثانی کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ درحقیقت جملہ مخلوقات بندہ و عاجز ومخلوق ہونے میں برابر ہیں۔کسی کو خالق جل وعلی کے ساتھ شرکت نہیں ہے پس اس نسبت میں عابد و غیر عابد و انبیاء عظام اور اولیاء کرام جملہ مخلوق برابر ہیں۔یہی مطلب قائل کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ کوئی مسلمان اس امر کا منکر نہیں کہ جو قرب حق تعالیٰ کے خاص بندگان مقربین کو ہے وہ دوسروں کو نہیں اس نسبت قرب میں جملہ مومنین بھی برابر نہیں اور انبیاء عظام اور اولیاء کرام یکساں نہیں:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ﴾ (البقرۃ:۲۵۳)

جناب رسول اللہ ﷺ آخر جملہ سے مراد ہیں۔سو ان کے رفع درجات کی کوئی کیا تفصیل وتشریح کرسکتا ہے۔سچ ہے:

لا یمکن الثناء کما کان حقه

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور صاحب بردہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

فانسب الی ذاته ما شئت من شرف

وانسب الی قدره ما شئت من عظم

فان فضل رسول اللّٰه لیس له

حد فیعرب عنه ناطق بقسم

فمبلغ العلم فیه انّه بشر

وانه خیر خلق اللّٰه کلّھم

الحاصل باوجود جملہ کمالات کے بشر، بشر اور مخلوق ہے۔ کوئی جز و معبودیت و خالقیت کا اس میں نہیں آتا۔ پس یہی مطلب اس قائل کا معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ قرب خاص وعلو درجات و رفع مقامات بندگان خاص کا کوئی منکر ہوسکتا ہے؟ مسلمانوں پر حسن ظن لائق ہے اور ان کے کلام کو محمل حسن پر حتی الوسع واقع کرنا چاہیے۔ بے وجہ تفسیق و تضلیل مناسب نہیں۔ بلکہ حرام و ممنوع ہے۔ فقط۔ واللّٰہ اعلم

کتبہ: عزیز الرحمان عفی عنہ دیو بندی مفتی مدرسہ...... الجواب صحیح، محمد حسن عفی عنہ...... الجواب صحیح، غلام رسول عفی عنہ...... الجواب صحیح، بندہ محمود عفی عنہ...... الجواب صحیح، بندہ مسکین محمد یسین عفی عنہ مدرس۔ ❶



---

❶ اہل حدیث کا مذہب

رفع الیدین

تنویر العینین

جناب شاہ محمد اسماعیلؒ دہلوی نے رفع الیدین عند الرکوع و بعد الرکوع کے مسئلہ پر ایک مختصر رسالہ تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین کے نام سے لکھا تھا۔ جو اس مسئلے پر ہندی علماء اہل حدیث کی اولین تالیفات میں سے ہے۔ ذیل میں اس رسالہ سے اس مسئلہ کی بحث کے ضروری حصے نقل کئے جاتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

الحقّ انّ رفع الیدین عند الافتتاح والرّکوع والقیام منه والقیام الی الثّالثة سنّة غیر مئوکّدة من سنن الهدی فیثاب فاعله بقدر ما فعل، ان دائماً فبحسبه وان مرةً فبمثله، ولا یلام تارکه وان ترک مدّة عمره واما الطّاعن العالم بالحدیث ای من ثبت عنده الاحادیث المتعلقة بهذه المسئلة فلا ادخاله الّا فی:﴿**من یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی**﴾

ونرید بسنة الهدی ههنا فعل غیر فرض وغیر مختص بالنّبیّ ﷺ فعله هو والخلفاء الراشدون او امروا به او قرروا علیه قربةً ولم ینسخ ولم یترک بالاجماع و بغیر المؤکدة ما فعلوه مرةً وترکوه اخری۔

فبقولنا فعل خرج به عدم الرفع فان العدم لیس بفعل، نعم اذا کان العدم مستقراً فی زمان النبی ﷺ والخلفاء الراشدین فقطعه یکون بدعة ولیس فی مفهوم البدعة ازالة السنة حتی یلزم کون العدم سنة بل مفهومها فعل لم یفعل فی زمنهم۔

وبقولنا غیر فرض، خرجت الفرائض کلها۔

وبقولنا غیر مختص، خرجت النوافل المختصة به ﷺ کالوصال فی الصوم۔

وبقولنا لم ینسخ خرجت السنن منسوخة کالقیام للجنازة۔

وبقولنا لم یترک بالاجماع، خرجت السنن المترکة به کالرفع بین السجدتین۔

ثمّ ھھنا تسع مقامات بعد تمھید مقدمة وھی ان الترجیح فی تعارض الاحادیث اولاً بقوة السند وثانیاً بشھرته وثالثاً بکثرة عمل الصحابة وان فھم الصحابی لیس بحجة۔

فالمقام الاول فی اثبات انّ النّبی ﷺ رفع یدیه فی المواضع الاربعة، فنقول احادیثه اشھر من حدیث الناصیة الّذی بنی علیه تعیین مسح ربع الرأس بالفرضیة وجعل بیاناً لمجمل الکتاب وکذا من بعض الاحادیث الّتی بنی علیھا سنیة بعض الافعال کوضع الیمنی علی الیسری ورفع المسبحة وصلوة التّسبیح ونحن نذکر شیئاً منھا۔

(۱)فمنھا ما اخرج البخاری والمسلم عن ابن عمر انّ رسول اللّٰه ﷺ کان یرفع یدیه حذو منکبیه اذا افتتح الصّلوة واذا کبّر للرّکوع واذا رفع رأسه من الرّکوع رفعھما کذلک وقال سمع اللّٰه لمن حمده ربّنا ولک الحمد وکان لایفعل ذالک فی السجود۔ ❶

(۲)واخرج البخاری عن نافع ان ابن عمر کان اذا دخل فی الصلوة کبر ورفع یدیه و اذا رکع رفع یدیه واذا قال سمع الله لمن حمده ، رفع یدیه واذا قام من الرکعتین رفع یدیه ورفع ذالک ابن عمر الی النبی ﷺ۔ ❷

(۳)واخرج نحوه عنه مالک فی المؤطا ۔

(٤)واخرج النّسائی ایضاً عن علقمة بن وائل حدثنی ابی قال صلّیت خلف رسول اللّٰه ﷺ فرأیته یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة واذا رکع واذا قال سمع اللّٰه لمن حمده ھکذا و اشار قیس الی نحو الاذنین۔ ❸

(٥)واخرج النّسائی ایضاً عن محمد بن عمرو بن عطاء عن ابی حمید الساعدی قال

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب رفع الیدین فی التکبیرة الاولیٰ مع الافتتاح سواء، رقم الحدیث:۷۳۵
صحیح مسلم، کتاب الصلوة، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین ،رقم الحدیث:۲۱۔۳۹۰

❷ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین ،رقم الحدیث:۷۳۹

❸ سنن نسائی، کتاب الصلوة، باب رفع الیدین عند الرفع من الرکوع، رقم الحدیث:۱۰۵۶

سمعته يحدث قال كان النبیّ ﷺ اذا قام من السّجدتين كبّر ورفع يديه حتّى يحاذى بهما منكبيه كما صنع حين افتتح الصّلوة۔ ❶

(٦)واخرج البخارى والتّرمذى وابن ماجة وغيرهم والنّسائى نحوه عن سالم عن عبد اللّه ابن عمر قال رأيت رسول اللّه ﷺ اذا قام فى الصّلوة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه وكان يفعل ذالك حين يكبّر للرّكوع ويفعل ذالك اذا رفع رأسه من الرّكوع۔ ❷

(٧)واخرج البخارى والمسلم والتّرمذى وابن ماجة والنّسائى نحوه عن ابى قلابة انّه رأى مالك بن حويرث اذا صلّى كبّر ورفع يديه واذا اراد ان يركع رفع يديه وحدث ان رسول الله ﷺ صنع هكذا۔ ❸

(٨)واخرج مسلم عن ابن عمر قال رأيت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع يديه حتى يحاذى منكبيه وقبل ان يركع واذا رفع رأسه من الركوع ولا يرفعهما بين السجدتين۔

(٩)واخرج احمد وابوداؤد وابن ماجة عن محمد بن عمرو بن عطاء قال سمعت ابا حميد الساعدى وهو فى عشرة من اصحاب رسول اللّه ﷺ احدهم ابو قتادة بن ربعى وذكر ابن ماجة فى موضع آخر ان منهم سهل بن سعد ومحمد بن مسلمة قال انا اعلمكم بصلوة رسول اللّه ﷺ كان اذا قام فى الصلوة اعتدل قائما ورفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه ثم قال الله اكبر واذا اراد ان يركع رفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه فاذا قال سمع الله لمن حمده رفع يديه فاعتدل فاذا قام من السجدتين كبر ورفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه كما صنع حين افتتح من الصّلوة۔

(١٠)واخرج الترمذى عن على بن ابى طالب عن رسول اللّه ﷺ انّه اذا قام الى الصلوة المكتوبة رفع يديه حذو منكبيه ويصنع ذالك اذا قضى قرأته واذا اراد ان يركع ويصنعه اذا

---

❶ سنن نسائی، کتاب الصلوۃ، باب رفع الیدین فی القیام الی الرکعتین الاخریین، رقم الحدیث:۱۱۸۲

❷ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب رفع الیدین اذا کبرواذارکع واذارفع، رقم الحدیث:۷۳۶

❸ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب رفع الیدین اذا کبرواذارکع واذارفع، رقم الحدیث:۷۳۷

رفع رأسه من الركوع ولا يرفع يديه في شيء من صلوته وهو قاعد، فاذا قام من السجدتين رفع يديه كذالك فذكر الحديث وقال الترمذي هذا حديث حسن صحيح۔

(۱۱)واخرج ابن ابی شیبة عن عبد ربه ابن زيتون قال ام الدرداء ترفع يديها حذو منكبيها حين تفتتح الصلوة واذا قال الامام سمع اللّٰه لمن حمده، ترفع يديها وقالت اللهم ربنا لك الحمد۔

(۱۲)واخرج احمد وابوداؤد وابن ماجة عن ابن عباس انّ رسول اللّٰه ﷺ كان يرفع يديه اذا دخل في الصّلوة واذا ركع۔

(۱۳)واخرج ابوداؤد وابن ماجة عن وائل بن حجر قال قلت لانظرن الى رسول اللّٰه ﷺ كيف يصلّى فقام واستقبل القبلة فرفع يديه حتى حاذتا باذنيه فلمّا ركع رفعهما مثل ذالك فلمّا رفع رأسه من الرّكوع رفعهما مثل ذالك۔

(۱٤)واخرج ابن ماجة عن ابى الزّبير انّ جابر بن عبد اللّٰه كان اذا افتتح الصّلوة رفع يديه واذا ركع فعل مثل ذالك ويقول رأيت رسول اللّٰه ﷺ فعل مثل ذالك۔ ❶

(۱٥)واخرج ابوداؤد عن ميمون المكى انه رأى عبد الله بن الزبير وصلى بهم يشير بكفيه حين يقوم وحين يركع ويسجد وحين ينتهض للقيام فيقوم فيشير بيديه فانطلقت الى ابن عباس فقلت انّى رأيت ابن الزبير صلى صلوة لم ار احداً يصليها فوصفت له هذه الاشارة فقال ان احببت ان تنظر الى صلوة رسول اللّٰه ﷺ فاقتد بالصّلوة عبد اللّٰه بن زبير۔ ❷

(۱٦)واخرج النّسائى عن عاصم بن كليب قال حدثنى ابى ان وائل بن حجر اخبره قال قلت لانظرن الى صلوة رسول الله ﷺ كيف يصلى فنظرت اليه فقام وكبر ورفع يديه حتى حاذتا اذنيه ثم وضع يده اليمنى على كفه اليسرى والرسغ والساعد فلما اراد ان يركع

---

❶ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوۃ، باب رفع الیدین اذا رکع واذا رفع راسہ من الرکوع، رقم الحدیث: ۸۶۸

❷ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب افتتاح الصلاۃ، رقم الحدیث: ۷۳۹

رفع يديه مثلها قال ووضع يديه على ركبتيه ثم لما رفع رأسه رفع يديه مثلها ثم سجد فجعل كفيه بحذاء اذنيه ثم قعد وافترش رجله اليسرى ووضع كفه اليسرى على فخذه وركبته اليسرى وجعل حد مرفقه الايمن على فخذه اليمنى ثم قبض اثنين من اصابعه وحلق حلقةً ثم وضع اصبعه فرأيته يحركها يدعو بها۔ ❶

بالجملة قد وردت فى هذا الباب روايات لايسع لذكرها المقام بل نذكر اسامى الروات ايضاً قال مجد الدين الفيروز آبادى وهو من اجلة المحدثين واشهرهم فى سفر السعادة: ”ان الاخبار والآثار التى رويت فى هذا الباب تبلغ الى اربع مائة“ انتهى۔

ونحن نذكر اسامى بعضهم فمنهم العشرة المبشرة كما قال الحاكم ليس بسنة من السنن رواه العشرة المبشرة غير رفع اليدين۔ومنهم العشرة الذين روى ابو حميد الساعدى فى مجلسهم لما روى انهم بعد سماعهم من الساعدى قالوا نعم ومنهم حسن بن على و سهل وزيد وعقبة وابومسعود وعبد اللّٰه بن عمر وسلمان وابو موسى وابوسعيد وعائشة وبريدة وعمار وام الدرداء۔

قال ابوعيسى الترمذى فى الباب بعد ماذكر حديث بن عمر عن النبى ﷺ قال وفى الباب عن عمر وعلى ووائل بن حجر ومالك بن الحويرث وانس وابى هريرة وابى حميد وابى سعيد وسهل بن سعد ومحمد بن مسلمة وابى قتادة وابى موسى الاشعرى وجابر و عمير الليثى ، قال ابوعيسى حديث ابن عمر حديث حسن صحيح وبهذا يقول بعض اهل العلم من اصحاب النّبىّ ﷺ منهم ابن عمر وجابر وابوهريرة وانس وابن عباس وعبد الله ابن الزبير وغيرهم ، ومن التابعين الحسن البصرى وعطاء وطاؤس ومجاهد ونافع وسالم ابن عبد الله وسعيدبن جبير وغيرهم وبه يقول عبدالله بن المبارك والشافعى واحمد واسحاق۔ وقال ابن المبارك قدثبت حديث من يرفع وذكر حديث الزهرى عن سالم عن ابيه ولم يثبت حديث ابن مسعود ان النبى ﷺ لم يرفع الا فى اول مرة۔حدثنا بذالك احمدبن عبدة الآملى حدثنا وهب بن زمعة عن سفيان بن عبد الملك عن عبد الله بن المبارك۔انتهى

---

❶ سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، بابموضع الیمین من الشمال فی الصلاۃ، رقم الحدیث:۸۹۰

المقام الثالث انه لم يكن مختصاً به ﷺ ۔ وهو ظاهر لاتباع الناس فيه بحضرته ﷺ وبحضرة الخلفاء الراشدين ولم يمنعوا۔

المقام الرابع انه ﷺ لم يكن ملتزماً اياه بل تركه مرةً وفعله اخرى۔

المقام الخامس عدم ثبوت النسخ وليعلم اولاً ان المدعى هوالمثبت للنسخ والمتمسك بالظاهر هوالمنكر له لان الظاهر ان ما ثبت منه ﷺ يلزمنا اتباعه مالم يقم دليل على نسخه فيكفى لمنكر النسخ الجرح على دلائله فاذا تم ثبت مدعاه واستدلوا على النسخ بروايات:

منها ما اخرج الترمذى عن علقمة قال صلى ابن مسعود ولم يرفع يديه الا اول مرة وقال صليت بكم صلوة رسول الله ﷺ۔

ومنها ما اخرج ابوداؤد عن البراء بن عازب قال كان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع يديه حذو منكبيه ثم لايعود وفى رواية ثم لا يرفعها حتى انصرف ❶

ومنها ما اخرج محمد فى المؤطا عن عاصم بن كليب الجرمى عن ابيه ان على بن طالب كان لايرفع يديه الا فى التكبيرة الاولى۔ ❷

واخرج ايضاً عن عبد العزيز بن حكيم قال رأيت ابن عمر لايرفع يديه الا فى التكبيرة الاولى۔ ❸

ومنها ما اخرج الطحاوى عن مجاهد قال صلّيت خلف ابن عمر فلا يرفع يديه الا فى التكبيرة الاولى ۔

وروى عن اسود انه قال رأيت عمر بن الخطاب لايرفع يديه الا فى التكبيرة الاولى۔

ونقل ابن الهمام عن الدارقطنى وابن عدى عن محمد بن جابر عن حماد بن ابى سليمان عن علقمة عن ابن مسعود قال صليت مع رسول الله ﷺ وابى بكر وعمر لايرفعون ايديهم الا عندالافتتاح۔

---

❶ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع، رقم الحدیث:۷۴۹،۷۵۲

❷ موطا امام محمد کے ص۹۴ میں الفاظ مختلف ہیں۔

❸ راوی مختلف فیہ ہے۔

وقال فی النہایة شرح الھدایة ان عبد اللّٰہ بن الزبیر رأی رجلاً یصلی فی المسجد الحرام ویرفع یدیہ عند الرکوع وعند رفع الرأس منہ فقال لاتفعل انہ امر فعلہ رسول اللّٰہ ﷺ فی اول الاسلام ثمّ ترکہ ونسخ۔

قال ایضاً انہ قال ابن مسعود رفع رسول اللہ ﷺ فرفعنا وترک فترکنا ، ویروی عن ابن عباس ان العشرة المبشرة لایرفعون ایدیھم الا عند الافتتاح۔

واخرج ابوبکر بن ابی شیبة فی مصنفہ عن ابن عباس موقوفاً لاترفع الایدی الا فی سبعة مواطن: التکبیرة الاولی واستقبال القبلة والموقف وجمرتین والمنی والمروة والصفا وذکرالحدیث صاحب الھدایة واستدل بہ [1]

فنقول:الکلام اولاً فی ثبوت النسخ منھا:

فالاول اما حدیث عبد اللّٰہ بن مسعود وان قال الترمذی انہ حسن فقد قال ابوداؤد انہ ضعیف وقد ردّہ ابن المدینی واحمد والدارقطنی وضعفہ البخاری علی مانقلہ الفاضل الالہ آبادی ولھذا قال البخاری فی غیر صحیحہ لاسانیدہ اصح من اسانید الرفع۔

واما حدیث براءِ بن العاذب انہ لایعود ولایرفعھما۔ فلم یقل کلمة ثم لایعود غیرشریک عن یزید بن ابی زیاد، وشریک یضعف قد ضعفہ الترمذی فی غیرموضع عن جامعہ و قال ابوداؤد:رواہ ھثیم وخالد وابن ادریس عن یزید بن ابی زیاد ولم یذکروا فیہ ثم لایعود۔ وحکی عن سفیان بن عیینة ان یزید حدثھم بہ قبل خروجہ الی الکوفة فلم یذکر فیہ ثم لایعود فلما انصرف زاد فیہ، فیحمل ذالک علی الغلط والنسیان وما اول بعضھم تضعیف ابی داؤد بتضعیفہ ھذا باسنادہ الخاص فساقط لان شریکاً وابن ابی زیاد قد تفرد بروایتہ فاذا ضعف ھذا الاسناد سقط الحدیث لانہ لیس لہ اسناد سواہ ولایتوھم التعارض بین القول الاول:اعنی تفرد شریک وبین قول ابی داؤد:اعنی روایة العدول الثلاثة عن یزید ابن ابی زیاد،لانہ لما علم وھم یزید بن ابی زیاد فی ھذہ الروایة علی ماحکی ابن عیینة ترکوا الروایة عنہ فصار شریک متفرداً۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبة، کتاب الصلاة، باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرة ثم لا یعود، ج:۱ص:۲۱۴

واما حديث محمد فی المؤطا فهو من عاصم بن كليب وهوضعيف وان روى عنه العلماء۔ قد ضعفه ابن حبان حيث قال فی الرواية شك مع انه معارض بما عد محى السنة من القائلين بالرفع على بن ابى طالب وذكر مثله الترمذى وابوداؤد واحمد وغيرهم وما روى عن عبد العزيز بن حكيم فيعارضه ماروى البخارى والمسلم وغيرهما عن نافع ان ابن عمر كان اذا دخل فی الصلوة كبر ورفع يديه اذا ركع رفع يديه واذا قال سمع الله لمن حمده رفع يديه...... الخ۔وكذا ما اخرج الطحاوى عن مجاهد۔

واما رواية ابن مسعود فعل النبى ﷺ والشيخين فلم يثبت عند المحدثين بل ثبت عن عمرخلافه كما ذكره الترمذى وايضاً هكذا ذكره الحاكم فعل العشرة المبشرة و قدمرّ ان عبد الله بن المبارك قال لايثبت حديث ابن مسعود ان النبى ﷺ لم يرفع يديه الا فی اول مرة وهذه الرواية عن محمد بن جابر وقد قال ابن حبان ارفع يديك عن حديث ابن جابر وقال احمد وابن ثمية وابن الجوزى بوضعه۔

وما ذكر من النهاية شرح الهداية من قول ابن الزبير فهوليس بحديث مع انه معارض بالحديث المذكور عن ميمون المكى ولا يوجد له اسناد صحيح فی كتب المحدثين۔

وما اخرج ابوبكر بن ابى شيبة قول ابن عباس فهو قوله وليس بحديث مرفوع انه معارض بماسلف من حديث ميمون المكى وعده الترمذى ممن قال به اى بالرفع على انه منقول بالرفع فی القنوت والعيدين فالظاهر ان الحصر ليس حقيقياً بل اضافى مع ان فی النسخ المتداولة للمصنف مايتأدى بخلاف ذالك وهو ما رواه ابن عباس بلفظ ترفع الايدى فی سبعة مواطن اذا قام الى الصلوة واذا رأى البيت وعلى الصفا و المروة وفی جمع وعند الجمار وهو لايدل على الحصر اصلاً كما ترى۔

والثانى اى الكلام فی ثبوت النسخ من هذه الدلائل:

فنقول هذه الدلائل كلها سوای قول ابن الزبير ”انه كان فی اول الاسلام فنسخ“ وسوى قول ابن مسعود ”وترك فتركنا“ انما تنتهض حجة على من قال لوجوبه فان الترك مرةً ينافيه ولا تنتهض حجةً على من يقول بكونه سنةً مؤكدةً فضلاً الى من ذهب الى كونه

سنةً غیرمؤکدة لان السنة المؤکدة ایضاً ربما ترکه النبی ﷺ کیف و قد تقرر فی الاصول ان الاتیان بفعل بغیرترکه مرةً دلیل وجوبه فلابد من القول بترك السنة المؤکدة ایضاً لئلا یلزم الوجوب فلاتعارض بین احادیث الرفع والترك۔

واما الاستدلال بقول ابن مسعود "صلیت بکم صلوة رسول اللّه ﷺ" علی عدم رفعه غیر قوی ههنا فانه ربما یشبه فعل مشتمل علی صفات بفعل آخر کذالك باعتبار اشتراك اکثر الصفات ولایلتفت الی عدم اشتراك بعض الصفات، سیماً الاعدام علی ما یشهدبه الوجدان السلیم، لکن الظاهر اشتراك الجمیع مالم یقم دلیل علی خلافه۔

فقول ابن مسعود ظاهر فی عدم رفع النبی ﷺ والاحادیث السابقة منصوص علی رفعه فلا یعارضها۔ قوله علی تقدیر فرض التعارض بینهما والا فلا وجه للتعارض فان قوله لایدلّ علی صلوة النّبی ﷺ لم یکن الا کذالك ۔

وکذا حدیث براء بن عاذب ان سلمنا صحة قوله "ثم لایعود"، واعرضنا عن التاویل المشهور ان معنی لایعود عدم الرفع فی ابتداء الرکعة الثانیة کما کان فی الاولی کما ذکره صاحب الفتوحات ونظرنا الی استمرار المضارع المستفاد من قوله لا یعود بصیغة المضارع لایدل الا علی ان براء بن العاذب لم یر رفع النبی ﷺ ولایلزم منه عدم رفعه مطلقاً۔ والمدعی یثبت برفعه مرةً ایضاً وقدحکی بعض الضابطین لاسیما الرافعین من الصحابة وغیرهم ان براء بن العاذب من رواة الرفع ایضاً۔

والباقی کلها آثار الصحابة وقد سلف فی المقدمة ان فهم الصحابی لیس بحجة علی انه لم ینقل عن احد منهم النسخ الا عن ابن الزبیر صریحاً وابن مسعود التزاماً بل لاتدل هذه الروایات علی انهم لایرفعون ابداً بل المستفاد من هذه الروایات هو عدم الرفع فقط ای لا دوامه ولا عدم دوامه واذا ضمت هذه الروایات الی الروایات المعارضة لها الدالة علی رفعهم یثبت انهم رفعوا مرة وترکوا اخری وهو عین المدعی۔

واما قول ابن مسعود "وترك فترکنا" فالمستفاد منه هو ان النبی ﷺ ترك وفهمنا منه النسخ فالنسخ هو فهم ابن مسعود، وقد سلف انه لیس بحجة سیماً اذا خالفه فهم صحابی آخر۔

واما مايفهم من قوله فتركنا من الاجماع على الترك فقوله ظاهر فى الدلالة على الاجماع والآثارالمعارضة له نصوص فلا يعارضها۔

واما قول ابن الزبير ونسخ فهو نص فى النسخ على ما تقرر فى الاصول لكن لم يوجد له اصل عندالمحدثين۔ والناسخ لا بدّله من مساواته للمنسوخ فى الشهرة والدلالة فكيف ينسخ بمثل قول ابن مسعود الذى هو قاصر فى الدلالة وبمثل هذا القول الذى لايعرفه احد من الثقات الاحاديث الصحيحة المشهورة رواها ثقات عن ثقات۔

والحاصل انّه لم ينقل فى باب الترك الا افعال النّبىّ صلی اللہ علیہ وسلم او افعال الصحابة والفعل لاعموم له فلايثبت الا تركهم احياناً واذا ضم اليها الاحاديث والآثار الدالة على الرفع يفيد عين المدعى، اذ ترك السنة الغير المؤكدة ليس نسخاً له بل لابد من تركها احياناً حتى يثبت كونها غير مؤكدة ثم ان من الصحابة من كان يترك السنن بحضرة النبى صلی اللہ علیہ وسلم كما يدل عليه قوله لهم عند قضاء صلوة الفجر:((من كان يصلى منكم الركعتين قبل الفجر فليصل)) فعلم من هذا انهم لم يكونوا كلّهم يصلون الركعتين وهما اوكد السنن فكيف بالسنن الغيرالمؤكدة وكان من الصحابة من لايثبت عنده سنيته فلايفعلها ولايلزم من عدم فعله بطلان سنيته، كماقال ابوسليمان الخطابى فقد يجوز ان يذهب ذالك اى رفع اليدين عليه اى على ابن مسعود كما ذهب عليه الاخذ بالركبة فى الركوع وكان يطبق يديه على الامر الاول وخالف الصحابة كلهم فى ذالك

المقام السادس:بيان عدم الاجماع على تركه وهو غنى عن البيان فانه جدير بان يدعى على فعله الاجماع مبالغة ونحن نذكر اسماء بعض القائلين بالرفع ليكون انموذجاً لما بقى فنقول: عد محى السنة منهم ابابكر وعلياً ـوالترمذى ابن عمر وجابر بن عبد الله وابا هريرة وعبدالله بن الزبير ـوعد الترمذى من التابعين الحسن البصرى وعطاءً وطاؤساً ومجاهداً ونافعاً وسالم بن عبد الله وسعيدبن جبير و محى السنة ابن سيرين وقتادة وقاسم ابن محمد ومكحولاً ـ وعد الترمذى من الفقهاء عبدالله ابن المبارك والشافعى واحمد واسحاق ومحى السنة الاوزاعى ومالكاً وقال محى السنة وهذا قول مالك فى آخرامره

قدذهب بعض العلماء الى ان رفع الايدى فى صلوة فى هذه المواضع واجب كما ذكره صاحب الفتوحات وغيره وعند اكثر اهل العلم سنة قال ابو عبداللّٰه البخارى قال على بن المدينى حق على المسلمين ان يرفعوا ايديهم بحديث الزهرى عن سالم عن ابيه وغيرهم ممالايسعه المقام ذكرهم۔

وقد تعارض عن بعضهم الآثار ولكن المعارضات لاتقوى مثل هذه الآثار التى ذكرناها مع انه لا ينافى المدعى كما سلف وقال ابن الحاجب فى مختصره فى الفقه لا اعرف رفع اليدين وقيل سنة لكن تقوى رواية كونه سنة بقول محى السنة ان مالكاً فى آخر امره ذهب الى سنيية كما يدل عليه حديث المؤطا۔

والمقام السابع: ان الادامة على السنة الغير المؤكدة ممدوحة يثاب عليها الاجماع السلف والخلف على ان المديم على صلوة الضحى مثلاً والاشراق وار بع قبل العصر وقرائة الطوال من المفصل افضل من تاركها مع انها غيرمؤكدة وهذا المطلب اظهر من ان يشتغل باثباته۔

والمقام الثامن: ان تارك السنة الغير المؤكدة غيرملام وهو ايضاً بالاجماع على ان تارك تلك السنن غيرملام وما يتوهم من ان عدم الرفع ايضاً سنة فيثاب تارك الرفع ايضاً۔ فقد مر ذكره فى اول الكلام الا ان يراد بالسنة الطريقة المسلوكة فى عهد النبى ﷺ فمعنى كون العدم سنةً مع كون الفعل سنةً انه ﷺ كان يكتفى بعدمه ايضاً ولاشك ان مثل هذه السنة لايثاب فاعله فان مصلى الركعتين بعد الجمعة انما يثاب على الركعتين اللتين صلهما لا على ترك الاخريين۔ نعم يكفيه فى اتباع النبى ﷺ تلك الركعتان ومصلى الاربعة فثوابه اكمل من ثواب الاول۔

المقام التاسع: فى رفع الاعتراضات الواردة على الرافعين۔ الاعتراضات الواردة عليهم اما اوردت عليهم عموماً اى على كل رافع او خصوصاً اى على الحنفية منهم اعنى الذين يرفعون ايديهم وهم من الحنفية فى اكثر الافعال:

فالاول قالوا اقوى الروايات التى استدل بها الرافعون حديث الزهرى عن سالم عن ابن عمر كما سلف فى قول ابن المدينى "حق على المسلمين ان ير فعوا ايديهم لحديث

الزهری" وقد قال مجاهد انّه صلى مع ابن عمر فلم يرفع اى ابن عمر يديه الا اول مرة وقد تقرر ان صحابياً اذا روى حديثاً ولم يعمل به سقط الحديث من الحجة۔

فنجيبهم: انه انما ينتهض علينا لو قلنا ان ابن عمر روى وجوب الرفع ونحن لا نقول به لان مجاهداً انما حكى فعل ابن عمر ولاعموم له فانه لم يقل انه كان لايرفع يديه ابداً بل انما حكى صلوةً مخصوصةً على انه قد سبق حديث سالم ونافع انه صلى ابن عمر فرفع يديه الخ وهو حديث مشهور فاذا جمعنا كلا الاثرين حصل مطلوبنا وهو انه رفع مرةً وترك اخرى فصار دليلكم حجةً لنا لاعلينا۔

وقالوا ايضاً انه لم يكن مشهوراً فى قرن الصحابة وكان لايفعل اكثرهم بل انما يفعله بعضهم احياناً على مايدل عليه قول ميمون لابن عباس انى رئيت ابن الزبير صلى صلوة لم ار احداً يصليها ولو كان هذه السنة غير منسوخة لاستبعد ان يتركها الاكثرون ۔

فنجيبهم: بمنع لزوم ذالك من عدم رؤية ميمون احداً يفعلها لان ميموناً لم يرصحبة الكبار الصحابة ولم يثبت روايته عنهم غاية مافى الباب انه يثبت غرابة هذه الفعل فى قرن التابعين ولا استبعاد فى خفاء سنة فيه كماخفى التكبير عندكل خفض ورفع فى الصلوة فى هذا القرن، كما يدل عليه ما اخرج البخارى عن عكرمة وهو اعلم من ميمون انه قال لابن عباس حين رأى رجلاً يصلى ويكبر ثلثةً وعشرين تكبيرةً "انه احمق" على هذا القول استأنس من كلام ميمون وهو يعارض الروايات المذكورة الصريحة الدالة على اتفاق جمع كثير من الصحابة وجم غفير من التابعين عليه۔

وقالوا ايضاً ان ابن مسعود مع وسعة علمه وعلو قدره ودوام صحبته مع النبى ﷺ وكثرة اجتهاده كان منكراً لسنيته وكذا يحكى عن على فلوكان غير منسوخ كيف تركه مثل هذين الصحابيين؟

فنجيبهم: ان ما يحكى عن على فلم يصح بل قد صح خلافه كما بيننا سابقاً۔واما ابن مسعود فلم يصح رواية انكاره عنه بل انما صح تركه وهو لاينافى مطلوبنا،وعلى تقدير التسليم فقد خفى على الاجلة من الصحابة اشياء كثيرة قد خفى على ابن مسعود الاخذ

بالركبة على ماسلف وخفى على على ايضاْ حرمة بيع امهات الاولاد و على عمر تطهير المتييمم من الجنابة ومثل هذا كثير على انه قد سبق اتفاق اكثر الكبار عليه كابى بكر وابن عمر وجابر وغير هم وهكذا من التابعين۔

وقالوا ايضاً ان اباحنيفة واصحابه والثورى وابن ابى ليلى وابراهيم مع وسعة علمهم و تفحصهم الروايات سيما الثورى فانه من آئمة الحديث لم يقولوا به فكيف يحكم بشهرتها؟

فنجيبهم: انه رب عالم وسيع العلم خفى عليه مسئلة يتفق عليها ويكون مشهورة قبله فان مالكاً مع كونه اعلم من الثورى على مايشهد به اقوال الفقهاء قد خفى عليه وضع اليد على الاخرى فى الصلوة ويحكى انه حكم بالارسال مع انه كان مشهوراً فى القرن الاول واتفق عليه اكثر العلماء فى القرون الاخر۔

وقالوا ايضاً ان هذا الفعل فى هذه البلاد تشبيه بالروافض حيث ترك شيوع مذهب الحنفية فلم يبق فاعلوه غير الشيعة۔ وقد قال النّبى ﷺ ((اتفوا مواضع التهم))

قلنا هذا من قصوركم حيث تركتموه فصار شعاراً لهم فعليكم بالاتفاق على فعله لئلا يبقى مختصاً به وترك السنة للتحرز عن التشبيه بالفرق الضالة غير مشروع كما اخرج الترمذى فى شمائله ان رسول اللّٰه ﷺ ((كان يسدل شعره وكان المشركون يفرقون رؤسهم وكان يحب موافقة اهل الكتاب فى مالم يؤمر فيه بشىء ثم فرق رسول الله ﷺ رأسه)) وروى غيره انه فرق لانه علم ان التفريق من سنن ابراهيم فقد احب رسول الله ﷺ تشبيه اهل الكتاب مع كونهم كفاراً فيما يظن كونه من سنن الانبياء السابقين مع انه لم يؤمر بتقليدهم فى جميع الافعال فكيف بالسنة التى علمت سنيتها لنبينا ﷺ فى حقنا مع انا لانتحرى تشبيه الفرق الضالة بل اتفقت الموافقة ثم انه ﷺ ترك موافقتهم ووافق المشركين مع انهم اسوء حالاً من اهل الكتاب لما علم كون التفريق من سنن ابراهيم۔

وقال بعض القاصرين منهم انه نسبح بقوله تعالى قوموا للّٰه قانتين اى بالتسكين والسكوت والحركة خلاف التسكين فلا يفعل شىء من الحركات الا مااشتهر ثبوته۔

هذا وان كان لايليق للجواب لكنا تعرضنا له قضاءً لحق المقام فنقول اولاً هذا ايضاً

مما اشتهر وثانياً ان القنوت هوترك الحركات العادية لاالعبادة والايلزم ان يدعى فى الصلوة بدعوة غيرمشهورة وهو باطل اجماعاً۔

واما الثانى:اى ما يورد على الرافعين من الحنفية فهو انهم قالوا الرافع اما ان يكون مجتهداً او مقلداً فعلى الاول لايكون حنفياً او يكون مخترءً لمذهب آخر غير الاربعة فانه يرفع والحنفية يمنعون ولايقنت مثلاً وغيرالحنفية يمنعون عدم القنوت فهذا المجموع اى الرفع وترك القنوت لم يذهب اليه احد من الاربعة فيكون خارقاً للاجماع المركب وايضاً المجتهد فى هذا الزمان اعز من الكبريت الاحمر فمدعيه كاذب ظاهراً وعلى الثانى يلزم رجوع المقلد عن قول من قلده وهو ايضاً خلاف الاجماع كما قال فى المسلم لايرجع المقلد عما عمل به اتفاقاً۔

جواب هذا المعترض:وقلنا لانسلم انه اذا كان مجتهداً فى مسئلة لم يكن حنفياً فان كثيراً من المجتهدين كالصاحبين وزفر والطحاوى والجصاص وغيرهم كانوا من الحنفية مع ان اجتهادهم اظهر من الشمس ، ولانسلم ايضاً ان ترجيح مجتهد فى بعض المسائل قول المجتهد وفى بعضها قول مجتهد آخر خرق الاجماع بل الخرق للاجماع هوان يذهب الى قول فى مسئلة واحدة يخالف لاقوال جميع من سلف فان تعدد المسئلتين يمنع الاجماع المركب كماهومذكور فى كتب القوم بل التفصيل فى مسئلة واحدة مشتملة على شرائط واركان اختلف فيها الى قولين فاثبات شرطيه بعض او ركنيته موافقةً بقول المثبت ونفى بعضها موافقة بقول الثانى ليس مما اتفق على كونه مخالفاً للاجماع لما هو مذكور فى المسلم وفى شرح المواقف۔ نعم الاتيان بفعل مشتمل على منافياته بالاجماع وان اختلف فى كل واحد منها خرق الاجماع۔

واما قولهم المجتهد اعز من الكبريت الاحمر فالمراد به المجتهد المطلق واماالمجتهد فى مسئلة واحدة فهو ليس كذالك اذ لانعنى به الا من اطلع على جميع الدلائل المتعلقة بهذه المسئلة مع العلم بطريق دلالة اللفظ على المعنى اللغوى والشرعى ولانريد بالعلم بها العلم بدقائقها مثل ابى حنيفة والشافعى بل بقدر يبنى عليه رجحان الظن فهو ليس بغريب بل مثل هذا يوجد كثيراً فى اكثر الازمان وهو يكفى للعمل وترك التقليد فى تلك المسئلة۔

ولانسلم ایضاً ان عمل المقلد فی بعض المسائل بقول مجتهد وفی بعض آخر بقول مجتهد آخر رجوع عن قول امامه اذ معنی الرجوع عن قول امامه فی فعل هو خلافه فی ذالك الفعل بالشخص ای ابطاله بعد مافعل وان اصطلح علی مثل هذا بالرجوع فنمنع الاجماع علی منعه کما سنبین هذا۔

و قد غلا الناس فی التقلید وتعصبوا فی التزام تقلید شخص معین حتی منعوا الاجتهاد فی مسئلة ومنعوا تقلید غیر امامه فی بعض المسائل وهذا هی الداء العضال التی اهلکت الشیعة فهؤلاء ایضاً اشرفوا علی هلاك الا ان الشیعة قد بلغوا اقصاها فجوزوا النصوص بقول من یزعمون تقلیده و هؤلاء اخذوا فیها واولوا الروایات المشهورة الی قول امامهم والحق تاویل قول الامام الی الروایات ان قبل والا فالترك ونحن نثبتها ای تجزی الاجتهاد وتجزی التقلید۔اما الاول فلما ذاع وشاع فی الصحابة والتابعین واکثرالعلماء المجتهدین فی مالم یقدروا علیه بالاجتهاد والرجوع الی اعلم منهم قال فی المسلم اختلف فی تجزی الاجتهاد۔ فالاکثر نعم ومنهم الغزالی وابن الهمام وهو الاشبه واما الثانی فلانه لم ینقل عن عوام الصحابة والتابعین وغیرهم من السلف التزام شخص معین بل کان دابهم فی تحقیق المسئلة الاستفتاء عن الفقهاء فتارةً من هذا وتارة من ذالك قال فی المسلم لایرجع المقلد عما عمل به اتفاقاً وهل یقلد غیره فی غیره المختار نعم ونقول ایضاً ان بعد التزام تقلید شخص معین لم یجمع علی لزوم الاستمرار علیه کما قال فی المسلم ولو التزم مذهباً معیناً فهل یلزم الاستمرار علیه فقیل نعم وقیل لا اذ لا واجب الا ما اوجبه اللّٰه ایضاً وعلیه السبکی وفی التحریر وهو الغالب علی الظن انتهی۔

ویستفاد منه ان المراد بالرجوع هو ماذکرنا والا فان کان المراد بالرجوع فی فعل هو الرجوع فی نوع ذالك الفعل فکیف یمکن الاتفاق فی منعه والاختلاف فی الاستمرار بعد الالتزام فانه اذا التزم تقلید شخص معین فقد التزم فی جمیع الافعال فاذا خالفه فی فعل لزم الرجوع بل نقول ان فیما اشتهر من منع التقاط الرخص ایضاً خلاف اتباع رخص المذاهب۔ قال فی المسلم و یستخرج منه ای من قول السبکی المذکور جواز اتباعه رخص المذاهب

ولا يمنع منه مانع شرعى اذ للانسان ان يسلك الاخف عليه الى آخر ما قال۔

ونقول ايضاً ان اتباع غيرالاربعة ايضاً مما لم يجمع على منعه، قال صاحب المسلم فى آخر الكتاب وعليه اى على منع العوام من تقليد الصحابة ابتنى ابن الصلاح منع التقليد غير الاربعة لان ذالك اى التنقيح والتيسير لم يدر فى غيرهم وفيه ما فيه ثم بين وجه النظر فى المنهية ناقلاً عن العراقى انه انعقد الاجماع على ان من اسلم فله ان يّقلد من شاء من العلماء بغير حجر واجمع الصحابة على ان من يستفتى ابابكر وعمر و قلدهما فله ان يستفتى اباهريرة ومعاذ بن جبل وغيرهما ويعمل بقولهم من غيرنكير فمن ادعى على هذين الاجماعين فعليه الدليل۔

ونقول ان اتباع مذهب الحنفية مثلاً ليس تقليد شخص معين فان المذهب الحنفى عبادة عن مجموع اقوال عمدة المجتهدين المطلقين كابى حنيفة وصاحبيه وزفر فان نسبة ابى يوسف مثلاً الى ابى حنيفة كنسبة احمد الى الشافعى على مايظهر بالرجوع الى مواضع الاختلاف من الفروع والاصول فوحدة هذا المذهب اعتبارية (اختيارية؟) فتقول وحدة المذاهب الاربعة ايضاً كذالك فلايلزم على متبعه نقصان كما لايلزم على متبع المذهب الحنفى۔

فعلم من هذا ان اتباع شخص معين بحيث يتمسك بقوله وان ثبت على خلافه دلائل من السنة والكتاب وياول الى قوله شوب من النصرانية وحظ من الشرك والعجب من القوم لايخافون من مثل هذا الاتباع بل يحيفون تاركه فما احق هذه الآية: ﴿**ما لم ينزل به عليكم سلطاناً فاىّ الفريقين احقّ بالامن ان كنتم تعلمون**﴾ فتدبّر وانصف ولاتكن من الممترين۔ و نعوذ باللّٰه ان نكون من المتعصّبين۔

تذنيب:اعلم انّه لمّا ثبت رفع اليدين فى مواضع الاربعة المذكورة بروايات صحيحة ثابتة وآثار مرضية راجحة ومذهب حقة صادقة عن النّبى ﷺ عن كبراء الصحابة و عظماء العلماء والفقهاء المجتهدين بحيث لايشوبها نسخ ولاتعارض حتى ادعى بعضهم التواتر ولا اقل من ان تكون مشهورة۔ ❶

---

❶ تنویر العینین۔ مختصراً

ترجمہ عبارت تنویر العینین

سچی بات یہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع جاتے وقت اور رکوع کے بعد قیام کرتے ہوئے اور تیسری رکعت کے شروع قیام میں رفع یدین کرنا سنن ہدائت میں سے غیر مئو کدہ سنت ہے۔ چناں چہ رفع یدین کرنے والے کو اسکے فعل کے مطابق ثواب ہوگا۔ اگر ہمیشہ یہ عمل کیا تو اس کے مطابق، اور اگر ایک مرتبہ کیا تو اس کے مطابق۔ اور کوئی شخص ساری عمر رفع یدین نہ کرے تو اسے ملامت نہ کرنی چاہیے۔ لیکن اگر کوئی شخص مسئلہ رفع الیدین کے متعلق احادیث کو جاننے کے باوجود اس سنت کے فاعل پر طعن کرتا ہے تو اس کو اس آیت میں داخل کیے جانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء:۱۱۵)

”جو شخص راہ ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد بھی رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیتے ہیں جدھر وہ جانا چاہے اور ہم اسے جہنم میں ڈال دیں گے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔“

ہم سنت ہدایت سے مراد ہر اس فعل کو سمجھتے ہیں جو فرض نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی مخصوص نہ ہو، بلکہ اسے آپ نے بھی کیا ہو اور خلفائے راشدین نے بھی کیا ہو، اور یا پھر اس کام کے کرنیکا حکم بھی کیا ہو، یا آنحضرت ﷺ کے سامنے کوئی کام کیا گیا تو آپ ﷺ نے اسکو برقرار رکھا ہو، اور پھر وہ فعل اجماعاً منسوخ ومتروک بھی نہ ہو، غیر مئوکدہ کا مطلب یہ ہے کہ جس کام کو انہوں نے کبھی کیا اور کبھی چھوڑ دیا ہو۔ اور فعل کی قید سے رفع یدین نہ کرنا سنت ہدی سے خارج ہو گیا کیونکہ عدم (نفی) کو فعل (ایجاب منع) کہا جا سکتا ہے۔ [1]

---

[1] اگر رسول اللہ ﷺ، اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں کبھی بھی کوئی کام نہ کیا گیا ہو اور آپ کے بعد وہ کام شروع کر دیا جائے تو اسے بدعت کہا جائے گا اور بدعت کے مفہوم میں سنت کا ازالہ داخل نہیں ہوسکتا جب تک کہ عدم رفع یدین کو کلمہ سنت ہونا ثابت نہ کیا جا سکے بلکہ بدعت سے مراد وہ فعل ہے جو نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں نہ کیا گیا ہو۔

ہمارے غیر فرض کہنے سے تمام فرائض خارج ہو گئے۔ اور غیر مختص کہنے سے رسول اللہ ﷺ کے تمام خصوصی نوافل خارج ہو گئے، جیسے روزے کا وصال۔ ہمارے لم ینسخ کہنے سے تمام متروک سنتیں خارج ہو گئیں۔ جیسے جنازہ دیکھ کر کھڑا رہنا، اور لم یترك بالاجماع کہنے سے تمام متروک سنتیں خارج ہو گئیں جیسے دو سجدوں کے درمیان رفع یدین کرنا۔ چنانچہ یہاں ایک مقدمہ تمہید کے بعد نو مقامات کا بیان ہوگا۔

تمہید امور مرجحہ: دو متعارض حدیثوں میں سے ایک کو ترجیح دیتے وقت پہلے اس کی سند کی قوت کو دیکھیں گے۔ پھر اس کی شہرت اور پھر صحابہ کے عمل کی کثرت دیکھ کر ترجیح دینگے۔

○......مقام اول میں نبی ﷺ کے چار جگہوں میں رفع الیدین کرنیکا ثبوت ہوگا۔

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ رفع الیدین کی حدیثیں اس حدیث سے زیادہ مشہور ہیں جس میں سر کے چوتھے حصے کے مسح کی فرضیت کا ذکر ہے اور جسے ایک مجمل آیت کا بیان ظاہر کیا گیا ہے اور اسی طرح بعض حدیثوں سے بھی زیادہ مشہور ہیں جن میں بعض اعمال کے سنت ہونے کی بنا رکھی گئی ہے۔ جیسے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنا اور تشہد میں انگلی کا اٹھانا اور نماز تسبیح۔ چنانچہ ہم یہاں رفع الیدین کی بعض احادیث ذکر کرتے ہیں۔

(۱)......ان احادیث میں بخاری و مسلم کی وہ روایت بھی ہے جو عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھوں تک اٹھایا کرتے تھے اور رکوع سے اٹھتے وقت یہ کلمات بھی فرماتے سمع اللّٰہ لمن حمدہ (کہ اللہ نے تعریف کرنے والے کی تعریف سن لی) اور آپ ﷺ سجدوں میں ایسا نہیں کرتے تھے۔

(۲)......امام بخاریؒ نے حضرت نافع سے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ بے شک عبداللہ بن عمرؓ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کو جاتے اور جب رکوع سے سر اٹھا کر سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہتے اور جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو ان سب مقامات پر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے۔ پھر عبداللہ بن عمرؓ اپنے اس فعل کو نبی ﷺ تک پہنچاتے۔

(۳)......اسی طرح امام مالک بھی مؤطا میں عبداللہ بن عمرؓ سے اس روایت کو لائے ہیں۔

(۴)......امام نسائیؒ نے بھی علقمہ بن وائلؓ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ علقمہ اپنے

باپ وائلؓ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس میں نے دیکھا کہ جب آپ ﷺ نے نماز شروع کی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور جب رکوع گئے تب بھی، اور جب سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہا پھر بھی اسی طرح کیا۔ اور قیس نے اپنے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کیا۔

(۵)...... نیز امام نسائی کہتے ہیں کہ محمد بن عمرو بن عطا کہتے ہیں کہ اس نے ابو حمید ساعدیؓ سے سنا وہ حدیث بیان کرتے ہوئے کہتے تھے کہ نبی ﷺ جب دو رکعت نماز پڑھ کر کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر اٹھا کر ایسا ہی کرتے جیسے نماز شروع کرتے وقت کیا تھا۔

(۶)...... امام بخاریؒ، ترمذیؒ، ابن ماجہؒ اور دوسرے محدثین نے اور نسائیؒ نے اسی کی مثل حضرت سالم سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے۔ ابن عمر فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب رکوع جاتے ہوئے اللہ اکبر کہتے تو بھی اسی طرح کرتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے پھر بھی ایسا ہی کرتے۔

(۷)...... نیز بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی نے روایت بیان کی ہے کہ ابو قلابہ نے مالکؓ بن حویرث کو دیکھا جب اس نے نماز شروع کی، اللہ اکبر کہا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا، اور جب رکوع کا ارادہ کیا، پھر بھی ایسا ہی کیا، اور جب رکوع سے سر اٹھایا تو بھی اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ اور پھر حدیث بیان کی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔

(۸)...... امام مسلمؒ نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت بیان کی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، جب آپ نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھوں کے برابر اٹھاتے، اور رکوع سے پہلے بھی اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی ایسا ہی کرتے، اور دو سجدوں کے درمیان ایسا نہ کرتے۔

(۹)...... امام احمدؒ، ابو داؤدؒ، ابن ماجہؒ نے عمرو بن عطاء سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے ابو حمید ساعدی سے سنا جو نبی ﷺ کے اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے ہیں (ایک ان میں سے حضرت قتادہ بھی ہیں اور ابن ماجہ نے دوسری جگہ ذکر کیا ہے کہ ان میں سے سہل بن

سعد اور محمد بن مسلمہ بھی ہیں) ابو حمید نے کہا میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو جاننے والا ہوں کہ آپ جب نماز میں کھڑے ہوئے تو سیدھے کھڑے ہو گئے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھوں تک اٹھایا ، پھر فرمایا اللہ اکبر اور جب رکوع کا ارادہ کیا تو اس وقت بھی اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھایا ، جیسا کہ شروع نماز میں کیا تھا ۔

(۱۰)......امام ترمذیؒ نے علیؓ بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب فرض نماز کے لئے کھڑے ہوتے اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے ، اور جب قرأت پوری کرتے تو بھی ایسا کرتے ۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی ایسا ہی کرتے ۔ اور جب حالت نماز میں بیٹھتے تو کسی موقعہ پر بھی اپنے ہاتھ نہ اٹھاتے ۔ اور جب دو رکعت پڑھ کر اٹھتے تو پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے ، اسی طرح پوری حدیث بیان کر دی ۔ امام ترمذیؒ نے کہا یہ حدیث حسن ہے ۔

(۱۱)......ابن ابی شیبہ نے عبد ربہ بن زیتون سے روایت کی ہے کہ عبد ربہؒ نے کہا کہ ام درداء جب نماز شروع کرتی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتی اور جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہتا تو اس وقت بھی اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر ربّنا لك الحمد کہتی ۔

(۱۲)......امام احمد ، ابو داؤد ، ابن ماجہ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے اور جب رکوع جاتے تو بھی ایسا ہی کرتے ۔

(۱۳)......امام ابو داؤدؒ ، ابن ماجہؒ نے حضرت وائلؓ بن حجر سے روایت کی ہے ، وائلؓ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت دیکھنا چاہی ، پس آپ ﷺ قبلہ رو کھڑے ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے برابر اٹھایا ۔ پھر جب رکوع کیا تو اسی طرح کیا ، پھر جب رکوع سے سر اٹھایا تو بھی ایسا ہی کیا ۔

(۱۴)......امام ابن ماجہؒ نے عبد اللہ بن زبیرؓ سے روایت کی ہے کہ بے شک جابر بن عبد اللہؓ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب رکوع کرتے تو بھی ایسا ہی کرتے اور فرماتے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے ۔

(۱۵)......امام ابو داؤد نے میمون مکی سے روایت کی ہے کہ اس نے عبد اللہ بن زبیرؓ کو

نماز پڑھاتے دیکھا کہ بوقت قیام اور بوقت رکوع اور بوقت سجدہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے اور جب دوبارہ قیام کا ارادہ کیا تو بھی ایسا ہی کیا۔ چنانچہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ایسی نماز پڑھتے دیکھا ہے کہ اور کسی کو اس طرح نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ پھر میں نے اشاروں کا بیان کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھنا پسند کرتا ہے تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھا کر۔

(۱۶)......امام نسائی نے عاصم بن کلیب سے روایت کی ہے کہ میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ بے شک انہیں وائل رضی اللہ عنہ بن حجر نے بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت دیکھنا چاہتا تھا، پس میں نے دیکھا کہ آپ کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کانوں کے برابر تک اٹھائے، پھر اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے بند دست اور کلائی پر رکھا، پھر جب رکوع کا ارادہ فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو پھر اسی طرح اٹھایا۔ پھر وائل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنے دونوں پنجے اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھے، پھر جب رکوع سے اپنے سر کو اٹھایا تو پھر اسی طرح ہاتھ اٹھائے پھر سجدہ میں جا کر اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنے کانوں کے برابر رکھا، پھر بیٹھ کر اپنے دائیں پاؤں کو بچھا لیا، پھر اپنی بائیں ہتھیلی کو اپنی ران اور بائیں گھٹنے پر رکھ لیا اور دائیں کہنی کی نوک کو اپنی دائیں ران پر رکھا۔ پھر اپنی دونوں انگلیاں بند کر کے حلقہ بنا لیا۔ پھر اپنی شہادت کی انگلی کو (اپنے گھٹنے پر) رکھ دیا پھر میں نے دیکھا کہ آپ دعا کر رہے ہیں اور اس انگلی کو حرکت بھی دے رہے ہیں۔

الغرض رفع الیدین کے موضوع پر اتنی احادیث ہیں کہ اس جگہ ان کے بیان کی گنجائش نہیں ہے، البتہ ہم ان کے راویوں کے نام یہاں ذکر کر دیں گے

مجد الدین فیروز آبادی رحمہ اللہ، سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں کہ بیشک مسئلہ رفع الیدین کے بارہ میں جو اخبار و آثار بیان کئے جاتے ہیں انکی تعداد چار سو تک پہنچ جاتی ہے۔ (انتہی)

ہم یہاں ان میں سے بعض کے اسماء گرامی پیش کرتے ہیں۔ پس ان میں دس وہ صحابی ہیں جنہیں دنیا میں جنت کی خوشخبری سنا دی گئی تھی۔ حاکم کہتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ نے سوائے رفع الیدین کی سنت کے اور کسی سنت کو اس طرح اکھٹے بیان نہیں کیا۔

ان میں سے وہ دس صحابی بھی ہیں جن کے سامنے ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے یہ روایت بیان کی

اور انہوں نے ابوحمید ساعدیؓ سے سننے کے بعد فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے۔

ان میں سے حسن بن علیؓ، سہلؓ، زیدؓ، عقبہؓ، ابومسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، سلمانؓ، ابوموسیٰؓ، ابو سعیدؓ، عائشہؓ، بریدہؓ، عمارؓ، اور ام درداءؓ بھی ہیں۔

ابوعیسی ترمذیؒ مسئلہ رفع یدین میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایت رسول اللہ ﷺ سے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، وائلؓ بن حجر، مالکؓ بن حویرث، انسؓ، ابی ہریرہؓ، ابوحمیدؓ، ابی سعیدؓ، سہلؓ بن سعد، محمدؓ بن مسلمہ، ابی قتادہؓ، ابی موسی اشعریؓ، جابرؓ، عمرو اللیثیؓ سے بھی روایات ہیں۔

ابوعیسیؒ نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور نبی ﷺ کے بعض اہل علم صحابہ بھی اس حدیث کے قائل ہیں۔ ان میں سے عبداللہ بن عمرؓ، جابرؓ، ابوہریرہؓ، انسؓ، ابن عباسؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ وغیرھم ہیں۔ تابعین میں سے حسن بصریؒ، عطاءؒ، طاؤسؒ، مجاہدؒ، نافعؒ، سالمؒ بن عبداللہ، سعیدؒ بن جبیر وغیرھم ہیں۔ عبداللہ بن مبارکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ عبداللہ بن مبارکؒ، زھری عن سالم عن ابیہ کی روایت بیان کر کے فرماتے ہیں کہ رفع یدین کی حدیث ثابت ہے۔ لیکن ابن مسعود کی وہ حدیث، جس میں انہوں نے کہا ہے کہ بے شک نبی ﷺ نے صرف ایک ہی مرتبہ رفع یدین کی ہے، ثابت نہیں ہے۔ عبداللہ بن مبارک کا یہ قول ہمیں احمد بن اسحاق عبدۃ الآملی نے بتایا۔ اس نے کہا کہ ہمیں یہ بات وہب بن زمعہ نے بتائی، انہوں نے کہا کہ سفیان بن عبدالملک نے عبداللہ بن مبارک سے یہ روایت بیان کی ہے۔

○......مقام ثالث اس بات کی تحقیق کہ نبی ﷺ رفع یدین بطور عادت کے نہیں بلکہ قرب اور عبادت کے طور پر کرتے تھے۔ بظاہر نماز کے سارے افعال عبادت میں داخل ہیں خصوصاً جب اس فعل کی نماز کے علاوہ بھی عادت نہ ہو۔ نیز اگر یہ عادت کے طور پر ہوتا تو صحابہ اور فقہاء اسکی روایت کا اتنا اہتمام نہ فرماتے۔

○......چوتھا مقام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض وقتوں میں اسے ترک بھی کیا ہے یا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے اوپر لازم نہیں کر لیا تھا۔ بلکہ کبھی آپ ﷺ کر لیتے تھے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے۔

○...... پانچواں مقام یہ ہے کہ رفع یدین کی منسوخی ثابت نہیں ہے۔ اس بحث میں پہلے اس بات کو جاننا چاہیے کہ مدعی نسخ اس حکم کی منسوخی ثابت کرنے والا ہے اور اس کے ظاہر پر عمل کرنے والا اس بات کا منکر ہے کیونکہ ظاہر بات یہی ہے کہ جو بات رسول اللہ سے ثابت ہو جائے ہمارے ذمہ اس کی اتباع اس وقت تک لازم ہے جب تک اس کے نسخ کی دلیل نہ مل جائے۔ پس منکر نسخ کو نسخ کے دلائل پر جرح کرنا کافی ہے۔ پھر جب یہ بات پوری ہو جائے گی تو اسکا مدعا ثابت ہو جائے گا۔ چناں چہ نسخ کے قائل لوگوں نے بہت سی روایات سے نسخ پر استدلال کیا ہے۔

(۱)...... ان میں وہ حدیث بھی ہے جسے ترمذیؒ نے علقمہؒ سے روایت کیا ہے: علقمہؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے نماز پڑھی اور سوائے پہلی بار کے رفع یدین نہ کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی نماز پڑھائی ہے۔

(۲)...... ان میں سے وہ روایت بھی ہے جو ابو داؤد نے براء بن عازب سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نماز شروع کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے اور پھر ایسا نہ کرتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو سلام پھیرنے تک نہ اٹھاتے تھے۔

(۳)...... ان میں سے ایک وہ روایت بھی ہے جو امام محمد نے مؤطا[1] میں عاصم بن کلیب جرمی سے، اس نے اپنے باپ کلیب سے، کہ میرے باپ نے کہا کہ بے شک حضرت علیؓ بن ابی طالب تکبیر اولی میں ہی اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے۔

(۴)...... نیز امام محمد مؤطا میں ہی روایت کرتے ہیں کہ عبدالعزیز بن حکیم[2] نے کہا میں نے عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو سوائے تکبیر اولی کے نہیں اٹھاتے تھے۔

(۵)...... انہی میں سے وہ روایت ہے جو طحاویؒ نے مجاہدؒ سے روایت کی ہے کہ مجاہدؒ نے کہا میں نے عبداللہ بن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ تکبیر اولی کے سوا کہیں بھی اپنے ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

---

❶ مئوطا امام محمد کے ص ۹۴ میں الفاظ دوسرے ہیں

❷ راوی مختلف فیہ ہے

(۶)......اسودؒ سے بھی روایت بیان کی گئی ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے عمرؓ بن خطاب کو دیکھا کہ وہ تکبیر اولی کے سوا کہیں بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(۷)...... ابن ہمامؒ نے دارقطنیؒ اور ابن عدیؒ سے نقل کیا ہے۔ اس نے محمد بن جابر سے، اس نے حماد بن ابی سلیمان سے، اس نے علقمہؒ سے، اس نے ابن مسعودؓ سے، ابن مسعودؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی وہ سوائے شروع نماز کے کسی جگہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(۸)......نہایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے دیکھا، کہ وہ رکوع جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتا ہے، تو آپ نے فرمایا ایسا مت کر کیونکہ یہ ایسا کام ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے شروع میں کیا تھا پھر چھوڑ دیا اور منسوخ کر دیا گیا۔

(۹)......نہایہ میں یہ بھی ہے کہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رفع یدین کی، ہم نے بھی کی، آپ ﷺ نے چھوڑ دی، ہم نے بھی چھوڑ دی۔

(۱۰)...... حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ عشرہ مبشرہ نماز شروع کرتے وقت ہی رفع یدین کرتے تھے۔

(۱۱)...... ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے اپنی مصنف میں ابن عباسؓ سے بسند موقوف روایت بیان کی ہے کہ ان سات جگہوں کے سوا کسی موقعہ پر رفع یدین نہ کرے (جن کی تفصیل یہ ہے) تکبیر اولی۔ استقبال قبلہ۔ مزدلفہ۔ جمرتین کے پاس۔ منی۔ مروہ۔ صفا۔ صاحب ہدایہ نے اس حدیث کو بیان کر کے اس سے عدم رفع یدین پر استدلال کیا ہے۔

پہلے ہم اس پر کلام کرتے ہیں کہ آیا یہ دلائل ثابت بھی ہیں یا نہیں؟ اور دوسری گفتگو رفع یدین کے دلائل پر ہوگی۔

ثبوت نسخ کے دلائل میں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو اگرچہ امام ترمذیؒ نے حسن کہا ہے لیکن امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ ابن المدینیؒ اور دارقطنیؒ نے اسے مردود کہا ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی دوسری کتاب میں اسے ضعیف کہا ہے جیسا کہ محمد فاخر زائر الہ آبادیؒ نے امام بخاریؒ کا وہ قول نقل کیا ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ اسی وجہ سے امام بخاریؒ

نے اپنی دوسری کتاب میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سندوں سے رفع یدین والی احادیث کی سندیں زیادہ صحیح ہیں۔ لیکن براءؓ بن عازب کی حدیث جس میں لا یعود یا لا یرفعھما کا کلمہ موجود ہے۔ یہ ثمّ لا یعود کا کلمہ سوائے شریک کے (جس نے یہ روایت یزید بن زیاد سے بیان کی ہے) کسی نے نہیں کہا۔ اور شریک کو ضعیف گردانا جاتا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اپنی جامع کے سوا دوسری جگہوں میں اسے ضعیف کہا ہے۔ امام ابو داوٗدؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو ہشیم، خالد اور ابن ادریس نے بھی یزید بن ابی زیاد سے روایت کیا ہے لیکن انہوں نے ثمّ لا یعود کا کلمہ ذکر ہی نہیں کیا۔ سفیان بن عیینہ سے حکایت بیان کی گئی ہے کہ یزید نے جب یہ روایت کوفہ جانے سے پہلے ان سے بیان کی تو اس میں ثمّ لا یعود کا کلمہ ذکر نہیں کیا۔ پھر جب واپس آیا تو یہ کلمہ اس میں زیادہ کر دیا۔ اسی وجہ سے اس روایت میں غلطی اور نسیان کا احتمال ہے۔ بعض لوگوں نے ابو داوٗدؒ کی اس روایت کو اپنی سند خاص سے ضعیف کہنے کی جو تاویل کی ہے ان کی تاویل نا قابل اعتبار ہے کیونکہ شریک اور ابن ابی زیاد اس روایت کے بیان کرنے میں اکیلے ہیں۔ پس جب سند ہی ضعیف ہے تو حدیث کیسے صحیح ہو گی؟ کیونکہ اس حدیث کی اس کے سوا اور کوئی سند ہی نہیں ہے۔ اور اگر کسی شخص کے دل میں ابو داوٗد کے اس قول کے بارے میں (جس میں تین عادل شخصوں کی روایت یزید بن ابی زیاد سے بیان کی گئی ہے) اور شریک کے منفرد ہونے کی وجہ سے تعارض کا وہم پیدا ہو جائے تو اس کا جواب وہ عیینہ والی حکایت ہے جس میں ہے کہ اس کے نسیان اور غلطی کی وجہ سے لوگوں نے اس سے روایت لینا ہی چھوڑ دی تھی۔ لہذا اس وجہ سے شریک منفرد ہی رہ گیا۔

مؤطا امام محمد میں عاصم بن کلیب کی روایت بعض علماء کے روایت کرنے کے باوصف ضعیف ہے۔ ابن حبانؒ نے اس روایت کو وہاں ضعیف کہا ہے جہاں اس نے کہا ہے کہ اس کی روایت میں شک ہے کیونکہ یہ روایت اس حدیث کی مخالف ہے جس میں محی السنہؒ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو قائلین رفع یدین میں شمار کیا ہے۔ اور اسی کی مثل ترمذیؒ، ابو داوٗدؒ اور احمدؒ وغیرھم نے بھی ذکر کیا ہے۔

عبد العزیز بن حکیم کی وہ روایت بھی امام بخاریؒ و امام مسلمؒ وغیرھما کی اس روایت کے مخالف ہے جس میں نافع سے روایت ہے کہ بیشک جب عبد اللہ بن عمرؓ نماز میں داخل ہوتے تو

اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ اٹھاتے اور رکوع جاتے وقت بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ اسی طرح مجاہد سے طحاویؒ کی روایت ہے۔ لیکن ابن مسعودؓ کی روایت جس میں عدم رفع یدین کو نبی ﷺ اور شیخین کا فعل کہا گیا ہے محدثین کے نزدیک ثابت ہی نہیں ہے۔ بلکہ حضرت عمرؓ سے اس کے خلاف ثابت ہے جیسا کہ اسے امام ترمذی نے ذکر کیا ہے۔ نیز اسی طرح حاکم نے اسے عشرہ مبشرہ کا فعل ذکر کیا ہے۔ حالانکہ پہلے گزر چکا ہے کہ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی وہ روایت ثابت ہی نہیں جس میں ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے سوائے پہلی مرتبہ کے رفع یدین ہی نہیں کی۔ اور یہ روایت جابرؓ بن عبداللہ سے ہے۔ بے شک ابن حبانؒ نے کہا ہے کہ کلمہ ارفع یــدیك ابن جابر کی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ احمد ابن تیمیہ اور ابن جوزی نے جابر کی روایت کو موضوع کہا ہے۔ نہایہ شرح ہدایہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کا جو قول ذکر کیا گیا ہے وہ بھی میمون مکی والی مذکورہ حدیث کے مخالف ہے اور نہ ہی کتب محدثین میں اس کی صحیح سند پائی جاتی ہے۔ ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے ابن عباسؓ کا جو قول نقل کیا ہے وہ عبداللہ بن عباسؓ کا اپنا قول ہے مرفوع حدیث نہیں ہے جیسا کہ میمون مکی کی روایت گزر چکی ہے۔

امام ترمذیؒ نے عبداللہ بن عباسؓ کو قائلین رفع الیدین میں شمار کیا ہے کیونکہ عیدین اور قنوت میں رفع یدین سے یہ دلیل ٹوٹ جاتی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے۔ اس وجہ سے کہ ابوبکر بن ابی شیبہ کے مشہور و متداول نسخوں میں جو عبارت ہے وہ اس عبارت کے خلاف ہے۔ وہ عبداللہ بن عباسؓ کی وہ روایت ہے جس میں یوں ہے کہ سات جگہوں میں رفع یدین کی جائے بوقت قیام نماز۔ اور جب بیت اللہ کو دیکھے۔ صفا، مروہ، مزدلفہ اور جمرتین کے نزدیک۔ تیسری دلیل کے مطابق۔ یہ عبارت حصر پر دلالت نہیں کرتی ہے۔

دوسری گفتگو رفع یدین کی منسوخی کے مذکورہ دلائل کے بارہ میں ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ یہ سارے دلائل عبداللہ بن زبیرؓ کے قول کے سوا جس میں وہ فرماتے ہیں کہ رفع یدین ابتدائے اسلام میں تو تھی، پھر منسوخ کر دی گئی اور سوائے عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کے کہ آپ ﷺ نے چھوڑ دی، تو ہم نے بھی چھوڑ دی، اس شخص پر حجت نہیں ہو سکتے جو رفع یدین کے وجوب کا قائل ہے کیونکہ ایک دفعہ چھوڑنا بھی وجوب کے منافی ہے۔ اور نہ ہی یہ اس شخص پر حجت ہے جو اس کے سنت مؤکدہ ہونے کا قائل ہے۔ بوجہ اس شخص پر فضیلت کے جو اس

کے سنت غیر مئوکدہ ہونے کا قائل ہے، کیونکہ نبی ﷺ کبھی سنت مئوکدہ بھی ترک کر دیا کرتے تھے۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ سنت مئوکدہ کے ترک کرنے کے بارے میں اصول بن چکا ہے کہ ایک مرتبہ بھی پیغمبر کا کسی فعل کو کرنا، بغیر اس فعل کے چھوڑنے کے، اس کے وجوب کی دلیل ہے، پھر تو سنت مئوکدہ کے ترک کا بھی ضرور قائل ہونا پڑے گا تا کہ وجوب لازم نہ آئے۔ پس رفع یدین اور ترک رفع یدین کی احادیث کے درمیان کسی قسم کا تعارض نہیں ہے اور عدم رفع یدین کے بارہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے اس قول سے (جس میں ہے کہ میں نے تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھائی ہے) استدلال اس جگہ غیر قوی ہے، کیونکہ بسا اوقات ایک فعل کو کسی دوسرے ایسے فعل کے ساتھ تشبیہ دے دی جاتی ہے جو کسی صفات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اسی طرح اکثر صفات میں اشتراک کے اعتبار سے اور بعض صفات میں عدم اشتراک کی طرف توجہ کی جائیگی۔ خصوصاً اس صفت کا نہ ہونا جس کی وجدان سلیم گواہی دیتا ہے، لیکن ظاہر عبادت سے تمام صفات کا مشترک ہونا سمجھا جاتا ہے جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو۔

پس عبداللہؓ بن مسعود کا قول نبی ﷺ کے عدم رفع یدین پر ظاہر الدلالۃ ہے اور مذکورہ احادیث آنحضرت کے رفع یدین کرنے پر نص کا حکم رکھتی ہیں۔ پس ان دونوں صورتوں کے درمیان تعارض فرض کر لینے سے عبداللہؓ بن مسعود کا قول اس کے مخالف نہیں ہوگا۔ پس اس صورت میں تعارض کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے کیونکہ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ نبی ﷺ کی نماز اس طرح نہیں تھی۔ اور اسی جگہ اگر براء بن عازب کے قول ثمّ لایعود کی صحت کو ہم تسلیم کرلیں اور اس مشہور تاویل سے اعراض کرلیں (کہ لا یعود کا معنی یہ ہے کہ آپ دوسری رکعت کے شروع میں پہلی رکعت کی طرح رفع یدین نہیں کرتے تھے جیسا کہ صاحب فتوحات نے ذکر کیا ہے) اور اگر لایعود کو مضارع کا صیغہ سمجھ کر اس سے ہمیشگی کا عمل مراد لیں تو پھر بھی یہی استدلال ہوسکتا ہے کہ براء بن عازب نے نبی ﷺ کے فعل رفع یدین کو نہیں دیکھا۔ اس سے مطلق عدم رفع تو لازم نہ آئے گی اور مدعا ایک دفعہ رفع یدین سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اور بعض ضابطین حدیث نے نقل کیا ہے [1] کہ براء بن عازب رفع یدین کے راویوں میں سے بھی ہیں۔

---

[1] خصوصاً رفع یدین کرنے والا صحابہ میں سے اور ان کے سوا بھی

عدم رفع یدین کی باقی دلیلیں آ ثار صحابہ ہیں۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ صحابی کا فہم حجت نہیں ہے۔ جب کہ عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہؓ بن مسعود کے سوا کسی ایک سے بھی رفع یدین کا نسخ نقل نہیں کیا گیا بلکہ یہ روایات ان کے ہمیشہ رفع یدین نہ کرنے پر دلالت ہی نہیں کرتیں بلکہ ان روایات سے دوام اور عدم دوام سے قطع نظر مطلق عدم رفع یدین سمجھا جاتا ہے۔ جب ان مخالف روایتوں کو رفع یدین پر دلالت کرنے والی روایات سے ملایا جائے گا تو اس سے یہی ثابت ہوگا کہ صحابہ نے کبھی رفع یدین کی اور کبھی چھوڑ دی، تو مدعی کو یہی بات مطلوب ہے، لیکن عبداللہ بن مسعود کا یہ قول (وترك فتركنا) آپ ﷺ نے رفع یدین چھوڑی تو ہم نے بھی چھوڑ دی۔ پس اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ نبی ﷺ کے ترک رفع یدین سے ہم نے نسخ سمجھ لیا۔

پس نسخ عبداللہ بن مسعود کا فہم ہے اور یہ بات بیان ہو چکی کہ صحابی کا فہم حجت نہیں ہوسکتا، خصوصاً جب کہ دوسرے صحابی کا فہم اس کے مخالف ہو۔ لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کے قول فترکنا سے رفع کے ترک پر اجماع سمجھا جاتا ہے۔ بظاہر یہ قول اجماع پر دلالت کرتا ہے حالانکہ اس کے مخالف آثار نص کا حکم رکھتے ہیں، تو ایک شخص کا قول آثار کے معارض نہیں ہوسکتا۔ ہاں عبداللہ بن زبیرؓ کا قول نسخ اصولی طور پر نص ہوسکتا ہے، لیکن اس کا تو محدثین کے نزدیک وجود ہی نہیں ہے۔ اور ناسخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ شہرت اور دلالت کے لحاظ سے منسوخ کے برابر ہو، پھر عبداللہ بن مسعود کے اس قول سے جو دلیل سے قاصر ہے اور اس قول سے جسے ثقہ لوگوں میں سے کوئی نہیں جانتا آپ ﷺ کے فعل رفع یدین کو کیسے منسوخ سمجھا جا سکتا ہے جب کہ ثقہ محدثین نے ثقہ راویوں سے ان صحیح اور مشہور احادیث کو روایت کیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ترک رفع یدین میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے افعال کے سوا کچھ نقل ہی نہیں کیا جاتا اور فعل سے عموم ثابت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کبھی آپ نے ان افعال کو چھوڑ بھی دیا۔ اور جب رفع یدین پر دلالت کرنے والی احادیث اور آثار کو ان کے ساتھ ملا لیا جائے تو یہ چیز اصل مدعا کو فائدہ دینے والی ہے کیونکہ اس کے منسوخ ہونے پر سنت غیر مؤکدہ کا ترک دلیل نہیں بن سکتا بلکہ پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ سنت غیر مؤکدہ کو کبھی کبھی چھوڑ دے تاکہ اسکا غیر مؤکدہ ہونا ثابت ہو جائے۔ پھر بعض صحابہ نبی ﷺ کی موجودگی میں سنن کو چھوڑ دیتے جیسے کہ اس پر آپ ﷺ کا وہ قول دلیل ہے جس میں آپ ﷺ نے

صحابہ سے نماز فجر کو پورا کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ جو شخص تم میں سے نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتا تھا، وہ بعد میں پڑھ لے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ سارے کے سارے صحابہ یہ دو رکعتیں فجر کی نماز سے پہلے نہیں پڑھا کرتے تھے حالانکہ وہ دو سنتیں باقی سنن سے زیادہ مئوکدہ ہیں۔ اس دلیل سے صحابہ کا سنت غیر مئوکدہ پر دوام کیسے ثابت ہوگا جبکہ بعض صحابہ کے نزدیک اس کی سنیت بھی ثابت نہیں ہے، پس اسی وجہ سے وہ رفع یدین کی سنت ادا نہیں کرتے تھے اور صحابہ کے رفع یدین نہ کرنے سے اس کا سنت ہونا باطل نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ابوسلیمان خطابی کا قول ہے کہ ممکن ہے عبداللہؓ بن مسعود پر رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی طرح رفع یدین والا مسئلہ بھی مخفی رہ گیا ہو، جیسا کہ وہ پہلے دستور کی طرح ہمیشہ اپنے دونوں ہاتھوں کو رکوع میں اپنی رانوں کے درمیان ملایا کرتے تھے، حالانکہ تمام صحابہ نے اس مسئلہ میں ان کا خلاف کیا ہے۔

○...... چھٹے مقام میں ترک رفع یدین پر اجماع نہ ہونے کا بیان ہے، اور یہ بات بیان کرنے کی حاجت ہی نہیں کیونکہ مسئلہ رفع یدین تو اس لائق ہے کہ اس کے اجماع پر بلا مبالغہ دعوی کیا جائے۔ چنانچہ ہم یہاں قائلین رفع یدین کے اسماء گرامی ظاہر کرتے ہیں تاکہ باقی لوگوں کیلئے نمونہ ہو جائے۔

سو ہم کہتے ہیں کہ محی السنۃ (امام بغویؒ) نے جن لوگوں کو شمار کیا ہے ان میں ابوبکرؓ اور علیؓ ہیں۔ امام ترمذیؒ نے صحابہ میں سے عبداللہ بن عمرؓ، جابرؓ بن عبداللہ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن زبیرؓ کا نام لیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے تابعین میں سے حسن بصریؒ، عطاؒ، طاؤسؒ، مجاہدؒ، نافعؒ، سالمؒ بن عبداللہ، سعیدؒ بن جبیر کو شمار کیا ہے۔ محی السنہؒ نے تابعین میں سے ابن سیرینؒ، قتادہؒ، قاسمؒ بن محمد اور مکحولؒ کو شمار کیا ہے۔ فقہاء میں سے امام ترمذیؒ نے عبداللہ بن مبارکؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اور اسحاقؒ کو شمار کیا ہے۔

محی السنہؒ نے فقہاء میں سے اوزاعیؒ اور مالکؒ کا ذکر کیا ہے۔ محی السنہ کا کہنا ہے کہ امام مالکؒ نے آخر وقت میں فرمایا کہ بعض علماء نماز کی بیان کردہ جگہوں میں رفع یدین کے واجب ہونے کی طرف گئے ہیں، جیسا کہ صاحب فتوحات وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک یہ سنت ہے۔ جیسا کہ عبداللہؓ بن مسعود اور علی بن مدینیؒ کا قول ہے کہ مسلمانوں پر

رفع یدین کرنا ضروری ہے۔ امام زہریؒ کی حدیث سالم بن عبداللہ سے اس کی دلیل ہے جو سالمؒ نے اپنے باپ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ اور سوائے انکے اس مقام پر انکے ذکر کی گنجائش نہیں ہے اور بعض لوگوں کے آثار انکے مخالف ہیں، لیکن وہ آثار ہمارے ذکر کردہ آثار سے کمزور ہیں، باوجودیکہ وہ معارضات بھی ہمارے دعوی کے منافی نہیں ہیں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اور (گو) ابن حاجب (مالکی) نے علم فقہ کے موضوع پر اپنی مختصر کتاب میں لکھا ہے کہ میں رفع الیدین کو نہیں جانتا، لیکن دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ رفع الیدین سنت ہے اور (مالکیوں کے ہاں) اس روایت کے قوی ہونے پر امام بغوی محی السنۃ کا یہ قول ہے کہ امام مالک اپنے آخری وقت میں اس کے سنت ہونے کے قائل ہو گئے تھے جیسا کہ اس پر مئوطا کی حدیث دلالت کرتی ہے۔

○......ساتویں مقام میں یہ بیان ہے کہ کیا سنت غیر مئوکدہ پر دوام کرنا اچھی بات ہے؟

بات یہ ہے کہ سنت غیر مئوکدہ پر ہمیشگی کرنا اچھی بات ہے اور اس پر ثواب ملے گا کیونکہ سلف اور خلف کا اس پر اتفاق ہے کہ چاشت کی نماز، نماز اشراق، عصر کی نماز سے پہلے کی چار رکعتیں اور طوال مفصل آیات کی تلاوت، ان امور پر ہمیشگی کرنا ان کے ترک سے بہتر ہیں حالانکہ یہ امور سنت غیر مئوکدہ ہیں اور یہ مضمون اتنا ظاہر ہے کہ اس کے دلائل تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔

○......آٹھواں مقام یہ ہے کہ سنت غیر مئوکدہ کے تارک کو ملامت نہ کی جائے اور یہ بات بھی اجماع سے ہے کہ ان سنتوں کے تارک پر ملامت نہ کرنا چاہیے اور عدم رفع یدین کے سنت ہونے کا جو وہم کیا جاتا ہے اور یہ جو سمجھا جاتا ہے کہ رفع یدین کے ترک پر بھی ثواب ملے گا تو اس کا جواب شروع کلام میں گزر چکا ہے۔ اگر سنت سے مراد وہ طریقہ ہو جس پر نبی ﷺ کے زمانے میں عمل رہا ہو تو اسکا معنی یہ ہو گا کہ ترک رفع یدین مع فعل رفع یدین سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ عدم رفع یدین کو بھی کافی سمجھتے تھے۔ اور بلاریب ایسی سنتوں پر عمل کرنے والا کوئی ثواب نہیں پاتا جیسا کہ جمعہ کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھنے والے کو ان دو رکعتوں کا ہی ثواب ملے گا، آخری دو رکعتوں کے ترک کا ثواب نہیں ملے گا۔ ہاں اسے نبی ﷺ کی اتباع کے طور پر یہ دو رکعتیں کفایت کر جائیں گی، اور چار رکعت پڑھنے والے کا ثواب پہلے ثواب

سے زیادہ مکمل ہوگا۔

○......مقام نہم میں ان اعتراضات کا جواب ہے جو رفع یدین کرنے والوں پر وارد کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ رافعین پر جو اعتراضات وارد کئے جاتے ہیں یا تو وہ عام رفع یدین کرنے والے پر ہوں گے یا خصوصاً حنفی مذہب کے لوگوں پر ہوں گے جن سے ہماری مراد وہ لوگ ہیں جو اکثر افعال تو حنفی مذہب کے مطابق کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی رفع یدین بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ پہلے اعتراضات یہ ہیں کہ جتنی روایات سے رفع یدین کرنے والے استدلال کرتے ہیں ان میں سب سے زیادہ قوی امام زہری کی وہ حدیث ہے جو انہوں نے سالم سے روایت کی ہے، اور سالم نے اپنے باپ عبداللہ بن عمرؓ سے روائت کی ہے۔

جیسا کہ امام ابن المدینی کے قول میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ امام زہری کی حدیث سے دلیل پکڑ کر رفع یدین کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی تو عبداللہ بن عمرؓ نے سوائے پہلی مرتبہ کے رفع یدین نہیں کی۔ یہ اصول مقرر ہو چکا ہے کہ جب صحابی کوئی حدیث بیان کرے لیکن خود اس پر عمل نہ کرے تو وہ حدیث حجت سے ساقط ہو جائے گی۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اگر ہم وجوب رفع کے قائل ہوتے تو مجاہد کا قول ابن عمرؓ کی نماز کے بارے میں ہم پر حجت ہوسکتا تھا حالانکہ ہم وجوب کے قائل نہیں ہیں کیونکہ مجاہدؒ نے عبداللہ بن عمرؓ کے ایک فعل کا ذکر کیا ہے، یہ نہیں کہا کہ آپ کبھی بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے بلکہ ایک خاص نماز کی کیفیت بیان کی ہے۔ اس کے برخلاف سالم اور نافع کی روایت گزر چکی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے نماز پڑھی، پس آپ نے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا۔ (آخر تک) اور یہ روایت مشہور حدیث ہے۔ پس ہم نے ان دو نوں اثروں کو جمع کیا تو ہمارا مطلب حاصل ہوگیا اور وہ یہ کہ آپ نے کبھی رفع یدین کی اور کبھی چھوڑ دی۔ پس تمہاری دلیل ہمارے لئے حجت ہوئی، ہم پر حجت نہ ہوئی۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ مسئلہ رفع یدین صحابہ کے زمانہ میں مشہور نہیں تھا، اکثر صحابہ رفع یدین نہیں کرتے تھے، بلکہ صحابہ کبھی کبھی کر لیا کرتے تھے جیسا کہ میمون کا عبداللہ بن عباسؓ کو کہنا اس پر دلیل ہے کہ میمون کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن زبیرؓ کو ایسی نماز پڑھتے دیکھا جس طرح اور کوئی نہیں پڑھتا تھا اگر یہ سنت غیر منسوخہ ہوتی تو یہ بات بعید از عقل ہے کہ اکثر صحابہ

اسے چھوڑ دیتے۔

ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ میمون کے کسی کو رفع یدین کرتے نہ دیکھنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ رفع یدین منسوخ ہوگئی، کیونکہ میمون نے بڑے بڑے صحابہ کی مجلس ہی نہیں دیکھی، اور نہ ہی میمون کی ان صحابہ سے ایسی روایت ثابت ہے جو ہمارا منتہائے مقصود ہے، کیونکہ اس فعل کا نادر ہونا تابعین کے زمانہ سے ثابت ہے اور تابعین کے زمانہ میں کسی سنت کا چھپ جانا بعید از عقل نہیں ہے، جیسا کہ نماز میں ہر خفض اور رفع کے موقع پر اللہ اکبر کہنا اسی زمانہ میں خفی ہوگیا، جیسا کہ امام بخاریؒ کی وہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے جو انہوں نے عکرمہ سے روایت کی ہے اور عکرمہ میمون سے زیادہ عالم ہے۔ چنانچہ عکرمہ نے ایک ایسے شخص سے متعلق عبداللہ بن عباسؓ کو بتایا جو اپنی نماز میں تئیس تکبیریں کہتا ہے۔ انہوں نے کہا بے شک وہ شخص احمق ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات میمون کے قول سے پیدا ہوئی کہ یہ روایت ان مذکورہ روایات کے مخالف ہے جو اکثر صحابہ کے اجماع اور تابعین کی کثیر جماعت کے اتفاق پر صریح دلالت کرتی ہے۔

یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ وسعت علم بلند مرتبت اور ہمیشہ نبی ﷺ کے ساتھ مجلس کرنے اور کثرت اجتہاد کے باوجود رفع یدین کے سنت ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اسی طرح کی روایت حضرت علیؓ سے بیان کی جاتی ہے پس اگر رفع یدین منسوخ نہ ہوتی تو یہ دونوں صحابی اسے کیوں چھوڑتے؟ اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے جو حکایت بیان کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ان کی روایت اس کے خلاف زیادہ صحیح ہے جیسے کہ ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں۔

رہے عبداللہ بن مسعودؓ تو ان سے رفع یدین کے انکار والی روایت صحیح نہیں بلکہ صرف ترک رفع یدین ہی صحیح ہے اور یہ بات ہمارے مطلوب کے منافی نہیں ہے۔ تسلیم کی صورت میں ہم یہ کہیں گے کہ بڑے بڑے صحابہ پر کئی چیزیں پوشیدہ رہ گئیں، جیسا کہ عبداللہ بن مسعودؓ پر رکوع میں گھٹنوں کا پکڑنا پوشیدہ رہ گیا، جیسا کہ گزر چکا۔ حضرت علیؓ پر امہات الاولاد کی بیع کی حرمت کا مسئلہ پوشیدہ رہا۔ حضرت عمرؓ پر جنبی مرد کیلئے تیمّم سے پاک ہونے کا مسئلہ پوشیدہ رہا۔ اور اس طرح کی بہت ساری مثالیں ہیں۔ علاوہ اس کے اکثر بڑے بڑے صحابہ کا اس پر

اتفاق بیان ہو چکا ہے جیسے ابوبکرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، جابرؓ وغیرھم۔ اوراسی طرح تابعین سے۔

یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، آپ کے شاگرد، امام ثوریؒ، ابن ابی لیلیؒ، ابراہیمؒ اپنے وسعت علم اور روایات کی جستجو کے باوجود رفع یدین کے قائل نہیں ہیں۔ خصوصاً امام سفیان ثوریؒ (جوفن حدیث میں امام کی حیثیت رکھتے ہیں) بھی اس کے قائل نہیں۔ پھر اس روایت پر مشہور کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے؟

ہم اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ بعض اوقات وسیع علم والے عالم سے بھی کوئی مسئلہ پوشیدہ رہ جاتا ہے جو متفق علیہ ہوتا ہے اور اس سے پہلے مشہور بھی ہوتا ہے۔ چناں چہ امام مالکؒ (باوجود سفیان ثوریؒ سے زیادہ عالم ہونے کے جیسا کہ اس پر فقہاء کے اقوال شاہد ہیں) پر ایک ہاتھ کو نماز میں دوسرے ہاتھ پر باندھنے کا مسئلہ پوشیدہ ہی رہا۔ اوران کی طرف سے یہی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے نماز میں ہاتھ باندھنے کی بجائے کھلے چھوڑنے کا حکم فرمایا، باوجودیکہ یہ پہلے زمانے کا مشہور مسئلہ ہے اور اکثر علماء نے دوسرے زمانوں میں بھی اس پر اتفاق کیا ہے۔

نیز ان علماء نے کہا ہے کہ ان شہروں میں ہاتھوں کو نماز میں چھوڑنے کا فعل روافض کے ساتھ مشابہت ہے۔ کیونکہ حنفی مذہب کی تمام شاخوں نے اسے ترک کردیا ہے۔ چنانچہ شیعہ کے سوا نماز میں کوئی بھی ہاتھ چھوڑ کر نماز نہیں پڑھتا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تہمت کی جگہوں سے بچو۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ تمہارا قصور فہم ہے کہ تم ایک فعل کو چھوڑ دو تو وہ دوسری قوم کا شعار بن جائے، بلکہ تمہیں چاہیے کہ تم رفع یدین کے مسئلہ پر اس طرح اتفاق کرو کہ وہ ان کے ساتھ خاص نہ رہے، اور گمراہ فرقوں کے ساتھ تشبیہ سے بچنے کی وجہ سے سنت ترک کردینا ناجائز ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے شمائل میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بالوں کو کھلا چھوڑ دیا کرتے تھے اور مشرک اپنے سر کے بالوں کا چیر نکالا کرتے تھے۔ اور جس مسئلہ میں آپ ﷺ کو واضح حکم نہیں ہوتا تھا آپ ﷺ اس مسئلہ میں اہل کتاب سے مشابہت کو پسند فرماتے تھے۔ پھر نبی ﷺ نے بھی اپنے سر کے بالوں کا چیر نکالنا شروع کردیا۔ اور ترمذیؒ کے سوا بھی کسی نے روایت کی ہے کہ آپ نے حضرت ابراہیمؑ کی سنت سمجھ کر اپنے سر کے بالوں کا چیر نکالنا شروع

کیا۔ پس باوجود اہل کتاب کے کافر ہونے کے نبی ﷺ نے ان کے ساتھ تشبیہ کو پسند فرمایا، اس مسئلہ میں آپ ﷺ نے گمان کیا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ اگلے نبیوں کی سنتوں سے ہوا سکے باوجود آپ کو سابق انبیاء کے جمیع افعال میں ان کی تقلید کا حکم نہیں دیا گیا۔ پس وہ سنت کیسی ہے جس کا ہمارے حق میں نبی ﷺ کی سنت ہونا معلوم ہو جائے باوجودیکہ ہم گمراہ فرقوں کے ساتھ مشابہت کو پسند ہی نہیں کرتے بلکہ اتفاقی موافقت ہے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ابراہیمؑ کی سنت پر عمل مشرکین کے ساتھ موافقت سے ہی ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے اہل کتاب کی موافقت چھوڑ کر مشرکین کی موافقت اختیار کر لی۔ باوجودیکہ مشرکین کا حال اہل کتاب سے بدتر تھا۔ اور بعض کم فہم لوگوں نے رفع یدین کے منسوخ ہونے پر آیت: ﴿قُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ﴾ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے باادب کھڑے ہو جاؤ۔ یعنی تسکین اور سکوت کے ساتھ۔ اور حرکت کرنا تسکین کے خلاف ہے۔ چنانچہ جہاں حرکات ثابت ہیں، انکے سوا کوئی حرکت نہیں کی جاسکتی۔ اگرچہ یہ عذر جواب کے قابل نہیں ہے لیکن پھر بھی مقام حق کی تائید کے باعث ہم اس کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

پس پہلا جواب یہ ہے کہ حرکت تو بڑی مشہور ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ قنوت سے مراد عبادت والی حرکات کے علاوہ عادی حرکات کو ترک کرنا ہے، ورنہ نماز میں دعوت غیر مشہورہ سے دعا کرنا لازم آئے گا اور اس کے باطل ہونے پر اجماع ہے۔

دوسری صورت جس میں رفع یدین کرنے والوں پر حنفیہ کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ رفع یدین کرنے والا یا مجتہد ہے یا مقلد۔ پس مجتہد ہونے کی صورت میں وہ حنفی نہیں رہے گا بلکہ وہ مذاہب اربعہ کے سوا کوئی اور مذہب اختراع کرے گا۔ اسلئے کہ وہ رفع یدین کرتا ہے اور حنفی اس سے روکتے ہیں۔ مثلاً وہ قنوت نہیں پڑھتا اور حنفی مذہب کے سوا دیگر مذاہب والے قنوت پڑھتے ہیں۔ پس رفع یدین اور ترک قنوت پر چار مذاہب میں سے کسی کا بھی عمل نہیں۔ پس یہ بات اجماع مرکب کے مخالف ہوگی۔ نیز اس زمانہ میں سرخ گندھک کی طرح مجتہد کا ملنا بڑا مشکل ہے۔ اگر کوئی شخص اجتہاد کا دعویٰ کرے تو وہ صاف جھوٹا ہے۔

دوسری صورت میں مقلد (تقلید کرنے والہ) کا اپنے مقلد (جسکی تقلید کی جائے) کے قول سے رجوع لازم آئے گا اور یہ بات بھی اجماع کے خلاف ہے جیسا کہ مسلّم الثبوت میں

ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مقلد اپنے عمل سے ہرگز رجوع نہ کرے۔

خرق اجماع:

ہمارے نزدیک یہ اصول مسلّم نہیں ہے کہ جب کوئی شخص کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے تو وہ حنفی نہیں رہے گا کیونکہ صاحبینؒ، امام زفرؒ، اور طحاویؒ وغیرہ باوجود حنفی ہونے کے مجتہد بھی تھے اوران کا اجتہاد کرنا سورج سے بھی زیادہ روشن ہے۔

بعض مسائل میں اگر کوئی مجتہد کبھی ایک مجتہد کی بات کو ترجیح دے اور کبھی دوسرے مجتہد کی بات کو تو ہمارے نزدیک اسے خرق اجماع کا نام دینا ناقابل تسلیم ہے۔ بلکہ خرق اجماع کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں ایسی بات کو اختیار کرے جو سلف کے تمام اقوال کے خلاف ہو۔ اس لئے کہ دو مسئلوں کا تعدد اجماع مرکب کے منافی ہے، جیسا کہ بعض لوگوں کی کتابوں میں یہ بات مذکور ہے۔ بلکہ کسی ایسے ایک مسئلہ کی تفصیل میں (جو بہت سے شرائط وارکان پر مشتمل ہو) ان رکنوں اور شرطوں میں دو قول کا اختلاف کیا گیا ہے۔ پس کسی مسئلہ کے شرائط وارکان کو ثابت کرنے سے مثبت قول کی موافقت ہو جائے گی۔ اور بعض کے شرائط وارکان کی نفی سے دوسرے قول کی موافقت ہو جائے گی۔ یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ اس کے خلاف اجماع ہونے پر اتفاق ہو سکے، جیسا کہ مسلم الثبوت اور شرح مواقف میں مذکور ہے۔ ہاں کسی ایسے فعل کو کرنا جو اجماع کی رو سے بہت سارے مفسدات پر مشتمل ہو (اگرچہ ان چیزوں کے ایک ایک جزء میں اختلاف کیا گیا ہو) خلاف اجماع ہے۔

آئمہ اربعہ کے بعد اجتہاد

ان کے اس قول سے (کہ سرخ گندھک کی طرح مجتہد کا ملنا بھی مشکل ہے) مراد مجتہد مطلق ہے، لیکن کسی ایک مسئلہ میں اجتہاد کرنے والا نایاب نہیں ہے۔ ہماری مراد مجتہد سے وہ شخص ہے جو اس مسئلہ کے علم کے ساتھ اس سے متعلقہ تمام دلائل اور اس کے لغوی وشرعی معانی پر پوری نظر رکھتا ہو۔ ہمارے نزدیک علم سے مراد امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ کی طرح اس مسئلہ کی باریکیوں کا علم نہیں ہے، بلکہ صرف اتنا علم ہے جس پر ظن کو ترجیح دی جا سکے، چنانچہ اتنا علم تو

بہت سارے لوگوں میں اکثر زمانوں میں پایا جاتا رہا ہے، چناں چہ اس مسئلہ میں تقلید کو چھوڑ کر عمل کے لئے اتنا علم ہی کافی ہے۔

ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ کوئی مقلد بعض مسائل میں ایک مجتہد کے قول پر عمل کرے اور بعض مسائل میں دوسرے مجتہد کے قول پر، تو اس سے وہ اپنے امام کے قول سے پھر جائے گا۔ اسلئے کہ اپنے امام کے قول سے پھر جانے کا معنی یہ ہے کہ وہ اس خاص فعل میں اس کے خلاف ہے۔ یعنی اس فعل کو کرنے کے بعد باطل قرار دے دیتا ہے۔ مگر اصطلاحی طور پر رجوع کا یہی معنی ہے تو ہم اس کے ناجائز ہونے پر اجماع نہیں مانیں گے، جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

تقلید میں جمود و تعصب

لوگوں نے کسی معین شخص کی تقلید میں بڑا غلو کیا ہے اور تعصب کو لازم کرلیا ہے یہاں تک کہ بعض مسائل میں اجتہاد اور اپنے امام کے سوا کسی دوسرے امام کی تقلید سے بھی منع کر دیا ہے۔ یہی وہ لاعلاج مرض ہے جس نے شیعہ کو ہلاک کر دیا۔ پس یہ لوگ بھی ہلاکت کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ پس انہوں نے اپنے امام کے مطابق نصوص کو ڈھالنا شروع کر دیا اور ان لوگوں نے بھی انہی کی چال چلنا شروع کر دی۔ اپنے امام کے قول کے مقابلہ میں مشہور روایات کی تاویل شروع کر دی حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ اپنے امام کے قول کو روایات پر پیش کیا جاتا اگر وہ روایات کے مطابق ہوتا تو قبول کرلیا جاتا ورنہ چھوڑ دیا جاتا۔

ہم یہاں اجتہاد اور تقلید کی تجزی کو بیان کرتے ہیں۔ یہ بات کہ تجزی اجتہاد [1] اس کا حکم تو یہ ہے کہ صحابہ، تابعین اور اکثر علماء مجتہدین میں یہ بات مشہور و معروف ہے کہ جس مسئلہ میں اجتہاد نہ ہو سکے اس میں اپنے سے زیادہ عالم کی طرف رجوع کر لے۔ مسلم الثبوت میں اجتہاد کی تجزی کا اختلاف بیان کیا گیا ہے۔ پس اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے، مثلاً امام غزالی، ابن الہمام۔ اور یہی قول درست بھی ہونا چاہیے۔

رہی دوسری صورت (یعنی تجزی تقلید کا ثابت کرنا) سو وہ اس وجہ سے کہ کسی معین شخص کی تقلید کو اپنے اوپر لازم کرنا عوام صحابہ و تابعین اور سلف سے منقول نہیں ہے۔

---

[1] یعنی جزوی طور پر اجتہاد سے کام لے لیا جائے کہ بعض حصوں پر اجتہاد سے عمل ہو اور بعض پر تقلید سے

اس کے برعکس ان کا دستور یہ تھا کہ ضرورت پیدا ہونے پر جس فقیہ اور مفتی سے موقع ملتا مسئلہ دریافت کرلیا جاتا۔ کبھی کسی سے اور کبھی کسی سے۔

نیز مسلّم الثبوت میں متفقہ اصولی مسئلہ لکھا ہے کہ مقلد جب کسی مسئلہ پر عمل کرلے تو اس سے رجوع نہ کرے۔

آیا کسی دوسرے مسئلہ میں کسی دوسرے مجتہد کے مسئلہ پر عمل کرسکتا ہے یا نہیں، تو راجح بات یہی ہے کہ عمل کرنا جائز ہے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ معین شخص کی تقلید کو لازم کرلینے کے بعد اس پر اجماع نہیں ہے کہ ہمیشہ اس کی تقلید کرتا رہے۔ جیسا کہ مسلم الثبوت میں کہا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی معین مذہب کی تقلید کا التزام کرلے تو کیا اس پر ہمیشگی لازم ہے؟ بعض نے کہا کہ لازم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جس چیز کو اللہ نے واجب نہیں فرمایا وہ واجب نہیں ہوسکتی۔ علامہ سبکی یہی کہتے ہیں کہ (ابن العوام کی) کتاب تحریر میں ہے کہ جہاں ظن غالب ہے یہی صحیح ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رجوع سے مراد وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ورنہ اگر کسی فعل میں رجوع مراد ہو تو وہ اس فعل کی ایک نوع میں رجوع ہوگا۔ پس ایسی صورت میں اس کے ناجائز ہونے پر کیسے اتفاق ہوسکتا ہے، اختلاف تو تقلید کو اپنے اوپر لازم کرلینے کے بعد اس پر ہمیشگی کرنے میں ہے، جب کسی معین شخص کی تقلید کو اپنے اوپر لازم کرلے تو اس کے جمیع افعال میں اس کا التزام ضروری ہے۔ پس جب کسی ایک فعل میں بھی اس کی مخالفت کرے گا تو اس سے رجوع لازم آئے گا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اس مشہور مسئلہ کی چیدہ چیدہ رخصتوں کے منع میں بھی اختلاف ہے۔

مختلف مذاہب کے آسان مسائل کا اتباع

مسلّم الثبوت میں علامہ سبکی کے مذکورہ قول سے تمام مذاہب کے آسان مسائل کی اتباع کا جائز ہونا نکالا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شرعی مانع بھی نہیں ہے کیونکہ انسان کو اپنے لئے آسان مسئلہ دیکھ کر چلنے کا اختیار ہے (انتہی)۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مذاہب اربعہ کے سوا کسی دوسرے مذہب کی اتباع کے منع پر بھی

اجماع نہیں ہے۔ چنانچہ مسلم الثبوت کے آخر میں ہے کہ علامہ ابن الصلاحؒ نے لوگوں کو صحابہ کی تقلید سے منع کرنے سے چاروں اماموں کے سوا ہر کسی کی تقلید سے منع کی دلیل پکڑی ہے۔ کیونکہ مسائل کی چھان بین اور تقسیم ان کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی حالانکہ اس بات میں اعتراض ہے۔ پھر ابن الصلاح نے عراقی سے حاشیہ کتاب میں اس اعتراض کو نقل کیا ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام مسلمان بلا روک ٹوک علماء میں سے جس کی چاہیں تقلید کریں۔

صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص ابوبکرؓ وعمرؓ سے فتویٰ پوچھ کر ان کی تقلید کرتا ہے اسے ابو ہریرہؓ، معاذؓ بن جبل اور ان کے سوا دوسرے صحابہ سے فتویٰ پوچھ کر ان کی تقلید بھی جائز ہے، اور کسی شک وشبہ کے بغیر ان کے قول پر عمل کر سکتا ہے۔ پس جو شخص ان دو قسم کے اجماع کے رفع کا قائل ہے اسے چاہیے کہ وہ دلیل بیان کرے۔

ہم کہتے ہیں کہ حنفی مذہب کی اتباع کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں کسی خاص شخص کی تقلید کی جاتی ہے بلکہ حنفی مذہب تو مجتہدین مطلق (امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ) کے عمدہ اقوال کا مجموعہ ہے۔ چناں چہ امام ابو یوسفؒ کی نسبت امام ابوحنیفہؒ کی طرف ایسی ہے جیسی امام احمدؒ کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف ہے۔ چنانچہ یہ بات اصول وفروع کے اختلاف کی جگہوں کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔...... بلکہ ہم کہتے ہیں کہ چاروں مذاہب کی وحدت بھی اختیاری بات ہے۔ پس جس طرح حنفی مذہب کے متبع کو کوئی نقصان نہیں ہوگا اسی طرح دیگر مذاہب کے اتباع کرنے والے کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔

حدیث کی طرف رجوع کی قدرت ہو تو لزوم تقلید ناجائز ہے

مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ کسی شخص کو نبی ﷺ کی ایسی صریح مدلل روایات کی طرف رجوع کی قدرت ہو جائے جو روایات قول امام کے خلاف ہیں تو ایسے شخص کے لئے کسی معین شخص کی تقلید کا لازم پکڑنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ پس اگر اپنے امام کے قول کو اس صورت میں نہیں چھوڑے گا تو اس میں **شرک فی الرسالت** کا شائبہ ہے۔......

جاننا چاہیے کہ جب ان مذکورہ چار جگہوں میں رفع یدین کرنا روایات صحیحہ ثابتہ آثار پسندیدہ راجحہ اور نبی ﷺ کے سچے پکے مذہب، بڑے بڑے صحابہ، علمائے کبار اور فقہاء

مجتہدین سے ثابت ہے تو اس صورت میں اس کے نسخ اور تعارض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بعض لوگ تو ان روایات کے تواتر کے قائل ہیں اور اگر متواتر نہ ہوں تو مشہور ضرور ہیں۔ ❶

رفع الیدین: ثنائی تحریر

شاہ محمد اسماعیل دہلویؒ کے بعد بھی اہلحدیث کے بڑے علماء نے رفع الیدین کے مسئلہ پر داد تحقیق دی ہے۔ ذیل میں جناب ثناء اللہ امرتسریؒ کے رشحات قلم نقل کئے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ نماز میں رکوع کرتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے ہوئے دونوں ہاتھ مثل تکبیر تحریمہ کے کانوں تک اٹھانے مستحب ہیں، کیونکہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے:

عن ابن عمر انّ رسول اللّه ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصّلوة واذا كبّر للركوع واذا سجد من الركوع فعلهما كذالك۔ ❷

''آنحضرت ﷺ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے تب بھی ہاتھ اٹھاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے)۔

چوں کہ آنحضرت ﷺ کے رفع یدین کرنے میں کسی فریق کو اختلاف نہیں حنفیہ بھی مانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رفع یدین عند الرکوع کیا مگر منسوخ کہتے ہیں لہذا ہمیں اس سے زیادہ ثبوت دینے کی اس موقع پر حاجت نہیں بلکہ فریق ثانی کے ذمہ ہے کہ وہ نسخ کا ثبوت دیں۔ اس لئے بجائے مزید ثبوت دینے کے حنفیہ کرام کے دعوی نسخ کی پڑتال مناسب ہے۔

اس دعوی پر حنفیوں کی سر دفتر دو حدیثیں ہیں ان میں سے بھی ایک اول اور ایک دوم درجہ کی ہے۔ اول سر دفتر حدیث، روایت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہے جو ترمذی میں موجود ہے جس کے الفاظ معہ ترجمہ یہ ہیں:

---

❶ تنویر العینین۔ ملخصاً

❷ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولیٰ مع الافتتاح سواء، رقم الحدیث: ۷۳۵
صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین، رقم الحدیث: ۲۱۔۳۹۰

قال عبد اللّٰہ بن مسعود الا اصلّی بکم صلوۃ رسول اللّٰہ ﷺ فصلّی فلم یرفع یدیہ الّا فی اوّل مرّۃ ۔ ❶

کہ عبداللہؓ بن مسعود نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم کو آنحضرت ﷺ کی نماز بتلاؤں؟ یہ کہہ کر انہوں نے نماز پڑھی تو سوائے اول مرتبہ کے رفع یدین نہ کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہے جب ہی تو ایسے بڑے جلیل القدر صحابی نے رفع یدین نہ کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث سے نسخ ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ ممکن ہے ابن مسعودؓ کے نزدیک، جیسا کہ ہمارا مذہب ہے، رفع یدین ایک مستحب امر ہو جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ علاوہ اس کے یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ایک امر جو رسول اللہ ﷺ سے بروایات صحیحہ ثابت ہو وہ صرف کسی صحابی کے نہ کرنے سے منسوخ قرار دیا جائے حالانکہ وہ حدیث بقول عبداللہؒ بن مبارک ثابت بھی نہیں۔ اگر بہ تحقیق امام ترمذیؒ حسن ہے تو بھی صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتی خصوصاً جس حال میں آنحضرت ﷺ کے بعد صحابہ کا اس پر عمل عام طور پر ثابت ہے تو دعوی نسخ کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟ غور سے سنیے:

عن ابی حمید السّاعدی سمعتہ وھو فی عشرۃ من اصحاب النّبیّ ﷺ یقول انا اعلمکم بصلوۃ رسول اللّٰہ ﷺ......الی ان قال......:ثمّ یقرء ثمّ یکبر ویرفع یدیہ حتّی یحاذی بھما منکبیہ ثمّ یرکع......الی......ثمّ سلم۔ قالوا صدقت ھکذا کان یصلّی۔ رواہ ابوداؤد، دارمی، ترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح ❷

''ابوحمید ساعدیؓ نے آنحضرت ﷺ کے بعد دس صحابہ کی مجلس میں دعوی کیا کہ میں آپ ﷺ کی نماز تم سے بہتر جانتا ہوں۔ ان کے کہنے پر اس نے بتلائی تو

---

❶ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء ان النبی ﷺ لم یرفع الا فی اول مرۃ، رقم الحدیث: ۲۵۷

❷ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب افتتاح الصلاۃ، رقم الحدیث: ۷۳۰ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی وصف الصلاۃ، رقم الحدیث: ۳۰۴، ۳۰۵

رکوع کرتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے دونوں وقت رفع یدین کی اور ان دس صحابہ کرام نے تصدیق کی کہ بے شک آپ ﷺ اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔''

یہ روایت اور دس صحابہ کی تصدیق لانے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ جن روایتوں میں آیا ہے کہ کسی ایک آدھ صحابی نے رفع یدین نہیں کی ان کو نماز کے ضروری ارکان خصوصاً قومہ، جلسہ اعتدال وغیرہ ❶ ان کی نسبت حاضرین کو تنبیہ کرنی مقصود ہوتی ہے نہ کہ امور مستحبہ کا بیان بھی۔

علاوہ اس کے اگر کسی امر میں جو سرور کائنات علیہ افضل التحیۃ والصلوۃ سے ثابت ہو۔ کسی ایک آدھ صحابی کے نہ کرنے سے نسخ ہوسکتا ہے تو یہی ابن مسعودؓ رکوع کے وقت چوں کہ تطبیق ❷ کرتے تھے دونوں ہاتھوں کو زانوؤں پر نہ رکھتے تھے چناں چہ صحیح مسلم میں ان کا یہ مذہب ثابت ہے بلکہ اپنے شاگردوں کو اس فعل کی تاکید مزید کیا کرتے۔ تو لامحالہ اس وقت جب کہ انہوں نے رفع یدین نہ کی ہوگی زانوؤں پر ہاتھ بھی رکھے ہوں گے۔ کیونکہ دوسری روایتوں سے ان کا مذہب یہی ثابت ہوتا ہے تو پس چاہیے کہ رکوع کے وقت زانوؤں پر ہاتھ رکھنے بھی منع ہوں حالانکہ کسی کا مذہب نہیں، اور تو کسی کا کیا ہوتا خود حنفیہ کا بھی نہیں۔ بلکہ اگر اس قسم کی روایات خود آنحضرت ﷺ سے بھی ثابت ہوں کہ حضور نے سوائے اول دفعہ کے رفع یدین نہیں کی، تو بھی نسخ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سنت خاص کو مستحب امر کے لئے تو دوام فعل ضروری نہیں۔ دوام تو موجب وجوب ہے۔ سنت یا مستحب تو وہی ہوتا ہے کہ فعل مرّۃ و ترك اخری، کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑا ہو۔ جس کو اہل عقول کی اصطلاح میں مطلقہ عامہ کہنا چاہیے اور یہ تو ظاہر ہے کہ مطلقہ عامہ، مطلقہ عامہ کی نقیض نہیں ہوتا۔

دوسری دلیل نسخ پر جسے بڑے زور سے بیان کیا جاتا ہے صحیح مسلم کی حدیث ہے جس کے الفاظ مع مطلب یہ ہیں:

---

❶ جن میں عموماً لوگ سستی کیا کرتے ہیں چنانچہ ایک حدیث سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی بعض لوگ ارکان صلوۃ میں سستی کرتے تھے۔

❷ رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کو بجائے اوپر رکھنے کے زانوؤں کے اندر دینا تطبیق کہلاتا ہے

((مالی اراکم رافعی ایدیکم کانّها اذناب خیل شمس)) ❶

رسول پاک ﷺ نے صحابہ کو نماز میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو فرمایا: کیا سبب ہے کہ تم ایسی طرح ہاتھ اٹھاتے ہو گویا وہ مست گھوڑوں کی دمیں ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اس حدیث سے رفع یدین کا نسخ ثابت ہوتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے نماز کے اندر ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا ہے تو ہر قسم کی رفع یدین جو نماز کے اندر ہوگی منع ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت مجمل ہے، مفصل خود اس شبہ کا جواب دیتی ہے چنانچہ جابر بن سمرہ کہتے ہیں:

صلّیت مع رسول اللّٰہ ﷺ فکنا اذا سلمنا قلنا بایدینا السلام علیکم فنظر الینا رسول اللّٰہ ﷺ فقال:((ما شانکم تشیرون بایدیکم کانّها اذناب خیل شمس اذا سلم احدکم فلیلتفت الی صاحبیه ولا یؤمی بیده)) ❷

”میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو ہماری عادت تھی کہ جب ہم اخیر نماز کے سلام پھیرتے تو اپنے ہاتھوں سے اشارہ کر کے السلام علیکم کہا کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے ہمیں دیکھا تو فرمایا تمہیں کیا ہوا کہ ہاتھوں سے ایسے اشارے کرتے ہو گویا وہ مست گھوڑوں کی دمیں ہیں۔ جب کوئی سلام دیا کرے تو اپنے ساتھی کی طرف صرف دیکھا کرے اور اشارہ نہ کیا کرے۔“

پس یہ مفصل روایت ہی جواب کافی دے رہی ہے کہ بات کچھ اور ہے۔ حضور ﷺ نے اس بے محل رفع یدین سے منع فرمایا ہے جو سلام کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے، نہ کہ عند الرکوع والی رفع یدین سے۔ علاوہ اس کے نسخ میں تقدم تاخر قطعی ہونا چاہیے جو یہاں پر نہیں۔ بھلا اگر کوئی یوں کہہ دے کہ یہ روایت (بشرطیکہ اس کو رفع یدین عند الرکوع سے تعلق ہو) خود ابن عمرؓ کی روایت مذکورہ سے منسوخ ہے کیونکہ ابن عمرؓ اور دیگر صحابہ کرام پر بعد انتقال آنحضرت ﷺ بھی عمل کرتے رہے تو اس کا جواب شائد قائلین نسخ پر ہم سے زیادہ مشکل ہو۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الامر بالسکون فی الصلاۃ والنھی عن الاشارۃ بالید، رقم الحدیث: ۱۱۹۔۴۳۰

❷ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ، رقم الحدیث: ۱۲۱۔۴۳۱

اخیر میں اپنے بھائیوں کو شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا اس مسئلہ میں فیصلہ سنا کر بحث ختم کرتے ہیں۔شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے:

والّذی یرفع احبّ الیّ ممن لایرفع فانّ احادیث الرّفع اکثر واثبت ❶

یعنی جولوگ رکوع کو جاتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتے ہیں وہ نہ کرنے والوں سے مجھے زیادہ پیارے ہیں کیونکہ رفع یدین کی حدیثیں تعداد میں زیادہ ہیں اور ثبوت میں بھی پختہ۔ ❷

رفع الیدین: شاہ ولی اللہ کی تحریر

ذیل میں حجۃ اللہ البالغہ سے شاہ ولی اللہؒ کی اس تحریر کا اردو ترجمہ نقل کیا جاتا جس کا حوالہ جناب ثناءاللہ امرتسریؒ نے اپنی منقول بالا تحریر کے آخر میں دیا:

جب رکوع میں جاتا ہے تو اپنے دونوں ہاتھ مونڈھوں تک خواہ کانوں تک اٹھائے اور اسی طرح اس وقت جب رکوع سے سر اٹھا کر کھڑا ہو رفع یدین کرے اور سجدے میں ایسا نہ کرے۔میرے نزدیک اس میں یہ بھید ہے کہ رفع یدین ایک تنظیمی فعل ہے جس سے نفس کو ان اشغال کے چھوڑنے پر جو نماز کے منافی ہیں اور حیز مناجات میں داخل، تنبیہہ ہو جاتی ہے۔ اس واسطے تعظیمات ثلاثہ میں سے ہر فعل کی ابتداء رفع یدین مقرر کی گئی تاکہ ازسرنو ہر دفعہ نفس کو اس فعل کے ثمرہ یعنی تعظیم پر متنبہ ہوتا رہے اور یہ ان ہیئات کے قبیلہ سے ہے کہ کبھی تو آپ نے اس کو کیا ہے اور کبھی ترک کیا ہے مگر دونوں سنت ہیں اور ہر ایک کو صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

رفع یدین کا مسئلہ منجملہ ان مسائل کے ہے جن میں اہل مدینہ اور اہل کوفہ کا اختلاف ہے۔اور ہر ایک قول کے لئے دلیل ہے اور ایسے مسائل میں میرے نزدیک حق یہ ہے کہ سب سنت ہیں۔جیسے وتر کے اندر ایک رکعت پڑھنا یا تین رکعت پڑھنا۔

---

❶ حجۃ اللّٰہ البالغہ اذکار وہیئات

❷ منقول از اہل حدیث کا مذہب

اور جو شخص رفع یدین کرتا ہے میرے نزدیک اس شخص سے جو رفع یدین نہیں کرتا اچھا ہے کیونکہ رفع یدین پر جو حدیثیں دلالت کرتی ہیں وہ زیادہ بھی ہیں اور ثابت بھی خوب ہیں۔ مگر ایسی صورتوں میں مناسب نہیں ہے کہ تمام شہر والوں کا فتنہ اور شور اپنے اوپر لیا جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا ہے:

((لولا حدثان قومك بالكفر لنقضت الكعبة)) ❶

تیری قوم نومسلم نہ ہوتی تو میں کعبہ کو منہدم کر کے حضرت ابراہیمؑ کی بنیاد کے موافق بناتا۔

کچھ بعید نہیں ہے کہ ابن مسعودؓ نے خیال کیا ہو کہ اخیر سنت متقررہ پر رفع یدین کا ترک کرنا ہے اس خیال سے کہ نماز کا مدار اعضا کے سکون پر ہے اور ان کو یہ بات نہ معلوم ہوئی ہو کہ رفع یدین ایک تعظیمی فعل ہے اور اسی وجہ سے نماز کی ابتداء اس سے کی گئی ہے، یا انہوں نے یہ سمجھا ہو کہ رفع یدین ایسا فعل ہے جس سے کسی چیز کا ترک کرنا معلوم ہوتا ہے اس واسطے نماز میں اس کا ہونا مناسب ہے اور یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی ہو کہ نماز کے اندر جتنے افعال مقصود بالذات ہیں ان سب کے شروع میں بار بار نفس کو ماسوا کے ترک پر متنبہ کرنا منظور ہے۔ واللہ اعلم۔

سجدے میں جاتے وقت رفع یدین نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قومہ اسی واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ رکوع اور سجدے میں فارق ہو جائے تو قومہ کے وقت رفع یدین کرنا فی الحقیقت وہ رفع یدین سجدے کے لئے ہے۔ پھر دوبارہ اس کا کرنا لاحاصل ہے۔ ❷

رفع الیدین: گنگوہی تحریر

جناب رشید احمد گنگوہیؒ سے ایک دفعہ سوال ہوا:

''تنویر العینین میں مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب نقض الکعبۃ وبنائھا، رقم الحدیث: ۳۹۸۔۱۳۳۳

❷ حجۃ اللہ البالغہ۔ مترجم عبدالحق حقانی۔ ص ۳۶۰۔۳۶۱

در باب رفع یدین فی الصّلوة سنة غیر مؤکدة من سنن الهدی فیثاب فاعله بقدر مافعل ان دائماً فحسبه وان مرّة فبمثله ولایلام تارکه وان ترکه مدة عمره واما الطاعن العالم بالحدیث ای من ثبت عنده الاحادیث المتعلقة بهذه المسئلة فلا ادخاله الا فی: ﴿من یّشاقق الرّسول من بعد ماتبیّن له الهدی﴾

''رفع یدین کے باب میں ہے کہ رفع یدین نماز میں سنت غیر مئوکدہ ہے۔ اور وہ سنن ہدی سے ہے۔ جس کے کرنے والے کو اس کے فعل کے کرنے کے مطابق ثواب ہوگا۔ اگر ہمیشہ کرے گا تو اتنا اور جو ایک دفعہ کرے گا تو اتنا ہی۔ اور اس کے چھوڑنے والے پر کوئی ملامت نہیں۔ اگرچہ کہ اس نے مدۃ العمر چھوڑا ہو۔ لیکن احادیث جاننے والہ عالم یعنی جس کے نزدیک اس مسئلہ کی احادیث متعلقہ کا علم ہو اس کا طعن کرنا، تو میں اس کو ان ہی لوگوں میں سمجھتا ہوں جن کے متعلق ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء:۱۱۵)

اور جو شخص ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی نافرمانی کرے......)

مولانا شاہ ولی اللہؒ، حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

والّذی یرفع احبّ الیّ ممّن لایرفع فانّ احادیث الرّفع اکثر واثبت

اور جو شخص کہ رفع یدین کرتا ہے وہ میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے جو رفع یدین نہیں کرتا۔ اس لئے کہ احادیث رفع کی بہت زیادہ ہیں اور ثابت تر)

لہذا یہ رفع یدین جیسا کہ حضرات مذکور الصدر سے ثابت و محقق ہوا آپ کے نزدیک بھی صحیح ہے یا نہیں، گو ترک اس کا بوجہ مختلف ہونے آئمہ کے احناف کو جائز اور اولی ہو۔ لیکن غرض سائل کی یہ ہے کہ مسئلہ مذکورہ ثابت صحیح غیر منسوخ ہے یا نہیں اور عامل اس کا عامل سنت ہوگا یا نہیں۔ جو امر صحیح آپ کے نزدیک ہو۔ مفصل ارقام فرماویں۔

○......اس سوال کے جواب میں جناب رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا:

میرا مسلک عدم رفع کا ہے کہ عدم رفع میرے نزدیک مرجح ہے جیسا کہ قدماء حنفیہ نے فرمایا ہے اور طعن بندہ کے نزدیک دونوں پر روا نہیں کہ مسئلہ مختلف فیھا ہے۔ اور احادیث دونوں طرف موجود ہیں اور عمل صحابہ بھی اور قوت وضعف مختلف ہوتے ہیں۔ بالآخر دونوں معمول بہاء ہیں۔ دیکھو سبیل الرشاد۔ فقط۔ واللہ تعالی اعلم۔ ❶

اس جواب فتوی سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور جناب شاہ اسماعیل دہلویؒ کے مسلک کی مخالفت کرنے والے علماء احناف، محدثین دہلی کی فکر کے وارث کیوں کر ہو سکتے ہیں؟

رفع الیدین: مسلک مودودی

جناب محمد عبداللہ شیخ الحدیث گوجرانوالہ (سابق امیر جمعیت اہل حدیث پاکستان) بتاتے ہیں:

قیام پاکستان کے بعد جماعت اسلامی پاکستان کا پہلا اجتماع گوالمنڈی ریلوے روڈ لاہور پر واقع تسنیم کے دفتر میں ہوا تھا۔ اس موقع پر چند ایک دیگر افراد کی معیت میں میری ملاقات جناب سید ابو الاعلی مودودیؒ سے ہوئی۔ ملاقات کے آخر میں جناب سید ابو الاعلی مودودیؒ نے ملاقاتیوں سے کہا کہ اگر کوئی سوال کرنا چاہتا ہے، تو کرے۔

میں (عبداللہ) نے کہا کہ آپ لوگ قرآن وسنت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ آپ کا نصب العین ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ ہے اور اسلام قرآن وسنت کا نام ہے اور حدیث میں صحیحین کا مقام سب کے نزدیک مسلّم ہے، جبکہ رفع یدین فی الصلوۃ کی احادیث صحیحین میں آئی ہیں اور آپ ان پر عمل نہیں کرتے۔

احادیث صحیحین کے ساتھ یہ رویہ مناسب نہیں ہے۔

اس پر جناب مودودیؒ نے جواب دیا:

---

❶ فتاوی رشیدیہ۔ ص ۳۱۰۔۳۱۱

رفع یدین سے لوگ متوحش ہوتے اور بدک جاتے ہیں۔اس لئے عام جگہوں پر جب نماز پڑھتا ہوں تو رفع یدین نہیں کرتا لیکن جب گھر میں تہجد کی نماز پڑھتا ہوں تو رفع یدین کر لیتا ہوں۔ ❶

یعنی وہ رفع الیدین کو سنت سمجھتے تھے، لیکن پنج وقتہ نمازوں میں اس سنت پر عمل کرنے سے اجتناب کرتے تھے۔



---

❶ تذکرہ علمائے اہلحدیث پاکستان۔جلد دوم۔ص ۳۸۴

فاتحہ خلف الامام

ثنائی تحریر

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں:

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ امام اور مقتدی دونوں پر قرأت فاتحہ فرض ہے کیونکہ آیت قرآنی ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ دونوں (امام اور مقتدی) پر قرأت کا حکم لگاتی ہے چنانچہ نور الانوار میں ہے:

فان الاول (ای آیة فاقرئوا) بعمومه یوجب القرأة علی المقتدی ❶

یعنی یہ آیت اپنے عموم کی وجہ سے مقتدی پر بھی قرأت فرض بتاتی ہے۔

ہاں اس پر شبہ باقی ہے کہ اس آیت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو عام قرأت ہے گو مقتدی پر بھی سہی۔ مگر فاتحہ کی تخصیص کا ذکر نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت موصوفہ مفروض کی تعیین میں مجمل ہے جس کا بیان حدیث نے کر کے مطلب کھول دیا ہے' چنانچہ بخاری و مسلم کی متفقہ روایت میں ارشاد ہے:

((لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب)) ❷

یعنی جو کوئی سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

بلکہ صحیح مسلم کی روایت میں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ان معنی کی حدیث سن کر لوگوں نے کہا:

---

❶ ص ۱۹۴، مطبوعہ انوار محمدی لکھنو۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والماموم فی الصلوات کلھا، رقم الحدیث: ۷۵۶ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة، رقم الحدیث: ۳۴-۳۹۴

((انانکون وراء الامام))

یعنی ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟

تو حضرت ابو ہریرہؓ نے جواب دیا:

((اقرء بها فی نفسك)) ❶

اس وقت بھی اس کو آہستہ آہستہ پڑھ لیا کرو۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ان تمام مضامین میں حکم اور قول فیصل ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عن عبادة بن الصّامت قال كنّا خلف النّبىّ ﷺ فی صلوة الفجر فقرء فثقلت عليه القرأة فاذا فرغ قال:((لعلكم تقرؤن خلف امامكم قلنا نعم يارسول اللّه لاتفعلوا الّا بفاتحة الكتاب فانّه لاصلوة لمن لم يقرء بها)) ❷

''عبادہؓ کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے پیچھے ایک روز صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ پڑھتے پڑھتے آپ قرأت سے رک گئے جب فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ تم امام کے پیچھے کچھ پڑھا کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا ہاں۔ ❸ آپ ﷺ نے فرمایا سوائے فاتحہ کے کچھ نہ پڑھا کرو کیونکہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز درست نہیں)۔

اس روایت پر جو سوالات کیئے جاتے ہیں ان سب کا جواب اسی روایت کو دوسری سند سے دیکھنے سے مل جاتا ہے جو امام بیہقی نے کتاب القرأۃ خلف الامام میں اسی سند کے ساتھ اسی عبادہؓ بن صامت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، رقم الحدیث: ۳۸۔۳۹۵

❷ سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب، رقم الحدیث: ۸۲۳ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی القراءۃ خلف الامام، رقم الحدیث: ۳۱۱)

❸ ایک روایت میں ہے کہ کسی شخص نے سبح اسم اونچی آواز سے پڑھی تھی۔ بیہقی

عن عبادة بن الصّامت قال قال رسول اللّٰه:((لاصلوة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب خلف الامام)) وهذا اسناد صحیح۔ ❶

''عبادہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اسکی نماز نہیں۔'' (بیہقی کہتے ہیں) اسکی سند صحیح ہے۔

اس حدیث سے نہ صرف اس امر کی تصریح ہوتی ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا ضروری ہے بلکہ یہ بھی کہ جہری نمازوں میں بھی فاتحہ کا پڑھنا اسی طرح ضروری ہے جیسا سری میں، کیونکہ یہ واقعہ صبح کی نماز کا ہے۔ اس مسئلہ میں اہل حدیث پر بڑا بھاری معارضہ ایک آیت قرآنی اور ایک حدیث نبوی سے کیا جاتا ہے جس کا بیان مع مختصر جواب کے یہ ہے:

آیت موصوفہ

﴿إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الاعراف:۲۰۴)

یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو تم خاموش ہو کر سنا کرو تاکہ تم پر رحم ہو۔

چوں کہ جہری نماز میں امام بلند آواز سے پڑھتا ہے تو اس آیت کے بموجب مقتدی کو خاموش رہنا چاہیے اور حدیث میں ہے:

((من کان له امام فقرأة الامام له قرأة))

یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز ادا کرتا ہو اس کے امام کی قرأت بس اس کی قرأت ہے۔

پھر مقتدی کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ آیت کے خلاف باوجود قرآن سنے جانیکے بجائے خاموش رہنے کے پڑھنے سے حکم الٰہی کا خلاف کرے؟

یہ ہے معارضہ کی مختصر تقریر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ جس حالت میں قرآن بطور وعظ و نصیحت کے پڑھا جائے۔ اس وقت تم دل لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ کیونکہ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر مذکور ہے:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوات کلھا، رقم الحدیث:۷۵۶ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، رقم الحدیث:۳۴۔۳۹۴ سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب، رقم الحدیث:۸۲۳ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی القراءۃ خلف الامام، رقم الحدیث:۳۱۱

﴿لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ (حم سجدہ:٢٦)

(یعنی مشرک اپنے بھائیوں سے کہتے تھے کہ قرآن نہ سنا کرو بلکہ اس کے پڑھے جانے میں شور وشغب کیا کرو تا کہ تم اس کی آواز پر غالب آجاؤ)

جس کے جواب میں یہ ارشاد باری پہنچا کہ جب قرآن کا وعظ تم کو سنا یا جائے تو تم خاموش ہو کر سنا کرو۔ ان معنی کا ثبوت خود حنفیہ کرام کی کتابوں سے ملتا ہے، ہدایہ میں صاف لکھا ہے کہ صبح کی جماعت ہوتے ہوئے مقتدی صبح کی سنتیں مسجد کے دروازہ پر پڑھ لیا کرے حالانکہ امام کے پڑھنے کی آواز اس کے کانوں تک آئیگی۔ علاوہ اس کے درس گاہوں میں ایک کے پڑھتے ہوئے دوسرا بھی پڑھتا ہے اور خاموش نہیں ہوتا۔ اور نہ اس سے کوئی عالم منع کرتا ہے اذا قری ء القرآن صادق آتا ہے۔ نیز امام کے پڑھتے ہوئے مقتدی مسبوق آکر ملتا ہے تو تکبیر تحریمہ اللّٰہ اکبر کہتا ہے حالانکہ قرآن کے پڑھے جانے کے وقت بالکل خاموشی چاہیے جو اللہ اکبر کہنے سے کسی قدر فوت ہو گئی۔

پس ان اور ان جیسی کئی ایک مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آئت موصوفہ کے معنی وہی صحیح ہیں جو ہم نے بتلائے ہیں۔ یعنی جس وقت قرآن بطور وعظ و نصیحت کے پڑھا جائے تو دل لگا کر سنا کرو۔ اور اس میں تو شک نہیں کہ نماز میں قرآن مجید کا پڑھنا بطور ذکر ہے نہ بطور وعظ و تذکیر۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت میں خواہ تمام مقتدی جاہل ہوں جو قرآن مجید کا ایک حرف نہ سمجھتے ہوں تو بھی ان کی نماز درست ہے اور کسی کے نزدیک بھی امام کو اپنی قرأت کا ترجمہ کر کے سمجھانا ضروری نہیں پس مدعا صاف ہے کہ امام بحالت امامت قرآن شریف بطور ذکر پڑھتا ہے نہ بطور وعظ۔ ایسے وقت میں مقتدی کو فاتحہ کا پڑھنا کسی طرح منع نہیں۔ خاص کر سری نمازوں میں (ظہر عصر) میں تو کسی طرح ممانعت نہیں۔

رہا حدیث مذکور من کان له امام کی بابت۔ سو یہ حدیث صحیح نہیں۔ امام بخاری نے جزء القرأة میں کہا ہے لم یثبت (ثابت نہیں) دوسرے محدثین بھی قریب قریب اسی کے حکم لگا گئے ہیں۔ ہدایہ کی تخریج میں حافظ زیلعی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس کی تصحیح نہیں کی۔ اس لئے وہ احادیث صحیحہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور بر تقدیر ثبوت بھی وجوب فاتحہ کی منافی نہیں کیونکہ اس میں جو قرأت کا لفظ ہے اس سے سوائے فاتحہ کے باقی قرأت قرآن مراد ہے اس لئے کہ

کتب اصول میں صاف لکھا ہے کہ عام اور خاص میں مقابلہ کے وقت عام اتنے حصے میں مخصوص ہو جائے گا جتنے حصے کو عام اور خاص دونوں شامل ہیں۔

نورالانوار میں ہے:

اذا اوصی نجاتم للانسا ن ثم بالفص منه الاخران الحلقة للاول والفص بينهما بخلاف ما اذا اوصی بالفص بكلام موصول فانّه يكون بيانا لانّ المراد بالخاتم فيما سبق الحلقة فقط فتكون الحلقة للاول والفص للثانی۔ ❶

چوں کہ ادلہ شرعیہ کے حکم میں تقدم وتاخر معلوم نہیں ہوسکتا اس لئے لامحالہ اتصال پر حمل ہوں گی نتیجہ یہ ہوا کہ من کان له امام والی حدیث میں قرأت سے مراد سوائے فاتحہ کے ہے۔ یہ معنی امام بیہقیؒ وغیرہ نے بھی کئے ہیں اور یہی راجح ہیں۔ جمعاً بين الادلة ۔اور یہی ہمارا مذہب ہے کہ مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے باقی میں امام کی قرأت کافی ہے۔

فاتحہ خلف الامام: گنگوہی تحریر

○...... جناب رشید احمد گنگوہیؒ سے سوال ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدی کا الحمد شریف پڑھنا اور نہ پڑھنا کیسا ہے اور آمین بالجہر اور بالسر میں اولویت کس کو ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ قرأت کا پڑھنا مقتدی کو مختلف فیہ ہے۔علی ہذا آمین بالجہر میں بھی اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہؒ قرأت فاتحہ خلف امام اور آمین بالجہر کو منع کرتے ہیں۔

○...... جناب گنگوہیؒ سے سوال ہوا کہ جو شخص خلف امام، الحمد پڑھتا اور آمین بالجہر کہتا ہو، اس کو ملامت کرنا اور منع کرنا کیسا ہے؟

تو انہوں نے فرمایا جو شخص فاتحہ پڑھتا ہو یا آمین بالجہر کہتا ہو اس کو ملامت نہ کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ شخص نہ پڑھنے والوں کو نہ برا کہتا ہو اور نہ برا سمجھتا ہو۔ ورنہ وہ شخص عاصی ہوگا۔ فقط۔ واللہ تعالی اعلم۔ ❷

---

❶ ص ۶۹ مطبوعہ انوار محمدی لکھنوی ❷ فتاوی رشیدیہ۔ص ۳۰۹

○...... جب ان سے سوال ہوا کہ صلوۃ جہری میں سکتات امام میں سورۃ فاتحہ پڑھنی مستحب ہے یا نہیں؟ برتقدیر مستحب ہونے کے تو حالت سری میں بدرجہ اولی ہوگی۔

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مذہب قوی حنفیہ کا یہ ہے کہ مقتدی کو فاتحہ پڑھنا جہریہ سکتات میں اور سریہ میں مطلقاً مکروہ ہے۔ اور بندہ کے نزدیک بحسب دلیل یہی مذہب قوی ہے اگرچہ اس میں اختلاف آئمہ کا ہے۔ اگر سبیل الرشاد آپ دیکھیں تو لطف اس مسئلہ کا آپ کو معلوم ہو جاوے گا۔ فقط۔ واللہ تعالی اعلم۔ ❶

سوال یہ نہیں تھا کہ حنفیہ کا قوی مذہب کونسا ہے، سوال یہ تھا کہ سنت رسول اور آثار صحابہ کی روشنی میں صلوۃ جہری میں قرأت فاتحہ سکتات امام میں پڑھنا مستحب ہے کہ نہیں؟ گنگوہی مرحوم نے حنفیہ کا قوی مذہب بیان کرنا شروع کر دیا۔ جس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حنفیہ کا (کمزور ہی سہی) یہ مذہب بھی ہے کہ ایسا کرنا مستحب ہے۔

جناب رشید احمد گنگوہیؒ کے رسالہ سبیل الرشاد پر جناب محمد حسین بٹالویؒ نے محققانہ تبصرہ کیا تھا جو اشاعۃ السنہ جلد ۲۰ میں شائع ہوا۔ ہم کسی مناسب موقع پر یہ تبصرہ نذر قارئین کریں گے۔ انشاء اللہ تعالی۔

فاتحہ خلف الامام: ابوالکلام کے خیالات

جناب ابوالکلام آزادؒ نے بھی مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر اظہار خیال کیا ہے۔ اور اپنے دور طالب علمی میں (جب کہ وہ حنفی المذہب تھے) اپنے والد گرامی سے (جو نہایت متشدد حنفی تھے) ہونے والی ایک بحث کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

والد مرحوم نے، مجھے یاد ہے، ایک مرتبہ بیضاوی پڑھاتے ہوئے ضمناً قرأۃ فاتحہ کی بحث چھیڑی اور ایک بہت مفصل تقریر کی۔ زیادہ تر وہی نظریے اور دلائل تھے...... بڑا زور وہی ابوہریرہؓ کی مشہور روایت پر تھا۔ اقرء بها فی نفسك

فی نفسك سے استدلال یہ کیا جاتا کہ قرأت بالالفاظ والصوت سے منع کیا اور قرأۃ نفسی کا حکم دیا۔ پھر قرأۃ نفسی کے یہ معنی کئے جاتے تھے کہ نفس کا تخیل و تصور۔

---

❶ فتاوی رشیدیہ۔ ص ۳۰۹۔ ۳۱۰

جناب ابوالکلام آزاد کہتے ہیں کہ

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت میرا ذہن یہاں تک پہنچ چکا تھا کہ صدر اول کی زبان فلسفہ ومنطق کی زبان نہ تھی ۔ میں نے معترضین کی طرف منسوب کر کے (والد سے) عرض کیا کہ کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہ مطلب کہاں ہے؟ عربی میں نفس کا اطلاق ایسے موقعوں پر تو ذات خاص پر ہوتا ہے، جیسے خود آپ یا فارسی میں کہتے ہیں خود۔ چنانچہ نفسه وانفسكم وغیرہ کا مطلب، فلسفے کا مصطلحہ نفس نہ ہوگا، بلکہ یہی ہوگا کہ اس کی ذات، اور تمہاری ذوات، مثلاً کہیں گے جاء بنفسه تو یہ مطلب تو نہ ہوگا ، جو اس حدیث میں بتلایا جاتا ہے۔ پس اقراء بها في نفسك تو معترضین کیلئے مفید ہے، نہ کہ قائلین کیلئے ۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ فی نفسک یعنی اپنے اندر پڑھ لے ۔ مقصود یہ تھا کہ پکار کر نہیں پڑھنا چاہیے۔ اس طرح آہستہ آہستہ پڑھنا چاہیے، جیسے آدمی اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے۔

جناب ابوالکلام آزاد کہتے ہیں:

والد مرحوم ایک لمحے کے لئے میری طرف دیکھنے لگے، اس لئے کہ جہاں تک میرا خیال ہے، یہ بالکل نیا اعتراض تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اب خود دیکھا تو معلوم ہوا کہ اتنی صاف اور قطعی بات، فریق ثانی کی کسی کتاب میں بھی موجود نہیں ہے۔ البتہ مولوی عبدالحی مرحوم نے آہستہ پڑھنے پر اس سے استدلال ضرور کیا ہے، مگر پھر بھی یہ اعتراض نہیں کیا، حالانکہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ عربی زبان میں قطعاً وہ معنی نہیں ہو سکتے، جو ابن ہمام وغیرہ کہتے ہیں۔

والد مرحوم نے کہا:

اپنے آپ سے کہنے کا کیا مطلب ہوا؟ یہی مطلب ہوا کہ اپنے ذہن میں تصور کرے۔

میں نے کہا: تصور کا تو یہاں کچھ بھی ذکر نہیں ہے۔ صرف اقرء موجود ہے، اور اعتراض یہ ہوگا کہ قرأۃ صوتی اور قرأۃ نفسی کی جو تقسیم اب کی جاتی ہے، یہ اس وقت کہاں تھی؟

مگر اس پر انہوں نے (یعنی والد صاحب نے) توجہ نہ کی، اور اسی پر زور دیتے رہے کہ مقصود یہ کہ ویسی قرأۃ نہ کی جائے ، جیسی آہستہ یا پکار کے کی جاتی ہے۔ اور وہ تیسری چیز یہی ہے جو ہم کہتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ (میرا) اعتراض دفع نہ ہوا، لیکن میں زیادہ اصرار بھی نہیں

کرسکتا تھا۔ ❶

فاتحہ خلف الامام: بنارسی تحریر

بنارس میں ایک مرتبہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ بڑے زور شور سے اٹھا۔ احناف اور اہل حدیث کے علماء کے درمیان ایک عرصہ تک بحث چلتی رہی۔ اس سلسلے میں جناب نذیر احمدؒ رحمانی نے مسجد اہل حدیث مدن پورہ (معروف بہ مسجد طیب شاہ) بنارس میں (۱۹۶۱ء میں) ایک تقریر میں کہا:

سورۃ فاتحہ کے بارے میں احناف کے ساتھ اہل حدیث کا جھگڑا نہ امام کے بارے میں ہے نہ منفرد کے بارے میں، کیونکہ ان دونوں کے بارے میں تو احناف بھی مانتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ جھگڑا صرف مقتدی کی قرأت میں ہے اور وہ بھی خاص سورۃ فاتحہ کے بارے میں۔ سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی دوسری سورت یا سورت کی کسی آیت کے پڑھنے کے ہم بھی قائل نہیں۔ جب جھگڑا خاص سورۃ فاتحہ کے پڑھنے یا نہ پڑھنے کا ہے تو ہم کو دلیلیں بھی خاص سورہ فاتحہ ہی کے بارے میں تلاش کرنی چاہئیں۔

چنانچہ ہم کو ایسی بہت سی حدیثیں ملتی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے سورۃ فاتحہ کا نام لے کر فرمایا ہے کہ جو شخص اس کو نہ پڑھے گا اس کی نماز نہ ہوگی۔ کبھی عام الفاظ میں فرمایا، جس میں منفرد، امام، مقتدی، مرد، عورت، چھوٹے، بڑے سب داخل ہیں۔ اور کبھی خاص مقتدیوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ جو شخص سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ مگر اس مضمون کی کوئی روایت ہم کو نہیں ملتی کہ رسول اللہ ﷺ نے خاص سورۃ فاتحہ کا نام لے کر مقتدیوں سے فرمایا ہو کہ تم لوگ اس کو بھی نہ پڑھا کرو۔ اگر کسی حنفی عالم میں ہمت ہو تو اس مضمون کی کوئی ایک ہی حدیث پیش کرے۔

جناب نذیر احمدؒ رحمانی کی اس تقریر کے دو ماہ بعد احناف کی انجمن اشاعۃ الحق بنارس نے پھر اس مسئلہ کو چھیڑا۔ تو اس کے جواب میں یکم جنوری ۱۹۶۲ء کے ترجمان دہلی میں اہل حدیث بنارس کی طرف سے درج ذیل تحریر شائع ہوئی۔

---

❶ آزاد کی کہانی، آزاد کی زبانی۔ از عبدالرزاق ملیح آبادی

فاتحہ کے بارے میں پہلی حدیث یوں ہے:

عن عبادة بن الصامت انّ رسو ل اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:((لا صلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب)) ❶

''عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نماز اس شخص کی نہیں جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی۔''

اس حدیث کے ذیل میں جناب احمد علی سہارن پوریؒ، بخاری کے حاشیہ میں بحوالہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

و اوجبنا الفاتحة بهذا الحديث

یعنی اسی حدیث سے ہم بھی سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب کہتے ہیں۔

دیکھئے ایک بڑے حنفی عالم کو تسلیم ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ مگر پھر حنفی مذہب کی پاس داری میں یہ تاویل کر دیتے ہیں کہ مقتدی اس سے مستثنیٰ اور خارج ہیں۔ حالانکہ اس حدیث میں نہ کسی نماز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اور نہ کسی نمازی کو۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل عام لفظ فرمایا کہ کسی نمازی کی کوئی نماز بغیر سورۃ فاتحہ کے نہیں ہوتی۔

دوسری حدیث یوں ہے:

عن عبادة بن الصّامت قال صلّی رسول اللّٰه الصبح فثقلت عليه القرأة فلمّا انصرف قال:

((انّی اراكم تقرؤن وراء امامكم)) قال قلنا يارسول اللّٰه ای واللّٰه ـ قال:((لاتفعلوا الّا

بامّ القرآن فانه لاصلوة لمن لم يقرء بها)) ❷

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوات کلھا، رقم الحدیث:۷۵۶ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، رقم الحدیث:۳۴۔۳۹۴ (سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب، رقم الحدیث:۸۲۳ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی القراءۃ خلف الامام، رقم الحدیث:۳۱۱

❷ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب، رقم الحدیث:۸۲۳ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی القراءۃ خلف الامام، رقم الحدیث:۳۱۱

(عبادہؓ کہتے ہیں آپ ﷺ نے ایک دن فجر کی نماز پڑھائی تو آپ پر قرأت بھاری ہوئی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ ﷺ نے مقتدیوں سے کہا میرا خیال ہوتا ہے کہ تم لوگ اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو۔ ہم نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول، خدا کی قسم ہم پڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ام القرآن (فاتحہ) کے سوا کچھ مت پڑھو کیونکہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے)۔

تیسری حدیث یہ ہے:

عن انس انّ النّبیّ ﷺ صلّی باصحابه فلمّا قضی صلوته اقبل علیهم بوجهه فقال: ((اتقرؤن فی صلوتکم و الامام یقرء)) فسکتوا ۔ فقالها ثلاث مرات فقال قائل او قائلون انا لنفعل۔ قال:((فلا تفعلوا ولیقرء احدکم بفاتحة الکتاب فی نفسه)) [1]

(انسؓ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم لوگ اپنی نماز میں پڑھتے ہو جب کہ امام پڑھتا ہے؟ سب صحابہ چپ رہے۔ آپ نے اس سوال کو تین بار دہرایا تب ایک شخص یا کئی اشخاص نے کہا کہ بیشک ہم لوگ ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا مت کیا کرو ہاں سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھ لیا کرو)

ان تینوں حدیثوں میں خاص سورۃ فاتحہ کا نام لے کر آپ نے پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ ہاں پہلی حدیث اس لحاظ سے عام ہے کہ اس میں نہ کسی نماز کی تخصیص ہے اور نہ کسی نمازی کی۔ خواہ نماز سری ہو خواہ جہری، جنازہ کی ہو یا پنج وقتہ، سفر کی ہو یا حضر کی، رات کی ہو یا دن کی، فرض ہو یا سنت یا نفل۔ اسی طرح نماز پڑھنے والا مرد ہو یا عورت، امام ہو یا منفرد یا مقتدی۔ سب کے لئے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

---

[1] جزء القرأۃ للبخاری ص ۶۳۔ ورواہ ابویعلی والطبرانی فی الاوسط قال الھیثمی فی مجمع الزوائد ورجالہ ثقات ج ۲ ص ۱۱۰

دوسری اور تیسری حدیث میں خاص مقتدیوں کا ذکر ہے کہ ان کو مخاطب کر کے آپ ﷺ نے سورۃ فاتحہ کے سوا دوسری سورت یا آیت پڑھنے سے منع فرمایا مگر فاتحہ کے پڑھنے سے منع نہیں کیا بلکہ اس کے برخلاف اس کے پڑھنے کا حکم دیا۔

جس طرح ہم نے خاص سورۃ فاتحہ اور مقتدی کے بارے میں صاف صاف اور واضح روائتیں پیش کی ہیں اسی طرح دنیا کا کوئی حنفی عالم اگر ایک بھی صحیح حدیث اس مضمون کی پیش کر دے کہ: رسول اللہ ﷺ نے خاص فاتحہ کے پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے اور مقتدیوں کو خطاب کر کے کہا ہے کہ تم لوگ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ بھی مت پڑھا کرو تو ہم ایک ہزار روپئے نقد اس کو مجمع عام میں دینگے۔ کسی حنفی عالم میں ہمت ہو تو سامنے آئے اور ہم سے یہ انعام موعود حاصل کرے۔ ❶

اس اشتہار کے جواب میں کوئی انعام لینے کیلئے سامنے نہیں آیا۔ تاہم ۶ رجب ۱۳۸۱ھ۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۶۱ء احناف کی انجمن اشاعۃ الحق بنارس کی طرف سے ایک اشتہار نکلا اور بتایا کہ اہل حدیث کا جواب اسی صورت میں قابل قبول ہوگا جب وہ اپنے موقف کے اثبات کے لئے ایسی حدیث پیش کریں جو صحیح، مرفوع، متصل، متواتر، واضح، اور صریح ہو۔ قیاسی اور تاویلی مضمون نہ ہو۔

اس کے جواب میں انجمن توحید باگڑبلی (مدن پورہ) نے پوچھا کہ یہ آٹھ شرطیں (صحیح، مرفوع، متواتر، متصل، صریح وغیرہ) صرف اسی حدیث کے معتبر اور مقبول ہونے کے لئے ضروری ہیں جن کا مطالبہ اہلحدیث سے کیا گیا ہے؟ یا جن جن مسائل کے احناف قائل ہیں اور ان کے ثبوت کیلئے جو حدیثیں وہ پیش کرتے ہیں، ان کے معتبر اور مقبول ہونے کے لئے بھی ان آٹھ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے؟

اگر جواب اثبات میں ہے تو ہدایہ، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے:

انّ الهداية كالقرآن قد نسخت ما صنفوا قبلها فی الشّرع من كتب۔

---

❶ اراکین حلقۃ الخطابۃ جامعہ رحمانیہ بنارس

(یعنی ہدایہ قرآن کی طرح ہے کہ اس نے ان تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے شرع میں تصنیف کی گئیں)۔

اس ہدایہ میں جتنے اختلافی مسئلے ہیں انہیں آپ لوگ اپنی مذکورہ بالا آٹھوں شرطوں کے مطابق حدیثوں سے ثابت کر دیں تو ہم آپ کو ہر ہر مسئلہ پر پانچ پانچ سو روپیہ انعام دیں گے۔اور یہ چیلنج تمام علمائے احناف کو ہے۔ ❶

ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کہ احناف نے یہ چیلنج قبول کیا تھا یا نہیں؟



---

❶ پندرہ روزہ ترجمان دہلی۔ یکم جنوری ۱۹۶۲ء ص ۵۹

هداية المعتدى فى القرأة للمقتدى

قرأۃ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ پر احناف اور اہلحدیث کی جانب سے کئی رسائل اور کتابیں لکھی گئیں۔ سید نذیر حسینؒ کی زندگی میں دہلی کے احناف نے اس مسئلے پر تحقیق قرأۃ المقتدی کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا تو آپ نے اپنے عزیز شاگرد جناب عبدالعزیزؒ رحیم آبادی کو اس کا جواب لکھنے کے لئے کہا۔ جناب رحیم آبادیؒ نے هداية المعتدى فى القرأة للمقتدى کے نام سے اس کا جواب لکھا جسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:

بالفعل ایک رسالہ مطبع خادم الاسلام دہلی میں چھپ کر شائع ہوا ہے جس کو حنفیوں کے بڑے بڑے مولویوں نے مشورے کر کے چھپوایا ہے۔ نام اس رسالہ کا تحقیق قرأة المقتدى لکھا ہوا ہے۔ معنی متبادر اس نام کا تو اثبات قرأۃ مقتدی ہے مگر یہ رسالہ ابطال قرأۃ میں ہے۔ مضمون رسالہ کو دیکھ کر انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ برعکس نہند نام زنگی کافور۔ دعوی علم خود اور تجہیل دیگراں تو اس رسالہ میں بہت ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ بایں زور وشور نام رکھنے کا سلیقہ بھی صاحب رسالہ کو نہیں ہے۔ اسکے جواب کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ایسے مضامین اور اس سے بڑھ کر مولوی احمد علی سہارن پوری وغیرہ لکھ چکے ہیں اور ان کا ردکما حقہ اہل حق کی طرف سے ہو چکا، جس کا جواب حنفیوں کی طرف سے آج تک نہ ہوسکا۔ مگر ان حضرات کا قاعدہ یہ ہے کہ جواب تو ان سے اہل حق کی تحریروں کا ہو نہیں سکتا، مگر اتنا ہے کہ اسی پرانے گیت کو لئے بار بار گائے جاتے ہیں۔ اور اس کے بطلان بالادلة والبينات سے ان کے کان بھی نہیں کھڑے ہوتے ہیں۔

﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

اور روایات ضعاف و موضوعات علاوہ اپنی مفتریات اور اکاذیب ان کا سرمایہ قیل وقال ہے۔ مکالمت و مخاصمت کی جگہ میں تو یہ ان کا حصہ ہی ہے۔ غیر موقع خصومت میں بھی ان کی یہی روش ہے۔ مولوی شبلی نعمانی کی کتاب سیرۃ النعمان کو کوئی دیکھے۔ بھلا سیر و تاریخ میں تعصب اور عناد کو ظاہر کرنا اور جھوٹی باتیں لکھنا اور جھوٹے حوالے دینا، کس کا کام ہے۔

((اذا حدث کذب ، و اذا خاصم فجر)) ❶

میں اس رسالہ کا جواب نہ لکھتا، مگر ان حضرات کی لن ترانی اور عوام بے چاروں کی خاطر پریشانی مجھ کو محرک ہوئی۔

اس رسالہ کے صفحہ نمبر ایک اور صفحہ نمبر دو میں صرف کلمات زشت اور سخن ہائے درشت و نازیبا مخاطب کو سنائے گئے ہیں۔ اور اس پر حسرت ظاہر کی گئی ہے کہ شہر دہلی علماء سے ایک لخت خالی ہو گیا۔ میں یہاں صرف اتنا کہنا بے موقع نہیں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ کا یہ علم و یقین ہے تو آپ اپنے کو کس میں شمار کرتے ہیں۔ اور اپنی تحریر کے اعتبار کا خود کس قدر اندازہ فرماتے ہیں۔

رسالہ کے صفحہ نمبر ۳ میں آپ نے آغاز کلام میں خلاصہ کلام مفتی: مسئلہ مختلف فیہا میں قرآن و حدیث سے رجوع کرنا چاہیے، پر آپ کا یہ اعتراض ہے: مسئلہ مختلف فیہ مجتہدین میں جس پر ظنی دلائل ہر طرف سے قائم ہوئی ہے کیا کیا جاوے۔

میں (عبدالعزیز) کہتا ہوں کہ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ حسب تصریح اصول فقہاء و محدثین بنظر وجوہ ترجیح ایک جانب مرجح ہوتا ہے و الا تساقطا ہوتا ہے۔ کوئی کتاب اصول کی ایسی نہیں جس میں یہ مذکور نہ ہو۔ تعجب ہے کہ آپ اس صورت کو سوچ کر کیوں متحیر ہو کر کہنے لگے (کیا کیا جاوے؟)۔ اس پر بھی آپ کو تنبیہ نہ ہو تو کوئی صورت اسی مسئلہ کی خیال کر کے مجھ سے پوچھئے تو میں آپکو بتا دوں۔ خاص کر جس صورت میں آپ کو مزید تحیر ہو، اسی کو پوچھئے میں اس کو سمجھا دوں گا تو آپکی پوری تسکین ہو جائیگی بغیر اسکے غالباً آپ نہ سمجھیں گے۔

اس رسالہ کے صفحہ نمبر تین میں مفتی کے قول: دار مدار احکام دین رسول اللہ کا صحاح ستہ ہی پر ہے، پر آپ کے دو اعتراض ہیں۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب خصال المنافق، رقم الحدیث: ۱۰۶۔۵۸

نمبر ا۔ بخاری ومسلم تو لکھتے ہیں کہ میں نے استیعاب احادیث صیحہ کا نہیں کیا۔ اور یہ تمام احکام دین کو ان میں منحصر سمجھیں۔ نمبر ۲۔ اللہ رسول کا کلام جب کہ اختلاف سے مبرا اٹھہرا اور مدار دین کا صحاح ستہ ہی پر ہوا۔ تو صحاح ستہ تو احادیث مختلفہ سے پر ہیں۔

اعتراض اول کے جواب میں اول یہ کہا جا سکتا ہے کہ حسب نقل آپ ہی کے مفتی نے تو صحاح ستہ کی نسبت کہا اور آپ اپنے اعتراض میں صرف بخاری مسلم کو کیوں فرماتے ہیں شائد اس مقام کے لکھتے وقت حافظہ وخیال میں تغیر ہو گیا۔

اعتراض نمبر دو کے جواب میں یہ کہتا ہوں کہ وجوہ ترجیح سے اگر قطع نظر کیا جاوے تو یہ مشکل آپ کی فقہ میں کہیں زیادہ ہے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ مصفّی میں فرماتے ہیں:

آنچہ مسطور و مدون شدہ است غیر کافی و در آنہا اختنا بسیار و طرق آں تا مجتہدین غالباً منقطع۔

حیرت ہے کہ آپ ان کتابوں کو تو واجب العمل کہیں اور صحاح ستہ کے عمل والوں پر زبان دراز کریں۔ اور ایسے اعتراض کریں۔...... یہاں پر موجب حیرت آپ کا یہ فقرہ ہے جو آپ اہل حدیث کے ذمہ لگاتے ہیں:

آپ کے نزدیک بجز ان چھ محدثین کے اور محدثین مجتہدین مفسرین وغیرہ سب بے کار ہیں۔

جناب من! یہ تو آپ ہی لوگوں کا دین وایمان ہے کہ سوائے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اجتہادات کے سارے آئمہ محدثین مجتہدین مفسرین اور کتب حدیث وتفسیر کو آپ نکما اور ناقابل تسلیم کہتے ہیں۔......

آپ کے اس قسم کے مضامین کی طرف مزید توجہ نہیں کرتا کیونکہ ایسی فضول باتوں میں پڑنا بے فائدہ ہے۔ نفس مسئلہ کے متعلق میں جواب لکھتا ہوں۔

رسالہ کے صفحہ نمبر ۴ میں آپ لکھتے ہیں:

جو محدثین نے باب باندھ کر لکھ دیا وہ حکم ناطق ہے اور جو حدیث اس کے ذیل میں درج کر دی خواہ قریب المعنی ہو یا وہ بعید المعنی، یا وہ حدیث کسی درجہ کی ہو، دلیل کافی ہے۔

یہ لکھ کر آپ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے ترجمہ باب:

وجوب القرأة للامام والماموم فی الصّلوة کلّها فی الحضر والسّفر وبالجهر فیها وما یخافت ❶

اس کے تحت میں جابر بن سمرہ والی حدیث نقل کرنے پر چوٹ کی ہے اور یوں فرماتے ہیں:

بخاری ایک باب لکھ کر جس میں سورہ فاتحہ کا ذکر بھی نہ ہو اور پھر اس میں وہ ایک قصہ لکھیں کہ جس میں الحمد کا نہ صراحۃً، نہ اشارۃً کچھ ذکر ہو، ایسی حدیث سے زبردستی ہے فرض فاتحہ اور پھر خلف الامام استدلال کرنا۔ الخ۔

جناب من! بات یہ ہے کہ امام بخاری کے وجہ استدلال کو سمجھنا ایک تو قابلیت پر موقوف ہے دوسرے معانی نصوص کے ادراک کے لئے شرط یہ ہے کہ انسان تقلید سے دور ہو کر دیکھے تو البتہ یہ دولت بفضلہٖ تعالیٰ نصیب ہو:

ایں دولت جاوید نہ آید بکف کسی بے سابقہ فضل خداوند تعالیٰ

اب سنئے امام بخاریؒ نے اس باب میں وجوب قرأت جمیع نماز میں لکھا ہے اور جمیع نماز کی چند صورتیں بیان کی ہیں۔ نماز امام۔ نماز مقتدی۔ نماز حضری۔ نماز سفری۔ نماز جہری۔ نماز سری۔ اور مجموع مضمون باب کے متعلق تین حدیثیں نقل کی ہیں۔ اول حدیث جابر بن سمرہ والی۔ اس حدیث کے مضمون ((ارکد فی الاولین واخف فی الآخرین)) سے قرأۃ ہر چار رکعت میں ثابت کیا جو حنفیہ کے خلاف ہے، کیونکہ ان کے یہاں پچھلی دو رکعتوں میں قرأۃ فرض نہیں۔ اور کنت اصلّی بهم صلوة رسول اللّٰه...... سے عموم وجوب قرأت فی الصلوۃ (جس کا فرد صلوۃ مقتدی بھی ہے) پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ سعدؓ نے اس سے اشارہ کیا تھا طرف قول آنحضرت ﷺ ((صلّوا کما رأیتمونی اصلی)) ❷ کے اور اصول کا مسئلہ ہے کہ ظاہر امر وجوب کیلئے ہوتا ہے اور اس حکم عام کی تخصیص کسی امر میں بغیر مخصص مساوی کے نہیں ہو سکتی۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوات کلها، رقم الحدیث: ۷۵۶
صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، رقم الحدیث: ۳۴۔۳۹۴

❷ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعۃ، رقم الحدیث: ۶۳۱

پس جابر بن سمرہ والی حدیث سے مطلق قرأۃ جمیع نماز (جس کا، فرد نماز مقتدی ہے) میں صاف ثابت ہے اور یہی ترجمہ باب ہے بخاری کا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں تحت لفظ حدیث((ارکد فی الاولین)) لکھتے ہیں ای اطول فیھما القرأۃ یعنی پہلی دو رکعتوں میں قرأۃ کو طول کرتا ہوں۔ جس کا صریح مطلب یہ ہے کہ حضرت سعد پہلی دو رکعتوں میں قرأت طول کرتے تھے اور پچھلی دو میں تخفیف قرأۃ کرتے تھے۔ کما قال اخف فی الآخرین ۔اور حنفیوں کے محدث مولوی احمد علی سہارنپوری جن کو صاحب رسالہ خواہ مخواہ مقبول الفریقین کہتے ہیں۔ وہ حاشیہ صحیح بخاری میں استشہاداً کرمانی سے نقل کرتے ہیں:

قوله فارکد ای اقیمه طویلاً اطول فیهما القرأة وفیه المطابقة التّرجمة ۔

باقی رہا آپ کا یہ فرمانا کہ جابر بن سمرہ والی حدیث میں سورۃ فاتحہ کا کہاں ذکر ہے؟ جناب من! مطلق قرأۃ مقتدی کے تو آپ لوگ قائل ہو جایئے۔ بعد میں اس کے مطلق کی تعیین میں کلام فرمایئے۔اور مطلق کی تعیین سے آپ کیوں گھبراتے ہیں۔آپ لوگ تو اس میں مشاق ہیں۔ مطلق اہل ذکر کی تعیین ساتھ امام ابوحنیفہؒ کے اپنے جی سے کر ڈالتے۔اور یہاں تو سورۃ فاتحہ کی تعیین میں احادیث بکثرت وارد ہیں۔اور آخر حنفیہ بھی یہاں تعیین کرتے ہیں۔ گو غیر مقتدی کے لئے سہی۔ اور قرأۃ فاتحہ کو واجب کہتے ہیں۔ پس اس باب کے تحت میں امام بخاری تین حدیثیں لائے ہیں۔ پہلی حدیث سے مطلق قرأۃ کا وجوب ثابت ہے۔اور دوسری حدیث میں اس مطلق کی تعیین صریح ہے۔یعنی عبادہؓ بن صامت والی روایت ((لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب)) سے سورۃ فاتحہ کا وجوب صریح ثابت ہے، چنانچہ مولوی احمد علی صاحب بھی حاشیہ بخاری میں لکھتے ہیں:

و اوجبنا الفاتحة بهذا الحدیث ۔

یعنی ہم لوگ اسی حدیث سے سورۃ فاتحہ کو واجب کہتے ہیں۔

پس وجوب فاتحہ کے ثابت ہونے میں کلام نہیں رہا۔ باقی رہا مقتدی کو اس حکم سے نکالنا، اس کا جواب موقع پر آئے گا۔

تیسری حدیث اس باب میں ابو ہریرہؓ والی ہے جس میں ارشاد ہوا ہے ((اقرء ما تیسّر معك من القرآن)) ہر چند اس حدیث میں ما تیسّر عام ہے مگر عبادہؓ والی روایت بیان کر دیتی ہے کہ ما تیسّر سے مراد فاتحہ ہے اور آیات و حدیث میں ایک کی تفسیر اور بیان دوسری سے ثابت و شائع ہے۔ اگر ناواقف حنفی اس سے انکار کرے تو ان سے پوچھنا چاہیے کہ قربانی کے بارہ میں قرآن میں تو ما تیسّر من الھدی ایسا ہی لفظ (جو آسان ہو) وارد ہے۔ پھر وہاں آپ لوگ مسنّہ وغیرہ کی قید کیوں لگاتے ہیں۔ آخر آپ لوگ یہی فرمائیں گے کہ مسنّہ وغیرہ قید احادیث سے ثابت ہے، تو یہاں ہم بھی وہی کہتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کی قید بھی احادیث صریحہ صحیحہ سے ثابت ہے اور اس میں حنفیوں کو کلام بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بھی وجوب فاتحہ کے قائل ہیں۔ اور اسی پر کیا موقوف ہے ﴿ربّک فکبّر﴾ سے تکبیر تحریمہ فی الصلوۃ مراد لیتے ہیں۔ ﴿قوموا للّٰہ قانتین﴾ سے قیام فی الصلوۃ مراد رکھتے ہیں۔ اور علی ہذا القیاس۔ اور اس کو تو آپ بھی مانتے ہیں چنانچہ اپنے رسالہ کے صفحہ ۵ میں فرماتے ہیں:

علی الرّأس والعین لیکن وہ مدعا جو خلف الامام کا ہے جب سمجھا جاتا جب منع قرأۃ خلف الامام میں آیات قرآن اور حدیثیں۔ الخ

یہ کلام آپ کا باعلان پکار رہا ہے کہ دلائل مذکورہ سے ثبوت قرأۃ خلف الامام میں آپ کو کلام نہیں۔ مگر بزعم آپ کے آیت و حدیث اس کی مخصص موجود ہے جو مقتدی کو اس حکم سے نکال دیتی ہے۔ اس صورت میں آپ کو استدلال پر چوٹ کرنا اور ایک حصہ اپنے رسالہ کا اس میں سیاہ کرنا اور کلمات زشت سے اپنی زبان و قلم کو آلودہ کرنا مناسب نہ تھا۔ اس کے بجائے صرف تحقیقات اس عموم کی پیش کرتے اور حدیث عبادۃ بن صامت کا معارضہ (اپنے زعم میں سہی) فرماتے۔

دوسری روایت عبادہؓ بن صامت والی۔ اس سے ثبوت فاتحہ خلف الامام میں آپ مقر ہیں۔ صرف مانع ثبوت منع قرأت خلف الامام میں آیات و حدیث آپ فرماتے ہیں۔ چناں چہ آپ کا یہ قول ہے:

علی الرأس والعین لیکن وہ مدعا جو خلف الامام کا ہے جب سمجھا جاتا جب منع قرأۃ خلف الامام میں آیات قرآن اور حدیثیں۔ الخ

اور آپ فرماتے ہیں:

اس کی تصریح مع دلائل قرآن وحدیث حصہ دوم میں ہے۔

میں (عبدالعزیز) نے آپکے رسالہ کے حصہ دوم کو دیکھا۔ اس میں آپ نے کوئی آیت یا حدیث اس مضمون کی نہیں لکھی ہے جس میں قرأۃ فاتحہ خلف الامام کا منع ہو۔ البتہ مطلق قرأت کی نفی مفہوم ہوتی ہے۔ اور صیغہ عموم سے حکم خاص منطوق کی نفی نہیں ہوسکتی جیسا کہ واقف اصول پر پوشیدہ نہیں۔ کیا آپ لوگ اپنے مذہب کے اصول فقہ کو نہیں مانتے۔ ذرا اس کی تصریح فرمایئے تو میں کچھ عرض کروں۔ اگر آپ ایسا کہیں گے تو آپ کو مسح علی الخفین کے مسئلہ میں عدم جواز مسح کا قائل ہونا پڑے گا کیونکہ جس طرح قرأت کے بارہ میں حکم عام وارد ہے ایسے ہی آیت وضو میں پیر دھونے کے بارے میں حکم عام وارد ہیں اور اس سے قرأت فاتحہ کی صورت خاص کی جاتی ہے اس جگہ آپ نے بے محل یہ لکڑی بھی لگا دی ہے۔

یہ بھی لحاظ رہے کہ اس جگہ مراد نہ ہونے سے کامل اور اچھے نہ ہونے سے ہے ذات مراد نہیں ہے، نفی کمال ہے۔ الخ

کیوں جناب جو چیز دو اجزاء ہے، اس کا ایک جزء نہ ہو تو آپ اس کو پوری وہ چیز کہیں گے؟ لفظ خداج پکار رہا ہے کہ جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی گئی وہ نماز ناقص ہے یعنی ایک رکن اس کا کم ہے۔ لفظ خداج میں یہ معنی کیوں کر پیدا ہوگیا کہ نماز بہ جمیع اجزاء ہوگئی صرف بعض صفات گھٹ گئے ہیں۔ ھی کی ضمیر نماز کی طرف پھرتی ہے یا صفات نماز کی طرف پھرتی ہے۔ اور وہ مرجع کہاں مذکور ہے۔ نصوص شرعیہ میں ایسے مضامین زبردستی اپنی طرف سے ٹھونس دینا کیا مقتضائے دیانت وایمان ہے؟

۳۔ دلیل حدیث ابوہریرہ والی۔ اس پر آپ کے تین اعتراض ہیں۔

نمبر اول، ما تیسّر معك من القرآن سے مراد فاتحہ کیونکر ہے، کون قرینہ اس پر دال ہے۔

نمبر دوم۔ فاتحہ سے ﴿قل هو الله احد﴾ میں زیادہ تیسّر ہے اور تعیین سے تیسّر جاتا رہتا ہے۔

نمبر تین۔ یہ حدیث منفرد کے حق میں ہے کیونکہ شخص مخاطب ایک ہی تھا۔

ان تینوں اعتراضوں کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔

اعتراض اول کا جواب تو مفتی کے کلام میں موجود ہے۔ نہ معلوم آپ کو کیوں نظر نہیں پڑا۔ مفتی کا کلام آپ خود نقل کرتے ہیں:

ابوداؤد میں اس حدیث میں بیان ہے۔ الخ

اس مضمون کو میں مکرر آپ کو سمجھاتا ہوں ابو ہریرہؓ والی روایت چند طرق سے مروی ہے بعض طرق میں ما تيسّر معك من القرآن اور بعض طرق میں ام القرآن صراحۃً مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد ما تيسّر سے ام القرآن ہے لقاعدة: الاحاديث يفسّر بعضها بعضاً۔ چنانچہ مفتی صاحب نے اس قاعدہ کو بھی ذکر کر دیا ہے اور آپ نے اس کو نقل بھی کیا ہے۔

غور فرمائیے کہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر واقع ہوتی ہے اور یہاں تو ایک ہی حدیث کی ایک سند دوسری سند کی مفسر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع ﷺ نے ما تيسر اور ام القرآن دونوں لفظ بر سبیل تخصیص بعد تعمیم فرمائے تھے۔ کسی کو وہ یاد رہا اور کسی کو یہ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حدیث جیسے حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، رفاعہ سے بھی مروی ہے۔ اور رفاعہ والی سند میں ما تيسّر بھی وارد ہوا ہے اور ام القرآن بھی وارد ہوا ہے۔ دیکھو سنن ابوداؤد۔

جواب اعتراض نمبر۲: آپ کا یہ فرمانا کہ ﴿قل هو الله﴾ اور ﴿انّا اعطيناك﴾ میں زیادہ تیسر ہے۔ جناب من! وجود ایسریت غیر مانع تیسر شئے نہیں ہوتا۔ کلیات مشککہ تو اپنے افراد پر یوں ہی صادق آیا کرتے ہیں۔ کیا ایک کپڑا زیادہ سیاہ ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ دوسرا کپڑا سیاہ نہیں ہے۔ ذرا سوچ سمجھ کر اعتراض فرمائیے۔ نیز تیسر اور ایسریت تو امور اضافیہ سے ہے۔ ایک ہی شئے باعتبار ایک کے یسر اور باعتبار دوسری کے عسر ہو سکتی ہے۔ ﴿قل هو الله﴾ اور ﴿انّا اعطيناك﴾ کو آپ خود ایسر فرماتے ہیں حالانکہ ﴿مدهامتان﴾ اس سے ایسر ہے۔

جواب نمبر۳۔ آپ کا یہ فرمانا کہ حدیث منفرد کے حق میں ہے کیونکہ مخاطب آنحضرت ﷺ کا ایک ہی شخص تھا۔ نہایت محل تعجب ہے۔ کیا وہ شخص جس کو آپ ﷺ نے نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی، ہمیشہ منفرد ہی رہتا، کبھی موقع اقتداء کا اس کو نہیں ملتا۔ آپ خود لکھتے

ہیں:

یہ مقام تعلیم ہے اور پھر وہ بھی ایک اعرابی کو اور پھر حضرت ﷺ صاف اسکو فرما رہے ہیں۔

یہی تو میں کہتا ہوں کہ مقام تعلیم میں آنحضرت ﷺ صاف فرماتے ہیں کہ منفرد یا امام ہو تو قرأت کر اور مقتدی ہو تو مت پڑھ۔ بلکہ عموماً فرما رہے ہیں کہ جب نماز پڑھ تو قرأت کر جس سے ظاہر ہے کہ مقتدی اس سے مخصوص نہیں۔ لیجئے آپ ہی کی تقریر آپ کے مخاطب کو مفید ہوئی۔

۴۔ دلیل حدیث عبادہ بن صامت کی بروایت امام مسلم اس کی نسبت آپ صرف اس قدر فرماتے ہیں:

یہ وہی حدیث ہے جو بخاری میں آ چکی اب چار اس جگہ ہوئیں۔

میں (عبدالعزیز) کہتا ہوں کہ اولاً مفتی نے یہ نہیں کہا کہ یہ چوتھی حدیث ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ امام مسلم بھی سورۃ فاتحہ خلف الامام کی حدیثیں لائے ہیں۔ اول حدیث عبادہؓ والی۔ اور وہ چار طرق سے لائے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ تعدد طرق کو تعدد کیونکر قرار دیا ہے۔ جب مفتی نے یہ کہا (گویا چار حدیثیں سمجھنی چاہئیں) تو آپ نے لفظ (گویا) کو لحاظ نہیں کیا۔ یا اس کے معنی نہیں سمجھے۔

۵۔ حدیث ابو ہریرہ والی بروایت مسلم۔ اسکی نسبت آپ چند امور فرماتے ہیں۔

نمبر ۱۔ تو یہ کہ بغیر فاتحہ نماز ناقص ہوتی ہے، اس سے فرضیت جاتی رہی۔

اس کا جواب اولاً گزر چکا۔ علاوہ فرض و واجب کے تقسیم اور دونوں میں امتیاز کسی دلیل شرعی سے آپ ثابت تو کریں۔ فقہاء کی من گھڑت کون سنتا ہے۔

نمبر ۲۔ دریافت کرنا ابی السائب وغیرہ حضرت ابو ہریرہؓ سے صاف اس پر دلالت کرتا ہے کہ

متن حدیث سے وہ بھی خلف الامام نہیں سمجھے۔

جواب۔ اس کا آپ بغور سنیں۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ اگر ابوالسائب خلف الامام نہیں سمجھے تو باعث ان کے پوچھنے کا کیا تھا؟ یہی پوچھنا ان لوگوں کا دلیل صریح ہے اس پر کہ صلوۃ

مقتدی کو عموم حدیث ابو ہریرہؓ کا شامل ہونا انہوں نے سمجھا۔

رہی یہ بات کہ یہ سوال ان لوگوں کا کس امر سے تھا؟ میں اس کو بتا دیتا ہوں۔ نفس قرأت مقتدی تو ان لوگوں نے عموم حدیث سے سمجھا، مگر کیفیت قرأت مقتدی نہیں سمجھا تھا کہ کس طرح مقتدی پڑھے، جسکو ابو ہریرہ نے بتا دیا کہ جی میں پڑھ، تا کہ نزاع فی القرآن نہ ہو۔

نمبر۳۔ قول ابو ہریرہ۔ اقرء بها فی نفسك کی نسبت آپ فرماتے ہیں:

یعنی دل میں پڑھ، تو زبان سے اس کی ممانعت ہوئی۔ الخ

کیا خوب قرأت کا معنی غور و فکر آپ نے کہاں سے تراشا ہے۔ کوئی سند اس کی پیش کیجئے۔ دوسرے حضرت ابو ہریرہؓ نے اس پر استدلال کیا ہے، حدیث:

((قال اللّٰہ عزّوجل قسمت الصّلوۃ بینی و بین عبدی نصفین ۔ ولعبدی ما سأل فاذا قال الحمد للّٰہ ربّ العالمین)) الحدیث ۔ ❶

پس اس حدیث میں جو لفظ (قال) وارد ہے، بنا بر زعم آپ کے اسکے معنی غور و فکر ہونگے ورنہ استدلال حضرت ابو ہریرہؓ کا غلط ہوگا۔ حالانکہ قول کے معنی غور و فکر، ذکر، تحریف معنوی صریح ہے۔ تیسرے، غور و فکر میں سورۃ فاتحہ کی تخصیص کیا ہے۔ کیا ماسوا سورۃ فاتحہ میں غور و فکر کی ضرورت نہیں۔ باقی رہا یہ کہ آپ کو یہ شبہ رہے گا کہ ابو ہریرہؓ نے فی نفسك کیوں کہا، بجائے اس کے سراً کیوں نہیں کہا۔ اگر سرّ مقصود تھا تو جواب اس کا یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ کا مقصد غایت تبر کاً بتا دینا تھا اس لئے کہا اقرء بها فی نفسك ۔ پڑھ فاتحہ اپنے نفس میں یعنی ایسا پڑھ کہ نفس تیرا سنے اور کوئی دوسرا نہ سنے، تا کہ موجب منازعت نہ ہو اور ابو ہریرہؓ نے یہ فرما کر حدیث قسمت الصلوۃ بیان کی، اس غرض سے کہ سورۃ فاتحہ کے ساتھ لوگ سہل انگاری نہ کریں۔ بلکہ اس کو مہتم بالشان سمجھیں۔ کیونکہ اللہ پاک نے اس سورۃ فاتحہ کو صلوۃ فرمایا، جو دلیل ہے اس کی کہ رکن اعظم نماز کا اور مہتم بالشان سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہے، اسے بیان عظمت قرأت فاتحہ کی غرض سے حدیث قسمت الصلوۃ حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان فرمایا ورنہ مطلق رکنیت اس کی تو حدیث سابق سے ظاہر ہو چکی تھی۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، رقم الحدیث: ۳۸۔۳۹۵

اس سے آپ کا وہ شبہ بھی دور ہوا جو آپ نے فرمایا تھا۔ ❶

نیز۔ یہ تو آپ نے عجب بات کہی کہ ایک دلیل کے بعد اگر کوئی دوسری دلیل بھی ذکر کر لے تو آپ کہہ دیں گے کہ پہلی دلیل سے استدلال نہیں ہے ورنہ دوسری دلیل کیوں ذکر کی۔ صاحب ہدایہ جو ہر جگہ دو قسم کی دلیل لکھتے ہیں تو آپ وہاں بھی فرمایئے کہ پہلی دلیل بے کار ہے اور اس سے استدلال نہیں ہے۔

ہاں یہاں پر آپ یہ بھی فرماتے ہیں:

ایسر کسی کا عمل نہیں، شافعیہ امام کے سکتوں میں پڑھتے ہیں۔

یہ محض غلط بات ہے۔ شافعیہ یہ نہیں کہتے کہ بغیر سکتہ امام کے پڑھنا نہیں چاہیے۔ بلکہ ان کے نزدیک سورۃ فاتحہ نماز میں فرض ہے، امام سکتہ کرے یا نہ کرے۔ البتہ بصورت سکتہ امام وہ یہ کہتے ہیں کہ بہتر ہے سکتوں کے وقت پڑھنا۔ اور اس غرض سے شافعیہ نے کہا ہے کہ موقعہ اختلاف سے بچنا اچھا ہے یعنی جو لوگ سورۃ فاتحہ پڑھتے وقت بھی سکوت و استماع کے قائل ہیں ان کے بھی خلاف نہ ہو۔ چنانچہ نیل الاوطار میں منقول ہے:

وفعلنا حال السكوت الامام ان امكن احوط لانّه يجوز عند اهل القول الاول فيكون فاعل ذالك اخذ بالاجماع۔

یعنی قرأت امام کے سکوت کے وقت اگر ممکن ہو تو بہتر ہے کیونکہ وہ پہلے قول والوں کے نزدیک بھی جائز ہوگا۔ پس یہ کرنا اتفاق کو اختیار کرنا ہے۔

اسکے یہ معنی نہیں کہ حدیث لا صلوۃ پر شافعیہ کا عمل نہیں اور احادیث وجوب فاتحہ سے ان کا استدلال نہیں اور امام جو سکتات کرتا ہے یہ من تلقاء نفس تکلف نہیں ہے جو آپ نے فرمایا (وہ اتنا تکلف نہیں کرتے)۔ باقی رہا اہل حدیث کی نسبت جو آپ نے یہ لکھا ہے:

یہ لوگ تو وہ دکھلانے کو دھڑلے سے پڑھتے ہیں۔

---

❶ خود ابو ہریرہؓ بھی نفس حدیث سے اس اپنے اجتہاد کو استدلال نہیں کرتے ہیں بلکہ آگے خود فرماتے ہیں۔ خالی سمعت

اس کا جواب کیا دوں؟ بات یہ ہے کہ آپ کو اہل حدیث سے عداوت ہے۔ اس عداوت سے آپ ایسے فقرے ان کی نسبت لکھتے ہیں اور وجہ عداوت کوئی نہیں سوائے اس کے کہ یہ لوگ حدیث رسول پر عمل کرتے ہیں۔ اور اسی کی ترویج کیا کرتے ہیں۔ موقع تو یہ ہے کہ ﴿موتوا بغيظكم﴾ کہا جائے، مگر میں نہیں کہتا۔ اس مقام میں در بارہ ذکر قول نووی آپ نے لکھا ہے:

دعوی یہ کہ مسئلہ مختلف فیہ کو اللہ و رسول کی طرف پھیرے نہ غیرھما۔

جناب من! یہاں پر ذکر قول امام نووی معنی حدیث و ثبوت مدعا من الحدیث پر استشہاد ہے نہ استدلال۔ آپ یا دونوں میں فرق نہیں جانتے یا جان کر عناداً ایسے کلمات بولتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے ترمذی کی روایتوں کی نسبت کلام شروع کیا۔ مفتی نے سائل کے سمجھانے کو قول ترمذی وفی الباب عن ابی هريرة وعائشة وانس وقتادة وعبد الله بن عمر کا مطلب لکھ دیا تھا کہ در بارہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے علاوہ حدیث عبادہ کی ان پانچ صحابیوں سے بھی حدیث مروی ہے۔ اور اس کو صاف کر دیا تھا کہ چھ حدیثیں یعنی چھ صحابیوں سے مروی ہونا امام ترمذی لکھتے ہیں، اس کو آپ جھٹلاتے ہیں اور لکھتے ہیں: اظہار کذب وافتراء۔

اچھا صاحب! عبارت ترمذی (وفی الباب۔ الخ) کا مطلب آپ ہی کوئی سوا اس کے فرمایئے۔ کوئی دوسرا مطلب اگر آپ سمجھتے تو ضرور اس کو لکھتے مگر آپ نے نہیں لکھا۔

رہا کلام آپ کا حدیث عبادہ بن صامت پر اس حدیث کی آپ نے تضعیف کی ہے۔ اور ایک طریق میں محمد بن اسحاق راوی پر جرح کی ہے۔ اور دوسرے طریق میں نافع بن محمود راوی پر اور اس تضعیف میں استناد آپ دو کی طرف کرتے ہیں۔ ایک تو آپ کا بیان ہے کہ فتوی خاتم المحدثین والمفسرین حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین کا ہے۔

میں (عبد العزیز) سخت متعجب ہوں آپ کی اس دلیری پر، جناب ممدوح بفضلہٖ تعالی موجود ہیں اور میں تقریباً بیس برس سے مستفیض صحبت بابرکت ہوں [1] اور در بارہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے آپ کا فتوی اور مقال مجھ کو کیا، اکثر افراد عوام وخواص کو معلوم ہے۔ مگر ساتھ اس کے آپ نے ایسے فتوی کی نسبت اس جناب کی طرف کرنے میں کچھ باک نہ کیا۔

---

[1] یہ تحریر اس وقت کی ہے جب میاں صاحب زندہ تھے۔ انکی وفات ۱۹۰۲ء میں ہوئی۔ بہاء

مگر آپ سے یہ کچھ بعید نہیں ۔ رسالہ جزء القرأۃ امام بخاری کا جس کا ذکر وحوالہ کتب دینیہ میں شائع ہے اس کو آپ نے بے دھڑک کہہ دیا کہ امام بخاری کا نہیں ہے ۔ نہ معلوم کس کا ہے ۔ تو صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح بتا دینا آپ سے کیا بعید ہے ۔

دوسرا استناد آپ کا تضعیف حدیث عبادہ میں رسالہ الدلیل القوی مؤلفہ مولوی احمد علی سہارن پوری پر ہے ۔ اس کا جواب اہل حدیث کی طرف سے قبل ازیں بھی ہو چکا ہے ۔ پھر آپ بگوش ہوش سنیے ۔

محمد بن اسحاق راوی حدیث عبادہ کی نسبت جو مولوی صاحب سہارن پوری نے لکھا ہے کہ شیخ ابن حجرؒ نے تقریب التہذیب میں یوں لکھا صدوق یدلس رمی بالتشیع والقدر ۔ یعنی مدلس اور مطعون تھا ساتھ رافضیہ اور قدریہ ہونے کے ۔

اولاً ناقل کی حسن نیت اس سے ظاہر ہے کہ ترجمہ عبارت میں لفظ صدوق کا ترجمہ چھوڑ دیا ۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کلمہ تعدیل کا محمد بن اسحاق کے تھا ۔ اب مولوی صاحب غفر اللہ لہ کی جرح کا جواب ملاحظہ فرمایئے ۔

یہ جرح (رمی بالتشیع والقدر) بصیغہ مجہول ہے ۔ جارح کا حال معلوم نہیں کہ کون ہے اور کیسا ہے ؟ اور ایسی جرح مقبول نہیں ۔ بحر العلوم حنفی شرح مسلّم الثبوت میں لکھتے ہیں :

لا یلیق بحال احد ان یقبل الجرح والتعدیل لمن لا معرفۃ لہ ۔

اسی بنا پر خود شیخ ابن حجر نے اس جرح کا اعتبار نہ کیا ۔ چنانچہ درایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں بیہقی سے اس حدیث کی نسبت نقل کرتے ہیں ۔

اخرجہ ابو داؤد باسناد رجالہ ثقات ۔

یعنی ابو داؤد اس حدیث کو ایسی سند سے لائے ہیں کہ سارے راوی (جن میں محمد بن اسحاق بھی ہیں) ثقہ ہیں ۔

محلی شرح مؤطا میں ہے :

قال الخطابی اسنادہ جید لاطعن فیہ ۔

کہا خطابی نے اسناد حدیث عبادہ کی جید ہے یعنی قوی ہے اور اچھی ہے ، نہیں طعن

کیا جا سکتا اس میں۔

یہی حافظ ابن حجر اپنی کتاب التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر میں لکھتے ہیں۔ حدیث عبادۃ بن صامت

کنا خلف رسول اللّٰہ فی صلوۃ الفجر فثقلت علیہ القرأۃ فلمّا فرغ قال:((لعلکم تقرؤن خلفی)) قلنا نعم قال:((فلا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب......لا صلوۃ لمن لم یقرء ھا)) احمد والبخاری فی جزء القرأۃ وصححہ ابوداؤد والترمذی والدارقطنی وابن حبان والحاکم والبیھقی من طریق ابن اسحاق حدثنی مکحول عن محمود بن ربیع عن عبادۃ وتابعہ زید بن واقد وغیرہ عن مکحول۔ ❶

(ترجمہ۔ تھے ہم لوگ پیچھے رسول خدا ﷺ کے نماز فجر میں اور آپ پر گراں ہوئی قرأت۔ بعد نماز کے آپ نے فرمایا شائد تم لوگ میرے پیچھے پڑھتے ہو۔ ہم لوگوں نے عرض کی، ہاں۔ فرمایا، نہ کرو مگر سورۃ فاتحہ کیونکہ جس نے اس کو نہیں پڑھا اس کی نماز نہ ہوئی۔ روایت کیا اس حدیث کو امام احمد نے اور بخاری نے جزء القرأۃ میں اور صحیح کہا اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی اور دارقطنی اور ابن حبان اور حاکم اور بیہقی نے ابن اسحاق کی سند سے۔ کہا انہوں نے حدیث بیان کی مجھ سے مکحول نے محمود بن ربیعہ سے اور محمود نے عبادہ سے اور اس حدیث کو مکحول سے روایت کرنے میں زید بن واقد وغیرہ بھی ابن اسحاق کے ساتھی ہیں)

اگر اس جرح مجہول کا اعتبار ہوتا تو اکابر محدثین اس روایت کی تصحیح نہیں کرتے۔ اور خود حافظ ابن حجرؒ جو اس جرح کے ناقل ہیں، اگر اس جرح کو معتبر سمجھتے تو اس روایت کو موقع استدلال میں نہیں لاتے۔ مولوی صاحب سہارن پوری، قطع نظر ان اقوال وتصریحات محدثین کے، اگر صرف کتب اصول پر نظر ڈالتے تو عبارت تقریب التہذیب کو جرح قادح شمار نہ کرتے۔

---

❶ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب، رقم الحدیث:۸۲۳ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی القراءۃ خلف الامام، رقم الحدیث:۳۱۱

فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں ہے:

قال ابن عبد البرّ من صحت عدالته و ثبت فی العلم امامته و بانت همته فیه وعنایته لایلتفت فیه الی قول احد الا ان یاتی الجارح فی جرحه بینة عادلة یصح بها جرح۔

''کہا ابن عبدالبر نے جس شخص کی عدالت اور امامت علم میں ثابت ہو چکی اور اس کی توجہ اور ہمت اس میں ظاہر ہوئی، کسی کا قول اس کے بارہ میں نہیں سنا جائے گا جب تک جرح کرنے والہ دلیل ظاہر ایسی نہ لاوے جس سے جرح صریح ہو۔''

باقی رہا محمد بن اسحاق کا امام علم اور ثابت العدالت ہونا۔ یہ تو اولاً اسی عبارت سے ظاہر ہے جو مولوی صاحب نے تقریب التہذیب سے نقل کی ہے کیونکہ اس میں لفظ (صدوق) مذکور ہے۔ جو ترجمہ میں آپ نے چھوڑ دیا ہے۔ علاوہ ازیں حافظ صفی الدین بن احمد خلاصہ تہذیب التہذیب الکمال میں لکھتے ہیں:

محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی مولی قیس بن مخرمة ابو عبد الله المدنی احد الاعلام لا سیما فی المغازی والسیر رأی انساً عن ابیه عطاء والزهری وخلق وعند یحی الانصاری من شیوخه وعبد الله بن عون وشعبة والحماد ان وخلق عن ابن شهاب لا بذاله بالمدینة علم جم ما کان ابن اسحاق۔

(ملخص ترجمہ۔ محمد بن اسحاق مدنی آئمہ کبار میں سے ہیں۔ خصوصاً مغازی اور سیر میں۔ انہوں نے حضرت انس کو دیکھا تھا ان کے اساتذہ میں عطا اور زہری اور بہت لوگ ہیں۔ اسی طرح شاگردان میں یحی انصاری اور عبداللہ بن عوان اور شعبہ وغیرہ بہت لوگ ہیں۔ ابن شہاب سے منقول ہے وہ کہتے تھے کہ مدینہ میں علم کا جمگھٹا رہے گا جب تک ابن اسحاق یہاں ہیں)۔

محمد بن اسحاق المولی قیس بن مخرمة تابعی رأی انس بن مالك وسعید بن المسیب وسمع جماعة کثیرة من التابعین حدث عنه الائمة العلماء یحی بن سعید والثوری والنخعی وابن عینیة وخلق سواهم ـ کان عالماً بالسیر والمغازی ایام الناس واخبار المبدء وقصص الانبیاء وعلم الحدیث والقرآن وافقه۔

(محمد بن اسحاق تابعی ہیں، انہوں نے انس کو دیکھا تھا، جماعت کثیر تابعیوں کے شاگرد ہیں اوران کے شاگرد بہت سے امام علماء ہیں۔ سیر ومغازی وقصص انبیاء وغیرہ اور حدیث وقرآن وفقہ کے عالم تھے)

باقی رہا آپ کا یہ کہنا کہ امام مالک نے جرح کی ہے اس کا جواب سمجھئے۔

اہل اصول کے نزدیک جرح وہ مقبول ہے جو کسی عناد اور تعصب کی وجہ سے نہ ہو۔ فتح المغیث میں ہے:

اهل العلم لا يقبل الجرح فيهم الّا ببيان واضح فاذا انضم لذالك عداوة فهواولى بعدم القبول۔

(اہل علم کے بارہ میں بغیر بیان صاف کے جرح مقبول نہیں ہوسکتی۔ اوراس کے ساتھ اگر عداوت بھی ملی ہوئی ہوتو وہ بدرجہ اولی مقبول نہیں ہوسکتی)۔

امام مالک کا محمد بن اسحاق کو بکلمہ درشت یاد کرنا اولاً ثابت نہیں۔ اور اگر ثابت بھی ہوتو اسی طرح پر تھا۔ اس وجہ سے وہ نزدیک اہل علم کے مقبول نہیں۔ شیخ ابن الہمام فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں لکھتے ہیں:

توثيق ابن اسحاق وهوالحق الا يلج ومانقل عن كلام مالك فيه لايثبت ولوصح لم يقبله اهل العلم......وقال شعبة فيه هو امير المؤمنين فى الحديث وروى عنه مثل الثورى وابن ادريس وحماد بن زيد ويزيد بن زريع وابن عيينة وعبدالوارث وابن المبارك واحتمله احمد وابن معين وعامة اهل الحديث وقداطال البخارى فى توثيقه فى كتاب القرأة خلف الامام وذكره ابن حبان فى الثقات وان مالكاً رجع عن الكلام فى ابن اسحاق اصطلح معه وبعث اليه هدية وكدها۔

(توثیق ابن اسحاق کی نہائت حق ہے اورامام مالک کی جرح جوان کے بارہ میں منقول ہے، وہ ثابت نہیں۔ اوراگر ثابت بھی ہوتو اس کو اہل علم نے قبول نہیں کیا۔ دیکھو شعبہ نے محمد بن اسحاق کے بارہ میں کہا کہ وہ امیر المومنین ہے حدیث میں، اوران سے روایت کی ثوری نے اورشافعی وحماد بن زید اور یزید بن زریع اور ابن عیینہ اور عبدالوارث اور ابن المبارک جیسے لوگوں نے۔ اورامام احمد اور یحی

بن معین اور عامہ اہل حدیث نے محمد بن اسحاق کی روائت لی اور بخاری نے کتاب القرأۃ خلف الامام میں ان کی توثیق میں بڑی طویل تقریر کی ہے۔اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مالک نے ابن اسحاق کے بارہ میں اپنی جرح سے رجوع کیا اوران سے صلح کی اورانکے پاس ہدیہ بھیجا)

مولوی (احمد علی) سہارنپوری اگر فتح القدیر حاشیہ ہدایہ اپنے مذہب کی کتاب ہی کو دیکھتے تو تضعیف محمد بن اسحاق پر جرئت نہ کرتے۔

فتح القدیر کی اس عبارت سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں۔

۱۔امام مالکؒ کی جرح محمد بن اسحاقؒ کے بارہ میں ثابت نہ ہوئی۔

۲۔اگر ثابت بھی ہوتو وہ بنا برکسی باہمی رنج کے تھا جس پر لفظ اصطلح معہ دلالت کرتا ہے۔ جو شیخ ابن الہمام رئیس الحنفیہ نے ابن حبان سے نقل کیا۔

۳۔محمد بن اسحاق پر جرح عامہ محدثین کے نزدیک مقبول نہیں۔

۴۔امام بخاری کی توثیق بمقابلہ جرح امام مالک کے شیخ ابن الہمام نے مقبول ٹھہرایا۔

۵۔کتاب القرأۃ خلف الامام بخاری کی تصنیف ہے جس کا مولوی صاحب نے انکار کیا تھا۔

مولوی عبدالحی لکھنوی حنفی نے امام الکلام میں محمد بن اسحاق اور امام مالک کا قصہ ابن سید الناس سے یوں نقل کیا ہے:

لما صنف مالك المؤطا قال ابن اسحاق ايتونى به فانا يبطله۔ فنقل ذالك الى مالك۔ فقال هذا دجال من الدجاجلة......وكان بينهما يكون من الناس حتى عزم ابن اسحاق الخروج الى العراق فتصلحا واعطاه عند الوداع خميس ديناراً ولم ينكر مالك عليه من اجل الحديث۔

(امام مالکؒ نے جب مئوطا تصنیف کی تو ابن اسحاقؒ نے کہا میرے پاس لاؤ میں اس کا پرکھنے والا ہوں۔ یہ خبر امام مالک کو پہنچی تو انہوں نے کہا وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور دونوں میں کچھ خلش تھی جیسی لوگوں میں ہوا کرتی ہے۔ جب ابن اسحاق عراق کو جانے لگے تو آپس میں صلح ہو گئی اور امام مالک نے رخصت کے وقت پچاس اشرفیاں ان کو دیں۔اور امام مالک نے حدیث کے

سبب سے ان پر انکار نہیں کیا)۔

علاوہ اس کے اور بھی خلاف کی وجہیں اس جگہ لکھی ہیں۔ میں (عبدالعزیز) حیران ہوں کہ مولوی صاحب سہارنپوری نے کہاں سے گھڑ کے یہ فقرہ لکھ دیا (الا بفاتحۃ الکتاب سند معتبر سے ثابت نہیں)۔ اس کی سند معتبر ہونا تو ہم درایہ حافظ ابن حجر اور تلخیص الحبیر اور محلی شرح مئوطا سے ثابت کر چکے ہیں کہ بیہقی، خطابی، امام احمد، بخاری، دارقطنی، ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان، حاکم ایسے ایسے اکابر محدثین نے اس کی سند کو معتبر اور صحیح کہا ہے اس کے مقابلہ میں مولوی صاحب سہارنپوری کے زبانی جمع خرچ کون سنتا ہے۔

نیز ہم آپ ہی کے گھر کی خبر دیتے ہیں۔ زیلعی نے نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایۃ میں حدیث عبادہ بن صامت کی نقل کر کے لکھا ہے:

قال البیھقی ورواہ ابراھیم بن سعد عن محمد بن اسحاق فذکر فیہ سماع ابن اسحاق من مکحول فصار الحدیث موصولاً فیھا۔

(کہا بیہقی نے حدیث عبادۃ بن صامت والی کو روایت کیا ہے ابراہیم بن سعد نے محمد بن اسحاق سے اور اس میں محمد بن اسحاق کا مکحول سے سننا ذکر کیا تو حدیث متصل الاسناد صحیح ہوگئی)

دیکھئے زیلعی حنفی نے اس روایت کی صحت اور سند کا معتبر ہونا بیہقی سے نقل کیا ہے اور اس پر کچھ چون چرا نہ کیا۔ جو دلیل بین ہے اس کی کہ زیلعی حنفی نے قبول کیا اور مان لیا۔ ہاں اس روایت سے آپ کا وہ شبہ بھی دور ہو گیا جو آپ نے فرمایا ہے (المدلس ......) کیونکہ اس میں محمد بن اسحاق کا سماع مکحول سے مذکور ہے۔

ابن حجر (جن کا قول نسبت جرح ابن اسحاق کے آپ لائے ہیں) تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر میں بعد تصحیح روایت ابن اسحاق کے (جیسا کہ اوپر منقول ہوا) لکھتے ہیں:

ومن شواھدہ مارواہ احمد من طریق خالد الحذاء عن ابی قلابۃ عن محمد بن ابی عائشۃ عن رجلٍ مّن اصحاب النبیّ ﷺ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ:((لعلکم تقرؤن والامام یقرء)) قالوا انّا نفعل قال :((لا الا ان یقرء احدکم بفاتحۃ الکتاب)) اسناد حسن۔ ورواہ ابن حبان

من طریق ایوب عن ابی قلابة عن انس وزعم ان الطّریقین مخصوص ان خالفته البیهقی فقال ان طریق انس لیست محفوظة۔ ❶

(حدیث عبادہ کی شواہد میں سے امام احمد کی روایت ہے خالد حذاء کے طریق سے، انہوں نے ابو قلابہ سے انہوں نے محمد بن ابی عائشہ سے، انہوں نے ایک صحابی سے، کہا، فرمایا رسول خدا ﷺ نے شاید تم لوگ امام کے پڑھتے وقت پڑھتے ہو۔ لوگوں نے عرض کیا البتہ ہم لوگ کرتے ہیں۔ فرمایا نہ کرو۔ مگر سورۃ فاتحہ کوئی پڑھے۔ اسناد اس کی حسن ہے۔ اور روایت کیا اس کو ابن حبان نے بسند ایوب کے ابو قلابہ سے اور انہوں نے انس سے اور کہا دونوں طریق محفوظ ہے۔ اور مخالفت کی ہے بیہقی نے کہ ابو قلابہ کی سند انس سے محفوظ نہیں)۔

منتقی الاخبار میں ہے:

عن عبادة قال صلّی رسول اللّٰه ﷺ الصّبح فثقلت علیه القرأة فلمّا انصرف قال:((انّی اراکم تقرؤن وراء امامکم)) قال قلنا یارسول اللّٰه ای واللّٰه قال:((لا تفعلوا الّا بامّ القرآن فانّه لا صلوة لمن لم یقرء بهما)) رواه ابودائود والترمذی ـ وفی لفظ:((فلا تقرء بشیء من القرآن اذا جهرت به الّا بام القرآن)) رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی والدارمی قال کلّهم ثقات۔

وعن عبادة انّ النّبیّ ﷺ قال :((لا یقرئن احد منکم شیئاً من القرآن اذا جهرت بالقرأة الابام القرآن)) رواه الدارقطنی۔ وقال رجاله کلّهم ثقات۔ ❷

(روایت ہے عبادہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی اور ان پر قرأت گراں ہوئی۔ بعد فارغ ہونے کے فرمایا میں تم کو امام کے پیچھے پڑھتے دیکھتا ہوں۔ ہم لوگوں نے عرض کیا بیشک۔

---

❶ سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب من ترک القراءۃ فی صلاتہ بفاتحۃ الکتاب، رقم الحدیث:۸۲۳ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی القراءۃ خلف الامام، رقم الحدیث:۳۱۱

❷ منتقی الاخبار، رقم الحدیث:۶۹۸ نیل الاوطار: ج:۴/ص:۴۷ طبع جدید سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۸۲۳، ۸۲۴ سنن ترمذی، رقم الحدیث:۳۱۱ سنن نسائی:۲/۱۴۱ سنن دارقطنی:۱/۳۱۹ رقم الحدیث:۹

فرمایا، نہ کرو مگر سورۃ فاتحہ، کیونکہ جو اس کو نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ روایت کیا اس حدیث کو ابو داؤد و ترمذی نے۔ اور دوسرے لفظ سے یوں مروی ہے جب میں زور سے پڑھوں تو کچھ قرآن نہ پڑھو مگر سورہ فاتحہ۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد اور نسائی اور دارقطنی نے اور کہا سارے رواۃ اس کے ثقہ ہیں اور عبادہ سے مروی ہے ہرگز نہ پڑھے کوئی تم میں سے کچھ قرآن جب میں زور سے پڑھوں مگر سورۃ فاتحہ۔ روایت کیا اس کو دارقطنی نے اور کہا سارے راوی اس حدیث کے ثقہ ہیں)۔

محدث یمانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

الحدیث اخرجه احمد والبخاری فی جزء القرأة وصححه ابن حبان والحاکم والبیهقی من طریق ابن اسحاق قال حدّثنی مکحول عن محمود بن ربیعة عن عبادة وتابعه ذیل بن واقد وغیره عن مکحول ومن شواهده ماروه احمد من طریق خالد الحذاء عن ابی قلابة عن محمد بن ابی عائشة عن رجل من اصحاب النبیّ ﷺ قال قال رسول الله ﷺ: ((لعلکم تقرؤن والامام یقرء)) قالوا انا لنفعل۔ قال لا:((، الا ان یقرء احدکم بفاتحة الکتاب)) قال الحافظ اسناده حسن۔

ورواه ابن حبان من طریق ایوب عن ابی قلابة عن انس وزعم ان الطریقتین محفوظتان وخالفه البیهقی فقال ان طریق ابی قلابة عن انس لیست بمحفوظة ومحمد بن اسحاق قد صرح بالتحدیث فذهب مظنة تدلیسه ، وتابعه من تقدم۔ [1]

(اس حدیث کو امام احمد لائے ہیں اور بخاری بھی جزء القرأۃ میں، اور صحیح کہا اس کو ابن حبان اور حاکم اور بیہقی نے محمد بن اسحاق کی سند سے۔ روایت کیا انہوں نے محمود بن ربیعہ سے اور انہوں نے عبادۃ سے اور ساتھی ہیں محمد بن اسحاق کے مکحول سے روایت کرتے ہیں زید بن واقد وغیرہ۔ اور اس حدیث کی شاہد ہے وہ حدیث

---

[1] نیل الاوطار: ج:۲،ص:۵۷ طبع جدید

جو احمد نے روایت کی خالد حذاء سے اور انہوں نے ابی قلابہ سے اور انہوں نے محمد بن ابی عائشہ سے اور انہوں نے ایک صحابی سے ۔فرمایا رسول خدا ﷺ نے شاید تم لوگ امام کے پڑھتے وقت پڑھتے ہو۔کہا لوگوں نے البتہ ہم لوگ ایسا کرتے ہیں ۔فرمایا نہ کرو مگر یہ کہ کوئی سورۃ فاتحہ پڑھے۔کہا حافظ نے اسناد اس حدیث کی حسن ہے اور روایت کیا اس حدیث کو ابن حبان نے بطریق ایوب کے ابو قلابہ سے اور انہوں نے انس سے اور کہا دونوں طریق محفوظ ہیں ۔اور مخالفت کی ان کی بیہقی نے اور کہا کہ ابو قلابہ کی سند انس سے محفوظ نہیں ہے اور محمد بن اسحاق نے لفظ حدثنا کہا ہے تو گمان تدلیس کا ان کی جاتا رہا۔علاوہ ساتھ ان کے اور بھی ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا)۔

بالجملہ حدیث عبادہؓ بن صامت کی صحت اور قوت اور انکی توثیق خوب اچھی طرح ثابت ہو چکی ۔قطع نظر تصریحات اکابر محدثین کے خود رؤساء حنفیہ شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر و زیلعی صاحب نصب الرایہ و عبدالحی لکھنوی کے کلام سے میں نے ثابت کر دیا۔

اس روایت کی دوسری سند پر مولوی احمد علی سہارنپوری کا یہ اعتراض ہے کہ نافع بن محمود اس میں راوی مستور الحال ہے، جواب اسکا یہ ہے کہ منشاء اس اعتراض کا نہ رجوع کرنا طرف کتب اصول کے ہے۔نافع بن محمود کا مستور الحال ہونا باعث قلت روایت کے ہے، جیسا کہ میزان الاعتدال میں بیان احوال نافع مذکور ہے لا یعرف بغیر ھذا الحدیث اور اس قسم مجہول کی روایت نزدیک اہل اصول کے مقبول ہے، حسامی میں ہے:

وان کان الراوی مجهولاً لایعرف الاالحدیث رواه . بحدیثین مثل وابصة بن معبد و سلمة ابن اسحاق فان روی عنه السّلف و شهدوا بصحته او سکتوا عن الطعن صار حدیث مثل حدیث المعروف ۔

(کہ اگر راوی مجہول ہو، صرف ایک یا دو حدیث کی روایت سے پہچانا جاتا ہو مثل وابصہ بن معبد و سلمۃ بن اسحاق ، اگر اس سے سلف نے روایت کی اور اس حدیث کو صحیح کہا، یا طعن نہیں کیا، تو وہ حدیث مثل حدیث مشہور کے ہوگئی)۔

شرح مسلّم الثبوت میں ہے:

وان کان غیرمعروف بالفقاهة ولا بالرواية بل انما عرف بحديث اوحديثين فان قبلاه آئمة او سكتوا عنه عند ظهورالرواية واختلفوا كان كالمعروف۔

(اگر راوی فقاہت اور روایت میں مشہور نہ ہو بلکہ صرف ایک یا دو حدیث کی روایت سے پہچانا جاتا ہو اگر اس کو اماموں نے قبول کیا، یا اس کی نسبت وقت ظہور روایت کے ساکت رہے، یا مختلف ہوئے، ہر حال میں وہ راوی مثل راوی مشہور کے ہے)

مختصر جرجانی میں ہے:

واكتفوا من عدالته بان يكون مستوراً ۔

محدثین نے راوی کی عدالت کے لئے اسی قدر کافی سمجھا ہے کہ وہ مستورالحال ہو۔

مقدمہ ابن صلاح میں ہے:

المجهول الّذى جهلت عدالته الباطنة وهو عدل فى الظّاهر وهو المستور فقد قال: بعض آئمتنا، المستور من يكون عدلاً فى الظاهر ولا نعرف عدالته باطنة فهذا المجهول يحى بروايته بعض من ردّ رواية الاول وهو قول بعض الشّافعيين وبل قطع منهم الامام سليم بن ايوب الرازى قال لان امرا لاخبار مبنى على حسن الظّن بالرّاوى ولان روايته الاخبار تكون عبد من يتعذر عليه معرفته العدالته فى الباطن فاق......على معرفته ذالك فى الظاهر ويفارق الشهادة فانّها تكون عند الحكام ولا يتعذر عليهم ذالك فاعتبر فيها العدالة فى الظاهر والباطن قلت ويشبه ان يكون العمل على هذا فى كثير من كتب الحديث المشهورة فى غيرواحد من الرواة الذين تقادم العهد وتعذرت الخيرة الباطنة بهم۔

(کہ وہ مجہول جس کے باطن کی عدالت معلوم نہ ہو اور ظاہر میں عادل ہو وہی مستور ہے۔ ہمارے بعض اماموں نے کہا ہے کہ مستور وہ ہے جو ظاہر میں عادل ہو اور باطن کی عدالت معلوم نہ ہو۔ ایسے مجہول کی روایت کو حجت ٹھہرایا ہے بعض ان لوگوں نے جنہوں نے پہلے قسم کے مجہول کی روایت رد کی ہے۔ اور یہ قول ہے

بعض شافعیوں کا اور اسی پر یقین کیا ہے امام سلیم بن ایوب رازی نے۔ کہا انہوں نے یہ اس لئے ہے کہ اخبار کی بنا راوی کے ساتھ حسن ظن پر ہے اور اس وجہ سے کہ اخبار کی روایت ان کے پاس ہوتی ہے جن کو باطنی عدالت کی دریافت متعذر ہے۔ اس لئے ظاہر ہے عدالت کے علم پر کفایت کی گئی ہے خلاف شہادت کے کیونکہ وہ حکام کے پاس ہوتی ہے۔ لہذا اس میں عدالت ظاہری و باطنی دونوں معتبر ہے۔ میں (ابن صلاح) کہتا ہوں اسی پر عمل ہوتا ہے اکثر کتب مشہورہ میں حدیث کے بہتیرے راویوں کی نسبت جن کا زمانہ گزر گیا اور باطنی عدالت نہیں معلوم ہوسکتی)

مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری بایں دعوی حنفیت اس موقع میں امام ابوحنیفہؒ کو نہیں مانتے۔ دیکھو امام صاحبؒ کے نزدیک مستور الحال کی روایت مقبول ہے۔ نخبہ کی شرح الشرح میں ہے:

و قد قبل روایة جماعة منهم ابوحنیفة و تبعه ابن حبان اذا العدل هذه من لایعرف فیه الجرح قال والناس فی احوالهم علی الصلاح والعدالة حتّی یظهر منهم مایوجب الجرح ولم یکلف النّاس بما غاب عنهم وانّما کلفوا بالحکم بالظاهر قال اللّٰه تعالی: ﴿لا تجسسوا﴾ ولان مبنی الاخبار علی حسن الظّن۔

(البتہ قبول کی ہے روایت مستور الحال کی ایک جماعت نے جن میں سے ابوحنیفہ ہیں اور ان کے ساتھ ابن حبانؒ، کیونکہ ان کے نزدیک عادل وہ ہے جس کے بارہ میں جرح نہیں معلوم ہوئی ہے۔ اور کہا لوگ اپنے حال میں صالح اور عادل ہیں جب تک ان سے کوئی بات قابل جرح ظاہر نہ ہو۔ اور نہیں تکلیف دی گئی ہے انسان کو غائب کی البتہ اس کی تکالیف دی گئی ہے کہ ظاہر پر حکم کریں۔ فرمایا اللہ نے ﴿لا تجسسوا﴾ یعنی کسی کے کھوج میں نہ پڑو۔ اور یہ بھی وجہ ہے کہ بنا اخبار کی گمان نیک پر ہے)

نیز نافع بن محمود ایسے مستور الحال بھی نہیں ہیں کیونکہ مستور الحال کی تعریف خود مولوی (احمد علی) صاحب سہارن پوری نے لکھی ہے:

جس کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کا کچھ علم نہ ہو۔

نافع بن محمود کا ثقہ ہونا معلوم ہے، کیونکہ ابن حبانؒ نے ان کی توثیق کی ہے۔خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال میں ہے:

نافع بن محمود بن الرّبیع الانصاری عن عبادة بن صامت وعنه مکحول وثقه ابن حبان۔

(کہ نافع محمود بن ربیع انصاری روایت کرتا ہے۔عبادہ بن صامت سے اور اس سے مکحول نے روایت کی۔ثقہ کہا اس کو ابن حبان نے)۔

مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری نے رجال کی صرف ایک مختصر کتاب تقریب میں لفظ مستور دیکھ کر اس راوی پر جرح کر دی اور حدیث کو غیر صحیح کہہ دیا۔نہ اور کتب رجال کو دیکھا نہ کتب اصول پر نظر ڈالی۔قطع نظر اس سے اگر تصحیحات محدثین ہی سے واقف ہوتے کہ آئمہ محدثین نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے تو اس تضعیف و جرح پر ان کو جرئت نہ ہوتی۔ایک فقرہ مولوی صاحب کا یہاں پر اور تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔آپ لکھتے ہیں:

تصریح کی زیلعی نے کہ امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

نہ معلوم مولوی صاحب نے یہ فقرہ زیلعی کا کہاں دیکھا۔نصب الرایہ فی تخریج الاحادیث الہدایہ میں تو زیلعی نے اس حدیث کو موصول صحیح لکھا ہے۔جیسا کہ اوپر ہم نے نقل کیا۔

مولوی احمد علی صاحب سہارن پوری اس جگہ یہ بھی فرماتے ہیں:

باب وجوب القرأة للامام والماموم

بخاری میں موجود ہے اگر حدیث عبادہ بن صامت کی صحیح الاسناد ہوتی تو امام بخاری ضرور داخل کرتے۔

میں (عبدالعزیز) کہتا ہوں کہ یہ عجیب بات ہے۔امام بخاری نے جزء القرأة میں اس روایت کی، کس زور شور سے توثیق کی۔جس کو شیخ الحنفیہ ابن الہمامؒ وغیرہ بھی لکھتے ہیں، اس پر آپ کی نظر نہیں پڑی۔صحیح بخاری میں جو اس روایت کو ذکر نہ کیا۔اس کی وجہ آپ اپنے جی سے

یہ گھڑ لیتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے نزدیک روایت ضعیف تھی، جس موقع میں امام بخاریؒ کی ایسی لمبی چوڑی تصریح موجود ہے وہاں آپ کا یہ ذہنی احتمال کس قدر مناسب اور ٹھیک ہے۔ باقی رہا آپ کے دل کا یہ دغدغہ کہ امام بخاریؒ، صحیح بخاری میں اس روایت کو کیوں نہیں لائے۔ اس کو ذرا کان لگا کر سنئے اور اپنے جی کی تسکین کر لیجئے۔

امام بخاریؒ اور سارے محدثین کرام حدیث لا صلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب کو وجوب قرأۃ خلف الامام کی دلیل کافی سمجھتے ہیں اور عموم حدیث کا صلوۃ مقتدی کو شامل ہونا ظاہر ہے۔ آپ کے نزدیک بھی یہی بات ہے ورنہ آپ کی پیش کردہ روایت میں استثنا (الا ان يكون وراء الامام) کی کیا ضرورت تھی اور کیا فائدہ۔ پس چوں کہ حدیث مذکور وجوب قرأۃ خلف الامام کی دلیل تام تھی، لہذا امام بخاریؒ نے تحت باب دوسری روایت کی ذکر کی ضرورت نہ سمجھی کیونکہ یہاں استیعاب دلیل مقصود نہ تھا۔ اور جزء القرأۃ میں چوں کہ وہ رسالہ خاص اس مسئلہ میں تھا، اور استیعاب دلائل کا موقع تھا، اس لئے وہاں اس روایت کو امام بخاریؒ لائے۔

نیز روایت محمد بن اسحاق کے متعلق امام بخاری کو بحث بھی کرنی تھی اور جروح غیر مقبولہ کا جواب بھی دینا تھا۔ اور صحیح بخاری میں تطویل فی غیر محلّہ ہوتی، اور امام بخاری کو اس بارہ میں رسالہ مستقل لکھنا تھا۔ لہذا اس روایت کا ذکر اور تصحیح اس رسالہ پر موقوف رکھا۔ اور صحیح بخاری میں مختصر روایت عبادہؓ بن صامت کو لا کر اس پوری روایت کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ، فتح الباری میں لکھتے ہیں:

وقد اغنى البخارى بهذا المسئلة فصنّف فيها جزءً مفرداً۔

یعنی بخاریؒ کو اس مسئلہ کی طرف خاص توجہ تھی لہذا انہوں نے اس بارہ میں رسالہ خاص لکھا۔

اور بھی حافظ ابن حجرؒ، صحیح بخاری میں مختصر روایت عبادہؓ کی لانے کی نسبت بعد ذکر روایت محمد بن اسحاق کے لکھتے ہیں:

والظّاهر ان حديث الباب مختصر من هذا و كان هذا سببه۔

ظاہر یہ ہے کہ صحیح بخاری کے باب کی حدیث اس روایت کی مختصر ہے اور گویا اس کا

سبب ہے۔

ہاں مولوی صاحب سہارنپوری کا یہاں پر ایک مضمون قابل تامل ہے۔فرماتے ہیں:

جملہ استثنائیہ حدیث کا یعنی الّا بفاتحة الكتاب سند معتبر سے ثابت نہیں۔اسی واسطے ترمذی نے دوسری حدیث عبادہؓ کی کو جو بجز اس جملہ کے مروی ہے اصح لکھا ہے۔

میں اس کو غلط فہمی تو نہیں کہتا، مگر اس قدر ضرور کہونگا کہ مولوی صاحب نے ترمذی کا یہ مقام بتوجہ دیکھ کر یا سوچ کر نہیں لکھا۔جامع ترمذی میں تحت باب قرأة خلف الامام اولاً پوری حدیث عبادہؓ بن صامت والی مذکور ہے۔اور بعد اس کے اسی باب میں حدیث عبادہ کا صرف آخر جملہ (لاصلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب) بروایت زہری مذکور ہے۔اور ترمذی نے اول کو صحیح اور ثانی کو اصح کہا، جس کا مطلب صاف یہی ہے کہ ترمذیؒ نے روایت اول کو صحیح اور ثانی کو تائید میں اسی روایت کے ذکر کیا اور اس کو صحیح تر کہا۔

علاوہ ازیں ترمذیؒ نے بعد ذکر اس روایت کے جس کو اصح کہا ہے، لکھا ہے:

والعمل على هذا الحديثِ فی القرأة خلف الامام عند اكثرِ اهل العلم من اصحاب النّبیّ والتّابعين ـ وهو قول مالك بن انس وابن المبارك والشّافعی واحمد واسحاق يرون القرأة خلف الامام۔

(کہ اس حدیث پر عمل ہے اکثر اہل علم صحابہ اور تابعین کا۔اور یہی قول ہے مالک بن انس اور ابن المبارک اور شافعی اور احمد اور اسحاق کا۔سب لوگ قرأت خلف الامام کہتے ہیں)

بھلا فرمایئے تو اگر حدیث عبادہؓ بروایت زہریؒ سے ترک قرأة خلف الامام نکلتا تو یہ کلام ترمذی کا محض بے معنی ہو جاتا۔اور اگر مولوی صاحب سہارنپوری کے کلام کی کوئی یہ تاویل کرے کہ مولوی صاحب کی غرض صرف یہ ہے کہ حدیث عبادہؓ بروایت زہریؒ اصح، سے یہ نکلتا ہے کہ روایت اولی ضعیف ہے، تو یہ بھی وہی بات ہے۔اگر روایت زہریؒ سے تائید روایت اولی کے آپ قائل ہیں جیسا کہ مطلب ترمذی کا صاف ہے تو پھر اس کے کیا معنی جو آپ روایت اولی کی نسبت لکھتے ہیں:

سند معتبر سے ثابت نہیں اسی واسطے ترمذی میں۔الخ

کیا مؤید بالکسر کی اصحیت مؤید بالفتح کی ضعف اور عدم اعتبار کو موجب ہوتی ہے۔ کیا خوب یہ تائید کا ہے کو ہے بلکہ تضعیف ہے۔ علاوہ ازیں ایک روایت کی اصحیت سے ساتھ عدم تعارض کے دوسری روایت کا ضعف نہیں نکلتا، بلکہ یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح ہے اور وہ صحیح تر جس کے معنی اس موقع میں یہ ہوئے کہ ایک مسئلہ کی دو دلیل ہے ایک صحیح اور دوسری صحیح تر۔

مولوی صاحب سہارنپوری کے سارے مضامین کا جواب ہو گیا۔ اب صاحب رسالہ کے دو اعتراض مفتی پر باقی رہ گئے۔ اول یہ کہ مفتی نے ایک حدیث متعدد کتب حدیث سے بار بار کیوں نقل کیا۔ جواب اس کا ملاحظہ ہو۔

آپ نے مفتی کی غرض نہیں سمجھی۔ آپ جیسے لوگ کہتے ہیں کہ حدیث لا صلوة الّا بفاتحة الکتاب وغیرہ سے قرأت خلف الامام نہیں ثابت ہوتی ہے، اس لئے مفتی نے محدثین کا باب قرأت خلف الامام باندھنا اور اس باب میں احادیث مذکورہ کو لانا بصراحت ذکر کیا کہ یہ دلیل ہے اس کی کہ ان احادیث سے قرأت خلف الامام (جس کے آپ منکر ہیں) ثابت ہے۔ پس مفتی نے اظہار موافقت فی الفہم کی غرض سے اکابر محدثین کی تبویب اور اس کے تحت میں ان احادیث کا لانا بیان کیا ہے جس کو آپ تکرار غیر مرضی قرار دیتے ہیں۔

دوسرا اعتراض آپ کا یہ ہے کہ بعض احادیث مذکورہ میں الحمد کے ساتھ سورۃ پڑھنا بھی مذکور ہے، تو مقتدی سورۃ بھی پڑھے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حدیث بے شک عام تھی، مگر مقتدی کے سورۃ نہ پڑھنے کی تخصیص حدیث عبادہ وغیرہ سے ہو گئی۔ جیسے موزہ پہننے والے کے لئے حدیث مسح علی الخفین سے عموم آیت وضو کی تخصیص پیر دھونے کے بارہ میں ہو گئی۔

ہاں آپ نے حدیث ابوالدرداء کی نسبت لکھا ہے:

مفتی کے سارے دعوے کو اس حدیث نے باطل کر دیا۔

میں (عبدالعزیز) آپ کی اس دلیری کو کیا کہوں۔

اولاً قول ابوالدرداء کو حدیث کہنا۔

دوسرے قول ابوالدرداء (ما اری الامام ان ام القوم الا قد کفاھم) کا ترجمہ بایں لفظ (ابوالدرداء نے لفظ ما اری کہا جس کے معنی یہ ہیں کہ میرا یہ خیال ہے نہ کہ بے شک ایسا ہی ہے)۔ علاوہ حسب قاعدہ آپ کے ابوالدرداء نے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی نسبت نہیں کہا۔

رسالہ کے حصہ اول کا یہاں تک جواب ہو گیا۔ کوئی مضمون اس کا باقی نہ رہا۔ البتہ ترتیب پر، ہر عبارت کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس میں طول فضول اور تکرار بے کار اور زشت گوئی اور بدزبانی اور گھر کے قصے وقضائے تھے۔ لہذا میں نے مضامین میں قابل جواب چن کر ان کا جواب لکھا ہے۔

دوسرے حصہ کے صفحہ ایک میں آپ کا یہ مضمون ہے:

اکثر احکام فروعیہ اجتہادیہ میں باعتبار اخبار احادیث کے اختلاف ہے۔ پھر احادیث میں مدون ہونے تک بہ نسبت زمانہ دراز ڈھائی تین سو برس کے بیچ راویوں میں سوء فہمی یا سوء حفظ یا کسی اور وجہ سے اختلاف پڑ گیا۔

میں کہتا ہوں کہ آپ کو ورائے فضل وکمال کے تاریخ دانی میں بہت دخل ہے۔ احادیث کی تدوین تو کتب فقہ سے پہلے شروع ہوئی۔ کتب فقہ کی ابتداء تو امام محمدؒ سے ہے۔ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے مسائل پھیلائے اور کتابیں فقہ کی تصنیف کیں، جیسا کہ تاریخ ابن خلکان میں بیان احوال میں لکھا ہے:

و نشر علم ابی حنیفة

(یعنی انہوں نے علم ابوحنیفہ کا پھیلایا)۔

حالانکہ امام ابوحنیفہؒ کا زمانہ انہوں نے کم سنی میں پایا۔ وقت انتقال امام ابوحنیفہؒ کے ان کا سن کل پندرہ برس کا تھا، کیونکہ ان کی ولادت ۱۳۵ھ میں ہے اور امام ابوحنیفہ کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہے، جیسا کہ تاریخ ابن خلکان وغیرہ میں ہے۔ اور اس وقت تک امام محمد کو علم میں ایسا شعور نہ تھا، اسی واسطے بعد امام ابوحنیفہؒ کے وہ امام مالکؒ کی خدمت میں گئے اور ان سے پڑھا جب امام کہلائے۔...... چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث، مصفی میں فرماتے ہیں:

امام محمد سرمایہ فقاہت در منسوط علم اوست۔

غرض امام محمدؒ جو بعد میں امام مالکؒ کے شاگرد ہوئے اور ان کی شاگردی سے سرمایہ فقاہت حاصل کیا، وہ ہی فقہ حنفی کے بانی ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کا علم ان ہی نے بعد ان کے پھیلایا اور کتابیں فقہ کی تصنیف کیں۔ پھر ان کی کتابوں کی اور ان کی مرویات کی کبھی تہذیب و تنقیح نہیں کی، نہ اس کی سند کا سلسلہ رہا، نہ صحیح اور غیر صحیح کی تمیز رہی، ایک ہی مسئلہ میں کسی

کتاب فقہ میں جائز اور کسی میں ناجائز لکھا ہے۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مصفی میں لکھتے ہیں:

آنچہ مسطور و مدون شدہ است غیر کافی و در آن ہا اختلاف بسیار وطرق آن مجتہدین غالبًا منقطع۔

لیجئے وہی شاہ صاحب جن کا قول آپ سند میں پیش کرتے ہیں آپ کی کتب فقہ کو کس قدر معتبر لکھتے ہیں۔ اب آپ کتب حدیث کے مدون ہونے کا حال بگوش ہوش سنئیے:

حافظ ابن حجرؒ، مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

اعلم علمنی اللّٰہ وایّاك ان آثار النّبیّ ﷺ لم تکن فی عصر اصحابہ و کبار تبعھم مدونۃ فی الجوامع ولا مرتبۃ لامرین، احدھما انّھم کانوا فی ابتداء الحال قد نھوا عن ذالك کما ثبت فی صحیح مسلم خشیۃ ان یّختلط بعض ذالك بالقرآن العظیم وثانیھما بسعۃ حفظھم وسیلان اذھانھم ولان اکثرھم کانوا لایعرفون الکتابۃ۔

ثمّ حدث فی اواخر عصر التّابعین تدوین الآثار وتبویب الاخبار لما انتشر العلماء فی الامصار وکثر الابتداع من الخوارج والروافض ومنکری الاقدار فاوّل من جمع ذالك الربیع بن صبیح وسعید بن ابی عروبۃ وغیرھما وکانوا یصنفون کل باب علی حدۃ الی ان قام کبار اھل الطبقۃ الثانی مدونوا الاحکام۔

فصنف الامام مالك المؤطا وتوطا فیہ القوی من حدیث اھل الحجاز ومزجہ باقوال الصحابۃ وفتاوی التابعین ومن بعدھم و صنف ابومحمد عبدالملك بن عبدالعزیز جریج بمکۃ وابوعمرو عبد الرحمن بن عمرو الاوزاعی بالشّام وابوعبد اللّٰہ سفیان الثوری بالکوفۃ وابوسلمۃ حماد ابن سلمۃ بن دینار بالبصرۃ تم تلاھم من اھل عصرھم فی السنج علی منوالھم الی ان رئی بعض الآئمہ منھم ان یفرد حدیث النّبیّ ﷺ خاصۃً وذالك علی راس المأتین۔

فصنف عبید اللّٰہ بن موسی الکوفی مسنداً وصنف مسدد بن مسرھد البصری مسنداً وصنف اسد بن موسی الاموی مسنداً و صنف نعیم بن حماد الخزاعی نزیل مصرمسنداً ثم اقتفی الائمۃ بعد ذالك اثرھم فقل امام من الحفاظ الا وصنف حدیثہ علی المسانید کالامام احمد

ابن حنبل واسحاق بن راهويه وعثمان بن ابی شيبة وغيرهم من النبلاء ، ومنهم من صنف على ابواب والمسانيد معاً كابی بكر بن ابی شيبة ۔

فلما رای البخاری عنه هذه التصانيف ورواها وانتشق رباها واستجلى محياها وجدها يحسب الوضع جامعة بين مايدخل تحت التصحيح والتحسين۔ والكثير منها يشمله الضعيف فلا يقال ...... فحرك همته لجمع الحديث الصحيح الذی لايرتاب فيه امين وتوی عزمه على ذالك ما سمعه من استاذه امير المؤمنين فی الحديث والفقه اسحاق بن ابراهيم المعروف بابن راهويه وذالك فيما اخبرنا ابو العباس احمد بن عمر اللؤلؤی عن الحافظ ابی الحاج المزنی قال اخبرنا يوسف بن يعقوب اخبرنا ابو اليمن الكندی اخبرنا ابومنصور اتغزاز اخبرنا الحافظ ابوبكر الخطيب اخبرنی محمد بن احمد بن يعقوب اخبرنا محمد بن نعيم سمعت خلف بن محمد البخاری بها يقول سمعت ابراهيم بن معقل النسفی يقول قال ابوعبد الله محمد بن اسماعيل البخاری:

كنا عند اسحاق بن راهويه فقال:"لو جمعتم كتاباً مختصرا الصحيح سنة رسول الله ﷺ" قال فوقع ذالك فی قلبی فاخذت فی جمع الجامع الصحيح ۔

ورويناه بالاسناد والثابت عن محمد بن سليمان بن فارس قال سمعت البخاری يقول رأيت النبیّ ﷺ و كاننی واقف بين يديه وبيدی مروحة اذب بها عنه۔ فسالت بعض المعبرين فقال لی انت تذب عنه الكذب۔ فهو الذی حملنی على اخراج الجامع الصحيح ۔

(ترجمہ۔ احادیث رسول ﷺ کی صحابہ وکبار تابعین کے زمانہ میں جمع نہ تھیں اوراس کی دو وجہ تھیں۔ ایک یہ کہ ابتداء میں یہ منع تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ اس خیال سے کہ کہیں قرآن کے ساتھ خلط نہ ہو جاوے۔اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ بڑے حافظہ اور ذہن والے تھے۔ اوراس وجہ سے کہ اکثر وہ لوگ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ بعداس کے آخر زمانہ تابعین میں جب خوارج وروافض وغیرہ کی بدعتیں پیدا ہوئیں تو احادیث کا جمع کرنا اور ہر باب کی حدیث الگ کرنا شروع ہوا۔سب سے پہلے ربیع بن صبیح اورسعید بن ابی عروبہ وغیرہ نے حدیث جمع کی اور وہ لوگ ہر باب کو الگ تصنیف کرتے تھے یہاں تک کہ تیسرے طبقہ کے

بڑے بڑے لوگ اس پر آمادہ ہوئے اور احکام جمع کیئے۔ امام مالک نے مؤطا تصنیف کی اور اہل حجاز کی قوی حدیث چن ڈالی۔ صحابہ کے اقوال اور تابعین وغیرہ کے فتوے اس میں ملائے۔ مکہ میں ابو جریج نے تصنیف کی، اوزاعی نے شام میں، سفیان ثوری نے کوفہ میں اور حماد بن سلمہ نے بصرہ میں۔

پھر تو ان کے زمانے کے بہتیروں نے ان کی روش اختیار کی یہاں تک کہ بعض کا یہ خیال ہوا کہ صرف حدیث نبوی لکھیں۔ یہ دوسو ہجری کا زمانہ تھا۔ چناں چہ عبد اللہ بن موسیٰ نے ایک مسند تصنیف کی اور ایک مسند مسدد بن مسرہد نے اور ایک مسند اسد بن موسیٰ نے اور ایک مسند نعیم بن حماد نے۔ پھر بعد اس کے امام لوگ انہیں کی راہ چلے۔ اکثر آئمہ محدثین نے مسندیں تصنیف کیں۔ جیسے امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ اور عثمان بن ابی شیبہ وغیرہ۔

بعضوں نے ابواب و مسانید دونوں پر تصنیف کیا جیسے ابوبکر بن ابی شیبہ۔ جب بخاری نے ان تصنیفات کو دیکھا اور پڑھا اور خوب اچھی طرح تحقیق کی، تو ان کتابوں کی حدیثوں کو تین قسم کی پایا۔ تصحیح میں بھی داخل ہیں اور تحسین میں بھی ہیں۔ اور بیشتر تضعیف کو بھی شامل ہیں۔ تو ان کے جی میں آیا کہ ایسی صحیح حدیثیں جمع کریں جس میں کسی صاحب علم کو شبہ نہ ہو اور ان کے ارادہ کو پکا کر دیا اس بات نے جو انہوں نے سنی تھی اپنے استاد اسحاق بن راہویہ سے جو امیر المؤمنین تھے حدیث وفقہ میں۔ حافظ ابن حجر اس بات کو بسند امام بخاری نقل کرتے ہیں۔

بخاری نے کہا کہ ہم لوگ اسحاق بن راہویہ کے پاس تھے۔ وہ بولے کہ اگر تم لوگ کوئی کتاب مختصر ایسی جمع کرتے کہ جس میں صحیح سنت رسول اللہ کی ہوتی تو خوب ہوتا۔ میرے دل میں یہ بات گڑ گئی، تو میں نے صحیح بخاری لکھنا شروع کیا۔ اور یہ بھی بخاری سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ میں ان کے سامنے ہوں اور میرے ہاتھ میں پنکھا ہے۔ اور میں آنحضرت ﷺ پر سے ہانک رہا ہوں اس خواب کو میں نے بعض تعبیر والوں سے پوچھا انہوں نے تعبیر کی کہ تم کذب کو آنحضرت پر سے ہانکو گے۔ اسی نے مجھ کو آمادہ کیا صحیح لکھنے پر)

اہل ایمان اس کو تامل کریں کہ حدیث کی تدوین تابعین کے زمانے سے شروع ہوئی اور برابر آئمہ محدثین تابعین اور تبع تابعین اس طرف متوجہ رہے اور بہت کتابیں تصنیف ہوئیں۔ امام بخاریؒ نے ان سب کتابوں کو پڑھا اور اس وقت کے آئمہ نے خوب تحقیق کی پھر ان سب کتابوں سے چن چن کر نہایت صحیح حدیثیں جن کی صحت پر اتفاق تھا، ان کو جمع کیا اور صحیح بخاری تصنیف کی۔ پھر بعد تصنیف کے اس وقت کے اماموں کے سامنے پیش کیا، سبھوں نے اس کی صحت پر شہادت دی۔ ابن حجرؒ اسی مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

قال ابو جعفر محمود بن عمرو العقيلي لما الف البخاری كتاب الصحيح عرضه علی احمد بن حنبل ويحی بن معين وعلی بن المدينی وغيرهم فاستحسنوه وشهدوا بالصحة الا فی اربع احاديث قال العقيلي والقول فيها قول البخاری۔

(ابو جعفر محمد بن عقیلی نے کہا جب بخاری نے صحیح بخاری تصنیف کی تو اس کو امام احمد بن حنبل اور یحی بن معین اور علی بن المدینی وغیرھم کے سامنے پیش کیا۔ سبھوں نے اس کی توصیف کی اور صحت پر گواہی دی۔ صرف چار حدیثوں میں اختلاف ہوا مگر بخاری ہی کی بات ٹھیک رہی اور وہ حدیثیں صحیح ٹھہریں)

بلکہ صحیح بخاری کی تصنیف سے اگلی کتابوں کی ضرورت نہ رہی، اسی کتاب کو سب نے مانا۔ حنفیہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ بعد قرآن کے صحیحین کا مرتبہ ہے۔ مولوی عبدالحی لکھنوی حنفی، ظفر الامانی فی شرح مختصر جرجانی میں لکھتے ہیں:

وكتاباهما اصح الكتب بعد كتاب الله تعالی وهذا مما اتفق عليه المحدثون شرقاً وغرباً ان صحيح البخاری وصحيح مسلم لا نظيرلهما فی الكتب۔

(بخاری اور مسلم کی کتابیں بعد قرآن کے سب کتابوں سے صحیح تر ہیں اور یہ بات وہ ہے کہ سارے محدثین کا پورب، پچھّم کے اس پر اتفاق ہے کہ کتابوں میں کوئی بخاری اور مسلم کے برابر نہیں ہے)

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں:

وتلقی الامة انما افاد وجوب العمل بماينها من غير توقف علی النظر فيه۔

(مان لینا امت محمدی ﷺ کا واجب کرنا ہے کہ ان دونوں کتابوں میں جو کچھ

ہے اس پر بے دھڑک عمل کیا جائے)۔
شاہ ولی اللہؒ، حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

من یھون امرھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین۔

(جو شخص ان دونوں کی شان ہلکی کرے وہ بدعتی ہے اور اہل ایمان کی راہ کے خلاف چلنے والا ہے)۔

ہزار برس سے تو سارے علماء یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ صحیحین کا درجہ قرآن کے بعد ہے اور نہایت صحیح اور واجب العمل ہے۔ آج کے یہ لوگ ان کتابوں کو بے اعتبار اور نا قابل عمل بتاتے ہیں اور ایسی کتابوں کی نسبت لکھتے ہیں:

ان کی کتابیں مختلف احادیث سے بغیر تمیز کرنے معمول بہ اور غیر معمول بہ کے پڑھیں۔

جناب من! اولاً یہ بات عموماً غلط ہے۔ بخاری مسلم کا حال تو معلوم ہو چکا۔ اور کتابیں قطع نظر اس کے کہ سندیں حدیث کی مذکور ہیں اور کتب رجال موجود ہیں، اکابر محدثین نے خود روایت کا حال بھی بیان کر دیا ہے اور صحت وغیر صحت کو بیان کر دیا۔ ترمذی، ابوداؤد کے پڑھنے والوں کو یہ بات معلوم ہے۔ چنانچہ اسی واسطے کہ ان کتابوں میں احادیث کے قوت وضعف وغیرہ مصرح ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اسی رسالہ انصاف میں جامع ترمذی کی نسبت لکھتے ہیں:

انّہ کاف للمجتھد مغن للمقلد

(یہ کتاب مجتہد کو کافی اور مقلد کو غنی کرنیوالی ہے)
سنن ابوداؤد کی نسبت لکھتے ہیں:

صرح الغزالی بان کتابہ کاف للمجتھد

(یعنی غزالیؒ نے تصریح کی ہے کہ ابوداؤد کی کتاب مجتہد کو کافی ہے)۔

ان دونوں عبارت کا مطلب صاف یہ ہے کہ یہ دونوں کتابیں اجتہاد کے لئے کافی اور مقلد کو تقلید سے بے پرواہ کرنے والی ہیں۔ ایسی کتابیں تو آپ کے نزدیک نا قابل عمل ہیں، اور فقہ کی کتابیں جن کی بنا یوں ہے کہ امام محمدؒ نے پندرہ برس کی عمر کے اندر جو مسائل امام ابوحنیفہؒ سے سنے تھے اور جنہیں سال ہائے دراز کے بعد امام محمدؒ نے جمع کیا تھا اور ان مسائل کی کتابیں لکھیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان کتابوں کا نام بھی نہیں سنا۔ بعد ان (امام ابوحنیفہ) کے یہ

کتابیں بنی ہیں۔ نہ علمائے زمانہ کے سامنے پیش کی گئیں اور نہ کسی نے ان کو قبول کیا۔ اوروں کو تو جانے دیجئے خود شاگردوں نے سارے مسائل تسلیم نہیں کئے۔ چنانچہ شاگردان امام ابوحنیفہؒ کا اختلاف کتب فقہ میں شائع ہے۔ ایسی کتابیں مثل قرآن کے معتبر ہوگئیں۔ ان کو نہ ماننے والا بے دین ولا مذہب کہا جاتا ہے۔

یہ حال تو ان کتابوں کا ہے جو امام محمدؒ کی تصنیف ہیں، جواب کہیں نظر بھی نہیں آتیں۔ اور اب جو کتابیں فقہ کی متداول ہیں وہ تو محض بے سند ہیں۔...... یہاں پر آپ کا ایک فقرہ نہایت عجیب ہے۔ محدثین کی نسبت آپ لکھتے ہیں:

ان کے اعمال کی نسبت دریافت کرتے ہیں تو وہ خود اپنے مجتہد کے مقلد پاتے ہیں۔

عبارت کے جھول سے قطع نظر کر کے ہم اس قدر آپ سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے یہ کس سے دریافت کیا اور کس نے آپ کو بتا دیا اور کس مجتہد کا مقلد ان کو پایا۔ اجی حضرت یہ لوگ تو وہ ہیں کہ ان کی کتابیں دوسروں کو مجتہد بنا دیتی ہیں اور تقلید کو چھڑا دیتی ہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ اور غزالیؒ کے کلام سے ہم ثابت کر چکے، خود یہی لوگ کسی کے کیونکر مقلد ہو سکتے ہیں۔

تقلید کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کی نسبت زیادہ نہیں لکھ سکتا کیونکہ اس کا ردو ابطال اہل حق کی طرف سے بہت ہو چکا اور یہ مسئلہ بہت شائع ہو چکا۔ مقلدوں کے بڑے بڑے نامی مولویوں کا رد ہو چکا اور کسی سے کچھ جواب نہ بن پڑا اور آپ کا دارومدار تو محمد شاہ پنجابی کے مدار الحق پر ہے: وزیرے چنیں شہر یارے چناں۔ ہاں بعض بعض عبارتیں جو آپ نے نقل کی ہیں اس کے متعلق کچھ لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ آپ نے یہاں پر طحطاوی فقہ حنفی کی عبارت نقل کر کے ترجمہ کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے:

فرقہ ناجیہ اس زمانے میں چار مذہب میں جمع ہو گیا اور وہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہیں۔ جو اس سے خارج ہے وہ بدعتی ہے۔

میں (عبدالعزیز) پوچھتا ہوں کہ اس عبارت میں (وھم الحنفیون۔ الخ) جس کا ترجمہ آپ (اور وہ حنفی۔ الخ) کرتے ہیں اس میں ضمیر (ھم) کس طرف پھرتی ہے۔ فرقہ ناجیہ کی طرف یا مذاہب کی طرف۔ اگر آپ کہیں کہ مذاہب کی طرف پھرتی ہے تو غلط ہے، کیونکہ اولاً مذاہب کی طرف ضمیر واحد مؤنث کی (ھی) پھرنا چاہیے۔ کما لایخفی علی

اھل العربیۃ دوسرے مذاہب اور اہل مذاہب کا الحاد لازم آئے گا وھذا غلط فاحش ۔اور اگر فرقہ ناجیہ کی طرف ضمیر پھرتی ہے تو معنی اس کے یہ ہوئے کہ فرقہ ناجیہ کی روش چار مذہب کے اندر ہے، جو اس سے خارج ہے یعنی جس کا عمل اور عقیدہ ایسا ہے کہ چاروں میں سے کسی مذہب میں صحیح نہیں تو وہ بدعتی ہے۔اس عبارت کے یہ معنی نہیں کہ جمیع مسائل میں صرف حنفی یا صرف شافعی ہو اور یہ بھی باعتبار اغلب واکثر کے ہے ورنہ تحلیف شہود کے بارہ میں خود متاخرین حنفیہ نے چار مذہب کیخلاف فتوی دیا ہے۔

دیکھو شرح مسلم الثبوت وغیرہ اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ طحطاوی نے فرقہ ناجیہ کے موقع ذکر میں محدثین کا نام نہیں لیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب رسالہ نے غالباً طحطاوی نہیں دیکھا ہے محمد شاہ پنجابی وغیرہ کی کتاب میں یہ عبارت دیکھی ہے ورنہ طحطاوی میں عبارت مذکورہ کے ساتھ لکھا ہے:

فان قلت ما وقوفك علی انك علی صراط المستقیم و کل واحد من ھذہ الفرق یدعی انه علیه قلت لیس ذالك بالادعاء بالنقل عن جھابذۃ ھذہ الصنعة وعلماء اھل حدیث الذین جمعوا صحاح الاحادیث فی امور رسول اللّٰہ ﷺ واقواله وادخاله وافعاله وحرکاته وسکناته واقوال الصحابة مثل الامام البخاری ومسلم وغیرھما من الثقات المشھورین الذین اتفق اھل المشرق والمغرب علی صحته ماا وردوا فی کتبھم ثم بعد النقل بنظر الی الذی تمسك بھدیھم واقتفی اثرھم واھتدی بسیرھم فی الاصول والفروع ۔ انتھی ملخصاً۔

(کہ اگر کہو کہ کیونکر تم کو معلوم ہوا کہ تم سیدھی راہ پر ہو۔ہر شخص تو یہی دعوی کرتا ہے۔تو ہم کہیں گے کہ ہمارا یہ مجرد دعوی نہیں ہے بلکہ ثابت ہے اس فن کے اکابر اہل حدیث کے علماء کی نقل سے، جنہوں نے صحیح حدیثیں جمع کیں رسول اللہ ﷺ کی ۔اور صحابہ کے اقوال جیسے امام بخاری ومسلم اور سوا ان کے معتبرین مشہورین کہ پورب پچھم کے لوگوں کا اتفاق ہے صحت پر اس کی جو وہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے امور اپنی کتابوں میں لائے ۔اب دیکھا جائے کہ کون ان کی کتابوں سے تمسک کرتا ہے اور ان کی پیروی کرتا ہے اصول وفروع میں)۔

لیجئے ! محدثین کو اسی طحطاوی نے فرقہ ناجیہ کا پیشوا اور دلیل ناجیہ ہونے کی ٹھہرایا ہے۔ اگر چار مذہب والوں کو فرقہ ناجیہ کہا تو اہل حدیث کو ان کا پیشوا اور دلیل نجات کہا۔

دوسری عبارت یہاں پر آپ نے شاہ ولی اللہ کے انصاف سے نقل کر کے ترجمہ کیا ہے۔ شاہ صاحب کی عبارت یہ ہے:

بعد المأتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين باعيانهم وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هو الواجب فى ذالك الزمان۔

(بعد دوسو برس کے ظاہر ہوا ان لوگوں میں خاص خاص مجتہدوں کا مذہب اختیار کرنا۔ اور کم رہ گئے ایسے لوگ جو نہیں اعتماد رکھتے تھے کسی مجتہد معین کے مذہب پر اور یہ واجب تھا اس زمانہ میں)۔

یہی ترجمہ آپ نے بھی کیا ہے۔ بس اس قدر حرفت کی گئی ہے کان بذا ھو الواجب کا ترجمہ کیا ہے۔ اور بھی ہے تقلید مذہب معین واجب۔ اور یہ محض غلطی یا ابلہ فریبی ہے۔ بذا کا مشار الیہ تقلید مذہب معین آپ نے کہاں سے گھڑ لیا۔ بذا کا مشار الیہ عدم اعتماد ہے جو بضمن لایعتمد قریب مذکور ہے۔ شاہ صاحب کی عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ بعد دوسو برس کے تقلید معین پھیلی اور کم لوگ ایسے رہ گئے کہ مذہب معین پر نہیں اعتماد رکھتے تھے۔ اور یہ (نہیں اعتماد رکھنا مذہب معین پر) واجب تھا اس زمانہ میں۔ اور اسی معنی کی تصریح دوسری جگہ شاہ صاحب نے خود کر دی ہے اور اس تقلید مذہب معین کو تحریف دین فرمایا۔ دیکھو: حجة اللہ البالغة صفحه ۱۲۷ باب احکام الدین من التحریف میں:

ومنها تقليد غير المعصوم اعنى غير النبىّ ثبت عصمته وحقيقته ان يجتهد واحد من علماء الامة فى مسألة ، فيظن متبعوه انه على الاصابة قطعاً او غالباً، فيردوا به حديثاً صحيحا، وهذا التقليد غيرما اتفق عليه الامة المرحومة، فانهم اتفقوا على جواز التقليد للمجتهدين مع العلم بان المجتهد يخطىء ويصيب، ومع الاستشراف لنص النبىّ ﷺ فى المسألة والعزم على انّه اذ ظهر حديث صحيح خلاف ماقلد فيه ترك التقليد واتبع الحديث ، قال رسول اللّه ﷺ فى قوله تعالى:﴿اتخذوا احبارهم ورهبانهم ارباباً من دون اللّه﴾

(دین میں ایک تحریف غیر نبی کی تقلید ہے اور اسکی حقیقت یہ ہے کہ کسی عالم نے اجتہاد کیا تو اس کے پیروان کا خیال ہے کہ وہ ٹھیک راہ پر ہے اسلئے حدیث کو اس کے خلاف نہیں مانتے ۔ ایسی تقلید امت مرحومہ کے خلاف ہے کیونکہ امت کا اتفاق ہے اس پر کہ مجتہدوں کی تقلید جائز ہے (واجب نہیں) مگر یہ جان کر کہ مجتہد خطا بھی کرتا ہے اور مصیب بھی ہوتا ہے اور حدیث رسول کی کھوج اور تلاش رکھے اور یہ قصد رکھے کہ اگر حدیث خلاف قول مجتہد کے ملے گی تو تقلید چھوڑ کر حدیث کی پیروی کریں گے)۔

شاہ صاحبؒ کی عبارت انصاف کا مطلب اگر حسب زعم آپ کے ہوتا تو یہ عبارت ان کی اس کے محض خلاف ہے کیونکہ شاہ صاحبؒ نے خود یہاں ایک مجتہد کے مذہب پر پورا اعتماد کرنے کو تحریف فی الدین اور خلاف امت مرحومہ کے فرمایا ہے اور تقلید کی صرف یہی صورت جائز (نہ واجب) بتائی کہ کسی مجتہد کے مذہب پر پورا اعتماد نہ کرے بلکہ حدیث کے کھوج میں رہے۔ جس سے صاف ثابت ہے کہ اس عبارت شاہ صاحب کا مطلب یہی ہے کہ نہ اعتماد کرنا مجتہد معین کے مذہب پر واجب تھا۔ ورنہ شاہ صاحب کے کلام میں تعارض ہو جائے گا اور حسب قول شاہ صاحب کے وہ کلام ان کا خلاف امت مرحومہ کے ٹھہرے گا اور یہ کوئی عاقل بالغ نہیں کہہ سکتا۔ نیز شاہ صاحبؒ اپنی وصیت میں یہی فرماتے ہیں:

وصیت اول ایں فقیر چنگ زدن ست بکتاب وسنت و ہر روز پائیدار ہر دو خواندن واگر طاقت خواندن نباشد ترجمہ...... از . ہر دو شنیدن و دائماً تفریعات فقہہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن آنکہ موافق افتد بجز قبول آوردن ۔ والا کالائے بد بریش خاوند دادن ۔ امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب وسنت استغنا حاصل نیست وسخن مقشفہ فقہاء کہ تقلید اعالمے را دستاویز ساختہ از کلام شرع معصوم بے پرواہ شدہ باشند نشنیدن و بایشاں التفات نکردن وقرب خدا صحبتی بدوری ایناں۔

بھلا جس شخص کا کلام ایسا صاف صاف ہو اس کے کلام کا یہ مطلب زبردستی بیان کرنا کسی عاقل یا دیانت دار سے ہو سکتا ہے؟

یہاں پر آپ کا ایک سوال بھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

غیر مقلدین سے پوچھتا ہوں جب حدیث ایک راوی منقطع ہونے سے قابل حجت نہیں رہتی، تو اب گیارہ سو برس کے بعد یہ دعوی کہ اتباع سنت بغیر تقلید مجتہد کے کرینگے کیونکر درست ہوگا؟

جناب من! حدیث کی کتابیں تو ہزار برس گیارہ سو برس، کے قبل کی تصنیف موجود ہے جن کی سند ان کے مصنفین تک متواتر ہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ میں صحیحین کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

انّھا متواتران الی صاحبیھما۔

یعنی یہ کتابیں اپنے اپنے مصنفوں تک متواتر ہیں۔

اور ان کتابوں میں باتصال سند مذکور ہیں جن کی بدولت متصل اور منقطع آپ لوگ بھی جاننے لگے۔ ذرا آپ تو فرمایئے کہ آپ اتنے عرصے کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے قول پر کیونکر عمل کیجیۓ گا۔ نہ اس وقت کی کوئی کتاب آپ کے پاس ہے۔ متاخرین جو مسائل لکھتے ہیں ان کی سند ندارد ہے۔ اور وہ بھی کوئی کچھ کہتا ہے اور کچھ اور کہتا ہے۔ اور یہ بات قطع نظر اس کے کہ کتب فقہ کے دیکھنے والے پر خوب ظاہر و باہر ہے، عبارت مصفی سے ہم ثابت کر چکے ہیں۔

یہاں پر آیت ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ﴾ لاکر ترجمہ کیا ہے اور اس کا مصداق (آپ نے) امام ابوحنیفہؒ کو ٹھہرایا ہے۔ میں اس موقع میں صرف دو باتیں آپ سے پوچھتا ہوں ایک یہ کہ کسی مسئلہ میں آیات قرآن و حدیث کو آپ لوگ نہیں سمجھتے اور نہ اس کی تحقیق قابل عمل آپ کو ہوتی ہے۔ اسی واسطے تقلید معین کو واجب کہتے ہیں مگر تقلید امام ابوحنیفہؒ اور انکے فضائل آپ قرآن و حدیث سے خوب نکال لیتے ہیں۔ اچھا یہ تو فرمایئے کہ انزل الیکم کا ترجمہ (جو تم کو عطا کی گئی) تو خوب سچا ترجمہ آپ نے فرمایا۔ انزل الیکم من ربکم کا ترجمہ تو یہ ہے: جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کے یہاں سے۔

تو آپ منزل من اللہ کس کو قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کو یا ان کی فقہ کو۔ اگر امام ابوحنیفہؒ کو فرمایئے تو معنی یہ ہوئے کہ امام ابوحنیفہؒ آسمان سے اتارے گئے۔ اور اگر فقہ حنفی کو فرمایئے تو فقہ وحی آسمانی ٹھہری۔ جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں ہوسکتا۔ پھر آپ اس کو فقہ کیوں کہتے ہیں؟ وحی آسمانی کیوں نہیں کہتے؟

اور ایک عجیب فقرہ آپ فرماتے ہیں:

ان چاروں اماموں میں جن کی حقیت پر اجماع۔ الخ

کیوں جناب امام ابوحنیفہؒ کی حقیت پر اجماع ہو چکا، تو پھر تین مذہب والے ناحق ٹھہرے۔ پھر آپ کی عبارت منقولہ طحطاوی کی کہ چاروں مذہب والے حق پر ہیں، کیا ہوئی اور امام کے شاگرد، ان کا خلاف کرنے والے کیا ٹھہرے؟

پھر آپ لکھتے ہیں: ہم کو ان کی افضلیت اور اصابت کما حقہ ثابت ہو چکی۔

کیوں جناب! آپ کو یہ افضلیت اور اصابت قبل تقلید کے ثابت ہوئی یا بعد تقلید کے؟ اگر فرمایئے کہ قبل تقلید کے، تو صریح غلط ہے۔ اور اگر بعد تقلید فرمایئے تو معلوم ہوا کہ آپ کی تقلید بنا بر ثبوت افضلیت امام کے نہیں ہے۔

آپ روایت ابن عباس نقل کرتے ہیں جسے کوئی تعلق اس بحث سے نہیں ہے۔ خود آپکا ترجمہ حاشیہ پر اسکا مطلب ظاہر کرتا ہے کہ جو مسلمانوں کا حاکم ہوا اور وہ مسلمانوں پر کسی کو عامل مقرر کرے، حالانکہ اس عامل سے زیادہ قرآن و حدیث جاننے والا دوسرا موجود ہو تو وہ خائن ہے۔ بھلا آپ یہ تو فرمایئے کہ یہاں حاکم اور بادشاہ کون ہے اور عامل کون ہے؟

شائد آپ اپنے کو بادشاہ اسلام اور امام ابوحنیفہؒ کو عامل قرار دیتے ہیں اور یہ خبط صریح ہے۔ یہاں پر امام ابوحنیفہ کے فضائل میں یہ حدیث بھی پیش کی ہے:

لو كان الدّين عند الثّريّا ...... رجل من ابناء الفارس حتّى يتناولهٗ

اور اسکا ترجمہ بھی آپ نے فرمایا ہے۔ میں اس کی نسبت زیادہ لکھنا ضرورت نہیں دیکھتا، کیوں کہ اگر ایسی ہی زبردستی سے کسی حدیث کو امام ابوحنیفہؒ کے حق میں کہہ دینا ہے تو مناقب صحابہ میں جتنی حدیثیں وارد ہیں سب کو اسی طرف لگا دیجئے۔ میں یہاں پر قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی عبارت تفسیر مظہری سے نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ تفسیر مظہری میں تحت آیت کریمہ: ﴿اِنْ يَّشَاءُ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِآخَرِيْنَ﴾ اس حدیث کو چند طرق سے نقل کر کے لکھتے ہیں:

لعلّ فى هذه الاحاديث اشارة الى مشائخ ماوراء النّهر بهاء الدين نقش بند وامثاله فان

هؤلاء الكرام من الاعاجم وطناً وان كان اكثرهم من آل النبيّ واصحابه نسباً قداحيوا سنّة النّبيّ بعد ماامیتت ومارضوا بالبدعة وان كانت حسنة ونعمه ما قال الجامی۔

سکہ کہ در یثرب وبطحا زدند نوبت آخر بہ بخارا زدند

وایضاً علی علماء ماوراء النهر مثل ابی عبد اللّٰه البخاری امثاله من المحدثین والفقهاء واللّٰه اعلم۔

کہ عجب نہیں کہ ان حدیثوں میں اشارہ ہو ماوراء النہر کے مشائخ کی طرف جیسے بہاء الدین، نقش بند اور ان کے برابر والے، کیونکہ یہ بزرگان عجمی بھی ہیں از روئے وطن کے، اگرچہ از روئے نسب کے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی اولاد ہیں۔ ان حضرات نے زندہ کیا سنت رسول کو بعد مردہ ہو جانے کے اور کسی قسم کی بدعت کو پسند نہیں کیا۔ اور کیا خوب جامی نے کہا جو سکہ مکہ مدینہ میں چلا وہ دوسری بار بخارا میں چلا۔ اور بھی ان حدیثوں سے اشارہ معلوم ہوتا ہے طرف علماء ماوراء النہر کے جیسے امام بخاری اور ان کے برابر والے محدثین وفقہاء۔

لیجئے حضرت! آپ تو کہتے ہیں کہ: اجماع ہو چکا ہے کہ یہ ابو حنیفہؒ کے حق میں ہے۔ آپ کے یہاں اجماع کی بڑی ارزانی ہے۔ اور قاضی ثناء اللہ حنفی پانی پتی تو اس کا وہم بھی امام ابو حنیفہؒ کی طرف نہیں فرماتے اور کیونکر ہو سکتا ہے ان حدیثوں کا مصداق تو وہ ہوگا جس نے سنت رسول اللہ کو زندہ کیا اور امام صاحبؒ نے تو حدیث رسول اللہ پڑھی نہیں۔ اسی کتاب طحطاوی جلد اول مطبوعہ کلکتہ کے صفحہ ۳۵ میں تاریخ خطیب سے منقول ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے حدیث ہی نہیں پڑھی۔ جس کی پوری عبارت معہ ترجمہ رسالہ الرق المنشور میں منقول ہے، اس کو دیکھو اور اسی رسالہ انصاف میں امام ابو حنیفہؒ کا حال لکھا ہے:

كان ابو حنيفة لزم بمذهب ابراهيم واقرانه لا يجاوزه الّا ماشاء اللّٰه مقبلاً على الفروع...... ملخصاً۔

(امام ابو حنیفہؒ نے ابراہیمؒ اور ان کے اقران کا مذہب لازم پکڑا تھا اس سے نہیں ٹلتے تھے۔ پوری توجہ ان کی فروع پر تھی)۔

مصفی میں امام ابو حنیفہؒ کے بیان میں لکھا ہے:

رسم روایت حدیث از وے بطریق ثقات جاری نشدہ۔

(یعنی ثقہ لوگوں نے امام صاحب سے حدیث کی روایت نہیں کی)

پھر سنت رسول اللہ کا جاری کرنا امام صاحب سے کیونکر ہوا؟

یہاں پر آپ تقلید کے ثبوت میں احیاء العلوم کی ایک عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے:

مجتہد کو دوسرے مجتہد کے قول پر عمل جائز نہیں اور مقلد کو اپنے امام کے خلاف عمل جائز نہیں۔

جناب من! اس کا جواب اپنے امام سے پوچھئے کہ انہوں نے مجتہد ہو کر ابراہیم نخعیؒ کا مذہب کیوں لازم پکڑا تھا۔ اور ابو یوسفؒ سے پوچھئے کہ انہوں نے خلاف اپنے مذہب کے، پانی کے مسئلہ میں اہل مدینہ کے قول پر کیوں عمل کیا جب کہ شامی حاشیہ درمختار میں اور اسی رسالہ انصاف میں مذکور ہے۔

نیز مذہب کے خلاف ہارون رشید کی وجہ سے ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں عیدین میں بارہ تکبیر کیوں کہتے تھے۔ جیسا کہ اسی رسالہ انصاف میں ہے:

انّ ابایوسف ومحمد کانا یکبّران فی العیدین بتکبیر ابن عباس لانّ ھارون الرّشید کان یحبّ تکبیر جدّہ۔

(ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں عیدوں میں ابن عباسؓ کی تکبیر (بارہ تکبیر) کہتے تھے کیونکہ ہارون کو اپنے دادا کی تکبیر محبوب تھی)

اس موقع میں مولوی صاحب سہارن پوری کا کلام آپ یہ لائے ہیں:

امام صاحب کی سند میں وہ راوی نہ ہو بسبب اس کے کہ زمانہ امام اعظم کا اس شخص سے مقدم ہو یا اسناد امام صاحب کی دوسرے طریق معتبر سے ہے۔

جناب من! یہ تو آپ یا مولوی صاحب سہارنپوری جب فرماتے کہ امام صاحب سے حدیث کی روایت ہوتی، یا امام صاحب کے مسائل حدیث ہی پر مبنی ہوتے۔ آپ پہلے یہ دونوں بات ثابت کرتے، بعد میں ایسی توجیہوں کا موقع تھا۔ چیز تو ندارد ہے خالی مول پر زور وشور ہے۔ اور میں تو آپ سے حیران ہوں کہ پہلے تو آپ اپنے رسالہ کے صفحہ تین میں لکھ چکے ہیں:

محدثین کی کتابیں مختلف احادیث سے بغیر تمیز کرنے معمول بہ اور غیر معمول بہ کے پڑھیں۔
اور یہاں صفحہ ۱۰ میں آپ اقرار کرتے ہیں:
صحاح ستہ کے سوا اور حدیث کی کتابیں بھی نہایت معتبر ہیں جن کی حدیثیں معمول بہ ہیں۔
اسی عبارت سے ظاہر ہے کہ صحاح ستہ کے معتبر ہونیکا اور انکی حدیث کے معمول بہ ہونے کا آپ نے اقرار کیا ہے۔ باقی رہا سوائے صحاح ستہ کے اور کتابوں کا بھی معتبر اور معمول بہ ہونا، یہ مجھ کو مضر نہیں۔ بلکہ جہاں تک حدیث کی کتابیں ثابت وشائع ہوں گی، سنت کا بازار گرم ہوگا اور تقلید کی ظلمت دور ہوگی۔ ہاں صحیحین کے بعض روایت پر تکلم کی نسبت بھی آپ نے لکھا ہے۔ جناب من! اولاً ایسے راویوں سے روایت متابعات اور شواہد میں ہے جس سے کوئی نقصان نہیں۔ دوسرے ابن حجر مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں

ینبغی لکلّ منصف ان یعلم ان تخریج صاحب الصحیح لای راو کان مقتض لعدالته عنده وصحة ضبط وعدم غفلة ولاسیما ماانضاف الی ذالك من اطباق جمهور ا لآئمه علی تسمیة الکتابین بالصحیحین وهذا معنی لم یحصل بغیر من خرج عنه فی غیرالصحیح فهو بشابته اطباق الجمهور علی تعدیل من ذکر فیها۔

(ہر صاحب انصاف کو چاہیے کہ جان لیوے یہ کہ بخاری کا کسی راوی کی حدیث کو لانا مقتضی اس کو ہے کہ وہ راوی ان کے نزدیک عادل ہے اور اس کا ضبط صحیح ہے اور اس میں غفلت نہیں ہے، خصوصاً جب اس پر اضافہ ہوا جمہور آئمہ کا اتفاق ان دونوں کتابوں کے صحیح کہنے پر اور یہ معنی غیر راوی صحیح بخاری میں حاصل نہیں۔ پس یہ تو اتفاق کرنا ہے جمہور کا اوپر تعدیل ان راویوں کے جو بخاری مسلم میں مذکور ہیں)۔
پھر بعد اس کے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

و حینئذ اذا وجدنا بغیره فی احد منهم طعنا لذاك الطعن مقابل لتعدیل هذه الامام فلا یقبل الامبین ...... مفسرا بقادح یقدح فی عدالته هذا الراوی وفی ضبطه مطلقاً او فی ضبط الخبر لعینه لان الاسباب الحاملة لائمة علی الجرح متفاوت عنها ما یقدح و قد کان الشیخ ابو الحسن المقدسی یقول فی الرّجل الّذی یخرج عنه فی الصحیح هذا جاز القنطرة۔

(کہ اب اگر پاویں ہم بخاری کے کسی راوی میں کسی دوسرے کا طعن، تو یہ طعن اس امام کی تعدیل کے مقابلہ میں مقبول نہیں، جب تک کوئی سبب قادح صاف بیان نہ ہو۔ جس سے اسی راوی کی عدالت میں اور ضبط میں مطلقاً خواہ اسی حدیث کے ضبط میں بٹہ نہ لگے کیونکہ اماموں کی جرح کے اسباب متفاوت ہوتے ہیں۔ کوئی سبب موجب قدح ہے، کوئی نہیں۔ اور شیخ ابوالحسن مقدسی صحیح بخاری کے راوی کی نسبت کہتے تھے کہ یہ پل کے پار اتر گیا)۔

مقدمہ ابن صلاح میں بھی یہی مضمون مذکور ہے۔ اور پھر اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

قال الشّیخ ابو الفتح القشیری فی مختصر وهکذا نعتقد و به نقول و لا یخرج عنه الا بحجة ظاهرة و بیان شاف یزید فی غلبة الظن علی المعنی الذی قدمناه من اتفاق الناس بعد الشیخین علی تسمیة کتابیهما بالصحیحین و من لوازم ذالك تعدیل روایتهما۔

(قشیری نے اپنے مختصر میں کہا ہے کہ ایسے ہی ہم لوگوں کو اعتقاد ہے اور یہی ہم لوگ کہتے ہیں اور اس کو ہم لوگ نہیں چھوڑ سکتے جب تک دلیل ظاہر اور بیان شافی ایسا نہ ہو جو غلبہ گمان میں بڑھ جائے، اس معنی سے جو ہم نے پہلے کہا یعنی اتفاق لوگوں کا بعد بخاری مسلم کے دونوں کتاب کے صحیح کہنے پر۔ اور اس اتفاق کو لازم ہے دونوں کتابوں کے راویوں کی تعدیل)۔

و قال القسطلانی فی شرح البخاری و اما تالیفه یعنی تالیف البخاری فانها سارت سیر الشمس و دارت فی الدنیا فماحجة ـ...... الا الذی یتخبطه الشیطان من المس و اجلها و اعظمها الجامع الصحیح۔

(قسطلانی نے کہا بخاری کی شرح میں کہ بخاری کی تصنیفات پھریں آفتاب کے پھرنے کی جگہ تک، اور دائر ہے تمام دنیا میں، پس نہ انکار کرے گا ان کتابوں کی بزرگی کا مگر وہی جس کو شیطان نے چھو کر دیوانہ کر دیا ہے۔ اور سب سے بزرگ اور معظم صحیح بخاری ہے)۔

حافظ ابن کثیرؒ، بدایۃ والنہایہ میں لکھتے ہیں:

کتابه الصحیح ستسقی بقرئته الغمام و اجمع علی قبوله و صحت ما فیه اهل الاسلام۔

(کہ امام بخاری کی کتاب صحیح بخاری کو پڑھ کر پانی مانگا جاتا ہے۔ اور اجماع کیا ہے اس کے مقبول ہونے اور صحیح ہونے پر تمام اہل اسلام نے)۔

علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ اگر عموماً جرح موجب طعن ہو جائے تو آپکے اماموں پر بھی جرح موجود ہے۔ بخاری مسلم پر تو جمہور کا اتفاق ہے جو موجب تعدیل ہے، اور یہاں تو اتفاق بھی نہیں ہے۔ زیلعی حنفی نے نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ میں حدیث من کان له امام فقرأة الامام له قرأة پر حنفیوں کی جرح وتعدیل میں لکھا ہے:

قال الدارقطنی وهذا الحديث لم يسنده عن جابر بن عبيد الله غير ابی حنيفة والحسن ابن عمارة ضعيفان۔

(کہا دارقطنیؒ نے اس حدیث کی سند جابر بن عبداللہ سے کسی نہیں کہی سوائے ابوحنیفہؒ وحسن بن عمارہؒ کے وہ دونوں ضعیف ہیں)

زیلعی نے اس کو ذکر کر کے کچھ چون وچرا نہیں کیا۔ حافظ ذہبیؒ، میزان میں لکھتے ہیں:

اسماعيل بن حماد بن النعمان بن ثابت الكوفی عن ابيه عن جده قال ابن عدی ثلاثتهم ضعفاء۔

(اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت کوفی، اسماعیل روایت کرتے ہیں اپنے باپ حماد سے اور وہ اپنے باپ سے اور تینوں ضعیف ہیں)۔

امام ابو یوسفؒ (جن کی روایت سے امام ابوحنیفہؒ کے مسائل جامع صغیر وغیرہ میں مذکور ہیں) کی نسبت میزان الاعتدال میں ہے:

يعقوب بن ابراهيم القاضی عن عطاء بن السّائب هشام بن عروة قال الفلاس صدوق كثير الغلط وقال البخاری تركوه۔

(یعقوب بن ابراہیم قاضی روایت کرتے ہیں عطا بن سائب اور ہشام بن عروۃ سے کہا فلاس نے سچا ہے اور کثیر الغلط ہے۔ بخاری نے کہا کہ محدثین نے ان کو متروک کیا)۔

اسی میزان الاعتدال میں ہے:

قد روى عن ابن معين تلين ابی يوسف۔

(ابن معین سے مروی ہے تضعیف ابو یوسف کی)۔

امام محمدؒ (جو فقہ حنفی کے راوی اور بانی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے مسائل انہی نے جمع کئے اور کتابیں فقہ کی تصنیف کیں) کی نسبت میزان الاعتدال میں ہے:

محمد بن الحسن الشیبانی ابو عبد اللّٰہ احد الفقھاء لینہ النسائی وغیرہ من قبل حفظہ۔

(محمد بن حسن ایک فقیہہ ہیں۔ امام نسائی وغیرہ نے ان کو از روئے حفظ کے ضعیف کہا ہے)۔

باقی رہا آپکا یہ کہنا کہ ان کے فضائل کتابوں میں بہت مذکور ہیں۔ میں (عبدالعزیز) کہتا ہوں کہ آئمہ رجال سے انکی توثیق اور مدح نقل کیجئے دوسرے ایسے فضائل کہ امام صاحب نے اتنی نمازیں پڑھیں، اور اس قدر قرآن ختم کئے، ایسے ذہین تھے، ایسے حاضر جواب تھے، فلاں حدیث ان کے حق میں ہے، فلاں آیت سے آپ ہی مراد ہیں۔ اس سے کام نہیں چلتا۔ البتہ یہ ثابت کیجئے کہ امام صاحبؒ بڑے محدث تھے، تلاش احادیث میں بہت صرف ہمت کی، بڑے بڑے محدث ان کے شاگرد ہیں۔ کتب احادیث میں ان سے روایت بکثرت ہے۔ محدثین میں ان کا بڑا پایہ ہے۔ محدثین کے نزدیک مثل امام مالکؒ کے یا ان سے بڑھ کر ان کی سند اقوی الاسانید ہے، وغیرہ، تو البتہ کام چلے۔

اب آپ کے دلائل منع قرأۃ خلف الامام شروع ہوئے۔

دلائل منع قرأت خلف الامام

یہ سرخی لکھ کر آپ فرماتے ہیں:

ہر چند مسئلہ قرأت خلف الامام اجتہادیہ مختلف فیہ میں بحکم آیت ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ......﴾ الآیۃ کے یہ کہنا کہ صرف قرآن اور حدیث سے صراحۃً ثبوت ہو، غلط ہے۔

میں (عبدالعزیز) کہتا ہوں کہ آپ نے اس عبارت میں دو امر کا اقرار کیا۔ ایک یہ کہ مسئلہ قرأت خلف الامام اجتہادیہ ہے۔ دوسرا یہ کہ اس مسئلہ کا ثبوت قرآن اور حدیث سے صراحۃً ہونا غلط ہے۔ پھر جو کچھ اس بارہ میں آپ قرآن وحدیث اپنے زعم میں پیش کریں باقرار آپ کے صراحۃً ثبوت غلط ہے۔ آپ ہی کے اقرار سے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر اس خیال سے کہ کہیں آپ اپنے اقرار سے پلٹ جائیں، اس کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

پہلی دلیل آپ کی آیت ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا......﴾ ہے۔اوراس کے تحت میں بہ تقلید مولوی صاحب سہارنپوری تفسیروں کی عبارت نقل کی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں اتری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انہیں کو تفسیروں کی عبارت کے کھوج کی کیا ضرورت پڑی؟ کیا اصول کا یہ مسئلہ ان کو نہیں معلوم تھا العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد۔یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص مورد کا۔ پس یہ آیت نماز اور غیر نماز سب کو شامل ہے۔ جب قرآن پڑھا جائے تو استماع وانصات چاہیے۔ ہر چند اس آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے، مگر میں بنا بر اصح قول اہل اصول کے عموم لفظ کو دیکھتا ہوں اور نماز کو داخل عموم کر کے عموم آیت مان کر جواب دیتا ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ کا صبح کی نماز کی قرأت کے وقت سنت پڑھنا استماع اور انصات کو چھوڑ دینا ہے۔اور ایسے ہی امام ابوحنیفہؒ، مقتدی کو حالت قرأت امام میں ثنا پڑھنا جائز کہتے ہیں۔ پس جو جواب امام صاحبؒ کی طرف سے ہوگا وہی ہماری طرف سے ہوگا۔ چناں چہ بخاری نے جزء القرأۃ میں یہ اعتراض امام ابوحنیفہؒ پر کیا ہے جس کو زیلعی حنفی نے نصب الرایہ میں نقل کیا ہے اور کچھ جواب نہیں دیا، جس سے اس اعتراض کا تسلیم کرنا ثابت ہے۔

علاوہ ازیں حنفی تو کسی نماز میں قرأۃ فاتحہ خلف الامام جائز نہیں رکھتے۔ بھلا سری نمازوں میں استماع قرآن کہاں ہے؟ دعوی عام ہے اور دلیل خاص۔ دوسرے، یہ آیت عام ہے نماز اور غیر نماز مقتدی اور غیر مقتدی سب کو شامل ہے اور مقتدی کا فاتحہ پڑھنا بمقتضاء حدیث عبادہؓ وغیرہ اس سے مخصوص ہے جیسا کہ وضو میں پیر دھونا آیت قرآن سے سب کو شامل ہے مگر موزے والا حسب حدیث مسح علی الخفّین اس سے مخصوص ہے:

قال الزیلعی فی نصب الرّایة ملخص کلام البخاری فی الجزء الّذی صنّفه فی القرأة خلف الامام واحتجّ هذا القائل یعنی اباحنیفة بقوله تعالی:﴿**فاستمعوا له وانصتوا**﴾ ثمّ قال هذا منصوص بالثناء مع انّه تطوع والقرأة فرض فاوجب علیه الانصات بترك فرض ولم یوجبه بترك السنة فیكون الغرض عنده اهون مالا من التطوع ...... منه ایضاً بفرع وهوانّ المصلی اذا جاء والامام فی الركعة الاولی فانه یصلی ...... ركعتی الفجر وبترك الاستماع والانصات۔

حاصل کلام بخاری کا رسالہ قرأت خلف الامام میں یہ ہے کہ حجت پکڑی ہے ابوحنیفہؒ نے **فاستمعوا له وانصتوا**...... سے۔ پھر کہا کہ یہ دلیل ان کی ٹوٹ جاتی ہے ثنا پڑھنے سے، حالانکہ وہ تطوع ہے اور قرأت فرض ہے۔ پس واجب کیا مقتدی پر انصات ساتھ ترک فرض کے۔ اور نہ واجب کیا اس کو ساتھ ترک سنت کے۔ اس صورت میں فرض کا درجہ انکے نزدیک سنت سے کم ٹھہرا۔ اور اس مسئلہ کا بھی اعتراض کیا ہے کہ اگر نمازی آیا اور امام پہلی رکعت میں فجر کے ہے تو وہ سنت فجر کی پڑھے اور استماع وانصات چھوڑ دے۔

دوسری دلیل۔ آپ کی حدیث ((من صلّی خلف الامام فان قرأة الامام له قرأة)) ہے۔ اس حدیث کا ایک جواب تو ہم اوپر زیلعیؒ سے نقل کر چکے ہیں اور سنیے۔ نصب الرایہ میں اس کا جواب امام بخاریؒ سے یوں نقل کیا ہے:

قال واحتجّ ایضاً بقوله علیه السلام:((من کان له امام فقرأة الامام له قرأة))وھذا حدیث لم یثبت عند اھل العلم من اھل الحجاز والعراق لازما له وانقطاعه اما ارساله فرواه عبد اللّٰه ابن شداد عن النّبیّ ﷺ واما انقطاع فرواه الحسن بن صالح عن ابی الجابر الجعفی عن ابی الزبیر عن جابر و لایدری اسمع جابر بن ابی الزبیر ام لا قال ولو ثبت فیکون الفاتحة مستثناة منه ای من کان له امام فقرأة الامام له قرأة بعد الفاتحة۔

(کہا امام بخاریؒ نے کہ دلیل لائے ہیں حدیث میں من کان له امام کو اور یہ حدیث نزدیک علماء حجاز وعراق کے ثابت نہیں۔ بسبب مرسل ومنقطع ہونے کے۔ مرسل ہونا یوں ہے کہ عبداللہ بن شداد نے نبی ﷺ سے روایت کی۔ اور منقطع ہونا یوں ہے کہ روایت کیا حسن بن صالح نے جابر جعفی سے اور وہ ابوزبیر سے اور وہ جابر سے۔ اور معلوم نہیں کہ جابر نے ابوزبیر سے سنا یا نہیں۔ کہا امام بخاریؒ نے اور اگر ثابت بھی ہو تو فاتحہ اس سے مستثنیٰ ہوگی۔ یعنی جس کا امام ہو تو بعد سورۃ فاتحہ کے قرأت امام کی اس کی قرأت ہوگی)۔

حافظ ابن حجرؒ درایہ میں اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں:

قال محمد بن الحسن فی الآثار اخبرنا ابو حنیفة حدثنا موسی بن ابی عائشة عن عبد اللّٰہ ابن شداد عن جابر ...... قال الدارقطنی و ابن عدی لم یسنده غیر ابی حنیفة و تابعه الحسن بن عماره و هما ضعیفان۔

(کہا امام محمدؒ نے آثار میں کہ حدیث بیان کی مجھ سے ابوحنیفہؒ نے، کہ روایت کی مجھ سے موسی بن ابی عائشہ نے عبداللہ بن شداد سے، اور اس نے جابرؓ سے۔ کہا دارقطنی اور ابن عدی نے کہ نہیں سند کی کسی نے اس حدیث کی سوائے ابوحنیفہؒ کے اور ان کے ساتھ ہے حسنؒ بن عمارہ اور وہ دونوں ضعیف ہیں)۔

تلخیص الحبیر فی تخریج الاحادیث الرافعی الکبیر میں ہے:

حدیث من کان له امام فقرأة الامام له قرأة مشهور من حدیث جابر و له طرق عن جماعة الصّحابة و کلّها معلولة۔

(من کان له امام ...... مشہور حدیث ہے جابر کی اور اس حدیث کے چند طرق ہیں جماعت صحابہ سے اور سب معلول ہیں)

علاوہ ازیں یہ حدیث عام ہے اور سورۃ فاتحہ کی حدیثیں خاص ہیں اور عموم خصوص کی صورت میں اصول والے بھی کہتے ہیں کہ حکم خاص، حکم عام سے مستثنیٰ ہوگا۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے اس روایت کے جواب میں کہا اور زیلعیؒ نے اس کو نقل کیا ہے۔

تیسری دلیل۔ آپ کی حدیث صحیح مسلم کی ہے اور اس حدیث کے جملہ (اذا قرء فانصتوا) سے آپ کا استدلال ہے۔ ہر چند اس حدیث میں اس جملہ کی زیادت پر محدثین کو بہت کلام ہے مگر میں اس سے قطع نظر کر کے جواب لکھتا ہوں۔

اولاً اس جملہ میں بھی قرأت عام ہے اور سورۃ فاتحہ کی حدیثیں خاص ہیں۔ دوسرے انصات کے معنی یہ کہاں ہیں کہ آہستہ بھی نہ پڑھو۔ انصات کے معنی تو ترک الجہر کے ہیں، جس کے معنی یہ ہوئے کہ امام کی قرأت کے وقت تم زور سے نہ پڑھو جو موجب نزاع فی القرأت ہو۔ تفسیر کبیر میں ہے:

الانصات هو ترك الجهر و العرب یسمی تارك الجهر منصتا و ان کان یقرء فی نفسه۔

(انصات کے معنی ترک جہر کے ہیں۔ عرب لوگ جہر نہ کرنے والے کو منصت کہتے ہیں اگر چہ وہ جی میں پڑھتا ہو)۔

آپ کی تیسری اور چوتھی حدیث تو یہی دوسری حدیث ہے، چنانچہ آپ نے خود ہی لکھا ہے: یہ حدیث مسلم کی حدیث کا ٹکڑا ہے۔

لہذا اس کے علیحدہ جواب کی ضرورت نہیں۔

پانچویں حدیث آپ کی ابو ہریرہؓ والی ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حدیث ہم کو مفید ہے آپ کو مفید نہیں۔ بلکہ آپ کو مضر ہے، کیونکہ اس حدیث کا جملہ:

فانتهى النّاس عن القرأة فيها جهر فيه رسول اللّٰه بالقرأة من الصّلوة حين سمعوا......

دلیل بین ہے اس کی کہ قرأت سے مراد یہاں جہر ہے، کیونکہ بقول آپ ہی کے اس روایت میں ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کا کلام:

((مالى انازع القرآن))

سن کر جہری نماز میں قرأت سے باز رہے۔

مسلم کی روایت ہے اور اسی موطا محمد کے اسی صفحہ میں مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے سائل کو خود کہا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھا کر۔ جیسا کہ اوپر گزرا اور آپ کو بھی اس کا اقرار ہے۔ پس اگر اس روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ کے کلام:

فانتهى النّاس عن القرأة

کا مطلب یہ ہوتا کہ لوگ آنحضرت ﷺ کے پیچھے آہستہ پڑھنے سے بھی باز رہے تو حضرت ابو ہریرہؓ خلاف اس کے فتوی نہ دیتے۔

علاوہ ازیں صریح حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بجہر پڑھنے سے باز رہے کیونکہ آپ ﷺ نے صرف اس قدر فرمایا تھا:

((مالى انازع القرآن))

(مجھ سے قرآن میں کیوں منازعت ہوتی ہے)۔

اس کلام سے صرف نزاع فی القرآن کا مفہوم ہوتا ہے۔ آہستہ پڑھنے کا (جو موجب نزاع نہیں ہے) منع اس قول آنحضرت ﷺ سے کسی طرح مفہوم نہیں ہوتا۔

پس مجرد اس قدر فرمانا آنحضرت ﷺ کا سن کر لوگ آہستہ پڑھنے سے کیوں باز رہے۔ اور اس روایت میں بقول آپ ہی کے ابو ہریرۃؓ کا یہ کلام ہے کہ لوگوں نے یہی فرمان ((مالی انازع القرآن)) سن کر قرأت چھوڑ دی۔ پس ظاہر ہے کہ لوگوں نے قرأت موجب نزاع چھوڑ دی تھی۔ علاوہ اس میں قرأت عام ہے اور حدیث عبادۃؓ میں قرأت فاتحہ خاص۔ پس معارضہ نہیں ہوسکتا۔

تعلیق الممجد شرح موطا امام محمد میں اس حدیث کے تحت میں ہے:

قال المجوزون لقرأة ام القرآن فی الجهرية ايضاً معناه عن الجهر بالقرأة او عن قرأت بالسورة لئلا يخالف حديث عبادة فانه صريح فی تجويز قرأت ام القرآن۔

(جو لوگ نماز جہری میں بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں انہوں نے کہا کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ لوگ بجہر پڑھنے سے باز رہے، یا سورۃ پڑھنے سے باز رہے۔ تاکہ حدیث عبادۃؓ کے خلاف نہ ہو کیونکہ اس میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا صریح ہے)۔

اس کے بعد آپ نے آثار موقوفہ نقل کئے ہیں اکثر ان میں سے ثابت نہیں ہیں اور ثابت بھی ہوں تو موقوف حجت نہیں۔ باقی رہا بتقلید مولوی صاحب سہارنپوری یہ کہنا کہ جو امور رائی اور اجتہادی نہیں ہیں اس میں موقوف حکم مرفوع کا رکھتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ قرأت خلف الامام کو آپ خود اجتہادیہ اسی رسالہ میں لکھتے ہیں۔ آپکے دلائل منع قرأت خلف الامام کی تمہید میں ہی پہلا فقرہ آپ کا یہی ہے:

ہرچند اس مسئلہ قرأت خلف الامام اجتہادیہ مختلف فیہ میں۔ الخ

پس باقرار آپ کے آثار موقوفہ حکم مرفوع کا نہیں رکھتے اور قابل اجتہاد نہیں ہیں۔ پس ان آثار کا نقل کرنا آپ کی زبان سے لغو اور بے کار ٹھہرا۔ اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔ بایں ہمہ ان آثار کی نسبت میں امام بخاریؒ کے رسالہ قرأت خلف الامام کی عبارت زیلعی کی نصب الرایہ سے نقل کرتا ہوں:

واحتج ايضاً بخبر روى عن داؤد بن قيس عن ابن نجاد رجل من ولد سعد عن سعد قال

وددت ان الذی یقرء خلف الامام فی فمه جمرة قال وهذا مرسل ۔ قال ابن نجاد لم یعرف و لاسمی قال واحتج ایضاً بحدیث رواه ابو حیان عن سلمة بن کهیل عن ابراهیم قال قال عبد اللّٰه وددت ان الذی یقرء خلف الامام ملیء قوة متنا قال وهذا مرسل لایحتج به۔ وخالفه ابن عون عن ابراهیم عن الاسود قال رضفاً وهذا محله لیس من کلام اهل العلم بوجهین احدهما قول النبیّ ﷺ لاتلاعنوا بلعنة اللّٰه ولابالنّار ولاتعذّبوا بعذاب اللّٰه فکیف یجوز لاحد یقول فی الّذی یقرء خلف الامام جمرة ۔ والجمرة من عذاب اللّٰه ۔

الثانی لایحلّ لاحدٍ ان یتمنی ان تملأ افواه اصحاب رسول اللّٰه ﷺ مثل عمر بن خطاب وابی بن کعب وحذیفة وعلی بن ابی طالب وابی هریرة وعائشة وعبادة بن صامت وابی سعید الخدری وعبد اللّٰه بن عمرو فی جماعة آخرین ممن روی منهم القرأة خلف الامام نضفاً ولا متناولا تلا باتم روی احادیث هؤلاء فی مواضع متفرقة من الجزء المذکور قال من قرء خلف الامام فلا صلوة له قال ولایعرف بهذا الاسناد سماع بعضهم من بعض ولایصح مثلها ۔

(کہ قرأۃ فاتحہ خلف الامام کے منع کرنے والے کی دلیل ایک سعدؓ بن وقاص کا قول ہے کہ انہوں نے کہا کہ جو امام کے پیچھے پڑھے اس کے منہ میں آگ بھر دی جائے ۔ کہا یہ مرسل ہے اس میں ابن نجاد مجہول ہے اور نہ اس کا نام ہے ۔ اور ایک دلیل ان کی یہ روایت ہے عبد اللہؓ بن مسعود سے کہ انہوں نے کہا کہ جو امام کے پیچھے پڑھے اس کے منہ میں گندگی بھر دی جائے ۔ کہا یہ مرسل ہے قابل حجت نہیں ہے ۔ اور یہ سب اہل علم کا کلام نہیں ہے دو وجہوں سے ایک اس لئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ لعنت خدا اور آگ کے ساتھ کسی کو لعنت نہ کرو اور نہ عذاب الٰہی سے عذاب کرو ۔ پس کیونکر جائز ہو گا کسی کو قرأت خلف الامام والے کو ایسا کہنا ۔ دوسرے کسی کو حلال نہیں کہ اصحاب رسول ﷺ ، عمر فاروقؓ و ابیؓ بن کعب و علی مرتضیٰؓ و ابو ہریرہؓ و عائشہؓ و عبادہؓ بن صامت و ابو سعید الخدریؓ و عبد اللہ بن عمرؓ وغیرھم (جن سے قرأت خلف الامام مروی ہے) کے حق میں یوں کہے کہ ان کے منہ میں آگ یا گندگی یا خاک بھر دی جائے) ۔

پھر امام بخاریؒ نے رسالہ مذکور کے متفرق مقام میں ان صحابہ مذکورین سے روایتیں لکھیں وعلی ہذا القیاس۔ زید بن ثابت کو بھی لکھا ہے کہ اس سند میں سماع بعض کا بعض سے نہیں معلوم ہوا اور اس قسم کی روایت صحیح نہیں۔ اس سے وہ بھی باطل ہوا جو مولوی صاحب سہارنپوری نے عینیؒ سے نقل کیا ہے کہ خلفاء راشدین وغیرھم امام کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے، کیونکہ امام بخاریؒ، حضرت عمر فاروقؓ وحضرت علیؓ مرتضی و دیگر صحابہ کبار سے روایت امام کے پیچھے پڑھنے کی لائے ہیں۔ پس امام بخاریؒ امام المحدثین کے مقابلہ میں بے چارے عینی نویں صدی کے مقلد شخص کی کون سنتا ہے۔ جناب عینی کا امام بخاری کے سامنے کیا وزن ہے اور قطع نظر ان سب کے آپ نے کوئی حدیث یا کوئی اثر نہیں پیش کیا جس میں سورۃ فاتحہ کا ذکر ہو۔ البتہ عام قرأت قرآن کا ذکر ہے۔ اور عام قرأت تو محدثین بھی امام کے پیچھے منع کرتے ہیں۔ صرف سورۃ فاتحہ پڑھنا بمقتضائے احادیث صحیحہ محدثین کہتے ہیں اور اس کے خلاف آپ نے کوئی حدیث یا اثر پیش نہیں کیا۔ فثبت المدعا [1]



---

[1] ہدایۃ المعتدی فی القرأۃ للمقتدی۔ عبدالعزیز رحیم آبادی۔ قلمی نسخہ جناب عبدالوہاب انصاری کا سگنج منقول از نسخہ مطبوعہ آرمی پریس دہلی۔ طبع اغلباً ۱۳۴۶ھ

آمین بالجہر

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ آمین بالجہر کے مسئلہ میں کہتے ہیں:

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ امام جب اونچی آواز سے پڑھے تو بعد ولا الضّالین کے مقتدی باآواز بلند آمین کہیں کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں:

قال کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا تلا غیر المغضوب علیھم ولا الضّالین قال آمین حتّی یسمع من یلیہ من الصّفّ الاوّل...... ❶

وقال حتّی یسمعھا اھل الصّفّ الاول فیرتج بھا المسجد۔ ❷

حضرت رسول اللہ ﷺ جب ولا الضّالین کہتے تو آمین کہتے ایسی کہ پہلی صف والے سن لیتے پھر سب لوگ بیک آواز آمین کہتے تو تمام مسجد آواز سے گونج اٹھتی۔

اس مسئلہ نے اپنی قوت ثبوت کی وجہ سے بعض محققین علماء حنفیہ کو بھی اپنا قائل بنا لیا، چناں چہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ شرح وقایہ صفحہ ۱۶۷ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

قد ثبت الجھر عن رسول اللّٰہ ﷺ باسانید متعددۃ یقوی بعضھا بعضاً فی سنن ابن ماجۃ والنسائی وابی داؤد وجامع الترمذی وصحیح ابن حبان و کتاب الام للشافعی وغیرھا وعن جمع من اصحابہ بروایت ابن حبان فی کتاب الثقات وغیرہ و لھذا اشار بعض اصحابنا کابن الھمام فی فتح القدیر وتلمیذہ ابن امیر الحاج فی حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی الی قوتہ روایۃً۔

---

❶ سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب التامین وراء الامام، رقم الحدیث:۹۳۴ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی التامین، رقم الحدیث:۲۴۸

❷ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلاۃ، باب الجہر بآمین، رقم الحدیث:۸۵۳

(آنحضرت ﷺ سے متعدد سندوں کے ساتھ آمین بالجہر کہنا ثابت ہے وہ ایسی سندیں ہیں کہ ایک دوسرے کی تقویت کرتی ہیں۔ ابن ماجہ، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، صحیح ابن حبان، امام شافعی کی کتاب الام وغیرہ میں موجود ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے صحابہ سے بھی ابن حبان کی روایت سے ثابت ہے اسی واسطے ہمارے بعض علماء ابن ہمام جیسوں نے فتح القدیر میں اوران کے شاگرد ابن امیر الحاج نے حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آمین بالجہر کا ثبوت باعتبار روایات کے قوی ہے)

صاحب ہدایہ نے ہمارے مذہب کے خلاف، یایوں کہیے کہ اپنے مذہب کے ثبوت کیلئے دو دلیلیں لکھی ہیں۔ایک تو ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ چار چیزیں امام آہستہ کہے:

اربع یخفیھن الامام وذکر من جملتھا التّعوّذ والتّسمیة وآمین ❶

ان میں سے ایک آمین بھی ہے۔

اس کا جواب بھی یہ ہے کہ کوئی فعل جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہو،کسی صحابی کے عدم فعل سے رد یا منسوخ نہیں ہوسکتا۔جب کہ آمین بالجہر آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے تو پھر کسی طرح کسی صحابی کے نہ کرنے یا منع کرنے سے منع نہیں ہوسکتا۔البتہ صحابی کو معذور سمجھنے کیلئے کوئی تاویل کرنی پڑی گی۔سو جو تاویل باقی مسائل میں حنفیہ کرام کریں گے وہی اس مسئلہ میں کریں گے کہ اس صحابی سے یہ فعل نبوی مخفی رہا۔ہاں اگر کسی کو یہ تاویل پسند نہ ہو تو وہ انہی ابن مسعودؓ کی رکوع کے وقت تطبیق کرنے وغیرہ مسائل خلافیہ متعلق عبادات وغیرہ کی کوئی معقول توجیہہ بتادیں تو ہم بھی اسی پر دستخط کردیں گے۔

دوسری دلیل صاحب ہدایہ نے یہ دی ہے:

ولانّہ دعاء فیکون مبناہ علی الخفا۔

(آمین دعا ہے پس یہ مخفی ہونی چاہیے)

اس دلیل میں آیت قرآنی کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشاد ہے:

---

❶ ہدایہ

﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ﴾ (الاعراف:۵۵)

اپنے رب کو عاجزی سے اور خفیہ پکارا کرو۔

لیکن آمین اصل دعا نہیں بلکہ استجابت دعا ہے جو اگر ہے تو حکماً دعا ہے، یعنی جو دعا امام نے کی ہے اسکی قبولیت کی درخواست ہے پس جب اصل دعا جو امام کر رہا ہے (یعنی سورۃ فاتحہ پڑھ رہا ہے) بحکم روایت مذکورہ مانعین اسے آہستہ پڑھنے کا حکم نہیں دیتے اور جو اسی دعا کی استجابت (قبولیت) کی درخواست کرے، اس استجابت کو اس آیت سے منع کریں۔ لعمری ان ھذا اعجب العجاب

پس امام اونچی آواز سے دعا کرے گا تو مقتدی بھی بلند آواز سے استجابت کرے گا اور جس وقت آہستہ دعا کرے گا مقتدی بھی آہستہ استجابت کرے گا۔ سارا مدار امام پر ہے پہلے امام کو روکنا چاہیے مقتدی خود رک جائے گا۔ ❶

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ لکھتے ہیں: اخیر میں محققین حنفیہ کا فیصلہ متعلق مسئلہ ہذا بتلا کر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

ابن الہمام شارح ہدایہ فتح القدیر میں مسئلہ ہذا (آمین بالجہر) میں بالکل اہلحدیث کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

لو کان الی فی ھذا شیء لوفقت بان روایة الخفض یراد بھا عدم القرع العنیف وروایة الجھر بمعنی قولھا فی زیر الصوت وذیلہ یدل علی ھذا ما فی ابن ماجة کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا تلا غیرالمغضوب علیھم ولاالضّالین، قال آمین حتّی یسمع من الصّف الاول فیرتج بھا المسجد۔ ❷

اگر مجھے اس امر میں اختیار ہو (یعنی میری رائے کوئی سنے) تو میں اس میں موافقت کروں کہ جو روایت آہستہ والی ہے اس سے تو مراد ہے کہ بہت زور سے نہ چلاتے تھے اور جہر کی آواز سے مراد گونجتی ہوئی آواز ہے۔

---

❶ اہل حدیث کا مذہب۔ ص ۷۱۔۷۴

❷ جلد ۱ ص ۱۱۷ نولکشوری

میری اس توجیہ پر ابن ماجہ کی روایت دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب **غیر المغضوب علیھم ولا الضّالین** پڑھتے تھے تو آمین کہتے تھے ایسی کہ پہلی صف والے سن لیتے تھے (پھر دوسروں کی آواز ملنے سے) مسجد گونج جاتی تھی۔

اہل حدیث کو فخر ہے کہ ان کے مسائل قرآن و حدیث سے ثابت ہو کر آئمہ سلف کے معمول بہ ہونے کے علاوہ، صوفیاء میں سے شیخ عبدالقادر جیلانی بھی ان کی تائید میں ہیں۔ چنانچہ ان کی کتاب غنیۃ الطالبین کے دیکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ آپ نے آمین اور رفع یدین کو کس وضاحت سے لکھا ہے زہے قسمت

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست کہ سلطان جہاں با ماست امروز

پس صوفیا کرام کی خدمت میں عموماً اور خاندان قادریہ کی جناب میں خصوصاً بڑے ادب سے عرض ہے کہ وہ ان دونوں سنتوں کے رواج دینے میں دل و جان سے سعی کریں اور اگر خود نہ کریں تو ان کے رواج دینے والے فرقہ اہل حدیث سے دلی محبت اور اخلاص رکھیں۔ ❶

آمین بالجہر : اثری تحریر

جناب عاشق علی اثری لکھتے ہیں:

بعض لوگ اپنے امام کے علاوہ دیگر مذاہب کی مؤید کوئی صحیح اور تعارض و نسخ سے محفوظ حدیث پاتے ہیں تو بعید از کار احتمالات کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور اس سے مکمل روگردانی کر لیتے ہیں اور اپنے امام کے مذہب کے لئے وجوہ ترجیح کی تلاش میں لگ جاتے ہیں باوجودیکہ ان کے امام کا مذہب صحابہ کرام، تابعین عظام اور نص صریح کے مخالف ہے۔ ایسے لوگوں میں اعلاء السنن اور آثار السنن کے مؤلفین ہیں کہ انہوں نے کہیں تو صحیح حدیثوں کی تاویل کی اور کہیں ان کی تضعیف کی۔

اس کی مثال آمین بالجہر کے مسئلہ میں ملتی ہے۔ جہاں ابن حجرؒ نے بلوغ المرام میں درج ذیل صحیح حدیث نقل کی اور اس کی شاہد یعنی ہم معنی حدیث کی طرف اشارہ کر دیا:

عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من قرأۃ ام القرآن، رفع صوتہ وقال آمین۔

---

❶ اہل حدیث کا مذہب۔ ص ۷۴۔۷۵

رواہ الدارقطنی وحسنه والحاکم وصححه ۔ ولابی داؤد والترمذی من حدیث وائل بن حجر نحوہ۔ ❶

(ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سورۃ فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے آمین کہتے ۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا اور حسن کہا ۔ اور حاکم نے روایت کیا اور صحیح کہا ہے ۔ اور ابو داؤد اور ترمذی میں وائل بن حجر کی حدیث سے اسی طرح مروی ہے)۔

○......اب سنیے کہ جناب ظہیر احسن نیمویؒ نے اپنی آثار السنن میں باب الجهر بالتامين کے تحت درج ذیل چار حدیثیں نقل کی ہیں:

۱ ۔ عن علقمة بن وائل عن وائل عن ابیه قال کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا قرأ ولا الضّالین قال آمین رفع بها صوته ۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وآخرون ۔ وھو حدیث مضطرب۔ ❷

(علقمہ اپنے باپ وائل سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب **ولا الضالین** پڑھتے تو اونچی آواز سے آمین کہتے ۔ اسے ابو داؤد، ترمذی اور دوسرے آئمہ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث مضطرب ہے)

۲ ۔ عن ابی هريرة قال کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا فرغ من قرأة ام القرآن رفع صوته و قال آمین ۔ رواہ الدارقطنی والحاکم وفی اسنادہ لین۔ ❸

(ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سورۃ فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے آمین کہتے اسے دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد میں لین ہے)

---

❶ بلوغ المرام، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلوۃ ۔ کتب خانہ رشیدیہ دھلی ص ۲۱

❷ سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب التامین وراء الامام، رقم الحدیث: ۹۳۴ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی التامین، رقم الحدیث: ۲۴۸

❸ سنن دارقطنی، کتاب الصلاۃ، باب التامین فی الصلاۃ، رقم الحدیث: ۷، ج: ۱، ص: ۳۳۵ مستدرک للحاکم، کتاب الامامۃ، باب کان اذا فرغ من ام القرآن...... رقم الحدیث: ۸۴۳، ج: ۱، ص: ۲۲۲

٣ ـ عن ابی عبد اللّٰه بن عم ابی هريرة عن ابی هريرة قال ترك الناس التامين ـ و كان رسول اللّٰه ﷺ اذا قال غير المغضوب عليهم و لا الضّالين قال آمين ـ حتی يسمع اهل الصف الاول ، فيرتج المسجد ـ رواه ابن ماجة و اسناده ضعيف ـ ❶

ابو ہریرہؓ کے چچازاد بھائی ابوعبداللہ سے مروی ہے وہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ جب **غير المغضوب عليهم و لا الضّالين** پڑھتے تو آمین کہتے ۔ یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے اور مسجد گونج جاتی ۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

٤ ـ عن ام الحصين انّها صلّت خلف رسول اللّٰه ﷺ فلمّا قال و لا الضّالين ـ قال آمين ـ فسمعته و هی فی صفّ النّساء ـ رواه ابن راهويه فی مسنده و الطبرانی فی الكبير و فيه اسماعيل بن مسلم المكی ، و هو ضعيف ـ قال النيموی لم يثبت الجهر بالتّامين عن النبیّ ﷺ و لا عن الخلفاء الاربعة ـ و ما جاء فی الباب فهو لايخلو من شیء ـ ❷

(ام الحصینؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی ۔ جب آپ نے **و لا الضّالين** کہا تو آمین پکارا جسے انہوں نے عورتوں کی صف میں سنا۔ اسے ابن راہویہ نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے۔ اور اس کی سند میں اسماعیل بن مسلم مکی ضعیف راوی ہے۔ نیموی کہتے ہیں ۔ آمین بالجہر نہ تو نبی ﷺ سے ثابت ہے نہ خلفاء اربعہ سے ۔ اس باب میں جو حدیثیں بھی مروی ہیں وہ عیب سے خالی نہیں ہیں)۔

○......اسی طرح جناب ظفر احمد عثمانی نے اعلاء السنن میں باب ما جاء فی سنية التامين و الاخفاء بها کے تحت درج ذیل چار حدیثیں نقل کی ہیں۔

---

❶ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلاۃ، باب الجہر بآمین، رقم الحدیث: ۸۵۳

❷ آثار السنن ۔ ج ۱ ۔ ص ۹۲ ۔ ۹۴

۱ ۔ عن ابی ھریرة ان رسول اللّٰہ ﷺ قال:((اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضّالین فقولوا آمین ۔ فانّہ من وافق قولہ قول الملائکة غفرلہ ماتقدم من ذنبہ)) ❶

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضّالین کہے تو تم آمین کہو۔ اس لئے کہ جس کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہو گا اس کے سابقہ گناہ سب بخش دیئے جائیں گے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

۲ ۔ عن ابی موسی الاشعری فی حدیث طویل ۔ قال انّ رسو ل اللّٰہ ﷺ خطبنا فبیّن لنا سنّتنا وعلمنا صلاتنا ۔ فقال:((اذا صلّیتم فاقیموا صفوفکم ثمّ لیئومکم احد کمفاذا کبر فکبروا واذا قال غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فقولوا آمین،یحبکم اللہ)) ❷

(ابو موسی اشعریؓ ایک لمبی حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا تو آپ نے ہمارے لئے سنتیں بیان کیں اور ہمیں صلوۃ کی تعلیم دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جب تم صلوۃ ادا کرو تو اپنی صفیں سیدھی کر لو۔ پھر تم میں سے کوئی تمہاری امامت کرائے اور جب امام اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو اور جب وہ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ اللہ تمہاری مراد پوری کرے گا)۔

۳ ۔ عن ابی ھریرة قال قال رسول اللّٰہ ﷺ:((اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضّالین فقولوا آمین،فان الملائکة تقول آمین وان الامام یقول آمین،فمن وافق تامینہ تامین الملائکة غفرلہ ما تقدّم من ذنبہ)) رواہ احمد والنسائی والدارمی واسنادہ صحیح۔ ❸

---

❶ صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب جھر الماموم بالتامین، رقم الحدیث:۷۸۲
❷ صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب التشھد فی الصلاۃ، رقم الحدیث:۶۲۔۴۰۴
❸ صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب جھر الماموم بالتامین، رقم الحدیث:۷۸۲، آثار السّنن، ورواہ ابن حبان فی صحیحہ، ذیلعی

(ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جب امام **غیر المغضوب علیھم ولا الضّالین** کہے تو تم لوگ آمین کہو۔ اس لئے کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کے موافق ہوگا، اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اسے احمد، نسائی اور دارمی نے روایت کیا ہے اور اسکی سند صحیح ہے، آثار السنن، اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، ذیلعی)

٤ ۔ عن ابی هریرة ان رسول اللّٰه ﷺ قال:((اذا امّن الامام فامّنوا فانّه من وافق تامینه تامین الملائکة غفرله ماتقدّم من ذنبه)) رواه البخاری ۔ قال ابن شهاب و کان رسول اللّٰه ﷺ یقول آمین ۔ وهذا مرسل ۔ ❶

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو۔ اس لئے کہ جس کا آمین فرشتوں کے آمین کے موافق ہوگا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ اسے بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔ ابن شہاب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ آمین کہتے تھے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

اس کے بعد جناب ظفر احمد نے کچھ آثار ذکر کر کے علقمہ بن وائل عن ابیہ والی حدیث بایں الفاظ نقل کی ہے:

انه صلّی مع رسول اللّٰه ﷺ فلما بلغ غیر المغضوب علیهم ولاالضالین قال آمین و اخفی بها صوته ۔ رواه احمد وابوداؤد الطیالسی ، وابویعلی الموصلی فی مسانیدهم، والدارقطنی فی سننه والحاکم فی المستدرك ، واخرجه فی کتاب القرأة ولفظه وخفض بهاصوته ۔ وقال حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه ۔ زیلعی ۔ ❷

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔ جب آپ ﷺ **غیر المغضوب علیھم ولا الضالین** پر پہونچے تو آہستہ سے آمین کہا۔ اسے احمد، ابوداؤد طیالسی، ابویعلی موصلی نے اپنے مسانید اور دارقطنی نے اپنی سنن میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔

---

❶ صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب جهر الماموم بالتامین، رقم الحدیث:٧٨٢

❷ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی التامین، رقم الحدیث: ٢٤٨

امام حاکم نے کتاب القرأۃ میں اس کی تخریج بایں الفاظ کی ہے و خفض بها صوته ۔یعنی آواز پست رکھی اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔مگر بخاری و مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

پھر ابوسکن حجر بن عنبس الثقفی کے واسطے سے وائل بن حجر کی حدیث نقل کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے بلند آواز سے آمین کہنے کا ذکر ہے۔مگر اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ❶

اس تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف آثار السنن اور مؤلف اعلاء السنن نے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے کتنا پاپڑ بیلا ہے۔آمین بالجہر کی تمام روایتوں کو ضعیف، لین، مضطرب وغیرہ کہہ کر ردّ کیا ہے۔جناب نیموی نے تو الگ سے باب ترك الجهر بالتامين کے تحت آیت:﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ (الاعراف:۵۵)(یعنی تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑ گڑا کر بھی اور چپکے چپکے بھی)۔اور ابو ہریرہؓ کی حدیث كان رسول الله يعلمنا يقول لاتبادروا الامام ، اذا كبر فكبروا واذا قال ولا الضالين فقولوا آمين ۔ (یعنی رسول اللہ ﷺ ہمیں تعلیم دیتے تھے تو فرماتے تھے کہ امام سے جلدی نہ کرو۔جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو۔اور جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو) سے آمین بالجہر کے ترک پر استدلال کیا ہے۔چنانچہ لکھتے ہیں: قال النيموي:يستفاد منه ان الامام لايجهر بآمين ۔ ❷ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امام زور سے آمین نہ کہے۔

مؤلف اعلاء السنن نے ابوہریرہ کی حدیث،جس کی تخریج امام بخاری نے کی،اور ابوموسی اشعری کی حدیث،جس کی تخریج امام مسلم نے کی ہے، سے اخفاء آمین پر استدلال کیا ہے۔ جب کہ امام بخاریؒ نے ابو ہریرہؓ کی حدیث اذا امن الامام فامنوا ،اور بعض آثار سے امام کے آمین بالجہر کہنے پر استدلال کیا ہے۔

اسی طرح ابو ہریرہؓ کی حدیث اذا قال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين سے مقتدی کے آمین بالجہر کہنے پر استدلال کیا ہے۔

---

❶ اعلاء السنن۔ج ۲ص ۲۱۱۔۲۱۷

❷ آثار السنن ج ۱ص ۹۵

آمین بالجہر کی جن حدیثوں کو جناب نیموی اور جناب ظفر احمد نے ضعیف، لین اور مضطرب قرار دیا ہے، ان کی نقاد حفاظ نے تصحیح کی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے وائلؓ بن حجر کی حدیث کے بارے میں کہا ہے سندہ صحیح۔ اور دار قطنیؒ نے بھی صحیح کہا ہے۔ ❶

اسی طرح آمین بالجہر کی حدیث کی صحت کے بہت سے آئمہ احناف بھی قائل ہیں۔ ان میں ابن الترکمانی جہری اور سری دونوں حدیثوں کی صحت کے قائل ہیں۔ اور سراج احمد سرہندی، شیخ عبدالحق دہلوی حدیث جہر کو اصح قرار دیتے ہیں۔

ابن امیر الحاج آمین بالجہر کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

سنت میں وارد احادیث سے دونوں مذہبوں کی شہادت ملتی ہے اور ہمارے مشائخ نے جن احادیث سے اپنے مذہب کو راجح قرار دیا ہے وہ غور وفکر کرنے والے کیلئے ضعف سے خالی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے شیخ ابن الہمام نے کہا ہے کہ اگر میرے اختیار میں کوئی چیز ہوتی تو میں یہ تطبیق دیتا کہ خفض والی روایت سے مراد ہے کہ بہت زیادہ اونچی آواز میں نہ کہنا۔ اور جہر کی روایت کا معنی ہے اونچی آواز سے کہنا۔

جناب عبدالحی فرنگی محلی بھی آمین بالجہر کی ارجحیت کے ہم نوا ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

لقد طفنا كما طفتم سنينا بهذا البيت طرا اجمعينا فوجدنا بعدالتامل والامعان ان القول بالجهر آمين هو الاصح، لكونه مطابقاً لما روى عن سيد بنى عدنان ـ ورواية الخفض عنه ﷺ ضعيفة لا توازى روايات الجهر ـ ولو صحت وجب ان تحمل على عدم القرع النيف ـ كما اشار اليه ابن الهمام ـ واى ضرورية داعية الى حمل روايات الجهر على بعض الاحيان ـ او الجهر للتعليم مع عدم ورود شىء من ذالك فى رواية ـ والقول بانه كان فى ابتداء الامر اضعف ـ لان الحاكم قد صححه من رواية وائل بن حجر۔ وهو انما اسلم فى اواخر الامر ـ كما ذكره ابن حجر فى فتح البارى ـ واما اثر ابراهيم النخعى ونحوه فلا توازى الروايات المرفوعة ـ

---

❶ ابکار المنن فی تنقید آثار السنن۔ ص ۵۹۳

جس طرح آپ لوگوں نے اس گھر (آمین کہنے کے باب میں) کا چکر لگایا اسی طرح ہم نے بھی کئی سالوں تک اس مکمل گھر کا چکر لگایا۔ غور و فکر کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ آمین زور سے کہنا اصح ہے۔ کیونکہ یہ بنی عدنان کے سردار (رسول اللہ ﷺ) سے مروی حدیث کے موافق ہے۔ اور آپ ﷺ سے پست آواز سے آمین کہنے کی روایت ضعیف ہے۔ بلند آواز سے آمین کہنے کی روایات کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور اگر اسے صحیح مان لیا جائے تو اسے آواز کے بہت اونچی نہ ہونے پر محمول کرنا ضروری ہوگا، جیسا کہ اس کی طرف ابن الہمام نے اشارہ کیا ہے۔ اور جہر کی روایات کو بعض اوقات پر، یا تعلیم کے لئے محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ کسی روایت میں اس قسم کی بات مروی نہیں ہے اور یہ کہنا کہ بلند آواز سے آمین کہنا ابتداء اسلام میں تھا، ضعیف تر ہے۔ اس لئے کہ حاکم نے وائل بن حجر کی روایت سے اسے صحیح کہا ہے اور وہ آپ ﷺ کے آخری دور میں اسلام لائے ہیں جیسا کہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔ رہا ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کا اثر تو وہ مرفوع روایات کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

جناب عبدالحی فرنگی محلی، التعلیق الممجد میں کہتے ہیں:

الانصاف انّ الجهر قوی من حیث الدّلیل۔ ❶

انصاف کی بات یہ ہے کہ اونچی آواز سے آمین کہنا دلیل کے اعتبار سے قوی ہے

حافظ ابن حجر، فتح الباری میں کہتے ہیں:

وروی البیهقی من وجه آخر عن عطاء قال ادرکت مأتین من اصحاب رسول اللّٰه ﷺ فی هذا المسجد ـ اذا قال الامام و لاالضالین سمعت لهم رجة بآمین۔ ❷

بیہقی نے ایک دوسری سند سے عطاء سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس مسجد (نبوی) میں دوسو صحابہ کو پایا کہ جب امام **ولا الضالین** کہتا تو ان کے آمین کی گونج سنائی دیتی۔

---

❶ ابکار المنن ص ۶۲۳-۶۲۵ ❷ فتح الباری ج ۲ کتاب الاذان باب جهر الماموم بالتامین

جناب نیموی نے خود اعتراف کیا ہے کہ رفع بھا صوتہ والی حدیث متعدد علماء کے نزدیک صحیح ہے۔ چنانچہ التعلیق الحسن میں لکھتے ہیں:

انّ هذا الحديث وان كان صحيحاً عند غير واحد من اهل العلم لكنّه عند التّحقيق ضعيف بالاضطراب۔

یہ حدیث اگرچہ متعدد علماء کے نزدیک صحیح ہے لیکن تحقیق کی رو سے مضطرب ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ❶



---

❶ علوم الحدیث۔ مطالعہ وتعارف۔ص ۴۲۸۔۴۳۳ عاشق علی اثری کا مقالہ بلوغ المرام آثار السنن اور اعلاء السنن کا ایک تقابلی جائزہ

مسئلہ آمین بالجہر عدالت میں

شیخ محمد حسین بٹالویؒ، اپنے ماہنامہ اشاعۃ السنہ کی جلد ۸ میں لکھتے ہیں:

سنی مسلمانوں کے دو فریق اہل حدیث واہل تقلید کے سال ہا سال سے جھگڑے چلے آتے ہیں۔ جو مختلف شہروں میں مختلف صورتوں اور عدالتوں (دیوانی فوجداری) میں پیش ہو چکے اور آئندہ ہونے کو ہیں۔

کسی عدالت سے ان مقدمات کی نسبت کبھی کوئی ایسا فیصلہ نہیں ہوا جو قطعی اور حکم اخیر سمجھا جاتا اور وہ ان مقدمات کا دروازہ بند کر دیتا۔ بلکہ ان فیصلہ جات عدالت سے اس اختلاف کا دروازہ اور وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں کا باہمی فساد وعناد یوماً فیوماً ترقی پر ہے۔ عدالتوں کو بھی نئے دن ان مقدمات میں نئے سرے تحقیقات کی تکلیف درپئے رہتی ہے۔

ہمارے خیال میں اس مقدمہ کے قطعی انفصال کی ایسی تجویز آئی ہے کہ اگر مدعیان اہل اسلام اسکی طرف توجہ کریں تو اس اختلاف کا دروازہ قطعاً بند ہو اور اہل اسلام میں باہم اتفاق و اتحاد روز افزوں ہو اور عدالتوں کو بھی نئے سورج سے نئی تحقیقات کی تکالیف سے نجات ہو۔ اور اگر ہمارے برادران اہل اسلام اس کی طرف توجہ نہ کریں تو ایک تجویز ہم اور بتاتے ہیں جس کی طرف گورنمنٹ کو متوجہ ہونے سے یہ جھگڑے غالباً فیصلہ پاسکیں۔ اور اگر احیاناً کوئی جھگڑا پھر بھی پیش ہوا تو گورنمنٹ کو نئی تحقیقات کی تکلیفات سے امن رہے۔

تجویز لائق توجہ اہل اسلام

جہاں تک تفحص وتامل کیا گیا اس سے صاف اور یقینی طور پر سمجھ میں آیا ہے کہ یہ جھگڑے صرف آمین یا رفع یدین یا اسی قسم کے اور امور پر (جن کے مسنون وغیر مسنون ہونے میں فریقین کا باہم اختلاف ہے) ہرگز نہیں۔ ان جھگڑوں کا سبب وموجب کوئی اور ہی امر ہے۔ اس پر قطعی دلیل جس میں کسی کو مجال ومقال نہ ہو یہ ہے کہ آمین وغیرہ امور مذکورہ کو ہندوستان و عرب وغیرہ بلاد اسلامیہ کے موجودہ حنفیہ وغیرہ قائلین ان امور کے حق میں گناہ وحرام ومفسد نماز نہیں سمجھتے بلکہ موجب قرب وثواب جانتے ہیں اور ان کو ان امور کے عمل میں لانے کے مجاز سمجھتے ہیں گو اپنے حق میں ان کا عمل میں لانا خلاف سنت یا مکروہ سمجھیں۔

اس پر خود انہی کی طرف سے ایسی علمی وعملی (یا یوں کہو کہ قولی وفعلی) شہادت پائی جاتی ہے جس کی تسلیم وصحت میں کسی منصف مزاج اہل علم کو انکار وتردد نہیں ہے۔

علمی یا قولی شہادت یہ ہے کہ حنفی مذہب کی مشہور ومعتبر کتب فقہ (ہدایہ، کنز الدقائق، بحر الرائق۔ طحطاوی۔ فتاوی عالم گیری وغیرہ) میں بتصریح بیان کیا گیا ہے:

فان قنت الامام فی صلوة الفجر یسکت من خلفه ۔ عند ابی حنیفة ومحمد وقال ابو یوسف یتبعه لانّه تبع لامامه والقنوت فی الفجر مجتهد فیه ...... ودلت المسئلة علی جواز الاقتداء بالشفعویة۔ ❶

وصحّ الاقتداء فیه ...... بشافعی یفصله بسلام ویأتی الماموم بقنوت الوتر ولو بشافعی قنت بعد الرکوع لانّه مجتهد فیه۔ ❷

ویتبع الماموم قانت الوتر لا الفجر ۔ ❸

دلّت المسئلة علی جواز الاقتداء بالشّفعویة۔ ❹

لا خصوصیة للشافعی بل الصلوة خلف کل مخالف لمذهب کذلك ۔ ❺

الاقتداء بشافعی المذهب انّما یصح اذا کان الامام یتحامی مواضع الخلاف ۔ ❻

ثمّ المواضع المهمة للمراعاة فی حتی المخالف ان یتوضأ من الفصد والحجامة وکذا وکذا ...... الی ان قال واما مراعاة بعض بالافعال التی هی سنة عند المخالف ومکروه عند غیره کرفع الیدین فی حالة الانتقال وکجهرالتسمیة واخفائها وبسط الیدین فی القنوت ونحوها فهذا وامثاله ممالایمکن الجمع بینهما ولا ...... الخروج عن عبدة خلافها لکل

---

❶ ھدایہ۔ص ۱۱۲
❷ درمختار۔ص ۸۷
❸ کنز الدقائق
❹ بحر الرائق والطحطاوی
❺ بحر الرائق ❻ فتاوی عالم گیری

متبع مذهب ولا يمنع مشربه۔ ❶

شافعی وغیرہ مخالفین مذہب حنفی کا نماز میں اقتداء جائز ہے گو وہ نماز میں ایسے افعال کریں جو ان کے مذہب میں مسنون اور حنفی مذہب میں صرف غیر مسنون ہوں، مفسد نماز نہ ہوں۔ ان امور کے مفسد نہ ہونے کی قید وشرط بھی صرف بعض متأخرین نے لگائی ہے۔ بعض متأخرین اور اکثر متقدمین نے یہ قید بھی اڑا دی ہے اور صاف تصریح کی ہے کہ اگر امام ان امور کا مرتکب ہو جو حنفی مقتدی کے مذہب میں مفسد نماز ہیں جیسے وضو کے بعد فصد...... یا وتر کی دو رکعت پر سلام پھیر دینا، تو اس کے پیچھے بھی نماز جائز ہے کیونکہ ان امور کا مفسد نماز ہونا ظنی و اجتہادی ہے، نہ قطعی و یقینی۔ ولہذا شافعیوں کی نماز ان امور کے ارتکاب سے حنفیوں کے نزدیک بھی فاسد نہیں ہوتی۔ گو ان امور کو اپنی نماز کا مفسد سمجھتے ہیں۔ جیسے نماز فجر میں دعا قنوت پڑھنا۔ یا وتروں میں رکوع کے بعد قنوت پڑھنا یا بسم اللہ و آمین پکار کر کہنا یا رفع الیدین کرنا۔ اور اسی قسم کے امور۔ اور طرفہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے حنفی المذہب مقتدی کو شافعی المذہب امام کی متابعت سے فجر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنے کی بھی اجازت دی ہے۔ جس کے پڑھنے کی حنفی المذہب کے لئے اجازت نہیں ہے۔ گو امام ابو حنیفہ اور امام محمد اس کو قنوت پڑھنے کا حکم نہیں دیتے۔ چپکے کھڑا رہنے کا حکم فرماتے ہیں۔

ان سب کے اقوال و مذہب سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ امور ان سب کے نزدیک (ان لوگوں کے حق میں جو ان کو مسنون جانتے ہیں) گناہ یا حرام یا مفسد نماز نہیں ہیں ایسے ہوتے تو وہ ان امور کے مرتکب امام کے پیچھے حنفی المذہب مقتدی کی نماز جائز نہ بتاتے۔

عملی (یا فعلی) شہادت یہ ہے کہ مکہ مکرمہ۔ مدینہ مشرفہ۔ روم۔ شام۔ مصر وغیرہ قدیمی بلاد اسلامیہ میں اور جو ان کے قریب ہندوستان کے شہر ہیں (جیسے بمبئی وغیرہ) بلا انکار و مزاحمت شافعی حنبلی و مالکی لوگ نماز میں آمین پکار کر کہتے ہیں۔ اور حنفی علماء و عوام بلا شک و تردد ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں۔ کبھی کسی مقام میں کسی شخص نے کسی شافعی یا حنبلی یا مالکی پر آمین کہنے کے سبب لے دے نہیں کی اور نہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے نفرت ظاہر کی ہے۔ یہ واقعات مسلم الثبوت ہیں ان پر نقل روایت کی شہادت ضروری نہیں ہے۔

---

❶ رسالہ ملا علی قاری

اس بیان سے جب ثابت ہے کہ وہ جھگڑے صرف آمین یا رفع یدین یا اسی قسم کے اور امور پر (جن کے مسنون وغیر مسنون ہونے میں فریقین کا اختلاف ہے) ہرگز نہیں تو اس سے یقیناً سمجھ میں آیا کہ ان جھگڑوں کا سبب وموجب کوئی اور ہی امر ہے۔

ہماری تحقیق و تنقیح میں ان جھگڑوں کے موجب دو امر ہیں۔

○......امر اول۔اس زمانہ کے اہل حدیث کا کسی خاص مذہب حنفی یا شافعی کا مقلد نہ کہلانا بلکہ بلا واسطہ کسی خاص مجتہد کے عمل بالحدیث کا دعوی کرنا۔

○......دوم۔مقلدین کے خیال میں ان لوگوں کا آئمہ مجتہدین کو برا کہنا۔

○ امر اول تو شہرہ آفاق ہے۔جو لوگ جہاں کہیں عاملین بالحدیث کو اپنی مسجدوں میں آمین کہنے سے منع کرتے ہیں وہ ساتھ ہی اسکے یہ بھی کہتے ہیں [1] کہ یہ لوگ غیر مقلد یا لا مذہب ہیں اسلیئے ان کو ہم اپنی مسجدوں سے روکتے ہیں۔اور اگر یہ لوگ شافعی یا مالکی یا حنبلی کہلائیں تو بلا شک ہماری مسجدوں میں آئیں اور شوق سے نماز میں آمین پکار کر کہیں۔اس صورت میں یہ ہمارے بھائی ہیں۔اور بصورت غیر مقلدی یہ ہمارے مذہبی دشمن ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ حرمین وغیرہ بلاد میں شافعیوں، حنبلیوں اور مالکیوں کو آمین سے نہیں روکتے بلکہ انکے پیچھے خود نمازیں پڑھتے ہیں۔

○ امر دوم۔بعض لوگوں کی زبان یا قلم سے نکلا ہے۔مشیر قیصر لکھنؤ کے کسی پرچہ میں ہم نے دیکھا تھا کہ آمین، رفع یدین کی وجہ سے ہم (حنفیہ) ان اہل حدیث (یا غیر مقلدوں) کو مسجدوں سے کب روکتے ہیں؟ ہم تو ان کو اس لئے روکتے ہیں کہ یہ ہماری مسجدوں میں آکر ہمارے پیشواؤں کو برا کہتے ہیں۔گلابی چوورقہ مشہور وموسوم بہ جامع الشواھد فی اخراج الوھابین عن المساجد اور رسالہ انتظام المساجد باخراج اھل الفتن و المفاسد وغیرہ رسائل حنفیہ (جنہوں نے فریقین کے باہمی بغض وعناد وتفرقہ وفساد کی بنا کو ہندوستان میں قائم کیا ہے اور اہل حدیث کو مسجدوں سے نکالنے کا آرڈر جاری و مستحکم کر دیا ہے) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ عاملین بالحدیث کو آئمہ مجتہدین وغیرہ آئمہ دین کے توہین کنندہ خیال

---

[1] دیکھو فیصلہ ہائی کورٹ الہ آباد جسکا ذکر آگے آتا ہے

کر کے ان کو مسجدوں میں داخل ہونے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکتے ہیں۔ صرف آمین رفع یدین کے سبب نہیں روکتے۔ یہ امر ان رسالوں کے نام سے بھی سمجھ میں آتا ہے۔ ان کے مضامین پڑھنے کی اس امر کے ثبوت کے لئے ضرورت نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک بھی امر اول تو واقعی ہے اور فریق ثانی کا مسلّم ہے وہ برملا تقلید مذہب معین سے انکاری ہیں اور بلا واسطہ کسی خاص مجتہد کے عمل بالحدیث کے مدعی ہیں۔

امر دوم سے ان لوگوں کو انکار ہے اور ان کے اکابر گروہ نے قلم و زبان سے صاف ظاہر کر دیا ہے کہ آئمہ دین کی توہین پرلے سرے کی بے دینی ہے اور اس توہین کا مرتکب و معتقد فاسق ہے اور حدیث من عادی لی ولیاً فقد بارز اللّٰہ بالمحاربۃ کا مصداق ہے۔ مگر تاہم بحکم: تا نباشد چیز کے کردم نگوئند چیز ہا، مقلدین کے اس ادعاء و خیال کے لئے بھی کچھ نہ کچھ منشاء و مأخذ پایا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ گروہ عاملین بالحدیث سے بعض عوام کالانعام بعض مجلسوں میں اپنے مزاحمین و مخالفین کے مقابلہ میں طیش میں آ کر کچھ نہ کچھ آئمہ مجتہدین کی جناب میں بے باکانہ کہہ بیٹھتے ہیں جیسے نادان مسلمان موجودہ عیسائیوں کی ہٹ دھرمی و ضد کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰؑ کی شان میں کچھ نہ کچھ کہہ بیٹھتے ہیں۔ اور بعض عوام بلکہ تھوڑے دنوں سے بعض خواص بھی اپنے بعض رسائل میں امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کی نسبت ایسے الفاظ لکھتے ہیں جن سے مقلدین اپنے آئمہ مذہب کی توہین نکال سکتے ہیں۔

ان جھگڑوں کا اصلی سبب و منشاء معلوم ہوا تو اب ہم ان کے انفصال کی آخری تجویز بتاتے ہیں جس کی طرف ہمارے برادران اہل اسلام کی توجہ ضروری ہے۔ ہماری رائے میں ان امور سبب نزاع میں نصفا نصفی پر ڈگری یا فیصلہ ہونا چاہیے۔ امر اول میں تو فرقہ اہل تقلید، عاملین بالحدیث کو معذور سمجھیں اور معاف رکھیں اور امر دوم میں عاملین بالحدیث اہل تقلید کی بات مان لیں۔ ایسا کوئی کلمہ جس سے آئمہ دین اور ان کے مقلدین کی توہین مفہوم و مترشح ہو قلم یا زبان سے نہ نکالیں۔

✪......امر اول میں عاملین حدیث کو معذور سمجھنے اور آزادی دینے میں اہل تقلید کا کوئی حرج و ضرر نہیں۔ عمل بالحدیث بلا واسطہ مجتہدین اہل تقلید کے خیال میں گناہ ہے تو اس کا وزر انہی لوگوں پر ہے جو یہ عمل کرتے ہیں۔ اس کا ضرر و اثر اہل تقلید تک نہیں پہونچتا۔ اور اس میں

ان کا کوئی مذہبی نقصان نہیں ہے۔

اس قسم کے آزاد لوگ مجتہدین کے وقت سے چلے آتے ہیں جو کسی کے مقلد نہ تھے ان سے مذہب مجتہدین کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہونچا۔تو زمانہ حال کے آزادوں سے مذہب حنفی یا شافعی کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔

آخر اسلام میں حنفی شافعیوں کے مخالف اور فرقے بھی ہیں جن کو وہ برملا گمراہ کہتے ہیں اور رافضی خارجی وغیرہ خطاب دیتے ہیں، ومع ہذا وہ سنیوں کی مسجدوں خاص کر مسجد الحرام و مسجد نبوی میں اپنے طور پر نمازیں پڑھنے کے مجاز ہیں۔ان لوگوں سے باوجود اس قدر مخالفت کلی اصول وفروع کے حنفی مذہب کو ضرر نہیں پہونچا تو اس عاملین بالحدیث سے (جو اصول میں حنفیہ کے موافق ہیں اور فروع میں کچھ مخالف کچھ موافق) کیا ضرر پہنچنے کا خوف ہے۔

اگر ان کی صحبت واختلاط سے ضرر کا خوف واحتمال ہے (چنانچہ انتظام المساجد وغیرہ رسائل میں لکھا ہے) تو اس کو وہ علمی طور سے دفع کر سکتے ہیں اور اپنے گروہ کو ان لوگوں کے اتباع وموافقت سے تحریراً وتقریراً روک سکتے ہیں۔عملی طور پر اس دفع کرنے اور ان لوگوں کو اپنی مسجدوں میں آنے سے روکنے اور مار پیٹ کرنے کی (جس کا ضرر اس ضرر موہوم سے بڑھ کر اور دم نقد موجود ہے) کیا حاجت ہے۔

دیوانی کے مقابلہ میں دیوانی اور فوجداری کے مقابلہ میں فوجداری مقدمات کرنے کو ہر ایک گروہ حاضر ہے......اور سال ہا سال تک مقدمات دائر رہنے اور خرچہ عدالت اور وکیلوں کیلئے چندے جمع ہونے سے مفلس ہوتے جاتے ہیں۔ایسی حالت میں یہی مناسب ہے کہ اپنے مذہب کی محافظت اور ضرر اختلاط غیروں کی مدافعت علمی طور پر کریں اور تقریراً یا تحریراً ہر ایک گروہ کے مقتداء اپنے اتباع کو یہ کہتے رہیں کہ وہ اپنے مخالفین مذہب سے جو فلاں فلاں کام رفع یدین آمین بالجہر یا ان کا خلاف کریں ان سے وہ لوگ بچتے رہیں۔

اس سے زیادہ عملی کاروائی کسی کو مسجدوں سے نکالنا یا مار پیٹ کرنا ملتوی کر دیں۔ ہماری اس التماس کو ہمارے علاتی بھائی حنفیوں نے تسلیم اور ان کے اعیان واکابر مذہب علماء اور رؤساء نے اس التماس کی تسلیم سے بذریعہ خاص تحریرات یا عام اخبارات ہم کو مطلع فرمایا تو ہم امر دوم میں ان کو ڈگری دیں گے اور تمام اہل حدیث ہندوستان و پنجاب عوام وخاص کی طرف

سے ذمہ لیں گے کہ وہ کبھی کوئی کلمہ جو آئمہ دین یا ان کے اتباع مقلدین کی توہین کا مشعر وموہوم ہو، قلم یا زبان سے نہ نکالیں گے۔ امور خلافیہ کا بیان اور اپنے خیالات کا اظہار واعلان وہ ایسے عمدہ اور مہذبانہ پیرایہ میں کریں گے جس میں علماء سلف اور ان کے خلف کرتے چلے آئے ہیں۔

✪......امر دوم کی تسلیم سے گروہ اہل حدیث کو انکار نہیں۔ اور توہین آئمہ دین اور ان کے مقلدین کا ان کو اقبال اور اس پر اصرار نہیں۔ یہ توہین ان کے کلام کا مفہوم ہے نہ منطوق اس کلام سے اس کا لزوم ہے نہ ان کا التزام۔ اور اگر کوئی نادان عوام سے اس کا ملتزم بھی ہے تو اس کا روکنا مشکل نہیں ہے۔ اس گروہ سے جو نسبت ہم کو ہے وہ ہمارے علاتی بھائی حنفیوں کو معلوم ہے اور اس گروہ کے اکابر علماء وپیشواؤں کو ہماری رائے سے اتفاق ہے۔ پھر چند عوام یا بعض خواص تیز مزاجوں کا روکنا کیا مشکل ہے۔ ہم اس باب میں اپنے گروہ کے خواص سے پہلے بذریعہ تحریر اپنی تجویز کے انصرام میں مدد لیں گے پھر ایک خاص سفر کر کے اس تجویز کے انصرام کیلئے......کمیٹیاں مقرر کریں گے۔ ان کمیٹیوں کے ذریعہ سے کئی عمدہ تجاویز انسداد فساد و تفرقہ وعناد نکالیں گے۔ اور مسلمانوں میں باہم اتفاق واتحاد قائم کریں گے۔

تجویز لائق توجہ گورنمنٹ

ہمارے اسلامی بھائی ہماری تجویز کی طرف توجہ نہ کریں تو مسلمانوں میں امن ومصالحت قائم کرنے کی نظر سے گورنمنٹ ہماری تجویز معروضہ ذیل کی طرف توجہ کرے۔

گورنمنٹ اول تو مختص المقام عہدہ داران چند مقام (لاہور، دہلی، لکھنو، کلکتہ وغیرہ) کے ذریعہ سے آفیشل طور پر امورات ذیل تحقیق کراوے جیسا کہ ۱۸۸۱ء میں کمشنر دہلی نے پرائیویٹ طور پر از انجملہ بعض امور کو تحقیق کروا کر علماء دہلی کا اتفاق کروایا تھا جو آفشیل نہ ہونے کے سبب دیگر مقامات میں دستور العمل نہ ہوا۔ اور اگر یہ امر گورنمنٹ اپنے نیوٹرل (غیر جانب دار) ہونے کے مخالف سمجھے اور اس کو مذہبی دست اندازی خیال کرے تو موجودہ مقدمات دائرہ عدالت (جو میرٹھ، بنارس، تاجپورہ وغیرہ میں دائر ہیں) کی نسبت ان امور کی تحقیق وتنقیح کی ان عدالتوں کو یہ ہدائت کرے جن میں وہ مقدمات دائر ہیں۔

○......امر اول۔ آمین وغیرہ ان لوگوں کے نزدیک جو ان افعال کے قائل ہیں ان کا مذہبی

اور اسلامی فرض ہے یا نہیں؟ اس امر کی تنقیح دو سوالوں کو حل کرنے سے ہو سکتی ہے۔

اول، اسلام کی مشہور و معتبر کتابوں میں ان افعال کا ثبوت و ذکر پایا جاتا ہے یا نہیں؟

دوم، اسلامی مذاہب سے جو سنی کہلاتے ہیں کوئی مذہب قدیم ان افعال کا قائل رہے یا نہیں؟

○......امر دوم۔ جو کام کسی کا مذہبی فرض ہو وہ اس کے ادا کرنے میں اپنے مذہب کا پیرو متصور ہوگا یا اس شخص کا دل دکھانے والہ جو اس کو مذہبی فرض نہیں سمجھتا۔

○......امر سوم۔ جس کا کوئی مذہبی فرض کسی دوسرے شخص کے مخالف ہو اور اس سے اس کی دل آزردگی مقصود ہو تو وہ اپنے فرض مذہبی ادا کرنے کا مجاز ہے یا بلحاظ دل آزردگی غیر کے ممنوع ہے؟

○......امر چہارم۔ مسلمانوں کی مسجدیں عام مسلمانوں کے لئے وقف ہیں جن میں مختلف گروہ اہل اسلام اپنے فرائض مذہبی ادا کر سکتے ہیں، یا وہ خاص اسی گروہ کی ادائی فرض کے لئے مخصوص ہیں جس گروہ نے ان کو بنا کیا ہو۔

پس اگر ان امور کی تنقیح و تحقیق میں باتفاق رائے اکثر علمائے ہندوستان کے یہ جواب حاصل ہو کہ

○ ا۔ آمین و رفع یدین وغیرہ ان لوگوں کا مذہبی فرض ہے اور اسلام کی مشہور کتابوں میں ان کا ذکر پایا جاتا ہے اور اسلام کے پرانے سنی مذہب سے اکثر یا بعضے مذہب اس کے قائل ہیں۔

○ ۲۔ جو امر کسی کا مذہبی فرض ہو وہ اسکے ادا کرنے میں اپنے مذہب کا پیرو متصور ہوتا ہے۔

○ ۳۔ ہر شخص اپنے مذہبی فرض کے ادا کرنے کا مجاز و مختار ہے گو اس سے دوسرے کی دل آزردگی متصور ہو۔

○ ۴۔ مسلمانوں کی مسجدیں عام مسلمانوں کے لئے وقف ہیں جن میں مختلف گروہ اہل اسلام اپنے مذہبی فرائض ادا کر سکتے ہیں۔

تو گورنمنٹ گروہ اہل حدیث کو ان امور کے ادا کرنے کی آزادی کا حکم دے اور ان کے مانعین و مزاحمین کو قطعاً روک دے۔ اور اس حکم کو تمام ہندوستان میں سرکلیٹ کر دے۔

اگران امور کی تنقیح کا جواب اس کے مخالف حاصل ہو تو گروہ اہل حدیث کو حنفیوں کی مسجدوں میں ان امور کے ادا کرنے سے قطعاممانعت کرے اور اس حکم کو تمام ہندوستان میں مشتہر کردے۔

اس صورت میں اس حکم کی تعمیل کے ہم خود ذمہ دار ہیں...... ان دونوں صورتوں میں آئندہ جانبین کے جھگڑے موقوف ہوں گے اور مقدمات فیصل پائیں گے۔

چوں کہ ہم بھی بشمول دیگر علمائے ہندوستان کے اس باب میں رائے دینے کا استحقاق رکھتے ہیں لہذا ہم ان امور وسوالات کی نسبت اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک ان سوالات کا وہی جواب ہے جو ہم پہلی شق میں بیان کر چکے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ اکثر علمائے ہندوستان و پنجاب بھی جواب دیں گے۔ اس مقام میں ہم اس جواب اور اپنی رائے کی شرعی اور عقلی دلائل سے تائید کرتے ہیں۔ گورنمنٹ و دیگر اہل الرائے اس کو پیش نظر رکھیں۔

جواب تنقیح امر اول کی تائید: اس تنقیح کے متعلق پہلے سوال کا حل:

آمین بالجہر (وغیرہ امور مذکورہ) کا ذکر وثبوت عامہ کتب معتبرہ اسلام (فقہ وحدیث) میں اس زور شور سے پایا جاتا ہے کہ اس میں نہ کسی محدث یا مجتہد کو جرح وکلام ہے نہ کسی مقلد کو جائے کلام۔ اور طرفہ یہ کہ جو لوگ (حنفیہ) ان امور کے قائل نہیں۔ وہ خود اپنی کتابوں میں ان امور کا ذکر کرتے ہیں۔ اور کتب حدیث میں ان امور کی متضمن حدیثوں کے پائے جانے کے معترف ہیں (گوان احادیث کی مخالفت کی عقلی یا فقہی وجوہات بھی پیش کرتے ہیں)

اس اجمال کی محدثانہ تفصیل ہمارے مضمون ریویو رسالہ قول المتین میں ہے۔

اس مقام میں چوں کہ گورنمنٹ کے سامنے اپنی رائے کا اظہار مد نظر ہے لہذا اس جگہ ایسی نقل وحوالہ پر اکتفا کیا جاتا ہے جس کو گورنمنٹ خود تصدیق کر سکے اور اس باب میں علماء وقت سے استفسار کی محتاج نہ رہے۔ اور یہی امر تائیدات وتنقیحات آئندہ میں بھی مرعی ہوگا۔

حدیث کی مشہور ومعتبر کتاب مشکوۃ کے ترجمہ انگریزی میں [1] مرقوم ہے:

---

[1] جس کو کپتان اے این میتھیوز صاحب بہادر بنگال توپ خانہ نے تالیف کیا۔ اور وہ مطبع ہندوستانی کلکتہ میں طبع ہوا

Wail Bin Hujur said I heard the Prophet repeat these words' not of those earned your anger nor of who go astry ' and then say amin, prolonging the sound of the last word.

وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو نماز میں سورۃ فاتحہ کے اخیر پر یہ الفاظ کہتے ہوئے سنا۔ نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو غضب ناک ہوا اور نہ ان کا جو گمراہ ہوئے۔اوراس وقت آپ نے باآواز دراز (بلند) کہا آمین۔

اسی کتاب میں اس سے پہلے مرقوم ہے۔انگریزی عبارت کا ترجمہ یوں ہے۔

جب امام آمین کہے تو تم بھی کہو، کیونکہ فرشتے بھی کہتے ہیں اور جو شخص ان کے ساتھ آمین کہےاس کے اگلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

تنقیح اول کے متعلق سوال دوم کا حل

......اہل سنت کے اکثر مذاہب شافعی، حنبلی اور مالکی اس آمین بالجہر کے قائل ہیں۔ سنیوں کے چاروں مذاہب میں سے صرف ایک مذہب حنفی اس کا قائل نہیں ہے...... یہ امر بھی اکثر کتب اسلامیہ خصوصاً کتب حنفیہ سے ایسا ثابت ہے جیسا کہ جواب سوال اول۔

یہاں گورنمنٹ کے سامنے ایسی شہادت پیش کی جاتی ہے جس کو وہ بلا مراجعت و استفسار قبول کرسکتی ہے۔جسٹس سید محمود جج ہائیکورٹ الہ آباد نے مارچ ۱۸۸۵ء کو یہ فیصلہ لکھا:

It is indisputable matter of the Mohammedan Eceslesiastical Law that the word amin should be pronounced in prayers after the sura-i-fateha, or the first chapter of the Kuran, and the only difference of opinion among the four Imams is, whether it should be pronounced aloud or in a low voice. The Hdaya,which is the most celebrated text-book of the Hanafi school of law, lays down the rule in the followingterms:- " When the imam (leader in prayer) has said, nor of those who go astry,' he should say amin, and so should those who are following him in the prayer, because the Porphet has said that when the Imam say amin you must say amin too. And it must be said in a low voice because such is the tradittion stated by Ibn -i-Masud, and also because the word is in prayer, and therefore be pronounced in a low voice." That

this doctrine is the result of weighing the authority of the conflicting traditions is apparent from the commentary on the above passage of the Hedaya by Ibn-i-Humam, a celebrated author of the Hanafi School. These traditions are collected in the celebrated collections of taditions (Sihah) of Bukhari and Muslim,both equally acknowledged as accurate by all traditionists by all the schools of Sunni Mohammedans. From the same traditions followers of Imam Shafai evolved the doctrine that amin should be pronounced aloud, and the views of that school are best stated by Nawawi, a commentator of Sahih Muslim. The followers of the other tow Imams, namely Malik and Hanbal, also maintain that the word amin should be pronounced aloud. But it is not necessary to cite authorities for this proposition, because their followers do not exist in British India. From what I have already said, it is clear that the doctrine o f all four Imams are regarded by Sunni Mohammedans as orthodox, and that the difference of opinion which exist between them are pure matters of detail. Indeed, in the greatest mosque in the world, namely, the Ka'ba itself, the followers of all the four Imams are at full liberty to pray according to their own tenets. The Shafais, as is apparent from the texts which I have already quoted , pronounce the word Amin aloud in prayers, and to this no objection is or can be made on the ground that the practice is heterodox from sunni point of view. Indeed, the prosecutor in this very case, in his petition of the 20th September, 1884, after stating the orthodox Mohammedans are the followers of the four Imams, goes on to say that " if the defendantd had been the followers of any of the four Imams, the complainant, who is a Hanafi, and other Mohammedans, would not have shrunk from associating with them.", and the ground of the complaint is stated in the petition to be that the defendants " are not followers of any of the four Imams," that " they intend to set up a new form of worship for themselves," that " they are therefore no longer Mohammedans," and by saying the word amin aloud they "have been guilty of the offence of insulting the reliogin of Hanafia Musalmans." Now unless these allegations are substantiated, I am of opinin that there can be

no case against the accused under S. 296 of the Indian Penal Code

اس فیصلہ میں بتایا گیا ہے کہ مسٹر ہملٹن کی کتاب ترجمہ ہدایہ سے چاروں امام کا متدین مسلمان اور اہل سنت یا اہل حدیث ہونا اور اصول عقائد میں باہم متفق ہونا نقل کر کے کہا ہے کہ شرع اسلام میں یہ مسئلہ مسلّم ہے کہ لفظ آمین سورۃ فاتحہ کے اخیر میں پڑھنا چاہیے۔ ان چاروں اماموں میں اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ یہ لفظ آمین آہستہ کہنا چاہیے یا باآواز بلند۔ ہدایہ میں جو حنفی مذہب کی سب سے زیادہ مشہور کتاب ہے کہا ہے کہ امام سورۃ فاتحہ پڑھ چکے تو جو لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہوں وہ آمین کہیں کیونکہ پیغمبر نے فرمایا کہ امام آمین کہے تو تم بھی کہو اور کہا ہے کہ آمین آہستہ آواز سے کہنا چاہیے کیونکہ ابن مسعود نے ایسا ہی نقل کیا ہے۔

ابن الہمام کے اس قول سے جو اس فقرہ ہدایہ کی شرح میں اس نے کہا ہے ظاہر ہوا ہے کہ یہ مسئلہ کہ آمین آہستہ کہی جاوے ان مختلف و باہم متضاد احادیث کا (جو صحیح بخاری و صحیح مسلم ہیں، جن کو اہل سنت کے سب فرقے مانتے ہیں جمع کی گئی ہے) موازنہ کرنے اور ان کو باہم متفق کرنے کا نتیجہ یہ ہے۔ انہی حدیثوں سے امام شافعی کے پیرؤوں نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ آمین بلند کہنی چاہیے۔ اس بات کو امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں نہائت عمدگی سے بیان کیا ہے۔ مالکی اور حنبلی مذاہب کے پیرؤوں کے نزدیک بھی آمین باآواز بلند کہنا چاہیے۔ یہ فرق چوں کہ ہندوستان میں نہیں ہیں لہذا ان کی سند کا بیان ضروری نہیں ہے۔

جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک ان اماموں کے مسائل درست ہیں اور صرف فروعات میں ان کا اختلاف ہے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی مسجد (کعبہ) میں چاروں اماموں کے پیروان کو کامل آزادی ہے کہ اپنے اپنے طریق کے موافق نماز پڑھیں۔ شافعی نماز میں فقط آمین باآواز بلند کہتے ہیں ان پر اس وجہ سے اعتراض نہیں ہوتا کہ یہ کام پکے سنیوں کے عمل میں ہے۔ مدعی نے اپنی عرضی مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۸۸۴ء میں یہ بات بیان کر کے کہ پکے دین دار مسلمان چار اماموں کے پیرو ہیں۔ لکھا ہے کہ اگر مدعا علیہ چار اماموں میں سے کسی کے پیرو ہوتے تو مدعی جو حنفی ہے ان سے ملنے سے قاصر نہ رہتا اور اس عرضی دعوی میں یہ وجہ شکایت بیان کی گئی ہے کہ مدعا علیہ کسی فرقہ کے پیرو نہیں اور وہ نیا طریق نماز پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس وجہ سے وہ اب مسلمان نہیں ہیں۔ اور

لفظ آمین کو بآواز بلند کہنے سے وہ حنفی مسلمانوں کی مذہبی توہین کے مرتکب و مجرم ہوئے۔ میری (سید محمود) رائے میں تاوقتیکہ یہ باتیں پایہ ثبوت کو نہ پہنچیں کوئی مقدمہ زیر دفعہ ۲۹۶ تعزیرات ہند قائم نہیں ہوسکتا۔

❀ اس فیصلہ میں جو جسٹس محمود نے بیان کیا ہے اور ایسا ہی ہم نے دعوی کیا ہے کہ حنبلی و مالکی مذہب میں بھی آمین بآواز بلند کہنا چاہیے، یہ مسئلہ بہت سی کتب معتبرہ میں منقول ہے، ازانجملہ ایک میزان کبری شعرانی کی عبارت اس مقام میں پیش کی جاتی ہے:

ومن ذالك قول الامام ابی حنيفة انه لا يجهر التامين سواء الامام والماموم مع قول احمد والشافعی فی ارجح القولين انّه لايجهر الامام والماموم ومع قول مالك يجهر به الماموم وفی الامام روايتان من غيرترجيح ۔ ❶

اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔ منجملہ ان مسائل فرعیہ نماز کے جن میں چاروں امام کا باہم اختلاف ہے ایک مسئلہ آمین بالجہر ہے۔ اس میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول ہے کہ آمین بآواز بلند نہ امام کہے نہ مقتدی۔ اور امام احمدؒ و امام شافعیؒ کا (دوقولوں میں راجح) قول یہ ہے کہ امام و مقتدی دونوں بآواز بلند آمین کہیں اور امام مالک کا مقتدی کے حق میں تو یہی قول ہے کہ وہ آمین بآواز بلند کہے۔ امام کے حق میں ان سے دوقول مروی ہیں (بآواز بلند کہنا اور بآواز آہستہ کہنا) جن میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔

جواب تنقیح دوم وسوم کی تائید

جو کام کسی کا مذہبی فرض ہو اور وہ اس کو ٹھیک اپنے موقع پر اور اپنے دین و مذہب کی ہدایت کے مطابق عمل میں لاتا ہو، اس کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ اس کو دوسروں کا دل دکھانے کیلئے عمل میں لاتا ہے، کوئی وجہ نہیں رکھتا، اور نہ بلحاظ دل آزردگی اسکے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ ہے۔ بلا وجہ اس کو دوسرے کی دل آزاری ٹھہرا کرنا جائز قرار دیا جاوے گا تو دنیا میں کوئی مذہبی کام مذہبی نہ کہلائے گا ہر ایک مذہبی فرض بلحاظ دل آزاری غیر جرم متصور ہوگا۔

---

❶ میزان۔ ص ۱۲۹

عیسائیوں کا صلیب کو اور ہندوؤں کا بتوں کو پوجنا، مسلمانوں کا اذان کہنا اور ہندوؤں کا سنکھ بجانا وغیرہ۔ کوئی کام مذہبی فرض نہ رہے گا۔ ہر ایک کام دل آزاری اقوام غیر قرار پا کرنا جائز متصور ہو گا۔ اور دنیا میں کسی کو مذہبی آزادی کا حق نہ رہے گا۔ ہر ایک کو اپنے مخالف پر توہین مذہب و دل آزاری کی نالش کرنے کا ہر وقت استحقاق پیدا ہو گا۔ اور عدالت کا دروازہ ان ہی مقدمات کے لئے کھلا رہے گا۔

ہمارے اس بیان کی تائید بھی اس فیصلہ الہ آباد ہائی کورٹ میں موجود ہے۔ اس میں جسٹس سید محمود نے مخالف کی اس بات کو کہ

> ایک آدمی جائز کام کرنے سے بھی ملزم ہوسکتا ہے، اگر اس کو یہ معلوم ہو کہ وہ کام اور لوگوں کو ناجائز کام کرنے پر باعث ہو گا۔

نقل کر کے کہا ہے:

Such a principle would place the minority at the mercey of the majority, and would, in a case like this, deprive them of the right of worship which the law distinctly confers upon them. Indeed, if such view were adopted, it would open the door for the wrongful prosecutions of innocent persons, who in the exercise of their lawful rights of worship, resort to mosques for devotion.

> اس اصول سے تھوڑے لوگ اپنے مذہبی کام کرنے میں بہت لوگوں کے اختیار میں ہو جائیں گے۔ اور وہ اس حق عبادت سے جو قانون نے ان کو دیا ہے محروم رہیں گے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ اگر یہ رائے تسلیم کی جائے تو یہ ان لوگوں پر، جو اپنی شرعی استحقاق سے عبادت کے لئے مسجد میں جاتے ہیں، نالش کا دروازہ کھل جائے گا۔

جواب تنقیح چہارم کی تائید

یہ مسئلہ بھی کتب فقہ و حدیث میں بالاتفاق بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی مساجد وغیرہ اوقاف عام مسلمانوں کیلئے وقف ہیں۔ کسی شخص یا فرقہ سے (بانی کیوں نہ ہو) ان کو خصوصیت

نہیں ہے۔ یہ امر بھی اس فیصلہ ہائیکورٹ میں بہ دستاویز کتاب ہدایہ (جو حنفی مذہب کی مشہور و معتبر کتاب ہے) بخوبی ثابت کیا گیا ہے۔ لہذا اس مقام میں اس کی نقل پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس میں لکھا ہے:

Now, it is fundamental principal of the Mohammedan Law of Wakf, too well known to require the citation of authorities, that when a mosque is built and conscrated by public worship, it ceases to be property of the builder and vests in God (to use the language of the Hidaya) " in such a manner as subjects to it the rules of Divine property, whence the appropriator's right in it is extinguished, and it becomes a property of God by the advantage of it resulting to his creatures. A mosque once so consecrated cannot in any case revert to the founder, and every Mohammedan has the legal right to enter it, and perform devotions according to his own tenets so long as the form of worship is in accord with the recognized rules of Mohammedan Ecclesiastical Law.

یہ قانون اسلام کا اصل اصول ہے اور ایسا مشہور ہے کہ اس پر شہادت (یا سند) ضرورت نہیں کہ جب ایک مسجد تیار ہو اور عام لوگوں کی عبادت سے مقدس ہو جائے تو پھر وہ بانی کی جائداد نہیں رہتی بلکہ ملک خدا ہو جاتی ہے۔ صاحب ہدایہ نے کہا ہے وہ اس طور پر ملک خدا.. ہو جاتی ہے کہ مالک کا حق خاص معدوم ہو جاتا ہے۔ وہ ملک خدا اسلئے کہلاتی ہے کہ خدا کے بندوں کو اس سے (عبادت کرنے کا) فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ پس جو مسجد اس طرح مقدس ہو جائے وہ پھر کسی صورت سے بانی کی ملک نہیں ہو سکتی۔ ہر مسلمان اس میں جائز طور پر داخل ہونے اور اپنے طریق پر شعار مذہبی ادا کرنیکا مجاز ہے۔ بشرطیکہ وہ طریق اصول اسلام کے مخالف نہ ہو۔

مسلمان تو مسلمان ہیں خواہ کسی فرقہ اسلامی سے ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے غیر مذہب کو بھی اپنی مسجد میں خدا کی عبادت سے نہیں روکا۔ ایک دفعہ خاص آپ کی مسجد میں نجران کے عیسائی آئے اور انہوں نے اپنے طریق سے نماز پڑھی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو نہ روکا۔ بلکہ جن مسلمانوں نے روکنا چاہا ان کو روکنے سے منع کر دیا۔

القول المتین پر ریویو

جناب محمد علی وکیل عدالت مرزا پور نے آمین بالجہر کے مسئلہ پر القول المتین فی اخفاء آمین کے نام سے ایک رسالہ تحریر کیا اس میں آمین بالجہر کی مخالفت کی اور احادیث آمین بالجہر پر نکتہ چینی فرمائی۔ شیخ محمد حسین بٹالویؒ نے اس رسالہ پر ریویو کرتے ہوئے لکھا کہ اس نکتہ چینی میں بعض راویوں اور بعض اسانید حدیث آمین بالجہر کے طعن و جرح میں تو بے شک جناب محمد علی صاحب مصیب ہیں مگر اس عام اور کلی دعوی میں کہ

سبھی احادیث آمین بالجہر ضعیف ہیں۔

یعنی یہ متن ہی ضعیف ہے اس کی کوئی سند یا طریق صحیح یا حسن نہیں ہے۔

وہ غلطی پر ہیں کیونکہ بعض احادیث آمین بالجہر کو آئمہ محدثین (جو فن تحقیق وتنقید و جرح و تعدیل میں امام تسلیم کئے گئے ہیں) صحیح و حسن کہہ چکے ہیں۔ ان احادیث کی نسبت وکیل صاحب یا کسی اور مقلد کو یہ ہرگز اختیار و منصب نہیں ہے کہ صرف بعض راویوں کی نظر سے ان کو ضعیف قرار دیں۔ بلکہ اس امر کا ان کو کسی حدیث کی نسبت (جس کو آئمہ محدثین صحیح یا حسن کہہ چکے ہوں) اختیار نہیں ہے۔ یہ منصب انہی آئمہ حدیث سے مخصوص ہے جو حدیث کو صحیح یا حسن کہنے والوں کے ہم سر ہوں۔ اور فن جرح وتعدیل میں مسلّم العصر۔

جناب بٹالویؒ کہتے ہیں کہ اس مقام میں ہم نے دو دعوی کئے ہیں:

- اول یہ کہ بعض احادیث آمین بالجہر کی آئمہ محدثین تصحیح و تحسین کر چکے ہیں۔
- دوسرا یہ کہ جس حدیث کو محدثین صحیح یا حسن کہہ دیں اس پر بعض رواۃ کی نظر سے مقلدین کو طعن وجرح کرنا جائز و مقبول نہیں۔

ان دونوں دعاوی کو ہم ایسے دلائل و شواہد سے ثابت کرتے ہیں جن میں وکیل صاحب اور ان کے علماء مذہب کو سر مو مقال کی مجال نہ ہو۔

دعوی اول کا ثبوت

قال ابوعیسی سمعت محمداً یقول حدیث سفیان اصح من حدیث شعبة فی هذا و اخطأ شعبة فی مواضع من هذا الحدیث فقال عن حجر ابی العنس وما هو حجر بن العنبس ویکنی

ابا السکن وزاد فیه عن علقمة بن وائل و لیس فیه عن علقمة وانّما هو هجر بن عنبس عن وائل بن حجر وقال خفض بها صوته وانما ...... مدبها صوته ۔ قال ابو عیسی وسألت ابو زرعة عن هذا الحدیث فقال حدیث سفیان فی هذا اصح قال روی العلاء بن صالح الاسدی عن سلمة بن کهیل نحو روایة سفیان ۔ قال ابوعیسی حدثنا ابوبکر بن ابان نا عبد الله ...... عن العلاء بن صالح الاسدی عن سلمة بن کهیل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر عن النبی ﷺ نحو حدیث سفیان عن سلمة بن کهیل ۔ ❶

الحدیث اخرجه ایضاً الدارقطنی وابن حبان وزاد ابوداؤد ورفع بها صوته قال الحافظ وسنده صحیح وصححه الدارقطنی واعله ابن القطان بحجر بن عنس وقال انّه لایعرف وخطاه الحافظ وقال انّه ثقة معروف قیل له صحبة ووثقه یحی بن معین وغیره وروی الحدیث ابن ماجة واحمد والدارقطنی من طریق اخری بلفظ وخفض بها صوته و قداعلت باضطراب شعبة فی اسنادها ومتنها ورواها سفیان ولم یضطرب فی الاسناد ولا المتن قال ابن القطان اختلف شعبة وسفیان فقال شعبة خفض وقال الثوری رفع وقال شعبة حجر ابو عنبس وقال الثوری حجر بن عنبس وصوب البخاری ابوزرعة قول الثوری وقد جزم ابن حبان فی الثقات ان کنیته کاس صحابیه فیکون ماقالاه صوابا وقال البخاری ان کنیته ابو السکن ولا مانع من ان یکون له کنیتان وقد ورد الحدیث من طریق ینتفی بها اعلاله بالاضطراب من شعبة وسفیان وقد رحجت روایة سفیان بمتابعة اثنین له بخلاف شعبة فلذالك جزم النقاد بان روایته اصح کما روی ذلك عن البخاری وابی زرعة وقد حسن الحدیث الترمذی قال ابن سید الناس ینبغی ان یکون صحیحاً نیل الاوطار شوکانی ...... وفیه علة اخری ذکرها الترمذی فی علله الکبیر انّه سال البخاری هل سمع علقمة عن ابیه فقال انه ولد بعد موت ابیه بستة اشهر ۔ انتهی ۔

غیر ان هذا انقطا ع ان تم وقد رحج الدارقطنی وغیره روایة سفیان بانه احفظه و قد روی البیهقی عن شعبة فی هذا الحدیث رافعاً صوته ولما اختلف فی هذا الحدیث عدل المصنف

---

❶ سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی التامین، رقم الحدیث: ۲۴۸، ۲۴۹

الی ما عن ابن مسعود فانه یوید ان المعلوم منه علیه السلام لاخفاء لاکن تقدم ان الذی فیه ذکر آمین عن النخعی۔ ❶

حدیث آمین بالجہر کو (جس کو امام سفیان نے وائل بن حجر سے نقل کیا) امام ترمذیؒ نے حسن کہا ہے اور دار قطنیؒ نے صحیح۔ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔ ابن سید الناسؒ شارح ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اسی لائق ہے کہ اس کو صحیح کہا جائے۔ اور جو یحی بن سعید قطانؒ نے اس میں یہ علت (چھپی برائی) نکالی ہے کہ اس کا ایک راوی حجر بن ابی العنبس غیر معروف شخص ہے۔ اس کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے غلط قرار دیا۔ اور یہ کہا ہے کہ حجر بن عنبس مشہور و معروف ثقہ ہے۔ امام یحی بن معینؒ (ہم سر یحی بن سعید قطان) نے اس کو ثقہ بتایا ہے اور بعض آئمہ نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کا صحابی تھا۔

جو اس حدیث سفیان کے مقابلہ میں شعبہ کی روایت اسی وائلؓ بن حجر سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز میں آہستہ آمین کہی ہے اس کو آئمہ محدثین (ابوزرعہ رازیؒ، امام بخاریؒ وغیرہ) نے خطا قرار دیا ہے۔ بعض آئمہ نے یہ بھی کہا ہے کہ شعبہ نے اس روایت کے متن (الفاظ حدیث) و سند (سلسلہ رواۃ) دونوں میں اضطراب و اختلاف کیا ہے۔ متن میں یہ اختلاف کہ کبھی آہستہ آمین کہنا روایت کیا ہے۔ کبھی آمین بالجہر۔ ایسا ہی اختلاف سند ہے۔ لہذا اس کی روائت لائق اعتماد نہیں۔

بعض محدثین نے سفیان و شعبہ دونوں کی روایات کو صحیح مان کر سفیان کو روایت شعبہ پر اس نظر سے ترجیح دی ہے کہ اس کی روایت آمین بالجہر کے دو شخص اور بھی مؤید و مصدق ہیں اور شعبہ کی روائت اخفاء کا کوئی مؤید نہیں ہے۔

یہ امام ابوعیسی ترمذی و امام شوکانی کے کلام کا خلاصہ ہے اور شیخ ابن الھمام حنفی نے فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں امام ترمذی کا کلام مذکور نقل کر کے اس پر اور طرہ چڑھایا۔ اور یہ فرمایا کہ ہے حدیث شعبہ میں (جس میں آمین آہستہ کہنے کا ذکر ہے) ایک علت اور ہے جس کو ترمذی نے علل کبیر میں ذکر کیا ہے۔

---

❶ فتح القدیر ج ا ص ۱۲۱

وہ یہ ہے کہ آپ نے امام بخاریؒ سے پوچھا کیا علقمہ نے اپنے باپ سے کچھ سنا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ وہ تو اپنے باپ سے چھ مہینہ بعد پیدا ہوا ہے۔ (کلام امام ترمذی ہو چکا)۔ اگر یہ کلام درست ہو تو اس سے صرف انقطاع حدیث ثابت ہوتا ہے (یعنی جو حنفی مذہب میں چنداں عیب نہیں)، اور دارقطنی وغیرہ نے روایت سفیان کو (جس میں آمین بالجہر کا ذکر ہے) ترجیح دی ہے۔ اس لئے کہ سفیان شعبہ سے یادداشت میں بڑھ کر ہے۔ اور یہ روایت جہر آمین خود شعبہ سے بھی مروی ہے۔ چنانچہ دارقطنی نے ان سے نقل کیا ہے۔ اور چوں کہ اس حدیث شعبہ میں اختلاف تھا (جو بیان ہوا کہ سفیان اس کا مخالف ہے بلکہ شعبہ خود اپنی روایت میں مختلف البیان ہے) لہذا مئولف ہدایہ نے حدیث شعبہ سے عدول کر کے حدیث ابن مسعودؓ کی طرف رجوع کیا اور مسئلہ اخفاء آمین پر اس کو دلیل ٹھہرایا۔ لیکن اس حدیث ابن مسعودؓ میں یہ بحث ہو چکی ہے کہ وہ ابن مسعودؓ سے ثابت نہیں وہ صرف ابراہیم کا قول ہے۔

اس بیان سے ہمارا پہلا دعوی ثابت ہوا۔ اور حدیث آمین بالجہر کو امام دارقطنی وغیرہ کا صحیح کہنا اور امام ترمذی کا حسن کہنا پایہ ثبوت کو پہنچا۔ وللہ الحمد

دوسرے دعوی کا ثبوت

ہمارا دوسرا دعوی:

جس حدیث کو آئمہ محدثین مسلم الاجتہاد صحیح یا حسن کہہ چکے ہوں اس پر مقلدین محض کا (جو جرح وتعدیل وتنقید واجتہاد کے اہل نہ ہوں) جرح وطعن جائز ومقبول نہیں۔

ایسا دعوی ہے کہ اس پر فقہاء ومحدثین متقدمین ومتاخرین سب کا اتفاق ہے۔ وہ سب کے سب تنقید (تصحیح وتنقید کے اہل نہ ہوں) اس منصب شریف کے لائق نہیں جانتے۔ محدثین وفقہاء میں کچھ اختلاف ہے تو اس منصب کے لائق اعیان واشخاص کی تعیین میں اختلاف ہے۔ محدثین اس منصب شریف کو آئمہ محدثین کا منصب سمجھتے ہیں۔ فقہاء اپنے مجتہدین کو بھی اس منصب میں آئمہ محدثین کا ہم سر بلکہ ان سے لائق تر خیال کرتے ہیں۔

متقدمین ومتاخرین کا اس باب میں اختلاف ہے تو یہ ہے۔

امام ابن الصلاح وغیرہ متقدمین اس منصب کو محدثین سلف پر ختم کرتے ہیں۔ امام نووی

وغیرہ متاخرین پچھلے زمانہ کے اہل تنقید واجتہاد کے لئے بھی اس منصب کو تجویز کرتے ہیں۔
بہرحال وبنا بر یہ ایک اختلاف ومقال مقلد محض ونا اہل بحث کو کوئی شخص فقہاء سے ہو خواہ محدثین سے، متقدمین سے ہو خواہ متاخرین سے، اس منصب کے لائق نہیں سمجھتا۔ اس مقام میں ان اختلافات کے متضمن اقوال علماء ومحدثین کو نقل کیا جاتا ہے۔ اس سے ناظرین کو بخوبی روشن ومتیقن ہوگا کہ مقلد محض ونا اہل بحث کو کسی نے تنقید وتحقیق وتصحیح وتضعیف حدیث کا اہل تسلیم نہیں کیا۔ خصوصاً اس حدیث کی تضعیف کا جس کو آئمہ محدثین صحیح کہہ چکے ہوں۔ یا اس حدیث کی تصحیح کا جس کو انہوں نے ضعیف قرار دیا ہو۔

ابن الصلاحؒ نے کتاب علوم الحدیث کے نوع اول میں بضمن فائدہ دوم کہا ہے:

روایۃ اذا وجدنا فیما یروی من اجزاء الحدیث وغیرھا حدیثاً صحیح الاسناد و لم نجدہ فی احد الصحیحین و لا منصوصاً علی صحتہ فی شیء من مصنفات آئمۃ الحدیث المعتمدۃ المشھورۃ ...... لانتجاسر علی جزم الحکم بصحتہ قد تعذر فی ھذہ الآثار الاستقلال دراك الصحیح بمجرد اعتبار الاسانید لانہ ما من اسناد من ذالك الا وتجد فی رجالہ من اعتمد فی روایۃ علی مافی کتابہ عریاً عما یشترط فی الصحیح من الحفظ والضبط والاتقان قال الامر اذاً فی معرفۃ الصحیح والحسن الی الاعتماد علی مانص علیہ آئمۃ الحدیث فی تصانیفھم المعتمدۃ التی یؤمن فیھا الشھرتھا من التغییر والتحریف وصار معظم المقصود بما یتداول من الاسانید خارجاً عن ذالك ابقاء سلسلۃ الاسناد التی خصت بھا ھذہ الامۃ زادھا اللہ شرفاً۔ ❶

ہم کسی حدیث کو صرف اس کی سند دیکھ کر صحیح کہنے کی جرئت نہیں کرسکتے۔ اگر اس کو صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں نہ پائیں یا اور کتب آئمہ حدیث میں اس کی صحت پر کسی امام کی تصریح نہ دیکھ لیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں (اپنے زمانہ ساتویں صدی کی نسبت آپ یہ فرماتے ہیں۔ تو اس زمانہ چودھویں صدی کا کیا حال) صرف اسناد کو دیکھ کر خود بخود حدیث کو صحیح جان لینا مشکل ہوگیا ہے کیونکہ اس قسم کی

---

❶ مقدمہ ابن الصلاح

ہر ایک سند میں کوئی نہ کوئی راوی ایسا ضرور ہوگا جو اس حفظ وضبط سے معری ہو جو صحیح حدیث میں مشروط ہے۔ لہذا صحیح وحسن حدیث کی پہچان کا رجوع انہی اقوال آئمہ حدیث کی طرف ہوا جو اپنی مشہور ومعتبر تصانیف میں انہوں نے بتصریح بیان کئے ہیں۔ اور اس وقت اسناد سے مقصود صرف اس سلسلہ سند کا (جو امت محمد یہ کا خاصہ ہے) باقی رکھنا ہوا۔ جو اس غرض سے تصحیح وتضعیف احادیث سے خارج امر ہے)

امام نوویؒ نے اپنی کتاب تقریب میں کہا ہے:

الاظهر عندی جوازه لمن تمکن وقویت معرفته۔ ❶

میرے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ تصحیح وغیرہ اب بھی جائز وممکن ہے اس شخص کے لئے جس کو قدرت اور قوی کی پہچان ہو۔

اس کی شرح تدریب راوی میں امام سیوطیؒ نے امام عراقیؒ سے نقل کیا ہے:

قال العراقی هو الذی علیه عمل اهل الحدیث فقد صحح جماعة من المتاخرین احادیث لمنجد عمن تقدمهم فیها تصحیحا الی ان ذکر اسمائهم والاحادیث التی صححوها۔ ثم قال ولم یزل ذالك داب من بلغ اهلیة ذالك الی ان قال الحاصل ان ابن الصلاح سد باب التصحیح والتضعیف علی هذه الازمان لضعف اهلیتهم ۔ وان لم یوافق علی الاول۔ ❷

آئمہ حدیث کا جو ابن الصلاح کے ہم عصر اور ان کے پیچھے ہوئے ہیں اسی پر عمل چل رہا ہے پھر ان آئمہ کا نام لیا جنہوں نے از خود کئی حدیثوں کو صحیح کیا ہے۔ پھر کہا کہ یہی طریق ان لوگوں کا رہا ہے جو اس امر کی اہلیت ولیاقت کو پہونچ چکے تھے اس کے بعد کہا ہے کہ حاصل مطلب یہ کہ ابن الصلاح نے تصحیح وتحسین و تضعیف کا دروازہ اس زمانہ کے لوگوں پر بند کر دیا ہے۔ اس نظر سے کہ ان کی لیاقت میں ضعف ہے اگرچہ ان سے پچھلے علماء نے ان کی اس بات سے اتفاق نہیں کیا۔

---

❶ تقریب نووی

❷ تدریب راوی شرح تقریب نووی

ابن جماعہؒ نے اپنے مختصر میں امام ابن الصلاح کا قول نقل کر کے فرمایا ہے:

فان بلغ واحد فی هذا الاعصار اهلية ذالك والتمكن من المعرفة احتمل استقلاله ـ ❶

(اگر کوئی ان زمانوں میں اس لیاقت کو پہنچے اور حدیث کی پہچان پر قادر ہو تو وہ بذات خود یہ کام کر سکتا ہے)۔

شیخ زکریا انصاریؒ نے فتح الباقی شرح الفیہ عراقی میں کہا ہے:

من اراد الاحتجاج بحديث من السنن او من المسانيد ان كان متاهلاً لمعرفة ما يحتج به من غيره فلا يحتج به حتى ينظر فی اتصال اسناده واحوال رواته والا فان وجداحداً من الآئمة صححه او حسنه فله تقليده والافلايحتج به ـ ❷

(جو شخص کسی حدیث سے (منجملہ احادیث کتب سنن ومسانید) تمسک کرنا چاہے وہ اگر خود حدیث لائق تمسک و نالائق پہچاننے کی لیاقت رکھتا ہے تو اس کے اتصال سند و احوال رواۃ کو دیکھ لے۔ اس امر کا اہل نہ ہو۔ تو حدیث کے اماموں سے کسی امام کا قول اس حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی بابت پاوے تو اس باب میں اس کی تقلید کر لے اور وہ قول بھی نہ پاوے تو اس حدیث سے تمسک نہ کرے)۔

شیخ ابن تیمیہؒ نے کتاب منہاج السنۃ میں فرمایا ہے:

المنقولات فيها كثير من الصدق و كثير من الكذب والمرجع فی التمييز بين هذا و بين هذا الى اهل الحديث عما يرجع الى النحاة فی النحو ويرجع الى علماء اللغة فی ما هو من اللغة و كذالك علماء الشعر والطب وغير ذالك فلكل علم رجال يعرفون به والعلماء بالحديث اجل هولاء واعظم قدراً واعظم صدقاً واعلاهم منزلة واكثرهم ديناً ـ ❸

---

❶ مختصر ابن جماعہ
❷ فتح الباقی شرح الفیہ عراقی
❸ منہاج السنۃ

(روایتوں میں بہتیرا سچ ہوتا ہے، بہتیرا جھوٹ۔ اس میں تمیز کرنے کے لئے اہلحدیث کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ جیسا مسائل نحو میں علماء نحو کی طرف اور مسائل لغت وشعر وطب میں علماء لغت وشعر وطب کی طرف۔ وعلی ہذا القیاس۔ ہر ایک علم کیلئے خاص لوگ ہیں کہ وہ اس علم میں معروف ہیں ان سب میں بڑے جلیل القدر اور بڑے دیندار علماء اہل حدیث ہیں)۔

شیخ عبدالحق شرح سفر السعادۃ مطبوعہ لکھنو میں بصفحہ ۲۲ مجتہدین کے تنقید وتحقیق بیان کر کے فرماتے ہیں:

عوام مسلماناں بلکہ خواص ایشانرا دریں روزگار این قوت کجا است کہ این کار (تمیز صحیح وسقیم) از دست ایشاں آید ایشانرا متابعت مجتہدین کردن [1] ودرپئے ایشاں رفتن سبیلے نبود والعبدۃ علیھم۔ این کار متقدمین محدثین رامیسر بود۔

صاحب درمختار اس کتاب کے دیباچہ میں فرماتے ہیں:

وقد ذکروا ان المجتھد المطلق قد فقد اما المقید فعلی سبع مراتب مشھورۃ وانا نحن فعلینا اتباع مارجحوہ وصححوہ۔ [2]

مجتہد مطلق تو مفقود ہے۔ مقید مجتہدوں کے سات طبقہ ہیں جو مشہور ہیں۔ ولیکن ہم پر اسی بات کا اتباع لازم ہے جس کو انہوں نے صحیح یا راجح کہہ دیا۔ (یعنی ہم تصحیح و ترجیح کے لائق نہیں)۔

ان اقوال وعبارات سے ہمارا دعوی دوم بھی ثابت ہوا۔ اور یہ امر ثبوت کو پہنچا کہ تصحیح و تضعیف احادیث علی الخصوص بمقابلہ تصحیح وتضعیف آئمہ حدیث نااہلوں اور محض مقلدوں کا کام نہیں ہے۔

اب حدیث سفیان کی نسبت جرح ونکتہ چینی مولوی محمد علی وکیل کی نسبت یہ امر بحث وتنقیح

---

1. شیخ عبدالحق کے اس جز کلام سے ہم کو اتفاق نہیں ہے۔ ہمارا تمسک اس کلام میں فقرہ اول وآخر سے ہے۔ محمد حسین
2. درمختار طبع دھلی ص ۸

طلب رہا کہ وکیل صاحب نے (جو اس حدیث پر بمقابلہ امام بخاری و ترمذی و دارقطنی و ابوزرعہ رازی نکتہ چینی کی ہے) اس میں وہ خود مجتہد ہیں اور تنقید و اجتہاد کے وہ اہل اور آئمہ مذکورین کے وہ ہم سر یا ان سے قریب تر ہیں یا مقلد محض ہو کر صرف میزان ذہبی میں محض رواۃ کا جرح دیکھ کر نکتہ چینی سے لب کشائی اور خامہ فرسائی کئے ہیں۔

بشق دوم بحث ختم ہے، اور نکتہ چینی کی نسبت ہمارا ریویو صحیح ہے۔ اس صورت میں امید ہے کہ وکیل صاحب اپنی نکتہ چینی کو واپس لیں گے اور اس حدیث آمین بالجہر کا صحیح یا حسن ہونا بہ تقلید امام دارقطنی و امام ترمذی و بخاری وغیرہ کے بلا چون و چرا تسلیم کر لیں گے۔

وبشق اول ہم وکیل صاحب کی خدمت میں کتب حدیث سے جس کتاب کے جس باب یا فصل یا ورق سے وہ کہیں، دس حدیثیں نکال کر پیش کر کے ان احادیث کی تنقید (تصحیح یا تضعیف) کی درخواست کریں گے۔ وکیل صاحب نے اپنے اجتہاد سے ان احادیث کی تصحیح یا تضعیف کردی اور جن امور کی تنقیح تصحیح حدیث کے لئے بے کار ہے۔ ان امور کی تنقیح ان احادیث میں کر کے دکھادی تو ہم ان کو ہمسر بخاری و ابوزرعہ رازی تسلیم کر لیں گے اور ان کی نکتہ چینی کو دل سے مان کر اپنے اس ریویو کو واپس لے لیں گے۔

وکیل صاحب کو اجتہاد و انتقاد کا دعویٰ ہو تو اپنے اس دعویٰ سے ہم کو بذریعہ کسی اخبار یا مطبوعہ اشتہار کے اطلاع دیں اور جس کتاب کے جس باب یا ورق کی حدیثوں کی تنقید کے وہ مدعی ہوں اس سے بھی نشان دہی کریں۔ مگر قبل از ادعاء و اشتہار کتب اصول حدیث مقدمہ ابن الصلاح یا شرح نخبہ (وہ نہ ملیں تو مختصر رسالہ طیبی جو جامع ترمذی مطبوعہ احمدی کے پہلے ملحق ہے) ملاحظہ فرما کر شروط صحت و تصحیح کو دیکھ لیں اور اپنی نظر و علم کو ٹٹول کر یہ خیال فرمالیں کہ وہ ان شرطوں (خصوصاً راویوں کے باہمی لقاء و سماع اور نفی شذوذ و نفی علت و اتصال و انقطاع اسناد و مزید متصل اسانید وغیرہ مشکلات) کو ثابت کر سکیں گے۔

ہمارا تو یہ گمان ہے کہ وکیل صاحب تو کیا، ان کے ہم مذہب علماء ہندوستان و عرب، بلکہ ان کے مقابلہ میں گروہ اہل حدیث کے علماء میں بھی اس وقت کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو تصحیح و تنقید احادیث میں ملکہ اجتہاد رکھتا ہو۔ ہمارا یہ گمان وکیل صاحب نے غلط کر دیا اور دس نہ سہی دو ہی چار حدیثوں کو از خود صحیح کر کے دکھا دیا تو ہم کو نہ صرف اپنا الزام واپس لینا پڑے گا بلکہ مرزا

پور میں پہونچ کران کا تلمذ اور شرف صحبت اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

وکیل صاحب کی نکتہ چینی کے متعلق ہمارا ریو یو تمام ہوا جس سے نہ صرف ان کے اعتراض متعلق حدیث آمین بالجہر کا حال کھلا بلکہ فرقہ مقلدین کے جملہ اعتراضات کا (جو حدیث آمین بالجہر پر وہ کرتے ہیں، جیسے میاں شاہ محمد پنجابی ساکن دہلی کا یہ اعتراض کہ آمین بالجہر کا راوی سفیان مدلس ہے اور اس حدیث کو وہ معنعن روایت کرتا ہے اور مدلس کی معنعن حدیث مقبول نہیں۔ یا حدیث قرأت فاتحہ خلف الامام وہ وارد کرتے ہیں، جیسے ان کا یہ اعتراض کہ اس حدیث کا راوی محمد بن اسحاق شیعہ اور مدلس) حال اس سے کھل گیا۔ اور ہر ایک اعتراض پر جو مقلدین احادیث پر وارد کرتے ہیں ایک عام ریو یو بن گیا۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ کسی مقلد کا حدیث پر (جس کو آئمہ محدثین صحیح یا حسن کہہ چکے ہوں) کوئی اعتراض لائق التفات وسماع نہیں۔ اور مقلد کا یہ منصب ہی نہیں ہے کہ احادیث مصححہ یا محسنہ آئمہ حدیث پر وہ نکتہ چینی کر سکے۔ اس منصب کے لائق اشخاص اور ہی ہیں۔ جو حدیث کے امام کہلاتے ہیں

وللحرب رجال يعرفون بها

ولیکن اس ریو یو سے چند سوالات ایسے پیدا ہوتے ہیں جو مقلدین اور محدثین زمانہ حال کی تشویش کا موجب ہوں گے۔ لہذا ان سوالات کا ذکر کر کے ان کا جواب دینا ضروریات سے ہے۔

سوال اول:

بہت سے علماء محدثین (جو درجہ تنقید و اجتہاد کو نہیں پہنچے) اپنے مذہب کے مخالف احادیث پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ اور صرف بعض راویوں کے مجروح ہونے کی نظر سے بلا استناد اقوال اہل انتقاد اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں جس کی تمثیلات تالیفات و رسائل اہل حدیث میں بکثرت موجود ہیں۔ پھر ان کی نکتہ چینی کیوں مقبول سمجھی جاتی ہے۔ اور اس میں اور نکتہ چینی مقلدین میں کیا فرق ہے۔

جواب سوال اول:

محدثین (جو درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچے) کی نکتہ چینی اگر ان احادیث (جن کو آئمہ محدثین

مسلّم النقد والا جتہاد نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے) کی نسبت ہو اور وہ کسی امام مقبول سے منقول نہ ہوتو وہ بھی اسی بحث کا محل ہے جو نکتہ چینی مقلدین کی نسبت ہو چکی ۔ ایسی نکتہ چینی مقلدین میں سر مو بھی فرق نہیں ہے اور غالبًا علماء اہل حدیث (جن کو علم سے کچھ بھی تعلق ہے) اور ان کو نعۃً وعرفاً عالم کہا جا سکتا ہے اس قسم کی نکتہ چینی کسی حدیث پر نہیں کرتے ۔

آج کل عوام اہل حدیث جو محض ان پڑھ ہیں اور علوم دینی سے جاہل ہو کر اجتہاد کا دعوی کرتے ہیں اور بعض حدیثوں کے بعض رواۃ کا مجروح ہونا کسی مولوی سے سن کر یا کسی اردو کتاب میں دیکھ کر ان حدیثوں کو ضعیف کہہ دیتے ہیں اس قسم کی نکتہ چینی کرتے ہیں تو علماء اہل حدیث ان کے ذمہ دار نہیں ۔ وہ ان کو اور ان کی نکتہ چینی کو قیامت کبری کے آثار وعلامات سے خیال کرتے ہیں اور اس حدیث نبوی کا مصداق سمجھتے ہیں جس کو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے روایت کیا ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمر قال سمعت رسو ل اللّٰہ ﷺ یقول:((ان اللّٰہ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعه من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤساً جهالاً فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا)) ❶

آنحضرت ﷺ نے فرمایا خدا تعالی علم کو دنیا سے اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں کے سینوں سے اس کو نکال لے گا۔ اس کا اٹھانا یوں ہوگا کہ علماء کو اٹھا لیا جائے گا حتی کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار (مفتی وپیشوا) بنا لیں گے وہ ان کو بے علمی سے فتوی دیں گے خود گمراہ ہوں گے، اور ونکو گمراہ کریں گے۔

اگر ان کی نکتہ چینی ان احادیث کی نسبت ہے جن کو کسی محدث نے صحیح یا حسن نہیں کہا تو اس میں اور نکتہ چینی مقلدین میں صریح فرق ہے ۔ ومع ہذا وہ اس نکتہ چینی کو بے اعتبار و نا قابل عمل ہونے احادیث مخالف مذہب پر اصل و مستقل دلیل نہیں سمجھتے ۔ اصل و مستقل دلیل ان کی اس باب میں یہ ہوتی ہے کہ ان احادیث کو کسی امام نے صحیح یا حسن نہیں کہا اور جو اپنی طرف سے وہ ان احادیث پر نکتہ چینی کرتے ہیں اس کو اصل و مستقل دلیل کے شواہد و مؤیدات سے ٹھہراتے ہیں ۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم، رقم الحدیث: ۱۰۰

لہذا ان کی نکتہ چینی درجہ اعتبار سے ساقط نہیں ہے۔ بخلاف نکتہ چینی مقلدین کے کہ وہ احادیث صیحہ وحسنہ آئمہ حدیث پر ہوتی ہے۔ اور بے اعتباری ان احادیث پر اصل و مستقل دلیل سمجھی جاتی ہے۔ لہذا وہ درجہ اعتبار وقبول سے ساقط ہے۔

سوال دوم:

تمہارا یا ابن صلاح کا یہ کہنا کہ انتقاد احادیث کا دروازہ مدت سے بند ہے۔ بعینہ ویسا ہے جیسے مقلدین نے کہہ رکھا ہے کہ اجتہاد مطلق کا دروازہ آئمہ اربعہ پر بند ہو چکا ہے۔ اور اجتہاد فی الجملہ یا فی المذہب کا دروازہ علامہ نسفی پر مسدود ہے۔ پھر تم نے اپنی بعض تصانیف میں بڑے شد و مد کے ساتھ ان کے قول کو کیوں رد کیا؟ اس میں اور تمہارے قول میں کیا فرق ہے؟

جواب سوال دوم:

اس میں صریح فرق ہے۔ اجتہاد (مطلق ہو خواہ فی الجملہ خواہ فی المذہب) عقل سلیم وفہم مستقیم سے ہوسکتا ہے۔ جس کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا۔ اور نہ آئندہ قیامت تک بند ہوگا۔ بخلاف انتقاد حدیث کے کہ وہ نقل کے متعلق ہے۔ اور وسعت نظر اور کثرت معلومات نقلیہ پر موقوف ہے۔ اور ان میں منحصر جن میں مدت سے کمی چلی آتی ہے۔ اور دن بدن ہوتی جاتی ہے۔ اس وقت کم سے کم ایک شخص بھی محدثین یا مقلدین سے ایسا نظر نہیں آتا جس کی نظر ایسی وسیع اور معلومات نقلیہ اس کثرت سے ہوں کہ وہ ان کے ذریعہ سے از خود ایک دو حدیثوں کو حسن یا صحیح کہہ سکے۔ ومع ہذا ہم اس امکان کے منکر نہیں صرف فعلیت سے انکاری ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس وقت کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔ اور اس امر کو جائز وممکن الوقوع سمجھتے ہیں کہ اس وقت یا آئندہ زمانوں میں کوئی ایسا شخص پیدا ہو جو بخاری اور مسلم سے بھی سبقت لے جائے۔ اور ان فقہاء کی طرح مدعی اجتہاد وانتقاد کو دین سے خارج اور سنگسار کرنے کے قابل نہیں سمجھتے۔

سوال سوم:

جو شخص حدیث کی صحت وسقم کو نہ جانتا ہوگا، وہ اس سے استنباط اور اس میں اجتہاد کیا کرے گا؟ صرف اپنی عقل اور فہم سے وہ کیا کام لے سکے گا؟

جواب سوال سوم:

اجتہاد کے لئے علم صحت وسقم حدیث کا ضروری ہونا مسلم ہے ولیکن یہ علم دوسرے کے اتباع یا تقلید سے بھی ہوسکتا ہے۔اس میں استقلال......اجتہادی شرط نہیں ہے۔لہذا جائز ہے کہ ایک شخص حدیث کی صحت وسقم کا علم آئمہ حدیث سے حاصل کرے اور اس سے استنباط مسائل واجتہاد خود کرے۔

سوال چہارم:

جب اس مجتہد کو تنقید وتصحیح وتضعیف احادیث میں اور محدثین کا مقلد ہونا پڑا۔تو وہ استنباط مسائل میں بھی کیوں مقلد نہیں ہوسکتا۔اور اس کو آدہا تیتر اور آدھا بٹیر بننا اور اپنے آڑھائی چاول کی کھچڑی علیحدہ پکانا کیا ضروری ہے؟ اور جو لوگ آئمہ مجتہدین کے مقلد ہیں اور نہ وہ انتقاد احادیث میں اجتہاد کا نام لیتے ہیں نہ استنباط مسائل میں ان پر اس مجتہد مرکب کو کیا فوقیت ہے۔

جواب سوال چہارم:

علماء کیلئے تقلید مردار کی مثل ہے جو بقدر ضرورت و بحالت اضطرار حلال ہوتا ہے۔یہ امر محققین حنفیہ نے خود تسلیم کیا ہوا ہے چنانچہ علامہ ہارون حنفی نے کتاب ناظورۃ الحق میں فرمایا ہے:

و مهما عجز المرء عن فقه الدليل واقامة الحجة فقد اضطر الى التقليد عند الحاجة بقدر الضرورة اسوة ساير الضرورات التى تبيح المحظورات كتناول الميتة عندالمخمصة۔ ❶

جب کبھی انسان دلیل سے مسئلہ سمجھنے اور اس پر دلیل قائم کرنے سے عاجز ہوتا ہے تو ناچار ہوکر وہ تقلید کا محتاج ہوتا ہے،سو بھی بقدر ضرورت اور ضرورتوں کی طرح جو ممنوعات کو حلال کر دیتے ہیں جیسے مخمصہ (مہلک بھوک) کی حالت میں مردار کھانے کی ضرورت ہے۔

---

❶ ناظورۃ الحق

لہذا اس مجتہد مرکب کو یہی لازم ہے کہ جس محل (انتقاد) میں وہ اپنا اجتہاد نہ کر سکے اس میں مجبور ہو کر مجتہدین محدثین کی تقلید کرے اور جہاں وہ اپنا اجتہاد کر سکتا ہے وہاں اپنا اجتہاد کرے اس میں ان کا مقلد نہ ہو رہے۔

جو لوگ اس خیال سے مقلد محض ہو رہے ہیں کہ

جب ہم تصحیح و تضعیف احادیث میں آئمہ حدیث کے مقلد بنتے ہیں۔ اور تحقیق معانی لغویہ میں آئمہ لغت کے اور فہم معانی شرعیہ میں قواعد اصول فقہ کے۔ وعلی ہذا القیاس۔ تو استنباط مسائل فرعیہ میں بھی کیوں نہ مقلد ہو رہیں۔

وہ اپنی خداداد جوہر عقل و قوت استنباط کو ضائع کر رہے ہیں۔ اور اپنے اصول مذہب کے سخت مخالف ہیں۔ اسی وجہ سے اس مرکب مجتہد کو (جو بعض امور میں مقلد ہے) ان مقلدوں پر ظاہر شرف اور صریح فوقیت ہے۔

یہ ہم نے علی التنزل اتباع محدثین کو تقلید مان کر جواب دیا ہے۔ اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ محدثین کا اتباع ان امور میں جو نقل اور واقعات کے متعلق ہیں تقلید نہیں ہے۔ اور نہ تسلیم معانی لغویہ میں اتباع اہل لغت کی تقلید ہے۔ اور نہ فہم معانی شرعیہ میں استمداد قواعد اصول فقہ سے تقلید ہے۔ یہ اتباع اتباع دلیل ہے اور شرعاً حجت ہے جیسا کہ قاضی مجتہد کا تسلیم واقعات میں گواہوں کا اتباع جس کو کوئی شخص محقق ہو خواہ مقلد، تقلید نہیں کہہ سکتا۔ اس جواب کے مؤید منہاج السنہ ابن تیمیہ کی وہ عبارت ہے جو دعوی دوم کی تائید میں گزری ہے۔ اسی قسم کے اور سوالات ہمارے اس جواب سے پیدا ہوں گے۔ پر صاحب فہم کو ان کے جوابات بھی ہمارے ان چار سوالوں کے جوابات سے سمجھ میں آجاویں گے۔ واللہ الموفق



نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں کہ اہل حدیث کا مذہب ہے کہ نماز میں قیام کے دوران سینہ پر ہاتھ باندھنے چاہیں کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے:

عن وائل بن حجر قال صلّیت مع النبیّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فوضع یده الیمنی علی یده الیسری علی صدره ❶

(وائلؓ بن حجر کہتے ہیں کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نماز کے وقت سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے)

حضرت ابن عباسؓ نے تو یہ مسئلہ قرآن شریف ہی سے بتلایا ہے:

عن ابن عباس قال: ﴿**فصل لربّک وانحر**﴾ قال وضع الیمین علی الشمال فی الصلوة عند النحر۔ ❷

(حضرت ممدوح **وانحر** کے معنی کرتے ہیں کہ دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر سینہ پر رکھو)۔

جو حدیث علیؓ والی مصنف ہدایہ نے ناف سے نیچے باندھنے کی نقل کی ہے وہ صحیح نہیں۔ دیکھو تخریجات ہدایہ۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس حدیث کی بابت لکھا ہے کہ تمام حفاظ حدیث اس کے ضعف پر متفق ہیں۔ ❸

❁ جناب رشید احمد گنگوہیؒ سے سوال ہوا:

نماز میں فوق ناف ہاتھ باندھنا سنت سے ثابت ہے یا نہیں۔ باوجود ثبوت اس کے عامل کو برا جاننا و لا مذہب کہنا کیسا ہے۔ حالانکہ خودا کابرین و محققین علمائے صوفیہ اس کے عامل و ترجیح و توسیع کے قائل ہیں۔ چناں چہ حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید کے معمولات میں ہے:

---

❶ ابن خزیمہ ❷ معالم التنزیل ❸ اہل حدیث کا مذہب

ودست را برابر سینہ می بستند ومی فرمودند کہ ایں روایت ارجح است از روایت زیر ناف اگر کسے گوید کہ درایں صورت خلاف حنفیہ بلکہ انتقال از مذہب بمذہب لازم می آید گویم بموجب قول ابی حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ انہ ماثبت بالحدیث فھو مذھبی از انتقال درمسئلہ جزئی خلاف مذہب لازم نمی آید بلکہ موافقت درموافقت است

(مظہر جان جاناں ہاتھ کو سینہ کے برابر باندھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ روایت زیر ناف کی روائت سے راجح تر ہے۔ یہ اعتراض کہ اس صورت میں حنفی مذہب کے خلاف بلکہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہونا لازم آتا ہے تو میں کہوں گا کہ بموجب قول ابوحنیفہ کے کہ جو حدیث سے ثابت ہو وہ میرا مذہب ہے۔ جزئی مسئلہ میں انتقال سے مذہب کے خلاف لازم نہیں آتا ہے، بلکہ موافقت درموافقت ہے)

امام ربانی عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ بھی میزان میں اولویت کے قائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

وضع الیدین تحت صدرہ اولی وبذلك حصل الجمع بین الاقوال الآئمة رضی اللہ عنھم

ہاتھوں کو اپنے سینہ کے نیچے رکھنا اولی ہے اور اس سے اقوال آئمہ کے درمیان جمع حاصل ہوگا۔

شاہ ولی اللہ شرح مؤطا میں فرماتے ہیں:

مترجم گوئد رضی اللہ عنہ وارضاہ کہ جمہور علماء بوضع یمنی علی الیسری قائل اند بعض اختلاف کردند شافعی فوق ناف می نہد وابوحنیفہ زیر ناف وایں ہمہ واسع وجائز است

(مترجم (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اللہ تعالی اس سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہو کہ جمہور علماء سیدھے ہاتھ کو بائیں پر رکھنے کے قائل ہیں۔ بعض نے اختلاف کیا ہے۔ شافعی ناف کے اوپر رکھتے ہیں اور ابوحنیفہ ناف کے نیچے۔ اور یہ تمام واسع اور جائز ہے)

مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی تنویر العینین میں فرماتے ہیں:

و الوضع تحت السرة وفوقها متساویان لان کلاهما مروی عن اصحاب النبی ﷺ۔

(رکھنا ناف کے نیچے یا ناف کے اوپر دونوں مساوی ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک نبی ﷺ کے اصحاب سے مروی ہے)

شیخ عبدالحقؒ صاحب بھی توسیع کے قائل ہیں مدارج النبوت میں۔

❀ جناب رشید احمد گنگوہیؒ نے جواباً فرمایا:

فوق ناف وزیر ناف دونوں طرح ہاتھ باندھنا اگراز روئے دیانت ہے تو جائز ہے اور اگر ہوائے نفسانی سے کرے گا تو ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ❶

رفع سبابہ

شاہ اسماعیل دہلویؒ، تنویر العینین میں لکھتے ہیں:

ثبت رفع المسبحة فی اثناء التشهد عند اللفظ بكلمة التوحيد بدلائل واضحة وبراهين ظاهرة مذكورة فی محالها بحيث لا مردلها كما روی عن ابن عمر وعبد الله بن الزبير ونمير الخزاعی وابی هريرة وابی حميد ووائل بن حجر وسعد بن ابی وقاص وسهل بن سعد ومحمد ابن مسلمة ونحوهم وهكذا روی عن اعاظم الصحابة والتابعين انهم قدكانوا يفعلونه ويختارونه كما ذكره الترمذی فی جامعه واتفق عليه جميع فقهاء الاعصار والامصار لاسيماالمجتهدين الاربعة الذين هم اركان الدين واعمدة الاسلام وقد قال الامام محمد الشيبانی فی المؤطا بعد ما ذكر حديث ابن عمر رضی اللہ عنہ بصنع رسول الله ﷺ ناخذ وهو قول ابی حنيفة انتهی وكذا قال ابو يوسف فی اماليه ذكره الشيخ ابن الهمام ولم يرو عن النبی ﷺ وعن اصحابه وتابعيه ماينافی ذالك غير ان شرذمة قليلة من علماء ماوراء النهر قد اضطروا وشددوا وبالغوا فی نفيه وليس لاحد منهم ما يوجب ما اقترحوا فی نفيه الابالتساوق الجدل والعناد وذلك من عدم توغلهم بكتب الاحاديث من الصحاح وغيرها وعدم اذعانهم بماجاء هم من ابی حنيفة واصحابه فوضح بما ذكرنا ان ما قالوا ليس بصواب لاينبغی لاحد ان يصغی اليه ولايصلح لامر من المؤمنين ان يعملوا ويعولوا عليه فاذا عرفت هذا فاعلم ان ذالك الرفع ايضاً صحيح ثابت فاش من السنة وتركه يوجب الاسائة وان شئت التفصيل فارجع الی كتب الاحاديث من الصحاح وغيرها وكذا الی الفقه المعتبرة و الله اعلم۔

---

❶ فتاوی رشیدیہ ص ۳۰۷۔۳۰۸

ترجمہ۔اسی طرح تشہد کے وقت کلمہ لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے انگشت شہادت کا اٹھانا واضح دلائل اور ظاہر حجتوں سے ثابت ہے اور وہ دلائل اپنے مقام پر اس طرح مذکور ہیں کہ انہیں رد نہیں کیا جا سکتا۔جیسا کہ عبداللہ بن عمرؓ،عبداللہ بن زبیرؓ، نمیر خزاعیؓ، ابو ہریرہؓ، ابوحمیدؓ، وائل بن حجرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سہل بن سعدؓ، محمد بن مسلمہؓ اور ان جیسے کئی بزرگوں سے مروی ہے۔اسی طرح بڑے بڑے صحابہ تابعین بھی اس فعل پر عمل کرتے اور اسے پسند فرماتے تھے،جیسا کہ امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں اسے ذکر کیا ہے اور اس پر اس زمانے کے تمام شہروں کے فقہاء نے اتفاق کیا ہے۔خصوصاً آئمہ اربعہ نے جو دین کے رکن اور اسلام کے ستون ہیں۔امام شیبانیؒ نے مؤطا میں عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ ہم تو رسول اللہ ﷺ کے کئے ہوئے کام کو ہی پکڑیں گے۔اور امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے۔(انتہی) اسی طرح امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب امالی میں بیان کیا ہے جسے ابن الہمام نے ذکر کیا ہے اور نبی ﷺ صحابہ اور تابعین سے کوئی ایسی روایت نہیں بیان کی جو اس مسئلہ کے منافی ہو۔ہاں ماوراء النہر کے تھوڑے سے علماء نے اس انگلی اٹھانے کے منع پر بڑا جبر وتشدد اور مبالغہ کیا ہے، حالانکہ اس مسئلہ کے منع کو ثابت کرنے کے لئے ان کے پاس جھگڑے اور عناد کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے۔اس کی وجہ صحاح ستہ اور حدیث کی دیگر کتب کی طرف ان کی عدم توجہ ہے۔اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کے دلائل پر عدم یقین ہے۔ہمارے اس بیان سے واضح ہو گیا کہ علمائے (ماوراء النہر) کے اقوال صحیح نہیں ہیں اور کسی مسلمان کو ان باتوں پر کان نہ دھرنا چاہیے اور نہ ہی ان کی باتوں پر عمل کریں اور نہ ہی اعتماد کریں۔جب تمہیں اس بات کے صحیح ہونے کا پتہ چل گیا تو تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ رفع سبابہ کے صحیح ہونے کا منشاء بھی سنت رسول سے ثابت ہے اور اس کا ترک کرنا برائی کا موجب ہے۔

جناب نور الہیؒ (نور حسین) گھر جاکھی بتاتے ہیں:

امام محمد مؤطا میں (صفحہ ۱۰۸) لکھتے ہیں:

كان رسول اللّٰه ﷺ اذا جلس فى الصلوة وضع كفّه اليمنى على فخذه اليمنى وقبض اصابعه كلّها واشار باصبعه الّتى تلى الابهام وضع كفّه اليسرى على فخذه اليسرى قال محمد وبصنيع رسول اللّٰه ﷺ نأخذه وهو قول ابى حنيفة۔

(رسول اللہ ﷺ سب انگلیوں کو بند کر کے کلمہ کی انگلی سے اشارہ کیا کرتے تھے اور امام محمدؒ نے کہا کہ جس طرح رسول خدا نے کیا اس طرح ہم کرتے ہیں اور ابوحنیفہؒ کا قول بھی یہی ہے کہ رفع سبابہ مثل آنحضرت ﷺ کے کرنا چاہیے)

امام ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے بھی امام محمدؒ کی طرح کہا ہے:

فظهر ان اصحابنا الثلاثة اتفقوا على تجويز الاشارة لثبوتها عن النبى ﷺ واصحابه بروايات متعددة وطرق متكثره لا سبيل الى انكارها ولا الى ردها وقد قال به غيرهم من العلماء حتّى قال ابن عبد البر انه لا خلاف فى ذالك ۔ ❶

(ہمارے تینوں امام رفع سبابہ پر متفق ہیں کیونکہ رسول خدا ﷺ اور صحابہ کرام سے بروایات متعددہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ سب رفع سبابہ کیا کرتے تھے۔ اور اسی طرح کہا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے علاوہ دوسرے علماء نے۔ یہاں تک ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ اس مسئلہ میں کسی مسلمان نے اختلاف نہیں کیا)۔

نور الہدایۃ میں ابن ہمام کی عبارت بالا نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس مقام پر جو خلاصہ کیدانی میں ہے کہ انگلی اٹھانا محرمات میں سے ہے، محض غلط ہے۔

مجموعہ فتاوی میں جناب عبدالحی فرنگی محلی کہتے ہیں:

رفع سبابہ کی جو احادیث صحیح مسلم میں ہیں ان سب کے رواۃ کا حال تقریب التہذیب میں مذکور ہے۔ اور رفع سبابہ کی احادیث سوائے صحیح مسلم کے دیگر کتب حدیث میں بطرق متعددہ مروی ہیں۔ مثل سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن دارمی و جامع ترمذی و سنن بیہقی و مسند احمد و مؤطا مالک و مؤطا محمد و مصنف عبدالرزاق و مسند ابویعلی و مصنف ابن ابی شیبہ و معجم طبرانی و سنن سعید بن منصور وغیرہ۔

---

❶ تعلیق المجید۔ ص ۱۰۹

چنانچہ ملا علی قاری نے اپنے رسالہ تزئین العبارۃ بتحسین الاشارۃ میں بعد ذکر ان تمام روایات کے تحریر کیا ہے:

وبالجملة فهو مذكور في الصحاح الست وغيرهما مما كاد ان يكون متواتراً بل يصح ان يقال انه متواتر معنى فكيف يجوز لمؤمن بالله ورسوله ان يعدل عن العمل به ويأتى التعليل في معرض النص الجليل ۔

بعد اس کے بہ تفصیل تمام سنیت اشارہ کو ثابت کیا ہے اور قول عدم رفع کو مردود کر دیا ہے۔ ❶

وجوب جمعہ وظہر احتیاطی

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ وجوب جمعہ اور ظہر احتیاطی کے متعلق لکھتے ہیں کہ اہلحدیث کا مذہب ہے کہ جمعہ علی الاطلاق واجب ہے۔ حنفیہ اور دیگر علماء کے نزدیک بھی وجوب جمعہ مسلم ہے مگر وہ چند شرائط ایسی لگاتے ہیں جو اہل حدیث کے نزدیک ثابت نہیں اس لئے مناسب ہے کہ ثبوت فرضیت سے درگزر کر کے ان شرائط ہی پر بحث کی جائے۔

احناف کرام کا مذہب ہے کہ جمعہ کیلئے شہر اور قاضی کا ہونا ضروری ہے، ہدایہ میں ہے:

لا يصحّ الجمعة الّا في مصر جامع او في مصلّى المصر ولا تجوز في القرى لقوله عليه السلام ((لاجمعة ولاتشريق ولافطر ولاضحى الا في مصرجامع والمصر الجامع كل موضع له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود)) ❷

جمعہ صرف شہر یا اس کے مضافات (عیدگاہ وغیرہ) میں ہوگا کیونکہ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے نماز جمعہ اور نماز عید الفطر اور نماز عید الاضحیٰ سوائے شہر کے نہیں چاہیں۔

یہ روایت نقل کر کے مصنف ہدایہ شہر کی تعریف بتلاتے ہیں کہ جہاں حاکم ہو۔ جو احکام اور حدود قائم کرے۔

---

❶ مجموعہ فتاوی ج ا ص ۱۹۱ (ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر۔ ۴ نومبر ۱۹۳۲ء)۔

❷ ھدایہ باب الجمعہ

پس یہی ایک حدیث ہے جس سے اس امر کا ثبوت دیا جاتا ہے کہ جمعہ کے لئے شہر اور قاضی وغیرہ کا ہونا ضروری ہے لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں۔ امام نووی ؒ نے کہا ہے متفق علی ضعفہ (یعنی سب محدث اس کے ضعف پر متفق ہیں)۔ بیہقی نے کہا ہے کہ اس مضمون کی کوئی حدیث صحیح نہیں آئی۔ تخریجات ہدایہ زیلعی اور عسقلانی میں اس کو ضعیف بتلایا ہے۔

ہاں حضرت علیؓ کا قول ہے سو بموجب اصول حدیث و فقہ مسائل اجتہادیہ میں صحابی کا قول حجت نہیں خاص کر ایسے مسائل میں جہاں اور صحابہ اس کے خلاف پر بھی ہوں۔

بیہقی ؒ نے لیث بن سعدؒ سے روایت کی ہے کہ مصر اور اس کے مضافات والے جو دریا کے کنارے کنارے رہتے تھے۔ عمرؓ اور عثمانؓ کے حکم سے جہاں ہوتے جمعہ پڑھ لیتے۔

عبدالرزاقؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان کے لوگوں کو اپنے اپنے پانی کے جوہڑوں پر جمعہ پڑھتے دیکھتے تو منع نہ کرتے تھے۔

ابن ابی شیبہؒ نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے بحرین والوں کو حکم بھیجا تھا کہ تم جہاں ہو جمعہ پڑھ لیا کرو۔

علماء اصول فقہ حنفیہ نے صاف لکھا ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ کے اقوال باہمی مختلف ہوں ان میں ہم کو اختیار ہے کسی کی پیروی کرلیں۔ [1] جب تک کوئی مرفوع حدیث نہ ہو وجوب نہیں ہوتا۔

پس جب کسی حدیث صحیح یا آیت قرآنی سے شرطیت ثابت نہیں ہوتی تو بحکم حضور ﷺ:

((ذرونی ماترکتکم)) [2]

(جب تک میں تم کو حکم نہ دوں تم بھی کرید نہ کیا کرو)

---

1. دیکھو نورالانوار بحث تقلید الصحابی
2. صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۷۲۸۸
صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر، رقم الحدیث: ۴۱۲۔ ۱۳۳۷

جمعہ بلا شرط فرض رہے گا۔ الا وہی شرط معتبر ہو گی جس کا ثبوت شرع میں ہو۔ اس لئے اہل حدیث کا مذہب ہے کہ ہر ایک جگہ جمعہ واجب ہے شہر ہو یا گاؤں جہاں پر دو یا دو سے زیادہ آدمی ہوں گے بحکم الاثنان فما فوقها جماعة جمعہ پڑھیں گے۔ فمن ادعی غیر ذالك فعليه البيان والبرهان

اس مختصر سی گفتگو کے بعد طویل الذیل بحث ظہر احتیاطی کی ہے۔ لیکن یہ مسئلہ فقہائے حنفیہ نے خود ہی فیصل کر دیا ہوا ہے۔ اصل وجہ اور بناء ظہر احتیاطی کی (جیسا کہ طحطاوی کی آئندہ عبارت سے معلوم ہو گی) یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک ایک بستی میں متعدد جگہ جمعہ جائز نہیں اس لئے جس جگہ متعدد مقامات پر جمعہ پڑھا جاوے گا اس بستی کے جمعہ پڑھنے والوں کو ایسے علماء نے ظہر احتیاطی کا حکم دیا ہے۔ گو اہل حدیث کے نزدیک تو کوئی مسئلہ بھی جو قرآن و حدیث سے مدلل نہ ہو۔ قابل قبول نہیں۔ اس لئے ان کو تو ایسے اقوال کیا ہی اثر کر سکتے ہیں مگر شکر ہے کہ محققین علماء حنفیہ نے بھی ایسی ویسی روایات سے صریح انکار کیا۔ درمختار میں صاف مرقوم ہے:

وتودی فی مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً علی المذهب وعليه الفتوی (درمختار)

قوله مطلقاً سواء كان هنالك ضرورة ام لافصل بين جانبی البلد نهرام لا قوله علی المذهب لا طلاق الخير وهو لاجمعة الا فی مصر فشرط المصر فقط۔ [1]

(ایک ہی شہر میں کئی جگہ جمعہ ادا ہو سکتا ہے اور یہی مذہب صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ اس میں طحطاوی حاشیہ لکھتے ہیں کہ بیشک ایک شہر میں متعدد جگہ ہو سکتا ہے ضرورت ہو یا نہ ہو۔ شہر کے درمیان کسی نہر وغیرہ کا فاصلہ ہو یا نہ ہو۔ ہر صورت میں جائز ہے، کیونکہ حدیث میں صرف شہر کی شرط ہے اور بس)۔

ہمارے نزدیک تو شہر کی شرط بھی نہیں۔

---

[1] طحطاوی

اس فیصلہ کے بعد کہ ایک ہی بستی میں متعدد جگہ جمعہ جائز ہے۔ صاحب درمختار اور طحطاوی کا فیصلہ خاص در بارہ ظہر احتیاطی بتلاتے ہیں۔ مصنف درمختار صاحب بحر سے نقل کرتے ہیں:

قد افتیت مراراً بعدم صلوة الاربع بعدها بنية آخر الظهر خوف عدم فرضيتها وهو بالاحتياط فی زماننا۔ ❶

قوله قد افتيت الخ ۔ هذا كلام مرتبط بكلام قبله الكمال فانه قال وانما اكثرنا فيه ای فرض الجمعة نوعاً من الاكثار لما تسمع من بعض الجهلة انهم ينسبون الى مذهب الامام عدم افتراضها قال صاحب البحر و قد كثر ذالك من جهلة زماننا ايضاً ومنشاء جهلهم صلوة الاربع بعد الجمعة بنية الظهر وانما وضعها بعض المتاخرين عند الشك فی صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها فی مصر واحد وليست هذا الرواية بالمختار وليس هذا القول اعنی اختيار الاربع بعدها مرويا عن الامام وصاحبيه حتی وقع لی انی افتيت مراراً بعدم صلوتها خوفا علی اعتقاد الجهلة انها الفرض وان الجمعة ليست بفرض ۔ ❷

(میں نے کئی دفعہ ظہر احتیاطی نہ پڑھنے کا فتوی دیا ہے کیونکہ خوف تھا کہ لوگ جمعہ کی فرضیت ہی نہ بھول جائیں اور ہمارے زمانہ میں مناسب اور احتیاط یہی ہے کہ ظہر احتیاطی نہ پڑھی جائے۔
اس پر علامہ طحطاوی نے بڑی لمبی چوڑی تقریر کی ہے۔ کہتے ہیں ہم نے اس لئے ظہر احتیاطی نہ پڑھنے کے متعلق طول کلامی سے کام لیا ہے کہ بعض جاہلوں سے ہم نے سنا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ جمعہ فرض نہیں۔ صاحب البحر نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ کے جاہلوں میں بھی عام طور پر یہ خیال شائع ہوا ہے کہ جمعہ فرض نہیں اور ان کے اس خیال کی وجہ صرف ظہر احتیاطی ہے۔

---

❶ درمختار

❷ طحطاوی

اور بعض متاخرین علماء نے ظہر احتیاطی کو صرف اس لئے تجویز کیا تھا کہ ایک روائت کے مطابق ایک ہی شہر میں چند جگہ جمعہ جائز نہ تھا حالانکہ یہ روایت ہی ٹھیک نہیں اور نہ ہی یہ قول کہ ظہر احتیاطی کی چار رکعتیں پڑھنی چاہییں ۔ امام ابوحنیفہ اور نہ ہی صاحبین سے منقول ہے حتی کہ مجھے بھی کئی دفعہ اتفاق ہوا ہے کہ میں نے خود ظہر احتیاطی نہ پڑھنے کا فتوی دیا ہے کیونکہ جاہل لوگ اس کو فرض جان لیتے ہیں اور جمعہ کو فرض نہیں جانتے)۔

ان روایات فقہیہ معتبرہ نے ظہر احتیاطی کے مسئلہ کا جہاں فیصلہ کیا ہے اس کی بنا اور وجہ تجویز بھی بتلادی کہ اصل وجہ ظہر احتیاطی کی یہ ہوئی ہے کہ بعض متاخرین نے (جن کا نام بھی شائد معلوم نہیں) ایک بستی میں متعدد جگہ جمعہ کا پڑھنا بعض روایات فقہیہ سے ناجائز سمجھا جس پر ظہر احتیاطی کا حکم لگایا۔ پھر اس بنیاد کا ابطال بھی صاف لفظوں میں کر دیا کہ یہ روایت کہ ایک مقام میں متعدد جگہ جمعہ ناجائز ہے پسندیدہ اور مختار نہیں بلکہ پسندیدہ اور قابل فتوی یہی بات ہے کہ ایک بستی میں متعدد جگہ بلاشبہ جمعہ جائز ہے۔ پس اب ظہر احتیاطی کا قائل ہونا صریح بناء فاسد علی الفاسد نہیں تو اور کیا ہے۔ افسوس کہ اہل حدیث پر تو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ کتب فقہ کو نہیں مانتے حالانکہ وہ جس طریق سے مانتے ہیں سب سلف صالحین اسی طرح مانتے تھے مگر جب اپنے خلاف کوئی روایت ہو۔ تو باوجود تسلیم صحت اس کتاب کے ہمارے بھائی کانوں پر ہاتھ رکھ کر صاف نکل جاتے ہیں۔ ہمارے پاس موجودہ محققین علماء حنفیہ شکر اللہ سعیھم کے انکاری فتوی بھی اس امر میں موجود ہیں مگر ہم ان کو پیش کرنا نہیں چاہتے تاکہ کسی صاحب کو انکار کی گنجائش نہ ہو۔ علاوہ اس کے موجودہ علماء محققین کی تحقیق کی بنا انہی متقدمین فقہاء کے اقوال پر ہے اس لئے بحکم الفضل للمتقدم انہی متقدمین کے اقوال کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ [1]

دیہات میں جمعہ

✿ جناب سلطان احمد اصلاحی [2] کہتے ہیں:

---

1. اہل حدیث کا مذہب۔ ص ۷۶ ۔ ۸۱
2. ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

دیہات میں جمعہ کے مسئلہ پر ماضی میں جتنی کچھ لے دے ہو چکی ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ایک زمانہ تک ہمارے علمائے دیو بند اس مسئلہ میں غیر معمولی حد تک بے لچک اور سخت گیر تھے اور خال خال اور انتہائی منتخب گاؤں کو چھوڑ کر وہ کسی طرح کسی گاؤں میں جمعہ پڑھنے اور پڑھانے کو تیار نہ تھے۔اس معاملہ میں اب ان کا رویہ لچکدار ہے۔اب وہ نہ صرف یہ کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنے لگے ہیں بلکہ اس کی امامت اور خطابت کے فرائض بھی انجام دینے لگے ہیں۔لیکن ہنوز اس معاملے میں یکسانیت نہیں ہے۔ایک ہی آبادی اور ایک ہی حیثیت کے بعض گاؤں میں یہ حضرات جمعہ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں جب کہ دوسرے کے سلسلے میں اس جمعہ کے عدم جواز کا فتویٰ دے کر قریب کے چوراہے یا بازار میں جا کر جمعہ پڑھتے ہیں۔

یہ صورت حال اصلاح طلب ہے۔دنیا کے دوسرے ترقی پذیر ملکوں کی طرح ہندوستان میں بھی اب گاؤں کی حیثیت بالکل بدل چکی ہے۔جن لوگوں نے وہ دنیا دیکھی ہے ان کے مطابق یورپ کی حد تک شہری سہولیات کے لحاظ سے دیہات اور شہر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہمارا ملک ہندوستان بھی اپنے آئین کے تقاضے کے طور پر اسی سمت میں آگے بڑھ چکا ہے۔ ......اس کے لحاظ سے گاؤں کی ہر مرکزی اکائی میں مطلق جمعہ کے جواز کا فتویٰ دینا چاہیے۔ اور گاؤں اور قصبے میں زیادہ سے زیادہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا فرق رکھنا چاہیے۔جس طرح کہ خود شہر کے اندر چھوٹی اور بڑی مسجد جامع کے حوالہ سے ایسا ہی سمجھا اور تسلیم کیا جاتا ہے۔انعقاد جمعہ کی شرائط میں شرط مدینہ کے حوالہ سے جو سختی فقہ حنفی میں ہے وہ دوسری کسی فقہ میں نہیں۔ ہندوستان کے موجودہ حالات میں ان مسالک کی اس نرمی سے فائدہ اٹھانا ہر طرح سے قرین مصلحت اور اہل ایمان کی سہولت کا باعث ہے۔ ❶

✿ جناب سلطان احمد اصلاحی لکھتے ہیں:

ایسا ہی ایک مسئلہ جمع بین الصلاتین کا ہے۔جمع صوری ہی نہیں بعض شرائط کے ساتھ فقہ حنفی میں بھی سفر میں حقیقی جمع صلوتین کی گنجائش ہے۔لیکن اس گنجائش پر عمل نہیں ہے اور اکابر کا اس میں اختلاف ہے۔

---

❶ علوم الحدیث۔مطالعہ وتعارف۔ص ۲۲۷

کسی مسلمان کو جو عام طور پر مسائل میں فقہ حنفی کا پابند ہو لیکن سفر میں اس کے لئے راحت اور سہولت کا باعث ہو کہ وہ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو ایک ساتھ پڑھ لیا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور کسی تحفظ اور تردد کے بغیر نبی رحمت ﷺ کی فراہم کردہ اس رخصت سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ دور حاضر کے بعض اعتدال پسند بڑے علماء کا اس پر عمل رہا ہے (مثل سید سلیمان ندوی خلیفہ جناب اشرف علی تھانوی)۔ ❶

❁ جناب سلطان احمد اصلاحی لکھتے ہیں:

ایسا ہی ایک عام ضرورت کا مسئلہ مسح علی الخفین کا ہے۔ فقہ حنفی میں ہی اس کی جو تفصیلات ہیں اس کے مطابق چمڑے کے علاوہ دوسرے موزوں پر بھی مسح کی گنجائش ہے (دیکھئے قدوری) لیکن علمائے احناف کا فتوی اور عمل دونوں اس سے ہٹ کر ہے۔ ان کا اصرار ہے کہ مسح صرف خاص طرح کے چمڑے کے موزے پر ہی جائز ہے۔ دبیز وغیر دبیز نائلان، کپڑے یا اونی کسی دوسرے موزے پر یہ مسح جائز نہیں ہے۔ یہ رائے مرجوح اور بحالات موجودہ مصلحت کے خلاف ہے۔ کسی تردد کے بغیر اس مسئلے میں علامہ ابن تیمیہ کی رائے پر فتوی دیدینا چاہیے جسکے مطابق کسی موزے کا صرف موزہ ہونا اس پر مسح کے جواز کے لئے کفایت کرتا ہے۔ یہ چمڑے کا ہو یا غیر چمڑے کا۔ دبیز ہو یا ہلکا۔ اس کی لاسٹک ڈھیلی ہو یا کسی ہوئی۔ نیز اس سے آگے خواہ اسکے اندر سوراخ ہو یا اس کا کچھ حصہ پھٹا ہوا ہی کیوں نہ ہو۔ امام ابن تیمیہ کا یہ فتوی لاجواب اور کمزوری کے اس دور کے لئے بہت غنیمت اور مطابق حال ہے۔

❁ جناب سلطان احمد اصلاحی فرماتے ہیں:

ظہر کی نماز سے پہلے کی سنتوں کا معاملہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ صحیح حدیث سے چار کی طرح ظہر سے پہلے دو سنتوں کا ثبوت ہے۔ بعض اوقات ضرورت اور مصلحت اس کی داعی اور متقاضی ہوتی ہے کہ چار کے بجائے آدمی دو سنتوں پر ہی اکتفا کرے۔ جب رحمۃ للعالمین کی طرف سے اس کی رخصت اور رعایت ہے تو ہر حال میں چار پر اصرار کر کے مصالح جا و بے جا کو بیچ میں لانے کی کیا ضرورت ہے۔

---

❶ علوم الحدیث، مطالعہ وتعارف۔ص ۲۲۷۔۲۲۸

ہمارے مراجع حنفیہ میں یہ زیادتی معلوم ہوتی ہے کہ اس مقام میں حاشیہ میں دو رکعت کی روایت کا بالکل تذکرہ ہی نہیں کیا جاتا ہے ❶ جب کہ اسکی روایت بخاری و مسلم کی ہے۔ چار کی روایت ان (بخاری مسلم) کے علاوہ صحاح کی دوسری کتابوں کی ہیں۔

مثلین کے بجائے مثل پر عصر کی نماز کا مسئلہ بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ اس وقت کی شہری اور ملازمت کی ضرورت اس کی داعی اور مقتضی ہیں کہ پیروان مسلک حنفی کے لئے حسب ضرورت و مصلحت بجائے مثلین کے مثل پر عمل کا دروازہ کھلا رہے۔ دریں حالانکہ خود فقہ حنفی میں اس کی اجازت موجود ہے۔ ❷

مقامی زبان میں خطبہ جمعہ

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ کہتے ہیں کہ اہل حدیث کا مذہب ہے کہ خطبہ میں خطیب قرآن شریف پڑھ کر اس کا مطلب دیسی زبان میں بتلاتا جائے اور مناسب موقع پر تفسیر یا تشریح آیات اور تذکیر حاضرین بھی کرے۔ اتنے مطلب کیلئے کسی آیت یا حدیث کے ثبوت دینے کی حاجت نہیں۔ خطیب کی ہیئت کذائی اور شکل ظاہری حاضرین کی طرف منہ کر کے بلند مکان پر کھڑا ہونا اور بصیغہ ہائے خطاب ان کو مخاطب کرنا اور ایھا الناس، ایھا الاخوان کہہ کہہ کر پکارنا، یہی دلیل کافی ہے کہ ایسی صورت میں اس کو کھڑا کرنے سے شریعت کو یہی مقصود ہے کہ لوگ اس کے کلام کو بغور سنیں اور مستفید ہوں۔

کچھ شک نہیں کہ خطبہ، خطاب سے ماخوذ ہے اور خطاب میں جب تک ہم زبانی نہ ہو خطاب حاصل نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالی فرماتا ہے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِۦ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾ (ابراھیم:٤)

یعنی جو رسول خدا کی طرف سے آتا رہا وہ اپنی قوم کے محاورہ ہی پر بولتا تھا تاکہ ان کو بیان کر کے سمجھاوے۔

---

❶ دیکھئے فقہ حنفی کی مشہور کتاب کنز الدقائق اور اس کا حاشیہ ص ۳۴ کتب خانہ رشیدیہ دہلی

❷ صاحبین یعنی ابو یوسف اور محمد کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل ہے۔ امام ابو حنیفہ کے یہاں البتہ یہ مثلین ہے۔ قدوری ص ۲۰۔ طبع رشیدیہ، دہلی۔ (علوم الحدیث۔ مطالعہ وتعارف۔ ص ۲۲۸)

احادیث اس بارے میں کثرت سے آتی ہیں جن سے یہ مطلب بدیہی اور روز روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کی وضع شریعت میں اسی غرض کیلئے ہے کہ خطیب حاضرین کو اپنے مافی الضمیر سے اطلاع دے اور وہ بگوش دل اسکی باتوں کو سنیں چنانچہ ہر ایک حدیث کی کتاب میں یہ مضمون مل سکتا ہے کہ اصحاب کہتے ہیں فلاں کام پیش آیا تو آنحضرت ﷺ نے ہم کو خطبہ سنایا خطبنا رسول اللّٰہ ﷺ اور وہ مطلب سمجھایا۔

نیز علاوہ خاص جمعہ میں خطبہ نبویہ کی کیفیت حدیثوں میں یوں آتی ہے:

کانت للنبیّ ﷺ خطبتان یجلس بینھما یقرء القرآن ویذکر الناس۔ ❶

آنحضرت کے خطبے کے دو حصے ہوتے تھے، درمیان میں ان دونوں کے بیٹھتے تھے۔ قرآن ان میں پڑھتے تھے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے۔

یہ حدیث اپنا مضمون بتلانے میں بالکل صاف ہے کہ آنحضرت ﷺ جمعہ کے خطبہ میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ نہ صرف قرآن ہی پڑھا کرتے تھے بلکہ یقرء القرآن کے ساتھ یذکر الناس بھی موجود ہے جس کو راوی نے اسی لئے ساتھ ملایا ہے کہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرلے کہ صرف قرآن کا پڑھنا ہی آپکا وعظ تھا جیسا کہ آجکل کے مانعین کہتے ہیں۔

ایک حدیث کے الفاظ اور ترجمہ یہ ہے:

((فاطیلوا الصّلوۃ واقصروا الخطبۃ وانّ من البیان سحراً)) ❷

نماز کو لمبا اور خطبہ کو چھوٹا کیا کرو، کیوں کہ بعض بیان تاثیر کرنے میں جادو کی طرح ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے خطبہ کو بیان فرمایا ہے جس میں اتحاد لسان یعنی خطیب اور سامعین کا ہم زبان اور ہم محاورہ ہونا بحکم عرف اور بفحوائے آیت مرقومہ ﴿الا بلسان قومہ﴾ ضروری ہے۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب ذکر الخطبتین قبل الصلاۃ، رقم الحدیث: ۳۴۔۸۶۲

❷ صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ، رقم الحدیث: ۴۷۔۸۶۹

ایک حدیث میں راوی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کی کیفیت یوں بتلاتا ہے:

کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ واشتدّ غضبہ حتّی کانّہ منذر جیش ویقول ((صبحکم ومساکم)) ❶

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تو آپکی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی اور غصہ سخت ہوتا گویا آپ کسی دشمن کی فوج سے ڈراتے تھے اور کہتے تھے کہ ابھی صبح، شام کو دشمن تم پر آنے والا ہے)

ایک حدیث یوں ہے:

عن جابر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یخطب:((اذا جاء احدکم یوم الجمعة والامام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیھما)) ❷

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ جو کوئی امام کے خطبہ پڑھتے ہوئے آئے وہ خفیف سی دو رکعتیں پڑھ لیا کرے۔

ایک روایت میں ہے:

بینما عمر بن الخطاب یخطب یوم الجمعة اذ دخل رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایة ساعة ھذہ فقال ما ھو الا ان سمعت النداء وما زدت ان توضأت قال والوضوء ایضاً وقد علمت ان رسول اللّٰہ امر بالغسل۔ ❸

(حضرت عمرؓ خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اسی وقت ایک صحابی مسجد میں داخل ہوا تو حضرت عمرؓ نے خطبہ ہی میں کہا کہ یہ کون سا وقت آنے کا ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو اذان سنتے ہی وضو کر کے آ گیا ہوں۔ عمر نے کہا کیا صرف وضو ہی پر تو نے قناعت کی ہے حالانکہ تو جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہانے کا حکم فرمایا ہوا ہے۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة، رقم الحدیث:۴۳۔۸۶۷

❷ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب التحیة والامام یخطب، رقم الحدیث:۵۹۔۸۷۵

❸ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب کتاب الجمعة، رقم الحدیث:۳،۴۔۸۴۵

آنحضرت ﷺ کے خطبہ عید کی کیفیت یوں بیان ہوئی ہے:

فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفهم فیعظهم ویوصیهم ویامرهم وان کان یرید ان یقطع بعثا قطعه او یامر بشیء امر به ثم ینصرف ۔ ❶

(بعد نماز عید آنحضرت ﷺ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہتے ۔ پس ان کو وعظ کرتے اور وصیت فرماتے اور حکم کرتے اور کسی فوج کو تیار کرنا ہوتا تو اسی خطبہ ہی میں تیار کرتے ۔ یا کسی بات کا حکم کرنا ہوتا تو کر دیتے ۔ پھر چلتے جاتے)۔

ان روایات سے اس شبہ کا جواب بھی آ جاتا ہے جو عموماً اس مسئلہ کے خلاف پر کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ نے غیر ملکوں میں جا کر عجمی زبانوں میں خطبہ کا ترجمہ نہیں سنایا، تو معلوم ہوا کہ سوائے عربی کے اور زبانوں میں ترجمہ نہ چاہیے۔

اس کا جواب ان روایات سے یوں پایا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عین خطبہ پڑھتے ہوئے جو یہ فرمایا ((اذا جاء احدکم یوم الجمعة)) یا حضرت عمرؓ نے اس صحابی کو دیر سے آنے پر ٹوکا ۔ اب خطیب کو ایسی حاجت پیش آوے تو کیا عربی ہی میں کہے؟ اور بس کر دے یا ان الفاظ کا مطلب سامعین کو سمجھا بھی دے؟

کچھ شک نہیں کہ عربی ہی میں کہنے والا دنیا بھر میں کوئی نہ ہوگا ۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایک شخص، جو عربی سے ناآشنا ہے، مسجد میں آئے تو امام اسے تنبیہ کرنے کو یوں کہے:

ایة ساعة هذه؟ الوضوء ایضاً وقد علمت ان رسول اللّٰه ﷺ امر بالغسل؟

یا اگر امیر نے فوج تیار کرنی ہو تو پنجابی یا ہندی حاضرین کو عربی میں فرما دے اور بغیر مطلب سمجھائے چل دے۔

میرے خیال میں دنیا بھر میں یہ بات کوئی نہ کہے گا حالانکہ آنحضرت اور صحابہ سے یہ سب امور خطبات میں ثابت ہیں ۔ پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ صحابہ نے اس اصول (تفہیم) کو غیر ملکوں میں ملحوظ نہ رکھا ہو۔

---

❶ صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب الخروج الی المصلی بغیر منبر، رقم الحدیث:۹۵۶ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب کتاب صلاۃ العیدین، رقم الحدیث:۹۔۸۸۹

ہاں یہ ممکن ہے کہ بوجہ اس کے کہ فتح کرتے ہی حاضرین صرف اپنی فوج ہوتی تھی یا جونو مسلم ہوتے وہ بہت ہی قلیل ہوتے، اس لئے بحکم کثرت عربی ہی میں خطبہ سناتے ہوں گے اور خطیب کا عجمی زبان سے ناواقف ہونا بھی ایک سبب ہوتو اغلب ہے۔ علاوہ اس کے اس بات کی نسبت کیوں کر یقین ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام نے عجمی زبانوں میں خطبہ کا ترجمہ یا مطلب نہیں سنایا۔

غایت ما فی الباب اس کا عدم علم ہے۔ اور عدم علم مقتضی عدم شیئ کونہیں ہوتا۔ خاص کر اس صورت میں کہ جناب سرور کائنات ﷺ سے ایک فعل ثابت ہو پھر اس کے معمول بہ ہونے کیلئے کسی صحابی یا امام کی تائید کی ضرورت ہے، بلکہ اس فعل نبوی کے چھوڑنے پر ان کے حق میں عذر تلاش کرنا چاہیے نہ کہ فعل نبوی میں کسی طرح کا ضعف لانے کی کوشش۔ کتب فقہ میں بھی یہ مسئلہ (خطبہ میں وعظ کرنا) مصرح ملتا ہے

(ویبدء) قبل الخطبة الاولی بالتعوذ سراً ثم یحمد الله تعالی والثناء علیه والشهادتین والصلوة علی النبی ﷺ والعظة والتذکیر والقرأة۔ ❶

(ردالمختار میں ہے خطبہ سے پہلے آہستہ سے اعوذ پڑھے پھر حمد اور ثنا کرے اور کلمہ شہادت اور آنحضرت ﷺ پر درود پڑھے اور وعظ ونصیحت کرے اور قرآن پڑھے)

درمختار میں ہے:

و یکره تکلمه فیها الا الامر بمعروف لانه منها۔

(امام کو سوائے امر معروف کرنے اور بات کرنی منع ہے امر معروف اس لئے مکروہ نہیں کہ وہ خطبہ میں ہے)

ہدایہ میں ہے اگر خطیب بیٹھ کر یا بے وضو خطبہ پڑھے تو جائز ہے:

و لو خطب قاعداً وعلی غیر طهارة جاز الحصول المقصود۔

کیونکہ مقصود بے وضو سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔

---

❶ ردالمختار ذکر جمعه

مقصود کی تشریح کفایہ حاشیہ ہدایہ میں بھی ہے:

و هو الوعظ و التذكير ۔

مقصود خطبہ جمعہ سے وعظ و نصیحت ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے کہا ہے:

ان لا يخلوا الاقتصار على هذا من الكراهة كما فى الدر المختار و جامع الرموز لكونه خلاف السنّة فان النبى ﷺ كان يخطب خطبتين و يجلس بينهما جلسة خفيفة و كان يثنى على الله فيها و يعظ و يذكر و يبين الاحكام المناسبة و يقرء آيات من القرآن۔ ❶

ایک دو تسبیح پر خطبہ میں کفایت کرنا مکروہ ہے جیسا کہ درمختار اور جامع رموز میں لکھا ہے کیونکہ یہ خلاف سنت ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ دو خطبے پڑھتے تھے جن میں وعظ و نصیحت کرتے اور احکام مناسب فرماتے اور قرآن پڑھتے۔

مالابدّ منہ میں ہے:

نزد صاحبین فرض آنست کہ ذکر طویل باشد و دو خطبہ خواندن مشتمل بر حمد و صلوۃ و تلاوت قرآن وصیت مر مسلماناں را و استغفار برائے نفس خود و برائے مسلماناں نزد اکثر آئمہ فرض است و نزد امام سنت سنت ست ترک آن کردن مکروہ۔

بغرض اختصار انہی حوالہ جات پر قناعت کی جاتی ہے ورنہ فقہ کی ہر ایک کتاب میں مسئلہ صاف مل سکتا ہے۔ ان تمام حوالہ جات میں بتصریح مذکور ہے کہ خطیب وعظ و تذکیر خطبہ میں کرے اور دلیل ان سب کی وہی احادیث ہیں جو ہم نے نقل کی ہیں اور مولانا عبدالحیؒ نے حاشیہ شرح وقایہ کی منقولہ عبارت میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

افسوس کہ اسلام کا ایک ایسا مسئلہ جو تمام کتب احادیث اور فقہ میں بتصریح تام ملتا ہے اس زمانہ میں ایسا متروک ہے کہ بعض لوگ خطیب کو وعظ کہتے ہوئے سنتے ہیں تو منتظر رہتے ہیں کہ اس وعظ کے بعد خطبہ ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک خطبہ اسی کا نام ہے جس میں وعظ وغیرہ کا نام نہ ہو۔ صرف عربی زبان میں چند کلمات پڑھ دیئے جائیں۔

---

❶ عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ

اس سے بڑھ کر افسوس اس طریق پر ہے جو بعض مانعین علماء کی ایجاد ہے کہ خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر دیسی زبان میں وعظ کہتے رہتے ہیں جب لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو کھڑے ہو کر عربی زبان میں خطبہ سنا دیتے ہیں جس میں کوئی کلمہ دیسی زبان کا نہیں بولتے۔ نہیں معلوم وہ کس مطلب کے لئے ہوتا ہے۔ ❶

نماز تراویح

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ رمضان کے مہینے میں آٹھ رکعت مع وتر گیارہ رکعت تراویح باجماعت اول شب پڑھنی سنت ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے کئی روز پڑھی ہیں۔ چنانچہ حدیث مندرجہ ذیل اس امر پر صریح دلیل ہے

عن ابی ذر قال صمنا مع رسول اللّٰہ ﷺ فلم یقم بنا شیئاً من الشّھر حتّی بقی سبع من الشّھر فقام بنا حتی ذھب ثلث اللیل فلما کانت السادسة لم یقم حتی ذھب شطر اللیل۔ ❷

(ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ روزے رکھے تو کسی روز بھی تراویح پڑھنے کو ہمارے ساتھ کھڑے نہ ہوئے یہاں تک کہ سات روز ماہ رمضان کے باقی رہ گئے تو ایک رات یعنی چوبیسویں رات ہمیں تراویح کی نماز ثلث رات تک پڑھائی پھر پچیسویں رات پڑھائی پھر جب چھبیسویں رات آئی تو نصف شب تک تراویح پڑھائی)۔

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ کہتے ہیں:

چونکہ آنحضرت ﷺ کے تراویح پڑھنے میں کسی کو بھی اختلاف نہیں اس لئے اس امر کے ثبوت پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ اس مسئلہ میں ایک اور طرز سے بحث پیدا ہوگئی ہے۔ جس طرح ہمارے حنفی بھائی رفع یدین کی نسبت مصر ہیں کہ حضور اقدس نے رفع یدین تو کی ہے مگر پھر منسوخ ہوگئی تھی، اس طرح آج کل ایک آدھ کا خیال ہے کہ تراویح تو حضور ﷺ

---

❶ اہل حدیث کا مذہب۔ ص ۸۱۔ ۸۸

❷ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب فی قیام شہر رمضان، رقم الحدیث: ۱۳۷۵ سنن ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی قیام شہر رمضان، رقم الحدیث: ۸۰۶ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی قیام شہر رمضان، رقم الحدیث: ۱۳۲۷

نے پڑھی ہیں مگر جب لوگوں کو گھروں میں چلے جانے کا حکم صادر فرمایا تو نماز تراویح مسجد میں با جماعت پڑھنی منسوخ ہوگئی۔ ❶

ایسے صاحبوں سے فیصلہ کرنا آسان ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا فعل تو ان کو بھی مسلم ہے۔ رہا منع کا دعوی۔ سو دلیل کا محتاج ہے۔ آپ اس مسئلہ پر اس حدیث کو دلیل لاتے ہیں جو خوش قسمتی سے ان کے مخالف لایا کرتے ہیں بخاری مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے جس کا مضمون ہے کہ صحابہ نے چند روز حضور اقدس کی اقتداء میں نماز پڑھی تو آخر حضور ﷺ اپنے حجرہ سے باہر نہ نکلے اور فرمایا:

((خشیت ان یکتب علیکم و لو کتب علیکم ما قمتم به فصلوا ایها الناس فی بیوتکم فان افضل صلوة المرء فی بیته الا المکتوبة))

(یعنی مجھ کو یہ خوف ہے کہ تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے اگر فرض ہوگئی تو تم اس کو نباہ نہ سکو گے پس تم گھروں میں نماز پڑھو)۔

معلوم ہوا کہ قیام لیل با جماعت مسجد میں منسوخ ہے۔

یہ حدیث نماز تہجد کے متعلق ہے چنانچہ صحیح بخاری میں صاف لفظ ہے:

خرج لیلة من جوف اللیل۔

یعنی آنحضرت ﷺ ایک روز نصف رات کو نکلے اور نماز پڑھی تو چند لوگوں نے آپ کے ساتھ اقتداء کیا۔ آہستہ آہستہ سب کو خبر ہوگئی کہ حضور ﷺ رات کو جماعت کراتے ہیں یہاں تک کہ لوگوں کا اتنا اژدہام ہوا کہ مسجد میں سما نہ سکتے تھے۔ چوتھی رات آپ تشریف نہ لائے تو صحابہ کی خواہش پر آپ نے وہ ارشاد فرمایا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

اس حدیث سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو نماز تہجد کے با جماعت مسجد میں ادا کرنے سے منع فرمایا۔ جس کی وجہ بھی خود ہی بیان فرمادی کہ مجھے اس کی فرضیت کا خوف ہے جسے ہمارے دعوی سے کوئی تعلق نہیں۔

---

❶ دیکھو رسالہ البیان الصریح لاثبات کراہۃ التراویح مؤلفہ مولوی عبداللہ چکڑالوی۔ ص ۱۶

ہمارا دعوی تو اول شب کی جماعت کے سنت ہونے کا ہے جس کے ثبوت میں ہم نے حدیث بھی نقل کی ہے۔

پس ایسے ویسے احتمالات سے اگر نسخ ثابت ہوگا تو کوئی مسئلہ شریعت کا ثبوت نہ ہوگا۔ ایسے صاف اور صحیح جواب کو بھی قبول نہیں کیا گیا اور دعوی کیا گیا پہلے وقت کی نماز اور پچھلے وقت کی نماز ایک ہی ہے، دو نہیں۔ یہی تراویح جو اول وقت پڑھی جاتی ہیں تہجد کی نماز ہے اور کوئی نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعوی پر بھی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے کیونکہ تہجد کے معنی ہیں نیند سے اٹھ کر نماز کا پڑھنا۔ قاموس میں ہے تهجد استيقظ۔

حضرت عائشہ وعن ابیھا کی حدیث سے جو ذیل میں درج ہے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اول شب کی نماز اور آخر شب کی نماز ایک ہی ہے بلکہ اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ آنحضرت ﷺ گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

ما كان رسول الله ﷺ يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشر ركعة۔ ❶

رہی یہ بات کہ جن تین دنوں میں آپ نے اول شب پڑھی تھیں ان دنوں میں آخر شب بھی نماز پڑھی ہوگی، یہ تو گیارہ رکعت سے زیادہ ہوگئیں اور اگر نہیں پڑھی ہوگی تو فرمان خداوندی فتهجّد کی تعمیل نہ ہوئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور نے ان دنوں میں نماز تہجد پڑھی ہو مگر چوں کہ تمام عمر کے لحاظ سے تین دن کی مقدار ایسی قلیل ہے جس کی کوئی نسبت ہی نہیں ملتی، اس لئے عائشہؓ نے عام طور پر نفی کر دی کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی زیادہ نہیں پڑھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان تین دنوں میں حضور ﷺ اسی اول شب کی نماز کو تہجد کے قائم مقام قرار دے کر پھر تہجد نہ پڑھی ہو لیکن کسی نماز کا دوسری نماز کے قائم مقام ثواب میں ہو جانے سے ان دونوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا۔ دیکھو جمعہ ظہر کا قائم مقام ہے مگر دونوں ایک نہیں۔ جمعہ کے واسطے کئی ایک شرائط ایسی ہیں جو ظہر کے لئے نہیں۔ حاصل کلام یہ کہ آنحضرت ﷺ نے نماز تراویح اول رات تین روز پڑھی ہے جس سے اس فعل کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چوں کہ نسخ ثابت نہیں اسلئے تراویح کا اول شب پڑھنا بدستور سنت ہے۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۱۲۵۔ ۷۳۸

رہا تعداد رکعت کا سوال سو اس میں اہل حدیث کا کسی سے اختلاف نہیں، کیونکہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے تراویح مع وتر گیارہ رکعت پڑھی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ بیس آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں۔

آج کل مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب تراویح کا باجماعت انتظام ہوا تو صحابہ بحکم امیر المومنین بیس رکعت پڑھتے تھے حالانکہ واقعہ اسکے برخلاف ہے۔ مئوطا امام مالک اور قیام اللیل مروزی میں روایت ہے:

مالك عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد انّه قال امر عمر بن الخطاب ابى بن كعب و تميم الدرمى ان يقوما للناس باحد عشر ركعة۔ ❶

(حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم دارمی کو (تراویح کا امام بنا کر) حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں)

یہ روایت صاف بتا رہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے وہی عدد بحال رکھا جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہوا تھا یعنی معہ وتر گیارہ رکعتیں۔ ہاں ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے:

عن يزيد بن رومان انه قال كان الناس يقومون فى زمان عمر بن الخطاب فى رمضان بثلاث وعشرين ركعةً ۔ ❷

(یزید بن رومان کہتے ہیں کہ لوگ (خود بخود) حضرت عمر کے زمانہ میں معہ وتر تئیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فعل لوگوں کا بطور خود تھا۔ امیر المؤمنین نے تو جماعت کے ساتھ گیارہ رکعتیں ہی مقرر کی تھیں۔

---

❶ مؤطا امام مالک، کتاب الصلاۃ فی رمضان، باب ماجاء فی قیام شہر رمضان، رقم الحدیث: ۲۷۱

❷ مؤطا امام مالک، کتاب الصلاۃ فی رمضان، باب ماجاء فی قیام شہر رمضان، رقم الحدیث: ۲۷۲

بعض لوگ شوقیہ الگ الگ نفل پڑھ لیا کرتے تھے چنانچہ بیس پر بھی قناعت نہ کرتے تھے بلکہ بعض چھتیس معہ وتر انتالیس اور بعض معہ وتر اکتالیس بھی پڑھا کرتے تھے ❶ یہ مزیت بطور نوافل کے تھی۔ نوافل پر کوئی اعتراض یا بحث نہیں۔ بحث صرف یہ ہے کہ تراویح سنت کتنی رکعتیں ہیں؟

اہل حدیث بلکہ بعض حنفیہ کا قول بھی یہی ہے کہ تراویح سنت مع وتر گیارہ رکعتیں ہیں۔ چنانچہ شیخ ابن الہمامؒ جو حنفیہ میں بڑے پائے کے بزرگ گزرے ہیں شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

فحصل من هذا كله ان قيام رمضان سنة احدى عشر ركعة بالوتر فی جماعة فعله عليه السلام۔ ❷

رمضان کی سنت معہ وتروں کے گیارہ رکعت ہیں۔

مختصر یہ کہ سنت تراویح معہ وتر کے گیارہ رکعتیں ہیں جو آنحضرت ﷺ اور حضرت عمر سے ثابت ہیں۔ ❸

کسی صحیح حدیث سے بیس رکعت تراویح پڑھنا حضور ﷺ سے ثابت نہیں۔ جابر کہتے ہیں:

صلى بنا رسول الله فی رمضان ثمان ركعات ثم اوتر۔ ❹

آپ ﷺ نے ہمیں رمضان میں آٹھ تراویح پڑھائیں۔

حضور کے ﷺ زمانہ میں صحابہؓ نے اسی پر عمل کیا جیسے ابیؓ بن کعب ❺ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسی پر عمل رہا کہ وتر سمیت گیارہ رکعت ابیؓ بن کعب اور تمیم داریؓ لوگوں کو پڑھاتے رہے۔ حضرت عمرؓ کے دور میں بیس رکعت پڑھی جانے والی روایت ❻ منقطع ہے۔ ملاحظہ ہوں عمدۃ القاری، نصب الرایہ، فتح القدیر، وغیرہ۔

---

❶ قیام اللیل مروزی۔ ص ۹۱ ❷ فتح القدیر
❸ اہل حدیث کا مذہب۔ ص ۸۸۔۹۳
❹ ابن خزیمہ۔ ابن حبان۔ فتح الباری۔ قیام اللیل۔ تعلیق المجد۔ عمدۃ القاری
❺ دیکھو مسند ابی یعلی۔ مجمع الزوائد ❻ مؤطا مالک کتاب الصلوۃ فی رمضان

طلاق ثلاثہ

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ ایک دفعہ کی تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق ہوتی ہے۔ یعنی عورت مطلقہ خاوند پر حرام نہیں ہوتی بلکہ اگر رجوع کرے تو کرسکتا ہے کیوں کہ حدیث صحیح میں وارد ہے:

کان الطلاق علی عهد رسول الله ﷺ و ابی بکر و سنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلو امضیناه علیهم فامضاه علیهم۔ ❶

(آنحضرت ﷺ اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں بلکہ عمرؓ فاروق کی خلافت کے دو سال تک بھی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ پھر عمر فاروقؓ نے لوگوں کی حالت دیکھ کر کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیتے ہیں جو شرع میں ناپسند ہے، کہا کہ لوگوں نے ایک ایسے کام میں جلدی کی ہے جس میں ان کے لئے ڈھیل منظور رکھی گئی تھی۔ پس اگر ہم ان پر یہ حکم جاری کردیں تو مناسب ہے۔ پس انہوں نے جاری کردیا۔ (کہ جو کوئی ایک دفعہ کی تین طلاق دے گا وہ تین ہی شمار ہوں گی)

اہل حدیث کا کہنا ہے کہ یہ حدیث صاف دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں صحابہ کرام ایسے عظیم احکام اپنے پاس سے ایجاد نہ کرلیا کرتے تھے بلکہ حضرت ﷺ کے ارشاد سے کرتے تھے چنانچہ ابوبکرؓ کے زمانہ میں بھی یہ حکم بدستور رہا یہاں تک کہ عمر فاروق کی خلافت کے دو سال تک بھی یہی حکم تھا۔ پھر جو لوگوں نے ایک ہی دفعہ متعدد طلاقیں دینے کی عادت بنالی جو اگرچہ ایک ہی شمار ہوتی تھیں مگر شرع شریف میں متعدد طلاقیں ایک ہی دفعہ کی دینی ناپسند کی گئی تھیں۔ اس لئے عمر فاروقؓ نے لوگوں کو روکنے کیلئے یہ حکم جاری کردیا کہ جو کوئی تین دے، تین ہی شمار ہوں گی۔ جس سے یہ غرض تھی کہ لوگ یہ دھمکی سن کر ایسی ناشائستہ حرکت سے باز آجائیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ عمر کیا، تمام دنیا میں سوائے پیغمبر ﷺ کے کسی کو منصب شریعت نہیں۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث، رقم الحدیث: ۱۵-۱۴۷۲

پس اب دیکھنا یہ ہے کہ عمر فاروق کا یہ حکم شرعی ہے؟ کچھ شک نہیں کہ شرعی نہیں۔ یعنی ایسا نہیں کہ یہ حکم شریعت کا مسئلہ قرار دیا جائے بلکہ ایک سیاسی حکم ہے، جو حاکم وقت کسی مصلحت سے یا کسی بدنظمی کو بند کرنیکو جاری کردے یا کوئی سزا بڑھادے۔ جیسے حنفیوں کے نزدیک زانی کو جلاوطن کرنا حد زنا سے زائد سیاسی حکم ہے، شرعی نہیں۔ یعنی حاکم کی طرف سے بغرض دفع فساد ہے جو فساد عظیم اگر نہ ہو تو اسکا کرنا بھی چنداں ضروری نہیں۔

اسی حدیث کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۲۹)

یعنی طلاق رجعی دو دفعہ ہے۔ پھر اس سے بعد یا تو خاوند روک لے یا احسان اور سلوک سے چھوڑ دے۔

اس آیت میں صاف مذکور ہے کہ دو طلاقوں کے بعد خاوند کو دو باتوں میں ایک کے کرلینے کا اختیار ہے یعنی وہ عورت کو روک بھی سکتا ہے اور چھوڑ بھی سکتا ہے لیکن درصورت تین طلاقوں کو تین کہنے کے یہ اختیار نہیں رکھ سکتا کیونکہ جب کسی شخص نے ایک ہی دفعہ انت طالق ثلاثا تجھے تین طلاق کہہ دیا، اور تینوں نے اس پر واقع ہو کر عورت کو مغلظہ یعنی حرام کر دیا، ایسا وقت تو کوئی نہ نکلا جس میں خاوند کو اختیار ہو کہ اس کو رکھ سکے، کیونکہ لفظ تو ایک ہی دفعہ منہ سے نکلا ہے۔

گو یہ تقریر اس صورت پر منطبق نہ ہو جس میں انت طالق، انت طالق، انت طالق الگ الگ کہے ہوں، مگر چوں کہ تین کے قائلین دونوں میں برابر حکم لگاتے ہیں۔ اس لئے یہ آیت فی الجملہ ہماری تائید اور ان کی تردید کرتی ہے۔ ❶

صحیح مسلم والی حدیث سے جس کو ہم نے نقل کیا ہے ان تمام حدیثوں اور روایتوں کا جواب ہوسکتا ہے جو تین کے ثبوت کے لئے پیش کی جاتی ہیں جن میں سے بعض تو امامان دین اور صحابہ کے قول ہیں جو مرفوع حدیث نبوی کے مقابلہ پر حجت تو کیا پیش کرنا بھی بے ادبی ہے۔ اور بعض مرفوع احادیث بھی ہیں لیکن نہ تو صحت میں اس حدیث کے برابر ہیں نہ دلالت میں۔ یہ حدیث صحت میں پکی ہے اور اس کی دلالت عبارت النص ہے جو تمام قسم کی دلالتوں سے مقدم ہے۔

---

❶ تفسیر کبیر ملاحظہ ہو

اس حدیث پر اور تو جو کچھ سوالات تھے وہ تھے ہی۔ لیکن فاضل بہاری مصنف الغیاث نے جو سوال کیا ہے وہ بے شک اس قابل ہے کہ سارا نقل کیا جائے۔ وہ یہ ہے:

اس حدیث میں تو مطلقاً تین طلاق کو ایک شمار کرنے کا واقعہ مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق بفم واحد یا بجلسہ واحد یا جلسات متفرق دینے کو لوگ ایک شمار کرتے تھے۔ تین برس خلافت تک حضرت عمرؓ کے تو طلاق مغلظ کی بیخ و بنیاد ہی کٹ جاتی ہے۔ طلاق مغلظہ کوئی باقی نہیں رہتی ہے اور جب تک اس حدیث مذکورہ سے صاف لفظوں میں لفظ بفم واحد یا بجلسہ واحد یا رجعی کا بتلایا نہیں جائے گا۔ دلیل دعوی کے ساتھ منطبق نہ ہوگی۔ دلیل عام سے دعوی خاص ثابت نہیں ہوسکتا ہے۔ دعوی تو یہ ہے کہ تین طلاق بفم واحد یا بجلسہ واحد ایک رجعی ہوگی اور دلیل یہ ہے کہ طلاق ثلاثہ ایک طلاق ہوتی تھی۔ ہرگز دلیل عام سے نتیجہ خاص نہیں نکلنے کا۔

ہاں اگر اس دلیل کو خاص کر دیجیے اور الفاظ محذوف و مقدر مان کر زبردستی نتیجہ خاص نکالنے پر کوئی آستین چڑھائے تو اس کا جواب کیا ہے۔ مگر اہل بصیرت کے نزدیک دلیل کافی نہ ہوگی۔ ❶

پورا مطلب اس عبارت کا تو مصنف ہی نے سمجھا ہوگا مگر جہاں تک ہماری سمجھ رہنمائی کرتی ہے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کو اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کون سی تین طلاقیں آپ ﷺ کے زمانہ میں ایک شمار ہوتی تھیں انت طالق ثلاثا والیں یا انت طالق، انت طالق، انت طالق والیں۔ یا تین طہروں والیں جو الگ الگ دی جاتی تھیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ تیسری شق چھوڑ کر باقی دونوں صورتوں میں ایک ہوتی۔ کیونکہ تیسری شق ایسی صورت میں تین طلاقیں جو الگ الگ طہروں میں دی جائیں۔ یہ تو قرآن کی صریح آیت سے سمجھ میں آتی ہیں۔ پھر ان کو بھی حدیث مذکور میں داخل کرنا یا داخل سمجھنا گویا صحابہ کی جناب میں بلکہ خود سرور کائنات ﷺ کے حضور میں بے ادبی ہے کیوں کہ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ انہوں نے اس حکم قرآنی کو نہیں سمجھا تھا۔ بلکہ تمام عمر اس کے خلاف کر کے طلاق مغلظہ کی بیخ و بنیاد ہی اٹھا دی تھی۔

---

❶ الغیاث۔ ص ۴۶

اگر عمر فاروق توجہ نہ کرتے تو شائد طلاق مغلظہ جو قرآن میں موجود تھی دنیا میں وجود پذیر ہی نہ ہوتی (چہ خوش) حالانکہ عمر فاروق خود قائل ہیں کہ لوگوں نے ایک ایسے امر میں جلدی کی ہے جس میں ان کیلئے ڈھیل مدنظر رکھی گئی تھی یعنی تین طلاقیں متفرق طور پر واقع کرنے کا انکو حکم تھا جو یہ ایک مجلس میں دے دیتے ہیں۔

علاوہ اس کے مصنف موصوف کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ دلیل عام سے دعوی خاص ثابت نہیں ہوتا کیونکہ عام کے دو معنی ہیں۔ ایک معقولی عام ہوتا جسے کلی کہتے ہیں۔ ایک اصولی عام مستلزم خاص کو ہوتا ہے۔ خاص کر حنفیوں کے مذہب میں جو عام اور خاص کو دلالت میں مساوی الاقدام مانتے ہیں۔ یہاں اگر عام ہے تو اصولی عام ہے جو خاص مستلزم ہے جیسا کہ ﴿اقتلوا المشرکین﴾ زید مشرک کو بھی شامل ہے۔

اسی قسم کے اور بھی کئی ایک سوال ہیں جن کے جوابات معہ مزید تحقیق اس مسئلہ کے زادالمعاد اور نیل الاوطار وغیرہ میں مل سکتے ہیں۔

❁ جناب سلطان احمد اصلاحی [1] کہتے ہیں:

ہندوستان کے موجودہ حالات میں مصلحت اس کی متقاضی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک ہی تسلیم کیا جائے۔ ضرورت کے تقاضے سے اگر مفقود الخبر کے مسئلہ میں مالکیہ کے مسلک پر شرح صدر کے ساتھ عمل کیا جا رہا ہے تو اسی طرح کی ضرورت سے اگر اس مسئلہ میں مسلک اہل حدیث کو اختیار کر لیا جائے تو یہ کوئی گناہ اور کسی جرم کا ارتکاب نہیں ہوگا۔ حلالہ کا حیلہ شرعی آج کے تنقیدی اور سوالیاتی دور میں اس دین کی بدنامی کا باعث ہے۔ اس برائی کے ارتکاب سے بہت بہتر ہے کہ امت کے ایک معتبر فقہی دھارے کی رخصت اور رعایت سے فائدہ اٹھا لیا جائے۔ اس حوالہ سے مرحوم مولانا عثمانی (مدیر تجلی دیوبند) کا ایک اشکال یہ تھا کہ مسلمان عورت کے لئے یہ رحمت کے بجائے زحمت کا باعث ہوگا۔ جس ظالم شوہر سے اسے ایک جھٹکے میں نجات مل گئی تھی اس صورت میں اسے مزید دو طلاقوں کا حق حاصل ہو جائے گا۔ اور وہ بدستور اس کے چنگل میں پھنسی رہے گی۔ لیکن یہ اشکال کچھ جاندار نہیں۔

---

[1] ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڈھ

اس طرح کے ظلم کی شکار تو کوئی عورت طلاق کی زد میں آئے بغیر بھی ہوسکتی ہے۔ خلع کے جس اہتمام سے اس امکانی زیادتی کا سد باب ہوسکتا ہے ایک طلاق کی زد میں آئی عورت کے لئے بھی اس کا دروازہ اسی طرح کھلا ہوگا۔ امت کا قضاء اور افتاء کا نظام متحرک ہو تو وہ مسلمان معاشرے کی اس طرح کی خرابیوں پر قابو پانے کے لئے کافی ہے۔ حلالہ کے ایک نسخے پر ہی اصرار ضروری نہیں ہے۔ ❶

مفقود الخبر کی بیوی کا حکم

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ کہتے ہیں:

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ مفقود الخبر (جس کی کوئی خبر نہ ہو، کہاں ہے؟، زندہ ہے یا مردہ؟) کی بیوی چار سال کے بعد چار ماہ دس روز عدت گزار کر نکاح ثانی کر لے۔ یہی مذہب امام مالکؒ اور شافعیؒ کا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہی حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے اس کو ان لفظوں میں روایت کیا ہے:

امرأة المفقود تربص اربع سنین ثم تعتد اربعة اشهر وعشراً۔ ❷

مفقود الخبر کی بیوی چار سال کے بعد چار ماہ دس دن عدت گزار کر نکاح کر لے۔

حنفیہ اس کے خلاف ہیں۔ پھر ان میں کوئی تو اس کی میعاد نوے برس بتلاتا ہے کوئی ایک سو بیس برس۔ کوئی کہتا ہے کہ جب اس کے خاوند کے ہم عمر عموماً مر جائیں۔ تو نکاح کرنا جائز ہے۔ مگر اس مسئلہ کی قوت ثبوت اور عورت کی قابل رحم حالت نے بہت سے محققین حنفیہ کو اس بات پر مجبور کیا ہے کہ وہ اہل حدیث کے ہم صفیر اور متفق الرائے ہوں۔

صاحب ردالمختار جو فقہاء حنفیہ میں بڑے پائے کے متبحر فقیہ ہیں۔ باب المفقود میں صاف اقراری ہیں کہ بوقت ضرورت امام مالک کے مذہب پر فتوی دینا جائز ہے۔ ہندوستان کے علماء حنفیہ کے فخر مولوی عبدالحی لکھنوی نے تو بڑے ہی زور سے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ چوں کہ آپکی ساری تقریر دل پذیر ہے اسلئے شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایۃ سے نقل کی جاتی ہے۔ مولانا موصوف بعد ذکر کرنے دلائل فریقین کے اور قابل رد کو رد کر کے فرماتے ہیں:

---

❶ علوم الحدیث۔ طبع نومبر ۱۹۹۹ء ص ۲۲۶۔۲۲۷ ❷ مئوطا امام مالک

و بعد اللتيا والتى فقول قد صرح جمع من اصحابنا كصاحب جامع الرموز وصاحب الدر المنتقى شرح الملتقى وصاحب رد المختار وغيرهم بانه لو افتى حنفى فى هذه المسئلة بقول مالك عند الضرورة لاباس به وعلى هذا عملى حيث افتيت غير مرة بقول مالك زعما منى انه اقوى من حيث الدليل ومع قطع النظر عنه تقليد مذهب الغير جائز عند الضرورة اتفاقا ولست بمتفرد فى ذالك بل وافقت فيه جمعا من الحنفية ولقد عارضنى فيه جمع من افاضل عصرى فدفعت شبهات بعضهم وسكت عن جواب بعضهم علماً منى انهم لم يصلوا الى ماوصلت فهم معذورون وفى بحارجمود التقليد والتعصب مغمورون۔ ❶

(ہمارے اصحاب (حنفیوں) میں سے ایک جماعت جیسے مصنف جامع الرموز اور مصنف درالمنتقی اور مصنف ردالمختار وغیرہ نے صاف لکھا ہے کہ اس مسئلہ (مفقود الخبر) میں اگر امام مالکؒ کے مذہب پر ضرورت کے وقت فتوی دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ پھر فرماتے ہیں میرا عمل بھی اسی پر ہے۔ میں (عبدالحی) نے کئی دفعہ امام مالک کے قول پر فتوی دیا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اس کی دلیل قوی ہے اور قطع نظر اس کے غیر امام کے مذہب کی تقلید ضرورت کے وقت سب کے نزدیک جائز ہے۔ پھر فرماتے ہیں میں اس میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ حنفیوں میں سے ایک جماعت میرے ساتھ موافق ہے۔ پھر فرمایا میرے زمانہ کے بعض علماء نے اس امر میں مجھ سے کچھ تکرار کی تو میں نے بعض کے شبہات تو رفع کر دیئے اور بعض سے میں خود ہی خاموش رہا کیونکہ میں جانتا تھا کہ ان کا مبلغ علم اتنا نہیں اور یہ وہاں تک نہیں پہنچے جہاں میں پہنچا ہوں۔ پس وہ معذور ہیں اور تقلید کے بھنور میں گرفتار)

اہل حدیث کے مسلک کے خلاف ایک حدیث اور ایک قول حضرت علیؓ کا نقل کیا جاسکتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

❶ عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ

امرأة المفقود امرأته حتی یاتیها البیان ۔

یعنی مفقود الخبر کی عورت کو جب تک خاوند کی خبر نہ آئے اسی کی عورت ہے ۔ (یعنی نکاح ثانی نہیں کرسکتی)۔

مگراس حدیث کوتمام محدثین نے ضعیف بلکہ اضعف لکھا ہے❶ اور حضرت علیؓ کے قول کا جواب یہ ہے کہ اول تو ایسے مسائل اجتہادیہ میں صحابی کا قول جو قیاس کے موافق ہو حجت نہیں۔ خاص کر ایسی صورت میں کہ خلیفہ دوم جیسے جلیل القدر صحابی کا فیصلہ اس کے خلاف ہو۔ دوم یہ کہ حضرت علیؓ نے خود اس قول سے رجوع کیا۔ اور حضرت عمر کے فیصلہ پر عمل کیا ہے۔ دیکھو زرقانی شرح مئوطا۔

علاوہ اس کے اصولی طور سے اس پر ایک سخت اعتراض وارد ہوتا ہے جو مولانا عبدالحیؒ کے لفظوں میں لکھا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

و مما یرد فی هذا المقام علی اصحابنا ان قول الصحابی فیما لا یعقل بالرائی فی حکم المرفوع فیقدم علی غیره و من المعلوم ان اثر عمر و غیره یخالف القیاس فیکون مرفوعاً حکماً فلابد ان یؤخذ به و یقدم علی اللآثار الموافقة للقیاس و علی القیاس۔❷

ہمارے اصحاب (حنفیوں) پر یہ اعتراض ہے کہ صحابی کا قول کسی ایسے امر میں جو عقل اور اجتہاد سے نہ سمجھا جائے بلکہ شریعت کی تفہیم پر موقوف ہو، حکماً مرفوع ہوتا ہے یعنی اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ گویا آنحضرت ﷺ ہی نے فرمایا ہے پس وہ دوسرے اقوال پر (جو ایسے نہ ہوں یعنی قیاس کے موافق ہوں یا قیاس سمجھے جاسکتے ہوں) مقدم کیا جاوے گا۔ جب یہ اصول مقرر ہے تو اس میں شک نہیں کہ عمر وغیرہ کا قول (کہ مفقود الخبر کی عورت چار سال تک انتظار کرے) قیاس کے خلاف ہے جو یقیناً مرفوع کے حکم میں ہوگا۔ پس واجب ہے کہ اسی پر عمل کیا جاوے اور جو اقوال صحابہ کے اس بارے میں موافق ہوں (کہ عورت مذکورہ ہمیشہ تک اس کی بیوی ہے) ان کو بھی اور قیاس کو بھی چھوڑ دیا جائے۔

---

❶ دیکھو تخریجات۔ ہدایہ۔ زیلعی۔ عسقلانی وغیرہ ❷ حاشیہ شرح وقایۃ کتاب المفقود

۞ جناب رشید احمد گنگوہی کا بھی یہی فتوی ہے جو درج ذیل ہے:

زوجہ مفقود الخبر کے بارے میں بے شک علماء حنفیہ نے بوجہ ضرورت امام مالک کے قول پر فتوی دیا ہے اور عمل بھی کیا ہے اور بندہ بھی بنا بر ضرورت اس مذہب پر عمل کرنا جائز جانتا ہے۔فقط۔ واللہ تعالی اعلم ۔ بندہ رشید احمد گنگوہی ۔ ❶

یہی مذہب اہل حدیث کا ہے۔ ❷

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ نے یہی مسئلہ اپنے رسالے معقولات حنفیہ میں بھی بیان کیا ہے۔اوراحناف کا مسلک یوں بیان کیا ہے:

کوئی عورت قاضی وقت کی خدمت میں درخواست کرے کہ میرے گم شدہ خاوند کی عمر ۱۲۰ سال ہوگئی ہے ۔ اور وہ ایک عرصہ سے گم ہے ۔ میرا نکاح فسخ کیا جائے ۔تو اس پر بعد ثبوت دعوی مدعیہ اس کا نکاح ناکح مذکور سے فسخ کیا جاوے اور وہ تاریخ فیصلہ سے چار ماہ دس روز عدت وفات گزار کر جدید ناکح سے نکاح کرسکتی ہے۔ ہدایہ میں ہے

واذا تم له مأة وعشرون من يوم ولد حكمناه بموته هذا رواية الحسن عن ابى حنيفة۔ ❸

(یعنی مفقود کی عمر جب ۱۲۰ سال تک پہنچ جائے تو ہم اس کی موت کا حکم لگائیں گے)

واذا حكم بموته اعتدت امرأته عدة الوفات من ذالك الوقت ۔ ❹

(جب اس کی موت کا حکم لگ جائے تو اس وقت سے اس کی عورت عدت وفات گزارے)

۞ جناب محمد اشرف علی تھانویؒ نے ایسی مظلومہ کی نجات کے لئے الحیلة الناجزہ لکھی۔ جس میں لکھا۔حنفیہ کا مذہب از روئے دلیل قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے۔ ❺

---

❶ فتاوی رشیدیہ ج ۲ ص ۱۶۰ ❷ اہل حدیث کا مذہب۔ص ۹۸۔۱۰۱

❸ کتاب المفقود، ھدایہ ❹ کتاب المفقود، ھدایہ

❺ حیلہ ناجزہ۔ص ۵۰

اور ساتھ ہی لکھا:

فقہاء حنفیہ میں سے بعض متاخرین نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر کرتے ہوئے اس مسئلہ میں حضرت امام مالکؒ کے مذہب پر فتوی دے دیا۔ ایک عرصہ سے ارباب فتوی اہل ہند و بیرون ہند تقریباً سب نے اس قول پر فتوی دینا اختیار کرلیا ہے اور یہ مسئلہ اس وقت ایک حیثیت سے فقہ حنفیہ میں داخل ہو گیا۔ ❶

جناب امرتسریؒ کہتے ہیں کہ جناب تھانویؒ نے حکمت عملی سے فتوی مالکی کو فقہ حنفیہ میں داخل کر کے مظلوم عورت پر قدرے التفات فرمایا۔ مگر ایک طریق سے اس کو قید تنہائی میں بلا وجہ بند رکھنے کی عجیب تجویز فرمائی کہ عورت قاضی کے پاس فسخ نکاح کی درخواست کرے۔ قاضی مفقود خاوند کی تلاش کرائے۔

جب قاضی تلاش میں ملنے سے مایوس ہو جائے تو عورت چار سال تک مزید انتظار کرے ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گزار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔ ❷

یعنی کسی عورت کا خاوند دس سال سے گم ہے، آج وہ قاضی کے پاس جا کر مرافعہ کرتی ہے۔ قاضی اس کے نا کح کا اور اس کے گم ہونے کا اور نان ونفقہ نہ چھوڑ جانے کا ثبوت لے کر اشتہار دے گا۔ اس سارے کام میں کم سے کم چھ ماہ تو لگیں گے۔ اس کے بعد مایوس ہو کر عورت کو چار سال بیٹھنے کا حکم ہوگا۔

پھر جناب تھانوی لکھتے ہیں:

یہ حکم مذکور (فتوی چار سال والہ) تو دارالاسلام میں تھا اور دارالحرب میں زوجہ مفقود کا جمہور مالکیہ کے نزدیک تو وہی حکم ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے، یعنی جب تک اس کے ہم عمر لوگ زندہ ہیں اس وقت تک اس کی بیوی کے لئے اس کے نکاح سے جدا ہونے اور دوسرا نکاح کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ ❸

---

❶ ❷ حیلہ ناجزہ۔ص ۵۰

❸ حیلہ ناجزہ۔ص ۵۳

✿ ادھر حیدر آباد دکن میں بحکم سرکار، علماء کرام نے ایک مسودہ قانون شائع کیا جو بذریعہ رسالہ ترجمان القرآن حیدر آباد ہمارے (ثناء اللہ) کے پاس پہنچا۔ اس میں لکھا ہے:

جب شوہر اپنے مکان سے چلا جائے اور لا پتہ ہو اور اس نے اپنی زوجہ کے نان ونفقہ کا انتظام نہ کیا ہو اور زوجہ کی طرف سے دعوی تفریق پیش ہو، تو محکمہ قضاء ثبوت فقدان و عدم کفالت نان ونفقہ و عدم نشوز کے متعلق مفقود الخبر کی زوجہ سے حلف لینے کے بعد حسب ذیل مضمون کے تین اشتہار تین ماہ تک شائع کرے گا۔

چوں کہ فلاں شخص اتنے عرصہ سے لا پتہ ہے اور اس نے اپنی زوجہ مسمات فلاں کی نہ خبر گیری کی اور نہ اس کے نان ونفقہ کا کچھ انتظام کیا، لہذا وہ جلد سے جلد اپنی قیام گاہ اور صحیح پتہ سے محکمہ ہذا کو اطلاع دے اور اپنی زوجہ مسماۃ فلاں کی شکایت رفع کر دینے کا مناسب انتظام کر دے ورنہ حسب احکام امام مالک اس کا نکاح فسخ کر دیا جائے گا۔ ❶

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ کہتے ہیں کہ جو وجہ امام مالکؒ کے مذہب کی مسودہ میں بیان کی گئی ہے، خود تشریح طلب ہے۔ چنانچہ اس قانون کے ماتحت کوئی عورت دو سال انتظار کر کے دعوی کرے اور کفالت (نان ونفقہ) نہ ہو تو قاضی فوراً فسخ نکاح کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عورت مذکور چند روز کے بعد آزاد ہو جائے گی اور اگر کفالت ہے تو گزشتہ مدت کے علاوہ چار سال آئندہ گزار کر آزاد ہوگی۔

ہمارے خیال میں جتنے اصحاب نے اس مضمون پر قلم اٹھایا ہے انہوں نے امام کے قول کا مبنی شائد ملاحظہ نہیں کیا۔ امام مالکؒ کے قول کی بنا امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروق کے فیصلہ پر ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

مالك عن يحى بن سعيد عن سعيد بن المسيب ان عمر بن الخطاب قال ايما امرئة فقدت زوجها فلم تدر اين هو، فانها تنتظر اربع سنين ثم تعتداربعة اشهر وعشراً ثم تحل۔ ❷

---

❶ ترجمان القرآن۔ حیدر آباد، ص ۴۳۰۔ جمادی الاخری ۱۳۵۴ھ

❷ مؤطا امام مالک، کتاب الطلاق، باب عدة التي تفقد زوجها، رقم الحديث: ۱۳۲۶

(حضرت عمرؓ نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ جس عورت کا خاوند گم ہو جائے یعنی کچھ معلوم نہ ہو کہ کہاں ہے، وہ چار سال انتظار کر کے چار ماہ دس روز عدت وفات پوری کر کے نکاح ثانی کر لے)۔

اس فاروقی سرکلر کی بنا دراصل قرآنی ارشاد ہے

﴿عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (النساء:۱۹)

﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا﴾ (البقرۃ:۲۳۱)

ان دو آیتوں کے اندر ساری دنیا کے انتظامی دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عورتوں سے رپورٹ حاصل کی کہ عورت خاوند کے بغیر کتنی دیر صبر کر سکتی ہے۔ جواب ملا چار مہینے تک۔ پس آپ نے امراء فوج کو حکم بھیج دیا کہ کسی کو چار ماہ سے زیادہ گھر (بیوی) سے دور نہ رکھا جائے۔ یعنی حضرت عمرؓ نے چار ماہ سے زیادہ مدت کو موجب ضرر قرار دے کر مذکورہ سرکلر جاری کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کہ اس فاروقی سرکلر میں کفالت و عدم کفالت میں کوئی فرق نہیں۔ نہ ابتدائے فقدان زوج اور ارجاع مقدمہ میں فرق ہے۔ بلکہ صرف اتنا مذکور ہے کہ عورت کو حکم دیا ہے کہ تاریخ گم شدگی خاوند سے چار سال تک خاوند کی واپسی کا انتظار کرے۔ اس کے بعد اس کو مردہ سمجھ کر عدت وفات گزار کر نکاح کر لے۔ قاضی سے فیصلہ کرانے کی ضرورت ہی نہیں۔ پنچایت میں خاوند کی گم شدگی کا حال سنا کر وہ فسخ نکاح کا اعلان کر دے اور بہ ثبت تاریخ حاضرین مجلس دستخط کر دیں اور بس۔

استحسان فقاہت

قال اللہ سبحانہ و تعالیٰ:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ﴾ (التوبۃ:۱۲۲)

یعنی از ہر فرقہ یک طائفہ را باید کہ غور و تامل کنند در دین۔ ایں آیت نص است در امر فقاہت و ہم چنیں بسیارے از آیات و احادیث دریں باب وارد گشتہ ... و فقاہت در دین عبادت است از استخراج احکامے موافق رضائے پروردگار کہ در قرآن و حدیث مصرح واقع نشدہ مثل غلامے کہ از حضور باشی آقائے خود استماع احکام و انجام کار در مدتے مرضی دان و

طبیعت شناس گشتہ و پایہ اش بجائے رسیدہ کہ اگر مولایش از پیش خود جدا مے کند و در غیبت آں کارے چنیں دارد میشود کہ حکم آں از زبان آقائے خود نشنیدہ ہر آئینہ بسبب طبیعت شناسی سر انجام آنکار موافق رضائے مولی تواند کرد وایں چیزیست جلیل القدر و از ضروریات دین و آں مرضی دان بحضور خداوندگار قدر و وقار و عزت و اعتبار دارد...

و از فقاہت است فہمیدن مدارج اوامر و نواہی مثل فرض و واجب و سنن و نوافل و مستحب و مباح و حرام و مکروہ وغیرہ ذالک۔ و بغیر دریافت مدارج احتمال قوی است کہ سر رشتہ تابعداری حق جل وعلا بالکل از دست بعض اشخاص گسستہ شود کہ بر تمام اوامر و نواہی دست ہمت دراز کر دن کار ہر شخص نیست۔ لابد ضروری را از غیر ضروری تمیز دادہ بقدر تحمل نفس ضروریات را اختیار خواہد نمود و از فقاہت فی الدین عمدہ است دانستن حقائق و اسرار شرائع اما ایں طائفہ را فقہاء نمی نامند بلکہ علم حقائق و اسرار را باعث علو شانش فن جداگانہ قرار دادہ اند......

و از فقاہت است تامل در محاورات کلمات مثل حقیقت و مجاز یا تشدید و تغلیط و ترغیب و ہمیں طور اکثر امور اند کہ ایں مقام تنگ گنجائش آن نمیدار و و آثار فقاہت فی الدین یافتہ میشوند در امام ابی حنیفہ و امام شافعی و ابن حنبل و مالک و اکثر اتباع شاں شکر اللّٰہ مساعیھم در اوائل زمانہ ہنوز تدوین احادیث نشدہ بود ایں بزرگان از جا بجا تحقیقات حدیث کردہ مسائل استخراج می نمودند و در جمع نمودن احادیث و اسانید آن کوشش ہائے بلیغ مے فرمودند بایں وسیلہ وجاہت و مرتبت وافر بحضور مولائے خود پیدا نمودند لابد محبت ایشاں در خاطر عقیدت مآثر خود باید داشت و پیروان ایشانرا از مقبولان بارگاہ الٰہی باید شمرد و مردمان چند بر آمدہ اند دل مردہ و از ظاہر پئے بمبنی .... اوقات عزیز خود را در تحصیل دنیا برباد دادہ و پائے ہمت در میدان تامل نہ نہادہ بطور دزدان نظر ہر کیسہ ہر آشنا و نا آشنا مے اندازند و کورانہ دست بر شانہ ہر عاقل و دیوانہ مے گزارند دیدن قرآن و حدیث و تامل دراں بالکل موقوف نمودند و ہر سخنے کہ در کتاب نوشتہ می بینید خواہ موافق قرآن و حدیث باشد خواہ مخالف بی تکلف قائل آن میشوند بعضے از ایشاں قرآن و حدیث را مطلقاً نمی بینند و بعضے اگر می بینند بمعنی آں تامل نمی کنند و بعضے اگر تامل می کنند فکر در نصائح و اخبار قیامت و برزخ و ترک دنیا و مثل آں می کنند۔

اما استنباط احکام را مفروغ عنہا شمردہ ہر گز قصد تامل دراں نمی نمایند و اگر احیاناً حکمے در

قرآن وحدیث خلاف کتب مقصد خود ہامے یا بند بعضے قرآن وحدیث را تاویل کرد، موافق از کتب می نمایند و نمے فہمند کہ مقصود اصلی اتباع قرآن وحدیث ست بعضے چشم پوشی و گریز نیز از آں مقام اختیار مے کنند از حال ایں چنیں فقہاء مخبر صادق خبر دادہ۔

((رب حامل فقه غير فقيه)) (مشكوة) معاذ الله عن كل ذالك عياذاً كثيراً [1]۔

(ترجمہ) اللہ سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا۔ کیوں نہیں نکلی ان سے ایک جماعت تاکہ دین میں سمجھ حاصل کریں۔ پھر ہر فرقے میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو دین میں سمجھ بوجھ پیدا کریں۔ یہ آیت فقاہت کے حکم پر واضح دلیل ہے۔ اس مضمون کے سلسلے میں اسی قسم کی اور بہت سی آیات واحادیث آئی ہیں۔ فقاہت سے مراد یہ کہ ایسے مسائل واحکام کا اللہ کی مرضی کے مطابق استنباط کرنا جن کا قرآن وحدیث میں صراحۃً ذکر نہیں ہے۔ اس کو ایک غلام کی مثال کے ذریعے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے آقا کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رہنے اور احکام سننے اور کام انجام دینے کی وجہ سے اپنے آقا کا طبیعت شناس اور مرضی دان ہو جاتا ہے اور اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر اسے اپنے آقا کی عدم موجودگی میں کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جس کے متعلق اس نے اپنے آقا کی زبان سے کوئی حکم نہ سنا ہو تو بلاشبہ وہ اپنے آقا کا طبیعت شناس اور مرضی دان ہونے کے باعث اس معاملہ کو اپنے آقا کی پسند کے موافق انجام دے سکے گا۔

یہ چیز فقاہت ایک عظیم الشان اور اہم چیز ہے اور دین کی ضروریات میں داخل ہے۔ اور خدا اور رسول کا مرضی دان خدا تعالی کے حضور میں قدر اور وقار رکھتا ہے۔ اور اوامر ونواہی کے مراتب ومدارج کو سمجھنا بھی فقاہت میں شامل ہے جیسے فرض، واجب، سنن، نوافل، مستحب، مباح اور حرام ومکروہ وغیرہ۔ ان مراتب ومدارج کو معلوم کئے بغیر قوی احتمال اس بات کا ہے کہ بعض لوگوں کے ہاتھ سے اللہ تعالی کی فرماں برداری کا رشتہ بالکل ہی چھوٹ جائے، کیونکہ تمام اوامر ونواہی پر کاربند ہونے کیلئے عزم وہمت کی ضرورت ہے اور یہ ہر شخص کے بس میں نہیں ہے۔

---

[1] عمل بالحدیث۔ ولایت علیؒ صادق پوری

لا محالہ انسان ضروری کو غیر ضروری سے الگ کر کے نفس کی برداشت کے مطابق ضروریات کو اختیار کریگا۔ شرعی امور کے حقائق و اسرار کو جاننا بھی بہترین فقاہت ہے۔ لیکن اس گروہ کو فقہاء نہیں کہا جا سکتا بلکہ حقائق و اسرار کے علم کو اس کی جلالت شان کے پیش نظر ایک الگ فن قرار دیدیا گیا ہے۔ کلام عرب کے محاورات میں حقیقت و مجاز اور تشدید و تغلیظ اور ترغیب کے لحاظ سے غور و فکر کرنا بھی فقاہت کا حصہ ہے۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے امور ہیں۔

فقاہت کی علامات امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام مالکؒ اور ان کے اکثر و بیشتر متبعین میں پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالی ان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ شروع زمانہ میں جبکہ ابھی احادیث کی جمع و تدوین مکمل نہیں ہوئی تھی یہ بزرگ حدیثوں کی تحقیقات کر کے ان سے مسائل نکالتے تھے۔ حدیثوں اور ان کی اسناد کو جمع کرنے میں بڑی بڑی کوششیں فرمائی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں نے اللہ کے حضور میں قدر و منزلت کا نام و مقام حاصل کر لیا۔ ان لوگوں سے محبت و شیفتگی دل میں ضرور رکھنی چاہیے اور ان کے متبعین کو بارگاہ الہی کے مقبول لوگوں میں شمار کرنا چاہیے۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مردہ دل ہوتے ہیں جن کی نظر ظاہر سے تجاوز کر کے معنی تک نہیں پہنچتی۔ وہ اپنے قیمتی اوقات کو دنیا حاصل کرنے میں ضائع و برباد کرتے ہیں۔ وہ غور و فکر کے میدان میں ہمت کا قدم نہیں رکھتے۔ چوروں کی طرح ہر آشنا و نا آشنا کی جیب پر نظر رکھتے ہیں۔ ہر عقلمند اور دیوانے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ قرآن و حدیث کا مطالعہ اور ان میں غور و فکر بالکل ترک کر دیتے ہیں اور جو بات کسی کتاب میں لکھی دیکھتے ہیں، وہ چاہے قرآن و حدیث کے موافق ہو یا مخالف، جھٹ اس کو مان لیتے ہیں۔ ان میں سے کئی ایسے ہیں جو قرآن و حدیث کو دیکھتے تک نہیں۔ اور بعض جو دیکھنے کا تکلف کرتے ہیں ان کے معنی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور کچھ لوگ غور و فکر بھی کرتے ہیں تو نصائح میں یا پھر قیامت و برزخ اور ترک دنیا وغیرہ کی روایات و احکام میں، لیکن شرعی احکام استنباط کو یہ سمجھ کر کہ اس سے فراغت حاصل ہو چکی ہے غور و فکر کے ساتھ قطعاً متوجہ نہیں ہوتے۔ اگر کبھی قرآن و حدیث میں اپنی اعتقادی کتابوں کے خلاف حکم پاتے ہیں تو بعض لوگ قرآن و حدیث کے ظاہری معنی میں ہیر پھیر کر کے اپنی کتابوں کے موافق بنا لیتے ہیں۔ وہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اصلی مقصود تو قرآن و حدیث کی تابعداری ہے۔ بعض لوگ ایسے مقام پر گریز اور چشم پوشی کی راہ اختیار کرتے

ہیں۔ایسے ہی فقہاء کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((رب حامل فقه غير فقيه)) ❶

تقلید کا محل جواز وعدم جواز

باید دانست کہ انسان اگر عامی باشد و بسبب مشاغل دیگر از نوشت وخواند دور اند واکتفا بر دریافت از علماء نماید برائے آں مناسب ایں ست کہ از علمائے محدثین و دیندار کہ در دیانت و خوف خدا و دانست قرآن وحدیث مشہور شدہ باشند سوال نماید بایں طور کہ مارا دریں مسئلہ طور محمدی تعلیم نمائید و اگر مرد طالب علم ست وشوق تحصیل علوم در دل دارد مناسب ایں ست کہ اول قرآن وحدیث بخواند بعد ازاں بکتب دیگر نظر ہمت کمارد تا آئینہ دار ظاہر شود کہ رای کدام بزرگوار در کدام جا صواب یافتہ و کجا روئے قطار دیدہ بس ہر مسئلہ کہ مصرع بقرآن وحدیث یابد دراں تقلید ہیچ مجتہد نکنند کہ در مصرحات اجتہاد را دخل نیست در حدیث است از سرور کائنات ﷺ کہ حضرت معاذ را میفرمودند کہ چہ خواہی کرد در آں وقت کہ کارہا در غیبت من بر تو حاضر خواہند شد عرض نمود کتاب اللہ را معائنہ خواہم نمود فرمود کہ اگر دران یافتہ نشود چہ تدبیر ست گفت سنت رسول اللہ ﷺ را تفحص خواہم نمود فرمود کہ اگر دران ہم نیابی عرض نمود کہ رائے خود را دخل دادہ اجتہاد خواہم کرد حضرت ﷺ دلشاد گشتہ تحسین وآفرین فرمود۔

معلوم شد کہ تا وقتیکہ حکم در قرآن وحدیث مصرح وظاہر یافتہ شود اجتہاد را دخل نباید داد خلاف آن اگر در کتب مجتہدین برآید ازاں چشم پوشی نمودہ دست آویز باقرآن وحدیث ضرور ست وگرنہ نسخ قرآن وحدیث از قول مجتہدین لازم خواہد آمد ابی حنیفہ کہ سرقافلہ راہرواں طریقہ اجتہاد بود ازاں دو قول مروی ہستند کہ خانہ دین را حکم دو ستون اعظم دارند اول آنکہ اگر قول مرا مخالف حدیث بیابید بدیوار برنید صاف معلوم گشت کہ در مخالفت حدیث اقوال مجتہدین شنیدن راہ خروج از دائرہ تقلید آں امام پیمودن است ہرگز مرتکب ایں کار حنفی نیست۔

---

❶ مسند احمد ۱/۴۳۶ سنن ابو داؤد، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم، رقم الحدیث ۳۶۶۰
(عمل بالحدیث۔ولایت علی صادقپوری۔ترجمہ ابوبکر صدیق)

دوم آنکہ جائز نیست کسے راعمل نمودن بقول من تا آنکہ نداند کہ ایں سخن از کجا گفتہ ایم معلوم میشود کہ برقول آں امام بے محابا تمسک نمودن وفکر در دلائل و وجوہ قیاس نمودن ہرگز مرضی آں امام نیست وآں امام در دنیا از فرمودن ہمیں دو قول بروز قیامت از مئوا خذہ الٰہی نجات خواہد یافت:

﴿إِن كُنتُ قُلْتُهُۥ فَقَدْ عَلِمْتَهُۥ ۚ تَعْلَمُ مَا فِى نَفْسِى وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِى نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ ٱلْغُيُوبِ﴾ (المائدہ:۱۱۶)

ومقلدان بے معنی گرفتار خواہند ماند نمی بینی کہ شاگردان آئمہ راچوں از قول اساتذہ اطمینان قلب حاصل نگشتہ دامن خود ازاں مقام برداشتہ رفتند۔ امام محمد راایں قدر خلاف از امام اعظم ست کہ آنرا اگر مذہب علیحدہ گویند بجاست۔ ومتاخرین چہ قدر اقوال متقدمین را ساقط نمودہ اند وغرض ایں است کہ در ساقط نمودن قولے کہ مخالف حدیث وقرآن باشد باکے نہ کنند وعلمائے بسیار بایں معنی تصریح وتاکید نمودہ اند جائے تنگ گنجائش بیان ہمہ ندارد وعلاوہ ازیں احادیث مستند ہستند واقوال مجتہدین غیر مستند یعنی تحقیق حال رواۃ وثقاہت واشتہار شاں از شرائط ذکر ست واقوال مجتہدین کہ مذکور می کنند سند آں ذکر نمی کنند از آئمہ کدام شنید وازاں کدام روایت مے کند واحوال راویان چیست تا سند قول موافق شرائط مذکور نگردد آن قول چہ اعتبار دارد وچہ داند کس کہ ایں قول امام ست یا کسے دیگر بربستہ چنانکہ بعض ناداناں نقلہائے وسواس محض افتراء منسوب بامام اعظم مے کنند بگماں ایں کہ مرد ماں اوشانرا کمال متقی معلوم کنند بعضے برگان حال ایں چنیں مقلدان را بیان مے کنند۔

تقلید دوسہ مقلد بے معنی بدنام کند نام جوانمردان را واگر سند از امور ضروری نیست پس در سند احادیث چرا تکلیف بے فائدہ برداشتند؟ دیگر اینکہ علماء جملہ متفق اند کہ مجتہد گاہے رائے او خطا مے کند وگاہے برصواب میباشد پس ظاہر گشت کہ در مقابلہ احادیث کہ مستند وکلام معصوم ست قولے کہ غیر مستند باشد واحتمال خطا دارد مسموع نخواہد شد۔

وجہ عدم اتفاق در بعضے احادیث واقوال مجتہدین است بگوش ہوش باید شنید مجملاً دریں مقام تنگ بیان مے کنم کہ بعد از جناب رسالت مآب ﷺ احادیث در اذہان و برزبان ثقات بودند مرد ماں بخوف فراموشی ووضع وتحریف مصروف بجمع آں در کتب شدند چنانچہ ہریک

از آئمہ مجتہدین حسب توفیق احادیث معدود از رواۃ ثقہ مستند نمودہ در کتب مستندات خود جمع کردہ آخر الامر چوں بزمانے کہ صحاح وغیرہ مدون گشت جمیعت علوم نبویہ کہ منتشر در آفاق بود ظاہر گشتہ وتخریج احادیث موقوف شد و جملہ احادیث مستخرج معدود گشتہ مقتضائے الفضل من تاخر بدست محدثین متاخرین در آمدند ہرچند دریں باب ثواب سعی در سند وجمع برائے متقدمین اکثر ست اما فضیلت زیادتی علم احادیث برائے محدثین متاخرین حاصل آمد مانند کسے کہ وارث گشت ترکہ پدر و مادر وخواہر وجد خود را پس البتہ وارث در غنا وکثرت اموال زیادہ خواہد شد از مورثاں اگرچہ آں اموال جملہ از کسب کردہ ہماں مورثاں باشد پس اکثر احادیث باشرائط سند بموجب مقضیات وقت باکثر مجتہدین نرسیدند و در آں مقام اسپ ہمت در میدان اجتہاد للہ فی اللہ دوانیدند و بمقتضائے بشری برزمین خطا فرود آمدند و باحدیث مخالف افتادند بعد از جمیعت احادیث ہماں اختلافست کہ ظاہر میشود پس در گزاشتن آں قول چہ باک مانند بعضے می فہمند کہ در خلائق حنفی مشہور شدن نیز از ضروریات دین ست پس اگر مخالفت قول ابی حنیفہ نمودیم حنفیت نخواہد ماند تفصیل جوابش باید فہمید کہ آنچہ بابی حنیفہ منسوب ست دو طور دارد یکی اقوال اند مروی از ابی حنیفہ کہ آں را در کتب فقہ عن ابی حنیفہ می نویسند و دیگر مسائل مستنبط کہ علمائے دیگر از اقوال ابی حنیفہ استنباط نمودہ مشتہر بمذہب ابی حنیفہ می کنند وآنرا در کتب فقہ می نویسند عند ابی حنیفہ وایں اجتہاد در اجتہاد ست اول آں اقوال خود از قرآن وحدیث مستنبط بودند و بار دیگر ازاں اقوال مسائل دیگر مستنبط شدند وایں مسائل احتمال دو خطا دارند کہ در ہر استخراج احتمال یک خطا است و ازہمیں اسباب تلامذہ و دیگر علماء در بعض مقام از مذہب ابی حنیفہ متخلف شدند وایں مقلداں ہم دراں مقام جانب علمائے دیگر اختیار کردہ اند وتقلید امام را گزاشتند پس در بعض جا حنفی میشوند و بعض جا ابو یوسفی ومحمدی وجائے دیگر زفری وجائے ابو اللیثی پس حنفیت ایشاں کے باقی ماند اگر گویند آنہا تلامذہ ابی حنیفہ بودند دیگرے خواہد گفت کہ بعضے مورخاں امام شافعی را نیز نسبت تلمیذ بآنجناب کردہ اند واگر فرض کردم تلمیذ بودند دو کس بودند ابو یوسف ومحمد دیگر ہمہ علماء ایں نسبت بداشتند وعلاوہ ازیں اگر شخصے از من مخالف باشد گو از تابعانم موافق آنرا سوائے مخالف دیگر نخواہم گفت پس کسے کہ تابع مخالف باشد دراں مسئلہ حنفی نماند بلکہ منسوب بہموں مخالف گشتہ پس ایں گفتگو برائے ہمیں ست تا ظاہر شود کہ محققین را مقصود اتباع حق میشود با نتساب بمرد ماں

وا ینجا سخنے ست دیگر کہ بر واقفاں کتب فقہ پوشیدہ نیست کہ از امام اعظم کتابے منقول نیست کہ براں بنائے مذہب شاں نمودہ آید اما اقوال چند در کتب متعارفہ مثل کنز وہدایہ و عالمگیری و قاضی خاں وغیر ذالک کہ مسائل خارج از شمار یافتہ میشوند ہمہ از امام اعظم منقول نیست بلکہ مسائل چند باآں امام منسوب اند و اکثرے بصاحبین و بسیارے بعلمائے متقدمین دیگر و بے شمارے بمتاخرین مثل صاحب ہدایہ وفتاوی وغیرہ کہ ایشاں از فراست خود دراں مسائل یجوز ولا یجوزمی نویسند و پر ظاہر ست کہ اعتقاد دیانت وفراست از وجدان قلب وملاحظہ مسائل وتواتر استماع تقوی کہ در دل خود از طرف امام اعظم بہم رسانیدہ ایم آں اعتقاد بخدمت ہر علماء کہ خود را حنفی قرار دادہ اند نداریم پس اگر شخصے مسئلہ را ازیں کتب مشہورہ بسبب مخالفت قرآن وحدیث با استنباط ناپسندیدہ ساقط از نظر نمودہ در حقیقت آں نقصانے نیست۔ آمدم بقسم دیگر کہ در مسائل قیاسی چہ خواہی کرد باید دانست کہ بعض مردماں را بعد از مزاولت در قرآن وحدیث بسبب شدت نور ایمان وسلامت عقل وفطانت حق در مسائل قیاسی نیز اکثر منکشف میشود بوضعے کہ ہرگز شک وگماں را دراں دخلے باقی نمی ماند وبعضے مردم را بعد از فہم دلائل در بعض مسائل ایں چنیں انکشاف حق پیدا می گردد پس در ہر مسئلہ کہ خود را ایں چنیں انکشاف رونمائد تقلید کسی روا ندارد چرا کہ انسان را پرسش بعقل خود خواہد شد نہ بر عقل دیگراں ودانستہ در مخالفت حق البتہ ماخوذ خواہد شد چنانکہ قول ثانی امام برہمیں معنی دلالت دارا گر خود بایں مرتبہ نرسیدہ است ضرورست کہ تقلید یکی از مجتہدین کہ بگمان خود دیندار دانستہ باشد نماید چرا کہ تا انسان بپایہ تحقیق نرسیدہ است از تقلیدش ناگزیر است وچوں راہ تحقیق کشادہ شد از تقلید مناز لہا گریز کہ کور بے اختیار ست در دست اندازی بہر کس وناکس و بینا نتواند کہ چشم را بند کردہ گرفتار بر در و دیوار شود ظاہر شد کہ تحصیل قرآن وحدیث برای ہر طالب حق ضرور افتاد لیکن دریں جزو زمان مردماں گراں میدانند ومی گویند کہ علم قرآن وحدیث مشکل بسیار ست مردمان پیش لیاقت آں میداشتند لہذا ضرور افتاد کہ فصل ثالث را مشتمل بر تسہیل راہ تحصیل نمائم تا حوصلہ مومنین در تحصیل ایں نعمت عظمی درتزاید درآید۔ ❶

---

❶ عمل بالحدیث۔ ولایت علیؒ

(ترجمہ) یہ بات خوب ذہن نشین کر لے کہ جو شخص خود عامی ہو اور اپنے کاروبار میں مصروفیت کے باعث لکھنے پڑھنے سے محروم رہا ہو اور علماء سے مسئلہ دریافت کرنے کو کافی سمجھتا ہو تو ایسے شخص کے لئے مناسب ہے کہ وہ محدثین اور دیندار علماء سے جو دیانت اور خوف خدا میں اور قرآن و حدیث کے جاننے میں مشہور ہوں، اس طرح سوال کیا کرے کہ ہمیں اس مسئلہ میں بتائیں کہ خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟

اگر کوئی طالب علم ہو اور علوم کو حاصل کرنے کا پورا شوق دل میں رکھتا ہو تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ پہلے قرآن و حدیث پڑھے۔ اس کے بعد دوسری کتابوں کی تعلیم حاصل کرے تاکہ آئینہ کی مانند واضح ہو جائے کہ کون بزرگ کس جگہ صواب کو پہنچا اور کس جگہ خطا کی ہے۔ پس جو مسئلہ قرآن و حدیث میں صراحت کے ساتھ مل جائے اس میں کسی مجتہد کی تقلید نہ کرے کیونکہ واضح احکام میں اجتہاد کا کوئی دخل نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے معاذ بن جبل سے پوچھا کہ جب میری عدم موجودگی میں تجھے شرعی امور سے واسطہ پڑے گا تو تو کیا کریگا؟ انہوں نے عرض کیا کہ کتاب اللہ میں مسئلہ تلاش کروں گا۔ آپ ﷺ فرمایا اگر اس میں نہ ملے تو پھر؟ معاذؓ نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت تلاش کروں گا۔ آپ ﷺ فرمایا اگر اس میں بھی نہ ملے تو؟ معاذ نے عرض کیا پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ ﷺ نے خوش ہو کر تعریف کی اور شاباش دی۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جب کوئی حکم قرآن و حدیث میں صراحت سے مل جائے تو اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ اگر مجتہدین کی کتابوں میں اس کے خلاف ہو تو اس سے چشم پوشی کر کے قرآن و حدیث کو مضبوطی سے تھام لے ورنہ مجتہدین کے اقوال سے قرآن و حدیث کا منسوخ ہونا لازم آئے گا۔

امام ابوحنیفہؒ، جو اجتہاد کی راہ پر چلنے والوں کے سردار ہیں، سے دو اقوال مروی ہیں جو دین کی عمارت کے بڑے ستونوں کا حکم رکھتے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ اگر میرا قول حدیث کے مخالف پاؤ تو اسے دیوار پر دے مارو۔ اس سے صاف صاف طور پر معلوم ہوا کہ حدیث کی مخالفت میں مجتہدین کے اقوال کو سننا امام صاحب کے دائرہ تقلید سے نکل جانے کی راہ اختیار

کرنا ہے۔اور ایسا کرنے والا ہرگز حنفی نہیں ہے۔امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ میرے قول پر کسی کا عمل کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ یہ نہ جان لے کہ یہ قول میں نے کہاں سے لیا ہے؟ پس معلوم ہوا کہ امام صاحب کے قول پر بے دھڑک اور بلا سوچے سمجھے جم جانا اور دلائل اور وجوہات قیاس پر غور وفکر نہ کرنا امام صاحب کو ہرگز پسند نہیں ہے اور امام صاحب اپنے ان دو ارشادات کے باعث قیامت کے روز مؤاخذہ الٰہی سے نجات پالیں گے۔

﴿اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ (المائدہ:۱۱۶)

(اگر میں نے کہا تھا تو تجھ کو معلوم ہے، تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے، اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے بلاشبہ تو ہی پوشیدہ باتوں کو جاننے والا ہے)

ان کے جھوٹے مقلد مؤاخذہ الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ آئمہ کرام کے شاگردوں کو جس مقام پر اپنے استاد کی بات پر اطمینان نہ ہوتا تو وہاں سے اپنا دامن بچا کر گزر گئے۔امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے اتنا زیادہ اختلاف کیا ہے کہ اگر اسے ایک الگ مذہب قرار دیا جائے تو بجا ہے۔اور متاخرین نے متقدمین کے کتنے ہی اقوال کو چھوڑ دیا ہے۔ غرض یہ کہ جو قول قرآن وحدیث کے مخالف ہو اس کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بہت سے اہل علم نے اس بات کی خوب تصریح اور تاکید کی ہے۔

پھر خوبی کی بات یہ ہے کہ احادیث باسند ہیں اور مجتہدین کے اقوال بلا سند۔یعنی احادیث کے راویوں کے حالات کی تحقیق انکی شہرت وثقاہت شرائط کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔لیکن جو لوگ مجتہدین کے اقوال بیان کرتے ہیں وہ سند بیان نہیں کرتے کہ کس نے آئمہ سے سنا، اس سے کون روایت کرتا ہے اور راوی کیسے ہیں۔جب تک معتبر راویوں کی شرائط کے مطابق قول ثابت نہ ہو جائے اس پر کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟ کیا معلوم کہ امام صاحب کا قول ہے یا کسی نے اپنی طرف سے امام صاحب پر بہتان تراشا ہے جیسا کہ بعض نادان لوگ وساوس کی نقول جو خالص افتراء ہے، امام اعظمؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس گمان پر کہ لوگ انہیں کمال متقی خیال کریں۔مقلدین کے متعلق کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے دو تین بے سمجھ مقلدوں کی تقلید جواں مردوں (یعنی اماموں) کو بدنام کرتی ہے۔

اگر سند ضروری نہ ہو تو حدیث کی سندوں میں کیوں بے فائدہ تکلیف اٹھائی جاتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ مجتہد کی رائے کبھی صحیح ہوتی ہے اور کبھی غلط۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ حدیث جو معصوم ﷺ کی (باسند بات ہے) کے مقابلہ میں کوئی ایسی بات جو غیر مستند ہے اور اس میں خطا کا بھی احتمال برابر موجود ہے، قبول نہیں کی جاسکتی۔

بعض احادیث اور اقوال میں مطابقت نہ ہونے کی وجہ پوری توجہ سے سنیں جو مختصر طور پر اس جگہ بیان کرتا ہوں، وہ یہ کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی وفات کے بعد احادیث معتبر اور پرہیزگار لوگوں کی زبانوں اور ذہنوں میں تھیں۔ لوگ بھولنے، جھوٹی حدیث بنانے اور تحریف کے ڈر سے حدیث کو کتابوں میں جمع کرنے کے لئے مشغول ہو گئے۔ چناں چہ آئمہ مجتہدین نے بھی حسب توفیق کچھ احادیث معتبر اور پرہیزگار راویوں سے سن کر اپنی مستند کتابوں میں با سند جمع کر دیں۔ آخر کار جس زمانہ میں صحاح ستہ کی تدوین ہوئی علوم نبویہ جو سارے ممالک میں پھیل چکے تھے، حدیث کی کتابوں کی شکل میں مدون ہو گئے اور حدیثوں کی تخریج موقوف ہوگئی۔ اور سب تخریج کی ہوئی احادیث شمار ہو کر مشہور مقولے کے مطابق، یعنی فضیلت متاخرین کے لئے ہے، متاخر محدثین کے ہاتھ آئیں۔ اگرچہ یہ بالکل درست ہے کہ سند جمع کرنے کا ثواب پہلوں کو ہی زیادہ ملے گا لیکن علم حدیث زیادہ پانے کی فضیلت متاخر محدثین کے حصہ میں آئی۔ اسے اس مثال سے سمجھ سکتے ہیں کہ ایک شخص اپنے ماں باپ اور دادا کا وارث ہوا۔ یقیناً ایسا شخص مال و دولت میں ان سے زیادہ ہوگا جن کا وہ وارث ہوا ہے، اگرچہ مال و دولت ان ہی کا کمایا ہوا ہے جن کا وہ وارث ہوا ہے۔ پس اکثر حدیثیں سند کی شرائط کے ساتھ زمانے اور وقت کے تقاضوں کی بنا پر اکثر مجتہدین کو نہ پہنچ سکیں۔ اس موقعہ پر انہوں نے اجتہاد کے میدان میں اللہ کی رضا کی خاطر ہمت کا گھوڑا دوڑایا۔ اور بشری تقاضے کی بنا پر صواب کو نہ پاسکے۔ اس طرح وہ نادانستہ طور پر حدیث کے مخالف ہوئے۔ احادیث جمع ہونے کے بعد جو اختلاف ظاہر ہوا وہ یہی ہے۔ اب حدیث کی مخالفت میں اس قول کو چھوڑ دینے میں کیا مضائقہ ہے؟

بعض یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں میں حنفی مشہور ہونا بھی ضروریات دین میں سے ہے۔ اگر ہم

امام ابو حنیفہؒ کے قول کی مخالفت کریں گے تو حنفی نہ رہیں گے۔ اس کا مفصل جواب یہ ہے کہ ہمارے سامنے جتنے مسائل امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ اقوال ہیں جو امام صاحب سے مروی ہیں اور ان کو فقہ کی کتابوں میں عن ابی حنیفہ لکھتے ہیں۔ دوسرے وہ مسائل جو اہل علم نے امام صاحب کے اقوال سے نکالے ہیں اور ان کے مذہب کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔ ایسے مسائل کو فقہ کی کتابوں میں عند ابی حنیفہ لکھتے ہیں۔ اور یہ اجتہاد در اجتہاد ہے۔ یعنی پہلے تو وہ اقوال خود قرآن وحدیث سے نکالے گئے ہیں، پھر دوسری بار ان اقوال سے اور مسائل نکالے گئے۔ لہذا ایسے مسائل دو خطاؤں کا احتمال رکھتے ہیں کیونکہ ہر بار مسئلہ نکالنے میں ایک غلطی کا احتمال ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر دوسرے علماء اور خود امام صاحب کے شاگردوں نے بعض مقامات پر اپنے امام کے مذہب کے خلاف کیا ہے۔ بلکہ خود ان مقلدین نے بھی ان مقامات پر امام صاحب کی تقلید چھوڑ کر دوسرے علماء کی بات قبول کی ہے۔ اس طرح وہ کسی جگہ حنفی، کسی جگہ ابو یوسفی، اور دوسری جگہ زفری، اور بعض جگہ ابو اللیثی ہوتے ہیں۔ اب ان کی حنفیت کہاں باقی رہی؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہ لوگ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے تو کہا جا سکتا ہے کہ بعض مورخین نے امام شافعیؒ کی شاگردی کی نسبت بھی امام صاحبؒ کی طرف کی ہے۔ اگر ہم مان لیں کہ وہ شاگرد تھے تو ان میں سے صرف دو شخص تھے ابو یوسفؒ اور محمدؒ، باقی علماء کو آپ سے تلمذ کا شرف حاصل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص میرا مخالف ہو چاہے میرے تابعداروں میں سے ہی کیوں نہ ہو تو اس کی موافقت کرنے والے کو مخالف کے سوا اور کچھ نہ کہوں گا۔ معلوم ہوا جو کوئی امام صاحب کے مخالف کا متبع ہوا، اس مسئلہ میں حنفی نہ رہا بلکہ اسی مخالف کی طرف منسوب ہو گیا۔

اس ساری گفتگو کا یہ نتیجہ ہوا کہ حق پرستوں کو حق کی پیروی مدنظر ہوتی ہے نہ کہ کسی کی طرف منسوب ہونا۔ یہ ایک اور بات یاد رکھنی چاہیے جیسا کہ فقہ کی کتابوں کے عالموں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ امام اعظم سے کوئی کتاب منقول نہیں ہے جس پر آپ کے مذہب کی بنیاد رکھی جائے۔ فقہ کی مشہور کتابوں مثلاً کنز، ہدایہ، عالمگیری، قاضی خان وغیرہ میں جو بے شمار مسائل پائے جاتے ہیں سارے امام ابو حنیفہؒ سے منقول نہیں ہیں۔ ان میں سے صرف چند مسائل آپ کی طرف منسوب ہیں۔ اکثر مسائل صاحبین امام ابو یوسفؒ وامام محمدؒ اور متقدمین

علماء کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں اور بے شمار مسائل علماء متاخرین جیسا کہ صاحب ہدایہ، فتاوی وغیرہ کی طرف منسوب ہیں۔ ان حضرات نے اپنی فراست سے ان مسائل میں یجوز اور لا یجوز یعنی جائز اور نا جائز لکھ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ امام صاحب کی دیانت وفراست اور مسائل پر عبور اور تقوی اور پرہیز گاری کے بارہ میں متواتر خبروں کا ہم اپنے دل میں جس قدر اعتقاد رکھتے ہیں ہمارا وہ اعتقاد ان علماء کے متعلق نہیں ہے جو اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر کسی شخص نے ان کتب مشہورہ کی مخالفت کی بنا پر یا نا سند استنباط کی وجہ سے قابل اعتبار نہ سمجھا تو حنفیت میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

اب میں ایک دوسری بات بیان کرتا ہوں کہ آپ کو تمام قیاسی مسائل میں کیا کرنا چاہیے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ بعض لوگوں کو قرآن وحدیث کے رات دن مطالعہ رکھنے کے بعد نور ایمان کی شدت اور عقل وفطانت کی سلامتی کی وجہ سے قیاسی مسائل میں بھی اکثر اوقات اس طرح حق ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس میں شک وشبہ کی بالکل گنجائش نہیں ہوتی۔ بعض لوگوں کو دلائل سمجھ لینے کے بعد بالکل اس طرح حق کھل جاتا ہے۔ جس مسئلہ میں ایسا انکشاف ہو جائے اس میں کسی کی تقلید جائز نہیں ہے کیونکہ انسان سے اس کی اپنی عقل پر پرسش ہوگی، نہ کسی دوسرے کی عقل پر، جان بوجھ کر حق کی مخالفت کرنے پر یقیناً مؤاخذہ ہوگا، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کے دوسرے قول کا مطلب بھی یہی ہے۔ اگر اسے خود یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے تو کسی مجتہد کی تقلید کرنا ہوگی جسے وہ اپنے خیال میں دین دار سمجھتا ہو کیونکہ جب تک انسان کو تحقیق کا درجہ حاصل نہ ہو، اسے تقلید سے چارہ نہیں ہے۔ جب تحقیق کی راہ کھل جائے تو تقلید سے کوسوں دور بھاگنا چاہیے کیونکہ اندھا مجبور ہے کہ ہر کس وناکس پر ہاتھ ڈالے لیکن آنکھ والے سے یہ نہیں ہوسکتا کہ آنکھ بند کر کے ہر در و دیوار پر ہاتھ مارتا پھرے۔ ❶

تسہیل علم قرآن وحدیث

باید دانست کہ قرآن شریف بر آنحضرت ﷺ نازل شدہ است وآنہمہ امی بودند ومخاطب بالذات ہماں امی ہستند وباقیاں تابعی وطفیل وتمثیلات ومحاورات ہمہ موافق عرف وعادات

---

❶ عمل بالحدیث۔ ولایت علی صادقپوری۔ ترجمہ ابو بکر صدیق

امیاں عرب وارد وتفسیرے ہمراہ قرآن نازل نشدہ اگرفہم امیاں وناخواندگان درادراک معنی قرآن کفایت نمی کند صحابہ چگونہ آنرا می فہمیدند وبجا آوری احکام می نمودند جابجارب العالمین مے فرماید درسورہ قمر ولقد یسرنا القرآن للذکرفھل من مدکر قرآن شریف رامشکل تر گفتن منگرایں آیت شدن ست وخدا رحمت کند برقراء سابق کہ قرآن رامعرب کردہ کہ حاجت ازتحصیل صرف ونحودراں ساقط گردانیدند وتحقیق الف ولام ومثل آں کہ درقرآن شریف مردماں بیان می کنند منشائے آن این ست کہ بعضی کسانرا ازخواندن قرآن مقصود بجا آوری احکام می باشد پس نظراوشاں بایں تدقیقات بے فائدہ نمیرود ومقصود بعضی کسان از دیدن قرآن انسلاک خویش ست درزمرہ علماء مدقق لابدطبیعت آنہابسوئے ایں موشگافیہا مائل میشود وصداقت ایں کلام ازامثال دنیامیتواں فہمید کہ ہرگاہ ازپیش حاکماں دنیاپروازمی آید آں پروانہ باوجودیکہ ہرلفظ اواحتمال ہزاراں موشگافیہا دارد وقصدہائی تدقیق علمی درہرفقرہ اش می تواں کرد کسی ازرعایا خواندہ باشد یاناخواندہ سوائے دریافت احکام بطرف دیگرنظرنمی گرداند چراکہ مقصود ازملاحظہ اش سرانجام کاری درذہن خود مستقر دارد بخلاف شعروغزل کہ مقصود ازاں بجاآوردن کاری نیست لاجرم صاحب ذکا درحقائق عبارتش فکرمی کند وبیک کلمہ صدہامعنی پیدا می نماید۔ ❶

(ترجمہ) یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ قرآن شریف آنحضرت ﷺ پر آپ کے صحابہ کے سامنے نازل ہوا تھا اور یہ سب ان پڑھ تھے۔قرآن کے اصلی اور پہلے مخاطب یہی لوگ تھے، باقی لوگ ان کے بالتبع مخاطب ہیں۔قرآن کی سب مثالیں اور محاورات عرب کے ان پڑھوں کے عرف وعادت کے موافق ہیں۔قرآن کے ساتھ آسمان سے کوئی تفسیر نہیں اتری تھی۔اب بتایا جائے کہ اگران پڑھوں کا فہم،قرآن کے سمجھنے میں کافی نہیں ہے تو صحابہ اس کو کس طرح سمجھتے تھے اور کس طرح اس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے؟ سورۃ قمر میں رب العالمین جابجا فرماتے ہیں:

ہم نے قرآن شریف کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا ہے۔کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والہ ہے؟

---

❶ عمل بالحدیث۔ولایت علیؒ صادقپوری

قرآن مجید کو مشکل کہنا اس آیت کا انکار ہے۔ اللہ تعالی پہلے قاریوں پر رحمت کرے کہ انہوں نے قرآن مجید پر اعراب زبر زیر پیش وغیرہ لگا کر گرامر کی ضرورت سے بے نیاز کر دیا ہے۔ جو لوگ قرآن مجید میں الف لام کی تحقیق بیان کرتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ بعض لوگوں کو قرآن مجید کے پڑھنے سے اس کے حکموں کو بجالانا مقصود ہوتا ہے، اس لئے ان کی نظر ایسی بے فائدہ باریکیوں کی طرف نہیں جاتی ہے۔ بعض لوگوں کا مقصد قرآن مجید پڑھنے سے اپنے آپ کو باریکیاں نکالنے والے علماء کے گروہ میں شامل کرنا ہوتا ہے، لہذا ان کی طبیعت ان میں موشگافیوں کے نکالنے کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ اس گفتگو کی سچائی دنیا کی مثال سے سمجھی جاسکتی ہے کہ جب کبھی دنیا کے حاکموں کے پاس سے کوئی نوٹس پروانہ آتا ہے تو باوجودیکہ اس کے ہر لفظ میں ہزارہا موشگافیاں اور بہت سی علمی باریکیاں تلاش کی جاسکتی ہیں لیکن رعایا میں کوئی ان پڑھ ہو یا پڑھا ہوا، احکام معلوم کرنے کے سوا اور طرف توجہ نہ کرے گا، کیونکہ انہوں نے اس کو پڑھنے کا مقصد اپنے ذہن میں تعمیل حکم ٹھہرایا ہوتا ہے، بخلاف شعر و غزل کے کہ اس سے کسی کام کو انجام دینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ذہانت کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اسلئے ذہین لوگ اسکی عبارت کی باریکیوں میں غور و فکر کرتے ہیں اور ایک کلمہ میں سینکڑوں نکات پیدا کر لیتے ہیں۔

علم متن حدیث

وعلم احادیث دو فن دارد یکی علم المتن یعنی غرض دینی از الفاظ حدیث فہمیدن و دیگر رافن اسانیدمی نامند یعنی رتبہ احادیث وشناختن مدارج قوت وضعف را دریافتن علم المتن موقوف برایمان ست ہر قدر کہ ایمان قوی تر خواہد بود عزت احکام و لطافت کلام را از قرآن وحدیث زیادہ تر دریافت خواہد کرد وضعیف الایمان نیز اگر بقصد پیروی نظر براں کتب متبرکہ خواہد گماشت؟ از ادراک او ہرگز محروم نخواہد ماند احادیث رسول خدا ﷺ سخنان روزمرہ عرب بودند سہل و فصیح وقریب از فہم کہ بدویان را بمدعا میرسانیدند۔ وترجمہ قرآن واحادیث در اکثر زبان موجودست کہ عجمی را مطلقاً تردد در لغات بہم نمیرسد حالا تامل باید نمود در احوال کتب دیگر مثل کافیہ وشافیہ ومطول وکفایہ وقاموس وکشاف کہ چہ قدر عبارات متین واشارات دقیق دارد کہ در

فہم یک کتاب کما ینبغی عمر یک آدمی صرف میشود چنانکہ بر علماء پوشیدہ نیست و بروز قیامت سوال ازہمیں قرآن و حدیث خواہد شد نہ از کتب دیگر باید فہمید کہ دیدن کتب دیگر منع ست یا خالی از منافع اما ضروری را از غیر ضروری جدا کردہ۔ اعلی را از ادنی تمیز دادہ۔ و ہر چہ ضرور و اعلی باشد آنرا اولاً اختیار کند بعد ازاں اگر فراغت وقت باید بہر کتب کہ طبیعتش مائل باشد بسیر آں مشغول شود عمرت قلیل آمد و علمت کثیر۔ آنچہ ضروریست جہاں پیش گیر۔ ❶

(ترجمہ) علم احادیث کا تعلق دو فنون سے ہے۔ پہلا علم المتن ہے یعنی حدیث کے الفاظ سے دینی غرض سمجھنا۔ اور دوسرے کو فن اسانید کہتے ہیں، یعنی حدیث کا مرتبہ اور اس کے ضعف وقوت کے مدارج کو پہچاننا۔

علم المتن کا دارومدار ایمان پر ہے جس قدر ایمان مضبوط ہوگا اتنا ہی قرآن و حدیث سے کلام کی لطافت اور احکام کی عزت زیادہ معلوم ہوگی۔ ضعیف الایمان بھی اگر پیروی کی نیت سے ان متبرک کتابوں میں غور وفکر کرے گا تو اس کی فضیلت حاصل کرنے سے ہرگز محروم نہ رہے گا۔ رسول خدا ﷺ کی حدیثیں عرب کی روزمرہ کی بول چال میں آسان اور فصیح ہیں، اور اتنی جلدی سمجھ میں آنے والی ہیں کہ گنواروں کو بھی مطلب و مدعا تک پہنچا دیتی ہیں۔ قرآن و حدیث کا ترجمہ بہت سی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ غیر عربوں کو اب لغات کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہے۔ اب ذرا دوسری کتابوں مثلاً کافیہ، شافیہ، مطول، ہدایہ، قاموس اور کشاف وغیرہ کے حالات میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ عبارتیں کتنی مضبوط ہیں اور ان میں کتنے باریک اشارے موجود ہیں۔ ایک کتاب کو پورے طور پر سمجھنے میں ایک آدمی کی عمر صرف ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ علماء سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن قیامت کے روز اسی قرآن و حدیث کے بارے میں سوال ہوگا نہ کہ دوسری کتابوں کے متعلق۔

مگر ضروری کو غیر ضروری سے علیحدہ کر کے اعلی کو ادنی سے امتیاز دے کر جو ضروری اور اعلی ہو پہلے اسے اختیار کریں، پھر اگر فرصت ملے تو جن کتابوں کی طرف طبیعت مائل ہو، مطالعہ کریں۔ یعنی عمر تھوڑی ہے اور علم زیادہ ہے۔ جو علم ضروری ہو اسے پہلے حاصل کرو۔

---

❶ عمل بالحدیث۔ ولایت علیؒ صادقپوری

علم اسانید

فن اسانید عبارت است از دریافتن حال رواۃ ہر حدیث کما ینبغی وکثرت وقلت ایشاں چراکہ قوت وضعف احادیث موقوف ست بر کثرت وقلت وضعف وقوت رواۃ وسند عبارتست از شنیدن حدیث از استاذ ثقہ کہ سلسلہ سند خودتا رسول اللہ ﷺ مستحکم باشد وپر ظاہرست کہ ایں طور سند دراوائل زمانہ کہ قریب از جناب رسالت مآب ﷺ آسان بوداز زمانہ حال کہ بعید تر ست از زمانہ ہدایت نشانہ وچوں علمای متقدمین مثل جامع صحاح وغیرہ کہ خود ثقاہت ایشاں ثابت ست وہر حدیث را با سلسلہ رواۃ در کتب خود مدون کردند از اں کتب نقلی متواتر برداشتند کہ حالا دراں کتب تحریف مشکل ست واحوال رواۃ در کتب فن اسماء الرجال جمع نمودند۔ بعداز تدوین ایں چنیں کتب مضبوط احتیاج سند ساقط گشتہ من جرب المجرب حلت بہ الندامۃ پس ہر کس کہ صحیح بخاری رابیند گویا از محمد بن اسماعیل سندمے کند واوسلسلہ سند خودتا رسول خدا ﷺ در کتاب خود ذکر کردہ است۔ پس کسے کہ حدیث را در صحیح بخاری یافت گویا از زبان رسول خدا ﷺ شنید چنانکہ صاحب مشکوۃ نیز در خطبہ اش ہم چنیں خبر میدہد کہ ما احادیث خود وقتے کہ در صحاح شاں دیدہ ایم گویا از رسول اللہ ﷺ سند نمودہ ایم چراکہ جامع آنہا مارا مستغنی کردہ انداز سند نمودن۔ ❶

(ترجمہ) ہر حدیث کے راویوں کے پورے پورے حالات اوران کی کثرت وقلت کے دریافت کرنے کوفن اسانید کہتے ہیں۔ کیونکہ احادیث کی قوت وضعف راویوں کی کثرت و قلت اورضعف وقوت پر موقوف ہے۔ اور سند کہتے ہیں اس ثقہ اور قابل اعتبار اسناد سے حدیث سننے کوجس کا اپنا مضبوط سلسلہ سند رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہو یہ بالکل واضح بات ہے کہ اس طرف کی سند شروع زمانہ میں جو جناب رسالت مآب ﷺ کے زمانہ کے قریب تھا زیادہ آسان تھی ہمارے موجودہ زمانے سے جو ہدایت کے زمانے سے بہت بعید ہے۔

جب صحاح وغیرہ کو جمع کرنے والے متقدمین جیسے بزرگوں نے جن کی اپنی فقاہت مسلّم ہے ہر حدیث کوراویوں کے سلسلہ سمیت اپنی کتابوں میں جمع کردیا ہےاور لوگوں نے ان کتابوں

---

❶ عمل بالحدیث۔ ولایت علیؒ صادقپوری

سے اتنے تواتر سے احادیث نقل کی ہیں کہ اب ان میں ادل بدل بالکل ناممکن ہے۔اور راویوں کے حالات فن اسماء الرجال کی کتابوں میں جمع کر دیئے گئے ہیں اس قدر معتبر اور نہائت عمدہ طریقہ سے جمع کی گئی کتابوں کی موجودگی میں سند کی ضروریات باقی نہیں رہی۔کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے کہ آزمائی ہوئی چیز کو آزمانے سے سوائے شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر یہ بات یقیناً درست ہے کہ جو شخص صحیح بخاری پڑھتا ہے وہ گویا محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے سند فرماتا ہے۔اور امام بخاریؒ نے اپنی سند کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ تک اپنی کتاب صحیح بخاری میں بیان کر دیا ہے۔اب جو شخص صحیح بخاری میں حدیث پالے،تو گویا اس نے رسول خدا ﷺ کی زبان مبارک سے سنا۔چناں چہ صاحب مشکوۃ نے بھی اپنی کتاب کی ابتداء میں جو خطبہ لکھا ہے اس میں یہی بات بیان کی ہے کہ جب ہم اپنی حدیثیں محدثین کی صحیح کتابوں میں دیکھتے ہیں تو گویا ہم رسول اللہ ﷺ سے ان حدیثوں کی سند کرتے ہیں کیونکہ ان کتابوں کے مؤلفین نے ہمیں سند بیان کرنے سے بے نیاز کر دیا ہے۔

✿ و دیگر بسیارے از محدثین تفصیل ایں معنی کردہ اند کہ سند دریں زمانہ بیش از رسم نماندہ و خدا غریق رحمت کند محدثین متقدمین را کہ موضوع از ناموضوع ممتاز کردہ وقوی را از ضعیف جدا نمودہ علی حسب مدارج در کتب خود ہا مدون کردند و برائے ہر مطلبے باب و فصل علیحدہ مقرر نمودہ اند و از ملاحظہ معلوم میشود کہ در احادیث مسائل جزئیات نیز بے شمار اند حالا فن حدیث در تسہیل مثل کتب فقہ شدہ ہر مسئلہ کہ پیش آید در باب آں ملاحظہ کنند مرضی رسول مقبول ﷺ ظاہر خواہد شد بلکہ از فقہ ہم آسان تر ست چرا کہ کتب فقہ بے شمار اند و عالمان مصنف آں ہزار یک امر اگر در کتابے جائز یافتہ شود وظن غالب ست بکتا بے دیگر ناجائز نوشتہ باشند پس بگفتہ کدام کس عمل نمودہ آید و ایں قدر کتب از کجا جمع شود و عمر و فراغت از کجا دست دہد تا انسان باحکام مطلع شود و احادیث کہ ایں قدر بے حد و بے شمار با ساعت کتابت در آمدہ اند موضوع ہستند آنچہ محدثین در کتب مسند خود جمع کردہ اند معدود اند جملہ احادیث غیر موضوع را شمار کردہ اند عدد آں در کتب خود محدثین خبر دادہ اند

چنانچہ بر واقفان علم پوشیدہ نیست و در کتب احادیث ناسخ و منسوخ اکثر در یک باب بیان می کنند کہ طالبان را تشویشے نشود۔ و عمل بحدیثے ترک بناید کرد بگماں اینکہ شائد منسوخ باشد کہ ایں احتمال در جملہ احادیث موجود است چرا کہ تمام سخنان زندگی رسول خدا ﷺ جمع نہ شدہ بلکہ بسیارے فوت گشتہ پس عمل ہیچ حدیث احدے را از مجتہدین نیز سزاوار نباشد حقیقت ایں مکان آں ست کہ تا وقتیکہ حدیث ناسخ بشخصی نرسیدہ منسوخ بحق او منسوخ نیست اگر چہ بواقع نسخ شدہ باشد وقتیکہ حدیث ناسخ دریافت عمل بمنسوخ ہرگز روا نہ بود استعمال ختم و دما در حق قوم ربیع منسوخ نباشد تا وقتیکہ حکم ناسخش بدیار شان نرسیدہ۔ پس متبع سنت را باید کہ اگر جز بیک حدیث در مدت العمرش ہا و نرسیدہ باشد ہموں حدیث را غنیمت باردہ شمردہ باحتمال دور و دراز از دست نگزارد بلغوا عنی ولو آیۃ (برسانید از ما اگر چہ یک حدیث باشد) ایں حدیث ہمیں معنی دارد و از تتبع کتب معلوم میشود کہ علمائے سابق نیز عمل بحدیث منسوخ نمودہ اند بسبب اینکہ ناسخ باوشان نرسیدہ و احادیث متعارضہ نیز اکثر ہمیں طور یک جا نوشتہ میشوند تا اندک تامل تعارض از ظاہر برداشتہ شود و پیدا است کہ دو کلام رسول اللہ ﷺ بحقیقت متعارض نخواہد شد مگر بنظر کم فہماں متعارض معلوم میشوند و بحقیقت معنی ہر حدیث محمل آں جدا میباشد سخنے باقی ست در اقسام حدیث کہ علمائے اصول احادیث۔ ❶

(ترجمہ) دیگر بہت سے محدثین نے بھی اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس زمانہ میں سند بیان کرنے کی حیثیت رسم سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ اللہ تعالی متقدمین محدثین کو غریق رحمت کرے کہ انہوں نے موضوع احادیث کو غیر موضوع احادیث سے اور قوی کو ضعیف سے جدا کر کے حسب مدارج اپنی کتابوں میں جمع کر دیا اور ہر مسئلہ کے لئے علیحدہ علیحدہ باب اور فصلیں مقرر کر دی ہیں۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جزوی مسائل بھی بے شمار ہیں۔

---

❶ عمل بالحدیث۔ ولایت علیؒ صادق پوری

اب تو فن حدیث فقہ کی کتابوں کی طرح بالکل آسان ہو گیا ہے۔ جو مسئلہ پیش آئے اس کے باب میں دیکھ لیں تو رسول اللہ ﷺ کی رضا معلوم ہو جائے گی۔ بلکہ علم حدیث تو علم فقہ سے بھی زیادہ آسان ہو گیا ہے کیونکہ فقہ کی کتابیں بے شمار ہیں اور انکے مصنف ہزار ہا ہیں، اگر ایک مسئلہ ایک کتاب میں جائز لکھا ہے تو گمان غالب ہے کہ دوسری کتابوں میں ناجائز لکھا ہو گا۔ تو اب کس کے کہنے پر عمل کیا جائے؟ اور اتنی کتابیں کہاں سے لی جائیں؟ اور اتنی فرصت و عمر کہاں سے آئے کہ جس میں انسان ان کتابوں سے احکام الٰہی معلوم کر سکے۔

محدثین کرام نے جتنی احادیث اپنی مستند کتب میں جمع فرمائی ہیں وہ گنی چنی ہیں۔ اور جس قدر غیر موضوع احادیث ہیں محدثین نے ان کو بھی اپنی کتابوں میں شمار کر دیا ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ اور کتب حدیث کے جامعین عموماً ناسخ و منسوخ ایک باب میں بیان کر دیتے ہیں تاکہ تلاش کرنے والوں کو پریشانی نہ ہو۔ اور کسی حدیث پر عمل اس گمان سے ترک نہ کر دینا چاہیے کہ شائد منسوخ ہو، کیونکہ یہ احتمال تو تمام احادیث میں موجود ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں سب باتیں جمع نہیں ہوئیں، بلکہ بہت سی رہ گئیں ہیں۔ اس طرح تو کسی مجتہد کو ایک حدیث پر بھی عمل کرنا مشکل ہو گا۔ اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کو ناسخ حدیث نہیں پہنچی اس وقت تک منسوخ حدیث اس کے حق میں منسوخ نہیں ہے، اگرچہ فی الواقع منسوخ ہی ہو اور جب ناسخ معلوم ہو جائے تو منسوخ حدیث پر عمل جائز نہ ہو گا۔ اس کی مثال یہ ہے:

ختم و لاکھ کی ٹھلیا اور دبا (کدو کے برتن) کا استعمال قوم ربیع کے حق میں منسوخ نہیں تھا جب تک ان کے علاقے میں ناسخ کا حکم نہ پہنچا تھا۔ پس متبع سنت کو چاہیے اگر ساری عمر ایک حدیث کے سوا اس کے پاس اور کچھ نہ پہنچے تو اسی کو نعمت عظمیٰ سمجھے اور اسے ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ میری طرف سے پہنچا دو اگرچہ ایک ہی حدیث ہو۔ اس حدیث کا مفہوم بھی یہی ہے۔ کتابوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے علماء بھی ناسخ حدیث کے نہ ملنے کے زمانے میں منسوخ حدیث پر ہی عمل پیرا رہے ہیں۔

متعارض احادیث جو بظاہر ایک دوسرے کے مخالف معلوم ہوتی ہیں وہ بھی اکثر اسی طرح ایک جگہ لکھی جاتی ہیں۔ تاکہ معمولی سوچ بچار سے ظاہری تعارض اٹھ جائے۔ ظاہر ہے کہ

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے دو ارشادات کے درمیاں حقیقۃً تعارض نہیں ہوسکتا مگر کم فہم لوگوں کو دیکھنے میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت میں ہر حدیث کے معنی کا محل جدا جدا ہوتا ہے۔

اقسام حدیث

اقسام حدیث بسیار مے گویند مثل صحیح وحسن واحسن وغریب وموقوف ومرسل ومقطوع وغیرھا، پس ایں قدر مدارج جلد بذہن ہر کس نمے تواند شد کہ عمل بالحدیث باید فہمید کہ تعدد اقسام بحسب تعدد حیثیات است ہر قدر کہ قید وحیثیت زیادہ خواہند کرد اقسام زیادہ خواہد برآمد و ہر قدر کہ قید کم خواہند نمود اقسام کم خواہد برآمد مثلاً تمام انسان دو قسم ہم تواند شد سیاہ وغیر سیاہ ہزار قسم تواند بود سیاہ وسرخ وگندم گوں ودراز گردن ومثل آن اما در تزائد اقسام در احادیث برائے عاملاں تردد بسیار واقع میشود علمای اصول فقہ در اقسام حدیث طور خوب مختصر اختیار کردہ اند عاملاں حدیث نیز اگر طور سہل ومختصر پیش نظر خود دارند نفع بسیار خواہد شد وطور مختصر این سمت کہ جملہ احادیث غیر موضوع دو قسم اند قوی وضعیف ضعیف آنکہ سلسلہ رواۃ گم نشود لیکن حال آں رواۃ محفوظ نباشد از ثقاہت وغیر آں وقوی آنکہ رواۃ آں گم نشوند وثقاہت آنہا ثابت باشد و قوی را دو قسم تواں کرد اگر حدیث یا مضمون آں را از آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ چند کس مردماں ناقل اند متواتر ست وگرنہ غیر متواتر در کتب دیگر علماء عدد رواۃ متواتر بیان نمی کنند بسبب اینکہ حدے برائے تواتر بسبب اختلاف حال رواۃ معین نیست وقتیکہ فائدہ یقین کلی بخشیدہ ہماں وقت متواتر گشت اما پوشیدہ نیست کہ وقتیکہ رواۃ ثقہ وعدل وسلیم العقل باشند سہ رواۃ از آنہا فائدہ قطع می بخشد لہذا دریں مقام بسہ رواۃ محدود کردہ شدہ حدیث متواتر نص قطعی ست غیر متواتر مظنون الصدق بظن غالب وضعیف محتمل الصدق والکذب وحکم آں است کہ در اخبار قیامت وبرزخ ونار وجنت وتہدید وترغیب ومثل آں قبول نمودہ خواہد شد ودر اوامر ونواہی نیز سوائے حدود وقصاص دیگر امور عظیمہ بشرطیکہ معارض از قوی نشود عمل نمودہ خواہد شد وگرنہ ترک باید کرد واگر بمضمون واحد سہ حدیث ضعیف یافتہ شود حکم حدیث قوی پیدا خواہد نمود واز متواتر غیر متواتر را نسخ جائز ست وآنچہ از قوی غیر متواتر ثابت شود عمل بداں واجب ست ومنکر آں کافر۔ ایں قدر اقسام واحکام آں دانستن برائے ہر عامل بقدر ضرورت ست وکفایت می کند۔ ❶

---

❶ عمل بالحدیث۔ ولایت علی صادق پوریؒ

(ترجمہ) اقسام حدیث کے سلسلہ میں ایک بات باقی رہ گئی ہے اصول حدیث کے علماء حدیث کی بہت سی اقسام بیان کرتے ہیں، جیسے صحیح، حسن، غریب، موقوف، مرسل، مقطوع وغیرہ۔ ہر شخص کے ذہن میں حدیث کے اتنے درجات جلدی ضبط نہیں ہو سکتے تاکہ حدیث کا درجہ معلوم کر کے اس پر عمل ہو سکے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اقسام کی زیادتی مختلف حیثیات کے زیادہ ہونے کی بنا پر ہے جس قدر قید و حیثیت زیادہ کریں گے اسی لحاظ سے قسمیں زیادہ ہوں گی، اور جس قدر قیود کم ہوں گی، اتنی ہی اقسام کم ہو جائیں گی۔ مثال کے طور پر سارے انسان دو قسم کے بھی ہو سکتے ہیں یعنی سیاہ اور غیر سیاہ، اور ہزار قسم کے بھی ہو سکتے ہیں یعنی سیاہ، سرخ، گندم گوں، دراز گردن۔ علی ہذا القیاس۔ لیکن حدیث کی زیادہ اقسام کے باعث عمل کرنے والوں کے لئے کافی تردد ہوتا ہے۔ علماء اصول فقہ نے حدیث کی اقسام کے سلسلے میں بہت ہی عمدہ مگر مختصر طریقہ اختیار کیا ہے۔ اگر عاملین حدیث بھی آسان اور مختصر طریقہ پیش نظر رکھیں تو بہت سا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے اور وہ مختصر سا طریقہ یہ ہے کہ غیر موضوع احادیث ساری کی ساری دو قسم کی ہیں، قوی اور ضعیف۔ ضعیف حدیث وہ ہے جس کے راویوں کا سلسلہ تو مفقود نہیں ہے لیکن اس کے راویوں کی ثقاہت وغیرہ کا حال محفوظ نہیں ہے۔ قوی حدیث وہ ہے جس کے راویوں کا سلسلہ کہیں نہ ٹوٹے اور انکی ثقاہت بھی ثابت ہو۔ قوی کی بھی دو قسمیں کرتے ہیں۔ جس حدیث یا مضمون حدیث کو رسول اللہ ﷺ سے چند لوگ نقل کرتے ہیں وہ متواتر ہے ورنہ غیر متواتر۔ راویوں کے حالات کی بنا پر حدیث متواتر کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے، اس لئے علماء اپنی کتابوں میں متواتر حدیث کے راویوں کی تعداد بیان نہیں کرتے۔ جو حدیث یقین کلی کا فائدہ دے وہ متواتر ہے۔ لیکن یہ تو کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ جب راوی ثقہ، عادل اور سلیم العقل ہوں گے تو تین راویوں ہی سے قطعی یقین کا فائدہ حاصل ہو جایا کرتا ہے۔ لہذا اس جگہ متواتر حدیث کے لئے تین راویوں کی حد مقرر کر دی گئی ہے۔ متواتر حدیث نص قطعی ہے اور غیر متواتر میں صدق کا ظن غالب ہوتا ہے۔ اور ضعیف میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ ضعیف حدیث قیامت کی خبروں اور برزخ اور دوزخ و جنت اور ترغیب و ترہیب کے سلسلے میں قبول کی جائے گی۔ اسی طرح حدود و قصاص اور دوسرے اہم امور کے علاوہ اوامر و نواہی میں بھی مقبول ہوگی، بشرطیکہ قوی حدیث سے

معارض نہ ہو، ورنہ ترک کر دینی چاہیے۔ ایک مضمون کی اگر تین ضعیف حدیثیں ہوں تو ایک قوی حدیث کے حکم میں ہو جاتی ہیں اور متواتر سے غیر متواتر کا منسوخ ہونا جائز ہے اور جو مسئلہ قوی غیر متواتر سے ثابت ہو جائے اس پر عمل واجب ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ حدیث کی اتنی اقسام اور ان کے احکام کا جان لینا بقدر ضرورت ہر عمل کرنے والے کیئے کافی ہے۔ ❶

اتباع سنت پر مرزا جانجاناں کے ارشادات

مرزا مظہر جانجاناںؒ اپنے ایک مرید کو لکھتے ہیں:

آپ نے لکھا تھا کہ حضرت مجددؒ نے اپنے ایک خط میں رفع سبابہ سے منع کیا ہے اور آپ (یعنی مرزا مظہر) حضرت مجدد سے اتنی محبت کے باوجود رفع سبابہ کو جائز رکھتے ہیں اور محبت کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اپنے محبوب کا اتباع کرے۔

مخدوما! اللہ نے کتاب اور سنت کی پیروی انسانوں کے لئے فرض کی ہے، چناں چہ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ﴾ (الاحزاب:٣٦)

(جب اللہ اور اس کے رسول نے کسی امر کا حکم کر دیا تو پھر مومن مرد اور عورت کے لئے اس کے سوا کسی اور کام میں بھلائی نہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((لا يؤمن احدكم حتّى يكون هواه تبعاً لما جئت به)) ❷

(تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا تاوقتے کہ اس کی خواہش ان امور کی پیروی کی نہ ہو جنہیں میں لایا ہوں)

حضرت مجدد احمد سرہندیؒ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل نائب ہیں انہوں نے اپنے طریقے کی بنیاد کتاب اور سنت پر رکھی ہے اور علماء نے رفع سبابہ کے حق میں بہت اچھے رسالے لکھے ہیں جو حنفی فقیہوں کی روائتوں اور صحیح حدیثوں پر مشتمل ہیں۔

---

❶ عمل بالحدیث۔ ولایت علیؒ صادق پوری۔ ترجمہ ابوبکر صدیق

❷ شرح السنۃ للبغوی: ۲۱۳،۲۱۲/۱

یہاں تک کہ حضرت مجددؒ کے چھوٹے فرزند حضرت شاہ یحی نے بھی اس سلسلے میں رسالہ لکھا ہے اور ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملی جس سے نفی رفع (سبابہ) ہوتا ہو۔

حضرت مجدد الف ثانی کا فتوی اجتہادی چیز ہے اور وہ سنت جو نسخ نہ ہوئی ہو مجتہد کے اجتہاد سے زیادہ مقدم ہے۔ اور سنت سے انگلی اٹھانے کا ثبوت مل جانے کے بعد اس وجہ سے ترک کرنا کہ حضرت مجدد نے ترک کر دیا تھا معقول بات نہیں ہے۔ خود حضرت مجدد بھی ترک سنت میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے اور وہ حنفی مذہب رکھتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ نے کہا:

اذا ثبت الحدیث فھو مذھبی واترکوا قولی بقول رسول اللّٰہ۔

(جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہ میرا مذہب ہے اور پیغمبر کے قول کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دو)۔

اس لئے امید ہے کہ حضرت مجدد اس امر اجتہادی کو ترک کرنے اور صحیح حدیثوں سے اخذ کرنے سے ناراض نہ ہوں گے۔

اگر لوگ کہتے ہیں کہ کیا حضرت مجددؒ کو اپنے وسیع علم کے باوصف یہ معلوم نہیں تھا کہ احادیث سے رفع سبابہ کا ثبوت ملتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ آپ کے زمانے کے ہندوستان میں وہ کتابیں اور رسائل مشہور نہیں ہوئے تھے اس لئے آپ کی نظروں سے نہیں گزرے۔ آپ نے ترک کر دیا ورنہ ہرگز ترک نہ کرتے۔ کیونکہ آپ اتباع سنت کے معاملے میں اس امت کے اکابرین میں سب سے زیادہ خواہش مند تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ کشف کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی رضامندی نہ پا کر آپ نے (رفع سبابہ) ترک کر دیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ کشف طریقت کے معاملوں میں تو معتبر ہے لیکن احکام شریعت میں حجت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس خط میں حضرت مجدد نے کشف کا کوئی ادعا نہیں کیا۔ یہ جزوی مخالفت حضرت مجددؒ کے قاعدہ کلی یعنی ترغیب اتباع نبوی کے پیروی میں ہے اور بارآور ہوگی۔ والسلام

آپ نے حدیث کے مطابق عمل کرنے میں ایک مسلک سے دوسرے مسلک میں منتقل ہونے کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

مخدوما! حدیث کے مطابق عمل کرنے کے سلسلے میں شیخ محمد حیات محدثؒ مدنی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کی تلخیص تحریر کی جاتی ہے، قال اللہ تعالی:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آل عمران: ۳۱)

اللہ نے فرمایا اے محمد آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا يؤمن احدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به))

(تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش ان امور کی تابع نہ ہو جنہیں میں لایا ہوں)

یہ صحیح حدیث ہے۔ ابوالقاسم بن اسماعیل بن فضل اصفہانیؒ نے کتاب الحجہ میں اس کی روایت کی ہے۔ اور روضۃ العلم میں ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا:

اتركوا قولي بخبر رسول الله و قول اصحابه رسول الله ﷺ۔

(صحابہ کے قول کے مقابلہ میں میرا قول ترک کردو)۔

امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول ہے:

اذا صحّ الحديث فهو مذهبي۔

(حدیث صحیح میرا مذہب ہے)

اگر اطلاع کے باوجود کوئی حدیث صحیح پر عمل نہ کرے تو اس نے امام صاحب کے قول کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں میرے قول کو ترک کردو، کی مخالفت کی ہے۔ اور یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہے کہ کسی بھی عالم نے تمام حدیثوں کا احاطہ نہیں کیا ہے۔ چناں چہ یہ قول کہ آنحضرت ﷺ کے قول کے مقابلے میں میرا قول ترک کردو، اس بات کا ثبوت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے پاس تمام حدیثیں نہیں پہنچی تھیں۔ ان میں سے بعض تو رہ گئیں اور کیوں نہ رہتیں، اہل امت میں خلفائے راشدین جیسے عالم ہر وقت آنحضرت ﷺ کی صحبت میں رہتے تھے، ان سے بھی بعض حدیثیں فوت ہوگئیں۔ اس بات کو ہر شخص جانتا ہے جسے فن حدیث میں معرفت حاصل ہے۔

ظاہر ہے کہ امت کے افراد پر اتباع پیغمبر واجب ہے اور ان آئمہ میں سے کسی کا اتباع واجب نہیں ہے۔ اس لئے ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ کسی بھی مجتہد کا مذہب اختیار کرے۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ صحیح حدیث پر عمل کرنے سے انسان امام ابوحنیفہؒ کے مذہب سے نکل جاتا ہے تو اس کے پاس اپنے دعوے کیلئے جو دلیل ہے وہ پیش کرے۔ البتہ ان مشہور مذاہب میں، ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہونا تفصیل چاہتا ہے۔ امام سیوطیؒ نے انتقال مذاہب پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں جانا جائز ہے کہ مقلد ایک مذہب سے دوسرے میں چلا جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ مقلد پر لازم ہے کہ دونوں مذاہب کے مجتہدوں کے مطابق طلب علم کرے اور جب اسے یقین ہو جائے کہ دوسرا مجتہد زیادہ جانتا ہے تو جائز ہے بلکہ (انتقال مذہب) واجب ہے۔ اور اگر ہم اسے اختیار دے دیں تو یہ بھی جائز ہے۔ اور مقلد کی بھی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔ عقل کا حصہ بھی چار چیزوں سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ مقلد جاہل یا عالم۔ ان دونوں کے انتقال مذاہب کی وجہ دینی ہے یا دنیوی۔ اس لئے اگر جاہل ہے اور فقہ سے واقف نہیں ہے اور اپنے مذہب کے متعلق سوائے نام کے کچھ نہیں جانتا اور صرف مال و جاہ حاصل کرنے کیلئے مذہب بدلتا ہے تو اس کی یہ حرکت چھچھورپنہ ہے۔ اور اگر عالم وفقیہ ہو اور صرف دنیاوی مقصد کے لئے مذہب بدلتا ہے تو یہ بات بہت سخت ہے کیونکہ وہ دنیاوی غرض کے لئے مذہب سے کھیل کرتا ہے۔ اور یہ ناجائز ہے۔

اگر خود فقیہ ہے اور مذہب بدلنے کی وجہ دینی اسباب ہیں اور دوسرا مذہب اس کی نظر میں قوی دلیلوں کے ساتھ ترجیح رکھتا ہے تو ایسے شخص پر انتقال (مذہب) واجب ہے، اور ایک روائت کے مطابق جائز ہے۔ اور اگر فقہ سے واقف نہیں ہے اور اپنے مذہب میں منتقل کیا ہے اور جاہل رہا ہے اور دوسرے مذہب کو اپنے لئے زیادہ آسان اور جلد سمجھ میں آنے والہ سمجھتا ہے اور دوسرے مذہب میں فقہ کی حیثیت حاصل کرنے کی امید رکھتا ہے تو ایسے شخص کے لئے بھی انتقال واجب ہے۔ کیونکہ مذہب میں تفقہ جہل سے بہتر ہے کیونکہ کسی ایک مذہب میں مرتبہ تفقہ حاصل کرنا تمام مذاہب کے جہل سے بہتر ہے۔ غالباً جاہل کی عبادت بھی صحیح نہیں ہوتی۔ اور اگر انتقال (مذہب) کا کوئی دینی یا دنیوی مقصد نہیں ہے بلکہ محض عمل کی وجہ سے ہے تو عام آدمی کیلئے جائز ہے۔ لیکن فقیہہ کے لئے ممنوع ہے۔ کیونکہ اس نے ایک طویل مدت میں اس

مذہب کا فقہ حاصل کیا۔ اب اگر دوسرے مذہب میں جائے گا تو پھر ایک عمر چاہیے کہ اس مذہب کا فقہ حاصل کیا جائے۔ اور عمل جو اصل مقصد ہے نہ ہو سکے گا۔ اس لئے اس کے لئے مذہب تبدیل نہ کرنا سب سے بہتر ہے۔

یہ جو کہتے ہیں کہ ادھر کوئی غیر حنفی، حنفی مذہب میں آئے تو جائز ہے۔ اور حنفی مذہب کا دوسرے مذہب میں جائے تو ناجائز، یہ صرف تعصب کی وجہ سے ہے۔ اس کی کوئی دلیل تو ہے نہیں۔ کیونکہ حقیقت میں تو سب امام برابر ہیں اور اگر حنفی مذہب یا کسی اور مذہب کی تقدیم کے بارے میں کوئی آیت یا حدیث وارد ہوتی تو اس مذہب کی تقلید امت کے ہر فرد کے لئے واجب ہوتی۔ اور دوسرے مذاہب کی تقلید ناجائز ہوتی اور یہ بات اجماع کے خلاف ہے اور صاحب جامع الفتوی حنفی مذہب کے ماننے والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کا شافعی مذہب سے حنفی مذہب میں جانا، یا حنفی مذہب سے شافعی مذہب میں جانا جائز ہے۔ لیکن یہ تبدیلی مذہب کلی طور پر اختیار کی جائے نہ کہ صرف چند مسائل میں۔ بزرگوں میں سے بہت سے حضرات نے انتقال مذہب کیا ہے۔ اگر جائز نہ ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتے اور جو کوئی اس کے خلاف کہے اس کا قول بے دلیل اور غیر معقول ہے۔ والسلام ❶



---

❶ مظہر جان جاناں کے خطوط۔ خلیق احمد نظامی
(منقول از۔ پاکوڑ کانفرنس یادگار مجلّہ۔ دہلی۔ ص ۸۲۔۸۳)

متفرقات

رجال وحواشی وغیرہ

میاں صاحب کے درس حدیث کا اثر

جناب ابو یحی محمد شاہجہانپوریؒ اپنی کتاب الارشاد الی سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں:

میرے والد ماجد حضرت مولانا کفائت اللہ شاہ جہان پوریؒ نے جو ہمیشہ سے ایک عجیب زاہداور دین دار آدمی ہیں، انہیں حضرت مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ کی نسبت ایک خواب نظر آیا (ہوا یوں کہ) جب وہ (یعنی کفایت اللہ) تمام فنون درسیہ سے فارغ ہو گئے اور حدیث کی تحصیل کا عزم کیا تو چوں کہ جناب میاں نذیر حسینؒ اس فن میں نہ صرف کمال کے ساتھ بلکہ اپنے زمانہ میں تقریباً تفرد کے ساتھ مشہور تھے، لہذا انہی کی خدمت میں حاضری کا قصد کیا اور دہلی پہنچے۔ دہلی پہنچنے کے بعد بعض انکے پرانے احباب اس بات پر مصر ہوئے کہ میاں صاحب سے نہ پڑھیں اسلئے کہ کہیں بگڑ نہ جائیں۔ اور بعض دیگر مولویوں کے پاس جانے کی تحریص کی۔ کہے سنے سے ان (کفایت اللہ) کے ارادے میں بھی تزلزل ہوا اور وہ خود بھی میاں صاحب کے پہلے سے ہم مسلک نہ تھے۔ خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک مقام پر جناب رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ پھر حضور پرنور کی بجائے میاں صاحب نظر آنے لگے اور اب اسی جگہ پر میاں صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس خواب کے بعد انہوں نے انہیں سے استفادہ پر کمر بستہ کی اور وہیں تحصیل حدیث سے فراغت حاصل کی۔ یہ ان کو میاں صاحب کا کمال اتباع اور سچی جانشینی دکھائی گئی۔ [1]

---

[1] الارشاد الی سبیل الرشاد

جناب میاں نذیر حسینؒ محدث کے درس حدیث کی اثر آفرینی، جو اس روایت میں جناب کفائت اللہؒ کے حنفی دوستوں کی زبانی بتائی گئی ہے کہ ان سے پڑھنے کے بعد مقلد غیر مقلد ہو جاتے ہیں، کی تائید جناب عاشق الٰہی میرٹھیؒ کی کتاب تذکرۃ الخلیل میں جناب محمد یحیی کاندھلویؒ (ولادت ۱۲۸۸ھ۔۱۸۷۱ء) سے منسوب درج ذیل روائت سے بھی ہوتی ہے۔ لکھا ہے:

منطق اور ادب کے علاوہ باقی کتابیں آپ نے دہلی مدرسہ حسین بخش میں پڑھیں، مگر حدیث پڑھنے کا خیال دل سے نکال دیا تھا کیونکہ یہ خیال دل میں بیٹھ گیا تھا کہ دہلی میں حدیث پڑھنے سے آدمی غیر مقلد ہو جاتا ہے۔ ❶

اس بات کا تذکرہ باربرا مٹکاف نے بایں الفاظ کیا ہے:

Muhammad Yahya Kandhlawi, when he was sent by his father to study at the Madrasah-yi Husain Baksh in Delhi during the 1880s, so feared the pervasive influence of the Ahl-i-Hadis in the city that he secreted himself in a cell at the tomb of Nizamu '-Din and finally went to Deoband . (Mufti Azizur Rahman, Tazkira-yi Masha'ikh Deoband , Bijnor, 1958, p 311. (Metcalf. P. 285)

میاں صاحب محدث دہلویؒ کے درس حدیث کے اثر سے حنفیوں کے غیر مقلد ہو جانے کی ایک مثال جناب مناظر احسن گیلانی نے نقل کی ہے۔ لکھتے ہیں:

خاکسار کا خاندان چند پشتوں سے مولویوں کا خاندان ہے۔ میرے جدامجد صوبہ بہار کے مشہور معقولی تھے۔...... میرے عم، حکیم سید ابو النصر گیلانی درس نظامیہ کے عالم تھے۔ درس و تدریس ان کا مشغلہ تو کم تھا، لیکن مطالعہ میں مسلسل منہمک رہتے تھے۔ اس زمانہ کے عام مولویوں کے اعتبار سے ان کے مطالعہ کا دائرہ وسیع تھا......دادا مرحوم کے ایک پنجابی شاگرد ملا عبداللہ مرحوم میرے گاؤں میں توطن پذیر ہو گئے تھے اور مختلف مؤثرات کے تحت دہلی جا کر مولانا نذیر حسین مرحوم کے حلقہ میں پہنچ کر حنفی مسلک چھوڑ کر عمل بالحدیث یا غیر مقلدیت کا مسلک اختیار کر لیا تھا۔

---

❶ تذکرۃ الخلیل۔ص ۲۰۲

چچا مرحوم سخت غالی حنفی تھے۔ ملا عبداللہ سے حالانکہ انہوں نے کچھ پڑھا بھی تھا، لیکن مقلدیت غیر مقلدیت کی بحث میں الجھ کر دونوں میں مختلف کلی اور جزئی مسائل کے متعلق رات دن مباحثہ کا بازار گرم رہتا تھا۔ خصوصاً طلاق ثلاثہ مجلس واحد مغلظ ہے یا رجعی، اس نزاع میں تو رسالہ بازیوں کی نوبت آئی۔ طرفین سے متعدد رسالے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے شائع ہوتے رہتے تھے۔ ❶

شاہ ابواسحاق لہراوی

شاہ ابواسحاق بن شاہ ابوالغوث گرم دیوان محدث لہراوی بھیرا یا لہرا (نواح مبارک پور ضلع اعظم گڑھ) میں پیدا ہوئے۔ نسباً فاروقی تھے والد کا نام شاہ ابوالغوث ہے جو گرم دیوان کے نام سے مشہور تھے۔ آپ خاندانی طور پر ملتانی ہیں۔ جد اعلیٰ ملتان سے دہلی میں منتقل ہوئے۔ پھر امیر تیمور کی غارت گری کے دور میں دہلی چھوڑ کر جونپور میں آباد ہوگئے۔ اس وقت جون پور میں ابراہیم شاہ کی حکومت تھی جو علم نواز آدمی تھا۔ اس نے شاہ ابواسحاق کے جد اعلیٰ شیخ خضر کی بڑی عزت کی اور پرگنہ محمد آباد میں ولید پور کی جاگیر عطا کی۔ جاگیر ملنے کے بعد یہ خاندان جونپور سے منتقل ہوکر بھیرا ❷ جو ولید پور سے متصل ایک چھوٹی بستی ہے آکر آباد ہوگئے۔

شاہ ابواسحاقؒ نے بھیرہ میں پرورش پائی۔ بالغ ہونے کے بعد جاگیر کے مالک ہوئے صرف چند ماہ جاگیر کو سنبھالا اس کے بعد چھوٹے بھائی شیخ احمد شاہ کو زمین داری کا نظم ونسق سپرد کر کے لہرا چلے گئے اور جنگل کے ایک گوشہ میں سکونت اختیار کر کے عبادت الٰہی میں مشغول ہوگئے۔

شاہ ابواسحاقؒ نے اپنے والد ماجد سے قرآن حکیم حفظ کر کے ان ہی سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ نزہۃ الخواطر (ج ۷۔ ص ۸) میں ہے:

و حفظ القرآن وقرء العلم علی ابیه وعلی غیره من العلماء۔

(انہوں نے قرآن اور دیگر علوم اپنے والد اور دیگر علماء سے پڑھے)۔

---

❶ مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں۔ از محمد عمران ندوی۔ ص ۴۳۔ ۴۴

❷ چریا کوٹ سے جانب شمال شش دہ میل فاصلہ دارد۔ تذکرہ علمائے ہند ص ۵

ان کے اساتذہ میں قاضی عبد الصمد بن ابوالحسن چڑیا کوٹی (ف ۱۱۷۱ھ) ❶ بھی ہیں، جیسا کہ تذکرہ علمائے ہند (ص ۱۲۱) میں قاضی صاحب کے ذکر میں ہے:

یگانہ آفاق حافظ ابواسحاق از تلامذہ اوست۔

شاہ ابواسحاق کے اساتذہ میں مولانا محمد ناصح کو بھی بعض اہل علم نے شمار کیا ہے جو مولانا محمد فاخر الہ آبادی کے تلامذہ میں سے تھے۔

ابواسحاق نے اپنے والد ماجد کی طرح آخر میں الہ آباد کا سفر کر کے براہ راست مولانا محمد فاخر (ف ۱۱۶۴ھ) سے تعلیم حاصل کی۔ اور ان ہی کے طریقہ پر عملی اور علمی زندگی بسر کی، مولانا فاخر الہ آبادی اپنے زمانہ کے زبردست محدث و بزرگ تھے، انہوں نے اپنے چچا شیخ محمد افضل اور بھائی شیخ محمد طاہر سے کتب درسیہ کی تکمیل کی اور اپنے والد مولانا محمد یحیٰ سے روحانی فیض حاصل کر کے ۱۱۴۹ھ میں حرمین شریفین کی حاضری کے موقع پر شیخ محمد حیات سندھیؒ (ف ۱۱۶۳ھ) سے صحیحین وغیرہ پڑھ کر سند و اجازت لی تھی۔ مولانا فاخر فقہی مسائل میں مجتہدانہ شان رکھتے تھے۔ کتاب و سنت اور اجتہاد پر عمل کرتے تھے بالکل یہی رنگ مولانا شاہ ابواسحاق پر غالب تھا۔ سنت نبوی کے خلاف کسی عالم و مجتہد کی بات سننا گوارہ نہیں کرتے تھے زہد و تقوی اور جادہ شریعت ان کا شعار بن چکا تھا۔

تذکرہ علمائے ہند کے رحمان علی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

مظہر محاسن اخلاق شاہ ابواسحاق کی ذات شریف نادرہء روزگار تھی۔ صحابہ کبار کی یاد تازہ کرتی تھی۔ زہد و تقوی ان کا شعار اور اسرار شریعت ان کا وثار تھے۔ احادیث کی تصحیح میں وہبی ملکہ رکھتے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی سے مزین تھے۔ سنت رسول کی پابندی میں ذرا بھی غفلت روا نہیں رکھتے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معاملہ میں چھوٹے بڑے اور امیر و غریب کی تمیز نہیں کرتے تھے۔ قرآن حکیم کے بعد صحیح بخاری کو اصح الکتب قرار دے کر اس سے بہت زیادہ اعتناء کرتے تھے۔ ❷

---

❶ چڑیا کوٹی نے دہلی میں تعلیم پائی تھی۔ اور محمد شاہ بادشاہ نے ان کو چڑیا کوٹ اور اس کے نواح کا قاضی مقرر کیا تھا۔ ❷ تذکرہ علمائے ہند ص ۵)۔ (نزھۃ الخواطر جلد ۷

شاہ ابو اسحاق کا سلسلہ تلمذ شاہ فاخرؒ کے واسطہ سے شیخ محمد حیات سندھی مدنی تک پہنچتا ہے۔اور آپ اپنی کتاب نور العینین فی اثبات رفع الیدین میں لکھتے ہیں:

بلغنی عن شیخی محمد ناصح وھو یروی عن شیخه العالم محمد فاخر الزائر بیت الله وھو یروی عن شیخه العالم المحدث محمد حیات الله المدنی۔

شاہ فاخر الہ آبادی سے سند فراغت لے کر شاہ اسحاق لہرا میں آئے اور اپنے والد کے جانشین بنے اور مدت العمر یہیں رہ کر تعلیم و تلقین میں زندگی بسر کی۔لوگوں کو توحید و سنت کی دعوت دیتے۔آپ کی تبلیغ سے کئی لوگ عامل بالکتاب والسنہ ہو گئے۔

جناب عبد السلام مبارکپوریؒ لکھتے ہیں کہ آپ کے رسالہ رفع یدین سے پتہ چلتا ہے کہ علم بالحدیث اور ترک تقلید کا ذوق آپ کو فطری تھا۔اگرچہ یہ سلسلہ تلمذ (شاہ فاخر والہ) آپ کے عمل بالحدیث کے لئے اعلیٰ درجہ کا معین ثابت ہوا۔جب آپ نے تقلید چھوڑ کر عمل بالحدیث شروع کیا تو معاندین نے بہت مخالفت کی اور ایذا رسانی پر اتر آئے،لیکن آپ نے اپنا مشن جاری رکھا۔اپنی کتاب نور العین میں لکھتے ہیں:

فلما سلکت منھج الحق والحق المطلق طفق بعض الفضلاء ونخبة الا خلایسئونی و یھجونی فی ذالك الامر زعما منھم ان ھذا الامر غیر مرتضی لان امامنا وغایة مذھبنا لا یحکم بصحة ھذه الاعمال وھو لیس ممن لایفقه بالافعال والاقوال۔

(یعنی جب میں نے حق راستی کو اختیار کیا اور حق مطلق کو مضبوطی سے تھام لیا تو بعض فضلاء اور بعض چیدہ احباب مجھے ایذا دینے و برا کہنے لگے۔اور ہجو گوئی پر اتر آئے۔یہ گمان کرتے ہوئے کہ جو مسلک میں نے اختیار کیا وہ غیر پسندیدہ ہے کیونکہ ہمارے امام اور ہمارے مذہب و مسلک کے علمائے کبار ان اعمال کی صحت کے قائل نہیں حالانکہ یہ لوگ ان میں سے نہ تھے جو ان اقوال و افعال کو نہ سمجھتے ہوں)۔

جب شاہ ابو اسحاقؒ نے دیکھا کہ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی یہ مقلدین اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہیں تو آپ نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر کے تبلیغی سلسلہ جاری رکھا۔

۱۲۳۴ھ (۱۸۱۸ء۔۱۸۱۹ء) میں موضع لہرا، غازی پور میں انتقال فرمایا اور موضع دھاوا غازی پور میں دفن کیئے گئے۔آپ کی قبر سے متصل مولوی فاروق چڑیا کوٹی کی قبر ہے۔ ❶

مسئلہ رفع الیدین پر ابتدائی تصنیفات

شاہ ابو اسحاق کی تصنیف میں عربی زبان میں ایک رسالہ نور العینین فی اثبات رفع الیدین بتایا گیا ہے اور اس سے حافظ صاحب کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے:

وقلت في ذالك لما اتبعت رسول الله لم أبال نعمان والسفيان والزهری۔ ❷

بتایا جاتا ہے کہ یہ رسالہ بہار کے بعض کتب خانوں میں تھا۔ ❸

ایک خیال یہ ہے کہ یہ رسالہ حافظ ابو اسحاق کے استاد شاہ محمد فاخر الہ آبادی کا ہے اور حافظ ابو اسحاق کے پاس رہا ہے اور ممکن ہے انہوں نے اس میں اضافہ کیا ہو یا حواشی لکھے ہوں۔ یوں اس پر ان کا نام بھی آ گیا ہے کیونکہ شاہ محمد فاخر کی تصانیف میں ایک رسالہ قرۃ العینین فی رفع الیدین ❹ بھی ہے۔

جناب محمد مستقیم سلفی نے لکھا ہے کہ آپ (یعنی ابو اسحاقؒ) ہی کی کتاب نور العین فی اثبات رفع الیدین (عربی) ہے۔اس کتاب کا قلمی نسخہ جناب عبید اللہ مبارکپوری کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ ❺

جناب محمد مستقیم سلفی کی کتاب کے صفحہ ۲۱۱ پر دو کتابوں کا ذکر ہے:

نور العینین فی اثبات رفع الیدین اردو مصنف شاہ ابو اسحاق بھیروی م ۱۲۳۴ھ

رسالہ مسألۃ رفع الیدین۔عربی۔مصنف ابو اسحاق لہراوی م ۱۳۲۴ھ۔

---

❶ تذکرہ مشائخ غازی پور۔ص ۴۲۸۔۴۲۹
❷ حاشیہ سیرت البخاری ص ۳۸
❸ قاضی اطہر مبارک پوری
❹ نزہۃ الخواطر۔ج ۶۔ص ۳۴۱)
❺ جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات۔صفحہ۔ک)۔

یہ دونوں مصنف (شاہ ابو اسحاق بھیروی اور ابو اسحاق لہراوی) ایک ہی فرد معلوم ہوتے ہیں، کیونکہ لہراوی اور بھیروی ایک ہی ہیں ، شائد سن وفات ایک جگہ غلط طبع ہو گیا ۔اور جس کتاب کے جناب عبید اللہ رحمانی ؒ کے کتب خانے میں موجود ہونیکا ذکر ہے ، شائد (معمولی ترمیم و اضافہ کے بعد) یہ وہی کتاب ہو جسکا ذکر اطہر مبار کپوری نے کیا ہے کہ بہار کے بعض کتب خانوں میں دیکھی گئی ہے اور جو انکے خیال کے مطابق دراصل شاہ فاخرؒ کی تصنیف ہے ۔

رفع الیدین کے موضوع پر شاہ محمد اسماعیلؒ کا رسالہ تنویر العینین ۱۲۲۹ھ میں تالیف کیا گیا۔اس میں رفع الیدین کے علاوہ ضمناً بعض دوسرے مسائل بھی زیر بحث آ گئے ۔مثلاً تقلید، نماز میں قرأت سورۃ فاتحہ، آمین بالجہر وغیرہ ۔اس رسالہ کو شاہ اسماعیل کے چچاؤں نے پسند فرمایا۔ ❶ اور یہ تقلید جامد کی فضا میں ارتعاش پیدا ہونے کا سبب بھی ہوا۔بعض فقہاء حنفیہ نے اس کی تردید کی جس کا خود مولوی اسماعیلؒ دہلوی نے ۱۲۴۲ھ میں تنقید الجواب کے نام سے جواب تحریر فرمایا جس پر مولوی عبدالحی بڈھانویؒ نے بھی تصدیقی دستخط کیے ۔ ❷

شاہ اسماعیلؒ کا یہ رسالہ سب سے پہلے غالباً ۱۲۵۶ھ میں مطبع رحمانی کلکتہ سے باہتمام جناب منصور الرحمٰنؒ بنگالی مع ترجمہ وحواشی شائع ہوا۔اس پر جناب عطاء اللہ حنیفؒ نے توضیحی حواشی عربی میں لکھے، جناب محمد اسماعیلؒ سلفی گوجرانوالہ نے عربی میں بعنوان النهضة السلفيه في الهند والباكستان مقدمہ لکھا اور لاہور سے شائع ہوا پھر جناب محمد سلیمان انصاریؒ نے اسکا اردو ترجمہ کیا جو لاہور سے شائع ہوا یہ آخر الذکر نسخہ میرے سامنے ہے۔

جناب غلام رسول مہرؒ نے ❸ لکھا ہے کہ سید محمد علی مدراسیؒ کے بھائی جناب حیدر علیؒ رامپوری نے بھی ایک رسالہ رفع الیدین بزبان فارسی لکھا تھا۔

جناب حیدر علیؒ، دہلی میں پیدا ہوئے ۔ابتدائے عمر میں رامپور چلے گئے ،عربیت میں سید غلام جیلانی رام پوریؒ،عبدالرحمان کوہستانیؒ، شیخ رستم علیؒ رامپوری کے شاگرد تھے۔

---

❶ سوانح احمدی۔ص ۱۴۷

❷ اتحاف النبلاء۔ص ۴۴

❸ جماعت مجاہدین، صفحہ ۲۸۵

لکھنو میں ملا مبینؒ سے تعلیم حاصل کی پھر دہلی میں شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبد العزیزؒ سے استفادہ کیا۔حکیم شریف خانؒ سے طب پڑھی۔ تذکرہ علمائے ہند میں مرقوم ہے کہ علم طب میں انہیں ید طولی حاصل تھا۔ سید ابو الحسن علیؒ ندوی فرماتے ہیں کہ ذکاوت، سرعت ادراک، جامعیت معقول و منقول، کتاب و سنت اور اختلاف آئمہ سے واقف، تبحر علمی میں سرآمد روزگار اور علوم حکمیہ میں بحر ذخار تھے۔ ❶

جناب حیدر علی کلکتہ بھی گئے۔احمد علی خاں فرمانروائے رامپور کے آخری زمانہ میں ٹونک پہنچ گئے، نواب احمد علی نے انہیں کے ہاتھ پر نیابتاً بیعت جہاد کی تھی وزیر الدولہ نے ربیع الاول ۱۲۶۰ھ (مارچ ۱۸۴۴ء) میں انہیں عہدہ دیوانی پر مامور کیا۔ ❷

جناب حیدر علی رامپوریؒ نے ۶ ذی الحج ۱۲۷۲ھ (۱۸۔ اگست ۱۸۵۶ء) ٹونک میں وفات پائی۔ سید صاحبؒ کے خلفاء میں تھے تذکرہ علمائے ہند میں انکی دو کتابوں کا ذکر ہے

صیانت الناس عن وسوسۃ الخناس۔ بزبان اردو۔

رسالہ رفع الیدین بزبان فارسی۔ ❸

ابو الکلام آزاد

اگست ۱۸۸۸ء (۱۳۰۵ھ) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام جناب خیر الدین ہے۔ والد نے آپ کا نام غلام محی الدین رکھا۔اپنے بچپن ہی میں آپ نے اپنے والد سے چند مسائل میں اختلاف کر لیا۔کلکتہ میں کچھ اساتذہ سے پڑھا۔ پھر بمبئی میں پڑھا۔ بزم ارجمنداں میں ڈاکٹر باقر سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کی روایت کے مطابق آپ نے سید نذیر حسین محدثؒ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ڈاکٹر باقر متحدہ ہندوستان کے آخری دنوں میں دہلی میں ملازم سرکار تھے اور ابو الکلام آزاد سے، جو ان دنوں مرکزی وزیر تھے، رابطہ میں رہتے تھے۔

---

❶ سیرت سید احمد شہید۔طبع دوم۔ص ۳۹۳

❷ حدیقہ راجستان۔ص ۴۳

❸ نزہۃ الخواطر جلد ۷۔ جماعت مجاہدین۔ دیار پورب میں علم و علماء۔تذکرہ مشائخ غازی پور۔ جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات۔محدث بنارس جولائی ۲۰۰۲ء۔تنویر العینین طبع لاہور

ڈاکٹر باقر لکھتے ہیں:

فقیر اپنے تجسس کی خاطر غالب کے قدیم مکان اور محلّہ پھاٹک حبش خان کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی دوران ایک مطبوعہ فہرست ایسی مل گئی جس سے یہ نشان دہی ہوئی کہ مولانا ابوالکلام آزاد پھاٹک حبش خان کے قریب مولانا سید نذیر حسین کی مسجد میں زیر تعلیم رہے ہیں اور مولانا نذیر حسین کے شاگرد...... قریب ہی مولانا نذیر حسین مرحوم کا رہائشی مکان تھا جس میں یادگار چیزیں محفوظ تھیں ان میں ایک جبہ اور دستار بھی تھا جو حکومت حجاز کی طرف سے بھجوائی گئی تھی۔ غالب کا رہائشی مکان اور مولانا نذیر حسین کی مسجد وغیرہ فنڈز نہ ہونے کی وجہ سے نہایت پژمردہ حالت میں تھے۔ میں نے واپسی پر مولانا (ابوالکلام) سے ذکر کیا۔...... فرمایا۔ بھائی تم کہاں جانکلے اور میرا ماضی ڈھونڈ نکالا۔

میں نے درخواست کی کہ غالب کے مکان اور مولانا نذیر حسین کی مسجد، مکان اور کتب خانے کو محفوظ کرنے کے لئے خصوصی فنڈز ملنے چاہییں۔ مولانا نے یہ درخواست منظور کرلی...... میں نے اگلے دن دفتر سے فائل چلادی۔ دوسرے دن چیک موصول ہوگیا جو منتظمین کے حوالے کر دیا گیا۔

مولانا آزاد سے مولانا نذیر حسینؒ کی باتیں دیر تک ہوتی رہیں۔ کہنے لگے آج کل کے معجزات کا میں قائل نہیں، لیکن معروف ہے کہ اسی مسجد کے صحن میں مولانا نذیر حسین درس دیا کرتے تھے، جسے تم دیکھ آئے ہو۔ گلی تنگ ہے، سامنے کے مکان کی سب سے اوپر کی منزل سے ایک کناسہ روز میلا پھینک دیا کرتی تھی جس کا کچھ حصہ کبھی کبھی مسجد کے صحن میں بھی آ گرتا۔ مولانا نذیر حسینؒ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا لیکن کناسہ باز نہ آئی۔ ایک دن مولانا نذیر حسینؒ درس دے رہے تھے کہ کناسہ نے یہی حرکت دہرائی۔ مولانا نذیر حسین نے مکان کی چھت کی طرف دیکھا اور فرمایا:

ہم نے تمہیں روکا تھا لیکن تم باز نہیں آئیں۔

لوگوں کا بیان ہے کہ اسی روز کناسہ میلا پھینکتے ہوئے اس کے ساتھ ہی گلی میں آ کر گری اور وہیں ڈھیر ہوگئی۔ واللّٰہ اعلم بالصّواب۔ ❶

---

❶ بزم ارجمنداں۔ ص ۹۰۔ ۹۱۔ بحوالہ ہفت روزہ نداء۔ لاہور۔ ۹۔ اکتوبر ۱۹۹۰ء

مالک رام نے لکھا ہے:

ابوالکلام آزاد جس گھرانے میں پیدا ہوئے وہ پشتوں سے دینی درس وتدریس اور رشد و ہدایت کا مرکز چلا آرہا تھا۔ ان کے والد مولانا خیرالدین باقاعدہ پیری مریدی کے طریقے پر عمل پیرا تھے۔ بمبئ اور کلکتہ کے علاقہ میں ان کے مریدوں کی بڑی تعداد تھی۔ معتقدات کے لحاظ سے وہ اتنے سخت قدامت پرست اور بے لچک تھے کہ پرانے مفسرین اور علماء نے جو تحریری سرمایہ چھوڑا ہے وہ اس سے سرموانحراف بھی کفر سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ خود ان کے زمانے میں جزیرۃ العرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان میں سرسید احمد خان نے نئ نئ باتیں کہنا اور اسلام کی نئ تفسیر اور تعبیر کرنا شروع کردی۔ مولوی خیرالدین کے نزدیک یہ دونوں کافر اوران کی تائید کرنیوالے اور ماننے والے اکفر سے کم نہیں تھے۔ آپ تعجب کریں گے کہ ان کے خیال میں ملک بھر میں صحیح معنوں میں صرف ڈھائی مسلمان تھے۔ ایک وہ خود، دوسرے مولوی فضل رسول بدایونی اور آدھے مولانا احمد رضا خاں۔ ❶

جناب ابوالکلام نے بمبئ سے ایک ماہوار رسالہ نکالا پھر لکھنؤ آ گئے اور ندوہ کے الندوہ نامی رسالہ کے نگران ہوئے۔ پھر امرتسر آ گئے وہاں الوکیل سے وابستہ رہے پھر کلکتہ آئے ۱۳۳۰ھ میں الہلال نکالا جسے بہت شہرت ملی۔ ۱۳۳۴ھ میں حکومت نے رانچی میں نظر بند کر دیا۔ نظر بندی کا وقت آپ نے تصنیف وتالیف میں گزارا۔ ۱۳۳۸ھ میں نظر بندی ختم ہوئی تو کلکتہ لوٹ آئے وہاں ایک مدرسہ بنایا۔ ملکی سیاست میں حصہ لیتے رہے۔ شعبان ۱۳۷۷ھ میں وفات پائی۔ جامع مسجد دہلی کے سامنے دفن ہوئے۔ عقیدہ کے پختہ، اور تارک تقلید تھے۔ والد کی تمام رسموں اور بدعتوں سے بے زار تھے۔ کانگریس اور جمعیت العلماء میں شامل رہے۔ کانگریس کے صدر بھی رہے۔ متحدہ ہندوستان کے آخری ایام سے لے کر اپنی وفات تک ہند کے مرکزی وزیر رہے۔ آپ ہی کے متعلق جناب محمود حسن کا وہ ارشاد مشہور ہے کہ ابوالکلام نے ہمیں جہاد کا سبق یاد کرایا۔

جناب ابوالکلام آزاد کی حیات وخدمات پر کسی آئندہ جلد میں تفصیل سے لکھا جائے گا۔ انشاءاللہ۔

---

❶ کچھ ابوالکلام آزاد کے بارے میں ص ۱۳۱

میاں صاحب کا حجازی جبہ

اوپر منقول ایک تحریر میں میاں نذیر حسین مرحوم کے مکان پر ڈاکٹر باقر نے اس جبہ و دستار کی موجودگی کا ذکر کیا ہے جو انہیں حکومت حجاز کی جانب سے بھیجے گئے تھے۔ مجھے اس جبہ و دستار کے حجازی ہونے میں شرح صدر نہیں ہے۔

میاں صاحب کی وفات ۱۹۰۲ء میں ہوئی اور اس وقت تک وہاں مکہ معظّمہ کے شریف اور ترک گورنر حکومت کرتے تھے۔ شریف اور ترکوں کے اقتدار کا خاتمہ پہلی جنگ عظیم کے بعد ہوا اور حجاز و نجد میں سعودی حکومت ۱۹۲۰ء کے عشرے میں قائم ہوئی۔ میاں صاحبؒ کے تعلقات اپنے دور کی حجازی حکومت کے ساتھ دوستانہ نہیں تھے اور اس دور کے حجاز میں ہندوستان کے اہل حدیث حضرات کو وہابی سمجھا جاتا تھا اور جب یہ لوگ حج کے لئے مکہ معظّمہ جاتے تو انہیں بہانے بہانے سے تنگ کیا جاتا تھا۔ حتی کہ جب میاں صاحبؒ ۱۸۸۰ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں انہیں گرفتار کر کے ان سے سنت یوسفی پر عمل کرایا گیا تھا۔ یہ واقعہ اشاعۃ السنۃ جلد ٦ میں موجود ہے جہاں بتایا گیا ہے کہ حاجی امداد اللہ اور جناب رحمت اللہ کیرانوی وغیرہ میاں صاحب کی ایذا دہی میں شریک تھے۔ تحقیقات کے بعد بمشکل ان کی رہائی ہوئی تھی۔ اس کے بعد بھی ہندوستان سے حجاز جانے والے اہل حدیث حضرات کو وہاں مشکلات پیش آتی رہیں۔ یوں حجاز کی ۱۹۰۲ء سے پہلے کی حکومت سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ میاں صاحب کو جبہ و دستار عطا کرتی۔ اگر سعودی حکومت میاں صاحبؒ کی زندگی میں موجود ہوتی تو اس جبے اور دستار کا حجازی ہونا قابل تسلیم ہوتا۔

جناب میاں صاحب کو ۱۸۹۷ء میں شمس العلماء کا خطاب حکومت ہند کی طرف سے ملا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ خطاب کے موقع پر حکومت ہند کی طرف سے جبہ و دستار قسم کی چیزیں دی جاتی تھیں یا نہیں؟ اگر دی جاتی ہوں تو ممکن ہے کہ یہ جبہ اور دستار انہیں ۱۸۹۷ء میں خطاب کے ساتھ حکومت ہند کی طرف سے دیا گیا ہو۔ [1]

---

[1] بعد ازاں اخبار اہل حدیث امرتسر کے ایک شمارے سے معلوم ہوا کہ سید عبدالرؤف دہلوی مہتمم نذیریہ لائبریری و مرتب مکاتیب نذیریہ کو سعودی حکومت حجاز کی جانب بیسویں صدی کے چوتھے عشرے میں ایک جبہ دیا گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر باقر کی تحریر میں مذکور جبہ وہی ہے جو سید عبدالرؤف کو عطا ہوا تھا۔ بہاء۔ یکم اگست ۲۰۱۰ء)

سر سید احمد خان

آپ ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی عمر کا تیرہواں یا چودھواں برس ہوگا جس وقت سید احمد شہیدؒ نے اصلاح و حریت کا علم بلند کیا۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ کے وعظوں میں بھی انہوں نے شرکت کی تھی۔

آپ دلی کالج میں جناب مملوک علی کے شاگرد رہے۔ یہ عجیب واقعہ ہے کہ غدر کے طوفان نے ہندوستان کے سماجی اور سیاسی زندگی کی بنیادوں کو ہلا دیا تھا۔ اور ایسے وقت دو متضاد تحریکیں یا مکتب خیال و دبستان فکر وجود میں آئے تو ان کا سرچشمہ ایک ہی تھا۔ دونوں تحریکوں کے بانی ایک درس گاہ، اور ایک استاد کے فیض یاب تھے۔ دہلی اجڑی، دلی کالج بند ہوا تو اس کے عوض دیوبند اور علی گڈھ دو مرکز بن گئے۔ بقول شخصے

جس طرح مولانا محمد قاسم دہلی کالج کے عربی حصے کو دیوبند لے گئے اسی طرح سرسید احمد خان نے دہلی کالج کے انگریزی حصہ کو علی گڈھ پہنچا دیا۔ ❶

سرسید احمد نے ۱۸۶۹ء میں انگلینڈ کا سفر کیا۔ ۱۸۔ ۱۹ ماہ قیام کے بعد اکتوبر ۱۸۷۰ء میں جب وہ ہندوستان واپس ہوئے تو انہوں نے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ جس کا پہلا نمبر ان کی انگلستان سے واپسی کے دو مہینے بعد شائع ہوا۔ تہذیب الاخلاق میں کئی ایسے مضامین ہوتے تھے جن کا ناخوشگوار اثر پڑتا تھا، اور یوں ان کی مخالفت شروع ہوئی۔ ❷

۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو ایم اے او ہائی سکول کا افتتاح سر ولیم میور نے کیا۔ سرسید اس زمانے میں بنارس میں تھے۔ جولائی ۱۸۷۶ء میں پنشن پا کر وہ علی گڈھ میں مقیم ہوئے اور ۸ جنوری ۱۸۷۷ء کو لارڈ لٹن کے ہاتھوں کالج کا افتتاح ہوا...... سرسید کی وفات کے بعد نواب محسن الملک نے علی گڈھ کو یونیورسٹی بنانے کی کوشش شروع کی تھی۔ ۱۱ جنوری ۱۹۲۱ء سے علی گڈھ کالج مسلم یونیورسٹی میں تبدیل ہوگیا۔ ❸

---

❶ تاریخ ندوۃ العلماء۔ ص ۴۵۔ ۴۶ تلخیص۔ بحوالہ علی گڈھ میگزین۔ ۱۹۴۷ء ص ۶۷

❷ تاریخ ندوۃ العلماء۔ ص ۴۷۔ ۴۸

❸ تاریخ ندوۃ العلماء۔ ص ۵۰۔ ۵۱)

علی گڈھ کالج کے افتتاح سے سات آٹھ سال پہلے سرسید کی طرف، انگریزی تعلیم کی ترویج سے نہیں، بلکہ اپنے معاشرتی اور مذہبی عقائد کی وجہ سے، مسلمانوں میں انگشت نمائی ہونے لگی اوران کے عقائد ومسلک کو شک کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔جن لوگوں نے سرسید کے حالات بغور نہیں پڑھے وہ سمجھتے ہیں کہ سرسید کی مخالفت ان علماء نے کی جو......سرکار انگلش اورانگریزی تعلیم کے مخالف تھے۔حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔مدرسۃ العلوم کے سب سے بڑے مخالف دو بزرگ تھے اور دونوں معزز سرکاری ملازم تھے۔یعنی مولوی امداد علی ڈپٹی کلکٹر اور مولوی علی بخش صاحب۔حالی لکھتے ہیں:

سرسید کے مدرسۃ العلوم کے سب سے بڑے مخالف دو بزرگ تھے جو باوجود ذی وجاہت اور ذی رعب ہونے کے علوم دینیہ سے بھی آشنا تھے۔ایک مولوی امداد علی ڈپٹی کلکٹر کان پور اور دوسرے مولوی علی بخش سب جج گورکھپور۔اگرچہ یہ دونوں صاحب مذہبی عقائد وخیال کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ضد حقیقی تھے، یعنی پہلے سخت وہابی اور دوسرے سخت بدعتی۔اور یہ ایسا اختلاف تھا کہ کسی بات پر دونوں کا اتفاق کرنا محال عادی معلوم ہوتا تھا۔باوجود اس کے مدرسۃ العلوم کی مخالفت پر دونوں ہم زبان اور متفق الکلمہ تھے۔یہاں تک کہ ہندوستان میں جس قدر مخالفتیں اطراف وجوانب سے ہوئیں ان کا منبع انہیں دونوں صاحبوں کی تحریریں تھیں۔ [1]

علی گڈھ تحریک اور سرسید پر سب سے زیادہ لطیف تنقید اکبر الہ آبادی نے کی جو انگریزی تعلیم یافتہ تھے اور خود ایک آئینی عہدے پر فائز تھے۔ان کا کلام سرسید کی تردید تنقید اور طنز سے لبریز ہے۔ [2]

سرسید کے خیالات اور ان کی تحریرات کے برخلاف مستقل کتابیں اور رسالے لکھے جانے لگے۔رسالہ طعام اہل کتاب کے رد میں مولوی امداد العلی نے امداد الاحتساب لکھی۔ مولوی محمد علی نے مزیل الاوہام کا نام ایک رسالہ شائع کیا۔تہذیب الاخلاق کے توڑ پر خاص خاص اخبار اور رسالے جاری ہوئے۔کان پور سے نور الآفاق اور نور الانوار اور مراد آباد سے لوح محفوظ نکلا۔آگرہ سے تیرھویں صدی شائع ہوا۔

---

1. حیات جاوید ص ۵۴۳۔۵۴۴
2. تاریخ ندوۃ العلما۔ص ۴۹

امداد الآفاق، شہاب ثاقب اور تائید الاسلام وغیرہ اضلاع شمال مغرب سے اور اشاعۃ السنہ پنجاب سے شائع ہوئے۔ ❶

مولوی امداد العلی نے جو تین استفتا ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں بھیج کر سرسید کے کفر وارتداد کے فتوی حاصل کیئے تھے ان میں سے ایک اس مضمون کا تھا:

- جس شخص کے ایسے ایسے عقائد اور اقوال وافعال ہوں وہ مسلمان ہے یا نہیں؟
- دوسرا اس مضمون کا تھا کہ جو مدرسہ ایسا شخص فلاں فلاں اغراض سے قائم کرنا چاہے اس میں چندہ دینا اور اس کی اعانت کرنی مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں؟
- تیسرا اس تاریخ ہندوستان کے ترجمہ کرانے کی بابت تھا جس میں مصنف نے آنحضرت ﷺ کی نسبت اپنے عقیدہ کے موافق سخت اور نا ملائم الفاظ لکھے تھے۔

یہ تمام فتوے اور استفتاء مولوی امداد علی نے اپنے ایک رسالہ کے آخر میں جس کا نام امداد الآفاق برجم اہل النفاق بجواب پرچہ تہذیب الاخلاق ہے، چھاپ کر اس رسالہ کو تمام ہندوستان میں مفت تقسیم کیا تھا۔ ❷

ان فتووں پر جن کے دستخط ہیں ان میں مولوی کریم اللہ دہلوی اور مولوی عبد الحی لکھنوی فرنگی محلی بھی شامل ہیں۔

حالی کہتے ہیں کہ مخالفت کے باوجود سرسید نے مخالفوں سے التجا کی کہ مدرسۃ العلوم کی مذہبی تعلیم جس میں میری مداخلت سے آپ کو اندیشہ ہے اس کا انتظام اور اہتمام آپ اپنے ہاتھ میں لیجئے، میں اس میں کسی طرح کی شرکت نہیں چاہتا۔ اس پر مولوی امداد علی نے ان کو لکھا:

تم اپنے افعال واقوال سے توبہ کرو اور ہم سے ہو جاؤ تو ہم شریک ہوتے ہیں...... مولوی محمد قاسم اور مولوی محمد یعقوب صاحب نے یہ جواب دیا:

ہرگاہ اس مدرسہ میں شیعہ بھی ہوں اس لئے ہم شریک نہیں ہوتے۔

---

❶ حیات جاوید۔ص ۵۴۴۔۵۴۵

❷ حیات جاوید۔ص ۵۴۸۔۵۴۹

ان تمام واقعات کی طرف سرسید نے تہذیب الاخلاق کے ایک مضمون میں اشارے کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

جناب حاجی مولوی سید امداد العلی صاحب نے لکھا:

تم اپنے افعال واقوال سے توبہ کرو اور ہم سے ہو جاؤ تو ہم شریک ہوتے ہیں۔

اگر چہ اس امر کو اس بات سے جو پیش کی تھی، کچھ تعلق نہ تھا۔ بایں ہمہ میں اس کو قبول کر لیتا مگر مجھے خیال ہوا کہ اگر ہمارے محبّ قلبی منشی چراغ علی صاحب (جو شیعہ مذہب رکھتے تھے) مجھ سے کہیں کہ تم ہم سے ہو جاؤ تو ہم شریک ہوتے ہیں، تو پھر میں کیا کروں گا؟ بقول شخصے گوری کا جوبن چٹکیوں ہی میں گیا۔ میرا تو یوں ہی تکا بوٹی ہولے گا...... جناب مولوی محمد قاسم صاحب اور جناب مولوی محمد یعقوب (صدر مدرس دیوبند) صاحب نے جو متعصّبانہ جواب دیا اس سے ہر شخص جس کو خدا نے عقل اور محبت اور حب ایمانی دی ہوگی، نفرت کرتا ہوگا۔ ❶

✿ سرسید احمد خان کے مخالفین میں لدھیانہ کے علماء بھی تھے۔ ان کے فتاوی قادریہ میں ایک فتوی یوں ہے:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین۔ اس مسئلہ میں کہ سید احمد خان نیچری نے جو ایک جماعت ایسوسی ایشن قائم کی ہے اور لوگوں کو بذریعہ اعلام مطبوعہ ۸ اگست ۱۸۸۸ میں یوں ترغیب دے رہا ہے کہ میری جماعت میں بڑے بڑے ہندو ذی وجاہت مثل راجہ بنارس وغیرہ، جو کانگریس کے برخلاف ہیں، شامل ہیں۔ ہر شخص داخل ہو پانچ پانچ روپیہ چندہ ماہواری میرے نام علی گڑھ یا بنارس میں راجہ صاحب کے نام روانہ کیا کرے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور اس کی مدد کے واسطے جابجا ایسوسی ایشنس انجمن اسلامیہ کے نام سے لوگوں نے شہروں میں قائم کی ہیں۔ جو شخص ان کے ساتھ اتفاق کرنے سے برخلاف معلوم ہوتا ہے اسکے ساتھ طرح طرح کا فساد اور فتنہ برپا کر کے اس کو جبراً ملانا چاہتے ہیں۔ آیا ایسی جماعت میں مسلمانوں کو شامل ہونا اور ان کی مدد کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور نیچری لوگ بدخواہ اسلام ہیں یا نہیں؟

از علی محمد، متوطن بمبئی

---

❶ حیات جاوید۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰

جواب: اس شخص کی اعانت کرنی اور اس سے علاقہ اور رابطہ پیدا کرنا ہرگز درست نہیں۔ اصل میں یہ شخص شاگرد مولوی نذیر حسین وہابی بنگالی دہلوی غیر مقلد کا ہے۔ اور بنیاد اس فرقہ کی عبدالوہاب نجدی سے شروع ہوئی ہے۔ تخمیناً کچھ اوپر سو برس کا عرصہ ہوا کہ متبعین محمد بن عبدالوہاب نے سلطان سے باغی ہو کر مکہ معظّمہ اور مدینہ مطہرہ پر بھی قبضہ کر لیا اور اکثر علماء اسلام کو قتل کر ڈالا۔ آخرش لشکر ظفر پیکر سلطانی نے ۱۲۳۶ھ میں فتح پا کر ان کے شہروں کو برباد اور تاراج کیا اور یہ سب ردالمختار معروف بشامی شرح درمختار میں مذکور ہے۔ اب تک یہ حال ہے کہ جس شخص میں کوئی علامت وہابیت کی حکام حرمین شریفین پاتے ہیں فوراً اس کو گرفتار کر لیتے ہیں۔ مولوی نذیر حسین مذکور جب حج کو گئے اسی وجہ سے حکام حرمین نے انکو قید کر دیا آخرش بہزار سفارش ومنت تائب ہو کر رہا ہوئے۔

چونکہ اس ملک کے وہابی یعنی جو غیر مقلد اور کبھی موحد اور گاہے محمدی اور اہلحدیث کے نام سے اپنے آپ کو نامزد کرتے ہیں مولوی نذیر حسین کے مقلد اور تابعدار ہیں پس ان کو نیچری کے جو ہم سبق ان کا ہے ضرور بضرور مدد کرنی پڑی اور عقائد اس کے بالکل شریعت کے برخلاف ہیں۔

محمد لدھیانوی۔ تائید عبدالعزیز لدھیانوی اور عبداللہ لدھیانوی۔ اسماعیل لودھیانوی۔ عبدالواحد لدھیانوی۔ محمد شفیع رامپوری۔ نظام الدین لدھیانوی۔ رکن الدین لدھیانوی۔ محمد اسحاق لدھیانوی۔ ❶

✿ مندجہ بالا فتوی میں لدھیانوی حضرات نے لکھا ہے:

سرسید احمد، جناب سید نذیر حسین کے شاگرد تھے۔

لدھیانوی علماء کی یہ بات بے بنیاد ہے۔ سرسید، جناب مملوک علیؒ کے شاگرد تھے جیسا کہ تاریخ ندوۃ العلماء کے حوالے سے اوپر لکھا گیا ہے۔ نیز وہ شاہ مخصوص اللہ سے فیض یافتہ تھے اور انہیں کی وجہ سے وہ نماز میں رفع الیدین اور آمین بالجہر کے قائل وعامل تھے کیونکہ شاہ مخصوص اللہ ان اعمال پر کاربند تھے۔

---

❶ فتاوی قادریہ۔ ص ۴۷۔۵۳

جناب حالی نے حیات جاوید میں سر سید کے اساتذہ میں مولوی حمید الدین، سر سید کے ماموں نواب زین العابدین، حکیم غلام حیدر، کو شامل کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ سر سید، جناب صہبائی، غالب اور آزردہ کی مجلسوں میں بیٹھ کر فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ اور انہوں نے مولوی نوازش علی سے قدوری، شرح وقایہ، اصول شاشی، نور الانوار، مولوی فیض الحسن سے مقامات حریری کے چند مقامے اور سبعہ معلقہ کے چند قصیدے پڑھے، مولوی مخصوص اللہ سے حدیث پڑھنی شروع کی اور مشکوۃ، اور ایک حصہ جامع ترمذی کا اور کسی قدر اجزاء صحیح مسلم کے پڑھے اور پھر قرآن مجید کی سند لی۔ بس اس سے زیادہ جیسا کہ سر سید خود اقرار کرتے تھے استاد سے انہوں نے کچھ نہیں پڑھا۔ ❶

اس کے بعد حالی نے لکھا ہے کہ جب سر سید نے پڑھنا چھوڑا اس وقت ان کی عمر اٹھارہ، انیس برس کی تھی ❷ پھر ۱۸۴۶ء میں جب کہ وہ فتح پور سیکری سے بدل کر دلی کی منصفی پر آئے، انہوں نے کسی قدر تعلیم حاصل کی۔ اور اس دور کے اساتذہ میں مولوی نوازش علی، مولوی فیض الحسن اور مولوی مخصوص اللہ ہیں۔

اس دور میں وہ ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۴ء تک دہلی میں رہے۔ ان دنوں میاں صاحب اورنگ آبادی مسجد میں پڑھاتے تھے۔ اور اسی بات کا ذکر سر سید نے آثار الصنادید میں کیا ہے کہ مولوی عبدالخالق اور مولوی نذیر حسین اورنگ آبادی مسجد میں پڑھاتے ہیں۔

لیکن اس بات کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا کہ سر سید نے اس دور میں یا کسی اور موقع پر میاں صاحب کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہو۔

ہاں وہ میاں صاحب سے دیگر طریقوں سے استفادہ کرتے رہے ہیں جس طرح معاصر اہل علم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہیں۔ اس کی شہادت سر سید احمد خان کے ایک عزیز خواجہ مصلح الدین (جن کے مکان پر مولوی محمد اسحاق منطقی رام پوری مقیم رہ کر درس وتدریس فرماتے رہے) نے فراہم کی ہے۔ خواجہ مصلح الدین کو ایک مرتبہ سر سید احمد خان نے لکھا:

عزیزی خواجہ مصلح الدین

---

❶ حیات جاوید۔ ص ۵۵، ۶۴

❷ یعنی ۱۸۳۳ء کے گرد و پیش جب کہ سید نذیر حسین ابھی خود طالب علم تھے

ایک حدیث مستدرک حاکم کی علیحدہ کاغذ پر نقل کر کے ملفوف ہے۔ مستدرک حاکم ہمارے پاس نہیں ہے۔ تم مہربانی سے جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب کے پاس جاؤ اور میری طرف سے سلام علیک کہو۔ ان کے پاس مستدرک حاکم کی ہو گی۔ اس کو دیکھ کر اسی کاغذ ملفوف پر لکھ دو کہ اس کے راوی کون کون ہیں۔ اور نیز جو عبارت کاغذ ملفوفہ میں ہے اس کا مقابلہ کرلو اس میں غلطی تو نہیں ہے۔ اور جس قدر جلد ممکن ہو اس کاغذ کو میرے پاس واپس بھیج دو اور بیرنگ لفافہ میں بھیجنا، تاکہ احتمال تلف ہونے کا نہ ہو۔

والسلام خاکسار سید احمد، علی گڈھ۔ ۱۳۔ اگست۔ ۱۸۹۷ء

تقریباً تیس سال بعد خواجہ مصلح الدین نے مکتوبات نذیریہ کے مرتب و ناشر سید عبدالرؤف دہلوی کو یہ خط عنائت کرتے ہوئے فرمایا:

سرسید مرحوم کے خطوط تحقیق تفاسیر قرآن مجید و احادیث نبوی کے متعلق بکثرت حضرت میاں صاحب فردوس مکاں کے ملاحظہ انور میں پیش کرنے کی سعادت میرے سپرد تھی اور پانچ روپئہ کرایہ آمد و رفت علی گڈھ سے دہلی تک کا مجھے ملتا تھا۔ کبھی تو بہت جلد جواب مل جاتا تھا اور کبھی میاں صاحب جواب میں تاخیر فرماتے تو مجھے توقف کرنا پڑتا تھا۔ ایک روز میں نے سرسید سے کہا کہ مجھے آپ کی ایسی دینی خدمت کے لئے کسی طرح کا عذر نہیں، بلکہ میرے لئے تو عین سعادت دارین اور باعث فخر ہے، لیکن آپ کبھی حضرت میاں صاحب کی خدمت میں تشریف لے جانے کی تکلیف کیوں نہیں فرماتے؟ سرسید نے فرمایا، میں تو اپنے موجودہ حضرات علماء کے نزدیک نیچری مشہور ہوں لیکن حضرت میاں صاحب میری وجہ سے کیوں بدنام ہوں؟ میں اور حضرت میاں صاحب دو قالب اور ایک جان ہیں ان کے احسانات علمی کا میں ہمیشہ مشکور ہوں اور رہوں گا۔ ①

✿ لدھیانوی حضرات کے فتاوی کی زد سے جناب رشید احمد گنگوہیؒ بھی محفوظ نہیں رہے۔ کتاب ہذا میں مسائل کے ضمن میں ہم نے نماز تراویح، اقامت جمعہ، ظہر احتیاطی وغیرہ پر اہل حدیث کا مسلک واضح کیا ہے۔ ان مسائل پر لدھیانوی حضرات نے بھی فتوی دیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے:

---

① مکاتیب نذیریہ۔ ص ۲۸

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ظہر کا ادا کرنا بعد جمعہ لازم ہے یا نہیں اور تراویح بیس رکعت ہیں یا آٹھ۔

جواب: اس ملک ہند میں بسبب نہ نپائے جانے حکومت اسلام کے جمعہ امام اعظم کے نزدیک فرض نہیں ہوتا۔ اسی واسطے ظہر کا پڑھنا لازم ہے۔ اور تراویح چاروں اماموں کے نزدیک بیس رکعتیں ہیں۔ جو شخص ظہر بعد جمعہ کے ادا کرنے سے مانع ہو اور تراویح کو آٹھ رکعتیں قرار دے وہ شخص لا مذہب ہے۔ ایسے شخص کو جماعت میں امام نہ ہونے دے۔

محمد لدھیانوی ❶

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چار رکعت نماز بنیت فرض ظہر بعد جمعہ کے اس ملک ہند میں پڑھنی جائز ہے یا نہیں اور جو مولوی رشید احمد گنگوہی نے اس کے عدم جواز کا فتوی لکھا ہے کہ، اسکے پڑھنے والا دین سے بے پرواہ ہے، مقبول ہے یا مردود؟

جواب۔ چوں کہ اس ملک ہند میں عموماً سلطان کا ہونا جو مذہب حنفیہ میں واسطے جمعہ کے شرط ہے، بالکل مفقود ہے اور مصر کی تعریف میں بھی بہت بڑا اختلاف ہے، لہذا علماء احناف کے نزدیک فتوی اسی پر ہے کہ چار رکعت نماز بعد نماز جمعہ بنیت فرض ظہر پڑھی جاویں۔...... اس ملک ہند میں پڑھنا ظہر کا نزدیک علماء حنفیہ کے بعد جمعہ فرض ہوا کیونکہ شرط سلطان کی یہاں بالکل مفقود ہے اور ان چار رکعتوں کو بنیت نماز فرض ظہر ادا کرنا لازم ہے۔ نفل کی نیت سے ان کا پڑھنا ہرگز درست نہیں ...... پس فتوی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا جو اس کے عدم جواز پر ہے، بالکل مردود ہے۔

راقم محمد لدھیانوی تائید عبداللہ لدھیانوی۔ عبدالعزیز لدھیانوی۔ ابو محمد عبدالحق مصنف تفسیر حقانی۔ ❷

انتظام المساجد والے فتوی میں اہل حدیث کو نشانہ بناتے ہوئے فرماتے ہیں:

کتاب اشباہ نظائر میں ہے کہ جو شخص لوگوں کو زبان سے ایذا پہچاوے اس کو مسجد سے نکال دینا چاہیے۔

---

❶ فتاوی قادریہ۔ ص ۲۷

❷ فتاوی قادریہ ص ۱۳۷۔ ۱۴۱ مکتبہ قادریہ لاہور

پس جب کہ روکنا مسجد سے بسبب بوئے پیاز اور طواف سے بہ سبب علت جزام اور نکالنا واعظ کا بہ سبب عدم امتیاز ناسخ و منسوخ اور زبانی ایذاء دینے والے کا نکالنا شرعاً درست ہوا تو غیر مقلدوں کو جو جامع امور مذکورہ کے ہیں، نکالنا بطریق اولی درست ہوا۔ اور نیز بہ سبب لحوق اس مرض باطنی کے جو جزام سے بڑھ کر ہے اور مساجد میں ان کے آنے سے فتنہ اور فساد برپا ہوتا ہے، خدا تعالی مفسدوں کو دوست نہیں رکھتا۔

قال اللہ تعالی ﴿واللّٰہ لایحبّ المفسدین﴾

اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اللہ نہیں دوست رکھتا فساد کرنے والوں کو۔

پس اس فرقہ فسادی کا مساجد سے نکالنا بموجب آیات اور احادیث اور روایات فقہیہ کے درست ہوا۔ راقم۔ محمد لودھیانوی [1]

یہ فتوی (اور اس طرح کے دیگر فتوے) تاریخ اہل حدیث کا اہم باب ہیں۔ کیونکہ جب مساجد کے دروازے، اہل حدیث حضرات پر بند کر دیئے گئے تو ان بے چاروں نے گھروں اور کھلے میدانوں میں نیز چھپروں کے نیچے، اور جوہڑوں کے کناروں پر نماز پنج گانہ کی ادائیگی شروع کر دی۔ اور جوں جوں اللہ کی توفیق ارزانی ہوتی گئی، انہوں نے نئی مساجد بنا کر اقامت صلوۃ، ادائیگی جمعہ، اور تراویح وغیرہ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یوں یہ فتوی برصغیر ہند میں ایسی بیشتر مساجد کی تعمیر کا باعث ہوا جو احناف کے تسلط سے آزاد، سبھی مسلمانوں کے لئے بنائی گئیں۔

ڈپٹی امداد علی

جناب الطاف حسین حالی کی حیات جاوید سے منقول بالا عبارات میں ڈپٹی امداد علی مرحوم کا ذکر ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی صاحب ہیں جو سفر حج میں میاں سید نذیر حسینؒ محدث کے ہمراہ تھے اور میاں صاحب کے ساتھ مکہ میں مخالفین کی طرف سے دی جانی والی ایذاؤں کا نشانہ بنے تھے۔

ڈپٹی امداد علیؒ صاحب اشاعت سنت اور رد بدعت میں کوشاں رہتے تھے۔ قاضی احتشام الدین مراد آبادیؒ نے رد بدعت پر ایک کتاب لکھی جسے ڈپٹی صاحب کے مالی تعاون سے شائع کیا گیا تھا۔ یہ بات میاں نذیر حسینؒ محدث کے درج ذیل خط سے ظاہر ہوتی ہے:

---

[1] فتاوی قادریہ۔ ص ۵۳۔ ۵۶

از عاجز محمد نذیر حسین بمطالعہ گرامی مولوی محمد احتشام الدین

بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ واضح رائے سامی باد کہ بحمد اللہ وتوفیقہ جواب باصواب بردش اولوالالباب بکمال صداقت وحذاقت نوشتند ونگایت در اظہار حق کوشیدند وداد حق کما حقہ دادند وبدعات دیرینہ راسراپادور کردند جزاکم اللہ تعالی خیراً فی الدارین۔

از دست گدائے بینوائے ناید ہیچ جز آنکہ بصدق دل دعائے کند۔

واجر بے پایاں از ایزد منان بجناب حسنات مآب سید امداد علی حصنہ اللہ الولی بلطفہ الخفی و الجلی بروز جزاء موفورہ باد کہ در طبع کنانیدن ان اشاعت سنت وحقائق حق از شرق تا غرب نمودند کہ حق حقیق شائع وذائع شد وہمہ عالم مستفید بداں گردد۔ والسلام خیر الختام۔

(ترجمہ اردو): از عاجز محمد نذیر حسین بخدمت مولوی محمد احتشام الدین

السلام علیکم کے بعد واضح رائے عالی ہو کہ بحمد اللہ وتوفیقہ جواب باصواب صاحبان فضل و کمال کی طرح سچائی اور عقلمندی سے آپ نے دیا اظہار حق میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور حق کی امداد پورے طور پر کی اور پرانی بدعات کا تم نے خوب قلع قمع کیا ہے۔ جزاک اللہ

از دست گدائے بینوائے ناید ہیچ جز آنکہ بصدق دل دعائے کند

دعا ہے کہ خداوند پاک کی جانب سے جناب حسنات مآب سید امداد علی کو قیامت کے دن اس کا بے انتہا ثواب مرحمت ہوگا اس لئے کہ موصوف نے اس کتاب کے چھپوانے اور احیائے سنت نبوی واثبات حق میں خوب کوشش کی اور مشرق سے مغرب تک حقانیت کو ظاہر کر دیا اور خدا کرے تمام دنیا اس سے مستفید ہو۔

میاں صاحبؒ کا یہ خط جس بزرگ (قاضی احتشام الدین) کے نام ہے وہ مراد آباد میں پیدا ہوئے اور کتب درسیہ قاضی بشیر الدین قنوجی سے مراد آباد میں اور سید امیر حسن سہسوانیؒ سے میرٹھ میں پڑھیں۔ پھر دہلی جا کر میاں نذیر حسینؒ محدث سے حدیث پڑھ کر سند واجازت سے حاصل کی۔ آپ نے مراد آباد میں درس وتدریس اور وعظ وارشاد کی مسند سجائی۔ حافظ عزیز الدین مراد آبادیؒ بھی آپ کے شاگرد ہیں۔ اور اختیار الحق آپ کی تصنیف ہے جو میاں صاحب کی معیار الحق کے جواب، انتصار الحق کے جواب میں لکھی گئی تھی۔

شاہ احمد رضا خان

احمد رضا بن نقی علی بن رضا علی ۱۲۷۲ھ بمقام بریلی پیدا ہوئے۔ ۱۴ سال کی عمر میں علوم رسمیہ سے فارغ ہوئے۔ احمد زینی دحلان سے بھی سند لی۔ مدت تک تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ سید آل رسول مارہروی سے بیعت تھے۔ ۱۳۱۱ھ میں فیض عام کانپور کے اجلاس میں شامل ہوئے جس میں ندوہ کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ بعد میں آپ ندوہ کے مخالف ہو گئے۔ بہت سے حنفی علماء سے مخالفت جاری رکھی، فتوے بھی دیئے۔ صفر ۱۳۴۰ھ میں فوت ہوئے۔ ❶

مولوی فضل رسول اور مولوی احمد رضا خان میں قدر مشترک دونوں کا مارہرہ کا آستانہ بیعت تھا۔ دونوں کو بزرگی اسی گدی سے ملی تھی۔ مولوی فضل رسول کو ۲۶۰ روپئے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا جو ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے مولوی عبد القادر کو ملتا رہا اور ان کے بعد ان کے بیٹے مولوی عبد المقتدر بدایونی کو۔ ❷

بدایوں اور بریلی ایک مسئلے کی آڑ میں ایک دوسرے کے خلاف پوری قوت سے نبرد آزما ہو گئے (وہ یہ کہ) اذان جمعہ کے مسئلہ میں مولوی احمد رضا نے یہ موقف اختیار کیا کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد سے باہر ہونی چاہیے۔ علماء بدایوں کا موقف یہ تھا کہ جمعہ کی اذان ثانی امام کے منبر پر آنے کے بعد منبر کے سامنے ہو۔ اس اختلاف میں مولوی احمد رضا نے علماء بدایوں کے خلاف خوب غصہ نکالا اور مختلف خطابات سے نوازا۔ حالات یہاں تک پہنچے کہ مفتی سخاوت حسین بدایونی نے مولوی احمد رضا کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ مارہرہ کے جانشین اس کشمکش میں مولوی احمد رضا کے ساتھ تھے۔ اور مارہرہ کے میاں مہدی حسین نواب حامد علی خان والی رامپور سے اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ اور مہدی حسین نے نواب رامپور کے ذریعہ مقدمہ خارج کرا لیا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی عبد الماجد بدایونی نے تحریک خلافت کی حمائت کا اعلان کر دیا جسکی احمد رضا مخالفت کر رہے تھے۔ ❸

---

❶ نزہۃ الخواطر ج ۸۔ ۹۶۔ ۹۹

❷ مطالعہ بریلویت۔ ج ۱۔ ص ۱۹۳

❸ مطالعہ بریلویت۔ جلد اول۔ ص ۱۹۴

شاہ احمد رضا کے سوانح نگار شاہ مانا میاں نے لکھا ہے:

اعلی حضرت (احمد رضا) کے خسر شیخ فضل حسین مرحوم ریاست رامپور میں نواب کلب علی خان کے مشیروں میں ممتاز درجہ پر فائز تھے۔ نواب صاحب نے اعلی حضرت کی شہرت سنی تو شیخ فضل حسین سے فرمائش کی اپنے نامور داماد سے ہم کو بھی ملایئے۔ ❶

ارشاد حسین رام پوری

جناب ارشاد حسین مجددی خلف مولوی حکیم احمد حسین بن غلام محی الدین۔ محدث، مفسر، فقیہ، درویش، مدبر تھے۔ آپ کے بزرگ سرہند پر سکھوں کی تعدی کے بعد بریلی آئے اور آپ کے دادا غلام محی الدین بریلی سے رامپور تشریف لائے۔ آپ کی ولادت رام پور میں ۱۴ صفر ۱۲۴۸ھ کو ہوئی۔ کتب فارسی اپنے والد اور شیخ احمد علی اور بھائی مولوی امداد حسین سے پڑھیں۔ لکھنو جا کر کتب منقول پڑھیں۔ رامپور آ کر ملا محمد نواب سے باقی کتب معقول کا درس لیا۔ آپ شاہ احمد سعید کے خلفاء میں سے تھے۔ نواب رامپور کی طرف سے ۴۰۰ روپیہ ماہانہ ملتا تھا۔ محلہ کھاری کنویں میں مکان پختہ وخام بنوائے۔ پالکی میں آتے جاتے تھے۔ کہار نوکر تھے، خوش لباسی خوش اوقاتی اور خوش اخلاقی سے زندگی بسر کرتے۔ نواب کو آپ سے نہائت محبت تھی اور بہت ادب اور تعظیم کرتے تھے۔ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ اپنی مسجد میں وعظ فرماتے تھے اہل شہر پر آپکا خاص اثر تھا۔ اپنے ہم قوم مجددیوں کے معاملات میں ہمیشہ ساعی رہتے۔ شہر اور بیرون جات کے بہت سے لوگ آپ سے بیعت ہوئے۔ قتل جنرل اعظم الدین کے معاملہ میں بعض لوگوں نے آپکو بھی متہم کیا اخیر میں تنخواہ میں اضافہ ہوا اور دشمن سب شرمندہ ہوئے۔ ۱۵ جمادی الاول ۱۳۱۱ھ کو انتقال ہوا اپنی مسجد کے متصل جانب مشرق دفن ہوئے۔

تصانیف میں ایک ضخیم کتاب انتصار الحق بزبان اردو بجواب معیار الحق مولانا نذیر حسین محدث دہلوی تصنیف کی ہے اور مطبوعہ ہے۔ ترجمہ کتاب الحیل عالم گیری اردو قلم ۱۳۶ صفحہ کی کتاب، کتب خانہ ریاست میں ہے۔ ایک کتاب ارشاد الصرف ہے جس کا تتمہ مولانا سلامت اللہ صاحب نے لکھ کر طبع کرایا۔ ❷

---

❶ المیزان ص ۳۳۲۔ مطالعہ بریلویت۔ ج ۱۔ ص ۱۹۶

❷ تذکرہ کاملان رام پور۔ ص ۳۰۔ ۳۳

تذکرہ کاملان رام پور کی مندرجہ بالا عبارت میں جناب ارشاد حسینؒ رام پوری کی انتصار الحق کا ذکر ہے جو انہوں نے جناب میاں نذیر حسین کی معیار الحق کے جواب میں لکھی تھی۔ میاں صاحبؒ، جناب ارشاد حسینؒ یا کسی بھی مخالف اہل علم سے مناظرہ کے لئے تیار تھے۔ ایک مرتبہ مجوزہ مناظرہ کے فیصلہ کے لئے ثالث یا حکم کے تقرر کا مرحلہ آ پہنچا۔ میاں صاحبؒ نے مفتی محمد سعد اللہؒ سے درخواست کی کہ وہ حکم بننا قبول کر لیں تاکہ مناظرہ ہو سکے۔ مفتی سعد اللہؒ صاحب حکم بننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اس سلسلے کے میاں صاحب کے دو خط مکاتیب نذیریہ میں موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

❁ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ از عاجز محمد نذیر حسین

بخدمت مولانا بالفضل اولنا مولوی محمد سعد اللہ صاحب دامت حسناتکم

بعد السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ معروض باد کہ دریں ولا مردمان مقابلین ما میگویند کہ مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری جواب ناصواب معیار الحق بمدت شش سال تحریر کردہ اند و باز از طرف شما (یعنی ایں عاجز) جواش نوشتہ خواہد شد۔

پس درہمیں تسلسل جوابات مرۃ بعد اخری عمر ما مقضی شود اندریں معنی احسن واولی آنست کہ از مولوی صاحب موصوف محرر رسالہ در فرض وواجب بودن تقلید شخصے گفتگو نماید کہ ایں مسئلہ مبحوث عنہا طے شود وتصفیہ یابد۔

بنا براں گفتم مضائقہ نیست لیکن حکم منصف مزاج (کہ بر دلائل شرعیہ در مسئلہ متعلقہ یدطولی داشتہ باشد ونظر بر اقوال مجتہدین سابقین وعلماء لاحقین دارد) پرضرور است کہ دلائل متین قائلین بفرضیت ووجوب آنرا وسند بمنع مانعین را ملاحظہ فرمودہ کار تحکیم فرمایند واحد الطرفین را الزام دہند۔ لہذا بعد مشورہ چناں قرار یافتہ کہ عالم جامع العلوم جناب مفتی محمد سعد اللہ صاحب سلمہ ربہ ہستند ہمیں جامع کمالات را حکم ومنصف قرار دادہ از وشاں التماس نمایند کہ درمیان فریقین منصف بودہ احقاق حق مطابق ادلہ شرعیہ فرمایند۔

لہذا مکلّف خدمت عالی میشوم کہ حسبۃً للّہ وشفقۃً علی خلق اللّہ ملتمس مرا مقرون باجابت فرمودہ قدم رنجہ فرمایند کہ خرچ سواری آمد ورفت ارسال داشتہ شود تا ایں جا تشریف آرند والا

اظہار حق ممکن نیست چہ دیگراں دریں باب مہارت تام ندارند کہ افراط وتفریط فریقین را ہدایت فرمایند لہذا اعرض رسان است کہ التماس مرا قبول فرمودہ از جواب باصواب مسرور وکامیاب خواہند فرمود۔ والسلام مع الاکرام خیر الختام

(اردو ترجمہ) بخدمت جناب مولانا محمد سعد اللہ صاحب

السلام علیکم۔ واضح ہو کہ آج کل میرے مقابل کے لوگ کہتے ہیں:

مولوی ارشاد حسین رامپوری نے عرصہ چھ سال میں جواب غیر مناسب معیار الحق کا تحریر فرمایا۔ پھر اس عاجز کی طرف سے جواب لکھا جائے گا تو اسی تسلسل جوابات سے عمر تمام ہو جائیگی، اور مطلب حل نہ ہوگا۔ اس سے عمدہ صورت یہ ہے کہ مولوی صاحب سے خود مصنف معیار تقلید شخصی کے فرض و واجب ہونے میں گفتگو کریں تاکہ مسئلہ متنازعہ طے پا جائے۔

اس پر میں نے کہا کہ کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ایک حکم منصف مزاج ہونا چاہیے کہ جس کو دلائل شرعیہ پر مہارت کامل اور اقوال مجتہدین اولین وعلمائے متاخرین پر نظر وسیع ہو کہ فرضیت اور وجوب کے ماننے والوں کی دلیل اور منع کرنے والوں کی سند پر اچھی طرح غور وفکر کرکے حکم کا کام انجام دے اور فریقین میں سے کسی ایک کو مورد الزام بنائے۔

اس لئے بعد مشورہ کے قرار پایا ہے کہ عالم جامع علوم جناب مفتی سعد اللہ صاحب ہیں۔ ایسے ہی شخص جامع کمالات کو حکم ومنصف بنا کر ان سے سائل ہوں کہ ہر دو فریق کے درمیان منصف بن کر مطابق ادلہ شرعیہ کے اظہار واثبات حق فرماویں۔

اس لئے مکلّف خدمت ہوں کہ اللہ کے واسطے اور خلق خدا پر ترحم کرتے ہوئے میرے التماس کو درجہ قبولیت کا دے کر یہاں قدم رنجہ فرماویں کہ خرچ آمد ورفت کا روانہ کیا جائے۔ جب تک آپ یہاں تشریف نہیں لائیں گے اظہار حق کا ممکن نہیں کیونکہ اور لوگوں میں ایسی قابلیت نہیں ہے کہ زیادتی فریقین پر نکتہ چینی کرکے راہ ہدایت کی بتائیں۔ اس لئے عرض ہے کہ میرے التماس کو قبول فرما کر جواب احسن سے محظوظ وشاد کریں۔

والسلام مع الاکرام خیر الختام۔ محمد نذیر حسین

جناب سعد اللہ صاحب کسی ریاست کے قاضی تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی

مصروفیات کا عذر کر کے حکم بننے سے انکار کا خط جناب میاں صاحب کو تحریر فرمایا جس کے جواب میں میاں صاحب نے انہیں لکھا۔

❁ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم۔ از عاجز محمد نذیر حسین

بگرامی خدمت مولانا مفتی محمد سعد اللہ صاحب رام پوری۔

سلمہ اللّٰہ تعالیٰ بعد السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

واضح باد نامہ گرامی رسیدہ انتظارم را رفع کرد فی الواقع از عدم ایراد محبت نامہ جات خلجانے بود۔ الحمد للہ کہ اطمینان شد بیشک منصب افتا و تعلق ریاست از بس نازک است فقدان فرصت بنگارش جواب نوشتہ اند بجاست۔ (مولنا) راہ سدا و را تقلید میزند و خون تحقیق میریزد ماشاء اللہ دیدہ منصف دارید تبصرہ از بصیر مناسب می شود کور را در روز روشن از چراغہا سودے برنمی خیزد مرا کہ جل شانہ در اشاعت توحید و اذاعت قرآن و حدیث مامور کردہ است از لوم لائم خوف نیست دیدہ بینا دارم حاجت عصا و رفیق (قائد) نیست۔ سر بکف ہستم اگر نذرم قبول شد عاقبت بخیر بود۔ علماء آں جوار و دیوبند و تمام ہند ہمگناں ساعی و تگاپو کردہ جواب تالیف بندہ نویسند بندہ فقیر آمادہ است کہ جواب مسکت ہر دفعہ خواہد دادان شاء اللہ تعالیٰ پسپا نخواہم بود علماء کہ جواب معیار الحق متعدد نگاشتند مگر مفتی صاحب خوب پندارند کہ جواب کتاب من نیست فضول خامہ فرسائیہا و دماغ سوزیہا بکار بردند بعض احباب و تلامذہ فقیر قلم برداشتند ہمہ را تشفی دادم کہ نوشتن چہ سود وقتیکہ جواب معیار الحق خواہد رسید آگاہی دادہ خواہد شد امید کہ بحالت اطمینان گاہ گاہے از صحتوری مزاج مع عیال اطلاعے میدادہ باشند۔ والسلام

❁ (اردو ترجمہ) بگرامی خدمت مولانا مفتی سعد اللہ صاحب رام پوری

سلام علیکم کے بعد واضح ہو کہ آپ کا خط ملا اور انتظار ختم ہوا۔ حقیقت میں جناب کے عدم وصولی خط سے تردد تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اطمینان ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قضاۃ کا منصب اور ریاست کا تعلق بہت نازک معاملہ ہے عذر عدیم الفرصتی کا جو آپ نے تحریر فرمایا ہے بالکل درست ہے۔ مولانا (یہ لوگ) سیدھی راہ کو موسوم تقلید سے کر کے تحقیق کا خون بہاتے ہیں۔ ماشاء اللہ آپ آنکھ انصاف کی رکھتے ہیں۔ جانچ و پرکھ آنکھ والوں سے صحیح ہوسکتی ہے۔ نابینا کو

روشنی سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اللہ نے مجھ کو توحید پھیلانے اور قرآن وحدیث کی اشاعت میں مامور کیا ہے۔ ملامت کرنے والے کی ملامت سے کچھ خوف نہیں کرتا۔ بینائی کی آنکھ رکھتا ہوں۔ کسی کی رفاقت وسہارے کی حاجت نہیں ہے۔ ہتھیلی پر سر رکھتا ہوں۔ اگر میری نذر قبول ہوگئی تو زہے نصیب۔ اس طرف (رام پور) اور دیو بند اور ہند کے عالموں نے دوڑ دھوپ کر کے میری تالیف کا جواب لکھا۔ بندہ فقیر تو مستعد ہے کہ ہر مرتبہ جواب مسکت دیا کرے۔ خدا نے چاہا تو پسپائی نہیں ہوگی۔ مولویوں نے متعدد جوابات معیار الحق کے تحریر کئے مگر آپ یقین کریں کہ میری کتاب کا جواب نہیں ہے۔ مخالفین نے بے کار تضیع اوقات اور دماغ سوزی کی۔ فقیر کے بعض دوست وتلامذہ نے قلم اٹھایا کہ جواب لکھیں۔ سب کو میں نے منع کیا کہ جواب لکھنے سے کیا فائدہ؟ جس وقت معیار الحق کا جواب آئے گا، خبر کردونگا امید کہ خالی وقت میں کبھی کبھی خیریت مزاج مبارک سے اپنے متعلقین کے مطلع فرماتے رہیں گے۔

والسلام خیر الختام۔ محمد نذیر حسین

میاں صاحب اور علماء احناف کے مجوزہ مناظرے کے لئے قاضی سعد اللہ رحمہ اللہ کا نام تجویز ہوا تھا۔ اس لئے ان کے علمی مقام ومرتبے کی وضاحت کے لئے ان کا ترجمہ تذکرہ کاملان رام پور سے نقل کیا جاتا ہے۔

مفتی سعد اللہ

سعد اللہ بن مولوی نظام الدین مراد آباد میں ۱۲۱۹ھ میں پیدا ہوئے۔ مولوی عبدالرحمٰن قہستانی سے شرح جامی اور دیگر کتب پڑھیں۔ بزمانہ اکبر شاہ ثانی دہلی میں شاہ عبدالعزیز، مولانا اسحاق محدث، اخوند شیر محمد ولایتی، مولوی صدر الدین سے اکثر درسیات پڑھیں۔ نیز مولوی ظہور اللہ، مرزا محمد ہاشم علی محدث لکھنوی تلمیذ شاہ ولی اللہ۔ ملا حسن لکھنوی شیخ جمال مکی مولوی محمد حیات پنجابی دہلوی، مرزا حسن علی محدث لکھنو سے بھی پڑھا۔

لکھنؤ کے مدرسہ شاہی میں مدرس ہوئے پھر تاج اللغات ترجمہ قاموس کے دفتر میں ملازم رہے، کچہری کوتوالی میں مفتی ہوئے۔ ۲۹ سال لکھنو میں ملازمت کی۔ ۱۲۶۰ھ میں لکھنؤ میں آپ کا مولوی محبوب علی مراد آبادی سے شاہ پیر محمد کے ٹیلہ والی مسجد میں توحد جمعہ پر مناظرہ

ہوا۔ مفصل کیفیت مفتی صاحب کے فتوی اشاعۃ الجمعہ مطبوعہ مطبع محمدی لکھنؤ ۱۲۶۰ کے ساتھ طبع ہوئی۔ مولوی شاہ علی ولد مولوی محبوب علی نے اس مناظرہ کو اپنی کتاب ازاۃ الفرقہ در رد اشاعۃ الجمعہ مطبع زبدۃ الاخبار آگرہ ۱۲۶۰ میں دوسرے الفاظ سے شائع کیا۔

۱۲۷۰ھ میں حج کیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ سے پہلے یوسف علی خان والی رام پور نے رام پور بلا کر عہدہ قضا و افتا دیا اور حاکم مرافعہ کیا۔ انتقال تک اسی عہدہ پر رہے۔ آپ کے شاگرد بہت ہوئے۔ جن میں نواب یوسف علی خان، مولوی رحمت اللہ مہاجر مکہ۔ ملا نواب مہاجر۔ ملا محمد نجف ولایتی شامل ہیں۔ فارسی عربی علوم وفنون میں بے مثل تھے۔ فارسی میں آشفتہ تخلص تھا۔ تصانیف کثیر ہیں جن میں فتاوی سعدیہ۔ قول المانوس فی صفات القاموس عربی۔ حاشیہ صدرا شرح فصول اکبری۔ زاد السبیل الی دار الخلیل۔ عقود الاجیاد۔ نوادر البیان فی علوم القرآن۔ رسالہ تناخ حاشیہ شرح سلم۔ اشاعۃ الجمعۃ بزبان فارسی شامل ہیں۔

اخیر عمر میں رام پور کی ملازمت ترک کر کے بھوپال جانے کا ارادہ تھا، رئیسہ بھوپال نے عہدہ قضا کے لئے طلب کیا تھا۔ تیاری ہو رہی تھی کہ ۱۴ رمضان ۱۲۹۴ھ کو رام پور میں فوت ہو گئے۔ ❶

سید حسن شاہ محدث

رام پور کے سید حسن شاہ محدثؒ، جناب ارشاد حسینؒ رام پوری کے ملنے والوں میں سے تھے۔ وہ رام پور میں غالباً ۱۲۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ مفتی شرف الدین مولوی غفران اور مفتی سعد اللہ سے کتابیں پڑھیں۔ حدیث پڑھنے کے لئے دہلی کا ارادہ کیا مگر اسی زمانہ میں مولوی عالم علی مراد آباد میں دہلی سے پڑھ کر آئے، تو آپ نے مراد آباد میں چھ سال رہ کر صحاح ستہ، مؤطا، تصانیف شاہ ولی اللہ کی سند مولوی عالم علی سے حاصل کی۔ پھر ٹونک گئے اور نواب سے ملاقات رہی انہوں نے وہاں رکھنا چاہا۔ آپ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے مکان پر حدیث پڑھاؤں۔ وظیفہ مقرر ہوا اور پڑھاتے تھے۔ ان کے شاگرد مولوی حکیم عبد الرشید اپنے استاد سے بیان کرتے ہیں۔

---

❶ تذکرہ کاملان رام پور۔ ص ۱۵۱۔۱۵۴

نواب رام پور نے ابو داؤد کا نسخہ نہائت خوش خط اور مطلا و مذہّب لکھوایا۔ اور مجھے (حسن شاہ) اور مولوی ارشاد حسین صاحب کو حکم دیا کہ تم دونوں اس کی تصحیح کرو۔ مولوی (ارشاد حسین) صاحب تو بڑے تنخواہ دار تھے وہ کیوں تکلیف کرتے، میں ہی ان کے مکان پر جاتا تھا اور خود ہی اس کی تصحیح کرتا تھا۔ مولانا صاحب کو حدیث کی تکمیل نہ تھی۔ مجھے ایک روز شوخی سوجھی۔ ایک حدیث پر میں نے کہا مولوی صاحب اس کا ترجمہ کیجئے۔ انہوں نے ترجمہ کیا۔ وہ ترجمہ غلط تھا۔ میں نے کہا یہ ترجمہ درست نہیں ہے اس پر وہ اصرار کرنے لگے۔ پھر فرمایا تم ترجمہ کرو۔ میں نے ترجمہ کیا تو فرمایا جائز ہے کہ یہ غلط ہو۔ میں نے کہا مولوی صاحب یہاں جواز اور عدم جواز کی بحث نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث ہے۔ ابو داؤد کی شرح منگوا کر دیکھ لیجئے۔ غرض کہ میں خود ہی اپنے مکان سے شرح لایا۔ تو میرے موافق ترجمہ اور مطلب تھا۔ پھر ساکت ہو گئے۔ ①

ترک تقلید کی جانب ابوالکلام کا سفر

چوں کہ ان صفحات میں معیار الحق کے جواب، اور اس سے متعلق رجال کا ذکر ہو رہا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ معیار کی اثر آفرینی کا ذکر بھی ہو جائے۔ یہ وہ کتاب ہے جس نے ہند میں جامد تقلید کی بنیادوں کو متزلزل کیا۔ بڑے بڑے علماء نے اس کا جواب لکھنے کی کوشش کی اور منہ کی کھائی۔ جناب ارشاد حسینؒ کی انتصار الحق کے علاوہ جناب محمد قاسم نانوتویؒ اور جناب محمود حسن دیو بندیؒ نے بھی قلم اٹھایا۔ پہلے ادلہ کاملہ یعنی اظہار الحق لکھی گئی۔ پھر چند سال بعد اسی ادلہ کاملہ کی وضاحت میں ایضاح الادلہ لکھی گئی جس میں قرآن پاک میں تحریف کرنے کی جسارت کی گئی۔ ادھر معیار الحق بڑے بڑے محققین کو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی رہی۔ جس کی مثال جناب ابوالکلام آزاد کے علمی سوانح کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔ وہ حنفی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد بڑے متشدد حنفی مقلد تھے۔ جب کہ وہ خود ابتدائے عمر ہی سے تلاش حقیقت کرتے رہے۔ وہ ترک تقلید کے سفر کی داستان خود بیان کرتے ہیں۔

---

① تذکرہ کاملان رام پور۔ ص ۱۱۲

آزاد کہتے ہیں: میری پیدائش ایک ایسے خاندان میں ہوئی جو مذہبی ریاست و پیشوائی رکھتا تھا۔علم اور طریقت نسلاً بعد نسلٍ اس کی وراثت چلی آتی تھی۔

ایک چیز چپکے چپکے میرے اندر کام کر رہی تھی۔یعنی وہابیت اور وہابیوں سے عدم نفرت اور پھر ہمدردی و میلان، میں نے عدم نفرت اور ہمدردی کہا، اس لئے کہ ابتداء میں میرے احساسات یہی تھے۔عدم نفرت اس لئے کہ میرے لئے یہ سوال نہ تھا کہ وہابیت پسند کی جائے یا نہ کی جائے؟ سوال تو یہ تھا کہ نفرت کی جائے یا نہ کی جائے؟ اس لئے کہ وہابیت کے بارے میں میری خاندانی دنیا میں اصل، اباحت نہ تھی بلکہ حذر، یعنی نفرت...... تکفیر اور انسان جس قدر بھی مذہبی اور غیر مذہبی برائیوں کا تصور کر سکتا ہے، ان سب کا پیکر و مجسمہ وہابیت تھی۔بس میری ابتدائی اور بسیط حالت اس بارے میں نفرت و بُغض کی تھی نہ کہ محبت و عدم محبت کی۔میں خالی الذہن نہ تھا کہ میلان و عدم میلان کی صورت پیش آتی۔میرے تو ذہن کے معمور ہونے کا بہتر سے بہتر سامان موجود تھا، اور وہ انتہا درجے کی نفرت تھی۔اس لئے اس بارے میں، میں جو کچھ بھی سوچ سکتا تھا، وہ اس درجے کے بعد کا تھا، نہ کہ اس سے پیشتر کا۔

حقیقتاً میں سوچتا ہوں تو اس بارے میں والد مرحوم کا تعصب، حد درجے تک پہنچا ہوا تھا۔ اور میں حیران ہوں کہ اسے کیوں کر کسی لفظ و جملے میں محدود کروں، یہ پہلے بتفصیل کہہ چکا ہوں کہ کس طرح اوائل عمر سے یہ عصبیت ان میں جاگزیں ہوئی اور کس طرح مدت العمر ان کی تمام تصنیف و تالیف، وعظ و مباحث کا تنہا مرکز و مطمح رہی ہے۔مجھے اپنے بچپن کی پرانی سے پرانی مسموعات جو یاد آتی ہیں، ان میں وہابیت کا ذکر موجود پاتا ہوں۔شب و روز اس کا چرچا گھر میں بھی رہتا تھا اور باہر بھی۔والد مرحوم کے جو خدام اور مرید تھے، وہ بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور یہ قدرتی تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں میرا تخیل یہ تھا کہ وہابی کوئی خاص طرح کا ایک بڑا ہی مکروہ اور قابل نفرت مخلوق ہے۔میں اپنے ذہن میں اس کا تصور یوں کرتا تھا کہ ایک قبیح صورت کا انسان جس کا آدھا چہرہ کالا ہے اور پیشانی پر بہت بڑا گھٹا ہے۔یہ اسلئے کہ حافظ صاحب کی زبانی سنتے تھے کہ دل کے کفر اور بغض رسول کی وجہ سے وہابیوں کا آدھا منہ کالا ہو جاتا ہے، اور ان کی ایک علامت یہ ہے کہ لوگوں کو دھوکہ دینے کیلئے پیشانی پر ایک بہت بڑا گھٹا

بنا لیتے ہیں۔ ہمارے دیوان خانے میں اس بارے میں خاص مصطلحات اور اسماء تھے۔ اور دنیا کی ہر مکروہ اور خبیث چیز اسی لقب سے پکاری جاتی تھی۔ مثلاً حافظ جی کہتے تھے کہ شب کو اس قدر وہابی تھے کہ نیند نہ آئی۔ یعنی مچھر بہت تھے۔ دیوان خانے میں کتابوں کے صندوق پڑے تھے۔ ان کے نیچے وہابی چلے جاتے تھے اور پینڈے میں سوراخ کر دیتے تھے۔ یعنی چوہے۔ چنانچہ بڑی جدوجہد کے ساتھ وہابیوں کو پکڑا جاتا تھا اور ہم لوگ یوں حساب کرتے تھے آج دو وہابی مارے گئے۔ ایک بہت بڑا وہابی بھاگ گیا۔

نہیں معلوم کون غریب تھا، لیکن بڑا ہی بدصورت آدمی تھا۔ ایک آنکھ سے کانا، دوسری میں بھی جالا۔ چہرے پر شائد فالج بھی گرا تھا۔ ایک طرف سے لب ٹیڑھے تھے۔ رنگ سیاہ۔ رستے میں کبھی کبھی ہم حافظ صاحب کے ساتھ سڑک پر جاتے، تو اس غریب کی طرف اشارہ کر کے وہ کہتے دیکھو وہ خبیث وہابی کھڑا ہے۔ مجھ پر اس کی خوفناک صورت کا واقعی بڑا ہی دہشت انگیز اثر پڑتا۔ مجھے یاد ہے، کئی مرتبہ میں نیند میں ایسے ہی خوفناک وہابی کو دیکھا اور ڈر کے رونے لگا۔

ایک دن مجھے یاد ہے جمعہ کے دن وعظ سے آ کے والد مرحوم، حسب معمول دیوان خانے میں بیٹھے تھے۔ قاعدہ تھا کہ وعظ کے بعد آدھ گھنٹہ وہاں بیٹھ کے پھر زنان خانے میں آتے تھے، زور زور سے باتوں کی آواز آنے لگی۔ میں دوڑا ہوا گیا۔ ایک شخص پگڑی باندھے، بڑی ڈاڑھی، دوزانو بیٹھا بڑے ادب سے باتیں کر رہا تھا، لیکن والد مرحوم اس پر گرج رہے تھے، اور تمام لوگ اس طرح خوں ریز نظروں سے اسے گھور رہے تھے کہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کا خون پی جانا چاہتے تھے۔ اس نے بھی خطرہ محسوس کر لیا تھا، اسی لئے ڈرتا اور کانپتا بھی جاتا تھا، دروازے کے قریب فضل کریم ایک پنجابی مرید بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے کہا وہابی ہے۔ اب میں بڑے تعجب سے دیکھنے لگا۔ مجھے سخت حیرت ہوئی کہ آدھا منہ کالا نہیں ہے۔ لب بھی ٹیڑھے نہیں ہیں۔ آنکھیں بھی دونوں ہیں چہرہ بھی بھیانک نہیں ہے۔ معاملہ میری نظر میں اتنا اہم اور سنجیدہ تھا کہ جوں ہی والد اپنے کمرے میں آ کر بیٹھے، میں نے کہا، یہ وہابی تھا؟ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا مگر اس کا چہرہ کالا نہیں تھا۔ انہوں نے کہا یہ کالک ایک ہی مرتبہ نہیں آ جاتی۔ جب کبھی آدمی بگڑتا ہے، تو دل پر ایک سیاہ

نقطہ لگ جاتا ہے۔ پھر جب وہ اور بگڑ جاتا ہے تو دوسرا نقطہ لگتا ہے، یہاں تک کہ پورا دل کالے نقطوں سے بھر جاتا ہے۔ پھر بھی اگر وہ باز نہ آئے، تو تمام نقطے مل جاتے ہیں اور دل کالا ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کالک منہ پر آ جاتی ہے۔ ﴿کلا بل ران علی قلوبھم﴾ اب تک یہ پوری بات ان کی یاد ہے۔

جب ذرا اور بڑے ہوئے تو والد مرحوم کے وعظ اور گھر کی باتوں کو بھی خوب سمجھنے لگے۔ ہمیشہ وہابیوں کے عقائد کا رد رہتا تھا۔ کوئی بات کہی جائے، وہ فوراً یاد آ جاتے تھے۔ گریزیوں ہوتا تھا کہ...... مگر وہابی یوں کہتے ہیں...... پھر ان کا رد نکالا جاتا تھا۔ رد ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتا تھا جس کے صاف معنی ان پر طعن اور انکی تکفیر کے تھے۔ ہم نے سینکڑوں مرتبہ والد مرحوم سے سنا کہ ان کا کفر، یہود ونصاریٰ کے کفر سے بھی اشد ہے۔ یہود ونصاریٰ بھی اپنے پیشواؤں کے منکر نہیں۔ یہ خبیث تو خود اپنے پیغمبر کے منکر ہیں۔ ہم ابھی بہت ہی چھوٹے تھے، اتنے کہ اردو کی مبادیات پڑھتے تھے، لیکن مولوی اسماعیل، سید احمد بریلوی، تقویۃ الایمان وغیرہ ناموں سے خوب واقف ہو گئے تھے۔ کیونکہ ہمیشہ سامنے آتے تھے۔ سینکڑوں مرتبہ ہمارے سامنے والد مرحوم ان لوگوں کے حالات بیان کرتے اور ہم سن سن کر اچھی طرح شناسا ہو گئے تھے۔ تقویۃ الایمان کو وہ تقریر وتحریر میں تفویۃ الایمان کہتے تھے۔ ان کا جو نسخہ ہے اس کی لوح پر انہوں نے چاقو سے ایک نقطہ چھیل دیا ہے۔ [1]

بچپن میں جو تاریخ وہابیت کی ہمارے دل پر نقش ہو گئی تھی وہ یہی تھی۔ وہابیوں کا دشمن اسلام ہونا، خاصۃً آنحضرت ﷺ سے ان کا بغض۔ آنحضرت ﷺ کی تحقیر، اولیاء اللہ سے دشمنی، تمام عقائد اسلامیہ سے انکار، اور اس طرح کی صدہا باتیں تھیں جو بطور یقینیات کے کہی جاتی تھیں اور ہمیں ان میں کوئی شک نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ بات کہ وہابی، رسول اللہ ﷺ کے منکر ہیں، ایک ایسا مسلم واقعہ تھا، جو بلا کسی تمہید واستدلال کے ہمیشہ بولا جاتا تھا، گویا اس بارے میں کسی ردوکد کی گنجائش نہیں ہے۔

ہمیں اس وقت یقین تھا کہ وہابی ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اول تو نبی ﷺ کی فضیلت کے قائل ہی نہیں، اگر قائل ہیں بھی، تو صرف اتنے جیسے چھوٹے بھائی کے لئے بڑا بھائی۔

---

[1] آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی۔ ص ۲۲۶۔ ۲۲۹

معجزات کے بھی منکر ہیں، ختم نبوت کے بھی قائل نہیں، آنحضرت ﷺ سے تو ان کو خاص بغض ہے۔ جہاں کوئی بات ان کی فضیلت ومنقبت کی آئی اور انہیں مرچیں لگیں۔ مجلس میلاد کے اسلئے منکر ہیں کہ اس میں آنحضرت ﷺ کی تعظیم ہے۔ درود پڑھنے کو بھی برا جانتے ہیں کہتے ہیں کہ یارسول اللہ مت کہو، کیونکہ رسول اللہ کی یاد انہیں کیوں پسند آنے لگی۔ جہاں کوئی بات رسول اللہ ﷺ کی فضیلت، اولیاء اللہ کی منقبت، بزرگان دین کی بزرگی کی کہی جائے یا کی جائے، فوراً اسے شرک و بدعت کہہ دیتے ہیں، اسلئے کہ انہیں ان سب سے بغض و کینہ ہے، اور ان کی توہین وتذلیل ان کو خوش آتی ہے، بحیثیت مجموعی وہابیوں کے بدترین خلائق ہونے، کافر ہونے، کافروں میں بدترین قسم کے کافر ہونے میں کسی ردوکد کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ وہابیت کے متعلق یہ فضا تھی، جس میں، میں نے پرورش پائی۔ ❶

(جناب آزاد فرماتے ہیں) یہ پہلا موقعہ ہے کہ ذہن کے سامنے وہابیوں کے بارے میں سوالات آئے، اور وہ جو ایک یقین کی حالت تھی، اس میں حرکت ہوئی۔ اب خود بخود آہستہ آہستہ جیسے میں ایک نئے راستے میں بڑھ رہا ہوں، مگر رکاوٹ کے ساتھ، قدم رک رک کر اور ڈرتے ڈرتے اٹھتے ہیں، میں سوچنے لگا کہ اگر وہابیوں کے ایسے ہی خیالات ہیں، تو وہ کیوں اتنے برے ہیں؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض باتیں انکی ٹھیک بھی ہیں۔

اس حالت کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ تفتیش وجستجو کا شوق پیدا ہوا اور اس طرح میں پہلی مرتبہ اپنی ذاتی رائے وفکر سے ایک معاملہ پر غور کرنے لگا۔ میں نے تقویۃ الایمان دیکھی...... پھر مجھے ایک اور رسالہ بمبئی کا چھپا ہوا نصیحۃ المسلمین مولوی خرم علیؒ کا ملا۔ اس کے آخر میں ایک نظم بھی تھی۔ اسی وقت کی پڑھی ہوئی، مجھے اب تک یاد ہے:

خدا فرما چکا قرآں کے اندر　　مرے محتاج ہیں پیر و پیمبر

جو خود محتاج ہووے دوسروں کا　　بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

---

❶ آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی۔ ص ۲۳۳

مجھے اس سے بڑی دل چسپی ہوئی۔ اب وہ وقت آتا جاتا تھا کہ آنکھیں کھلتی جاتی تھیں۔ مطالعے کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جاتا تھا۔ گھر سے باہر بھی درس کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ رفتہ رفتہ میں بہت سی کتابیں دیکھ گیا، اور اب وہابیوں کے رد کے رسالے بھی، جو مکان پر موجود تھے، میں دیکھنے لگا، اور گو اچانک رائے میں انقلاب ہو جانا دشوار تھا، خصوصاً ایسی انتہائی سلبی حالت جو پہلے تھی، تاہم سلب سے ایجاب تک آنے تک اگر مختلف ٹکڑے کر کے اس کی ڈگریاں قرار دی جائیں، تو میں اب اس ڈگری پر تھا کہ نفرو وحشت بالکل جا چکی تھی۔ وہ بھیانک اور ہولناک تصور جو عجیب المخلوق وہابیوں کا دل پر نقش ہوا تھا، اب مٹ چکا تھا، اور ایسی حالت پیدا ہوگئی تھی، جس کو ہمدردی اور میلان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ❶

سال بھر کے بعد میں ایک مستقل ذاتی فکر و رائے کے قریب پہنچ چکا تھا اور علانیہ بحث و گفتگو میں اپنے خیالات ظاہر کرنے لگا۔ والد مرحوم کے علاوہ اور جن اساتذہ سے پڑھنے کا اتفاق ہوا، وہ بھی تقریباً اس بارے میں بہت ہی سخت تعصب رکھتے تھے، تاہم ایسا ہوا کہ درس کی صحبتوں میں ہمیشہ میرے اعتراضات وسوالات کا میلان اسی طرح رہنے لگا۔ خصوصاً درس فقہ وحدیث میں۔

مباحث خلافیہ میں ان لوگوں کے بحث واستدلال کا ایک خاص اسلوب ہے۔ اور ایک خاص مقدار ہے، اور وہ مدتوں سے درس وتدریس میں برابر چلی آتی ہے۔ نہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے احادیث ما بہ النزاع اور مباحث فقہیہ ومباحث اصول، ان سب میں چند بندھی ہوئی بحثیں ہیں اور وہی ہمیشہ دہرائی جاتی ہیں لیکن اب جبکہ فکر ونظر کی راہ مجھ پر کھل چکی تھی اور ذہن تقلیدی بندشوں سے روز بروز آزاد ہوتا جاتا تھا، یہ بحثیں میری کیا تشفی کر سکتی تھیں۔

مسئلہ تقلید آئمہ، تعیین والتزام، انحصار در آئمہ اربعہ، ادعائے اجماع مرکب، سدباب ومنع نظر واحتجاج علی الاطلاق، مسئلہ اجماع، شرائط اجماع، توسیع مصالح مرسلہ، شرائط روائت درائت، ترجیح قیاس، انکار ترجیح صحاح وصحیحین، مسئلہ قرئت فاتحہ خلف الامام، تامین، رفع الیدین، قضاء قاضی ظاہراً وباطناً، نقض طہارت از قہقہہ وغیرہ مباحث ومسائل پر اساتذہ سے بڑی گرم بحثیں رہنے لگیں۔

---

❶ آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی۔ ص ۲۳۳۔۲۳۴

مولوی نذیر الحسن بڑی گویا اور قواعد منطقیہ سے خوب تقریر میں کام لینے والے آدمی تھے۔ درس کی تقریریں خوب منجھی ہوئی تھیں، لیکن انہیں بارہا تقریباً ہار ماننا پڑی۔ نور الانوار میں...... مذاہب اربعہ اور اجماع مرکب کی بحث ایک ہفتے تک جاری رہی۔ تین اساتذہ اکھٹے ہو گئے تھے اور بڑی بڑی تیاریاں کر کے صبح کو آتے تھے، لیکن میری تشفی نہیں کر سکتے تھے۔

مولوی محمد ابراہیم جو بڑے مستعد مدرس تھے اور ان کو استحضار بلاء کا تھا، صفحوں کے صفحے کتابوں کے برزبان یاد تھے، انہوں نے، مجھے یاد ہے، مسئلہ اجماع اور ایک مرتبہ قراۃ فاتحہ میں بڑا زور لگایا اور خاص طور پر مطالعہ کیا ہمارے ہی یہاں سے فتح القدیر اور دیگر شروح ہدایہ...... نکلوا کر دیکھتے رہے۔ مولوی عبدالحی مرحوم فرنگی محلی کا امام الکلام بھی لائے لیکن میرے (اعتراضات؟) بند نہ کر سکے۔

ان فرعی مسائل میں تو واقعی میں محض اپنی قوت بیانیہ کی مشق کیا کرتا تھا، یا قواعد مناظرہ کی، لیکن اصول میں تو واقعی تشفی وطمانیت نفس چاہتا تھا، مگر نہیں ملتی تھی۔ حقیقت اجماع، التزام و تعیین تقلید، سد باب اجتہاد مطلق، بلکہ اجتہاد فی المذہب اور اجتہاد منتسب اور قواعد ترجیحات ...... قیاس جلی، یا تعارض، یا عدم فقہ راوی، یا ترجیح مذہب راوی بروائت، وغیرہ باتوں میں میرا دل شکوک واضطراب سے لبریز تھا، اور میں واقعی برہان ویقین کے لئے تشنہ تھا۔ مگر کوئی بات دل میں اٹکنے والی نہیں ملتی تھی۔

میں نے درس میں محدود نہ رہ کر بطور خود اس باب میں بھی مطالعہ جاری رکھا۔ اور جن جن باتوں پر اساتذہ نے زور دیا، ان کو تو خاص طور پر محنت سے پڑھا۔ والد مرحوم نے ہمیں...... اشباہ والنظائر بھی پڑھائی تھی، گو پوری نہ ہوئی۔ اس نے تو اور طرح طرح کے دروازے شکوک واضطرابات کے کھول دیئے۔ فتح القدیر عینی شرح ہدایہ بحر الرائق شرح سفر السعادۃ... علی الکنز، جواہر نیرہ شرح قدوری، شرح معانی الآثار۔ مختصر مشکل الآثار (اسی وقت حیدر آباد سے چھپ کر آئی تھی) منار کی تمام شرحیں جو مل سکیں، تفسیر احمدی ملا جیون، اور بہت سی شرحیں وغیرہ دیکھتا اور مشکلات جو پیش آ جاتی اساتذہ سے حل کراتا، اور مسائل کا درس، درسیات کی جگہ عام وسعت اختیار کر لیتا، تاہم مجھے یاد نہیں کہ ان تمام مسائل میں اس وقت دل کو اطمینان حاصل ہوا ہو۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ حقیقت کچھ اور ہے اور جو کچھ ہے، محض بحث ورائے کا ایک طلسم

ہے، جس میں الجھ کر بسا اوقات رہ جاتے ہیں اور مجبور ہو کر قدم روک لینا پڑتا ہے، لیکن حقیقت سامنے نہیں آتی۔ ❶

اب ان کتابوں کا بھی پوری طرح شوق ہوا، جو ان مسائل پر بطریق مباحثہ ومناظرہ لکھی گئی ہیں۔ بڑا ذخیرہ گھر میں موجود تھا بعض اردو کتب جدل و بحث، جو نہیں تھیں، حاصل کر کے دیکھنے لگا۔ ظفر المبین کے رد میں فتح المبین اور نصرۃ المجتہدین لکھی گئی ہے پھر اسکا جواب کلام المتین یا کسی ایسے ہی نام سے دیا گیا ہے اور اسی سلسلے میں فریقین کی متعدد کتابیں نکلی ہیں اسی زمانے میں منگوا کر دیکھیں اور فتح المبین کے حاشیہ پر جا بجا اعتراضات لکھے۔ اسی زمانے میں معیار الحق دیکھی اور اسکا جواب ارشاد الحق (انتصار الحق) مولانا ارشاد الحق (ارشاد حسین) رامپوری کا اور مجھ پر معیار کی سنجیدہ اور وزنی بحث کا بہت اثر پڑا۔ اور صاحب ارشاد الحق (انتصار الحق) کا علمی ضعف صاف نظر آنے لگا۔ ❷

شاہ محمد اسماعیلؒ

شاہ اسماعیلؒ بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ ۱۲۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالقادرؒ سے تعلیم حاصل کی اور تکمیل شاہ عبدالعزیزؒ سے کی۔ علمی اور عملی کمالات اور خاندانی فضائل سے متصف ہوئے۔ ذکی الطبع تھے۔ اتباع سنت اور اجتناب از بدعت میں سرگرم رہے۔ شرک و بدعت کی کئی رسوم کا خاتمہ کیا۔ علوم سنت کا چرچا کیا۔ سید احمد بریلویؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے ساتھ حج اور جہاد میں شرکت فرمائی اور راہ خدا میں ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۱ء) بالاکوٹ (ہزارہ) میں کفار سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

سر سید احمد خان نے آثار الصنادید میں آپ کا والہانہ ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

شاہ کشور شریعت گستری، ملک الملوک دیار دین پروری
قامع بنیان شرک وطغیان، حادی موجبات علم وایقان
موسس اساس کمال، مہذب اوضاع حال وقال

---

❶ آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی۔ ص ۲۳۵۔۲۳۷

❷ آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی۔ ص ۲۳۷۔۲۳۹

سالک مسالک ہدایت وارشاد، مجلی آئینہ صافی اعتقاد
مرکز دائرہ منطقہ آسمان، فہوم مرتقی مدارج درجات عالی
دقیقہ باب معالم تقدیرات ربانی۔
جامع کمالات صوری ومعنوی، نکتہ سنج کلام الٰہی وحدیث نبوی
قدوۃ اہالی پیش گاہ قبول، جلال غوامص معقول ومنقول
بانی مبانی فضل وافضال، ممہد قواعد تکمیل واکمال
جاہد حق ویقین، ثبت دلائل دین
مولائی مخدومی مخدوم الانامی مولوی محمد اسماعیل قدس سرہ [1]

شاہ اسماعیل شہیدؒ کی خدمات پر ہم انشاء اللہ آئندہ جلد میں تفصیل سے لکھیں گے۔ یہاں چند گزارشات ان کی تقویۃ الایمان کے بارے میں کی جاتی ہیں:

شاہ اسماعیل دہلوی کی مشہور ترین کتاب ہے جو انہوں نے سفر حج کے بعد اوائل ۱۲۴۱ھ میں لکھی تھی۔ اس کا ایک نسخہ میرٹھ کے ایک قدیم کتب خانے میں آپ کی زندگی کا لکھا ہوا ملا تھا۔ جو ۱۲۴۳ھ کا تحریر کردہ ہے۔ اس کے سرورق پر یہ الفاظ موجود تھے:

ردالاشراک فی علم الحدیث

تالیف

مولوی اسماعیل برادر زادہ حضرت شاہ عبدالعزیز مرحوم دہلوی المحدث

اور کتاب کے آخر میں آپ کا یہ شعر بھی لکھا ہے:

گویدایں بندہ ضعیف ورذیل　نام او ہست عاجز اسماعیل

تقویۃ الایمان پہلی مرتبہ ۱۲۴۳ھ (۱۸۲۶۔۱۸۲۷ء) شائع ہوئی۔ اس کا انگریزی ترجمہ از میر شہامت علی ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا۔ اس کا فارسی ترجمہ بھی انہی دنوں ہو گیا تھا۔ جیسا کہ جناب غلام رسول مہرؒ نے ملا حبیب اللہ قندھاریؒ کے حالات میں لکھا ہے:

---

[1] آثار الصنادید۔ ص ۵۶۔ چوتھا باب

افغانستان کے علماء میں یہ پہلے شخص ہیں جن میں حدیث کا صحیح ذوق پیدا ہوا اوران سے یہ ذوق افغانستان بھر میں پھیلا۔ موصوف نے اس زمانے میں سید احمد سے استفادہ کیا تھا جب آپ بہ سلسلہ ہجرت قندھار پہنچے۔ مولانا سید عبداللہ غزنویؒ نے بھی مولوی حبیب اللہ قندھاری ہی سے مختلف مسائل حل کیے اور غالباً انہیں کے ذریعہ سے تقویۃ الایمان کا فارسی ترجمہ مولانا عبداللہ کی نظر سے گزرا۔ ❶

تقویۃ الایمان ابتداء ہی سے اڈیٹروں کا تختہ مشق بنی رہی ہے، بہت سے لوگوں نے مختلف اوقات میں اس کی زبان و بیان کو بزعم خود جدید بنانے کے لئے اس کے متن پر مشق ستم کی ہے جس کی وجہ سے اس کے نسخے عام طور پر روایت بالمعنی کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ میرے سامنے اس کے بمبئی اور لاہور میں شائع ہونے والے نسخے ہیں۔ اوران میں کئی جگہ الفاظ مختلف ہیں (اگرچہ معانی عام طور پر ایک جیسے ہیں)۔ جناب سید نذیر حسین محدثؒ نے اپنی زندگی میں شکائت کی تھی کہ اس کا صحیح نسخہ نہیں ملتا جیسا کہ وہ اپنے بھائی میر توسل حسینؒ کو ایک خط میں (جو مکاتیب نذیریہ میں موجود ہے) میں لکھتے ہیں:

از عاجز سید محمد نذیر حسین

بہ مطالعہ گرامی برادرم میر توسل حسین صاحب سلمہ اللہ تعالی

بعد السلام عیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ مشہود باد کہ ایں جا خیریت است و خیر و عافیت شما مطلوب۔..........

بھائی بعض کرم فرمائے مہربان مولانا محمد اسماعیلؒ مرحوم کی تقویۃ الایمان کو طبع کرنے کا قصد کر رہے ہیں، لیکن نسخہ صحیح ملتا نہیں ہے۔ اس لئے لکھتا ہوں کہ میں پہلی بار ماہ شوال میں وہاں (موضع مولانگر ضلع مونگیر) آیا اور اپنا قلمی نسخہ تقویۃ الایمان آپ کو دے آیا تھا کہ مطالعہ میں رکھیں۔ چوں کہ تصحیح چھپائی کے واسطے اس کتاب کی ضرورت ہے، امید ہے کہ اس جلد کتاب کے دونوں پٹھے الگ کر کے بطور پارسل باندھ کر کے دونوں طرف کتاب کو کھلا رکھیں اور بیرنگ یا ٹکٹ لگا کر جلد روانہ کریں انشاء اللہ تعالی بعد مقابلہ وتصحیح کے آپ کے پاس کتاب واپس کر دی جائے گی۔

---

❶ جماعت مجاہدین۔ ص ۲۸۸

روانگی میں بالکل توقف نہ کریں اور جواب با صواب حالات سے وہاں کے مسرور کریں۔ زیادہ والسلام۔

تقویۃ الایمان کے رد میں جناب فضل رسول بدایونی نے درج ذیل کتابیں لکھیں:

البوارق المحمدیہ لرجم الشیاطین النجدیہ ملقب بہ سوط الرحمان علی قرن الشیطان

سیف الجبار المسلول علی الاعداء۔

احقاق الحق وابطال الباطل

جناب بدایونی نے ان کتابوں میں شاہ اسماعیل، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ اسحاق پر تنقید کی۔

جناب بشیر الدین قنوجی، جناب محمد تقی خان دہلوی، جناب حیدر علی ٹونکی نے ان کے جواب دیئے۔ تقویۃ الایمان کی تردید میں جناب نعیم الدین مرادآبادی نے اطیب البیان کے نام سے کتاب لکھی۔ اس کا جواب جناب عزیز الدین مرادآبادی نے اکمل البیان کے نام سے لکھا جو تقسیم ہند سے قبل، اہلحدیث امرتسر میں شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۵۵ء میں جناب عطاء اللہ حنیف ؒ ہندوستان گئے تو انہیں معلوم ہوا کہ اکمل البیان کا مسودہ جناب عزیز الدین مرحوم کے بیٹے جمیل الدین کے پاس محفوظ ہے۔ آپ نے کوشش کر کے مسودہ حاصل کر لیا اور ۱۹۶۵ء میں جناب محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ کے تعاون سے شائع کر دیا۔

تقویۃ الایمان پر اعتراضات کے جواب میں جناب میاں نذیر حسین ؒ محدث نے بھی قلم اٹھایا تھا۔ ان سے سوال ہوا:

مولانا محمد اسماعیل شہید و مولوی خرم علی بآوردن کلمات توہین انبیاء و اولیاء کہ در تقویۃ الایمان اند کافر و کتاب اوشان لائق خرق بچند وجہ:

وجہ اول در باب مذمت شرک و ترجمہ آیت ان الشرک لظلم عظیم گفتہ کہ جاننا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ تعالی کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔

اور اسی طرح کے الفاظ۔

وکسے از مفسران در تفاسیر قدیمہ و جدیدہ بایں طور معنے و فائدہ نیاوردہ،

از ادلہ اربعہ شرعی جواب فرمائند۔

(ترجمہ اردو۔مولوی خرم علی اور مولانا اسماعیل شہید نے جو اپنی کتابوں میں انبیاء واولیاء کی شان میں توہین آمیز کلمات لائے ہیں۔ چنانچہ شرک کی مذمت کے باب میں آیت: ﴿انّ الشّرک لظلم عظیم﴾ کے تحت فائدہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جاننا چاہیے کہ

ہر مخلوق بڑا ہو کہ چھوٹا، اللہ تعالی کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔اور اس طرح کے اور بھی چند ایک اقوال ہیں۔

مفسرین میں سے کسی نے بھی اپنی تفسیر میں اس طرح کا فائدہ نہیں لکھا ہے۔کیا ایسے کلمات کی وجہ سے مولانا کافر ہیں؟ اور کیا ان کی کتاب پھاڑ دینے کے لائق ہے؟ ادلہ اربعہ شرعیہ سے جواب دیں۔

جواب: در پردہ مباد کہ منشائے اعتراض معترض بر صاحب تقویۃ الایمان عدم تدبر است وراں یا تعصب وغباوت۔پس در صورت اولی اگر طرز سوق کلام مصنف آن را از اول تا آخر کتاب مذکور بتدبر تام وامعان نظر از راہ انصاف دیدے بلا تامل برورجماً بالغیب کلوخ انداز حرف گیری نہ پسندیدے۔زیرا کہ او رب العالمین بنا بر عدم غور وتدبر قرآن مشرکان واہل کتاب را بار بار الزام دادہ ﴿افلا یتدبّرون القرآن﴾ ...... کما لا یخفی علی الماھر بالقرآن المجید ودر صورت ثانیہ لن یصلح العطار ما یفسد الدھر

بے بصیرت چہ شناسد سخن صائب را
تلخ وشیریں بمذاق دل رنجور یکے است

بر دل دانشمنداں شرع شریف مخفی نیست کہ مقصود اصلی جناب مولوی محمد اسماعیل صاحب مغفور ومرحوم بیان احکام الہیہ وپند ونصیحت وتنبیہ وتخویف عوام کالانعام از فرقہ مسلماناں بد کیش ناعاقبت اندیش است لان الامور بمقاصدھا کہ قاعدہ کلیہ فقہاء است، کاربند شدہ اند۔ چہ عوام بزعم باطل واعتقاد فاسد خودمی دانند۔کہ اولیاء اللہ از جناب باری مختار اند۔ ہرچہ خواہند می کنند۔وہر کرا خواہند اولاد ومال ومنصب وجاہ می دہند۔وہر کرا خواہند ذلیل وخوار کنند وبنا برہمیں اعتقاد شرک در نذر ونیاز ووظائف باسماء ایشاں۔

یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للّٰہ

ویا علی یا علی ۔ یا حسین یا حسین ؛ یا خواجہ جی یا خواجہ جی

بتقرب تام وتذلل تمام اہتمام می کنند و در ورطہ گور پرستی و پیر پرستی شب و روز مستغرق می مانند و از احکام شرعیہ محض غافل و بے باک اند و از اولیاء اللہ چنداں می ترسند کہ از خالق بے نیاز و رازق کارساز عشر عشیر نمی ترسند و شعار مسلمانان جہال در شرک و بدعت ہم چو شعار کفار سابق زمان گردیدہ است پس اعتقاد ایں چنین کسانرا رد کردہ اند۔

واز ینجا رازی در تفسیر کبیر در سورۃ یونس تحت آیت کریمہ

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ۚ﴾ (یونس:۱۸)

می نویسند

و رابعها انّهم وضعوا هذه الاصنام والاوثان على صور انبياء هم واكابرهم وزعموا انهم متى اشتغلوا بعبادة هذه التماثيل فان اولئك الاكابر على اعتقادهم انهم اذعظموا قبورهم فانهم يكونون شفعاء هم لهم عند الله تعالى۔

ومولانا شاہ عبد العزیز دہلوی قدس سرہ تحت آیت کریمہ

﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا﴾

می فرمایند چہارم پیر پرستاں گویند کہ چوں مرد بزرگے کہ بسبب کمال ریاضت و مجاہدہ مستجاب الدعوات ومقبول الشفاعت عند اللہ بود ازیں جہاں می گزرد و روح او را قوتے عظیم و وسعتے فخم بہم میرسد ہر کہ صورت او را برزخ سازد یا مکان نشست و برخاست او یا بر گور او بسجود تذلل تمام نماید روح بسبب وسعت واطلاق برآن مطلع شود و در دنیا و آخرت در حق او شفاعت نمایند۔ انتھی ما فی تفسیر العزیزی مختصراً۔

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ﴾ (الاحقاف:۵)

لانهم اما جماد واما عباد مسحرون مشتغلون باحوالهم كذا فى البيضاوى ۔

وے کز نور الہی نیست روشن

مخوانش دل کہ آں سنگ است و آہن

و لے کز گرد غفلت زنگ دارد

ازاں دل سنگ و آہن تنگ دارد

واو واحد قہار بہمیں عظمت شان سرشار خود در بارہ مقربان مخلصان در بار خود بنا بر زعم فاسد مشرکان بدشعار بتہدید تمام فی فرماید:

لو اشركوا اى لو اشرك هؤلاء الانبياء مع فضلهم وعلو شانهم لحبط عنهم ما كانوا يعملون لكانوا كغيرهم فى حبوط اعمالهم بسقوط ثوابهم۔

پس جملہ لكانوا كغيرهم عبارت بیضاوی راملحوظ باید داشت کہ بچہ نکتہ گفتم

نزدیک عزتش نہ نشیند غبار شرک

با وحدتش کسے دم شرکت چہ سان زند

ہر طرح کا فگنند بوصفتش خیال و وہم

دست کمال آتش غیرت دران زند

برایں معنی او تعالی شانہ در رد اعتقاد فاسد معتقدان حضرت عیسی کہ از مرتبہ نبوت بمرتبہ الوہیت رسانید بود ارشادمی فرماید:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ﴾

(المائدہ:١٧)

عاقلاں میدانند کہ حضرت عیسی و مادر وے قابل شائبہ ہلاکت نبودند صرف بابطال زعم معتقدان ایشان تنبیہہ و زجر فرمودہ کہ معتقدان شان ازین عقیدہ باطلہ توبہ نمایند وبحکم خداوند قہار و جبار فرمانبردار شوند

صرصر قہر تو از مکمن وحدت بوزد

خس و خاشاک وساوس ہمی را باد برد

ہر چہ در عرصہ موجود پدید آمدہ بود

سیل غیرت ہمہ را تا عدم آباد برد

پس ازیں جہت صاحب تقویۃ الایمان علیہ الرحمہ والرضوان ہر دو ابطال زعم مذموم عوام کہ در حق بزرگان دین از اولیاء اللہ میدارند کہ ہر چہ خواہند بکنند نوشتہ کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے

بدانکہ دریجا بیان امتیاز فیما بین دو نسبت است یکے نسبت مخلوق با خالق دیگرے نسبت مخلوقے با مخلوق دیگر پس مقصود تمام مقصود تمام وکشف مرام صاحب تقویۃ الایمان دریں مقام صرف شق اول است یعنی نسبت مراتب ہمہ مخلوقات بہ نسبت مراتب خالق کائنات بمنزلہ ھباءً منثوراً ست و بمرتبہ ذرہ ہیچ گونہ معتد بہ نیست زیرا کہ حادث مفتقر را با قدیم موجد مقتدر چہ مناسبت و مشابہت

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری:۱۱)

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (یٰس:۸۳،۸۲)

عالی شان اوست نعم ماقیل

حرفے است کاف کن ز طوامیر صنع او

از قاف تا بقاف بدیں حرف گشتہ دال

بایں دلیل قول صاحب تقویۃ الایمان کہ

اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے

راست و بجا ست۔ چہ ہر موحد ہوشمند اعتقاد میدارد کہ بمقابلہ عزت عظیم او عزیز ذو انتقام ہر مخلوق ذلیل یعنی بغائت ضعیف و عاجز بے سروسامان ذرہ مثال است بلکہ کمتر ازاں در معرض فنا و زوال است ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

وازیں زیادہ تر ذلیل خواہد بود کہ

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ (القصص:۸۸)

شان اوست ومراد از دلیل بغائت ضعیف و بے چارہ است درعبارت تقویۃ الایمان چہ نقیض ذلت عزت است واوتعالی بعزت ذاتیہ قدیمی مختص است از ذلت منزہ ومبرا تمام است چنانکہ خود میفر مائید:

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ (بنی اسرائیل:۱۱۱)

ای لم یذل فیحتاج الی ناصره و کبره و تکبیرة ای عظمه تامة عن اتخاذ الولد و الشریك والذل و کلما لایلیق به۔

روی الامام احمد فی مسنده عن معاذ الجهنی عنه صلی اللّٰه علیه وسلم انه کان یقول آیة العز الحمد للّٰه الذی ...... (الجلالین)

﴿فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ (النساء:۱۳۹)

﴿أَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾ (البقرة:۱۶۵)

﴿إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ﴾ (الذاریات:۵۸)

کیوان غلام بارگہ کبریائے تست

گردوں غلام گردش دولت سرائے تست

پس شان ہر مخلوق از اعلی و ادنی بہ نسبت شان عظمت نشان او خالق کائنات کہ متصف بصفات غیر متناہیہ و مستجمع جمیع کمالات ذاتیہ است۔ مثل ذرہ ہم نیست بخلاف شان چمار بہ نسبت شان بادشاہ دنیا امر اضافی است یعنی در وجود و بقا و افتقار بشری ہر دو برابر اند۔ و در وجاہت وعزت وشوکت ظاہری عارضی ہر چند بالفعل برابر نیستند۔ مگر درمحل تغیر و زوال اند چہ شائع است کہ او مالک الملک گاہے بادشاہ صاحب شوکت را از سریر عزت برحصیر ذلت می نشاند وگاہے چمار بے نوا را از بستر ذلت حصیر بر عزت سریر میرساند۔ قادرا

قدرت بے عجز نہ دادی بکس   قدرت بے عجز تو داری وبس

چنانکہ میفر ماید

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

(آل عمران:٢٦)

نعم ما قیل: سیہ روگر چہ اوج چرخ کردد کجا گرددرہا از مخلب باز

چہ خالق خالق است ومخلوق مخلوق، مرغہا را دامگستر داست امواج نسیم ماہیاں را نیش قلاب ست موج چشمہ سا

اینا زشمہ قدرت ونمونہ صنعت او پروردگار است

کہ ہمہ مخلوق ازیں صنعت وقدرت ذلیل وخوار

جامہ درخون شہیداں کش وبخرام بناز

بتوا ے شاخ گل این رنگ قبامی زیبد

﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ﴾ (الانبیاء:٢٣)

ازعلو شان اوست

ثنا ہا ہم ایزد پاک را ثریادہ تارک تاک را

کہ خورشید یک صورت جام از دست

شراب شفق وزخمر شام از وست

از صنائع بدائع بوقلموں اوست

﴿فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ﴾ (الانفطار:٨)

طراز قدرت اوست

غنچہ گل عطردان سنبل موئے تو است

آفتاب از دور گردان سرکوئی تو است

پیش ایں نقش نگار ہمہ ازعہدہ آن لا چارو ذلیل وخوار اندواین امر از امور حقہ عقائد اہل اسلام والا تبار است کہ منکر آن مشرک شقی بداطوار

متاع صبر ونقد آرمیدن نیاز غارت وزدیدہ دیدن

ازصفات محبوبی اوست

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ (العنکبوت:٦٩)

اشارہ از وست

دلم زخوف تو خون است ندانم چون است

دردلم شوق جمالت زبیان بیرون است

آہ صدآہ تو ہرروزفزوں مے گردد

دل شوریدہ من بین کہ چہ روز افزوں است

آئندہ بگوش ہوش باید شنید کہ اورب العالمین بذات مقدس خود واجب الوجود است وتمام مخلوقات علویہ وسفلیہ بایجاد او تعالیٰ موجود اند ودر وجود وبقا بوے محتاج ہر آن اند

گہ بلطفم مے نواز وگہ بنازم مے کشد

زندہ می سازدمرآن شوخ بازل می کشد

قولہ تعالی: ﴿ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾

(البقرۃ:٢٨)

شان اوجل شانہ است

﴿ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (الصافات:٩٦)

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ ﴾ (الملک:١،٢)

شان اوست

﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴾ (الانعام:١٨)

شان اوست

پس بمقابلہ چنیں شانہائے اورب العالمین واحسن الخالقین ہمہ مخلوقات لاچار وذلیل و ذرہ بے مقدار وضعیف وخوار وبدست قدرت کاملہ او مجبور وگرفتار وچمار چنداں بہ نسبت بادشاہ لاچار نیست زیرا کہ ہر دو در وجود وبقا ولوازم بشری مساوی اند بخلاف نسبت مخلوق باخالق ہیچ گو نہ مشابہت ومناسبت نیست وہمیں معنی صاحب تقویۃ الایمان است نزد ارباب عقل ونقل..

وقوله:والقاهر ـ يفيد الحصر و معناه انه لاموصوف بكمال القدرة و كمال العلم الا الحق سبحانه وعند هذا يظهر انه لا كامل الاهو ـ و كل من سواه فهو ناقص اذاعرفت هذا فنقول اما دلالة كونه قاهراً على القدرة فلانا بينا ان ما عدا الحق سبحانه ممكن بالوجود لذاته لايترجح وجوده على عدمه ولا عدمه على وجوده ا لابترجيحه وتكوينه و ايجاده وابداعه فيكون فى الحقيقة (قهر؟) فهو الممكنات تارة فى طرف ترجيح الوجود على العدم وتارة فى طرف ترجيح العدم على الوجود ويدخل فى هذا الباب كونه قاهرالهم بالموت والفقر والاذلال ويدخل فيه كل ماذكره الله تعالى:﴿قل اللهم مالك الملك﴾❶

برمعترض غافل نہاد واجب است کہ تلاوت سورہ اخلاص بکند کہ رفعت شان اوخلاق علیم و قہار حکیم دردلش جا گیر وچہ دریں سورہ دو چیز مذکوراست ـ

یکے احدیت دوم صمدیت وباقی متفرع بریں ہردواند چہ شرکت گاہے درعددے ماشد ـ وآن رابلفظ احد نفی فرمودو گاہے درمرتبہ وجاہ ومنصب می باشد وآن رابلفظ صمد نفی فرمودو گاہے درنسب مے باشدوآن رابہ لم یلد ولم یولد نفی فرمودو گاہے درکاروتاثیت مے باشدوآن رابہ لم یکن لہ کفواً احد نفی فرمودومعنی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرمودہ اند، کہ صمد آن ست کہ محتاج کس نہ بود وہمہ محتاج او باشندودرسلسل وجوداز ذاتے کہ موصوف بصمدیت باشد چارہ نیست زیرا کہ درعالم سراسراحتیاج مشاہدہ میشود وچون ہرچیز محتاج شدلا بدذاتے می باید کہ احتیاج بآن منتہی شودواومحتاج دیگرے نہ باشدوالاسلسلہ احتیاج منقطع نہ شود

این ازافادات بعض اہل علم ازاہل تفسیراست آیت کریمہ لیس کمثلہ شیء وھو السمیع العلیم بران ذات صمدیت صفات منطبق ومرتب می شودوہمہ مخلوق این صفات فرسنگہا دوروعاری محض ہستند ـ وہمیں معنی است کہ ہرمخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے یعنی محض ضعیف ولاچاراست ـ ہیچ از ہست ونیست کردن نمی تواند وخود ہر آن زہرحوادث چشان است ودردائرہ افتقار بے کس وبے سروسامان دردکشان است

---

❶ تفسیر کبیر

خداوند مائی و ما بندہ ایم بہ نیروئے تو یک بیک زندہ ایم

ہمہ زیر دستیم و فرمان پذیر توئی یاوری دہ توئی دست گیر

چو در لشکر دشمن آری رحیل زمرغان کشی فیل واصحاب فیل

پس درمیان خالق غنی و بے نیاز و مخلوق متصف بآز و نیاز مناسبت و مشارکت و مقادمت و مزاحمت و منازعت و مبارعت اصلاً نیست چہ او خالق مطلق رازق برحق ازلاً و ابداً عزیز و قوی و مالک الملک و قاہر و غالب است ﴿وَلَهُ الْكِبْرِيَاۤءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (الجاثیہ:۳۷) الآیۃ، وحدیث قدس الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری شان عزیز السلطان است

مراورا رسد کبریا و منی که ملکش قدیم است و ذاتش غنی

بخلاف مخلوق چہ کبیر چہ صغیر پیش او جبار قدیر ضعیف فانی و ذلیل و حقیر جبلی است

ہر کہ ہست آفریدہ او بندہ است

بندہ در بند آفرینندہ است

پس کجا بندہء کہ در بند است

لائق شرکت خداوند است

چنانچہ او رب العزت بمقتضائے شان عزت و جلالت خود می فرماید

﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ (المریم:۹۳)

ذلیلاً خاضعاً کذا فی معالم التنزیل الا آتی الرحمن عبدا ذلیلا خاضعاً یوم القیامۃ منھم عزیر وعیسی کذا فی الجلالین۔

پس در جلالین منھم عزیر و عیسی را صراحۃ ذکر کردہ و ذلیل شمردہ چہ بے ادبی کردہ وحبذا ماقیل

ہنر بچشم عداوت قبیح تر باشد

حسد بحاسد طبعی فضیح تر باشد

آتی الرحمن عبداً۔ حال ای خاضعاً ذلیلاً منقاداً انتھی ما فی المدارک ۔

عبداً مطیعاً خاشعاً کذا فی التفسیر الکبیر ۔

الخشوع ضراعة وضرع الرجل ضراعة ضعف وذل کذا فی مفردات القرآن ۔

آن خداوند جهان دار که از هیبت او

باد بر غنچه نیارد که کند پرده دری

معترض غافل نهادرا کاش سیر سکندر نامہ نظامی علیہ الرحمۃ میسر بودے تا بر صاحب تقویۃ الایمان سخن بے ہودہ ولچر نہ نمودے ۔

ز تعظیم تو پیش تو هست و نیست

اگر باشد و گر نباشد یکے است

یعنی در جنب جلال ذات والا صفات تو موجودات و معدومات اگر باشند

واگر نباشند برابر است چرا که تو قادر ہستی مطلقاً بر ہست

کردن معدومات و نیست نمودن موجودات

پس نزد این شان کلام نشان تو ہمہ موجودات از بس ذلیل وضعیف اند وہمیں مراد صاحب تقویۃ الایمان است کہ چمار سے بھی ذلیل ہے ۔ آہ

بارہا گفتم باردگر مے گویم من

گم گشتہ نہ این راہ ز خود مے پویم

در بر آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند

آنچہ استاد ازل گفت بتو مے گویم

بریں معنی تصرف وتسلط بادشاہ بر چمار ذلیل ذرہ ایست موہوم بہ نسبت تصرف تام و قدرت تمام او خالق منعام وعزیز علام بر کافہ انام از خواص وعوام کہ علی الدوام است

آن جہانوارے کہ ہرکز طاعتش سر بر کشید

روزگارش خط خذران تا ابد بر سرکشید

واین جا ملا علی قاری ہروی کہ از اعاظم حنفیہ است انبیاء واولیاء وفجرہ وکفرہ را زیر تسخیر و

تصرف وانگشت از اصابع الرحمٰن شامل کردہ نبق واحد ہمہ را ذکر نمودہ چنانکہ در مرقاۃ شرح مشکوۃ در باب قدر زیر حدیث عبداللہ بن عمرو می نویسد:

عن عبد اللّٰه بن عمرو قال قال رسول اللّٰه ﷺ:((ان قلوب بنی آدم ای ذا الجنس وخص الخصوصية قابلية التقليب وبه اكد بقوله كلها يشمل الانبياء والاوليا والفجرة والكفرة من الاشقياء بين اصبعين من اصابع الرحمن بقلب واحد ويصرف كيف يشاء)) ثم قال رسول اللّٰه ﷺ:((اللّٰهمّ مصرف القلوب صرّف قلوبنا على طاعتك)) والظّاهر ان كل واحد من العباد كما يفتقر اليه تعالى فى الايجاد لايستغنى عنه ساعة من الامداد۔ كمارواه مسلم ❶

دیگران را این تصرف کے رواست

اختیار این تصرف را ترا ست

واز جملہ علو شان بے نیازی او این است کہ

((لو انّ اللّٰه عزّوجل عذب اهل سمواته واهل ارضه عذبهم وهو غيرظالم لهم))

این حدیث بہ سبیل اختصار نقل کردہ شد وروائت کردہ ایں را احمد وابوداؤد وابن ماجہ از ابی بن کعب وابن مسعود وحذیفہ وزید بن ثابت چنانکہ در مشکوۃ وغیرہ بوجہ بسط مرقوم است

کسے ز چون و چرا دم نمی تواند زد کہ

نقش بند حوادث درائے چون و چرا است

چرا مگو کہ چرا دست بستہ قدرت است

ز چون ملاف کہ چون نیز پائمال قضا است

وازین جا قول مولوی صاحب مرحوم مطابق واقع است و مسلم نیز

و عقلاً خلافاً للسفهاء:﴿**وما قدروا الله حق قدره وهو العلى الكبير**﴾ المتعال وهو شديد المحال۔

---

❶ مشکوۃ

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اولاً معترض غافل نہاد تکفیر ملا علی قاری ہروی کند کہ انبیاء و فجرہ وکفرہ را در یک مرتبہ زیر تسخیر وتصرف خداوند قدیر آوردہ وحفظ مراتب شان نمودہ۔

ثانیاً تکفیر صاحب تقویۃ الایمان کند نعوذ باللہ من سوء الظن

منکراں چون دیدہ شرم وحیا برہم نہند

تہمت آلودگی بردامن مریم نہند

حاشا وکلا کہ درکلام ہردو بزرگان تحقیر وتوہین اکابر اعلام اصلاً نیست۔ بلکہ قصد بیان احکام شرعیہ حسب مرام کلام عزیز علام وسنت آن خیر الانام علیہ الصلوۃ والسلام است۔ چنانکہ سید احمد طحطاوی محشی درمختار درباب نذر للہ ولغیر اللہ می نویسند

اعلم ان بيان الاحكام الشرعية مما يجب على العلماء وليس فى ذالك تنقيص الولى كما يظنه بعض من الاخلاق له بل هذا مما يرضى به الولى ولو كان حياً وسئل عنه ذالك اجاب بالحق واغضبه نسبة التاثيرله وتامل قوله تعالى فى حق السيد عيسى عليه السلام: ﴿**ان هو الا عبداً انعمنا عليه**﴾ انتهى ما فى الطحطاوى قال الله تعالى ان هو الا عبداً انعمنا عليه يعنى ما عيسى الا عبد كسائر العبيد۔

پس درین جاغور باید کہ برائے چہ این چنین نوشتہ اگر بقصد استخفاف واہانت نوشتہ کافر خواہد بود حاشا کہ این مقصود امام ہمام نیست بلکہ بنظر تنزیہ ذات باری از لوث شرک دررد بدعقیدگان نوشتہ

وصاحب تفسیر نیشاپوری تحت آیت کریمہ

﴿**لله ما فى السموات وما فى الارض يغفر لمن يشاء ويعذب من يشاء والله غفور رحيم**﴾ افادہ فرمودہ ثمّ ذالك لازم الملك والحكم فقال يغفر لمن يشاء تعميم فضله وان كان من الابالسة والفراعنة ويعذب من يشاء بحكم الالهية والقدرة وان كان من الملائكة المقربين والمصدقين۔ انتهى كلامه مختصراً۔

ودر حق حضرت عیسی ومریم علیہما السلام فرمائد

﴿ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل وامه صدیقة﴾

کسائرالنساء اللاتی یلازمن الصدق او یصدقن الانبیاء ﴿کانا یاکلان الطعام﴾ و

یفتقران الیه افتقار الحیوانات۔ انتھی ما فی البیضاوی مختصراً۔

ودر جلالین مذکور است

کانا یاکلان الطعام کغیرھما من الحیوانات۔ انتھی مافی الجلالین ۔

پس صاحب تفسیر بیضاوی وجلالین حضرت عیسی ومریم علیھما السلام را مانند دیگر حیوانات بنا بر افتقار وضعف وعدم اختیار تشبیہ دادندن بقصد حقارت وعدم تفاوت درجات ایشان ذکر کردند نعوذ باللہ من سوء الفھم

وشیخ سعدی علیہ الرحمہ نیز بجلالت شان او خالق قہار وعزیز جبارے فرمایند

اگر بحشر خطاب قہر کند انبیاء راچہ جائے معذرت است

پردہ از روئے لطف گر بردارد اشقیا را امید مغفرت است

ہم چنین قول صاحب تقویۃ الایمان کہ چمار سے بھی ذلیل ہے باید فہمید ذلیل یعنی ضعیف و عاجز و لاچار و بے اختیار است ۔ زیرا کہ او جل شانہ مالک الملک وعزیز ذوسلطان وقادر مختار مطلق است و ہمہ مخلوق چہ اعلی چہ ادنی در جنب عزت وقدرت کاملہ او ذرہ وار ذلیل و خوار بلا ریب در عقیدہ اہل اسلام است

الملك هو القدرة والمالك هو القادر فقوله مالك الملك معناه القادر على القدرة و

المعنى ان قدرة الخلق على كل مايقدرون عليه ليست الا باقدار الله تعالى فهو الذى

يقدر كل قادر على مقدوره ويملك كمالك على مملوكه ۔ [1]

در مدارک تحت آیت ﴿وھو القاھر فوق عبادہ﴾ می نویسند القھر المراد بمنع غیرہ عن بلوغہ وہمین معنی مراد از ذلیل است یعنی ذلیل وضعیف است از مقاومت ومصادمت در کارخانہ الہی چہ ادعا سراپا است کہ بر جلب منافع ودفع مضار وموت وحیات وصحت ومرض و رفع حاجات خود ہیچ قدرتیک ذرہ ندارد۔

---

[1] تفسیر کبیر مختصراً

چنانکہ عقل وشرح بدان ناطق است وقول صاحب تقویۃ الایمان برآن صادق چناں چہ او مالک الملک بابطال زعم مشرکان درسورہ فرقان می فرماید

﴿اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً﴾ (الکھف:۱۵)

﴿لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ﴾ (النحل:۲۰)

﴿لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا﴾

(الفرقان:۳)

حسن غیور او نہ پسند د شریک را
آئینہ رابدست نگیرد نگار ما

اکنون معنی ذل وذلت باید دانست کہ چیست ذل بضم خواری ضد عزت۔ ذلت کذالك فی الصراح وامام راغب درمفردات القرآن می نویسند

الذل کما کان عن قھر و یقال الذل القل الذلۃ القلۃ انتھی کلامہ فی الجملہ معنی ذل وذلت ضعف ونا توانی وبے سروسامانی است از مقاومت با دیگرے وضد ونقیض آن عزاست بمعنی قوت وغلبہ چنانکہ فخر الدین رازی زیر آیت لقد نصرکم اللّٰہ ببدر وانتم اذلۃ درتفسیر کبیر می نویسد معنی الذل الضعف عن المقاومۃ و نقیضہ العز ھو القوۃ والغلبہ۔

پر ظاہر کہ ہر مخلوق بمقابلہ قوت وغلبہ خالق ﴿بدیع السموات والارض﴾ بلاریب ذلیل است یعنی ضعیف ذرہ دار خوار ناپائیدار دربند حوادث گوناگوں گرفتار ومنکرین ذیوانہ مضحکہ الصبیان خواہد بود وتلاوت ﴿سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون﴾ درحق منکران می باید وتوقیع رفیع ﴿ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون﴾ حسب حال ایشان می شاید درتفسیر ابوالسعود نوشتہ

اذلۃ جمع ذلیل وانما جمع قلۃ للایذان باتصافھم حینئذ بوصفی القلۃ والذلۃ اذ کانوا ثلثمائۃ وبضعۃ عشر وکان ضعف حالھم فی الغایۃ ۔

ودرتفسیر بیضاوی مرقوم است

وانما قال اذلۃ ولم یقل ذلائل لیدل علی قلتھم وذلتھم بضعف الحال وقلۃ المراکب والسلاح

پس از قرآن مجید وتفاسیر صاف واضح شد کہ او مالک الملک صحابہ کرام رضی اللہ عنھم را بسبب ضعف وقلت مال ومثال کہ از مقاومت با کفار ضعیف و بے سرمایہ بودند ذلیل فرمودہ چہ جا کہ بمقابلہ عزت کاملہ وسلطنت قاہرہ وقوت باہرہ او مالک الملک کے رسند۔ وچہ گونہ ذلیل و ضعیف ونحیف شمردہ نہ شوند ذلت وضعف وافتقار شان انسان است وفرمان عالی شان ﴿خلق الانسان ضعیفا﴾ برآن برہان است

اگر نہیب دہد چرخ واژگون گردد

دگر عتاب کند آفتاب خون گردد

﴿وهو القاهر فوق عباده﴾ شان عزیز السلطان اوست القهر هو الغلبة والتذليل معاد يستعمل فی کل واحد منهما۔

کذا فی مفردات القرآن للامام راغب

پس معنی آئت کریمہ این است کہ آن غالب و مذلل وتزلیل کنندہ بندگان خود است

ہر کرا قہر تو راند کہ تواند خواندن

وآنکہ را لطف تو خواند کہ تواند راندن

وبطش ودار گیر بادشاہ صاحب شوکت بر چمار ذلیل وضعیف بمقابلہ ودار گیر خداوند قدیر ذوالجلال لا یزال بذرہ نیرزد

ہر کہ منصف بود دہد انصاف

وصف تو نیست قدرت وصاف

﴿انّ بطش ربّک لشدید﴾ ہر آئینہ دست برد پروردگار تو بسیار سخت است۔ زیرا کہ از دست برد دیگران خلاص شدن بمقابلہ وگریہ وزاری وصبر وشفاعت ممکن است واز عذاب او تعالی ہیچ وجہ خلاصی امکان نہ دارد و نیز دست برد دیگران را نہائتش آن ست کہ منجر بموت و ہلاک شود و بعد از موت و ہلاک نمی توانند کہ ایذائے رسانند زیرا کہ قدرت بر اعادہ معدوم ندارند پس عذاب ابدی نمی توانند کرد۔ بخلاف او تعالی کہ بمردن وخاک شدن نیز از دست برد

اوخلاصی ممکن نیست می تواند کہ زندہ گرداند و باز عذاب کند تا ابد الآباد زیرا کہ

﴿انّہ ھو یبدیء ویعید﴾ الی آ خر مافی العزیزی

وآیت کریمہ

﴿فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ۝ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ﴾ (الفجر:۲۵،۲۶)

نیز بر عزت وقدرت کاملہ او عزیز ناطق کہ ہر مخلوق بمقابلہ ومشابہہ آن ذرہ وار ذلیل و خوار سرشار است

ہیچ میدانی چہا اے سرو قامت می کنی

می کشی وزندہ میسازی قیامت می کنی

﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ (الرحمن:۲۹)

ای امر یظھرہ فی العالم علی ماقدرہ فی الازل من احیاء واماتۃ واعزاز واذلال واعدام واعطاء وغیر ذالک صفات۔

عزت سمات غیر متناہیہ مختصہ باوجل شانہ است وانسان اگرچہ کامل واکمل باشد کے صفات خدائے تعالی مختص ومشابہ شدن می تواند چنانکہ برعقلاء اظہر من الشمس است

کل یوم ہو فی شان چہ شان ست چہ شان

یعنی اوصاف کمال تو نہ دارد پایان

جلوہ قدرت ترا غائت وپایانے نیست

ہر زمان جلوہء دیگر شود از پردہ عیان

فی الجملہ او خداوند خلاق ومالک علی الاطلاق بشان عزت خالقیت وشان عزت الوہیت و شان عزت قومیت وشان عزت قہاریت موصوف سرمدی است وہر مخلوق بشان ذلت عبدیت وشان ذلت عبودیت وشان ذلت مقہوریت وشان ذلت افتقاریت مجبور وپابند محصور ابدی است پس مخلوق بمقابلہ شانہائے رنگا رنگ او خالق غنی وبے نیاز سراپا در ذلتہائے گونا گوں سر افگندہ باعجز ونیاز است

شکر فیض تو چمن چون کند اے ابر بہار

کہ اگر خار و اگر گل ہمہ پروردہی تست

پس شرح و بیان عبارت تقویۃ الایمان حسب عنوان کلام ایزد منان و رسول مقبول آخر زمان وطرز تبیان علمائے ذی شان نگارش یافتہ اکنون صاحبان انصاف پر وررالازم است کہ بمقتضائے مکارم اخلاق غور فرمایند و بر صاحب تقویۃ الایمان غیظ وغضب نہ نمایند

اندکے با تو بگفتم و بدل ترسیدم

کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

سید محمد نذیر حسین

فتوی کا مختصر اردو ترجمہ:

یہ بات واضح ہے مولانا اسماعیل شہیدؒ کی عبارت پر جو اعتراض کیا گیا ہے اس کی دو ہی وجہیں ہو سکتی ہیں:

یا تو اس عبارت کے سیاق وسباق پر غور نہیں کیا گیا۔ یا پھر تعصب اور ہٹ دھرمی ہے۔

اگر معترض آپ کی عبارت پر اچھی طرح غور کرتا تو اس قسم کے الفاظ زبان پر لانے کی کبھی جرئت نہ کرتا۔ اللہ تعالی نے کفار کو قرآن مجید میں کئی جگہ الزام دیا ہے کہ وہ قرآن پاک سمجھنے کے لئے غور وفکر سے کام نہیں لیتے۔ اگر معترض اچھی طرح غور کرتا تو اس کو صحیح سمجھ آ جاتی۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

واقفان شریعت اچھی طرح جانتے ہیں کہ مولانا اسماعیل کا اصل مقصود ان عوام کالانعام کے عقیدہ کی اصلاح ہے جن کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ جناب باری تعالی کے مختار کل ہیں، جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ کسی کو ذلیل کریں کسی کو عزت بخشیں، کسی کو اولاد دیں یا نہ دیں۔ کسی کا رزق تنگ کریں یا فراخ، سب ان کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے نام کی نذر نیاز دیتے ہیں ان کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں۔ مثلاً یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ یا، یا علی، یا حسین یا خواجہ جی وغیرہ۔ پھر انکے سامنے پوری عاجزی کا اظہار کرتے ہیں، ان کی قبروں پر سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ اور ان سے اتنا ڈرتے ہیں کہ خدا سے اس کا سوواں حصہ بھی نہیں ڈرتے۔ پہلے زمانے کے کافروں کے بھی ایسے ہی عقیدے تھے چنانچہ مولانا اسماعیلؒ کا مقصد

یہ تھا کہ ایسے عقائد باطلہ کی تردید کر کے صحیح عقیدہ ان کے سامنے پیش کیا جائے۔

امام رازی تفسیر کبیر میں سورہ یونس کی تفسیر میں آیت: ﴿هؤلاء شفعاؤنا عند الله﴾ کے تحت لکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی شکل کے بت بنا رکھے تھے ان کا خیال تھا کہ جب ہم ان کے سامنے سجدہ کرتے ہیں تو ان کی روحیں خوش ہو کر اللہ کے پاس ہماری سفارش کرتی ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی میں ﴿فلا تجعلوا لله انداداً﴾ کے تحت فرماتے ہیں کہ چوتھا طبقہ قبر پرستوں کا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جب کوئی بزرگ آدمی اپنے مجاہدہ اور ریاضت کی وجہ سے مستجاب الدعوات بن جاتا ہے تو مرنے کے بعد اسکی روح کو بہت طاقت اور وسعت نصیب ہو جاتی ہے پھر اگر کوئی شخص انکی قبر یا ان کی نشست و برخاست کی جگہ یا انکی تصویر کے سامنے سجدہ کرے تو وہ بزرگان اس سے مطلع ہو کر خوش ہوتے ہیں اور انکی سفارش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس آدمی سے گمراہ تر کون ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوا ان کو پکارے جو قیامت تک بھی ان کو جواب نہ دے سکیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان کو پکارنے سے محض بے خبر ہیں کیونکہ یا تو وہ پتھر ہیں جو سن ہی نہیں سکتے اور یا پھر خدا کے نیک بندے ہیں جو اپنے حال میں مشغول ہیں۔ اور شرک ایسی بری بلا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ اگر یہ لوگ بھی شرک کرتے تو انکے عمل بھی ضائع ہو جاتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان بد شعار مشرکوں کے عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے یہ سخت لفظ بھی فرمائے:

یقیناً وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے۔ آپ فرمائیں اگر خدا، مسیح ابن مریم اور ان کی ماں اور تمام اہل زمین کو برباد کر دیں تو خدا کو کون روک سکتا ہے۔

عقل مند لوگ جانتے ہیں کہ مسیح اور ان کی والدہ تو برباد کر دینے کے لائق نہیں ہیں لیکن ان مشرکوں کے عقیدہ کی تردید کرنے کیلئے اللہ نے ایسا فرمایا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں دو نسبتیں الگ الگ ہیں۔ ایک خالق سے مخلوق کی نسبت۔ اور دوسری مخلوق کی مخلوق سے نسبت۔ اور مولانا اسماعیلؒ یہاں پہلی نسبت کے متعلق گفتگو

کررہے ہیں کہ خالق کے ساتھ مخلوق کو کوئی ذرہ بھر کی بھی نسبت نہیں ہے۔ کجا حادث، محتاج اور کجا قدیم، موجد اور مقتدر؟ ان میں آخر کیا نسبت ہے؟ کجا ایک ذرہ بے مقدار اور کجا صحرائے ناپیدا کنار۔ وہ باقی یہ فانی۔ وہ ازلی ابدی اور اس کی ہستی ایک آنی۔ تو اس صورت میں مخلوق کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو خدا تعالیٰ سے وہ نسبت کبھی نہیں ہوسکتی جو ایک چمار کو بادشاہ سے ہوسکتی ہے۔ کیونکہ خالق اور مخلوق میں جو فرق ہے وہ اصلی اور ذاتی ہے اور چمار اور بادشاہ میں جو فرق ہے وہ صرف اضافی ہے، حقیقی نہیں۔ کیونکہ زندگی موت صحت بیماری پریشانی اور خوش حالی غمی اور خوشی میں بادشاہ اور چمار بہرحال برابر ہیں۔ جیسے ایک چمار محل حوادث ہے ویسے ہی بادشاہ بھی محل حوادث ہے۔ فرق ہے تو صرف حالی ہے کہ وہ ظاہری طور پر دنیاوی بادشاہ ہے اور یہ غریب اور نادار ہے۔

پھر بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بادشاہ تخت شاہی سے معزول ہوکر ذلت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور کبھی کوئی غریب آدمی تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوجاتا ہے۔ لیکن خداوند تعالیٰ کی حکومت ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہے۔ اس میں کبھی زوال نہیں۔ اور مخلوق اس کے مقابلہ میں ہمیشہ محتاج ہے اس کو کبھی قرار ذاتی نصیب ہی نہیں ہوسکتا۔ پھر مخلوق کو خالق سے وہ نسبت کب میسر ہوسکتی ہے جو ایک چمار کو بادشاہ سے ہے۔ اور تقویۃ الایمان والے کا مدعا بھی یہی بیان کرنا ہے۔

معترض کو چاہیے کہ سورہ اخلاص کی تلاوت بڑے غور سے کرے۔ اس میں خدا تعالیٰ کی دو صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک احدیت اور دوسری صمدیت۔ باقی تمام صفات انہی کی شاخیں ہیں۔ کیونکہ شرکت کبھی تعداد میں ہوتی ہے اس کی نفی صفت احد سے فرمائی گئی ہے۔ اور کبھی شرکت صفات جاہ و مرتبہ و منصب میں ہوتی ہے۔ اس کی نفی لفظ صمد سے فرمائی گئی۔ اور صمد وہ ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سب مخلوق اس کی محتاج ہو۔ اور کوئی ایسی ہستی ضرور ہونی چاہیے جہاں احتیاج ختم ہوجائے ورنہ تسلسل اور دور لازم آئے گا۔

جب باقی تمام مخلوقات اس کی محتاج ہوئی تو پھر اس کے ساتھ برابری کیسے ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ زمین اور آسمانوں میں جو کوئی بھی ہے وہ اللہ کے پاس غلامی کی حالت میں آنے والا ہے۔ جلالین میں لکھا ہے کہ عبداً کا معنی ذلیل اور خاضع

ہے۔ پھر فرماتے ہیں تمام مخلوق اس کے سامنے ذلیل ہے۔عزیر اور عیسی بھی۔

ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو کی حدیث باب القدر کے تحت لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالی کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ وہ جس طرح چاہے ان کو پھیرتا ہے اور تمام بنی آدم کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ نبیوں اور ولیوں، کافروں، فاسقوں، فاجروں اور تمام بدبختوں کے دل خدا کے ہاتھ میں ہیں۔

علامہ طحطاوی شارح درمختار باب نذر للہ و لغیر اللہ میں لکھتے ہیں کہ علماء پر احکام شریعت کا بیان کرنا ضروری ہے اور اس میں کسی کی تنقیص نہیں ہوئی۔ جیسا کہ بے سمجھ لوگ خیال کرتے ہیں۔ اگر بالفرض وہ ولی زندہ ہوتے تو وہ بھی یہی کچھ بیان کرتے۔ اور اس پر خوش ہوتے۔ اللہ تعالی کے قول پر غور فرماؤ کہ وہ عیسیٰؑ کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ تو صرف ایک بندہ تھا جس پر ہم نے احسان فرمایا یعنی عیسی بھی دوسرے بندوں کی طرح ایک بندے ہیں۔ غور فرمانا چاہیے کہ علامہ طحطاوی، عیسیٰؑ کو دوسرے بندوں کی طرح ایک بندہ قرار دے رہے ہیں۔ اگر بنظر حقارت ایسا کہا جائے تو آدمی کافر ہو جائے۔ حقیقت میں یہاں مشرکوں کے عقیدہ کی تردید کرنا مقصود ہے۔

صاحب تفسیر نیشا پوری آیت: ﴿للہ ما فی السموات﴾ کے تحت لکھتے ہیں کہ یہاں تعمیم ہے۔ اگر وہ بخشنا چاہے تو ابلیس اور فرعون کو بھی بخش دے اور اگر سزا دینا چاہے تو مقربین ملائکہ اور صدیقین کو سزا دے دے۔

بیضاوی حضرت عیسیٰؑ اور انکی والدہ کے متعلق فرماتے ہیں ﴿کانا یاکلان الطعام﴾ کہ وہ بھی کھانے کے ایسے ہی محتاج تھے جیسے دوسرے حیوانات محتاج ہوتے ہیں۔ جلالین میں بھی بالکل یہی لفظ ہیں۔ دیکھئے صاحب تفسیر بیضاوی وجلالین عیسیٰؑ اور انکی والدہ کو حیوانوں سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ حاشا وکلا ان کا مقصود انکی توہین کرنا نہیں بلکہ انکی محتاجی کو بیان کرنا مقصود ہے۔

تفسیر مدارک میں آیت: ﴿وھو القاھر فوق عبادہ﴾ کے تحت لکھا ہے کہ قہر کا معنی ہے اپنی مرضی پوری کر لینا اور دوسرے کو اپنی مرضی پورا کرنے سے روک دینا۔ اور یہی ذلیل کا معنی ہے کہ کوئی بھی اس کارخانہ قدرت میں دم نہیں مار سکتا، کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ

وہ سب کے سب سراپا عاجز ہیں۔

پھر ایک اور طرح بھی اس پر غور کرنا چاہیے کہ بادشاہ اگر ایک ذلیل چمار پر گرفت کرے اور اس کو سزا دے تو اس کی سزا بالکل محدود ہے کیونکہ موت کے بعد وہ اس کو کچھ سزا نہیں دے سکتا۔ لیکن اللہ تعالی اگر کسی بندے کو سزا دینا چاہے تو اس کی سزا غیر محدود ہوگی۔ کیونکہ موت کے بعد بھی وہ اس کو بار بار زندہ کرنے پر قادر ہے اور سزا دے سکتا ہے۔ تو خداوند تعالی کے صفات لامتناہی ہیں اور بندہ اس کے مقابلہ میں سراپا عجز و نیاز ہے۔

پس تقویۃ الایمان کی عبارت کی شرح خدا تعالی کی توفیق سے قرآن مجید اور حدیث شریف اور علماء ذی شان کے بیان کے مطابق ہو چکی ہے۔ اب انصاف پرور حضرات سے توقع ہے کہ مکارم اخلاق کے مطابق اس پر غور فرمائیں گے اور صاحب تقویۃ الایمان پر خواہ مخواہ ناراض نہ ہوں گے۔ سید محمد نذیر حسین۔ ❶

الطاف حسین حالی

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد پانی پت (جو دہلی سے جانب شمال ۵۳ میل ہے) میں ایک محلّہ میں آباد تھی جو انصاریوں کا محلّہ کہلاتا تھا۔ اس محلّہ میں جناب حالی کی ولادت ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۸ء میں ہوئی۔ باپ کی طرف سے انصاری تھے، اور ان کی والدہ سادات شہدا پور کے گھرانے کی سیدزادی تھیں۔

۱۹۰۱ء میں مولوی سید حسین بلگرامی عماد الملک حیدرآبادی کی فرمائش پر حالی کی خودنوشت سوانح معرض وجود میں آئی۔ جو درج ذیل ہے:

اول قرآن حفظ کیا۔ پھر باقاعدہ اور مسلسل تعلیم کا کبھی موقع نہیں ملا سید جعفر علی سے جو میر ممنون دہلوی کے بھتیجے اور داماد تھے، فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر عربی کا شوق ہوا اور مولوی ابراہیم حسین انصاری، جو لکھنو سے امامت کی سند لے کر آئے تھے، سے صرف ونحو پڑھی۔ سترہ سال کی عمر میں تلاش روزگار میں دہلی آئے۔

---

❶ فتاوی نذیریہ

ڈیڑھ برس وہاں مولوی نوازش علی سے، جو مشہور واعظ و مدرس تھے، کچھ صرف ونحو اور منطق کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اس دور میں انگریزی مدرسوں کو ہمارے علما مجہلے (جہالت کدہ) کہتے تھے۔ دلی میں جس مدرسے میں مجھ کو شب و روز رہنا پڑا۔ وہاں مدرس اور طلبہ، کالج کے تعلیم یافتہ لوگوں کو محض جاہل سمجھتے تھے۔غرض کبھی بھول کر بھی انگریزی تعلیم کا خیال دل میں نہ گزرتا تھا ڈیرھ برس دہلی میں رہنا ہوا۔اس عرصے میں کبھی کالج کو جا کر آنکھ سے دیکھا تک نہیں اور نہ ان لوگوں سے (اس زمانے میں) کبھی ملنے کا اتفاق ہوا جو اس وقت کالج میں تعلیم پاتے تھے جیسے مولوی ذکاء اللہ، مولوی نذیر احمد، مولوی محمد حسین آزاد وغیرہ۔

میں نے دہلی میں شرح سلم، ملاحسن اور میبذی پڑھنی شروع کی کہ...... دہلی چھوڑنا پڑا اور پانی پت واپس آیا۔ یہ ۱۸۵۵ء کا ذکر ہے ڈیرھ برس پانی پت میں رہا۔ ۱۸۵۶ میں ضلع حصار میں قلیل تنخواہ پر کلکٹر کے دفتر میں نوکری ملی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد واپس پانی پت آیا اور چار سال بیکاری میں گزرے اس دوران مولوی عبدالرحمٰن پانی پتی، مولوی محب اللہ مولوی قلندر علی سے بغیر کسی نظم و ترتیب کے منطق فلسفہ حدیث تفسیر پڑھتا رہا۔کبھی دلی جانا ہوتا تو مرزا غالب کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ پھر نواب مصطفیٰ خان شیفتہ رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر ضلع بلند شہر سے شناسائی ہوئی اور سات آٹھ سال ان کی مصاحبت میں رہا۔نواب شیفتہ کی وفات کے بعد پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو لاہور میں ملازم ہوا۔ جو ترجمے انگریزی سے اردو میں ہوتے ان کی اردو عبارت کی اصلاح کا کام چار سال لاہور میں رہ کر کیا اور یوں انگریزی لٹریچر سے واقفیت بھی ہوئی لاہور میں کرنل ہالرائڈ ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب کے ایما سے مولوی محمد حسین آزاد نے ۱۸۷۴ میں ایک مشاعرے کی بنیاد ڈالی اس میں بھی حصہ لیتا رہا۔ پھر لاہور سے دہلی میں اینگلو عربک اسکول کے مدرس ہو کر آ گیا۔

ایک عربی کتاب جو جیولوجی میں تھی اور جو فرنچ سے عربی میں کسی مصری نے ترجمہ کی تھی میں نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا اس کا کاپی رائٹ بلا معاوضہ پنجاب یونیورسٹی کو دیا چنانچہ ڈاکٹر لائیٹنر کے زمانہ میں یونیورسٹی نے اس کو چھاپ دیا۔ لاہور میں ہی ایک کتاب مجالس النساء لکھی جس پر کرنل ہالرائڈ نے ایک ایجوکیشنل دربار بمقام دہلی مجھے لارڈ نارتھ بروک کے ہاتھ سے ۴۰۰ روپئے انعام دلوایا۔ پھر دہلی میں سعدی شیرازی کی سوانح لکھی۔ پھر شاعری پر ایک مبسوط

مضمون لکھ کر بطور مقدمے کے اپنے دیوان کے ساتھ شائع کیا۔ اسکے بعد مرزا غالب کی سوانح لکھی۔ اب سرسید کی سوانح حیات جاوید کے نام سے لکھ رہا ہوں جو تقریبا ۱۰۰۰ صفحے کی کتاب ہے۔ (جو ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی)۔

۱۳۰۵ھ میں جب میں انگلو عربک اسکول دہلی میں مدرس تھا، نواب سے آسمان جاہ مدار المہام سرکار اعلی نظام ایک دفعہ سرسید کے ہاں علی گڈھ تشریف لائے۔ میں بھی اس وقت علی گڈھ میں تھا۔ نواب صاحب نے بہ صیغہ امداد مصنفین ۷۵ روپے میرا وظیفہ ماہوار مقرر کر دیا۔ اور ۱۳۰۹ھ میں سرسید کے ہمراہ حیدر آباد گیا تو یہ وظیفہ ۱۰۰ روپیہ ماہوار کر دیا۔ اسی وقت سے میں نے انگلو عربک ہائی سکول دہلی سے قطع تعلق کر لیا۔ ❶

جناب ابو یحیی امام خان مرتب تراجم علماء اہلحدیث ہند کا کہنا ہے کہ جناب ثناء اللہ امرتسری کی رائے یہ تھی کہ جناب حالی کو اہل حدیث علماء میں شمار کیا جانا چاہیے۔ اور جناب محمد حسین بٹالوی نے اشاعۃ السنہ میں کسی جگہ لکھا ہے کہ ان کے قیام دہلی کے دوران جناب حالی نے ان سے استفادہ کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب حالیؒ، جناب بٹالویؒ کے شاگرد اور جناب میاں نذیر حسین محدثؒ کے پوتے شاگرد ہیں۔ بنا بریں یوں حالی کی خدمات، اہل حدیث کی خدمات ہیں۔ اس لئے ہم ذرا تفصیل سے ان کے حالات وخدمات جناب شیخ محمد اکرام کی زبانی بیان کرتے ہیں۔

حالی ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے قوم کی روحانی ادبی اور اخلاقی اصلاح میں بڑا حصہ لیا لیکن اپنی کوششوں کا ذکر اس کسر نفسی سے کیا کہ لوگ ان کے کارناموں کو کسی اور کی کوششوں کا ثمر سمجھ لیتے ہیں۔ اردو شاعری کی اصلاح میں حالی کا دخل سب سے زیادہ ہے۔ انہوں نے دیوان حالی کے مقدمہ (شعر وشاعری) میں پرانی شاعری کے نقائص اور جدید شاعری کے اصول اس عقل سمجھ اور قابلیت سے سمجھائے اور شاعرانہ تنقید کا ایسا دستور العمل مرتب کیا، جس کا جواب اردو تو کیا مغرب کی بہت کم زبانوں میں ملے گا۔ اس کے علاوہ آپ نے جدید شاعری کے جسم بے جان میں قومی شاعری کی روح پھونکی اور اس میں کئی مضامین اس پر اثر طریقے سے ادا کئے کہ جدید شاعری کو قومی ادب میں ایک ممتاز جگہ مل گئی۔

---

❶ ارمغان حالی۔ صفحہ ۱ تا ۹

جدید اردو شاعری کا اصل بانی اور سب سے بڑا محسن حالی کے سوا کوئی نہیں۔...... حالی نے اردو نثر میں بھی بے بہا اضافہ کیا۔ اردو زبان میں علمی تنقید کی بنیاد بھی انہی نے ڈالی، سیرت نگاری کا نیا رنگ سب سے پہلے انہوں نے اختیار کیا۔ حیات سعدی، حیات جاوید، اور یادگار غالب انہی کے قلم سے نکلیں...... اہل بصیرت جانتے ہیں کہ مسلمانان ہند کی بیداری میں مسدس حالی نے بھی علی گڈھ کالج کے قیام سے کچھ کام نہیں کیا۔ سرسید خود اس کتاب کی اہمیت سے واقف تھے۔ مسدس ان کے ایماء سے لکھی گئی اور وہ کہتے تھے: بے شک میں اس کا محرک ہوا ہوں اور اس کو میں اپنے ان اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا پوچھے گا تو دنیا سے کیا لایا۔ میں کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں اور کچھ نہیں۔

آج قوم اس گڑھے سے کسی حد تک نکل چکی ہے جس کی پستی اور ذلت مسدس حالی کا موضوع تھی...... آج مسدس کے مضامین کو پوری طرح سمجھنا اور اس انقلاب کا اندازہ کرنا جو اس کتاب نے ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی میں پیدا کر دیا تھا بہت آسان نہیں...... لیکن جب حالی نے اپنا مسیحائی کا صور پھونکا تھا تو اس کی آواز سے قوم میں نئی زندگی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ مولوی عبدالحق نے اپنے ایک مضمون میں ایک دعوت کا ذکر کیا ہے جو ان کے ماموں زاد بھائی کے ختنے پر پنجاب کے ایک گاؤں میں ہوئی تھی۔ اس میں انہوں نے اس ساحرانہ اثر کی تصویر کھینچی ہے۔ جو مسدس کے سننے والے ان پڑھ اجڈ گنواروں پر ہوتا تھا۔ وہ لکھتے ہیں...... صبح کا وقت تھا۔ میدان میں بہت بڑا شامیانہ تنا ہوا تھا۔ اور اس میں لوگ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے بلکہ شامیانے سے بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں زیادہ تر اس گاؤں اور آس پاس کے گاؤں کے کسان مزدور تھے۔ اتنے میں ایک طوائف اٹھی...... اس نے کھڑے ہو کر مجمع پر ایک نظر ڈالی اور یک بارگی مسدس حالی کو گانا شروع کیا:

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا

مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا

جب تک وہ گاتی رہی، سناٹے کا عالم رہا۔ کچھ لوگ جھوم رہے تھے اور کچھ آبدیدہ تھے۔ وہ سماں اب تک میری نظروں کے سامنے ہے وہ گانا اب تک میرے کانوں میں گونج رہا ہے۔

مسدس کی مقبولیت فوری تھی اور قوم کے کسی خاص طبقے تک محدود نہ تھی۔ اس کا پہلا اڈیشن ۱۸۷۹ء میں چھپا۔ اس کے سات سال بعد حالی لکھتے ہیں:

اگر چہ اس نظم کی اشاعت سے شائد کوئی معتد بہ فائدہ سوسائٹی کو نہیں پہنچا❶ مگر چھ برس میں جس قدر مقبولیت اور شہرت اس نظم کو اطراف ہندوستان میں ہوئی وہ فی الواقع تعجب انگیز ہے...... اس تھوڑی سی مدت میں یہ نظم ملک کے اطراف و جوانب میں پھیل گئی۔ ہندوستان کے مختلف اضلاع میں اس کے سات اڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ بعض قومی مدرسوں میں جا بجا اس کے بند پڑھے جاتے ہیں، اکثر لوگ اس کو پڑھ کر بے اختیار روتے اور آنسو بہاتے ہیں، اس کے بند ہمارے واعظوں کی زبان پر جاری ہیں۔

مسدس نے قوم کی بیداری کا پیغام اس حلقے تک پہنچایا جہاں علی گڑھ کالج یا ایجوکیشنل کانفرنس کی رسائی نہ تھی۔ ان دونوں کا حلقہ تعلیم یافتہ طبقے تک محدود تھا، لیکن مسدس کی سادہ زبان اور سیدھے سادھے خیالات جتنے خواص کو مرغوب تھے اتنے ہی عوام کو عزیز تھے۔ بہت سے لوگ علی گڑھ کے مخالف تھے لیکن مسدس کی مخالفت کون کرتا یہ کسی نئے مذہب کا پرچار نہ تھا۔ اس میں شہد میں سرکہ نہ ملایا گیا تھا۔ حالی کے آنسو، خالص آب حیات کے چھینٹے تھے دل سے نکلے ہوئے درد سے بھرے ہوئے۔

مسدس کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ جس نظم نے سات کروڑ آدمیوں❷ کی قسمت بدل دی ہو اس کی اہمیت کس قدر ہو گی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مسدس دنیا کی چند طویل ترین نظموں میں سے ہے۔ حالی اگر قوم کا یہ مرثیہ لکھ دیتے اس کے علاوہ کچھ نہ کرتے، تب بھی قوم کے محسنوں میں انکا شمار سرسید اور محسن الملک کے ساتھ ساتھ ہوتا۔ لیکن مسدس لکھنے کے علاوہ حالی نے بہت کچھ کیا۔ اردو شاعری کی تو انہوں نے تاریخ ہی بدل ڈالی، آج تک اردو و فارسی شاعری میں شعر کی خوبی، الفاظ کے انتخاب، تشبیہوں کی جدت اور مضمون کی شگفتگی پر منحصر تھی۔ حالی نے شعر کی بنیاد خالص جذبات پر رکھی۔ فنی خوبیوں اور لفظی تراش خراش پر نہیں......، لیکن خلوص جوش اور سچائی نے سیدھے سادھے الفاظ میں جان ڈال دی ہے اور انہیں الہامی درجہ دے دیا ہے۔

---

❶ حالی کی کسر نفسی ہے ❷ یعنی اس دور کے ہندی مسلمانوں کی کل تعداد

کلام حالی کا درد اور اس کی سچائی کسی ادبی اصول کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ شاعر کی اپنی بلند اور پاکیزہ سیرت کا عکس تھا۔ وہ ایک غریب خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ لیکن سید محمود بن سرسید کہتا ہے۔ اگر خدا مجھ سے کبھی یہ سوال کرے کہ میرے جتنے بندوں سے تو ملا ہے، ان میں سے کون ایسا ہے کہ جس کی پرستش کے لئے تیرا دل تیار ہو جائے، تو میرا جواب حاضر ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ شخص الطاف حسین حالی ہے۔ فنا فی القوم ہونے کا جو درجہ حالی کو ملا وہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ حالی میں سرسید کی سی وجاہت اور انتظامی قابلیت نہ تھی لیکن قومی درد اور بے غرضی میں وہ سرسید سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ حالی قوم کا ایک خادم تھا، جس نے ہمیشہ کٹھن کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ اپنے طبعی جوہر اور خلوص سے اس میں کمال پیدا کیا، لیکن حق الخدمت لینے سے بھاگتا رہا۔ ❶

سید اولاد حسن قنوجی

آپ ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۵ء) میں قنوج میں پیدا ہوئے۔ باپ کے سایہ عاطفت سے بچپن ہی میں محروم ہو گئے تھے۔ خاندان میں کوئی دوسرا ایسا بزرگ بھی موجود نہ تھا جو ان کی تعلیم و تربیت پر اپنی خصوصی توجہ مبذول کرتا۔ خود بخود اپنے ذوق اور شوق فطری سے اکتساب علم کی طرف متوجہ ہوئے۔

ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی۔ پھر لکھنؤ پہنچے اور مولوی نور محمدؒ اور مرزا حسن علی محدثؒ کے حلقہ درس میں داخل ہوئے جو اس وقت اہل علم کے طبقہ میں سر آمد روزگار تھے۔ کچھ زمانے تک اکتساب علم کے بعد دہلی کا سفر کیا، جہاں شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے تفسیر حدیث فقہ اور دوسرے علوم پڑھے۔ ان بزرگوں کے فیض صحبت سے اپنے خاندانی مذہب شیعیت سے تائب ہو کر اہلسنت کا مسلک اختیار کیا۔ تمام اہل خاندان سے جو ارباب تشیع میں سے تھے اپنے تعلقات منقطع کر لئے۔ ❷

تحصیل علم کے بعد سید احمدؒ بریلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر خدمت قوم وملت کے لئے اپنے کو پیش کیا۔

---

❶ موج کوثر۔ ص ۱۲۳۔ ۱۲۷ ❷ مآثر صدیقی

آپ ان لوگوں میں تھے جو سید احمدؒ کے ساتھ جہاد کے لئے سرحد پار گئے تھے۔ کچھ مدت بعد سید صاحب نے ان کو سند خلافت دے کر دعوت و تبلیغ کی غرض سے وطن واپس بھیج دیا۔

جناب سید صدیق حسنؒ ان کے حالات میں لکھتے ہیں

وجاهد معه فی سبیل اللّٰه وصار خلیفة له فی دعوة الحق الی دین اللّٰه تعالی فرجع الی الوطن۔ ❶

مراجعت وطن کے بعد کامل بیس برس تک یعنی اپنی زندگی کے آخر تک وہ اسلام کی تبلیغ اور قوم کی اصلاح میں سرگرم رہے جناب سید صدیق حسنؒ لکھتے ہیں:

وباجازت وخلافت مستعد گشتہ از ولائت بقنوج آمدند۔ اشتغال بوعظ وہدائت خلق و تحریص ایشاں بر جہاد واتباع خیر العباد فرمودند تا آنکہ در قلیل مدت نفع کثیر بخلق رسید وزیادہ از دہ ہزار کس سکنہ اطراف قنوج مسلمان ومومن شدند ومومناں در تادیہء احکام اسلام سرگرمگر دیدند مسجد آباد گردید صوم وصلوۃ رونق دیگر گرفت امام باڑہ ہا با خابرابر شد تعزیہا را نام ونشان باقی نماند سنتہائے بسیار زندہ گشت بدعتہائے بیشمار بمرد۔ ❷

(سید احمد شہید سے اجازت وخلافت کی سعادت حاصل کر کے وہ قنوج واپس آگئے۔ ہدائت خلق اور وعظ وارشاد میں مشغول ہو گئے۔ لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع پر آمادہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تھوڑی ہی مدت میں ان کی ذات سے مخلوق خدا کو بڑا فیض پہنچا۔ اطراف قنوج کے دس ہزار سے زیادہ غیر مسلم ان کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ اور جو مسلمان غافل تھے وہ احکام اسلام کی پابندی میں سرگرم ہو گئے مسجدیں آباد ہو گئیں، صوم و صلوۃ کی رونق بڑھ گئی۔ امام باڑے خاک میں مل گئے اور تعزیوں کا نام ونشان مٹ گیا بہت سی سنتیں زندہ ہوئیں اور بے شمار بدعتیں ختم ہوئیں)

خود سید احمد بریلویؒ ایک مکتوب میں، انہیں لکھتے ہیں:

---

❶ ابجد العلوم۔ ص ۹۳۵

❷ اتحاف النبلاء ص ۴۳۶

آنچہ از مصروفیت خود در تبلیغ احکام رب العالمین نوشتہ اید موجب فرحت بسیار شد۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء بر ہر یکے از مومنین خصوصاً علماء اعلام ومشائخ کرام لازم است کہ احکام اسلام را بر بندگان او تعالی شائع و ذائع گرانند و بر راہ مستقیم و رضائے رب کریم مستعد سازند۔ وایں جانباز دعوت اہل سوات و بنیر فارغ شدہ برائے ازالہ کفر وفساد تا بہ پنجتار رسیدہ است ان شاء اللہ تعالی عنقریب ابواب نصرت و فتح دین بر مجاہدین ابرار مفتوح خواہد شد۔ ❶

(آپ نے رب العالمین کے احکام کی تبلیغ کے سلسلے میں اپنی مصروفیت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالی آپ کو اس کی نیک جزا دے۔ تمام مسلمانوں خصوصاً بڑے بڑے علماء ومشائخ پر لازم ہے کہ اسلام کے احکام کو اللہ تعالی کے بندوں تک پہنچائیں۔ میں اہل سوات وبنیر کی اصلاح و دعوت سے فارغ ہو کر کفر و فساد کے ازالہ کے لئے پنجتار تک پہنچا ہوں۔ انشاء اللہ تعالی عنقریب فتح ونصرت کے دروازے مجاہدین پر کھل جائیں گے)۔

سید اولاد حسنؒ نے دعوت وارشاد کے سلسلے میں کتابیں بھی لکھیں ایک رسالہ راہ سنت کے نام سے نظم میں تالیف کیا۔ سید صدیق حسنؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے میرے باپ (اولاد حسن) کو سنی خالص محمدی بنایا تھا۔ ❷

۱۲۵۳ھ (۱۸۳۸ء) میں فوت ہوئے اور قنوج میں مدفون ہوئے۔ سید احمد حسن عرشیؒ اور سید صدیق حسنؒ آپ کے صاحبزادگان ہیں۔

جناب غلام رسول مہر نے لکھا ہے کہ آپ کا سلسلہ نسب امام علی نقی سے ملتا ہے۔ اوچ (ریاست بہاولپور) کے مشہور شیخ سید جلال الدین گل سرخ بخاریؒ اور مخدوم جہانیاںؒ جہان گشت بھی آپ کے اجداد میں سے تھے۔ آپ کے والد سید اولاد علی، حیدر آباد میں نواب شمس الامراء کی سرکار سے وابستہ ہو گئے تھے۔ اور انہی کی سفارش سے نظام علی خان والی دولت آصفیہ نے انور جنگ بہادر کا خطاب عطا کیا اور گولکنڈہ کا قلعہ دار بنایا۔ پانچ لاکھ روپے سالانہ کی جاگیر ملی۔ جناب اولاد علی، نواب سکندر جاہ آصف ثالث کے عہد میں فوت ہوئے۔

---

❶ اتحاف النبلاء ص ۲۳۶

❷ ابقاء المنن

سید اولاد حسن کا خاندان چند پشتوں سے شیعیت کا پابند چلا آ رہا تھا۔ خود انہوں نے طریق اہل سنت اختیار کیا۔ سید اولاد حسن کو ان کے والد کی وفات کے بعد حیدر آباد بلایا گیا تھا۔ لیکن وہ نہ گئے اور والد کا ترکہ چھوڑ دیا۔

جناب غلام رسول مہرؒ کہتے ہیں کہ حیدر آباد کے نظام جاگیر داری میں بھی اسی طریقے پر عمل ہوتا تھا جو مغلوں کے زمانے میں رائج تھا، یعنی امراء کی وفات کے بعد ان کا پورا مال اسباب سرکاری خزانے میں داخل ہو جاتا تھا، البتہ اولاد کے لئے حسب استعداد ملازمت کا انتظام کر دیا جاتا تھا۔ انور جنگ یعنی سید اولاد علی کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی۔ سید اولاد حسن ملازمت کے لئے تیار نہ ہوئے لہذا انہیں حیدر آباد سے کچھ ملنے کی امید نہ ہو سکتی تھی۔ ❶

آل انڈیا اہل حدیث لیگ

قبل ازیں یہ بتایا جا چکا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں سارے اہل حدیث نہ کسی ایک مذہبی تنظیم میں شامل ہوئے اور نہ کسی ایک سیاسی تنظیم میں۔ انہوں نے متفرق مذہبی اور سیاسی تنظیموں میں شامل ہو کر یا از خود بنا کر کام کیا۔ اس سلسلے میں بتایا گیا تھا کہ متحدہ ہندوستان کے اہل حدیث حضرات نے جن سیاسی تنظیموں میں کام کیا ان میں اہل حدیث لیگ بھی شامل تھی۔ اس تنظیم کے ایک سالانہ اجلاس کی روداد ہمیں دست یاب ہوئی ہے جس میں اس کے ارکان کے نام بھی موجود ہیں۔ روداد یوں ہے:

آل انڈیا اہل حدیث کا دوسرا اجلاس ۱۰ دسمبر ۱۹۳۳ء۔ ۲۱ شعبان ۱۳۵۲ھ کو چھپرہ میں زیر صدارت ڈاکٹر سید محمد عبدالقادر جیلانی آف مدراس منعقد ہوا، شرکت کرنے والوں میں ثناء اللہ امرتسری، ابوالقاسم بنارسی، محمد دہلوی، عبدالنور مظفر پوری، عبدالتواب غزنوی، قمر بنارسی، محمد یونس دہلوی، احمد مئوی، شاہ احمد حبیب پھلواروی، عبدالحلیم اڈیٹر محدث دہلی، عبداللہ رحیم آبادی (متبنی عبدالعزیز رحیم آبادی) محمد ہارون پھلواروی، حکیم عبدالرحمٰن ڈمراؤں، موسی علی گڈھی، محمد احمد سرائے میر، اسماعیل خان پریوائی، محمد شاہ کلکتہ، سخاوت حسین کیتھوی۔

---

❶ جماعت مجاہدین۔ ص ۲۵۵۔ ۲۵۶

محمد سعید مروت پوری، سید عبدالغفار رضوی لکھنوی، خلیل احمد مرزا پوری، محمد ابراہیم گیان پوری، عبدالرحمٰن خان بنارسی، قاری احمد سعید بنارسی، عبدالوہاب دربھنگوی، حاجی شفیع کٹھوریہ دہلوی، ڈاکٹر احسان الٰہی میرٹھی، حاجی بشیر الدین دہلوی، ڈاکٹر سید محمد عبدالقادر جیلانی مدراسی، عبداللہ کڑپہ۔ سلیمان مئوی، عبیداللہ دربھنگوی، عبیدالرحمٰن دربھنگوی، حاجی صبغت اللہ مدراسی، نعمت اللہ مئوی شامل ہوئے۔

جناب ابوالقاسم بنارسی کو صدر، جناب ایم کے احمد سعید بنارسی کو سکرٹری، اور تاج کمپنی آف بنارس کو خازن چنا گیا۔

مجلس منتظمہ کے لئے یہ لوگ چنے گئے۔ ❶ سرحد سے عبدالرحمٰن آزاد امام اہل حدیث پشاور، پنجاب سے ثناء اللہ امرتسر، محمد حسن لائل پور، محمد اسماعیل گوجرانوالہ، حکیم نور دین لائل پور، داؤد غزنوی لاہور، صوبہ دہلی سے احمد اللہ، محمد جونا گڑھی، محمد یونس، حکیم عبدالحنان اڈیٹر مسلم اہل حدیث گزٹ، عبدالحلیم اڈیٹر محدث، یوپی سے یوسف شمس فیض آباد، ادریس خان لودی بدایوں، ابو مسعود قمر بنارسی، سید عبدالغفار رضوی، عبدالمجید وکیل بنارس۔ بہار سے عبدالنور مظفر پور، ڈاکٹر سید فرید دربھنگہ، شاہ احمد حبیب پھلواروی، عبدالخبیر پٹنہ، عبدالوہاب آرہ۔ بنگال سے منیر الدین انوری کلکتہ۔ خیرالانام کلکتہ۔ محمد یحیٰ کلکتہ۔ حاجی محمد یوسف کلکتہ۔ عبدالجبار ڈھاکہ۔ صوبہ مدراس سے ڈاکٹر جیلانی مدراس۔ سی عبدالحکیم مدراس۔ سید نعمت اللہ واچ مرچنٹ مدراس۔ صوبہ متوسط سے منشی عبدالصبور ناگ پور، قاضی محمد خان منڈلہ۔ صوبہ بمبئی سے سیٹھ عبدالرحمٰن کورلا۔ عبدالصمد بمبئی۔ صوبہ سندھ سے دین محمد وفائی۔ صوبہ آسام سے ناگی صاحب گوہاٹی۔ ❷

اہل حدیث لیگ سے متعلق یہ عبارت ہم نے اس لئے نقل کی ہے کہ ہم نے عرض مئولف میں لکھا تھا کہ اہل حدیث ایک گروہ کا نام تھا جس میں مختلف الخیال سیاسی عناصر تھے۔ جو مصلحت وقت کے تحت مختلف سیاسی جماعتوں میں شامل ہوتے یا ان سے تعاون کرتے۔ اور وہابی بھی ایک سیاسی جماعت تھی، اس میں کچھ لوگ شامل تھے، کچھ تعاون کرتے تھے۔ سبھی اہلحدیث نہ اس میں شامل تھے نہ تعاون کرتے تھے۔

---

❶ جو موجود نہ تھے ان سے بذریعہ خط و کتابت منظوری لینے کا کہا گیا

❷ مسلم اہل حدیث گزٹ۔ ج ۱۔ شمارہ ۶۔ ص ۴۔ فروری ۱۹۳۴ء

دوسری جماعتوں کے اس طرح کے عمل کی مثال ہمیں درج ذیل تحریر سے ملتی ہے۔

چند روز ہوئے گوجرانوالہ مسلم لیگ کے ایک عظیم الشان جلسہ میں حضرت علامہ میر محمد ابراہیم سیالکوٹی نے یہ انکشاف فرمایا تھا کہ احرار جن احمدیوں کی مخالفت کا ڈھول پیٹا کرتے تھے۔اب ان کے سامنے ووٹوں کے حصول کے لئے نک گھسنیاں کر رہے ہیں اور ماتھے رگڑ رہے ہیں۔ چنانچہ اس امر کی تصدیق روزنامہ الفضل قادیان کی تازہ ترین اشاعت کی مندرجہ ذیل خبر سے ہوتی ہے:

ایک ضروری اعلان:

تحصیل ڈسکہ کی تمام جماعتوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تمام احمدی ووٹ نیز ان کے زیر اثر ووٹ صاجبزادہ فیض الحسن صاحب آلومہار کے حق میں گزاریں۔ ناظر امور عامہ [1]

اب صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ مجلس احرار نے مرزائیوں کی مخالفت کا ڈھونگ بعض مسلمانوں کو بیوقوف بنانے کے لئے رچایا ہوا ہے۔ وگرنہ وہ اندرون طور پر مرزائیوں سے شیر و شکر ہیں۔ [2]

یہ خبر اصلاً اہل حدیث امرتسر ۲۲ فروری ۱۹۴۶ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ لکھا تھا:
پنجاب کے ضلع سیالکوٹ میں ایک احراری لیڈر صاجبزادہ فیض الحسن ہے۔ پنجاب اسمبلی کیلئے امیدوار کھڑا ہوا۔ جسکی بابت اخبار الفضل (قادیان) میں اس نواح کے قادیانیوں کو یہ ہدائت شائع ہوئی تھی۔ تحصیل ڈسکہ کی تمام جماعتوں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ تمام احمدی ووٹ نیز ان کے زیر اثر ووٹ صاجبزادہ فیض الحسن صاحب آلومہار کے حق میں گزارے جائیں۔ الفضل ۳۱ جنوری ۱۹۴۶ء ص ۱۲ [3]

نہ احراری، مرزائی تھے۔ نہ مرزائی، احراری تھے۔ نہ ان دونوں کا آپس میں کوئی جوڑ تھا۔ لیکن مصلحت وقت سے سیالکوٹ کے احراری، مرزائیوں سے تعاون مانگ رہے تھے اور مرزائی بھی اپنی مصلحتوں کے باعث اپنے ان دشمنوں کو ووٹ دے رہے تھے۔

---

1. روزنامہ الفضل صفحہ ۱۲ کالم ۱۔ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۴۶ء
2. سیاسی اتار چڑھاؤ۔ ص ۲۷۷
3. اہل حدیث امرتسر ۲۲ فروری ۱۹۴۶ء ص ۹

محمد بشیر شہید

۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ اصل نام عبدالرحیم تھا۔ جناب غلام رسول مہر (ف ۱۹۷۱ء) نے اپنے ذاتی تعلقات اور معلومات کی بنا یہ شہادت دی ہے کہ وہ عظیم انسانوں میں سے تھے جو قرنوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ میں نے ان جیسا مخلص دین دار با حمیت غیور اور آزاد و اسلامیت کا شیدائی کوئی نہ دیکھا۔ استقامت میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے۔ ❶

جناب محمد بشیرؒ کے والد مولوی رحیم بخشؒ اوائل حیات میں سید احمد شہیدؒ کی جاری کردہ تحریک اصلاح و جہاد سے متعارف ہوئے تھے۔ اس تحریک کے ایک کارکن حیدر علی نامی سے انہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ بعد ازاں میاں سید نذیر حسینؒ سے سند حدیث حاصل کی۔ پھر اپنے آبائی قصبے ماہلو وال ضلع فیروز پور سے لاہور آ گئے اور چینیا نوالی مسجد کے امام بنا دیئے گئے۔ مولوی رحیم بخش نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں ان کا سلسلہ اسلام کی پہلی کتاب تا دسویں کتاب بہت مقبول ہوا۔ جناب محمد بشیرؒ نے ۱۹۱۵ء میں لاہور سے قبائلی علاقے میں ہجرت کی تھی۔ اس سے پہلے کتابوں کی اشاعت و تجارت انکا ذریعہ روزگار تھا۔ عبدالرحیم و عبد الرحمٰن پسران مولوی رحیم بخش تاجران کتب لاہور نام کے اشاعتی ادارے سے انہوں نے اپنے والد کی کتابیں شائع کیں اور بعض نادر کتابوں کے اردو تراجم پیش کیئے۔ ۱۹۱۴ء میں انہوں نے ایک نادر عربی کتاب منتخب مختار الکونین کا ترجمہ شائع ہوا۔ ❷

محمد بشیرؒ ۱۹۳۴ء میں دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔ جناب ثناء اللہ امرتسریؒ، جناب محمد بشیر کو اپنے دور کا شاہ محمد اسماعیل کہتے تھے۔ جناب امرتسریؒ کی تحریر اور جناب محمد بشیرؒ کے سوانح اور خدمات ہم کسی آئندہ جلد میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ۔

محمد بشیر الدین قنوجی

جناب سید عبدالحی لکھنویؒ نے جناب بشیر الدینؒ کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

الشیخ الفاضل العلامة بشیر الدین بن کریم الدین العثمانی القنوجی احد العلماء المشھورین۔

---

❶ سرگزشت مجاہدین۔ لاہور۔ ۱۹۶۱ء ص ۵۶۳

❷ ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۱۳ جون ۲۰۰۳ء

...... اقام مدة من الزمان ببلدة طوك ـ ومراد آباد ، ودهلی وعلی گڈہ و کان پور و کان یدرس ویفیدبها ـ ثمّ ذهب الی بهوپال سنة خمس وتسعین و ولی القضاء بها۔ اخذ عنه الشیخ شمس الحق الدیانوی،والسیدامیر علی الملیح آبادی، والسید امیر حسن السهسوانی والشیخ وحیدالزمان الکهنوی والشیخ علیم الدین شاه جهان پوری والسید امداد علی الاکبرآبادی وخلق کثیر من العلماء ـ

ومن مصنفاته: حاشیة علی "شرح السلم" لحمد الله، وحاشیة ولی" میرزاهد شرح المواقف"، وله حل ابیات "المطول"ـ وحل شواهد الکتب الدرسیة فی النحو والصرف وشرح جزء من اجزاء "المؤطا" وتخریج احادیث " شرح عقائد"، و"کشف المبهم" شرح علی"مسلم الثبوت" وله " تفهیم المسائل" و" صواعق الالهیة" و"غایة الکلام فی ابطال عمل المولد والقیام" و"احسن المقال فی شرح حدیث لا تشدالرحال"، و "بصارةالعینین فی منع تقبیل الابهامین" مات فی ذی الحجة سنة ست وتسعین ومأتین والف بمدینة بهوپال کما فی تذکرة النبلاء۔ ❶

سید عبدالحی لکھنوی ؒ نے جناب محمد بشیر الدین قنوجی کے جو حالات نقل کئے ہیں وہ دراصل شمس الحق ڈیانوی کے مرتب کردہ ہیں ۔ جناب شمس الحق نے تذکرۃ النبلاء کے نام سے تراجم علماء جمع کرنے کا کام شروع کیا تھا ۔ پھر جب سید عبدالحیؒ نے نزہۃ الخواطر لکھنا شروع کی تو انہوں نے اپنا زیر ترتیب مسودہ جناب عبدالحی کے حوالے کر دیا ۔ اور کما فی تذکرۃ النبلاء کے الفاظ سے سید عبدالحی لکھنوی نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

جناب محمد عبدالحلیم چشتی نے حیات وحید الزمان میں ایک جگہ محمد بشیر الدین قنوجی کے مختصر حالات لکھے ہیں ۔ ان کے مطابق آپ ۱۲۳۴ھ ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوئے ...... شاہ عبدالجلیل شہید سے عربی صرف نحو کی کتابیں پڑھیں ، پھر دہلی آ کر حکیم نیاز احمد سہسوانی کے مطب میں ملازمت کر لی ، مگر حکیم صاحب کے فرزند کے ساتھ عربی تعلیم جاری رکھی اور حدیث کی بیشتر کتابیں حکیم نیاز احمد ہی سے پڑھیں ۔

---

❶ نزہۃ الخواطر ۔ ج ۷ ص ۱۰۰ ۔ ۱۰۱

پھر شاہ محمد اسحاق کے حلقہ درس میں شریک ہو کر میاں نذیر حسین کے ساتھ حدیث کی سند لی اور دہلی میں سکونت اختیار کر لی۔ پھر ڈپٹی امداد علی نے اپنے مدرسہ میں مراد آباد بلا لیا۔ آخر میں بھوپال کے قاضی القضاۃ ہوئے۔ جناب بشیر الدین اپنے دور کے نہائت بلند پایہ متکلم اور اصولی تھے۔ ۱۲۸۲ھ۔ ۱۸۶۵ء میں نواب وحید الزمان نے آپ سے حدیث و تفسیر کا درس لیا۔

مولانا بشیر الدین سنت کے شیدا اور بدعت کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ یہ جو رواج ہو گیا تھا کہ حفاظ تراویح میں قرآن مجید ختم کرتے تو **قل ھو اللّٰہ احد** تین مرتبہ پڑھتے جب کہ قرآن و حدیث میں کہیں اس کی صراحت نہیں ہے، اس لئے آپ ایسے موقع پر حافظ سے نہائت بے باکانہ طور پر فرما دیتے تھے کہ یہ بدعت ہے۔ ❶

جناب وحید الزمان، وحید اللغات میں مادہ ثلث میں لکھتے ہیں:

مولانا بشیر الدین قنوجی جو میرے شیخ تھے، حافظ سے کہہ دیتے تھے کہ ختم کے وقت **قل ھو اللّٰہ احد** کو بھی ایک ہی بار پڑھو اور تین بار پڑھنے کو بدعت کہتے تھے۔ ❷

البدر البصیر فی سوانح مولانا محمد بشیر مئولفہ بدر الحسن سہسوانی منشی محمد عبدالرحیم خاطر جے پوری ف ۱۳۷۲ھ ❸ کی متروکہ کتابوں میں سے عبدالحلیم چشتی کے پاس موجود تھی۔ ❹

درج بالا اقتباسات میں بتایا گیا ہے کہ جناب بشیر الدین، جناب نذیر حسینؒ کے ہم درس تھے اور دونوں نے اکٹھے جناب شاہ محمد اسحاقؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جناب محمد بشیر قنوجی، بھوپال میں منصب قضاۃ پر فائز رہے۔

جب محمد بشیر الدین قنوجیؒ کا انتقال ہو گیا تو جناب میاں نذیر حسین محدث نے کوشش فرمائی کہ ان کے ہم مکتب دوست کے اہل و عیال کے لئے بھوپال سے کچھ رقم بطور وظیفہ مقرر ہو جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے جناب صدیق حسنؒ سے خط و کتابت کی۔ اس سلسلے کا ایک خط مکاتیب نذیریہ سے نقل کیا جاتا ہے:

---

❶ حیات وحید الزمان۔ ص ۱۹ حاشیہ

❷ حیات وحید الزمان۔ حاشیہ ص ۱۹۔۲۰

❸ حیات وحید الزمان ص ۲۰ حاشیہ

❹ والد محمد عبدالحلیم چشتی مصنف حیات وحید الزمان

بخدمت عالی جناب نواب صاحب مجمع فضائل ومنبع فواضل جامع الحسنات والکمالات جناب نواب مولوی صدیق حسن خان صاحب سلمہ اللہ ذوالمنن عن الفتن والمحن ۔ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

واضح رائے خدام والا ہو کہ سابق ۱۳۰۱ھ میں گزارش کی تھی کی حسبۃً للہ وشفقۃً علی خلق اللہ تعالی سرکار سے وظیفہ اہل خانہ جناب مولوی قاضی محمد بشیر الدین صاحب مرحوم کا مقرر فرمایا جاوے ۔ چنانچہ آپ نے بمزید عنائت ومہربانی مجھ کو تحریر فرمایا تھا کہ مجھ کو پس ماندگان قاضی صاحب مرحوم کا خود بہت خیال ہے، ہر امر وقت پر موقوف ہے آئندہ خیال رکھوں گا ۔

پس گزارش یہ ہے کہ آپ نے جس قدر پس ماندگان قاضی صاحب مرحوم کی پرورش فرمائی اس کے وہ لوگ شکر گزار ہیں اور یہ لوگ آپ کے خیر خواہ اور دعا گو ہیں جو کہ سرکار والا سے اکثر دعا گو یہ تنخواہ مناسب بلا اخذ خدمت وبلا استحقاق فیض یاب ہیں، اسی طرح وظیفہ بقدر سی روپئہ (۳۰) ماہواری زوجہ قاضی صاحب مرحوم ومغفور مقرر فرمایا جائے تو البتہ حیات مستعار بوجہ احسن بسر ہوگی اور آپ کے لئے اور سرکار عالیہ کے حق میں دعا دیں گے، مناسب کہ بمقتضائے کریمانہ غور اور کوشش وسفارش در بارہ تقرر وظیفہ سرکار سے فرمائیں، آپ کو موجب وباعث اجر عظیم عند اللہ الکریم ہوگا ۔ قطع نظر اس کے وہ مستحق بھی معلوم ہوتی ہیں، کیونکہ اکثر ملازموں کے ساتھ رعایت بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ اہلیہ مولوی عبد الباری مرحوم کے پندرہ روپئہ ماہوار مقرر ہوئے ہیں، پس گزارش میری یہ ہے اور امید ہے کہ آپ ضرور خیال فرما کے بندوبست وظیفہ مناسب اہلیہ جناب مولوی صاحب مرحوم کا سرکار عالیہ سے یا اپنی ڈیوڑھی خاص سے فرما دیں گے، اس کی پذیرائی میں رعائت خاص میرے حال پر ہوگی اور آپ کو اجر عظیم ہوگا اور مولوی شمس الدین سلمہ قرضداری آٹھ نو سو روپئہ کی وجہ سے نہائت زیر بار ہیں، اس وجہ سے وہ تنخواہ مقرر اخراجات روزمرہ ان کے کافی نہیں ہوتے ہیں ۔ فقط زیادہ والسلام خیر الختام ۔

تاریخ اہل حدیث ابراہیمی

کتاب ہذا کے مقدمہ میں اس فقیر نے جناب محمد ابراہیم میر کی گراں قدر تصنیف، تاریخ

اہل حدیث نا مکمل کہا ہے تو اسلئے کہ اس میں ماضی قریب کے ہندوستان اکثر و بیشتر رجال کار کی خدمات وسوانح موجود نہیں ہیں۔ مثلاً

شاہ فاخر زائر، شاہ ابواسحاق لہراوی، جناب ولائت علی صادق پوری، جناب عنائت علی صادق پوری، جناب یحیٰ علی صادق پوری، جناب محمد عبداللہ صادق پوری وغیرہ اساطین اہل حدیث کی خدمات کا ذکر تو ایک طرف، شائد ان کا نام بھی اس کتاب میں مذکور نہیں ہوا۔

علاوہ ازیں جناب عبدالحق بنارسی، سید صدیق حسن کی حیات وخدمات پر بھی کچھ موجود نہیں۔ جناب محمد حسین بٹالوی اوران کے اشاعۃ السنہ کی خدمات کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ اس میں سید محمد علی مدراسی، جناب شمس الحق ڈیانوی، عبدالعزیز رحیم آبادی، محمد شاہ جہان پوری، جناب محمد سعید بنارسی، ابوعبداللہ غلام العلی قصوری امرتسری، حافظ محمد یوسف ضلعدار نہر، ڈپٹی امداد علی، قاضی احتشام الدین مرادآبادی، جناب عزیز الدین مرادآبادی، جناب حمید اللہ سراوہ والے، جناب احمد حسن شوکت، جناب عبدالحلیم شرر، سید امیر علی ملیح آبادی، وحیدالزمان حیدرآبادی، جناب بدیع الزمان، سید احمد حسن، جناب عبدالوہاب صدری دہلوی، حافظ حمید اللہ دہلوی، جناب ابوالکلام آزاد، جناب محمد ابراہیم آروی، جناب رحیم بخش لاہوری وغیرہ کی خدمات کا ذکر نہیں ہے۔ لکھوی اور غزنوی بزرگوں کی خدمات کا کوئی ذکر نہیں۔ ❶ اسکے علاوہ مدرسہ احمدیہ آرہ، مدرسہ رحمانیہ دہلی، مدرسہ غزنویہ امرتسر، مدرسہ محمدیہ لکھوکے وغیرہ کی خدمات کا کوئی ذکر نہیں۔

اور بھی بہت سی چیزیں اس کتاب میں شامل نہ ہوسکیں۔ اور کتاب کے نامکمل رہ جانے کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ اس دور کے اہل حدیث ادارے ان کی مناسب حوصلہ افزائی نہ کرسکے۔ اور مولانا ابتداء میں چند برس اس موضوع پر کام کر کے عدم حوصلہ افزائی کے باعث دل برداشتہ ہوگئے تھے۔

○ یادگار کتابوں اور بڑے منصوبوں کے لئے مالیات ہمیشہ سے ایک مسئلہ رہا ہے اور ہم نے عرض مئولف میں بھی ذکر کیا ہے کہ ہند میں ایسے منصوبے بنتے تھے پھر مالیات کے

---

❶ کتاب کے آخر میں چار صفحات پر جناب عبداللہ غزنوی، اور جناب غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ کے حالات مختصراً لکھے گئے ہیں، لیکن وہ بقلم ناشر ہیں جسے بعض اوقات غلطی سے جناب ابراہیم میر کے تحریر کردہ سمجھ لیا جاتا ہے۔

حصول کے لئے امراء اور نوابوں سے رابطے کئے جاتے تھے۔ اور چوں کہ منصوبے طویل ہوتے تھے اس لئے مدد دینے والے کبھی طویل مدت تک وظیفے جاری رکھ سکتے تھے اور کبھی نہیں۔ اور کبھی یوں بھی ہوتا کہ منصوبوں پر کام کرنے والوں کے حاسدین یہ سمجھتے کہ یہ بڑی مدد حاصل کر رہا ہے، کیوں نہ اس کا سلسلہ بند کرایا جائے۔ یوں وہ زیر تصنیف و تالیف کتابوں کے مندرجات پر تنقید کر کے مدد دینے والوں کو بدگمان کرنے کی کوشش کرتے۔ جناب شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی ﷺ کے منصوبے کی سرگزشت میں یہ ساری باتیں (خوبیاں، خامیاں) موجود ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

شبلی نعمانی نے جنوری ۱۹۱۲ء کے الندوہ میں سیرت نبوی تحریر کرنے کا اعلان کیا تو قوم سے اس کے ماہانہ مصارف کے لئے ڈھائی سو ماہوار اور خرید کتب کے لئے کچھ اور نقد روپیہ کی درخواست کی۔ اس بارے میں ایک مجلس تالیف سیرت نبوی قائم کی۔ مربی کے لئے ایک ہزار یکمشت یا دس روپے ماہوار، عام اراکین کے لئے ایک روپیہ ماہوار۔

اس پر محمد امین زبیری نے، جو نواب سلطان جہاں بیگم فرمانروائے بھوپال کے لٹریری سکرٹری تھے، سرکار سے عرض کیا کہ حضور آج کونین کی دولت لٹ رہی ہے۔ آپ اس کو بڑھ کر اٹھا کیوں نہیں لیتیں۔ یعنی ایک عاشق رسول مصنف گلے میں جھولی ڈال کر سیرۃ نبوی کی تصنیف کے لئے قوم سے بھیک مانگنے نکلا ہے۔ یہ عزت حضور کیوں نہیں حاصل کر لیتیں اور اس فقیر کی جھولی میں ڈھائی سو ماہوار ڈال دیں کہ وہ دل جمعی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہو جائے۔

۱۴۔ اپریل ۱۹۱۲ء کو بھوپال کی اس فرمانروا نے دو سال کیلئے دو سو روپے ماہوار کا وظیفہ مقرر کر دیا...... کتابوں کی خریداری کے لئے بیگم بھوپال کے صاحبزادے نواب حمید اللہ خان نے، جو بعد میں والی بھوپال ہوئے، دو ہزار روپے عنائت کئے۔

سرکار عالیہ نے ۲۳ دسمبر ۱۹۱۳ء کو وظیفہ کی معیاد سیرت کی تکمیل تک بڑھا دی۔ پھر یہی امداد مولانا اور سرکار عالیہ کی وفات کے بعد نواب حمید اللہ خان نے مستقل کر دی اور ایک عرصہ تک دار المصنفین اعظم گڈھ کو ملتی رہی۔

جناب شبلی کی بھوپال سے اس پذیرائی پر اس زمانے کے حاسدوں کو جنہیں بزعم خویش علم و ادب کا نکڑ بھی تھا، تکلیف ہوئی۔ جوں ہی الہلال میں سیرت نبوی کا مقدمہ چھپا، اعتراضات کی بوچھاڑ ہوگئی۔ اختلاف علمی تو کیا ہوتا، حسد کا جو شعار ہے وہی ہوا۔ مخالفین نے شخصی تنقیص پر قلم اٹھایا۔ مولوی عبدالشکور اڈیٹر النجم نے مقدمہ پر نہائت سخت تنقید لکھی۔ ان مخالفوں میں دیوبند کے کچھ لوگ بھی شامل ہوگئے۔ چناں چہ اس تنقید کو دستاویز بنا کر ہر جگہ تقسیم کیا۔ حتی کہ بیگم بھوپال کو پہنچائی گئی۔ بیگم بھوپال نے دریافت کیا، بلکہ مولانا کو بھوپال آنے کا اشارہ کیا تو علامہ نے منشی محمد امین کو لکھا: نہائت مہمل اور معاندانہ اعتراضات ہیں۔

جواب کے متعلق لکھا کہ وہ لکھ دیا جائے گا لیکن میرے نام سے نہیں چھپے گا۔ غرض اظہار حقیقت ہے نہ اظہار نام۔ وہ یا تو رسالہ کی صورت میں چھپے گا یا الہلال میں بھیج دیا جائے گا۔ اور آخر میں لکھا میں بارش کے قبل نہیں آ سکتا۔ بہت ضرورت ہو تو ایک دو دن کے لئے آ جاؤں گا لیکن اگر اسی درجہ کے لوگوں کے لکھنے پر میری دار و گیر ہوتی رہے گی تو میں سمجھتا ہوں کہ اعانت سے مستعفی ہو جاؤں۔

اور سرکاری مراسلہ کے جواب میں جناب شبلی نے لکھا کہ

سرکار عالیہ کسی مستند عالم کو تجویز فرمائیں تاکہ مسودہ اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ اپنی طرف سے شیخ الہند مولانا محمود حسن کا نام تجویز کیا۔

جناب عبیداللہ سندھی کے ذریعے اپنی خواہش پیش کی اور ساتھ ہی مسودہ بھی جناب سندھی کے پاس بھیج دیا کہ وہ اس کو لے کر مولانا محمود حسن صاحب کی خدمت میں جائیں۔ لیکن اس تجویز کا جو حشر ہوا وہ شبلی نعمانی ہی کے الفاظ میں سنیے کہ

دیوبند پارٹی کو بھوپال سے اطلاع مل چکی تھی۔ ان لوگوں نے مولانا محمود حسن کو باز رکھا کہ وہ مسودہ کا سرے سے دیکھنا ہی منظور نہ کریں دیوبند کے خیالات سے مولوی محمود حسن صاحب فی نفسہ الگ ہیں چنانچہ مولانا عبیداللہ سندھی کو ان لوگوں نے کافر بنا دیا لیکن مولوی محمود حسن کے تعلقات اب تک وہی ہیں۔ بہر حال اب غور کرنا چاہیے کہ کیا کیا جائے ...... چوں کہ مولویوں نے ایک جتھا بنا لیا ہے اس لئے سردست اور کوئی مولوی مسودہ دیکھنے کی ذمہ داری اپنے سر نہ لے گا ورنہ برادری سے خارج ہونا پڑے گا۔ ...... اب اگر معاملہ اس پر

موقوف ہے تو مجھ کو وظیفہ بھوپال سے خود دست بردار ہو جانا چاہیے۔ اخبارات میں تو یہ پہلے ہی شائع ہو چکا ہے۔ کوئی نئی بات نہیں میں بھی کشمکش سے نجات پا جاؤں گا۔

میں جانتا ہوں کہ سرکار کو بھی مولویوں کے بدنام کرنے کا لحاظ ہو گا اور ہونا چاہیے۔ اب اگر سرکار چاہیں تو یا تو سرے سے اس رقم کو بند کر دیں یا دارالمصنفین کی طرف منتقل کر دیں۔ یا جوان کی مرضی ہو مجھ کو بہر حال ان کی رضا مندی منظور رہے۔ یہ معلوم ہے کہ میرا کام رک نہیں سکتا۔ میں خود مصارف کا متکفل ہو سکتا ہوں۔ اسکے علاوہ جس ریاست سے خواہش کروں اعانت کیلئے تیار ہو گی جواب جلد عنائت ہو ورنہ سٹاف کا خرچ ابھی سے کم کرنا دینا ہو گا۔ ❶

جناب شبلی اس معاملے پر ایک صاحب کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

آج کل ریا کاروں نے دوسروں سے بدگمان کرنے کیلئے بہت سے الفاظ تراشے ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ فلاں شخص میں روحانیت نہیں۔ فلاں شخص عالم ہے لیکن دیندار نہیں۔ لیکن انہی دینداروں کو مہینوں دیکھا ہے کہ نماز فجر کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ باوجود اس کے ان کی دینداری اور روحانیت میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا۔ ❷

ابوالوفاء ثناء اللہ

جناب ثناء اللہؒ کی یہ خود نوشت اہل حدیث ۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی۔

عمر کے چودھویں سال میں مجھے پڑھنے کا شوق ہوا۔ ابتدائی کتب فارسی پڑھ کر مولانا مولوی احمد اللہ مرحوم رئیس امرتسر کے پاس پہنچا۔ دست کاری کا کام بھی کرتا رہا اور مرحوم سے سبق بھی پڑھا کرتا۔ شرح جامی اور قطبی تک مولوی صاحب مرحوم سے پڑھیں۔ اس کے بعد بغرض تحصیل علم حدیث استاد پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں کتب درسیہ پڑھ کر سند حاصل کی۔ یہ واقعہ ۱۳۰۷ھ۔ ۱۸۸۹ء کا ہے۔ اس کے بعد شمس العلماء مولانا سید نذیر حسین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سند مذکور دکھا کر آپ سے اجازت تدریس حاصل کی۔ پھر سہارن پور چند روز قیام کر کے دیو بند پہنچا۔ وہاں کتب درسیہ معقول و منقول ہر قسم پڑھیں۔

---

❶ حیات شبلی ص ۱۷ ۔۷۱۹ ❷ حیات شبلی ص ۱۴۱

کتب معقول میں قاضی مبارک، میر زاہد، امور عامہ۔ صدرا۔ شمس بازغہ، وغیرہ اور منقولات میں ہدایہ، توضیح تلویح، مسلم الثبوت وغیرہ ریاضی میں شرح چغمینی وغیرہ بھی پڑھیں۔ دورہ حدیث میں شریک ہوا۔ استاد پنجاب کا درس حدیث اور اساتذہ کا درس حدیث۔ ان دو میں جو فرق ہے اس سے فائدہ اٹھایا۔ دیوبند کی سند میرے لئے باعث افتخار میرے پاس موجود ہے۔ دیوبند سے مدرسہ فیض عام کانپور گیا کیونکہ ان دنوں مولانا احمد حسن مرحوم کے متعلق درس کا شہرہ بہت زیادہ تھا اور مجھے بھی علوم معقول ومنقول سے خاص شغف تھا۔ اس لئے میں مدرسہ فیض عام کانپور میں جا کر داخل ہو گیا۔ وہاں جا کر میں کتب مقررہ میں شریک ہوا اور قند مکرر کا لطف پایا۔ انہی دنوں مولانا مرحوم کو حدیث پڑھانے کا تازہ تازہ شوق ہوا تھا۔ میں ان کے درس حدث میں شریک ہوا۔ پنجاب میں مولانا حافظ عبدالمنان میرے شیخ الحدیث تھے۔ دیوبند میں مولانا محمود حسین صاحب اور کانپور میں مولانا احمد حسن استاد العلوم والحدیث میرے شیخ الحدیث تھے اس لئے میں حدیث کے تینوں استادوں سے جو طرز تعلیم سیکھا وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ شعبان ۱۳۱۰ھ فیض عام کانپور کا جلسہ ہوا جس میں آٹھ طلبا کو دستار فضیلت اور سند تکمیل دی گئی ان میں میں بھی تھا۔ فراغت کے بعد وطن آیا اور مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں کتب درسیہ پڑھانے لگا۔ طبیعت میں تجسس کا مادہ تھا اس لئے دیگر مذاہب کے حالات دریافت کرنے میں مشغول رہا۔ انہی دنوں قادیانیت بھی سامنے آچکی تھی۔ مسلمانوں کی طرف سے اس کے دفاع کے علم بردار مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم تھے۔ میری طبیعت طالب علمی ہی کے زمانہ سے مناظرات کی طرف راغب تھی اس لئے عیسائی آریہ قادیانی کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا اور کافی واقفیت حاصل کر لی۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ ان تینوں مخاطبوں سے قادیانی مخاطب کا نمبر اول رہا شائد اس لئے کہ قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہو گی۔ جس کی بابت مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تا شاید یہ شعر پڑھتے ہوں

رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد　　آ کے سجادہ نشین قیس ہوا میرے بعد ❶

---

❶ منقول از اہل حدیث کا مذہب

شیخ محمد اکرام نے کہا ہے:

اہل حدیث کی مرکزی جماعت اہل حدیث کانفرنس تھی اور اس کے سرگرم کارکن مولوی ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری تھے۔ جنہوں نے آریہ سماج اور قادیانی جماعت کے ساتھ مباحثوں میں بڑا حصہ لیا۔ اہل حدیث تقلید فقہا کے قائل نہیں، لیکن احایث کے مطالعہ میں وہ بعض دفعہ قوت تنقید کو پوری طرح عمل میں نہیں لاتے اور ضعیف اور موضوع روایات کے رد کرنے میں بھی بڑا تامل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن اور احادیث کی ترجمانی میں وہ لفظی معانی پر اتنا زور دیتے ہیں کہ ان کے معانی کبھی سمجھ اور قرآن کے دوسرے بدیہی الفاظ سے دور جا پڑتے ہیں۔ وہ تصوف کو بھی بدعت سمجھتے ہیں۔ اور اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ اسلامی روایات کو برقرار رکھنے، دوسرے مذاہب کا مقابلہ کرنے اور رد شرک و بدعت میں یہ جماعت سب سے آگے ہے۔ مسلمانوں کو فضول رسموں سے بچانے، ختنے اور تجہیز و تکفین کی فضول خرچیوں سے روکنے اور پیر پرستی و قبر پرستی کے نقائص دور کرنے میں اس جماعت نے بڑا کام کیا ہے۔ ❶

جناب ثناء اللہ ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں فوت ہوئے۔

جمال الدین دہلوی

جناب سید عبدالحی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر میں آپ کا ترجمہ بایں الفاظ لکھا ہے:

جمال الدين بن وحيد الدين بن محی الدين بن حسام الدين الصديقی الكوتانوی الدهلوی ترجمان الحديث والقرآن وحسنة من حسنات الزمان ...... ولد بكوتانه على ثلاثين ميلاً من دهلی سنة سبع عشرة ومأتين والف ونشأبها ثم سافر الى دهلی و قرأ العلم على مولانا مملوك على النانوتوی والشيخ يعقوب بن افضل الدهلوی و صنوه الكبير اسحاق بن افضل واستفاض عن العلامه رفيع الدين وصنوه الكبير عبد العزيز والشيخ غلام على فيوضاً كثيرة ...... ثم ساقه سائق القدر الى بهوپال المحروسه وله ثلاثون سنة فتزوجت سكندر بيگم

---

❶ موج کوثر۔ ص ۲۷

ملكه بهوپال وجعلته مداراً لمهمات الدولة سنة ثلاث وستين ومأتين والف فثاب عنها وعن ابنتها شاهجهان بيگم مدة عمره۔

وكان حليماً جواداً متواضعاً كثير العبادة والخير والحظ ذا صدق واخلاص وتوجه وعرفان۔ لم يزل مشتغلاً بتدريس القرآن والامر بالمعروف والنهى عن المنكر وتربية الايتام والضعفاء وتزويج الايامى وتجهيز البنات واشاعة السنة ونشر القرآن۔يتلو ويدرس ويأخذ المصاحف بألوف من النقود ويقسمها على مستحقيها۔

ومن آثاره الباقية : انه امر بطبع التفسير الرحمانى فى اربع مجلدات للشيخ على بن احمد المهائمى وحجة الله البالغة وازالة الخفاء كلاهما للشيخ ولى الله بن عبد الرحيم الدهلوى وكتبا اخرى بنفقته فى مصر القاهرة والهند وقسمها على مستحقيها۔ ومن آثاره : انه صرف مالاً خطيراً على تصنيف تفسير القرآن فى اللغة التركية وتفسير فى اللغة الافغانية ثم امر بطبعهما على نفقته ثم نشرهما فى تركستان وافغانستان والبلاد الرومية۔ ومن آثاره : المدارس العظيمة والمساجد الرفيعة فى بلدة بهوپال وماترى فى بهوپال من كثرة المساجد وعمرانها باالصلاة والجماعة وتلاوة القرآن و دروس الحديث والتشرع والتورع فانها من آثاره الباقية ۔

وكان اجمل الناس صورة وسيرة كأنه ملك على زى البشر يأتى المسجد فى اوقات الصلوة ويصلى بجماعة وفى كل وقت من اوقات الصلوة يروح و يغدو الى المساجد وحده ويرفع نعليه بيده الكريمة وما كانت الحجاب والبواب فى قصر الامارة له۔ يدخل عليه كل من اراد الدخول عليه فى اى وقت شاء ويعرض عليه ماشاء ، وبالجملة فانه كان على قدم الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين ۔ مات سنة تسع و تسعين ومأتين والف ۔ كما فى روز روشن ۔ ❶

محترمہ رضیہ حامد نے نواب سید صدیق حسنؒ پر اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں جناب جمال الدینؒ کے متعلق لکھا ہے:

---

❶ نزھۃ الخواطر۔ ج ۷۔ ص۱۲۲۔۱۲۳

انہوں نے دہلی میں مولوی مملوک علیؒ، شاہ اسحاقؒ، شاہ یعقوبؒ، شاہ غلام علیؒ سے پڑھا۔ شیخ محمد آفاق نقش بندیؒ سے بیعت ہوئے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کی مجالس وعظ میں شریک ہوتے اعتقاد کے پختہ، اور متبع سنت تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کے خاندان سے خاص ارادت تھی۔ حجۃ اللہ اور ازالۃ الخفا انہی کی فیاضی سے پہلی بار ۱۲۸۶ھ میں طبع ہوئیں۔ شیخ علی بن احمد مہائمی کی تفسیر رحمانی چار جلدوں میں طبع کروائی۔ اہم دینی کتب کی طبع و تقسیم ان کی زندگی کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ وعظ و نصیحت اور قرآن کریم کے ترجمہ سے ان کو بہت فرحت حاصل ہوتی۔ قرآن کی نشر و اشاعت میں سرگرم رہتے۔ آپ نے ایک فرہنگ قرآن لکھی تھی جس کا نام کوکب دری تھا۔ خود طلبا کو قرآن وحدیث پڑھاتے ایک مستقل مدرسہ بطور وقف موتی محل میں قائم ہو گیا تھا جہاں جہاں بھی رہتے تھے ضرورت مند طلبا کے تمام اخراجات خود اٹھاتے۔

نواب سکندر بیگم والیہ بھوپال سے ان کی شادی ہو گئی تھی۔ ۳۰ سال تک مدارالمہام رہے جس میں سترہ سال کا عرصہ سکندر بیگم کے زمانہ میں گزرا۔ پھر آخر عمر تک شاہ جہان بیگم کے دور میں مدارالمہام رہے۔ مومن کے مشورہ سے گم نام تخلص رکھا تھا فارسی اردو میں شعر کہتے تھے۔ ۲۰ دسمبر ۱۸۸۱، ۲۷ محرم ۱۲۹۹ھ کو انتقال ہوا۔ [1]

منشی جمال الدین نے مجاہدین کے سربراہ سید احمد کے حالات مرتب کئے تھے جسے سیرت سید احمد کی ابتدائی شکل کہا جا سکتا ہے۔ جناب غلام رسول مہر منظورۃ السعداء کے مصنف سید جعفر علی نقوی کی ایک روایت بیان کرتے ہیں:

ایک دوست مولانا جمال الدین کا ایک رسالہ میرے پاس لائے جو سید صاحب کے حالات پر مشتمل تھا اور کہا کہ اس کی روایتیں دیکھ کر درست کر دیجئے۔ اسے دیکھا تو عبارت خوب تھی لیکن مطالب میں غلطیاں تھیں اس لئے کہ حالات لوگوں سے سن کر لکھے تھے۔ نواب وزیرالدولہ نے ٹونک سے کئی قاصد میرے پاس بھیجے، حالانکہ میرا وطن ٹونک سے ایک مہینے کی مسافت پر تھا۔ آخر میں ٹونک گیا وہاں اور لوگ بھی تھے جنہوں نے سید صاحب کو دیکھا تھا۔ سید صاحب کے خاص رفیقوں میں سے اکثر شربت شہادت پی چکے تھے۔ بعض کا پیمانہ حیات طبعی طور پر پر ہو چکا تھا۔ خطرہ تھا کہ ثقات کی وفات کے بعد حالات لکھنے والا کوئی نہ ہوگا۔

---

[1] نواب صدیق حسن۔ از رضیہ حامد۔ ص ۳۶۲۔ ۳۶۶ ملخصاً

لہذا جلد سے جلد جو کچھ کسی کو یاد ہے قلم بند کر لینا چاہیے۔ میں نے وہی حالات لکھے جو خود دیکھے یا سید صاحب کی زبان سے سنے، یا شاہ اسماعیل اور دوسرے معتمد علیہ بزرگوں نے حکایتاً میرے سامنے بیان کئے۔ ❶

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ منشی جمال الدین مجاہدین سے محبت کرتے تھے اور سید احمد شہید کے معتقد تھے اور انھوں نے سید احمد کی سوانح سے متعلق کچھ واقعات بھی ترتیب دیے تھے جنہیں سیرت سید احمد شہید کی ابتدائی شکل کہا جا سکتا ہے۔

منشی صاحب نے تدریس قرآن کے سلسلے میں قابل قدر کام کیا تھا جس کا ذکر سید نذیر حسین نے ان کے نام اپنے درج ذیل خط میں کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عاجز سید محمد نذیر حسین بخدمت گرامی معین الفقراء حامی سنن خادم کتاب ذوالمنن حاجی مولوی محمد جمال الدین خاں عثمانی صاحب سلمہ ربہ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ واضح باد کہ طرز تعلیم ترجمہ قرآن مجید (مخترعہ آنصاحب) موحدان را دل پسند افتاد خدایا در اشاعتش رونق بخشاد در باب اعانت مدرسہ مرا کہ نوشتہ اند کہ تحریرے بجناب سرکار عالیہ والیہ ملک باید نوشت تا معاملہ رو باصلاح گیرد مرا از ہمچوں لغو تحریکہا ہمیشہ اجتناب است بر در خداوند تعالی نشستہ درس میدہم وے تعالی شانہ از خزانہ غیب اعانت مدرسہ و متعلمین خواہد کرد چہ کہ مرا از رجوع خدمت اغنیاء کراہتے بخشیدہ است بندہ فقیر برائے خود نمی خواہد ہر کہ دریں جا آوردہ مراو طالبان را روزی کافی وافی مے رسانند پس مایہ قناعت خود فروختن کار ابلہاں است۔ خدایا آنصاحب را بمراتب اعلی دنیوی و دینی رسانند۔ والسلام خیر الختام ❷

از عاجز محمد نذیر حسین بہ خدمت گرامی معین الفقراء حامی سنن خادم کتاب ذوالمنن جناب حاجی مولوی جمال الدین خاں صاحب عثمانی اللہ تعالی سلامت رکھے۔

السلام علیکم کے بعد واضح ہو کہ آپ کا ایجاد کیا ہوا طریقہ تعلیم قرآن مجید کا موحدوں کو بہت پسند ہوا۔ اللہ تعالی اس کی اشاعت میں ترقی فرماوے۔

---

❶ جماعت مجاہدین۔ ص ۲۰۹ ❷ مکاتیب نذیریہ

آپ نے جو میرے مدرسہ کی امداد کے متعلق فقیر کو تحریر فرمایا ہے کہ جناب سرکار عالیہ والیہ ریاست کو لکھنا چاہیے تاکہ معاملہ درست ہو جائے۔ عاجز کو ایسی بے کار تحریکوں سے ہمیشہ پرہیز رہا ہے۔ اللہ تعالی کے دروازہ پر بیٹھ کر پڑھاتا ہوں۔ وہی اللہ تعالی اپنے خزانہ غیب سے مدرس و متعلم کی مدد کرے گا۔ مجھے اللہ نے امیروں کے دروازہ پر جانے سے کراہت عطا فرمائی ہے۔ بندہ فقیر اپنے واسطے خواستگار نہ ہوگا۔ جو یہاں لایا ہے وہی مجھ کو اور میرے طالبان علم کو روزی بقدر حاجت دیتا ہے۔ ایسی صورت میں صبر وقناعت کی پونجی فروخت کرنا نادانی کا کام ہے۔ اللہ آپکو دین و دنیا کے اعلی مرتبہ پر پہونچاوے۔

حسن علی صغیر محدث

جناب سید عبدالحی لکھنوی نے نزھۃ الخواطر میں آپ کا ترجمہ بایں الفاظ لکھا ہے:

الشیخ العالم المحدث حسن علی بن عبد العلی...... احد العلماء المبرزین فی الفقه و الحدیث۔ ولد و نشأ ببلدۃ لکھنؤ۔ وقرأ العلم علی حیدر علی بن حمد الله السندیلوی۔ ثم سافر الی دھلی واخذ عن الشیخ رفیع الدین والشیخ عبدالقادر وحصلت له الاجازۃ عن صنوھما الشیخ عبدالعزیز۔ و کان فی بدائة حاله حنفیاً ثم سار شافعیاً و کان یدعی انه من زوایا بنی ھاشم ولذالك یرسم اسمه ھکذا ...... میرك جمال الدین حسن علی الھاشمی...... والمشھور علی افواہ الرجال انه کان من المغول و کان اسم والدہ مرزا بندہ علی بیگ فبدله بعبد العلی۔اخبر نی بھاشیخنا محمد نعیم بن عبد الحکیم اللکھنوی۔

قال محسن بن یحی الترھتی فی الیانع الجنی انه کان متبحراً فی الحدیث و متقنا لعلومه۔ قد اشتھر بین الناس انه کان یتعبد علی مذھب الشافعی وقیل غیر ذالك۔انتھی۔

ومن مصنفاته: تحفة المشتاق فی النکاح والصداق ، وبرھان الخلاف ورسالة فی تحریم النجوم والرمل والجفر ، مات صفر فی سنة خمس وخمسین ومأتین والف کما فی قسطاس البلاغة۔[1]

جناب تنزیل حسینی اصحاب علم و عمل میں بتاتے ہیں:

---

[1] نزھۃ الخواطر۔ ج ۷ ص ۱۳۶۔۱۳۷

ان کے دم سے اودھ میں عمل بالحدیث کا چرچا ہوا۔اس نام کے دو آدمی ہیں ایک یحی گنج اور دوسرے محمد نگر میں مقیم تھے۔ پہلے کو صغیر اور دوسرے کو کبیر کہا جاتا تھا۔ پہلے عامل بالحدیث تھے اور دوسرے تشیع کی طرف میلان رکھتے تھے۔صغیر ۱۱۶۵ھ میں پیدا ہوئے، اصل نام جمال الدین محمد تھا، لیکن مرزا حسن علی صغیر کے نام سے مشہور ہوئے۔ والد کا نام مرزا بندہ علی بیگ تھا جسے تبدیل کر کے عبد العلی کر دیا تھا۔حسن علی نے کتب درسیہ ملا حیدر علی سندیلوی (۱۲۲۵ھ) سے پڑھیں۔شاہ عبد القادر دہلوی سے بھی پڑھا۔علم حدیث شاہ عبد العزیز اور شاہ رفیع الدین سے حاصل کیا۔ پھر پوری زندگی اشاعت علم حدیث میں گزاری۔ حدیث میں پایا اتنا اونچا تھا کہ علمائے فرنگی محل نے بھی آپ سے رجوع کیا۔اپنے زمانے میں سند المحدثین وفخر المحدثین کہلاتے تھے۔شیخ محسن ترہتی لکھتے ہیں وہ حدیث میں بحر ذخار تھے اور باقی علوم میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ ❶ جب سید احمد لکھنو آئے تو آپ نے ان کی از حد تعظیم کی۔اپنے مکان پر دو مرتبہ سید احمد کی ضیافت کی۔ چند اشیا نذر کیں۔۱۲۴۲ھ۔۱۸۲۶ء میں آپ نے حج کیا۔مولوی عبد القادر خانی رام پوری لکھتے ہیں: مرزا حسن علی نے جو سفر حج بھی کر چکے ہیں کلکتہ میں مخلوق کو وعظ وتذکیر سے نفع پہنچایا کچھ عرصہ باندہ میں بھی بزم ارشاد آراستہ کی ہے۔ جو کچھ بھی سلسلہ عزیزیہ میں بس وہی ہیں۔ان کا دل ودماغ ملفوظات عزیزیہ ورفیعیہ کی بیاض سمجھنا چاہیے۔اس زمانے میں ایسے بزرگوار کا وجود غنیمت ہے۔ ❷

مرزا حسن علی کا ایک کارنامہ تردید شیعیت بھی ہے۔لکھنو کے اکثر امراء شیعیت سے وابستہ تھے۔ مولانا دلدار علی مجتہد شیعہ کی مساعی سے بکثرت شرفا اور متعدد خانوادے شیعہ مذہب اختیار کر چکے تھے۔ مرزا حسن علی کے دور میں آپ کی ذات سے مسلک اہل سنت کو استحکام ملا۔آپ نے وعظ وتذکیر سے خلق عام کو مستفید کیا، مسند درس بھی آراستہ کی تلامذہ میں محمد علی صدر پوری ملیح آبادی، حسین احمد ملیح آبادی، سید اولاد حسن قنوجی شاہ محمد سعید حسرت نموہیاوی، عبد الرزاق فرنگی محلی، خادم علی سندیلوی، سعد اللہ مراد آبادی، نصیر الحق پھلواری سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ پٹنہ سفیر الحق پھلواری، عبد الحکیم فرنگی محلی، ابو الخیر معین الدین مشہدی، مسیح الدین کاکوروی، ریاض الدین کاکوروی، سید ظہور محمد کان پوری، حافظ علیم اللہ نگرامی شامل ہیں۔

---

❶ الیانع الجنی۔ص ۷۷ ❷ اصحاب علم وعمل جلد ۱ ص ۲۵۱

شاہ عبدالعزیز بھی آپ پر فخر کرتے تھے۔ انکی تصانیف میں حاشیہ سنن ابی داؤد، حواشی جامع ترمذی، رسالہ قوس قزح، تحفۃ المشتاق فی النکاح والصداق، برہان الخلافہ (مجموعہ فتاوی) رسالہ فی تحریم النجوم والرمل والجفر۔ ۲۶ صفر ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) کو وفات پائی۔ ❶

حسین بن محسن انصاری

حسین بن محسن بن محمد بن مہدی خزرجی انصاری الحدیدہ میں جمادی الاول ۱۲۴۵ھ میں پیدا ہوئے تیرہ سال کے تھے کہ والد فوت ہو گئے۔ صرف نحو کے بعد فقہ شافعی کی طرف متوجہ ہوئے پوری مہارت حاصل کی پھر علم حدیث کی قرئت علی الترتیب شروع کی۔ پہلے ابن ماجہ پھر نسائی پھر ابو داؤد پھر ترمذی پھر بخاری اور مسلم۔ یہ ساری کتابیں حسن بن عبدالباری الاہدل سے پڑھیں۔ اس کے بعد یمن کے شہر زبید کے مفتی کی طرف متوجہ ہوئے پھر ان کے بیٹے سلیمان بن محمد بن عبدالرحمٰن الاہدلی کی طرف گئے اور ان سے صحاح ستہ کی اجازت لی۔ لحیہ (شام) علاقہ میں قاضی مقرر ہوئے چار سال اس عہدہ پر رہے۔ پھر استعفی دیا کیونکہ ان سے ایک غلط فتوی مانگا گیا تھا جو آپ نے نہیں دیا۔ ہندوستان آئے۔ سکندر بیگم کے عہد میں بھوپال میں دو سال رہے اور چلے گئے۔ پھر پانچ سال بعد شاہ جہان بیگم کے عہد میں آئے۔ چار سال رہے اور چلے گئے۔ پانچ سال بعد پھر آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ بہت فیض پھیلایا۔ شاگردوں میں جناب صدیق حسنؒ، جناب محمد بشیر سہسوانیؒ، جناب شمس الحق ڈیانویؒ، جناب حافظ عبداللہ غازی پوریؒ، جناب عبدالعزیز رحیم آبادیؒ، جناب سلامت اللہؒ جے راج پوری، جناب وحید الزمانؒ حیدر آبادی، جناب طیبؒ بن صالح مکی، عبدالحی لکھنوی ندویؒ شامل ہیں۔

شیخ حسین بن محسن کو تالیف کتب سے زیادہ شغل نہیں تھا۔ آخری عمر میں لکھنو میں آمد و رفت کافی تھی۔ ۱۳۲۷ھ میں وفات ہوئی۔ ❷

خرم علی بلہوری

الشیخ العالم الصالح خرم علی البلھوری احد العلماء المشھورین ولد و نشأ ببلھور قریۃ من اعمال کان پور و سافر للعلم وقرأ الکتب الدرسیۃ ثم اخذ الطریقۃ عن السید الامام

---

❶ ہفت روزہ الاعتصام لاہور۔ ۷ دسمبر ۲۰۰۱ء ❷ نزہۃ الخواطر۔ ج ۸ ص ۱۷۷ تا ۱۸۲

احمد بن عرفان الشهيد البريلوى ولازمه زماناً ثم سافر الى باندا فقربه اليه نواب ذوالفقار خان وولاه الترجمة والتصنيف۔

له غاية الاوطار ترجمه الدرالمختار فى الفقه الحنفى بالهندى۔ شرع اولاً من كتاب النكاح فأتمها ثم شرع كتاب الحج منها ثم شرع فى الترجمة والشرح من اولها فبلغ الى باب الاذان ولم يمهله الاجل لاتمامها۔ وله ترجمة مشارق الانوار للصنعانى فى الحديث وشرحه بالهندى وله شفاء العليل ترجمه القول الجميل وله نصيحةالمسلمين رساله مشهورة فى نصرالتوحيد والسنة وله رسالة فى قرأة الفاتحة خلف الامام فى الصلاة۔ توفى سنة احدى وسبعين وقيل ست وسبعين ومأتين والف۔ [1]

مناسب پر مقام پر ان کے حالات ذرا تفصیل سے بیان کئے جائیں گے۔ان شاءاللہ تعالی

دارالعلوم دیو بند کی مالی خدمت

کتاب ہذا میں کسی جگہ ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ اگر چہ دارالعلوم دیو بند میں اہل حدیث اساتذہ اور طلبا کو خوش آمدید نہیں کہا جاتا تھا لیکن اہل حدیث پھر بھی اس مدرسہ کی حسب استطاعت مالی مدد کرتے رہے ہیں۔اس سلسلے کے دو واقعات ہمارے علم میں آئے ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

- جناب حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ کا مدرسہ بہت مشہور ہے اور وہاں انہوں نے ایک طویل عرصہ تک درس حدیث دیا اور ان گنت لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین جناب عمر الدینؒ ہوئے جو ٹانگوں سے معذور تھے۔وہ مدرسے میں بلا معاوضہ پڑھاتے تھے اور اپنی گزر اوقات کے لئے چاندی کے ورق کو کاٹنے کا کام کرتے تھے۔دست کاری سے ہونے والی آمدنی سے اپنا گزارا کرتے اور طلبا پر حسب ضرورت خرچ کرتے۔اسی آمدنی سے بچا بچا کر انہوں نے ایک ہزار روپئہ جمع کیا تھا جو جناب ثناء اللہ امرتسریؒ کے پاس بطور امانت رکھا ہوا تھا۔جناب عمر الدینؒ کی وفات کے وقت یہ روپئہ

---

1. نزھۃ الخواطر۔ج ۷ص ۱۵۸۔۱۵۹

جناب ثناء اللہ امرتسریؒ ہی کے پاس تھا۔ جسے انہوں نے مدارس میں تقسیم کر دیا۔ اور اہل حدیث امرتسر کے ۸ مارچ ۱۹۴۶ء کے شمارے میں درج ذیل نوٹ شائع ہوا۔

مولوی عمر الدین مرحوم وزیر آبادی کی رقم ایک ہزار روپیہ میں سے ۹۷۵ روپے ۱۰ آنے ۳ پیسے ان کی حسب وصیت طلبا پر خرچ ہو چکے ہیں۔ مدرسہ غزنویہ امرتسر، مدرسہ قدس امرت سر، مدرسہ نصرۃ الحق حنفیہ امرتسر، مدرسہ گوجرانوالہ، مدرسہ وزیر آباد، مدرسہ دیوبند، مدرسہ جھنڈے نگر وغیرہ۔

حساب رجسٹر میں درج ہے۔ ہر مسلمان دیکھ سکتا ہے۔ ابوالوفا۔

○ دوسرا واقعہ ملک حسن علی جامعی شرقپوریؒ کی روایت سے یوں بیان کیا گیا ہے:

مولانا شہاب الدین فاضل دیوبند خطیب جامع مسجد گورنمنٹ کوارٹرز چوبرجی گارڈنز لاہور نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ میں جب دیوبند میں زیر تعلیم تھا تو ایک دفعہ دارالعلوم ایک ماہ کی رخصتوں کے لئے بند ہو گیا۔ مہتمم دارالعلوم نے طلبہ کو اپیل کی کہ واپسی کے وقت اپنے اپنے علاقوں سے دارالعلوم کے لئے امدادی رقوم فراہم کر کے لائیں۔ میں امرتسر کے سٹیشن پر اترا اور رات گزارنے غزنویوں کی مسجد میں جا ٹھہرا۔...... صبح میں ان (جناب عبدالجبار غزنوی) کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدعا بیان کیا کہ حضرت میں دیوبند سے آیا ہوں۔ طالب علم ہوں اپنے دارالعلوم کے لئے کچھ امداد کا طالب ہوں۔ حضرت مولانا عبدالجبار نے جمعہ کے خطبہ میں چندہ کے لئے اپیل کی۔ چندہ جمع ہوا اور میرے حوالے کیا۔ [1]

رباعیات کا قصہ

عمل بالحدیث بلا واسطہ مجتہد کی بحث میں قصہ رباعیات کا ذکر ہوا تھا اور ہم نے لکھا تھا کہ اس قصہ کی تفصیل متفرقات میں بیان کی جائے گی۔ وہ قصہ یوں ہے:

قال عبد العزيز الدمشقي حدثنا ابو عصمة نوح بن الفرغاني قال سمعت ابا المظفر عبد الله ابن محمد بن عبد الله بن قت الخزرجي و ابابكر محمد بن عيسى البخاري قال سمعت باذر

[1] سوانح مولانا داؤد غزنوی۔ ص ۱۱۲

عمار بن محمد بن مخلد التميمى يقول سمعت اباالمظفر محمد بن حامد بن الفضل يقول لما عزل ابو العباس بن الوليد بن ابراهيم بن زيد الهمدانى عن قضاء الرى ورد بخارى سنة ثمان عشرة وثلاثه مأة ...... مودة كانت بينه وبين ابى الفضل البلعمى فنزل فى جوارنا فحملنى معلمى ابوابراهيم اسحاق بن ابراهيم الختلى اليه فقال اسألك ان يحدث هذا الصبى عن مشائخك فقال مالى سماع قال فكيف و انت فقيه ...... هذا قال لانى لما بلغت مبلغ الرجال تاقت نفسى الى معرفة الحديث و رواية الاخبار وسماعه قصدت محمد بن اسماعيل البخارى صاحب التاريخ والمتطوف اليه فى علم الحديث و اعلمته مرادى وسألته الا ...... فقال لى يابنى لا تدخل فى امر الا بعد معرفة حدوده والوقوف على مقاديره فقلت عرفنى رحمك الله حدود ما قصدتك له ومقادير ماسالتك عنه فقال لى:

اعلم ان الرجل لايصير محدثاً كاملاً فى حديثه الا بعدان يكتب اربعا مع اربع ـ كاربع مثل اربعه فى اربع عند اربع ـ باربع على اربع عن اربع لاربع وكل هذه الرباعيات لاتتم الا باربع مع اربع فاذا تمت له كلها هان عليه اربع وابتلى باربع فاما وصبرعلى ذالك اكرمه الله تعالى فى الدنيا باربع اثانه فى الآخرة باربع قلت له فسر لى رحمك الله ما ذكرت من احوال هذه الرباعيات من قلب صاف بشرح كاف وبيان شاف طلباً للاجر الوافى، فقال نعم:

الاربعة التى يحتاج الى كتبها هى اخبار الرسول ﷺ وشرايعه والصحابة رضى الله عنهم ومقاديرهم والتابعين وآحوالهم وسائرالعلماء وتواريخهم من اسماء رجالهم وكناهم وامكنهم وزمنهم كالتحميد مع الخطب والدعاء مع التوسل والبسملة مع السورة والتكبير مع الصلوة مثل المسندات والمرسلات والموقوفات والمقطوعات فى ...... وفى ادراكه وفى شبابه وفى كهوليه عند فراغه وعندشغله وعند فقره وعندغناه بالجبال والبحار والبلدان والبرارى على الاحجاب والاحراف والجلود والاكتاف الى الوقت الذى يمكنه نقلها الى الاوراق عمن هوفوقه وعمن مثله وعمن دونه وعمن كتاب ابيه يتيقن انه بخط ابيه دون غيره لوجه الله تعالى طلبا لمرضاته والعمل بما وافق كتاب الله عزوجل منها ونشرها بين طالبيها ومجيبها ـ والتاليف فى احياء ......

ثم لانتم له هذه الاشباه الا باربع من كسب العبد معرفة الكتابة واللغة والصرف والنحو۔ مع اربع هى من اعطاه الله تعالى اعنى القدرة والصحة والحرص والحفظ فاذا قمت له هذه الاشياء كلها ماعليه اربع الاهل والمال والولد والوطن وابتلى باربع شماتة الاعداء وملامة الاصدقاء وطعن الجهلاء وحسد العلماء فاذا صبرا على هذاه المحن اكرمه الله عزوجل فى الدنيا باربع بعز القناعة وهيبة النفس وبلذه العلم و وبحياة الابد واثابه فى الاخرة باربع باشفاعة لمن يراد من اخوانه وبظل العرش يوم لاظل الا ظله يسقى من اراد من حوض نبيه ﷺ وبمجاورة النبيين فى اعلى عليين فى الجنة فقد اعلمتك يابنى مجملاً ولجميع ماسمعت من مشائخى متفرقاً فى هذا الباب فاقبل الآن الى ماقصدت اليه اودع نهالنى قوله فسكت متفكراً واطرقت منا وبا فلما رئى ذالك منى قال وان لم تطق حمل هذة المشاق كلها فعليك بالفقه وبالفقه يمكنك تعلمه وانت فى بيتك قدساكن لاتحتاج الى بعد الاسفار وطئى الديار وركوب البحار وهو مع ذاثمره الحديث وليس ثواب الفقيه دون ثواب المحدث فى الآخرة ولاعزه باقل من عزالمحدث فلما سمعت ذالك نقص عزمى فى طلب الحديث واقبلت على دراسة الفقه۔ ❶

(راوی کہتا ہے کہ ابوالعباس ولید بن ابراہیم ہمدانی رے کی قضا سے معزول ہوئے تو شہر بخارا میں ہمارے پڑوس میں اترے۔ میرا استاد ابوالمظفر مجھے ان کے پاس لے گیا اوران سے اس امر کا طالب ہوا کہ وہ مجھے احادیث سناویں جو اپنے استادوں سے سن چکے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے حدیث کی سماع نہیں ہے۔ میرے استاد نے کہا کہ آپ تو فقیہ ہیں پھر حدیث کی سماع کیوں حاصل نہیں کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس کا سبب یہ ہے مجھے حدیث کا شوق ہوا تو میں امام بخاری کے پاس پہنچا اوراپنے شوق وارادہ سے ان کو مطلع کیا۔ انہوں نے فرمایا بیٹا کسی امر میں مداخلت کا قصد نہ کرنا چاہیے جب تک کہ اس کی حدوں اورمقداروں کی معرفت نہ ہو۔

---

❶ قسطلانی۔ ج ۱۔ ص ۲۲

میں نے سوال کیا آپ مجھے علم حدیث کی حدوں اور مقداروں سے واقف کریں تو آپ نے فرمایا انسان کامل محدث تب ہی بنتا ہے جبکہ چار قسم کی حدیثیں (احادیث نبوی، آثار صحابہ، آثار تابعین، اقوال علماء) قلم بند کرے۔ معہ چار قسم کے اوصاف (ان کے نام، کنیت، مکان، زمانہ) جیسے چار چیزوں کے ساتھ چار چیزیں ہیں (خطبہ کے ساتھ جمعہ، دعا کے ساتھ توسل، سورۃ کے ساتھ بسم اللہ، نماز کے ساتھ تکبیر)۔ چار اقسام کی مثل (مسند، مرسل، موقوف، منقطع) پر اپنے چاروں زمانوں (صغرسنی، بلوغت، جوانی، ادھیڑ عمر) میں چاروں وقت (فراغت، مصروفیت، فقیری، تونگری) چاروں موقعوں (پہاڑوں دریاؤں۔ شہروں۔ جنگلوں) میں رہ کر چاروں لکھنے کی چیزوں (پتھروں، ٹھیکریوں چمڑوں، بکری کے شانوں) پر اس وقت تک کہ ان احادیث کو کاغذوں پر نقل کر سکے۔ چاروں قسم کے اشخاص (اپنے سے بڑوں، برابر کے لوگوں، اپنے سے نیچے والوں، اپنے باپوں کی کتابوں) سے چاروں غرضوں (ثواب آخرت، عمل، اشاعت و تالیف) سے پھر یہ سب چوکڑیاں چار شرطوں سے پوری ہوتی ہیں جو بندے کے اختیار میں ہیں۔ (کتابت کا علم، لغت کا علم، صرف کا علم، نحو کا علم)، معہ چار شرطوں کے جو خدا کے اختیار میں ہیں (قدرت، صحت، فرصت، حافظہ)۔ جب یہ چوکڑیاں پوری ہوں تو اس شخص کو چار چیزوں کا چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے (بیوی، مال، اولاد، وطن) اور چار بلاؤں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے (دشمنوں کی خوشی، دوستوں کی ملامت، جاہلوں کا طعن، علماء کا حسد) جب وہ ان مشقتوں پر صبر کرتا ہے تو خدا دنیا میں اسے چار چیزیں انعام فرماتا ہے (قناعت کی عزت، ہیبت نفس، علم کی لذت، ابدی حیات) اور چار ثواب آخرت عطا فرماتا ہے (اپنے بھائیوں میں سے جس کے لئے چاہے شفاعت، عرش کا سایہ جس دن بجز اس کے کسی کا سایہ نہ ہوگا، حوض کوثر سے جس کو چاہے پانی پلانا، اعلی علیین میں نبیوں کا قرب) یہ کہہ کر انہوں نے فرمایا کہ میں نے تجھے سبھی کچھ اکٹھا سنا دیا جو اپنے مشائخ سے متفرق طور سے سنا تھا۔ اب تو یہ مشکلات سوچ کر اپنے مقصود (طلب حدیث) کی طرف توجہ کر یا اس کو چھوڑ۔

مجھے ان کی بات نے ڈرا دیا۔ پس میں فکر میں چپ ہو رہا اور ادب سے سر جھکا دیا۔ جب انہوں نے میری یہ حالت دیکھی تو کہا تجھ سے ان مشقتوں کا تحمل نہ ہو سکے تو فقہ کو تھام لے اس کا سیکھنا تجھے آسان ہوگا۔ اور سفروں میں جانا نہ پڑے گا اور مع ہذا وہ (فقہ) حدیث کا پھل

ہے۔اور فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں اور نہ فقیہہ کی عزت محدث کی عزت سے کم ہے۔ یہ سن کر میں نے طلب حدیث کا عزم فسخ کیا اور فقہ کی طرف متوجہ ہوا)

رشید احمد گنگوہی

رشید احمدؒ بن ہدایت احمد بن پیر بخش انصاری حنفی۔ ۲۴ ذی قعد ۱۲۴۴ کو پیدا ہوئے ماموں محمد تقی سے پڑھا۔ پھر دہلی میں قاضی احمد دین جہلمیؒ اور جناب مملوک علیؒ سے پڑھا۔ اور جناب مفتی صدر الدینؒ سے بھی پڑھتے رہے۔ حدیث وتفسیر شیخ عبد الغنیؒ اور جناب احمد سعید دہلویؒ سے پڑھیں جناب امداد اللہ تھانویؒ سے بیعت ہوئے۔ ۱۲۷۶ھ میں چھ ماہ نظر بند رہے۔ ۱۲۸۰ھ، ۱۲۹۴ھ اور ۱۲۹۹ھ میں حج کیا۔ دعوت وارشاد اور تدریس میں مشغول رہے۔ مریدوں اور شاگردوں میں جناب خلیل احمدؒ سہارنپوری، جناب محمود حسنؒ دیوبندی، جناب عبد الرحیم رائے پوریؒ، جناب حسین احمدؒ مدنی، جناب محمد یحی کاندہلویؒ وغیرہ شامل ہیں۔ جمادی الآخر ۱۳۲۳ھ میں وفات ہوئی۔ ❶

جناب رشید احمد گنگوہیؒ نے فرضیت جمعہ کے متعلق کہ گاؤں میں جمعہ فرض ہے کہ نہیں؟ ایک مفصل رسالہ اوثق العری فی تحقیق الجمعة فی القری، تحریر فرمایا۔ اس میں تمام اعتراضات کا رد فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ الحاصل محقق ہوگیا کہ فرضیت جمعہ مکہ معظّمہ میں ہو چکی تھی اور مکہ میں اقامت جمعہ سے تعذر تھا۔ اور مدینہ میں کہ مصر تھا، اور مسلمانوں کو تمکن اقامت جمعہ کا تھا جمعہ بامر رسول اللہ جاری رہا۔ اور مواقع ومحل اقامت جمعہ نہ تھے۔ مثل حوالی وقبا وغیرہ وہاں جمعہ جاری نہیں ہوا حالانکہ وہاں بہت سے مسلمان مقیم تھے اور نہ کبھی وہاں جمعہ پڑھا گیا۔ ❷

۱۲۸۷ھ میں جناب محمد قاسم نانوتویؒ کا انتقال ہوا تو آپ مدرسہ (دیوبند) کے سرپرست قرار دیئے گئے ...... آپ ۱۸۸۰ سے ۱۹۰۵ء تک سرپرست رہے۔ دار العلوم کے فتووں کے جوابات خود ہی تحریر فرمایا کرتے تھے۔ جلسہ دستار بندی میں شریک ہوتے۔ ❸

---

❶ نزہۃ الخواطر۔ ج ۸ ص ۲۲۲۔ ۲۲۶

❷ اوثق العری۔ مطبوعہ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ص ۹) (الرشید دیوبند نمبر۔ ص ۲۷۴۔ ۲۷۵

❸ ماہنامہ الرشید دار العلوم دیوبند نمبر ۲۷۱۔ ۲۷۲

محمد سعید بنارسی

صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

عالم محدث مشہور علماء میں سے تھے۔ ۱۲۷۴ھ میں پیدا ہوئے۔ بیس برس کے قریب عمر میں اسلام لائے۔ دیو بند میں نحو، فقہ، منطق، فلسفہ پڑھا۔ پھر دہلی میں محدث نذیر حسین دہلویؒ سے حدیث پڑھی۔ مکہ میں شیخ معمر عباس بن عبدالرحمٰن شہابی یمانی سے حدیث کی سند لی۔ بنارس میں رہائش اختیار کی، ایک مطبع قائم کیا، ایک ماہوار رسالہ نکالا جسکا نام نصرۃ السنۃ رکھا۔ مباحثہ سے بہت زیادہ دل چسپی لیتے اپنے مخالفین پر سخت اعتراضات کرتے۔ اس سلسلہ میں آپ کے کئی رسالے بھی ہیں۔ آپ نے ۱۸ رمضان ۱۳۲۳ھ کو وفات پائی۔ [1]

جناب محمد سعید بنارسیؒ کے مفصل حالات ہم انشاء اللہ مناسب مقام پر درج کتاب کریں گے۔ یہاں میاں نذیر حسین کا ایک خط نقل کیا جاتا ہے ہیں جو انہوں نے جناب محمد سعیدؒ کو لکھا تھا۔ اس خط میں اہل حدیث بمقابلہ احناف عدالتی مقدمات کا ذکر ہے۔ اور اس کا وعدہ ہم نے عرض مؤلف میں کیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از عاجز محمد نذیر حسین

بمطالعہ گرامی مولوی محمد سعید صاحب سلمہ ربہ بالخیر والعافیت

بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ واضح باد کہ

نامہ نامی وصحیفہ گرامی رسیدہ کاشف مدعا گردیدہ وپیشتر از خط مولوی تلطف حسین صاحب حال مقدمہ (الہ آباد) بوضوح پیوستہ بود چنانچہ مولوی تلطف حسین صاحب را بہزار دل جوئی بدرخواست نقل میرٹھ اٹاوہ روانہ کردہ برائے نقل گرفتن در روزہ ماہ رمضان برگماشتم بفضلہ تعالیٰ نقل میرٹھ میرسد منصف کما حقہ داد حق دادہ است وآنچہ در نقل فیصلہ آں خرچ شد از حاجی احمد اللہ صاحب سلمہ ربہ گرفتہ خواہد شد ونقل کاغذہائے دہلی وغیرہ بمولوی عبداللہ صاحب

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد ۸

غازی پوری فرستادہ شد و نیز بحاجی صاحب ممدوح پیشتر روانہ کردہ شد از وشاں طلب نمائید مگر دریں باب زر در کار والا عملگان کچہری ہیچگو نہ التفات نمی کنند خصوصاً در جہر آمین و رفع یدین (کہ از ہمہ مسلماناں ہمہ مخالف اند) بہزار دشواری حاصل میشود و مقدمہ بنارس را از اہم مہمات شمارند خدانخواستہ اگر در الہ آباد سرسبز نشدہ مخالفین آں دیار و دہلی ہمہ دلیر و مانع در مسائل مذکور خواہند بود و اگر جستجو و تگاپو قرار واقعی منظور باشد تا تنخواہ مولوی تلطف حسین صاحب پنجاہ رو پئہ سواء زاد سفر جمع نمایند کہ مشار الیہ را در امضاء آں روانہ کنم چرا کہ مشار الیہ از سہ و چہار سال در مقدمہ دہلی و گورگانواں و نصیر آباد و میرٹھ سرگردان می ماند وسعی و کوشش مقدمہ بنارس سر الہ آباد بجز مو ما الیہ شدن نمی تواند و بایں وعدہ کہ آنچہ خرچ خواہند بگیرند قابل گفت و شنود نخواہد بود تا وقتیکہ تعیین و تشخیص تنخواہ او از موحدین مقرر نکنانند رفتن شاں متعذر است و مولوی صاحب در مقدمات مرجوعہ ہر جا جان بازی و سخن پردازی کردہ اند کہ از دیگراں عشر عشیر نخواہد بود و بفہم ناقص من در معرکہ الہ آباد بجز وے کسے دیگر بنظر نمی آید جلد تر تدبیر کردہ زر فراہم آرند تا مشار الیہ را روانہ سازم و ما علینا الا البلاغ المبین ۔ و از جواب خط بعد مشورہ موحدین زود تر آگاہ سازند زیادہ ۔ والسلام خیر الختام ۔ نہم رمضان ۔ منمقام دہلی روانہ شد ۔ ❶

(از عاجز محمد نذیر حسین

بگرامی مطالعہ مولوی محمد سعید صاحب السلام علیکم کے بعد واضح ہو کہ خط آپ کا ملا ، مضامین سے آگاہ ہوا ۔ اس کے قبل مولوی تلطف حسین کے خط سے حال مقدمہ (معلومہ) کا معلوم ہوا تھا چنانچہ مولوی تلطف حسین کی ہزاروں دلجوئی کر کے واسطے درخواست دست یابی نقل میرٹھ و اٹاوہ باوجود روزے ماہ رمضان کے روانہ کیا گیا ۔ خدا کے فضل سے نقل مقدمہ میرٹھ عنقریب موصول ہو گی ۔ منصف نے کما ینبغی فیصلہ حق کیا ہے ۔ جو کچھ فیصلہ کی نقل میں خرچ ہو گا وہ حاجی احمد اللہ صاحب سے لیا جاوے گا ۔ نقل کا غذات دہلی و غیرہ مولوی عبد اللہ صاحب غازی پوری کے پاس روانہ کیا گیا اور حاجی صاحب ممدوح کے پاس قبل حافظ صاحب کے روانہ کیا گیا ہے ۔ آپ ان سے طلب کریں ۔

---

❶ مکاتیب نذیریہ

نقل نقولات میں زر کثیر درکار ہے ورنہ عملگان کچہری کچھ توجہ نہیں کرتے ہیں خصوصاً آمین جہری و رفع یدین میں ❶ مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔

بنارس کا مقدمہ سب سے بڑا کارنامہ سمجھیں اگر الہ آباد میں کامیابی نہ ہوئی تو وہاں کے مخالفین اور دہلی والے سب دلیر اور مانع مسائل مذکورہ سے ہوں گے۔

اگر جستجو و دوڑ دھوپ قرار واقعی منظور ہو تو تنخواہ مولوی تلطف حسین کی مبلغ پچاس روپیہ علاوہ خرچ سفر (بھتہ) کے جمع کریں تاکہ مشارالیہ کو انجام میں اس کے روانہ کروں کیونکہ ممدوح الیہ تین چار سال سے مقدمہ دہلی اور گوڑ گانواں و نصیر آباد و میرٹھ میں وہ حیران و پریشان رہے اور پیروی بنارس کے مقدمہ کی الہ آباد میں سوائے ممدوح الیہ کے کوئی کر نہیں سکتا ہے اور اس وعدہ پر ان کا جانا کہ جو کچھ خرچ چاہیں لیں قابل گفت و شنید کے نہ ہوگا جب تک تعین تنخواہ کی موحدین سے مقرر نہ کرائیں ان کا جانا مشکل ہے مولوی صاحب ہر جگہ مقدمات مرجوعہ میں کوشش جان توڑ سخن سازی عمل میں لائے ہیں کہ دوسرے شخص سے دسواں حصہ بھی نہ ہوگا میری رائے کے مطابق الہ آباد کے معاملہ میں سوائے مولوی صاحب کے دوسرا شخص اس ہمت کا دکھائی نہیں دیتا۔

جلد تدبیر کر کے ان کے لئے روپئہ مہیا کریں تاکہ مولوی صاحب ممدوح کو میں روانہ کروں مجھے صرف سمجھا دینا ہے۔ خط کے جواب سے مجھ کو بعد صلاح و مشورہ موحدین کے آگاہ کریں۔ زیادہ والسلام خیر الختام۔ ۴ رمضان دہلی سے روانہ کیا گیا۔ ❷

مفتی صدر الدین آزردہ

مولوی لطف اللہ کشمیری کے بیٹے تھے۔ ۱۲۰۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد سے پڑھا۔ پھر شاہ عبدالعزیز محدثؒ سے ادب، معانی، بیان، فقہ و اصول، کلام و تفسیر پڑھی۔

---

❶ کیونکہ سارے کا سارا عملہ مخالف ہیں

❷ جناب تلطف حسینؒ، جناب میاں صاحبؒ کے شاگرد اور خدمت گار تھے۔ دہلی میں کتابوں کی نشر و اشاعت کا کام کرتے تھے، حج میں میاں صاحب کے رفیق سفر تھے اور وہاں میاں صاحب کے مصائب میں ان کے ساتھ رہے۔ اس کی تفصیل کسی اور موقع پر ہوگی۔

شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ سے حدیث و اصول حدیث، رجال و سیر کی کتابیں پڑھیں۔ شاہ محمد اسحاقؒ سے بھی استفادہ کیا۔ منطق، فلسفہ، وغیرہ فضل امام خیر آبادیؒ سے پڑھا جو اس وقت صدر الصدور تھے۔

مفتی صدر الدینؒ صاحب کو انگریزی حکومت نے ۱۸۲۷ء میں صدر الصدور اور مفتی دہلی مقرر کیا اور اس حیثیت سے وہ مغربی بلکہ مشرقی و شمالی دہلی میں فتوی دیتے تھے اور امتحان مدارس وصدارت حکومت دیوانی بھی ان کے سپرد تھی۔ تیس سال تک وہ اس عہدے پر فائز رہے۔ ❶

محترمہ رضیہ حامد نے لکھا ہے:

جناب صدر الدینؒ کا تدریسی لحاظ سے دہلی کے سر برآوردہ علماء میں شمار ہوتا تھا۔ فرائض منصبی کی ادائیگی کے بعد طلبہ کو اپنے گھر پر پڑھایا کرتے تھے نیز طلبہ کی مدد لباس وظائف وغیرہ کی شکل میں کیا کرتے تھے...... کچھ لوگ بطور برکت اور آپ سے شرف تلمذ حاصل کرنے کی وجہ سے چند اسباق پڑھ کر سند حاصل کرتے تھے۔ سید صدیق حسنؒ نے ایک سال آٹھ ماہ کی مدت میں نصاب نظامیہ کی اعلی اور دشوار کتب ان سے پڑھ لی تھیں۔ دہلی کالج سے جناب صدر الدین آزردہ کا خصوصی تعلق تھا۔ عربی و فارسی کے امتحان آپ لیتے تھے۔

جناب صدر الدینؒ نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوی دیا تھا جس کی پاداش میں جیل بھی گئے تھے۔ ایام غدر میں مفتی صاحب کا کتب خانہ ضبط ہو کر نیلام ہو گیا تھا جس میں موروثی کتب موجود تھیں یہ کتب خانہ تقریباً تین لاکھ کا تھا مفتی صاحب کو اس کا بہت صدمہ پہونچا۔ سید صدیق حسنؒ نے لکھا ہے کہ برسوں کی ملازمت سے جو جائیداد بنائی تھی وہ:

جملہ جائداد و معاش کہ دریں سی سال ملازمت بہم رسانیدہ بودند، در سرکار ضبط گردید دہمبہ تہمت افتاد بجہاد باحکام مقید شدہ چند ماہ در زنداں گزرانیدند۔ آخر الامر کہ عدم قصور ایشاں ثابت شد رہائی یافتہ۔ اتحاف النبلا۔

آخر عمر معاشی حالت کی کمزوری کی وجہ سے طلبہ کی زیادہ مدد نہیں کر پاتے تھے لیکن جہاں تک ممکن ہوتا معاونت فرماتے۔ والی رام پور نواب یوسف خان آپ کے شاگرد تھے، ان کی ریاست سے تاحیات آپ کو وظیفہ ملتا رہا۔

---

❶ اتحاف النبلاء المتقین۔ ص ۲۶۲

آپ کے شاگردوں میں مفتی سعد اللہ مراد آبادی، یوسف خان والی رام پور، فیض الحسن سہارنپوری، جناب مظہر نانوتوی، جناب امیر حسن سہسوانی، سید نذیر احمد شاہ سہسوانی، جناب محمد منیر نانوتوی، جناب محمد قاسم نانوتوی، جناب صدیق حسن، جناب ذوالفقار علی دیوبندی، جناب رشید احمد گنگوہی، جناب سمیع اللہ خان وغیرہ شامل ہیں۔

مفتی صاحب ۸۱ سال کی عمر میں ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء کو فوت ہوئے۔ قادر الکلام شاعر تھے۔ ❶

محترمہ رضیہ حامد کے مقالے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ کے دوران انگریزوں سے جہاد کرنے کا فتوی دیا تھا، اور جناب صدیق حسنؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کی مخالفت کی وجہ سے ان کی جائیداد ضبط ہوئی۔ اس کے علاوہ اور کئی کتابوں میں بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ جناب مفتی صاحب کو مجاہد آزادی، انگریزوں کا مخالف، اور ان سے جہاد کا حامی بتایا جاتا ہے۔

مجھے اس بات پر کوئی بحث نہیں کرنا ہے بس اتنا بتانا ہے کہ حال ہی میں غداروں کے خطوط نامی ایک مختصر سی کتاب سامنے آئی ہے جس کی روشنی میں جناب مفتی صاحب کی شخصیت کا ایک ایسا سیاسی پہلو سامنے آتا ہے جو متنازعہ ہوسکتا ہے۔ اس کتاب میں ۱۸۵۷ء کی جنگ کے دوران دہلی میں انگریزوں کے کئی جاسوسوں کے خطوط انڈیا آفس لائبریری کے ریکارڈ سے نقل کئے گئے ہیں جن میں ان جاسوسوں نے دہلی سے باہر انگریز افسروں کو دہلی کے حالات کی خبریں پہنچائی ہیں۔

- ایک خط ۴ تا ۸۔ اگست ۱۸۵۷ء کی خبروں پر مشتمل ہے جو ایک خاص مخبر کے ذریعہ انگریزوں کو پہنچیں۔ اس خط میں بتایا گیا ہے

  مفتی صدر الدین نے لکھنؤ سے آکر (بہادر شاہ کے) دربار میں حاضری دی۔ ❷

- ایک خط تراب علی جاسوس کا ہے جو انگریز افسروں کو ۲۴۔۲۵ اگست ۱۸۵۷ء کو موصول ہوا۔ اس میں لکھا ہے۔

---

❶ نواب صدیق حسن۔ ص ۳۴۹۔۳۵۰۔۳۵۱ ❷ غداروں کے خطوط۔ ص ۱۲۳

آپکے ایماء بموجب میں نے مرزا الٰہی بخش اور مفتی صدر الدین سے عرض کر کے سکھوں کو ہر پلٹن سے نکلوا کر علیحدہ پلٹن سکھوں کی بنوائی تھی۔ چوں کہ جواب خط مفتی صاحب اور مرزا (الٰہی بخش) صاحب کا نہیں آیا، میری عرضی کو محمول بر خود غرضی کیا اور اس کام کے انجام دینے میں کم توجہ کیا۔ اس واسطے پھر سکھ لوگ متفرق ہو کر اپنی اپنی پلٹنوں میں داخل ہو گئے۔ ❶

- تراب علی جاسوس کا ایک خط ۳۰۔ اگست ۱۸۵۷ء کا ہے، اس میں لکھا ہے:

حکیم احسن اللہ خان، مفتی صدر الدین، مرزا الٰہی بخش اور بیگم زینت محل سب اپنی اپنی اہلیت کے مطابق انگریزی حکومت کی مدد کرنے کیلئے تیار ہیں۔ یہ سب کشتیوں کے پلوں کو تباہ کرنے کی کوشش کریں۔ یہاں پر ریگولر فوج کے تقریباً ۴ ہزار سپاہی موجود ہیں۔ اگر آپ ان کی جان بخشی کا اعلان کر دیں تو یہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے کے لئے تیار ہیں...... انفنٹری کو بھی اس طرح ختم کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ بالا افراد میں کوئی بھی باغیوں کو پناہ دینے کیلئے تیار نہیں اسکے برعکس ان کی خواہش ہے کہ جن باغیوں نے قتل وغارت کیا ہے انکو سخت سزا ملنی چاہیے۔ انھوں نے بادشاہ سلامت دہلی کے امراء اور شہر کے لاچار اور بے قصور باشندوں کی جان بخشی کی درخواست کی ہے۔ ❷

- فتح محمد خان نامی جاسوس کا یکم ستمبر ۱۸۵۷ء کا خط یوں ہے:

(دہلی میں ہندوستانی) فوج کے پاس کھانے پینے کے لئے بھی کوئی رقم نہیں۔ خزانے میں کوئی کھوٹا سکہ بھی باقی نہیں رہا۔ فوج ہر روز اپنی تنخواہ کا مطالبہ کرتی ہے...... مفتی صدر الدین کو رقم کی فراہمی کے لئے دربار میں طلب کیا گیا تھا۔ اس نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے بہت سے غازیوں کو چوبیس روپئے روزانہ کی تنخواہ کا وعدہ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اس نے نہ صرف بادشاہ کو کوئی رقم دینے سے انکار کر دیا ہے بلکہ دھمکی دی ہے کہ اگر اسے زیادہ مجبور کیا

---

❶ غداروں کے خطوط۔ ص ۱۵۳ ❷ غداروں کے خطوط۔ ص ۱۶۴

گیا تو وہ شاہی فوج کے خلاف لڑ کر مرنے کے لئے تیار ہے۔ اس نے کہا ہے کہ وہ انگریزی فوج کی نسبت ان لوگوں کے خلاف جہاد کرنے کو ترجیح دے گا۔ ❶

کتاب کے مصنف نے اس خط کے بارے میں ایک نوٹ لکھا ہے، جو یوں ہے:

اس سے پہلے ذکر ہے کہ مفتی صدرالدین نے انگریزوں کو خط لکھا تھا۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صدرالدین کی انگریزوں سے ساز باز مکمل ہوگئی ہے جو بادشاہ کی طلبی پر جانے سے انکار کیا گیا ہے۔ ❷

○ تراب علی جاسوس کا ۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کا خط یوں ہے:

مفتی صدرالدین کے گھر پر کل رات بارہ بجے تک جلسہ ہوتا رہا۔ ان کا ایک وفد آج صبح بادشاہ سے ملنے گیا۔ منشی آغا جان اور وارث علی نے ۳۱۔ اگست کو (بادشاہ کو فوج کی تنخواہوں اور دوسرے اخراجات کے لئے) ایک ایک ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن انہوں نے یہ رقم ادا نہیں کی۔ باغیوں نے تنگ آ کر سلاخیں گرم کر کے ان کے جسموں کو داغنے کی دھمکی دی۔ تب جا کر انہوں نے یہ رقم ادا کی ...... منشی آغا جان نے تو پھر بھی رقم دینے سے انکار کر دیا تھا مگر اس کے رشتہ داروں نے اس کی جان بچانے کے لئے یہ رقم ادا کر دی۔ ❸

○ فتح محمد خان جاسوس۔ ۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کا خط یوں ہے:

بادشاہ نے مجبور ہو کر (فوج کو) چالیس ہزار روپئے دیئے اور بقیہ کی ادائیگی کے لئے ۱۵ دن کا وعدہ کیا۔ اب جو رقم ملی ہے اس کو فوج میں اس طرح تقسیم کیا جائے گا۔ رسالدار ۱۲ روپئے۔ نائب رسالدار ۸ روپئے۔ جمعدار ۶ روپئے۔ دفعدار ۵ روپئے. سوار تین روپئے۔ سپاہی ۲ روپئے۔ کاریگر مزدور ایک روپیہ

افواج کی تنخواہ کا بندوبست کرنے کے لئے اب جو انتظامات کئے جا رہے ہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

---

❶ غداروں کے خطوط۔ ص ۱۶۸

❷ غداروں کے خطوط۔ ص ۱۶۸ ❸ غداروں کے خطوط۔ ص ۱۷۱

دہلی کے شہریوں سے ایک لاکھ روپیہ چندہ جمع کیا جائے۔اس مقصد کے لئے مسلمانوں کی ذمہ داری مفتی صدر الدین کو اور ہندوؤں کی ذمہ داری لالہ مکند لال کو دی گئی ہے۔ان دونوں نے پندرہ دن کے اندر یہ رقم جمع کرنے کا وعدہ کیا ہے۔انہیں پوری امید ہے کہ اس وقت تک انگریز دہلی فتح کر چکے ہوں گے۔ ❶

یہ تو معلوم ہی ہے اس خط کے دو ہفتے بعد دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

عبدالحق بنارسی

جناب عبدالحی لکھنویؒ نے جناب عبدالحق بنارسیؒ کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

الشيخ العالم المحدث المعمر عبد الحق بن فضل الله العثمانی النيوتينی ثم البنارسی احد العلماء المشهورين ، ولد بقرية نيوتينی من اعمال موهان سنة ست ومأتين وألف وقرأ العلم على ابيه وعلى غيره من العلماء ثم سافر الى دهلی وقرأ بعض كتب الحديث على الشيخ اسماعيل بن عبد الغنی الدهلوی والشيخ عبد الحی بن هبة الله البرهانوی وأخذ بعضها عن الشيخ عبدالقادر بن ولی الله العمری الدهلوی سماعاً عليه۔ ثم سافر الى مكة المباركة فحج وصدر عنه بمكة بعض مالايليق بشأن الائمة المجتهدين فحبسه الولاة ثم أطلقوه فرجع الى الهند وأقام بها زماناً ثم سافر الى الحجاز فی ركب السيد الامام احمد بن عرفان الشهيد البريلوی فلما وصل الى المدينة المنورة بعد الحج تكلم فی بعض المسائل الخلافية على عادته وتفوه فی حق المجتهدين ورمی بالضلال اصحاب المذاهب الأخر من الاحناف والشافعية وكان اذ ذاك الشيخ محمد سعيد الأسلمی المدراسی بالمدينة المنورة فوشی به الى القاضی فلما علم ذالك عبد الحق خرج من المدينة مختفياً وذهب الى جريده واقام بها حتى قفل الركب الى تلك القرية فلحق به ثم انحاز عنه فی جده ورحل الى صنعاء اليمن ولقی بها القاضی محمد بن علی الشوكانی والقاضی عبد الرحمن بن احمد الحسن البهكلی والشيخ عبد الله بن محمد بن اسماعيل الاميراليمانی والشيخ محمد عابد بن احمد علی السندی

---

❶ غداروں کے خطوط۔ص ۱۷۲

وكلهم اجازوه اجازة عامة سنة ثمان وثلاثين ثم لحق بالقفل المذكور بمدينة مخا ورجع الى الهند وسافر الى الحجاز سبع مرات۔ وكان السفر السابع سفره من الدنيا الى الآخرة۔

قال محمد بن عبد العزيز الزينبى فى ثبته : هو شيخى على الحقيقة وقائدى الى هذه الطريقة ولم ار بعينى افضل منه ، سمعت منه الحديث المسلسل بالأولية عند قدومى عليه من لفظه وذالك فى ربيع الأول سنة سبع وسبعين ومأتين وألف وقرأت عليه الكثير واجازنى بجميع مروياته وكتب لى الاجازات اكثر من عشرمرات وكلها موجودة عندى ۔

وكان ولادته سنه ست ومأتين والف كما سمعت ذالك منه ۔ وتوفى بمنى محرماً فى ثانى ذى الحجة عام ست وسبعين ومأتين والف يوم الخميس ودفن على باب مسجد الخيف ليلة الجمعة وكنت حاضراً اذ ذاك۔ وكان ارتحل الى اليمن وسمع و ادرك منهم : السيد عبد الله بن الامير والشيخ محمد بن على الشوكانى والشيخ عبد العزيز والشيخ عبد القادر واضرابهما من اهل الهند ۔ انتهى ۔

وللشيخ عبد الحق رسالة فى قصة سفره الى صنعاء اليمن ورجوعه منها الى بلاد الهند ...... وكان عبد الحق بن فضل الله لا يتقيد بمذهب ولا يقلد احداً فى شىء من امور دينية بل يعمل بنصوص الكتاب والسنة ويجتهد برأيه ولذلك جرت بينه وبين الاحناف مباحثات كثيرة فى الاجتهاد والتقليد ۔ ومن مصنفاته الدر الفريد فى المنع عن التقليد۔

توفى محرما بمنى فى ثانى ذى الحجة عام ست وسبعين ومأتين وألف يوم الخميس ودفن على باب مسجد الخيف ليلة الجمعة ۔ ❶

جناب محمد عبدالحلیم چشتی نے حیات وحید الزمان میں ایک جگہ جناب عبدالحق بنارسیؒ کے حالات یوں لکھے ہیں:

عبدالحق بن فضل اللہ نیوتنوی بنارسی کی ولادت ۱۷۹۱ء۔۱۲۰۶ھ میں ہوئی۔ بچپن ہی میں حدیث سے لگاؤ پیدا ہوگیا اور اس کی تحصیل کے لئے سفر کی صعوبتیں برداشت کیں دہلی جا کر شاہ اسماعیلؒ کے ساتھ شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ سے حدیث پڑھی سید احمد شہیدؒ کی معیت میں حج کیا۔

---

❶ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۶۶-۲۷۲

۱۸۲۲ء میں صنعا چلے گئے اور قاضی شوکانیؒ سے حدیث کی سند لیکر ہندوستان آئے۔ علامہ عابد سندھیؒ اور عبداللہ بن محمد اسماعیل الامیرؒ سے بھی روایت حدیث کی اجازت ہے۔ سنت کے متبع اور توحید کے بڑے دلدادہ تھے مزاج کے بھی تیز تھے۔ تقلید اور عدم تقلید کے مسائل میں بڑے متشدد تھے مگر اسکے باوجود بعض مسائل میں احناف کے ہم نوا بھی تھے۔ فجر کی نماز میں اسفار کے قائل تھے۔ سات مرتبہ حج کیا۔ مولوی رحمان علی کا بیان ہے ۸ ذی الحج ۱۲۸۶۔ ۱۸۶۹ء حج کی نیت سے روانہ ہوئے، بمبئی میں انتقال ہوا اور مسجد الخیر میں دفن ہوئے لیکن صدیق حسنؒ نے لکھا ہے ۱۲۸۷ھ۔ ۱۸۷۰ء میں قیام عرفات ومزدلفہ کے بعد منی میں انتقال فرمایا چوں کہ نواب صاحب، موصوف کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اس لئے نواب صاحب کا بیان زیادہ معتبر ہے...... ہمارے خیال میں یہاں تصحیف ہوئی۔ مسجد الخیف کو مسجد الخیر اور منی کو بمبئی پڑھا گیا جس سے یہ تضاد نظر آتا ہے۔ عبدالحق صاحب نے رد تقلید میں الدر الفرید فی المنع عن التقلید نامی رسالہ لکھا تھا جس کا ردسواء الطریق کے نام سے مولوی تراب علی لکھنوی نے عبدالقادر سندیلوی کے نام سے لکھا تھا۔ ❶

جناب غلام رسول مہرؒ نے ❷ لکھا ہے:

ان کے والد شیخ فضل اللہ کا اصل وطن نیوتنہ ضلع اناؤ تھا لیکن انہوں نے بنارس میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس وجہ سے مولوی عبدالحق دونوں نسبتوں سے مشہور ہوئے۔ سید صاحب کے ساتھ سفر حج میں جب کلکتہ پہنچے تو بعض آدمیوں سے مذہبی جھگڑا ہوگیا۔ حجاز کی فضا اس زمانے میں اہل نجد کے لئے بڑی ناسازگار تھی کوئی شخص غیر شرعی مراسم یا بدعات کے رد وابطال میں ذرا سرگرمی دکھاتا تو سمجھ لیا جاتا، کہ نجدی یا وہابی ہے، چنانچہ مولوی عبدالحق بھی مورد عتاب بنے اور ان پر مقدمہ قائم ہوگیا۔ مولانا عبدالحیؒ نے ضمانت دے کر چھڑایا۔ پھر خود ہی جواب دہی کی اس طرح مولوی عبدالحق رہا ہوئے۔ پھر وہ مکہ معظّمہ سے صنعاء چلے گئے اور قاضی شوکانی سے حدیث کی سند لے کر ہندوستان آئے۔

---

❶ حیات وحید الزمان ص ۲۱ حاشیہ

❷ جماعت مجاہدین۔ص ۲۷۷

جناب مہر نے جناب عبدالحق کے بھائی حافظ عبداللطیف کے حالات بھی لکھے ہیں جو یوں ہیں:

مولوی عبدالحقؒ کے بھائی حافظ عبداللطیفؒ تھے۔ان کے مزاج میں بھی خاصی تیزی تھی۔سید احمدؒ صاحب کے قیام چارسدہ کے دوران ایک شخص پکڑا آیا تھا جس پر جاسوس ہونے کا شبہ تھا۔حافظ عبداللطیفؒ نے اسے قتل کر دینے کی تجویز پیش کی تھی۔سید صاحبؒ نے اسے چھوڑ دیا۔سرحد میں اسقاط رائج تھا۔یعنی جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کے وارث علماء کی مجلس بٹھاتے۔اور اس کے گناہوں کی بخشائش کیلئے قرآن دیتے۔دستور یہ تھا کہ ایک عالم قرآن ہاتھ میں لے کر دوسرے کو دیتا، دوسرا تیسرے کو۔اسی طرح دور پورا کر کے قرآن پہلے عالم کے پاس آجاتا۔سمجھا جاتا کہ یوں متوفی کے گناہ ساقط ہو گئے۔حافظ عبداللطیف بھی ایک مرتبہ ایسی مجلس میں جا بیٹھے۔قرآن ان کے پاس آیا تو لے کر چل دیئے ......ان کا مقصود یہ تھا کہ رسم اسقاط کی غیر شرعی حیثیت واضح ہو جائے۔ ❶

عبدالحکیم سیالکوٹی

شاہ جہان نامہ میں لکھا ہے کہ بادشاہ کا سولہواں سن جلوس جو یکم جمادی الثانی ۔ ۲۷، ۱۰۵۲ء۔اگست ۱۶۴۲ءکو شروع ہوا،اس سال جمادی الثانی (ستمبر).جامع الکمالات عالم بے نظیر ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو حضرت (شاہجہان) نے چاندی میں تلوادیا۔ چھ ہزار روپئے چڑھے، جو اسے عطا فرمائے۔ ❷

عبدالحق حقانی دہلوی

عالم فقیہ عبدالحقؒ بن محمد امیر حنفی دہلوی مشہور مفسر قرآن انبالہ کے دیہات گمتھلہ میں رجب ۱۲۶۷ھ میں پیدا ہوئے۔کانپور میں مولوی عبدالحق بن غلام رسول کان پوری سے کچھ درسی کتابیں پڑھیں۔بڑی کتابیں مولوی لطف اللہ علی گڈھی سے پڑھیں۔پھر مراد آباد جا کر مولوی عالم علی نگینوی سے صحاح کی کچھ کتابیں پڑھیں پھر دہلی گئے اور وہاں سید نذیر حسین محدثؒ سے درس حدیث لیا اور مدرسہ فتح پوری میں مدرس ہوئے ایک مدت تک پڑھایا۔

---

❶ جماعت مجاہدین۔ص ۲۷۷ ❷ شاہ جہان نامہ۔ص ۳۵۸

دہلی میں سکونت اختیار کر لی، وہیں شادی کی۔ مدرسہ کو چھوڑ کر تصنیف کے شغل میں لگ گئے۔ حیدر آباد سے وظیفہ مقرر ہوا کتابیں تصنیف کرتے رہے۔ مباحثہ میں سرگرم رہتے۔ شمس العلماء کا خطاب ملا۔ تصانیف میں التعلیق النامی علی الحسامی، اصول الدین، البیان فی علوم القرآن اردو۔ فتح المنان اردو تفسیر جو تفسیر حقانی کے نام سے مشہور ہے۔ انتقال ۱۳۳۵ھ میں ہوا۔ [1]

جناب عبدالعزیز رحیم آبادیؒ کے مقابل مرشد آباد کے مشہور مناظرہ میں احناف کی طرف سے پیش ہوئے تھے۔ اس مناظرے میں احناف کو شکست ہوئی تھی اور اس کی وجہ سے اس دیار کے بہت سے لوگ عامل بالحدیث ہو گئے تھے۔

جناب عبدالحق حقانیؒ رد قادیانیت میں سرگرم رہے ہیں اور اس کا حال ہم تحریک ختم نبوت میں بیان کر چکے ہیں۔

آپ نے شاہ ولی اللہؒ کے حجۃ اللہ البالغہ کا اردو ترجمہ کیا تھا جو ہمارے زیر استعمال ہے اور ہم نے کئی جگہ ان کی ترجمہ شدہ عبارات نقل کی ہیں۔

عبدالحلیم شرر

صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

عبدالحلیم بن تفضّل حسین بن محمد بن نظام الدین، فنون ادبیہ کے مشہور علماء میں سے تھے ۱۲۷۶ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۸۵ھ میں کلکتہ گئے اور اپنے والد سے کچھ پڑھا پھر مرزا محمد علی شیعی کی صحبت میں رہے اور ان سے درسی کتابیں شرح سلم حمد اللہ تک پڑھ کر لکھنؤ واپس آئے۔ بقیہ کتابیں عبدالحی بن عبدالحلیم سے پڑھیں اور ادبی فنون مفتی عباس بن علی شیعی تستری سے حاصل کئے پھر دہلی گئے اور سید نذیر حسین دہلوی سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان کی صحبت میں دو سال رہے۔ لکھنؤ آئے ایک زمانہ تک ہفتہ وار اودھ میں مضمون لکھتے رہے پھر اپنے پیسے سے ہفتہ وار محشر نکالا اور ایک رسالہ روایہ غرامیہ لکھا جو بہت مقبول ہوا پھر اور تصنیفات کیں۔

---

[1] نزھۃ الخواطر۔ ج ۸۔ ص ۳۱۴۔ ۳۱۵

آپ نے روایات (احادیث) کو ترجیح دینے کو مقدم رکھا۔ایک اور رسالہ بھی نکالا جس کا نام مہذب رکھا ایک ماہوار رسالہ دل گداز نکالا جو صرف ادبی مباحث کے لئے تھا، کئی بار حیدر آباد دکن گئے وہاں کے ایک نواب کے بیٹے کے ساتھ انگلینڈ گئے اور دو سال وہاں رہے انگریزی سیکھی، سندھ کی تاریخ لکھی، پھر ارض مقدسہ کی تاریخ لکھی۔۱۳۲۳ھ میں لکھنو واپس آئے تین برس بعد پھر مولوی عزیز مرزا کے بلانے پر حیدر آباد گئے۔ایک سال رہے، پھر لکھنو آگئے۔۱۳۳۶ھ میں حیدر آباد کے نظام نے بلا بھیجا اور تاریخ اسلام کی تصنیف کا ارشاد فرمایا۔ ۵۰۰ روپیہ ماہوار مقرر کیا اور لکھنو آکر اس کام میں مصروف ہوگئے۔تصانیف میں سیرت جنید، سیرت شبلی، سیرت معین الدین چشتی، وغیرہ ہیں۔تاریخ سندھ دو جلدوں میں ہے اور تاریخ ارض مقدس پانچ حصوں میں، جن میں سے پانچواں حصہ نبی اکرم ﷺ کی سیرت ہے۔آپ کی وفات ۱۳۴۵ھ میں ہوئی۔ ❶

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی کتاب التوحید کا پہلا اردو ترجمہ آپ نے کیا۔میاں نذیر حسین محدثؒ کے ایک عرب شاگرد سے یہ کتاب حاصل کی اور اسے اردو میں منتقل کر دیا۔ جسے جناب تلطف حسین بہاریؒ نے شائع کیا۔

اس ترجمہ کے ذریعے جناب شرر نے نجد کی اس جماعت کے بارے میں شکوک وشبہات کا ازالہ کیا اور برصغیر کے مسلمانوں کے سامنے یہ بات خوب اچھی طرح واضح کردی کہ اہل نجد کا عقیدہ، وہی عقیدہ ہے جو دین اسلام کی بنیاد اور تمام انبیاء کی دعوت کا خلاصہ ہے۔یاد رہے کہ اس وقت موجودہ سعودی حکومت کا کہیں نام ونشان بھی موجود نہ تھا کہ انہیں کہیں سے مادی صلے کی توقع ہو اور ان دنوں اس کتاب کا ترجمہ کرکے ہندی مسلمانوں میں متعارف کرانا ان کی ایک بڑی بے لوث اسلامی خدمت تھی۔

جناب شررؒ مورخ، سوانح نگار، صحافی، ناول نگار، ڈرامہ نگار، شاعر، نقاد، اور مصلح تھے۔۱۰ جنوری ۱۸۶۰ء کو لکھنو کے محلّہ جھوائی ٹولہ میں پیدا ہوئے۔۵ سال کے ہوئے تو اپنے نانا قمر الدین کے بڑے بھائی مولوی حفیظ الدین سے پڑھنا شروع کیا۔

---

❶ نزہۃ الخواطر۔ج ۸۔ص ۳۰۶۔۳۰۸

والد ان دنوں کلکتہ تھے انہوں نے آپ کو ۱۸۶۷ء یا ۱۸۶۹ء کو کلکتہ بغرض تعلیم بلا لیا۔ وہاں ابتدائی کتابیں والد سے شروع کیں۔ اور حافظ الٰہی بخش سے مکمل قرآن پڑھا۔ اور ملا باقر سے صرف نحو اور منشی عبداللطیف سے فقہ کی کتابیں۔

ان ایام میں مٹیا برج میں مولانا سید حیدر علی نظم طباطبائی بعض شاہزادوں کی تعلیم پر متعین تھے آپ نے ان سے قطبی اور میبذی پڑھی۔ وہیں مٹیا برج میں مولانا محمد حیدر سے انگریزی اور حکیم محمد مسیح سے علم طب حاصل کیا۔ اس دوران لکھنو بھی آتے جاتے رہے اور وہاں مولانا محمد یحی اور مولانا عبدالباری صاحبان سے ملاحسن، نورالانوار اور ہدایہ پڑھی۔ اس وقت پندرہ سال عمر ہوگئی تو شاہی ملازمین میں شامل ہوگئے۔ یہ پہلی ملازمت تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ مرزا محمد علی مجتہد العصر سے پڑھتے بھی رہے۔ اور ایک ایرانی عالم مرزا ہدائت اللہ شیرازی سے ملا حسن اور شرح ہدایۃ الحکمۃ پڑھی اور سید جمال الدین سے مثنوی رومی اور مولانا تقی الدین سے شرح سلم، ملا حمد اللہ، قاضی مبارک پڑھیں۔ پھر آپ نے ۱۸۷۶ء میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی کے حلقہ درس میں شرکت کی۔

ان کے قیام کلکتہ کے دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کا انکی آئندہ زندگی پر اثر پڑا۔ اہل حدیث اور حنفی حضرات کا ایک مناظرہ تھا جس میں آپ ایک دوست کے ساتھ شریک تھے۔ مناظرہ یوں ہوا کہ دونوں فریقوں نے آمنے سامنے بیٹھ کر رو در رو زبانی بحث کی۔ احناف کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد تحریری سوال و جواب ہوئے جس کے بارے میں شرر لکھتے ہیں:

اہل حدیث نے خوشی کے نعرے بلند کرنا شروع کئے اور حنفی اپنی ناکامی پر نہائت پریشان ہوئے۔ چنانچہ حنفیوں کی طرف سے مولوی عبدالحکیم نام کے ایک بنگالی طالب علم جو مجھ سے ہدیہ سعیدیہ پڑھتے تھے جوش میں بھرے ہوئے میرے پاس آئے اور کہنے لگے اگر آپ مدد دینے کا وعدہ کریں تو میں ان لوگوں سے تحریری مناظرے کا وعدہ لے لوں۔ میں نے کہا کہ ضرور وعدہ لے لیجئے اور انہوں نے فوراً مولوی رحیم بخش کے پاس جا کر کہا کہ اگر آپ کو دعوی ہے تو مجھ سے تحریری مناظرہ کیجئے اور انہوں نے قبول کرلیا۔ بس اس کے بعد ہم سب اس رزم گاہ سے اپنے گھروں کو واپس آئے۔

تین چار روز کے بعد مولوی عبدالحکیم صاحب میرے پاس مولوی رحیم بخش کی ایک تحریر

لئے ہوئے آئے جو عربی میں تھی اور اس میں لکھا تھا:

اے عبدالحکیم اگر تو اپنے باپ کے نطفے سے ہے تو نماز میں مردوں کا ناف کے نیچے اور عورتوں کا سینے کے اوپر ہاتھ باندھنا ثابت کر دے۔

جواب لکھنے کا بار میرے سر تھا اور میں حدیث سے نا آشنا محض تھا۔ ہاں ادب میں تھوڑی بہت قابلیت رکھتا تھا...... اس تحریر کی عبارت ایسی ہی تھی جیسی کہ مولوی رحیم بخش صاحب سے امید کی جا سکتی تھی۔ اس لئے کہ اس میں کوئی جملہ نہ تھا جس میں چھ سات غلطیاں نہ ہوں، مگر نفس مسئلہ کے جواب کے لئے کتب حدیث کے مطالعہ کی ضرورت تھی۔ میں قبلہ و کعبہ مرزا محمد تقی کے یہاں سے بخاری و مسلم مع نووی لے آیا اور ان کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ساتھ مولوی عبدالحکیم نے مجھے مدرسہ فتح پوری دہلی کے ایک مدرس مولوی محمد شاہ کی ایک کتاب لا دی جس میں فقہ حنفیہ کے مختلف مسائل حدیثوں سے ثابت کئے گئے ہیں۔ اب میں نے غور سے دیکھا تو نظر آیا کہ مولوی محمد شاہ کو اس مسئلہ کے ثابت کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی اور بخاری و مسلم میں تو کوئی ایسی حدیث نظر نہ آئی جس کو پیش کر کے مولوی رحیم بخش کی تردید کی جا سکے۔

مگر جواب لکھنا ضروری تھا چنانچہ میں نے تردید میں عربی میں ایک رسالہ لکھ دیا جس میں سینکڑوں ادبی غلطیاں بتائیں اور نفس مسئلہ میں محض قیاسی اجتہاد سے کام لیا۔ مولوی رحیم بخش صاحب اپنی بے انتہا غلطیوں کے باعث پھر کوئی جواب نہ دے سکے۔ فقط زبانی کہلا بھیجا کہ آپ نے کوئی حدیث نہیں پیش کی۔ اور مولوی عبدالحکیم اپنی جگہ پر بہت خوش ہوئے کہ پالا میرے ہاتھ رہا۔ مگر میری یہ حالت ہوئی کہ بخاری و مسلم کا مطالعہ شروع کیا اور جس قدر پڑھا اسی قدر نظر آتا گیا کہ حدیثیں ہمارے مسلک حنفیہ کے بالکل خلاف ہیں۔ چنانچہ اسی وقت سے آمین و رفع یدین کو شروع کر دیا۔ ❶

ابھی مولانا شرر کی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا کہ ۱۸۷۹ء میں ان کی شادی ہو گئی۔ اس سے ان کے ذوق علم میں کمی نہیں آئی بلکہ حدیث کی تعلیم کا ایسا شوق پیدا ہوا کہ اسی سال دلی جا پہنچے اور سید نذیر حسین کی خدمت میں حاضر رہ کر صحاح ستہ کی تعلیم مکمل کر لی۔ ❷

---

❶ عبدالحلیم شرر۔ من آنم کہ من دانم۔ اخبار دلگداز جولائی ۱۹۳۳ء

❷ شرر۔ آپ بیتی۔ اخبار دلگداز لکھنو۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

میاں صاحب کی صحبت میں گزرے ہوئے دو برسوں نے ان کی زندگی کی کایا پلٹ دی۔ یہاں مختلف ممالک کے طلباء سے انکا تعارف اور رابطہ ہوا۔ یہاں نجد کے دو طالب علم بھی تھے دونوں کا نام علی تھا اور وہ علیین کے نام سے مشہور تھے۔ان سے دوستی ہوگئی۔ان میں سے چھوٹے علی کے پاس شیخ محمد بن عبدالوہاب کی کتاب التوحید تھی جو شرر کے ہاتھ لگ گئی۔اس زمانہ میں مولوی فضل رسول بدایونی، شاہ اسماعیل شہید پر کیچڑ اچھالا کرتے تھے کہ ان کی تقویۃ الایمان شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کا ترجمہ ہے جو حج کے موقع پر شاہ اسماعیل کے ہاتھ لگ گئی تھی۔اور بدایونی صاحب نے ایک جعلی کتاب التوحید لکھ کر اسے شیخ محمد بن عبد الوہاب کی طرف منسوب کر کے پروپیگنڈہ کر رکھا تھا کہ یہی اصل کتاب التوحید ہے اور مزید یہ کہ اس جعلی کتاب کا جواب بھی رجم الشہاب کے نام سے شائع کرا کر اس کے ساتھ منسلک کر دیا تھا۔مولانا شرر، جناب بدایونی صاحب اور ان کے ہم نواؤں کے پروپیگنڈے سے متاثر تھے اور محمد بن عبدالوہاب اور انکی تعلیمات کو برا سمجھتے تھے۔اب انہوں نے اصل کتاب التوحید کا مطالعہ کیا تو شیخ محمد بن عبدالوہاب کے گرویدہ ہو گئے اور مولوی فضل رسول وغیرہ کے پروپیگنڈے کی قلعی کھولنے کے لئے سید تلطف حسین بہاری کی ایماء پر اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کر ڈالا جو ماہ صفر ۱۳۰۰ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوگیا۔ بقول شرر میں نے ترجمہ کیا اور وہ چھپ گئی اور یہی میری پہلی کتاب ہے جو شائع ہوئی۔ ❶

تکمیل تعلیم کے بعد ۱۲۹۹ھ میں دہلی سے لکھنو آ گئے اور چھ سات ماہ منشی احمد علی کسمنڈوی کی صحبت میں رہے اور انہیں کی تحریک پر اخبار تمنائی میں مضامین کا سلسلہ شروع کیا جو پورن چند عاجز کی نگرانی میں لکھنو کے ایک محلّہ نوبستہ سے ہفتہ وار شائع ہوتا تھا اور انہی کے مشورہ پر اپنا تخلص شرر اختیار کیا۔

۱۸۸۱ء میں منشی نول کشور کے ہاں ملازمت اختیار کر لی اور تھوڑے دنوں بعد تیس روپئے ماہور تنخواہ مقرر ہوگئی اور انکے اودھ اخبار کے نائب مدیر مقرر ہو گئے۔یوں صحافتی زندگی کا آغاز ہوگیا۔انہی ایام میں آپ کا ایک مضمون بعنوان روح اودھ اخبار میں شائع ہوا۔

---

❶ شرر۔آپ بیتی۔اخبار دلگداز نومبر ۱۹۳۳ء

سر سید احمد کو پسند آیا تو انہوں نے منشی نول کشور کو لکھا کہ اودھ اخبار میں روح پر جو مضمون چھپا ہے بہت اعلی درجہ کا ہے میں اپنی تفسیر میں اس کے چند خیالات کو لینا چاہتا ہوں۔ لہذا ان صاحب سے جن کا وہ مضمون ہے مجھے اخذ کرنے کی اجازت دلوا دیجئے۔ ❶

اس کے بعد شرر نے ۱۸۸۲ء میں اپنے ایک دوست مولانا عبدالباسط محشر کے نام سے ایک ہفت روزہ رسالہ محشر نکالا۔ اس کا ایڈیٹر اپنے دوست کو ظاہر کیا۔ اس میں اول تا آخر مولانا شرر ہی کے مضامین ہوتے۔ صاحب سیر المصنفین لکھتے ہیں:

محشر رنگین اور شاعرانہ مذاق کا پرچہ تھا جس میں بہت ہی نازک قسم کی خیال آرائیاں ہوتی تھیں۔ ایک زمانہ تک اس میں زمانہ کا جائزہ کے عنوان سے ایک نرالے مضمون کا سلسلہ جاری رہا۔ سب لوگوں نے عموماً اور انگریزی خوانوں نے خصوصاً ان مضامین کو بہت پسند کیا۔ ❷

جب رسالہ محشر ترقی کرنے لگا تو اس نے اودھ پر اثر ڈالا اس پر منشی نولکشور نے جناب شرر کو ۱۸۸۴ء میں اودھ کا نامہ نگار بنا کر حیدر آباد روانہ کر دیا۔ اس پر محشر بند ہو گیا۔

چند مہینے آپ حیدر آباد رہے۔ پھر واپس لکھنو آ گئے۔ اودھ سے مستعفی ہو گئے اور ناول نگاری شروع کی۔ پھر جنوری ۱۸۸۷ء سے اخبار دلگداز شروع کیا جو ۳۸ سال آب و تاب سے نکلتا رہا۔ اسی دوران ۱۸۹۰ء میں ایک ہفتہ وار اخبار مہذب بھی نکالا۔ اس میں علمی ادبی سیاسی تاریخی معاشرتی اور دینی ہر قسم کے مضامین شائع ہوتے۔ ۱۹۰۴ء میں ایک پندرہ روزہ رسالہ اتحاد نام کا جاری کیا لیکن ڈیڑھ سال بعد یہ بند ہو گیا۔ اس کے بعد العرفان مولوی سعید الحق کے نام سے جاری کیا وہ بھی ایک سال کے اندر بند ہو گیا۔ آپ کی وفات ۲۴ دسمبر ۱۹۲۶ء کو ہوئی آپ نے گراں قدر تصنیفات بھی چھوڑیں جن کی تعداد اسی سے زیادہ ہے۔ ❸

انیسوں صدی کا اخبار مہذب ۱۸۹۰ء میں مولوی عبدالحلیم شرر نے لکھنو سے ہفت روزہ جاری کیا۔ جو مواد اور خیالات کے لحاظ سے ایک اعلی پائے کا اخبار تھا۔

---

❶ محمد یحی تنہا۔ سیر المصنفین۔ ج ۲۔ ص ۵۸۸

❷ سیر المصنفین۔ ج ۲۔ ص ۵۸۸

❸ ماہنامہ محدث۔ بنارس۔ مارچ ۲۰۰۱ء

اس کا غالب حصہ اداریوں اور مضامین پر مشتمل ہوتا تھا اور قومی اور بین الاقوامی خبریں مختصر انداز میں دی جاتی تھیں۔ ملکی سیاسیات کے بارے میں ان کی پالیسی یہی تھی کہ مسلمانوں کو کانگریس سے الگ رکھا جائے...... ہندو مسلم چپقلش پر شرر نے شذرات وقتاً فوقتاً لکھے ان میں واضح طور پر دو قومی نظریہ کی طرف بھی بعض اشارات ملتے ہیں۔ مہذب میں ادبی علمی تاریخی سیاسی معاشرتی اور دینی ہر قسم کے مضامین چھپتے تھے اور پرچہ سولہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔

شرر کی ادبی زندگی کا آغاز بھی صحافت سے ہوا تھا اور منشی احمد علی کسمنڈوی کی صحبت میں انہوں نے اخبارات میں مضامین بھیجنا شروع کئے تھے۔ اسی زمانے میں منشی نول کشور نے انہیں اودھ اخبار کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں لے لیا تھا۔ شرر زمانے اور پبلک کے ذوق کے بڑے نباض تھے۔ انہوں نے لطیف خیال آرائی کو سادہ اور دل کش اسلوب بیان کے ساتھ کچھ ایسے انداز میں سمویا کہ پورے ملک میں ان کی مضمون نگاری کی دھوم مچ گئی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا ہفتہ وار اخبار محشر جاری کیا جو مقبول ہوا۔ ۱۸۸۷ء میں رسالہ دلگداز جاری کیا جس نے اردو کی تاریخی خدمت انجام دی۔ ان کی شہرت اور قسمت کی یاوری نے انہیں حیدر آباد پہنچا دیا۔ شرر بڑے ذہین اور محنتی انسان تھے۔ قلم کی روانی کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں صفحات پر مضمون نگاری کے دریا بہا دیئے۔ تاریخ سوانح مذہب اور اصلاح علمی و ادبی مسائل ادب لطیف اور ناول غرض کہ ان کی جولانیوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ مطالعہ وافر حافظہ قوی اور قوت ادراک بہت تیز تھی بے تکلف لکھتے تھے اور خوب لکھتے تھے۔ شرر کو شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ نظم طبا طبائی کے شاگرد تھے۔ ۱۸۹۵ء میں وقار الامرا کے لڑکوں کے اتالیق کی حیثیت سے انگلستان گئے جہاں انہوں نے فرنچ زبان سیکھی۔ ۱۹۰۲ء میں شرر حیدر آباد سے لکھنو آ گئے اور باقی پوری زندگی علم و ادب کی خدمت میں صرف کی۔ وفات ۱۹۲۶ء میں ہوئی۔ ❶

عبدالحی بڈھانوی

جناب بڈھانویؒ، شاہ عبدالعزیز محدثؒ کے شاگرد اور داماد ہیں۔ بڑے مناظر تھے۔ مدت تک درس و تدریس میں مصروف رہے۔

---

❶ مولانا ظفر علی خان بحیثیت صحافی۔ نظیر حسین زیدی۔ ص ۴۱۔۴۲

سید احمد بریلویؒ سے بیعت ہوئے پھر کبھی ان سے علیحدہ نہ ہوئے۔ ان کے ساتھ حج کیا۔ ان کے ساتھ وعظ کہتے رہے۔ سید احمد بریلویؒ کے ساتھ سرحد گئے اور وہیں وفات پائی۔ ❶

جناب غلام رسول مہرؒ نے لکھا ہے کہ آپ بڈھانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی آپ کے پھوپھا بھی تھے اور سسر بھی۔ نسباً صدیقی تھے۔ تعلیم دہلی میں خود شاہ عبدالعزیز سے پائی۔ انگریزوں نے شمالی ہند میں کوشش کی تھی کہ بڑے علماء افتاء و صدارت کے مناصب قبول کریں۔ میرٹھ میں مفتی عدالت کا عہدہ خالی ہوا تو شاہ عبدالعزیز کی اجازت سے آپ کچھ عرصہ میرٹھ میں مفتی عدالت رہے۔

جب سید احمد بریلوی، نواب امیر خان کا ساتھ چھوڑ کر دہلی آ گئے تو آپ بھی ان سے بیعت ہوئے۔ سید صاحب کے ساتھ حج کیا اور حجاز میں تھے جب یمن کے مشہور محدث قاضی محمد بن علی شوکانی سے مکاتبتاً حدیث کی سند لی، اور ان کی کتاب موضوعات، آپ ہی ہندوستان لائے۔ رد بدعات، احیائے سنن اور ترغیب جہاد میں وعظ کرتے رہے۔ مولوی رشید الدین سے بدعات و محدثات کے متعلق آپ کا اور شاہ اسماعیل کا ایک مناظرہ بھی ہوا تھا۔ سید احمد کے سفر سرحد کے بعد آپ نے بھی سفر سرحد کیا۔ وہاں ۵ ماہ سید صاحب کے ساتھ رہے اور کچھ عرصہ علیل رہ کر ۲۴ فروری ۱۸۲۸ء کو فوت ہوئے۔ آپ سید احمد شہید کی کتاب، صراط مستقیم کی ترتیب میں بھی شامل رہے۔ کتاب کا ایک حصہ شاہ اسماعیل کا مرتب کردہ ہے اور دوسرا آپ کا۔ قیام حرمین کے زمانے میں جناب عبدالحی نے صراط مستقیم کا ترجمہ عربی میں کر دیا تھا۔ ❷

جناب مہر نے لکھا ہے کہ سفر حج میں قیام حجاز کے دوران سید احمد نے تجویز پیش کی کہ یہ متبرک مقام ہے، وقت فرصت غنیمت ہے، کوئی درس شروع کر دینا چاہیے۔ چناں چہ مولانا عبدالحیؒ نے مشکوۃ کا درس شروع کر دیا اور شاہ اسماعیلؒ نے حجۃ اللہ البالغہ کا۔ حج کے بعد بھی یہ درس بدستور جاری رہے۔

---

❶ آثار الصنادید۔ ص ۵۵

❷ جماعت مجاہدین۔ ص ۱۱۱۔ ۱۱۵

مولانا عبدالحیؒ کو سفر ہجرت میں بڑی مشکلات پیش آئی تھیں۔ خاصا وقت بہاولپور میں گزرا۔ ۱۳ روز بلوچستان کے بھاگ میں رہے ۲۵ روز حاجی میں گزارے۔ دو مہینے مٹھڑی میں قیام کیا۔ ۸ رجب کو قندھار گئے۔ ۱۶ رمضان کو وہاں سے چل کر ۵ شوال کو کابل اور پھر جلال آباد، سوات کے راستے میں سید صاحب سے ملاقی ہوئے۔ ❶

عبدالحی فرنگی محلی

آپ حنفی المسلک تھے لیکن متعصب نہ تھے۔ ہر حال میں دلیل تلاش کرتے جب اپنے مذہب کے خلاف کوئی دلیل صریح پا لیتے تو تقلید کو چھوڑ دیتے۔ آپ نے اپنی کتاب نافع کبیر میں فرمایا کہ جب اللہ تعالی نے فن حدیث یا فقہ حدیث میں کسی مسئلہ کی طرف توفیق بخشی۔ اور کسی بھی ایسے مسئلہ میں جس کی اصل کسی حدیث یا آیت میں نہ پائی گئی ہو اور حدیث صریح کے خلاف ہو تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں اور میں یہ گمان کرتا ہوں کہ مجتہد نے جو کچھ کہا اس میں وہ معذور ہے بلکہ اس فیصلہ پر اجرت بھی اللہ کی طرف سے ملی ہے لیکن میں تو عوام کو کسی بھی قسم کی تشویش میں نہیں ڈالتا۔ وہ تو جانوروں کی طرح ناسمجھ ہیں، بلکہ میں ان کی عقل کے مطابق ہی باتیں کرتا ہوں۔

جناب عبدالحیؒ نے فوائد بہیہ میں عصام بن یوسفؒ کے حالات میں لکھا ہے:

اگر کوئی حنفی اگر کسی قوی دلیل کی بنا پر اپنے امام کے مسلک کے خلاف کرتا ہو تو اس کی وجہ سے وہ تقلید کا مخالف نہیں ہو سکتا ہے بلکہ وہ ترک تقلید کی صورت میں عین تقلید کر رہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ عصام بن یوسفؒ نے ابوحنیفہؒ کے مذہب کو عدم رفع کے معاملہ میں چھوڑ دیا ہے (یعنی رفع یدین کر لیا) اس کے باوجود وہ حنفی ہی شمار ہوتے ہیں اور اس کی تائید میں وہ واقعہ ہے جو ہمارے قابل لوگوں میں قابل اعتماد اصحاب فتوی نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے ایک دن امام شافعیؒ کی دو قلہ پانی کو پاک کہا ہے (جب کہ اس میں پیشاب مل گیا تھا)۔

آپ کی وفات ۱۳۰۴ھ میں ہوئی۔ عمر انتالیس برس ہوئی۔ ❷

---

❶ جماعت مجاہدین۔ ص ۳۰۸

❷ نزہۃ الخواطر۔ ج ۸۔ ص ۳۱۸۔ ۳۲۲

صاحب نزھۃ الخواطر نے بتایا ہے کہ جناب عبدالحی فرنگی محلی کو دلیل پا لینے کے بعد حنفی مسلک کی پرواہ نہیں ہے، ان کے اس طرزِ عمل کی مثالیں بہت ہیں، مثلاً انہوں نے عمدۃ الرعایہ (جلد اص ۲۵۳) میں جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کے مسلک کو دلیل کے اعتبار سے قوی قرار دیا ہے۔ اور موطا امام محمد کے حاشیہ میں لکھا ہے فاتحہ پڑھنا ہی اولی ہے کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سے ثابت ہے:

انہوں نے یہاں تک کہا ہے کہ متاخرین علماء احناف نے جو جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے تو علامہ حسن الشرنبلالی نے اس کی تردید میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے النظم المستطاب بحکم القراءۃ فی صلوۃ الجنازۃ بام الکتاب۔ ❶

جن علماء احناف نے فاتحہ پڑھنے کی تاویل یوں کی ہے کہ بطور ثنا فاتحہ پڑھی جائے۔ ان کی تردید میں مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

اگر اس قسم کی تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے تو بہت سی مسنون قرأت بھی ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ پھر یہ دعوی فی نفسہ باطل ہے کیونکہ نیت کا تعلق تو باطن سے ہے جس پر نیت کرنے والے کے بتلائے بغیر مطلع ہونا ممکن نہیں۔ ❷

جناب ارشاد الحق اثری نے مسلک احناف اور مولانا عبدالحی لکھنوی کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس پر جناب محمد اسحاق بھٹی نے تبصرہ کیا جو الاعتصام لاہور میں شائع ہوا۔ اس تبصرے کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

جناب ارشاد الحق اثری نیکی اور صالحیت کے اوصاف سے متصف ہیں اور انہیں بارگاہ خداوندی سے تحقیق و کاوش کی نعمت سے بھی بہرہ ور کیا گیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں انہوں نے وضاحت کے ساتھ ان مسائل کا ذکر کیا ہے جو اہل حدیث اور احناف کے درمیان اختلاف کا موضوع ہیں۔ جنہیں مولانا لکھنوی نے اپنی تصنیفات میں ہدف بحث ٹھہرایا ہے اور ان میں اہلحدیث کے نقطہ نظر کو قرین صواب قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ نقطہ نظر نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ اور آپ کے عمل و ارشاد کے عین مطابق ہے۔

---

❶ التعلیق المجد ص ۱۶۵

❷ غیث الغمام۔ص ۳۱۸) (محدث۔ لاہور۔ مئی ۲۰۰۱ء

مولانا لکھنوی ۱۲۶۴ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔آپ نے والد مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی لکھنوی اور بعض دوسرے اکابر سے تحصیل علم کیا دو دفعہ حج کیا دوسری مرتبہ ۱۲۹۲ھ میں حج کیا تو وہاں کے علما سے حصول فیض کیا اور سندات حاصل کیں۔ جوانی کے ابتدائی دور ہی میں تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔عربی، فارسی، اردو میں لکھا اور ایک سو سات یا ایک سو دس کتابیں تصنیف کیں۔۱۳۰۴ھ میں ۴۰ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔آپ فقہی اعتبار سے حنفی تھے لیکن انہوں نے تمام مسائل پر حدیث کی روشنی میں غور فرمایا۔ یہ مسائل جن میں آپ نے اقوال آئمہ حنفیہ پر حدیث کو ترجیح دی یا جن میں ضعیف احادیث کے مقابلے میں صحیح احادیث بیان فرمائی ہیں، تعداد میں سو کے قریب ہیں۔ارشاد الحق اثری نے نہائت محنت کر کے مولانا لکھنوی کی تصانیف سے تلاش کر کے اپنی زیر نظر کتاب میں درج کئے ہیں ان میں چند مسائل یہ ہیں۔

پانی کی طہارت۔گردن کا الٹے ہاتھ سے مسح کرنا۔تیمّم کا طریقہ۔نبیذ سے وضو۔ترجیع اذان۔ بارش میں اذان دیتے وقت الا صلوا فی الرحال کہنا۔دو نمازوں کا جمع کرنا۔فجر کی سنتوں کے بعد دائیں پہلو پر لیٹنا۔فجر کی سنتیں نماز کے بعد پڑھنا۔زبان سے نماز کی نیت۔ نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں۔ فاتحہ خلف الامام۔آمین بالجہر۔جلسہ استراحت۔نماز میں آیات ترغیب و ترہیب کا جواب۔ دو سجدوں کے درمیان دعا۔تشہد میں اشارہ سبابہ۔ جمعہ فی القریہ۔جمعہ کے لئے شہر کی شرط۔قضا نماز میں ترتیب۔نماز استسقاء۔چادر بدلنا۔تکبیرات عید۔نماز کسوف کا طریقہ۔طلاق ثلاثہ۔مفقود الخبر شوہر کی بیوی کے بارے میں حکم۔کم سے کم مہر کی تعیین وغیرہ۔

جناب ارشاد الحق اثری نے تمام مسائل میں مولانا لکھنوی کے رقم فرمودہ الفاظ نقل کئے ہیں اور انکا پورا پورا حوالہ دیا ہے۔عربی اور فارسی عبارتوں کا اردو ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ ❶

عبدالرحمٰن پانی پتی

عبدالرحمٰنؒ بن محمد نے فن قرأت امام الدین امروہی سے سیکھا۔والد سے نحو وغیرہ پڑھی۔

---

❶ ہفت روزہ الاعتصام۔لاہور۔یکم ستمبر ۲۰۰۰ء

کچھ رشید الدین دہلوی سے بھی استفادہ کیا۔ کتب معقول و منقول جناب مملوک علی سے پڑھیں۔ جناب شاہ اسحاق بھی آپکے استاد ہیں۔ ۱۲۷۳ھ تک ریاست باندہ میں رہے۔ پھر پانی پت لوٹ آئے۔ ۱۳۱۴ھ میں وفات پائی۔ ❶

جناب حبیب الرحمٰن شروانی، قاری عبدالرحمٰن سے پانی پت میں اپنی ایک ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں:

اثنائے گفتگو میں شاہ عبدالعزیز کا ذکر فرمایا کہ شباب میں بینائی بالکل جاتی رہی تھی۔ اکثر تصانیف حالت نابینائی کی ہیں۔ میں نے شاہ صاحب کے کتب خانہ کا حال پوچھا تو فرمایا کہ جو بہت پسندیدہ کتابیں تھیں وہ شاہ اسحاق مرحوم بوقت ہجرت اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اور وہ وزن میں نو من تھیں، باقی کتابیں میں نے اور نواب قطب الدین خان صاحب نے ہراج (نیلام) کر دی تھیں۔ اپنے تلمذ کے متعلق فرمایا کہ میں نے صحاح ستہ شاہ اسحاق صاحب سے پڑھیں۔ اور پھر سالہا سال تک مدرسہ میں صبح سے عشاء تک حاضر رہا۔ اس حاضری میں بہت سی کتابیں سماع میں آئیں۔ کلام مجید کی تفسیر تمام و کمال جناب میاں صاحب موصوف (شاہ اسحاق) کی زبان سے وعظ میں سنی۔

(شروانی بتاتے ہیں)...... قاری صاحب کو اجازت حدیث مشائخ عرب سے بھی حاصل تھی جن میں سے بعض کی سند کا سلسلہ شیخ ابراہیم کردی سے تھا اور بعض کا شیخ ابوطاہر سے...... ملاقات کے وقت قاری صاحب کا سن نوے برس تھا۔ قصبہ (پانی پت) میں کچھ املاک تھیں اس سے بفراغت بسر ہوتی تھی۔ ❷

سید عبدالحی نے آپ کو فقہ میں افضل عصر کہا ہے اور لکھا ہے:

مولانا مملوک علی نانوتوی سے تمام کتب درسیہ کی تحصیل کی پھر شاہ اسحاق صاحب کی مخصوص توجہ حاصل کی۔ پھر باندہ میں ۱۲۷۳ھ تک مقیم رہے۔

---

❶ نزہۃ الخواطر جلد ۸ ص ۳۲۹۔۳۳۰

❷ یہ یادداشت ملاقات کے تیسرے روز ۱۱ رجب ۱۳۱۱ھ کو کتاب پر قلم بند کی گئی۔ شروانی۔ مقالات شروانی ص ۲۷۹۔۲۸۲۔ (صدر یار جنگ۔ ص ۵۳)

نواب ذوالفقار الدولہ نے وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ پھر اپنے وطن میں آ کر مقیم ہو رہے اور فقہ حنفی کا مرجع بن گئے۔ آپ نہائت متقی اور قانع تھے۔ آپ کا تمام وقت کتاب وسنت کے لئے وقف تھا۔ آپ کے وقت علمائے احناف میں سے شائد ہی کوئی ہو جس نے آپ سے استفادہ نہ کیا ہو...... مذہب حنفی اور اختلافی مسائل میں ان کے کچھ رسالے بھی ہیں۔ آپ کی وفات ۵ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ کو پانی پت میں ہوئی۔ ❶

○ جناب پانی پتی بڑے متشدد حنفی تھے۔ اور عاملین بالحدیث پر بہت سخت تھے۔ ان کی سختی کی وجہ سے سید نذیر حسین دہلوی نے ایک مرتبہ انہیں ایک خط لکھا جو درج ذیل ہے۔

از عاجز محمد نذیر حسین

بمطالعہ گرامی مولوی قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی وفقہ اللہ تعالی بعد السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ

واضح باد کہ آنصاحب درحق معتقدین مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کہ در رفع الیدین و جہر بالتامین میکنند، حکم فاسق وحکم تکفیر برایشاں می نمایند ومی گویند کہ نماز جنازہ برایشاں نباید خواند یا ایں سخن حق است یا دروغ لہذا دو سہ طالب علم مستور جامع علوم را روانہ میکنم لازم کہ حسب دل خواہ و دعوی خود فرستادگان را از قرآن وحدیث واجماع امت وقول آئمہ اربعہ تفہیم خواہد ساخت وطریق مولانا مرحوم ومولانا محمد اسحاق علیہ الرحمۃ ہمیں بود چنانکہ آنصاحب درحق رفع یدین وآمین بالجہر کنندگان ولعن وطعن وتفسیق وتکفیری کنند لازم کہ مطابق آیت کریمہ: یا اھل الکتاب لاتغلوا فی دینکم۔ اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔ ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔ فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر۔ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا

کاربند شوند وتعصب وعناد دور کنند وغیظ وغضب برطرف کردہ بدلائل اربعہ ہر سہ کس را ارشاد وہدایت فرمایند کہ شان علماء راسخین منفعین ہمین است واگر فرستادگان من بدلائل اربعہ غالب آیند قبول نمایند غیظ وغضب برایشاں رالئیم ننمایند والا مصداق ایں بیت خواہند بود دہن

---

❶ صدر یار جنگ ص ۵۴۔ بحوالہ نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۲۴۵۔ ۲۴۶

خویش بدشنام ونیز لازم کہ بمقتضاء کلام عزیز العلام **ادفع بالتی ھی احسن** گفتگو در ہر علم کہ خواہند بکنید وآداب ومناظرہ را نگاہ دارند دلائل بکار رست نہ شور وشغب در کار کہ آئین جہلہ بداطوار است۔ ❶

(از عاجز محمد نذیر حسین بمطالعہ گرامی مولوی قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی۔ السلام علیکم کے بعد واضح ہو کہ جناب والا حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید کے معتقدین کو، (کہ وہ رفع الیدین وآمین بالجہر کہتے ہیں) فاسق بلکہ کافر تک کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اوران کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہئے۔ یہ بات صحیح ہے یا غلط ہے؟

اس سلسلہ میں دوتین فارغ التحصیل صاحبان ذی استعداد طالب علموں کو آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ لازم ہے کہ اپنا دعوی ان حضرات کو قرآن وحدیث اجماع امت اور اقوال آئمہ کی روشنی میں بخوبی سمجھا دیں۔ مولانا مرحوم حضرت مولانا شاہ اسحاق کا طریقہ یہی تھا چوں کہ آپ رفع یدین وآمین بالجہر کرنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں اوران کو فاسق وکافر کہتے ہیں لازم ہے کہ (خط میں مذکور آیتوں) پر کاربند رہیں، تعصب عناد اور غیظ وغضب کو چھوڑ کر چاروں دلائل سے ان تینوں طالب علموں کو سمجھا دیں کہ علماء محققین کی یہی شان ہے اور اگر میرے بھیجے ہوئے لوگ چاروں دلائل سے غالب آجائیں تو آپ تسلیم کرلیں غضب وغصہ ان پر نہ کریں ورنہ اس شعر کا مصداق ہوں گے دہن خویش بدشنام اور نیز لازم ہے کہ آئت کریمہ **ادفع بالتی ھی احسن** کے مطابق جس علم میں آپ کا جی چاہے گفتگو کرلیں اور آداب مناظرہ کا خیال رکھیں دلائل کی ضرورت ہے نہ کہ شور وغل کی)۔

عبداللہ صادق پوری

صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

عالم، محدث، عبداللہ بن ولائت علی نیک علما (اور نڈر مجاہدین) میں سے تھے۔ ۱۲۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔ عبدالحمید صادق پوری اور فیاض علی سے کتابیں پڑھیں پھر والد کی خدمت میں رہے۔

---

❶ مکاتیب نذیریہ

ان کے ساتھ افغانستان کا سفر کیا اور جہاد میں ان کا ساتھ دیا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد مسلسل تین سال اپنے چچا عنائت علی کی صحبت میں رہے۔ پھر عظیم آباد آ گئے اور چچا فرحت حسین کی خدمت میں لگ گئے۔ جب چچا کا انتقال ہوا تو اپنے اہل و عیال کے ساتھ حج کیا۔ اور پھر علاقہ سوات کا سفر کیا اور ۱۲۷۶ھ میں مجاہدین کے مرکز ملکانہ پہونچ گئے۔ مولوی مقصود علی دانا پوری امیر المجاہدین کے انتقال کے بعد آپ امیر ہوئے۔ ۴۰ سال جہادی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ آپ نے سوات کے علاقہ بمقام تلوائی میں شعبان ۱۳۲۳ھ میں وفات پائی وہیں دفن ہوئے۔ ❶

○ جناب شیخ محمد اکرام نے جناب عبداللہ صادق پوریؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے:

انگریزوں نے مجاہدین کے خلاف جو اقدامات شروع کئے تھے وہ (عنائت علی کی وفات کے بعد) اور تیز ہو گئے۔ اور میجر جنرل سر سڈنی کاٹن کی زیر قیادت پانچ ہزار فوج کا ایک لشکر اس مقصد کے لئے تیار ہوا کہ مجاہدین کے تمام مرکزوں کو تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپریل ۱۸۵۸ء کے آخری ہفتے میں پنجتار اور منگل تھانہ کو تباہ و برباد کیا۔ ۴ مئی کو یہ فوج ستھانہ کی طرف بڑھی۔ جہاں کے سادات نے شروع سے مجاہدین کا ساتھ دیا تھا۔ انگریزی فوج کی آمد سے پہلے سادات بال بچوں اور بعض مجاہدین کے ساتھ ملکانہ چلے گئے۔ جو شہادت کے متوالے باقی رہ گئے تھے انہوں نے انگریزوں اور ان کے اتمان زئی ساتھیوں کا مقابلہ کیا اور شہادت پائی۔ انگریزوں نے ستھانہ کو بری طرح تباہ کیا۔ توپیں لگا کر گاؤں مسمار کر ڈالا۔ ہاتھیوں سے مجاہدین کا قلعہ تڑوایا۔ سایہ دار درختوں کو بھی کاٹ دیا۔

ستھانہ کی تباہی کے بعد جنگ امبیلہ (ستمبر ۱۸۶۳ء) تک مجاہدین کا مرکز ملکا رہا۔ اس دوران میں مجاہدین کی قیادت مولوی ولائت علی کے بڑے صاحبزادے مولوی عبداللہ کے ہاتھ چلی گئی۔ جو اپنی وفات (۲۹ نومبر ۱۹۰۲ء) تک چالیس سال کے قریب امیر المجاہدین رہے۔ ان کا عہد امارت بقول مہر مجاہدین کی سرگزشت کا سب سے زیادہ شاندار باب ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد اس جنگ کے بعض سپاہی اور ان کے رہنما (مثلاً شہزادہ فیروز شاہ) آزاد علاقے میں مجاہدین سے جا ملے۔

---

❶ نزہۃ الخواطر۔ ج ۸ ص ۳۸۴۔ ۳۸۵

سادات ستھانہ تو ہمیشہ ان کے ساتھ رہے۔ جنگ امبیلہ کے وقت انہیں اخوند سوات کی بھی قیمتی مدد حاصل تھی۔ اکثر بڑی لڑائیوں کے موقع پر جری قبائلی لشکر جمع ہو جاتا، چنانچہ انگریزوں کو متعدد مرتبہ بڑی بڑی فوجیں مجاہدین اور قبائل کیخلاف بھیجنی پڑیں اور کئی اہم لڑائیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ ❶

عبدالعزیز رحیم آبادی

صاحب نزھۃ الخواطر نے آپ کا ترجمہ بایں الفاظ لکھا ہے:

عبدالعزیز بن احمد اللہ مشہور علماء میں سے ہیں۔ رحیم آباد میں ۱۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ مولوی محمود عالم رام پوری، حکیم عبدالسلام دہلوی عظیم آبادی، مولوی محمد یحی بن منور حسین ہرنی عظیم آبادی سے علم حاصل کیا۔ پھر دہلی جا کر فقہ وحدیث کا علم شیخ محدث نذیر حسین سے حاصل کیا۔ پھر وطن لوٹ آئے بحث ومناظرہ میں طاق تھے۔ حسن البیان آپ کی تصنیف ہے۔ ۱۳۳۰ھ میں رحیم آباد میں فوت ہوئے۔ ❷

آپ کے والد شیخ احمد اللہ رئیس موضع رحیم آباد بڑے جواد، کریم النفس محبّ علم واہل علم، متقی، عابد، متبع سنت بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کے مناقب واوصاف میں جناب عبداللہ محدث غازیپوری فرمایا کرتے تھے کہ بڑے لوگوں میں سید صدیق حسنؒ اور چھوٹے رئیسوں میں جناب شیخ احمد اللہؒ نے توحید وسنت کی اشاعت میں جس مالی انفاق وایثار سے کام لیا اس میں یہ حضرات اپنی نظیر آپ ہیں۔

جناب شیخ احمد اللہ کے چار لڑکے جناب عبدالرحیم، جناب عبدالوہاب وکیل ہائی کورٹ، جناب عبدالعزیز، اور جناب حافظ محمد یسین تھے۔

جناب عبدالعزیز ذہین اور فطین اور قوی الحافظہ تھے۔ ایک برس میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر مولوی عظمت اللہ ساکن بھپورہ متصل منیر ضلع عظیم آباد جناب محمود عالم رام پوری، جناب محمد یحی بہاری سے فارسی اور عربی کی تعلیم پائی۔ گھوڑ سواری اور بندوق کے شکار کا بھی بے حد شوق تھا۔ اور بندوق کے نشانے میں کمال تھا۔ کاشتکاری اور زمین داری کے فن میں بھی یہی حال تھا۔

---

❶ موج کوثر۔ص ۵۲۔۵۳ ❷ نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۳۴۱

۱۲۹۰ھ میں تکمیل کی غرض سے جناب سید نذیر حسین محدثؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ۲ برس تک حاضر رہ کر صحاح ستہ، موطا امام مالک، دارمی، جامع صغیر، ہدایہ، جلالین اور اصول حدیث پڑھا۔ میاں صاحبؒ کے مدرسہ میں آپ لائق اور مستعد اور بالغ الاستعداد اور اعلیٰ درجہ کے ذہین و ذکی اور مناظر طالب علم سمجھے جاتے تھے۔ اہل علم اس وقت سے آپکی عزت کرتے تھے۔ جناب عبدالحق حقانی مفسر تفسیر حقانی (جو آپ کے ہم درس تھے) سے اکثر آپ کا مناظرہ ہوتا تھا۔ میاں صاحب آپ کو بہت محبت اور پیار کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپکی قدر کرتے۔ ایک مرتبہ میاں صاحبؒ نے آپ کو وعظ کہنے کیلئے فرمایا۔ آپ نے سورۃ قلم کا وعظ شروع کیا۔ اثنائے وعظ میں میاں صاحب خود بھی فرمانے لگے۔ جب آپ نے دیکھا کہ خود میاں صاحب بھی بیان فرما رہے ہیں تو آپ خاموش ہو گئے پھر میاں صاحب نے فرمایا کہ چلو صاحب بیان کرو، آپ نے پھر بیان شروع کیا اور چند منٹ بعد میاں صاحب نے پھر بیان فرمانا شروع کر دیا تب آپ خاموش ہو گئے اور ممبر سے اتر آئے۔

جب کوئی طالب علم کسی عبارت کے مطلب میں یا کسی مسئلہ میں کج بحثی یا ضد کرتا تو میاں صاحب فرماتے، یہ نہیں سمجھے گا اس کو بلاؤ۔ (عبدالعزیز کو پیار سے اسکو فرماتے)

۱۲۹۳ھ میں فارغ ہوئے اور سند تکمیل حاصل کر کے وطن آئے۔ آپ کے والد نے اعلان کیا کہ ہم ۵۰ طلبہ کو کھانا کپڑا دیں گے، رحیم آباد آ کر مولوی عبدالعزیز صاحب سے عربی پڑھیں۔ طلبہ تو آپ کی شہرت کی وجہ سے جوق در جوق پہنچے اور تعلیم و تدریس، وعظ و تذکیر، تحقیق مسائل، افتاء، مناظرہ اور مخالفین کے رسالوں کے جواب دینے میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے علم، تقریر، تحریر، مناظرہ، زہد، تقوی اور اتباع سنت کی ایسی شہرت ہوئی کہ اطراف و اکناف و مضافات کے لوگ جوق در جوق آنے لگے۔

۱۳۰۵ھ میں اہل حدیث اور احناف کے مابین مسئلہ وجوب تقلید پر مرشد آباد میں ایسا قابل دید مناظرہ ہوا کہ بنگال تو کیا شائد تمام ہندوستان میں بھی ایسا مناظرہ نہیں ہوا ہوگا۔ فریقین کے نامی گرامی علماء کرام بلائے گئے۔ غیر مذہب کے نامی وکلاء ثالث مقرر ہوئے۔ مناظرہ میں اہل حدیث کی طرف سے باتفاق آراء حضرات علما کرام آپ ہی مناظر قرار پائے اور کئی روز تک مناظرہ ہوتا رہا اور آخر تک آپ ہی مناظر رہے۔ اس مناظرہ میں علماء احناف

خصوصا جناب ہدائت اللہ منطقی جونپوری اور جناب عبدالحق حقانی کے مقابلہ میں اللہ نے آپ کو نمایاں فتح عطا فرمائی۔ آپ نے خود روداد مناظرہ شائع کرائی اور بنگلہ زبان میں اس روداد کا ترجمہ صمصام الموحدین کے نام سے ہوا۔ اس مناظرہ کا یہ اثر ہوا کہ مرشد آباد کے قرب و جوار میں بے شمار لوگ اہل حدیث ہو گئے۔

مظفر پور میں آپ کو دس بارہ سال تک قیام کرنا پڑا۔ اس دور میں آپ نے وعظ و تذکیر اور تبلیغ اور مناظروں کا خوب کام کیا۔ مخالفین کی مخالفت بھی دن بدن بڑھتی رہی یہاں تک کہ احناف اور اہل حدیث کے درمیان فوجداری اور منصفی کے مقدمات کی نوبت آ گئی۔ اور تقریباً پچیس تیس برس تک ان مقدمات کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ تاج پور، دربھنگہ، مدھو بنی، سیتا مڑی، مظفر پور، موتی ہاری، حاجی پور، مٹنہ، ڈمراؤں، آرہ جمال پور، مونگیر، کلکتہ وغیرہ مقامات کے مذہبی مقدمات اس کے شواہد عادلہ ہیں۔ ان مقدمات میں لاکھوں روپئے صرف ہوئے اور خاص سیتا مڑھی کیس میں تقریباً ستر، اسی ہزار روپئے صرف ہوئے۔ ان اخراجات میں آپ کے خاندان نے بہت مالی تعاون کیا۔

ذہن ایسا رسا پایا تھا کہ جناب شاہ عین الحق فرمایا کرتے تھے کہ کوئی بھی عبارت ہو، مطلب آپ کا ہوتا ہے۔ جناب عبدالسلام، سیرت بخاری لکھ رہے تھے۔ ایک عبارت کا مطلب معلوم نہ ہوتا تھا۔ حافظ عبداللہ غازی پوری، شاہ عین الحق وغیرہ علما کی خدمت میں وہ عبارت پیش کی گئی لیکن اس میں کچھ ایسی الجھن تھی کہ کوئی مطلب متعین نہ ہو سکا۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جملہ یا لفظ حذف ہو گیا جس سے مطلب صاف نہیں ہوتا۔ جب جناب عبدالعزیز پٹنہ تشریف لے گئے اور وہ عبارت آپ کے سامنے پیش کی گئی، تو آپ نے فرمایا مطلب بہت صاف ہے کوئی لفظ اس میں سے حذف نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ جب آپ نے اس عبارت کا مطلب بیان فرمایا تو سارا عقدہ حل ہو گیا۔ جناب عبدالسلام اس میں بہت پریشان تھے کہ امام بخاری نے بخاری شریف میں حمد کیوں نہیں لکھی اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے؟ آپ کے سامنے یہ بات پیش ہوئی تو آپ نے فرمایا:

الحمد لله هو الثناء باللسان لا بالكتابة۔

جناب شمس الحقؒ جب ابو داؤد کی شرح لکھ رہے تھے، ایک حدیث کا مطلب حل نہ ہوتا تھا۔ حافظ عبداللہؒ، جناب شمس الحقؒ، اور جناب عین الحقؒ سے مطلب صاف نہ ہو سکا۔ جب آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے اس کا ایسا واضح جواب دیا اور ایسی تقریر فرمائی کہ شاہ عین الحق اور جناب شمس الحق کی پوری تشفی ہوگئی اور فرمایا کہ بیشک یہی مطلب ہے۔ حافظ عبداللہؒ نے بھی اس مطلب اور ترجمہ پر داد دی۔

آپ بڑے مقرر تھے اور آپ کی تقریر جلسہ کی روح ہوا کرتی تھی۔ قرآن و حدیث کے وہ معارف اور نکات بیان فرماتے کہ علماء آپ کو مولانا اسماعیل ثانی کہا کرتے تھے۔ مشکل سے مشکل مضمون کو نہائت صاف انداز میں بیان فرما دیا کرتے تھے جس سے علما اور عوام کو یکساں فائدہ پہنچتا تھا۔ اکثر آپ کے بیان میں علماء ضرور مخاطب ہوتے تھے اور ان کی اصلاح کی خاطر ضرور روئے سخن خصوصیت کے ساتھ ان کی طرف ہوتا تھا۔ جس سے علماء اچھا سبق لیتے تھے۔

عابد و زاہد تھے۔ آپ کی تہجد کی نماز کبھی فوت نہیں ہوئی۔ صحت، علالت، سفر حضر حتی کہ ریل گاڑی کے سفر میں بھی اس کا التزام رہا۔ جب مجبور ہو گئے تو اپنے بستر پر تہجد کی نماز ادا فرماتے اور دو تین پارے پڑھ جاتے۔

یوں تو آپ کی ہر وقت کی نماز کمال خشوع و خضوع کے ساتھ ادا ہوتی تھی اور آپ فرمان نبوی ﷺ ان تعبد اللّٰہ کانّك تراہ کے مطابق نماز ادا فرماتے تھے خصوصاً اس وقت جب آپ پر کیفیت طاری ہوتی تھی، دیکھنے والے بھی اس کی حلاوت محسوس کرتے تھے۔

جناب ابو محمد ابراہیم آرویؒ جب حج کے لئے گئے تو مدرسہ احمدیہ آرہ کا اہتمام آپ کے سپرد کر دیا۔ اس وقت سے تا دم رحلت مدرسہ احمدیہ اور جلسہ مذاکرہ علمیہ کا کام نہائت خوبی کے ساتھ آپ ہی انجام دیتے رہے۔

آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے بانیوں میں سے تھے۔ کانفرنس کو منظّم کرنے کی غرض سے جناب ثناء اللہ امرتسری کی درخواست پر بنگال سے پنجاب اور پشاور تک تشریف لے گئے اور سفر کی صعوبت اور تکلیف برداشت فرمائی۔ آپ اردو فارسی عربی ہر سہ زبان میں برجستہ شعر کہتے تھے۔ آپ کے اردو فارسی اور عربی کے کلام بہت ہیں۔ آپ فارسی نثر بھی برجستہ لکھتے تھے۔ بلا تکلف عربی بولتے تھے۔ یوں معلوم ہوتا کہ عربی آپ کی مادری زبان ہے۔ چنانچہ

غازی پور کے مقدمہ مسجد میں جب مخالف نے ایک عرب کو اس خیال سے گواہ بنا کر پیش کیا کہ اہل حدیث علماء عربی میں اس سے جرح نہیں کر سکیں گے تو ان کی سبکی ہوگی اور مضحکہ اڑانے کا موقع ملے گا۔ اس گواہ سے منصف صاحب کی اجازت سے جو خود بھی عربی دان تھے، عربی میں آپ ہی نے جرح کی اور ایسی جرح کی کہ گواہ مجبور ہو کر اردو میں کہنے لگا، ہم کچھ نہیں جانتا، مجھ کو ان لوگوں نے گواہ بنا کر پیش کیا ہے۔

اساتذہ کے کلام سے آپ کو ہزاروں شعر یاد تھے۔ ساری مسدس زبانی یاد تھی۔ جس کتاب کو ایک دو مرتبہ دیکھتے، یاد ہو جاتی۔ آپ کی تصنیفات یہ ہیں۔

- سواء الطریق۔ اس میں مشکوۃ شریف سے صحیحین کی حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے۔
- حسن البیان فی مافی سیرۃ النعمان۔ شبلی نعمانی کی سیرۃ النعمان کا جواب ہے۔ اس کتاب کے شائع ہونے پر جناب شبلی نے بہت سی باتیں سیرۃ النعمان سے نکال دیں جن میں ان سے سخت غلطی واقع ہوئی تھی۔ [1]
- ہدایۃ المعتدی فی القرآۃ للمقتدی۔ قرأت سورۃ فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر جناب سید نذیر حسین محدث کے حکم سے لکھی گئی تھی۔
- الرق المنشور۔ یہ کتاب عبدالشکور ٹانڈوی کے رسالہ فتح الشکور کا جواب ہے۔
- ایک شیعہ کے رسالہ الوضو کا جواب لکھا۔ اس میں آپ نے آیت کریمہ

﴿یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ﴾

کے تحت جر جوار اور فصل بین المعطوفین کی لاجواب بحث کی ہے۔

- رمی الجمرہ۔ رسالہ الجمرۃ کا جواب ہے۔
- روداد مناظرہ مرشد آباد۔ اس کو آپ نے خود لکھا ہے۔

---

[1] جو صاحب حسن البیان کا مطالعہ کریں وہ سیرۃ النعمان کے پہلے ایڈیشن کو سامنے رکھیں، کیونکہ بعد کے ایڈیشنوں میں وہ باتیں نہ ملیں گی۔

چھ سات برس آپ ذیابیطس کے مرض میں مبتلا رہے۔ مرض ترقی کر گیا اور دن بدن ضعف بڑھتا گیا۔ دو تین مرتبہ حکیم محمد اجمل خان سے علاج کرانے کی غرض سے دہلی تشریف لے گئے۔ جب تک وہاں قیام رہتا، افاقہ رہتا۔ اور جب مکان پر تشریف لاتے تو چند روز کے بعد پھر وہی کیفیت ہو جاتی۔ جب اخیر مرتبہ، اشتداد مرض اپنے کمال پر پہنچ گیا تو اخبار اہل حدیث کے ذریعہ یہ بات شائع کر دی گئی اور تقریباً تین ماہ تک دور ونزدیک کے عیادت کرنے والے حضرات کا اس قدر ہجوم رہا کہ بالکل جلسہ کی کیفیت رہی۔ اس دوران قرآن مجید اور حدیث شریف کے معارف ومطالب بیان کرتے رہتے۔ آخر، ماہ جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ ❶

عبید اللہ پائلی

آپ ہندو خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد کا نام گوٹی مل تھا۔ آپ مسلمان ہو گئے اور ۱۲۶۴ھ میں مالیر کوٹلہ میں اپنے اسلام کا اظہار کیا اور عید الفطر کے دن سب کے ساتھ عید پڑھی۔ آپ میں اسلام اور عقیدہ توحید بہت گہرا تھا۔ اتباع سنت کے حریص اور آثار نبویہ اور طریقہ مرضیہ کے پیچھے چلنے والے تھے آپ کو کفر وشرک اور بدعت سے سخت نفرت تھی۔ آپ کی کتاب، تحفۃ الہند سے اللہ نے بہت مخلوق کو ہدائت بخشی۔ جناب سندھی کے قبول اسلام میں بھی تحفۃ الہند کا بڑا حصہ ہے۔

جناب محمد اسحاق بھٹی نے بتایا ہے کہ ان کا نام اصل نام اننت رام تھا اور ریاست پٹیالہ کے ایک گاؤں پایل کے رہنے والے تھے۔ اس گاؤں میں شرک اور بت پرستی اس قدر زوروں پر تھی کہ اسے بنارس ثانی کہا جاتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہاں کے بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اننت رام نے اسلام قبول کر کے اپنا نام عبید اللہ رکھا۔ ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ء) میں انہوں نے تحفۃ الہند کے نام سے کتاب تصنیف کی جس میں اسلامی تعلیمات، اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ اور ہندو مذہب سے متعلق ضروری تفصیلات بیان کی گئیں اور ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اس دور میں ہندو مذہب ترک کر کے مسلمان ہوئے تھے۔

---

❶ اہل حدیث۔ امرتسر ۱۹۔ ۲۶ مارچ ۱۹۲۰ء۔ محمد صدیق مرولی، مظفر پور کا مضمون

اپنے موضوع پر یہ نہایت دلچسپ کتاب ہے۔ جناب پائلی نے ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۳ء) میں وفات پائی۔ ❶

آپ میاں نذیر حسین محدثؒ کے شاگرد تھے۔ جب سید صدیق حسنؒ پر ابتلاء کا دور آیا، تو اس زمانہ میں جن لوگوں نے ان کی دلداری کی ان میں آپ بھی شامل تھے۔ جیسا کہ محترمہ رضیہ حامد نے لکھا ہے۔

اسی زمانہ میں مولانا مولوی عبید اللہ صاحب مئولف کتاب تحفۃ الہند کا ایک نہایت شفقت آمیز اور پر اثر خط نواب صدیق حسن خانؒ کے نام موصول ہوا جس میں زوال حشمت و جاہ سے طبیعت کو مکدر نہ کرنے کی تلقین کی گئی تھی اور بدستور خدمت خدا و رسول میں مشغول رہنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ ❷ ❸

---

❶ نقوش عظمت رفتہ۔ ص ۳۳۵

❷ نواب صدیق حسن۔ رضیہ حامد۔ ص ۱۲۳

❸ سید صدیق حسن کے دور ابتلاء میں ان کی دلداری کرنے والوں میں جناب محمد حسین بٹالوی بھی شامل ہیں۔ آپ نے ان سے ربط برقرار رکھا، اور اشاعۃ السنہ میں ان کے حق میں آواز بلند کر کے ان کا دفاع کیا۔ جناب محمد نذیر حسین محدث بھی سید سدیق حسنؒ کی دلداری کرنے والوں میں شامل ہیں۔ ان کا درج ذیل خط بنام جناب سید صدیق حسنؒ مکاتیب نذیریہ میں موجود ہے۔

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

از عاجز محمد نذیر حسین

بخدمت گرامی نواب صاحب معین المساکین سلمہ ربہ

بعد السّلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

واضح باد نامہ رسید۔ از مطالبش آگہی گردید۔ ایزدتعالی در معاملات آنصاحب فضل فرماید۔ از توبہ وانابت تغافل نورزند۔ روزمرہ یک منزل قرآن مجید و چند اجزاء صحیح بخاری ضرور باید خواند۔ انشاء اللہ تعالی دشمن پامال خواہد شد۔ از ہجوم اعداء ہرگز خوفے وہیپتے را در مزاج شریف جانباید داد۔ زود فتح الباب خواہد بودان شاء اللہ تعالی۔ چرا کہ الفرج بعد الشدۃ را خوب میدانند۔ فقیر راہموارہ نیک سگال خود باید تصورید۔ مرا رسانیدہ اند کہ انتزاع مناصب خواہد بود و بجایش ترقی مدارج اخروی نصیب آنصاحب است چہ کہ اشاعت کتب اسلام بذات بابرکات آنصاحب متعلق شدہ است۔ والسلام خیر الختام (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

عنایت علی عظیم آبادی

الشیخ العالم المجاهد عنائت علی بن فتح علی بن وارث علی الهاشمی الصادق پوری العظیم آبادی احد العلماء الربانیین ، و لد ونشأ بصادق پور وقرأ العلم علی من بها من العلماء ثم لازم السید الامام احمد بن عرفان الشهید البریلوی وأخذ عنه الطریقة وسافر معه الی خراسان وأعانه فی الجهاد والغزو ۔ ولما استشهد الامام لازم اخاه الشیخ ولایة علی واعانه فی ذالك ۔ ولما توفی اخوه المذکور تولی الامارة ولم یرجع الی الهند منذ خرج منها ۔ وکان رحمه الله عالماً محدثاً شجاعاً عارفاً بالفنون الحربیة ،کانت له حروب ووقائع مع الانکلیز ومات سنة ثلاث وسبعین ومأتین والف کما فی الدرالمنثور۔[1]

شیخ محمد اکرام نے موج کوثر میں جناب عنایت علیؒ کے تذکرے میں لکھا ہے:

مولوی ولایت علیؒ کی وفات کے بعد مجاہدین سرحد کی قیادت ان کے وارثوں میں محدود ہو گئی ۔ اور بدقسمتی سے آخری عمر میں دونوں بھائیوں (ولایت علیؒ ،عنایت علیؒ) میں سخت اختلافات پیدا ہو گئے تھے اور بالآخر مولوی عنایت علیؒ اپنے ساتھیوں کو لے کر بڑے بھائی سے علیحدہ ہو گئے ۔

(گزشتہ سے پیوستہ)(مکتوب کا اردو ترجمہ)

از عاجز محمد نذیر حسین

بخدمت گرامی نواب صاحب معین المساکین سلمہ ربہ

السلام علیکم کے بعد واضح ہو کہ خط آپ کا ملا ۔مضمون خط سے آگاہی ہوئی ۔خدا تعالی آپ کے معاملات میں فضل فرمائے ۔توبہ واستغفار ورجوع درگاہ باری سے غفلت نہ فرماویں ۔ روزانہ ایک منزل قرآن مجید و چند پارے صحیح بخاری کے ضرور پڑھ لیا کریں انشاء اللہ تعالی دشمن برباد ہوگا ۔اور دشمنوں کی کثرت سے ہرگز خوف زدہ نہ ہونا چاہیے ۔ان شاء اللہ جلد کامیاب ہوں گے کیونکہ الفرج بعد الشدہ سے آپ بخوبی آگاہ ہیں فقیر کو ہمیشہ اپنا بہی خواہ تصور فرماویں ۔ مجھ کو خبر ملی ہے کہ آپکی تنزلی مراتب و مدارج ہونیوالی ہے اور اسکے بدلہ میں انشاء اللہ تعالی ترقی مراتب اخروی آپکی قسمت میں ہوگی کیونکہ کتب اسلام کی اشاعت آپکی ذات بابرکات سے وابستہ ہے ۔ والسلام خیر الختام)۔

[1] نزھۃ الخواطر ۔ج ۷ص ۳۷۸

ولایت علیؒ کے فرزندار جمند مولانا عبداللہؒ (وفات ۱۹۰۲ء) جو چالیس سال تک مجاہدین سرحد کے امیر رہے، اور جن کی شادی الدررالمنثور (تذکرہ صادقہ) کے مصنف مولوی عبدالرحیم کی ہمشیرہ محترمہ سے ہوئی تھی، ان کا بھی اپنے چچا سے اختلاف ہو گیا تھا اور مولوی عنایت علی کے زمانے میں وہ سرحد سے پٹنہ واپس چلے گئے تھے۔ ان خاندانی اختلافات کا خاندانی تذکرہ نگاری پر کچھ اثر پڑا ہے اور بعض کتابوں مثلاً تذکرہ صادقہ اور سوانح احمدی میں مولوی عنایت علی کی حیثیت بالکل ضمنی دکھائی دیتی ہے۔ ❶

مولوی عنایت علی کے حالات صحیح طور پر جمع نہیں ہوئے۔ لیکن جو کچھ ملتا ہے، اگر اسی پر غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ٹھوس کاموں میں آپ کا مرتبہ بڑے بھائی سے کسی طرح کم نہ تھا۔ دینی محبت اور استقامت میں تو دونوں بلند مرتبہ بھائی اپنی نظیر آپ تھے۔ ذاتی ایثار اور ترک تمول میں شائد بڑے بھائی کا مرتبہ بلند تھا۔ لیکن مولوی عنایت علی سے اللہ تعالی نے دو کام ایسے لئے کہ انکی عملی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے اور انکے حالات میں مزید تفتیش وتلاش کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ❷

---

❶ مولانا مہر نے اس کی کچھ تلافی کی ہے اور تذکرہ صادقہ کے بعض اندراجات کی تردید کی ہے مثلاً تذکرہ صادقہ کا یہ بیان سید صاحب کی شہادت کے بعد تحریک کا بار عظیم مولوی ولایت علی پر پڑا۔ اور آپ نے وطن پہنچ کر دعوت وتبلیغ کا منظّم سلسلہ قائم کیا جس کی تفصیل مہر صاحب نے سرگزشت مجاہدین کے صفحہ ۲۲۸ پر دی ہے۔ محل نظر ہے۔ جو چار نام مہر صاحب نے درج کئے ہیں ان میں سے شاہ محمد حسین اور مولوی عنایت علی کو خود سید صاحب نے بالترتیب پٹنہ اور بنگال کا کام سپرد کیا تھا۔ اور جہاں تک مولوی زین العابدین اور مولوی محمد عباس کا تعلق ہے وہ اس وقت الہ آباد اور اڑیسہ میں متعین نہیں ہوئے بلکہ اس کے کئی سال بعد، جب نواب مبارز الدولہ اور ان کے بھائی نظام دکن میں ان بن ہوئی تو مبارز الدولہ قید کر لئے گئے اور مولوی زین العابدین اور مولوی محمد عباس حیدرآبادی مع اور چند علماء کے بھاگ کر عظیم آباد پہنچے .تو مولانا ولائت علی نے ان کی خاطر داری کی اور اڑیسہ اور الہ آباد بھیج دیا)۔

❷ عنایت علیؒ کے بعض کارناموں کو ان کے بیٹے عبدالمجید نے اجمالی طور پر بیان کیا تھا۔ ان تحریروں کے متفرق اجزاء مولانا غلام رسول مہر نے مرکز مجاہدین اسمست میں دیکھے تھے۔

ان کا پہلا اور شائد سب سے اہم کام بنگال میں تبلیغ اور بنگالی مسلمانوں کی تنظیم تھا جس میں ان کی عمر گرامی کا ایک حصہ صرف ہوا۔ انہیں سید صاحب نے خود بنگال کیلئے منتخب کیا تھا۔ مولانا مہر وقائع کی شہادت کی بنا پر لکھتے ہیں کہ سید صاحب نے مولوی صاحب ممدوح کو بلا کر فرمایا، آپ کو واسطے ترغیب جہاد کے بنگال بھیجتے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ حاضر ہوں مگر دل چاہتا ہے کہ یہاں کا بھی کوئی واقعہ دیکھ لیتا۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں آپ کے ہاتھوں سے اللہ تعالی کا بہت کام نکلے گا۔ اور آپکا وہاں رہنا واسطے کوشش کار خدا کے گویا ہمارے ساتھ یہاں رہنا ہے۔ سید صاحب نے اپنا عمامہ اور کرتا عنایت کیا اور ان کے رفیقوں میں سے چھ آدمی ہمراہ کر دیئے۔

افسوس کہ بنگال میں مولوی صاحب نے جو کام کیا، اس کی تفاصیل تاریخی ترتیب سے نہیں ملتیں۔ بالجملہ مولانا مہر لکھتے ہیں:

مشرقی بنگال میں آج جو دینی روح نظر آتی ہے وہ مولوی صاحب ہی کی سرگرم کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ❶

تذکرہ صادقہ میں لکھا ہے:

آپ نے بار اول مسلسل سات برس اس خطہ بنجری میں قریہ بقریہ نہائت جانفشانی اور حلم کے ساتھ گشت فرمایا۔ لاکھوں خلقت کو قعر ظلمت سے نکال کر شمع ہدائت کا گرویدہ کر دیا۔ جناب کے مسترشدین اور ان کی اولاد آج تک خطہ بنگال میں محمدی کے لقب سے ممتاز ہیں۔ اس کے بعد آپ سرحد پر بغرض جہاد چلے گئے۔ جب وہاں سے واپس ہونا پڑا تو آپ نے پھر بنگال کا رخ کیا اور دو تین سال اسی محنت اور مستعدی سے تبلیغی کام میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے اپنا مرکز ضلع جسور کا موضع حاکم پور قرار دیا تھا۔ زیادہ تر قریبی اضلاع میں دورے پر رہتے، لیکن جب سفر کی صعوبتوں سے خستہ ہو جاتے تو دو ایک ماہ کیلئے حاکم پور لوٹ آتے۔ آپ کا خاص طریق کار یہ تھا کہ آپ جس مقام پر پہنچتے، اگر وہاں مسجد نہ ہوتی تو مسجد تعمیر کرا دیتے اور اگر مسجد ہوتی تو اس لئے ایک موزوں شخص کو امام مقرر کر دیتے۔

---

❶ مولوی عنایت علی کا اصل دائرہ عمل مرکزی بنگال تھا۔ مشرقی بنگال میں زیادہ کام مولوی کرامت علی جون پوری، صوفی نور محمد چاٹگامی اور مولوی امام الدین نے کیا۔ شیخ اکرام۔

یہ امام فقط نماز پڑھانے ہی پر مامور نہ تھا بلکہ تعلیم دین کے علاوہ علاقے کے جھگڑوں کا فیصلہ بھی وہی کرتا۔ اور لوگوں کی عام اصلاح حال کا انتظام کرتا۔

بنگال کی تبلیغی کوششوں (اور جہاد) میں آپ کے انہاک کا یہ عالم تھا کہ جب آپ کی پہلی بیوی شادی کے تھوڑا عرصہ بعد وفات پا گئیں تو بقول تذکرہ صادقہ چوں کہ آپ اکثر سفر میں رہا کرتے تھے لہذا پندرہ برس تک دوسرا نکاح نہ کر سکے۔ اس کے بعد مولانا ولائت علی نے شاہ محمد حسین کی بیوہ صاحبزادی سے آپ کا رشتہ تجویز کیا۔ لیکن آپ اپنی تبلیغی مصروفیتوں کی وجہ سے شادی کے لئے عظیم آباد نہ جا سکے۔ مولانا ولائت علی نے وکالتاً یہ عقد ثانی پڑھوایا اور اہلیہ محترمہ کو حاکم پور بھیج دیا۔ ❶

آپ کی کوششوں کا دوسرا مرکز کارزار جہاد تھا...... سکھوں سے انگریزوں کی پہلی لڑائی کے بعد گلاب سنگھ کو کشمیر اور بالائی ہزارہ کا علاقہ مل گیا، لیکن ہزارے میں اس کی حکومت مستحکم نہ تھی۔ ہزارہ اور کاغان کے غیرت مند مسلمانوں نے سوچا کہ آزادی حاصل کرنے کا یہ اچھا موقع ہے چنانچہ انہوں نے اپنی کوششیں شروع کیں اور ساتھ ہی عظیم آباد میں مولانا ولایت علی سے مدد کی درخواست کی اور اس مقصد کے لئے مجاہدین سرحد کی مختصر جماعت کے امیر، میر اولاد علی سورج گڑھی بھی عظیم آباد پہنچے۔

مولانا ولایت علی نے مولانا عنایت علی کو بھیجنے کی تجویز کی۔ انہیں بنگال میں یہ پیغام ملا تو وہ دو ہزار مجاہدین ساتھ لے کر عظیم آباد پہنچے...... لیکن بنظر احتیاط اس جمعیت کو چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بانٹ دیا گیا اور علیحدہ علیحدہ سرحد پر جانے کا انتظام کیا گیا۔ بالآخر یہ ساری جماعت تو میدان جہاد تک نہ پہنچ سکی۔ لیکن جب ۱۸۴۴ء میں عنایت علیؒ سرحد پر پہنچے تو مجاہدین کی خاصی تعداد وہاں پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ آپ نے مقامی حریت پسندوں کے ساتھ مل کر عملی کوششیں شروع کیں۔ ہزارہ گزیٹر کے مطابق انہوں نے شنکیاری، بیر کھنڈ، گڑھی حبیب اللہ اور اگرور کے قلعوں پر حملہ کر کے (سکھ) محافظ دستوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس سلسلے میں مولانا عنایت علی کو جو خاص کامیابی حاصل ہوئی وہ یہ تھی کہ مقامی معاونین کی مدد سے انہوں نے دسمبر ۱۸۴۵ء میں بالاکوٹ پر قبضہ کر لیا۔

---

❶ موج کوثر۔ص ۴۷۔۵۰

اب انہیں باقاعدہ امیر جہاد تسلیم کیا گیا۔ سید ضامن شاہ کاغانی نے جو گلاب سنگھ کے خلاف جنگ حریت میں پیش پیش تھے، ان کی اطاعت قبول کی اور ارد گرد کے علاقوں کو سکھوں سے آزاد کرانے کیلئے زبردست کوششیں شروع کیں۔ گڑھی حبیب اللہ خان محرم ۱۲۶۲ھ میں فتح ہوئی۔ اس کے چند ماہ بعد فتح گڈھ پر، جو سکھوں کا ایک مستحکم قلعہ تھا، قبضہ ہوا۔ اس کا اثر علاقے پر بہت ہوا اور سکھوں کے کئی قلعہ داروں نے قلعے خالی کر دیئے۔ وسط ۱۸۴۶ء میں مظفر آباد پر بھی قبضہ ہو گیا، سکھوں نے اب مانسہرہ میں قدم جمانے کی کوشش کی، لیکن شکست کھائی۔ چنانچہ مجاہدین نے تھوڑے وقت میں ایک وسیع خطے پر قبضہ جما لیا۔ اس تمام علاقے میں مولانا عنایت علی نے اسلامی طرز حکومت قائم کی اور شرعی احتساب و حدود کا سلسلہ جاری کیا۔

۱۹ اکتوبر ۱۸۴۶ء اچانک مولانا ولایت علی علاقہ مجاہدین میں پہنچ گئے ۱۶۔ اکتوبر کو مولانا عنایت علی نے امارت جہاد ان کے حوالے کی۔ لیکن اب انگریزی افسر اور فوج اس علاقے میں پہنچ گئے تھے جنہوں نے مجاہدین کو شکست دی اور مولانا ولایت علیؒ اور مولانا عنایت علی کو فوجی پہرے میں عظیم آباد جانا پڑا۔ یہاں پہنچتے ہی مولانا عنایت علیؒ پھر بنگال چلے گئے۔ اور وہاں دو تین سال مصروف کار رہے۔ ❶

جناب عنایت علیؒ کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہیں۔ جناب غلام رسول مہرؒ کا خیال ہے کہ ۲۲ مارچ ۱۸۵۸ء کے ایک دو روز بعد انتقال کیا۔ ❷

مناظرہ رنگ پور

اہل سنت اور شیعہ کے درمیان ۵ تا ۷ مارچ ۱۹۴۰ء بمقام رنگ پور ضلع مظفر گڑھ (پنجاب) ایک مناظرہ ہوا تھا جس میں اہل سنت کی طرف سے جناب ملک عبدالعزیزؒ ملتانی مناظر تھے جو آل انڈیا آل حدیث کانفرنس کے آنریری واعظ تھے۔ شیعہ کی طرف سے ان کے مشہور عالم مرزا احمد علی لاہوری مناظر تھے۔ اس مناظرے میں درج ذیل چار مبحث تھے:

۱۔ حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل۔

---

❶ موج کوثر ص ۵۰۔۵۱ ❷ موج کوثر۔ ص ۵۲

۲۔ حدیث قرطاس میں حضرت عمرؓ کا قصوروار ہونا۔

۳۔ قضیہ فدک میں ابوبکرؓ صدیق کا حق پر نہ ہونا۔

۴۔ گریہ و ماتم حسین بطریق مروجہ۔

ان باتوں کا اثبات بذمہ شیعہ تھا اور تردید بذمہ اہل سنت۔ ہر مبحث کے لئے تین تین گھنٹے وقت مقرر تھا۔ فریقین کی پہلی تقریر آدھا گھنٹہ اور بعد کی تقریریں دس منٹ کی تھیں۔

شیعہ مناظر، مطاعن صحابہ کی فہرست پڑھتے رہے اور خلافت بلافصل پر باوجود تقاضا کوئی آیت یا معقول دلیل نہ پیش کر سکے۔ حتیٰ کہ شیعہ صدر اجلاس نے مان لیا کہ مرزا احمد علی قرآن شریف کی کوئی آیت جو خلافت بلافصل حضرت علیؓ پر نص ہو پیش نہیں کر سکتے۔

اس کے برخلاف جناب عبدالعزیز ملتانی نے سورہ نور کی آیت

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ﴾ (النور:۵۵)

پڑھ کر خلفاء ثلاثہ کا موعودلھم بالخلافت و مومن صالح اور ان کے دین کا پسندیدہ ہونا صراحت سے بیان کیا۔ اور تفاسیر شیعہ مثل صافی۔ خلاصۃ المنہج۔ قمی اور مجمع البیان سے نبی ﷺ کے بعد اس وعدہ کا [1] پورا ہونا ثابت کیا۔

نہج البلاغۃ سے حضرت علیؓ کا مطیع ہونا اور اپنی خلافت بلافصل کو بے محل قرار دینا بلکہ کافی کلینی سے حضرت علیؓ کا بیعت کرنا واضح کیا۔

نیز حضرت علیؓ کا بغیر کسی شورش کے ۲۳۔۲۴ سال تک ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہنا اور ہر مشورہ میں شامل ہونا، بلکہ اپنی لخت جگر ام کلثومؓ کا جو فاطمہ الزہراءؓ کے بطن سے تھیں، حضرت عمرؓ کے ساتھ نکاح کر دینا، ان کے مومن کامل ہونے کی دلیل کتب شیعہ سے اس خوبی کے ساتھ بیان کی کہ مناظر شیعہ بمع شیعی مجمع کے ششدر اور مبہوت ہو گیا۔ اور جواب سے عہدہ برا نہ ہو سکا۔

---

1. انہیں مومنین کے ساتھ جنہوں نے قریباً تیس سال میں تمام عرب اور فارس اور شام مصر وغیرہ فتح کر کے تمکین دین اور امن قائم کیا۔

دوسرے روز مبحث فدک میں شیعہ مناظر نے فدک کا مال فئے ہونا تسلیم کیا۔اور باوجود بار بار تقاضا کے فدک کا میراث ہونا ثابت نہ کر سکا۔اس کے برخلاف جناب عبدالعزیز ملتانی نے آیت ﴿ما آفاء اللّٰه﴾ تلاوت کر کے

- فدک کا مال فئے ہونا ، جس کی تقسیم خود اللہ تعالی نے فرمادی ہے، جو قابل میراث نہیں ہے۔اور حکم الٰہی کے موافق نبی ﷺ اپنی زندگی میں تقسیم کرتے رہے۔
- فاطمہ زہراءؓ نے نبی ﷺ سے طلب کیا تھا، جو نہیں دیا گیا۔
- اسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے کیا۔اور سیدہ فاطمہؓ نے بھی پھر دوبارہ اس بارہ میں کلام نہ کی اور راضی ہو گئیں۔
- اور حضرت علیؓ بھی اپنی خلافت میں خلفاء ثلاثہ کے طریق پر تقسیم کرتے رہے۔حضرت فاطمہؓ کے وارثوں کو نہیں دیا۔

کتب اہل سنت اور کتب اہل شیعہ نہج البلاغۃ اور کافی وغیرہ سے ثابت کیا۔جس کا شیعہ مناظر کوئی جواب نہ دے سکا۔

اسی طرح تیسرے مبحث میں شیعہ مناظر حدیث قرطاس پڑھ کر گویا ہوئے کہ ایسی چیز جس پر اسلام کا دارومدار ہو حضرت عمر نے حسبنا کتاب اللہ کہہ کر نہ لکھنے دی۔اور عمر نے لفظ ہذیان کہا۔وغیرہ۔

اس کے جواب میں جناب ملک عبدالعزیز نے آیت: ﴿یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک......﴾ پڑھ کر بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ، حضرت عمرؓ کیا ساری دنیا کی مخالفت اور روکنے سے بھی تبلیغ حق سے باز نہ رہ سکتے تھے۔شیعہ کا حضرت عمرؓ کی مخالفت میں نبی ﷺ کی ذات پر حملہ ہے کہ ایسی ضروری چیز نہ لکھوائی۔ بلکہ حضرت علیؓ اور تمام اہل بیت پر الزام ہے کہ انہوں نے قلم دوات کاغذ وغیرہ لکھنے کا سامان مہیا نہ کیا۔کیونکہ حدیث میں لفظ اہل بیت بھی ہے، جس میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں۔

ہذیان کا لفظ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کرنا نہائت بے انصافی اور شیعہ کی بناوٹ ہے۔ اہل سنت کی کتب صحاح میں کہیں ثابت نہیں۔ نیز ھجر یھجر کا معنی اس جگہ ہذیان کے نہیں

ہو سکتے۔جیسا کہ: ﴿ واھجرھم ھجراً جمیلاً ﴾ ﴿ واھجروھن فی المضاجع ﴾ ﴿ والرجز فاھجر ﴾ میں سوائے جدائی کے کوئی معنی نہیں۔اور نبی ﷺ عمرؓ کا جواب سن کر راضی ہو گئے۔لکھوانے کی ضرورت نہ سمجھی۔شیعہ مناظر اس کا جواب نہ دے سکا۔

اسی طرح چوتھے مبحث میں شیعہ مناظر بری طرح پھنسا۔کہ مروجہ ماتم کا موجد یزید کو کہہ بیٹھا۔جلاء العیون کی ایک عبارت پیش کی جس میں یزید نے ماتم کرنے کی اجازت دی۔جس پر ملک عبدالعزیزؒ ملتانی نے سخت گرفت کی کہ شیعہ اہل سنت کو الزام دیتے ہیں کہ یزید کو خلیفہ مانتے ہیں، آج مرزا احمد علی نے اقرار کر لیا کہ رسم ماتم میں یزید ہی ان کا پیشوا اور امام ہے۔اور واقعی بات بھی یہی ہے کہ کوفی شیعہ ہی امام حسینؓ کو بلا کر شہید کرانے والے اور پھر ماتم کی رسم قائم کر کے اپنا عیب چھپانے والے ہیں جس کی تصریح نہایت وضاحت سے کتب شیعہ میں ملتی ہے۔جس سے شیعہ بہت تلملائے۔

مناظرہ کے فیصلہ کے لئے مہاشہ چرنجی لال لاہوری مقرر تھے جس کی اطلاع آئی کہ میں نہیں پہنچ سکتا۔صرف پبلک ہی پر فیصلہ چھوڑ دیا گیا تھا جو مناظرہ کے بعد شیعوں کی حقیقت سے واقف ہو گئے۔ [1]

غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ

آپ اعوان خاندان سے تھے۔والد کا نام رحیم بخش ہے اور آپ قلعہ میہاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ پنجاب میں ۱۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے۔ابتداء میں بازار حکیماں لاہور کی لال مسجد میں جناب غلام محی الدین سے تعلیم حاصل کی پھر جناب عبداللہ غزنویؒ کے ساتھ سید نذیر حسینؒ محدث کے پاس دہلی جا کر حدیث پڑھی۔حج کو گئے تو وہاں شاہ عبدالغنی مجددی سے سند حدیث حاصل کی۔آپ سحر طراز واعظ تھے آپ کا وعظ سن کے بہت سے ہندو سکھ مسلمان ہوئے۔سید احمد شہید کی جماعت کے مالی معاونین میں سے تھے۔۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد کچھ عرصہ لاہور کے قلعہ میں محبوس رہے۔رہائی پر زبان بندی برقرار رہی۔عربی فارسی میں مہارت تامہ تھی۔قادر الکلام شاعر تھے۔پنجابی میں کئی منظوم کتابیں لکھیں ابتدا میں سسی پنوں کے نام سے ایک کتاب لکھی۔

---

[1] ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۷ مئی ۱۹۴۰ء۔ص ۱۰۔۱۱

قرآن و حدیث کی تعلیم کے بعد اس کتاب پر ندامت کا اظہار کرتے رہے۔ پھر آپ نے سی حرفی اور حلیہ مبارک وغیرہ لکھیں۔

دلا غافل نہ ہو یک دم یہ دنیا چھوڑ جانا ہے

باغیچے چھوڑ کر خالی زمین اندر سمانا ہے

بھی انہی کا شعر ہے۔ ۱۲۹۱ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ ❶

جناب غلام رسولؒ، سید میرؒ آف کوٹھا ضلع مردان سے فیض یاب تھے۔ جناب بٹالویؒ نے اشاعۃ السنہ میں نواب صدیق حسنؒ کا دفاع کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ سکندر بیگم کے وقت سے بھوپال وہابیوں کی ریاست سمجھی جاتی تھی اور کوٹھا ضلع مردان میں سید میر، وہابی پیر سمجھے جاتے تھے۔ اور جناب غلام رسول مہر نے لکھا ہے:

اکابر ہند میں سے دو بزرگوں کو ملا صاحب کوٹھا سے خاص تعلق پیدا ہوا۔ ایک مولانا غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ والے، دوسرے سید عبداللہ غزنوی۔ مولانا غلام رسول خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں پہلے اخوند صاحب سوات کے پاس پہنچا جو بڑے زاہد عابد اور متقی تھے، لیکن سنت سے واقف نہ تھے۔ واپسی پر تربیلہ کے ایک نمبردار سے ملا صاحب کوٹھا کا ذکر سنا۔ وہاں پہنچتے ہی تسکین ہوگئی۔ میں نے سلسلہ بیعت دریافت کیا۔ فرمایا، میں بیعت شدہ سید احمد بریلوی مرشد مولوی اسماعیل صاحب شہید کا ہوں۔ ❷

جناب عبداللہ غزنویؒ سے جناب غلام رسول کی ملاقات سید میر ہی کے ہاں ہوئی تھی۔ وہ بھی ان دنوں افغانستان سے جلاوطن ہو کر ادھر ادھر سرگرداں تھے اور سید امیر کے ہاں تھے۔ دونوں کی ملاقات ہوئی اور جلد ہی ان کی دوستی بہت پختہ ہوگئی۔ دونوں نے بعد میں اکٹھے (براستہ سرہند) دہلی کا سفر کیا جہاں جناب سید نذیر حسینؒ سے کسب فیض کیا۔

جناب مہر نے لکھا ہے:

---

❶ اہل حدیث۔ لاہور۔ ۵ دسمبر ۱۹۹۷ء

❷ جماعت مجاہدین بحوالہ سوانح حیات مولانا غلام رسول۔ ص ۴۰۔۴۱

ملا صاحب کوٹھا کا نام اخوند سید میر ہے۔ ملا صاحب کوٹھا کے نام سے مشہور ہیں جو تحصیل صوابی ضلع مردان کا ایک مشہور مقام ہے، آپ سید احمد شہید کے مخلص ارادت مند تھے۔ بیعت اقامت شریعت کے بعد انہیں قریہ کوٹھا کا قاضی بنا دیا۔ اور ۱۵ شعبان ۱۲۴۴ھ کو انکے نام باقاعدہ قضا نامہ جاری ہوا۔ سید احمد سے تعلق کی بنا پر ملا صاحب گوناگوں آلام ومصائب کا ہدف بنے۔ ایک موقع پر انہیں وہابیت سے متہم کیا گیا اور ان کی زندگی خطرے میں پڑ گئی۔ لیکن وہ بہر حال صحیح اسلامی مسلک پر مستقیم رہے۔ انکے نرینہ اولاد نہ تھی۔ حقیقی بھانجے صاحبزادہ عبداللطیف کو خانہ داماد بنالیا تھا۔ وہ بھی اجل فاضل تھے جوانی کی حالت میں انہیں شہید کر ڈالا گیا۔ ان کے صاحبزادے (سید میر کے نواسہ) صاحبزادہ سر عبدالقیوم تھے جنہوں نے برصغیر کی سیاست میں بھی ناموری حاصل کی اور تعلیمی خدمات کے اعتبار سے بھی وہ صوبہ سرحد کے سر سید کہلاتے تھے۔ ❶

شاہ غلام علی

جناب سر سید احمد خان نے آثار الصنادید میں آپ کے ترجمہ میں لکھا ہے:

وطن اصلی آپکا موضع وتالہ (بٹالہ) ہے جو پنجاب کے ملک انبرسر (امرتسر) کے پاس واقع ہے۔ آپ سادات علوی سے ہیں۔ آپ کا اصلی نام عبداللہ اور عرف غلام علی تھا۔ ۱۱۵۶ھ میں آپ نے اس عالم میں قدم فیض توام رکھا۔ سولہ برس کی عمر تک اسی نواحی میں بسر کی۔ ۱۱۷۴ھ آپ کے والد نے آپ کو دہلی بلایا۔ ۱۱۷۸ھ میں آپ نے مرزا جان جاناں سے بیعت کی...... اور اپنے پیر ومرشد کے انتقال کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور حقیقت میں میرے اعتقاد بموجب اپنے پیر پر بھی فوق لے گئے۔ سبحان اللہ کیا آزادی تھی کہ مطلق دنیا کا لگاؤ نہ تھا۔ اللہ اللہ کیا اطاعت سنت تھی کہ سر مو بھی فرق نہ تھا۔ توکل اس درجہ پر تھا کہ کبھی کسی طرح کا خیال دل میں نہ آتا۔ ایک دفعہ والی ٹونک نے بہت التجا سے درخواست تقرر وظیفہ کی۔ اس کے جواب میں آپ نے صرف یہ شعر لکھ بھیجا:

---

❶ جماعت مجاہدین۔ ص ۲۷۶

ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم با میر خان بگوئی کہ روزی مقرر است

نماز صبح بہت اول وقت ادا فر ما کر دس سپارہ کلام اللہ ختم فر ماتے ۔ بعد اس کے حلقہ مریدین جمع ہوتا اور تا نماز اشراق سلسلہ توجہ اور استغراق جاری رہتا ۔ بعد ادا کرنے کے نماز اشراق کے تدریس حدیث اور تفسیر شروع ہوتی ۔...... اول وقت ظہر نماز ظہر ادا فر ما کر پھر درس وتدریس حدیث وتفسیر وفقہ اور کتب تصوف میں مشغول ہو جاتے...... باوجود اتنی آزادی اور از خود رفتگی کے سر مو احکام شریعت سے تجاوز نہ تھا ۔ اور جو کام تھا وہ باتباع سنت تھا...... جو شخص خلاف شرع اور سنت ہوتا اس سے نہائت خفا ہوتے اور اپنے پاس اس کا آنا گوارا نہ کرتے ۔ ...... میرے والد ماجد کو اپنے فرزند سے کم نہیں سمجھتے تھے ۔.. میں ہر روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور آپ اپنی شفقت اور محبت سے مجھ کو اپنے پاس مصلے پر بٹھا لیتے ...... میں نے اپنے دادا کو تو نہیں دیکھا ، آپ ہی کو دادا حضرت کہا کرتا تھا...... صفر کی بائیسویں ۱۲۴۰ھ میں اس جہاں سے انتقال کیا ۔ ❶

فاخر زائر الہ آبادی

آپ کے والد کا نام شیخ محمد یحی تھا اور آپ ۱۱۲۰ھ میں الہ آباد میں پیدا ہوئے ۔ والد سے اور اپنے بڑے بھائی شیخ محمد طاہر سے تعلیم حاصل کی ۔ پھر آپ خود پڑھانے لگے ۔ حجاز گئے تو وہاں مدینہ کے محدث محمد حیات سندھی ف ۱۱۶۳ھ سے علم حدیث حاصل کیا اور غالباً وہیں مسلک اہل حدیث کا فیض پایا ۔ حجاز سے واپسی پر صحیح مسلم کا ایک نسخہ ساتھ لائے ۔ طبیعت کے فیاض تھے ۔ اکثر سفر میں رہتے ، اور مسافروں کی بڑی تعداد ساتھ ہو جاتی ۔ آپ ان کے طعام و لباس کے بھی کفیل ہوتے ۔ حرمین سے شیفتگی تھی ۔ دو دفعہ حج کیا اور کئی سال تک وہاں قیام رہا ۔ دوسرے حج سے ۱۱۵۹ھ میں واپس آئے تو تیسرے کے لئے تیار ہو گئے لیکن نہ جا سکے ۔ چوتھی مرتبہ پھر تیار ہوئے اور گھر سے چل پڑے ، شہر برہان پور میں تھے کہ ۱۱ ذی الحجہ ۱۱۶۴ھ کو چل بسے ۔ چوں کہ مسلکاً پختہ اہل حدیث تھے اس لئے گور پرستی وغیرہ بدعات ناپسند تھیں ، اس لئے انتقال سے پہلے وصیت کی کہ مجھے شیخ عبداللطیف کے جوار میں دفن کیا جائے ۔

---

❶ آثار الصنادید ۔ ص ۱۲ ۔ ۱۵

وجہ یہ بیان کی کہ برہان پورہ کے بزرگوں میں وہ بڑے پابند شرع تھے اور صرف انہی کی قبر پر گور پرستی وغیرہ بدرسمیں عمل میں نہیں لائی جاتیں لہٰذا مجھے یہی جگہ مرغوب ہے۔ چنانچہ وصیت پر عمل کیا گیا۔ مولانا آزاد بلگرامی نے ان کی موت پر لکھا:

واحسرتا! کہ ایں چنیں صاحب کمال درایام شباب ازیں عالم رحلت کردو داغ مفارقت بردل یاراں گزاشت، سپہر دوار اگر عمرہا چرخ زند مشکل کہ چنیں ذات قدسی صفات بہم رساند۔ ❶

آپ کو سفر حج میں تحصیل علم حدیث کے بعد عمل بالحدیث سے اتنی رغبت ہوگئی تھی کہ عمل بالحدیث کے بغیر ہر چیز سے نفرت ہوگئی۔ سنت میں جو اسوہ رسول کا نظر آیا اس پر عمل کر دکھایا، اور مخالف کی مخالفت کی کبھی پرواہ نہیں کی۔

مرزا مظہر جان جاناں نے کہا

بسیارے از کبرائے دین را مشاہدہ نمودم، بعد از یاز دہ صد سال یک شخص کہ عبارت از شیخ محمد فاخر است موافق کتاب وسنت دریافتم۔ ❷

کہ بڑے بڑے اکابر دیکھنے کا اتفاق ہوا مگر گیارہ سو سال بعد صرف ایک شخص محمد فاخر کو صحیح معنی میں کتاب وسنت کے موافق پایا ہے۔

جناب سید صدیق حسنؒ نے اتحاف النبلاء میں لکھا:

شیخ محمد فاخر اگر چہ در جمیع فنون وتمام علوم ید بیضا داشت وعلم سبقت بر سابقین مے افراشت لیکن علم حدیث بروے بحدے غالب آمدہ کہ گویا غیر آں را آشنا نہ بودہ است

کہ شیخ محمد فاخرؒ کو تمام علوم میں کامل دسترس تھی علوم عقلیہ ونقلیہ پڑھنے پڑھانے میں اکثر متقدمین پر گوئے سبقت رکھتے تھے، لیکن علم حدیث آپ پر اس طرح غالب آگیا تھا گویا اس کے بغیر دوسرا علم جانتے ہی نہیں۔

سید صدیق حسنؒ نے تقصار میں لکھا:

وے رحمہ اللہ تعالی امام آئمہ متبعین سرزمین ہند وشیخ الشیوخ اکابر علمائے ارجمند ظاہرش محدث بود وباطنش صوفی۔ ❸

---

❶ مآثر الکرام۔ ج ۲۔ ص ۲۱۸ ❷ سرو آزاد۔ ج ۲۔ ص ۲۱۸ ❸ تقصار، ص ۱۱۵

نیز لکھا ہے کہ شاہ غلام علیؒ نے حالات مظہریہ میں آپ کو کبار علمائے حدیث سے شمار کیا ہے۔
بقول مولانا آزاد بلگرامی تصوف میں

تشرع بدرجہ کمال داشت و ہمیشہ ہمت بتعدیل شریعت می گماشت۔

اس میں کمال درجہ کے متشرع اور جادہ اعتدال پر گامزن تھے۔

مرزا مظہر جان جاناںؒ دینی اور دنیاوی وجاہت کے باوجود بار باران کی صحبت میں بیٹھنے کو اکثر جایا کرتے تھے اور فرماتے:

بہت سے ارباب کمال سے ملا مگر جتنا شیخ محمد فاخر کے پاس اپنے آپ کو ہلکا پایا کہیں دوسری جگہ ایسا نہیں ہوا۔ یعنی لوگ مجھ سے ملنے آتے ہیں اور میں شیخ کی ملاقات کو جاتا ہوں۔

شاہ فاخر کے دو لڑکے تھے۔ شاہ قطب الدین جن کا انتقال مکہ میں ۱۱۸۷ھ میں ہوا۔ دوسرے شاہ محمد اجمل جو الہ آباد میں سکونت پذیر تھے یہاں ان کا دائرہ بہت مشہور تھا۔ ان کی ۱۲۳۶ھ میں وفات ہوئی۔ شاہ فاخر کے بہت سے تلامذہ اور مرید ہوئے۔

آپکی تصانیف میں قرۃ العینین فی اثبات رفع الیدین، نظم سفر السعادۃ، رسالہ نجاتیہ۔ مثنوی در تعریف علم حدیث، فارسی دیوان جس میں حدیث کو رائے وقیاس پر ترجیح دی گئی ہے اور بدعت کی بجائے سنت کو اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔ عقائد میں متکلمین اور معقولیوں کی روش پر چلنے سے منع فرمایا ہے اور کتاب وسنت سے ماخوذ عقائد کو قبول کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ شاعرانہ نقطہ نگاہ سے بھی آپکا کلام بلند مرتبہ ہے فرماتے ہیں:

زائر ہمہ علم وعمل او ز حدیث است بیچارہ جز یں خانہ ہیچ ندارد

(زائر کا تمام علم وعمل حدیث رسول سے ماخوذ ہے۔ بے چارے کے پاس اس کے سوا اور رکھا ہی کیا ہے)

بدل از رائے ایں مرداں تبرا کردہ ام زائر از اں روزے کہ با سنت زدم نقش تولا را

(اے زائر جس دن سے رسول کریم ﷺ کی حدیث سے تعلق اور لگاؤ پیدا ہوا ہے، لوگوں کی رائے اور قیاس سے میرا دل بے زار ہو گیا ہے)

از سنت آنکہ بروں رفتہ زائر از پئے را خدا گواہ کہ نشناختہ است ایمان را

(جو حدیث رسول اللہ کو چھوڑ کر رائے و قیاس کے پیچھے دوڑا، خدا گواہ ہے کہ وہ ایمان سے بے خبر ہے)

زائر بجز سنن نشناسیم راہ راست　از راہ اہل رائے حذر کنیم ما

(سنت رسول کے بغیر کوئی سیدھا راستہ نہیں ہے، اہل رائے کے طریقہ سے ہمیں سخت پرہیز ہے)

بخدا ہر کہ بہ آرای کند رد حدیث　بدل بیہدہ اش بہرہ از ایمان نیست

(جو رائے اور قیاس کے مقابلہ میں حدیث کو رد کر دیتا ہے، اس کے دل میں ذرہ بھر ایمان نہیں ہے)

ما اہل حدیثیم دغا را نشناسیم　صد شکر کہ در مذہب ما حیلہ و فن نیست

(ہم اہل حدیث ہیں، دغا بازی اور دھوکہ وفریب دہی سے واقف نہیں ہیں۔ ہزار ہزار شکر ہے کہ ہمارے مذہب میں مکر وفریب کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے)

ہمیں بود بدل زائر از حدیث امید　کہ دستگیر مرا وقت انتقال شود

(دل میں یہی امید ہے کہ انتقال کے وقت سنت رسول ہی میری دست گیر ہو گی۔ قیامت کے دن حدیث ہی کام آئے گی)

بروز حشر نپرسند زائرا از رائے　ہمیں حدیث در آنجا ترا بکار آید

(قیامت کے دن رائے و قیاس کے متعلق سوال نہیں ہو گا، یہی حدیث وہاں کام آئے گی)

خاطر زائر نساز و شاد جز سفر حدیث　خط یاراں از کتاب رائہا گر بودہ است

(اگر دوسرے لوگوں کے حصہ میں رائے و قیاس سے بھری ہوئی کتابیں آئی ہیں تو زائر کا دل تو کتب حدیث کے بغیر کسی چیز میں محبت محسوس نہیں کرتا۔

بقول سرور عالم عمل بکن زائر　ز دیگراں بکنارا کہ عین ایمان ست

(اے زائر سرور عالم ﷺ کے فرمان پر عمل کر، اور دوسروں سے الگ ہو جا، کیونکہ یہی عین ایمان ہے)

شاہ فاخر فرماتے تھے:

احادیث رسول آوردہ ام اسرار دیں نیست غیر از گوہر شہوار در دکان ما

از عقائد این و آں زائر عقائد را نجست در پناہ سنت سرور بود ایمان ما

شاہ فاخر کو شاہ ولی اللہ سے معاصرت کا تعلق ہے اور بڑی حد تک دونوں کے خیالات میں بھی توافق ہے۔ شاہ فاخر کا واقعہ ہے کہ ایک بار انہوں نے ایک مسجد میں آمین بالجہر کہہ دی۔ جاہل ان کے درپئے آزار ہوئے۔ انہوں نے سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ میں نے حکم حدیث پر عمل کرتے ہوئے ایسا کیا ہے لیکن کوئی مطمئن نہ ہوا۔ بالآخر شاہ فاخر نے کہا کہ تم مجھے اپنے کسی بڑے عالم کے پاس لے چلو وہاں فیصلہ ہو جائے گا۔ چناں چہ وہ آپ کو شاہ ولی اللہ کے پاس لے آئے۔ انہوں نے سن کر فرمایا کہ ہاں حدیثوں میں ایسا بھی مذکور ہے۔ شاہ صاحب کی بات سن کر لوگ چلے گئے۔ تب شاہ فاخر نے کہا کہ حضرت آپ حدیث سے واقف ہیں تو کھلتے کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا کھل چکا ہوتا تو آپ کو کیسے بچاتا۔ یعنی شاہ صاحب جیسے عالم بھی اس خدشہ سے مصئون نہیں تھے کہ اگر انہوں نے حدیث پر عمل کیا تو وہ مشکلات میں پھنس جائیں گے۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بایں جلالت وقدر ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ حق کی آواز بلند کر سکیں۔ جو کچھ ان کی کتابوں میں لکھا تھا وہ ان کی زندگی میں خواص تک محدود رہا، یا شاگردوں نے اسے پڑھا۔ اس کی عام اشاعت نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس وقت چھاپہ خانے ہی موجود نہ تھے۔ حجۃ اللہ البالغہ سب سے پہلے بھوپال کے مدار المہام مولانا جمال الدین (ف ۱۲۹۹ھ) کے ایماء اور ہدائت پر انہیں کے مصارف سے محمد احسن صدیقی (م ۱۳۱۲ھ) کے اہتمام میں مطبع صدیقی بریلی میں ۱۲۸۶ھ میں طبع ہوئی۔ دوسری مرتبہ سید صدیق حسن (م ۱۳۰۷ھ) کے حکم سے ۱۲۹۶ھ میں مطبع بولاق مصر سے اس کی اشاعت ہوئی۔ مصر سے اس کے دو ایڈیشن نکلے اور ۱۳۹۹ھ (۱۹۷۸ء) میں مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کے اہتمام میں المکتبہ السّلفیہ لاہور نے اس کا ایک ایڈیشن نکالا جو مصری ایڈیشن کا آفسٹ ہے۔ مصر سے ہی اس کا چوتھا ایڈیشن نکلا جو مشہور مصری عالم اور اخوانی رہنما سید سابق کی تحقیق و مراجعت مفصل، مقدمہ اور مصنف علام

کے تعارف اور سوانح کے ساتھ دار الکتب الحدیثیہ قاہرہ اور مکتبۃ المثنی بغداد کی طرف سے شائع ہوا لیکن کتاب کی تصحیح وتحشیہ تخریج احادیث اور اشارات کی توضیح کے ذریعہ جو خدمت ہونی چاہیے تھی ابھی نہیں ہوئی۔ اردو میں اسکے دو ترجمے شائع ہوئے پہلا ترجمہ مولانا عبدالحق حقانی کے قلم سے نعمۃ اللہ السابغہ کے نام سے دو حصوں میں مکمل ہوا اور یہ ترجمہ ۱۳۰۲ھ میں مکمل ہوا تھا اور ۱۳۱۲ھ میں مطبع احمدی پٹنہ سے شائع ہوا۔ بعد میں نور محمد اصح المطابع کراچی سے دوبارہ شائع ہوا۔ دوسرا ترجمہ مولانا خلیل احمد اسرائیلی کے قلم سے آیات اللہ الکاملہ کے نام سے مطبع اسلامی کی طرف سے شائع ہوا۔ ❶

ازالۃ الخفا پہلی مرتبہ مولوی محمد احسن صدیقی کے اہتمام میں منشی جمال الدین صاحب مدارالمہام بھوپال کے حکم و ہدائت پر ۱۲۸۶ھ بریلی میں مطبع صدیقی میں چھپی۔ اس وقت تین نسخے فراہم ہوسکے۔ جن سے تصحیح و مقابلہ کا کام کیا گیا۔ ایک منشی صاحب کا بھوپال کا نسخہ دوسرا احمد حسن امروہی کا نسخہ تیسرا انوار الحسن کاندھلوی کا نسخہ۔ قرینہ ہے کہ مصنف علام کتاب پر نظر ثانی نہیں فرما سکے۔ کتاب کا دوسرا ایڈیشن سہیل اکیڈیمی لاہور سے ۱۳۹۶ھ۔ ۱۹۷۶ء کو شائع ہوا جو پہلے ایڈیشن کا آفسٹ ہے۔ کتاب کا عربی ترجمہ مجلس العلمی ڈابھیل کے اہتمام میں تیار ہوا لیکن اسکی کماحقہ ممالک عربیہ میں اشاعت نہیں ہوسکی مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی نے کتاب کا اردو ترجمہ کیا جو کتاب کی فصل اول سے فصل پنجم تک ہے۔ اس کا نام کشف الغطا عن السنۃ البیضاء رکھا۔ اس مطبوعہ حصہ کی ضخامت ۳۳۶ صفحات ہے ۱۳۲۹ھ میں عمدۃ المطابع لکھنو سے شائع ہوا۔ ❷

جناب ولائت علی صادقپوری نے اپنے مرید جناب بدیع الزمان بردوانی کے ذریعہ ترجمہ قرآن از شاہ عبدالقادر کو پہلی مرتبہ شائع کروایا۔ کیونکہ مطبع حسینی لکھنو نے اسے شائع کرنے سے انکار کردیا تھا۔ ❸

---

❶ تاریخ دعوت وعزیمت۔ جلد ۵ ص ۲۲۱۔ حاشیہ

❷ تارخ دعوت وعزیمت۔ جلد ۵۔ ص ۲۷۳۔ ۲۷۴

❸ علمائے ہند کا شاندار ماضی۔ ج ۳ ص ۲۵

شاہ محمد فصیح

تذکرہ فصیح میں لکھا ہے:

شاہ محمد فصیح بن شیخ غلام رضا ربیع الاول ۱۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب شاہ محمد افضل عباسی ثم الہ آبادی سے ملتا ہے۔ پہلوانی کرتے رہے اور اس فن میں طاق ہوئے۔ ۱۸ سال کی عمر میں شادی ہوئی۔ ۱۹ سال کی عمر میں پڑھنا شروع کیا۔ دو سال میں فراغت حاصل کر لی۔ اسی زمانے میں سید احمد اور شاہ اسماعیل کی تحریک چل رہی تھی۔ وہ بنارس آئے تو آپ کے والد شیخ غلام رضا نے ان کی دعوت کی اور بیعت بھی کی۔ جناب محمد فصیح نے سید احمد سے ملاقات کی اور سید احمد نے انہیں دعا دی اور فرمایا ہمارے خلفاء میں یہ اکمل و افضل ہوں گے اور لاکھوں بندگان خدا کو کوچہ ضلالت سے راہ راست پر ہدائت پہنچائیں گے اور دور دور تک ان کی ذات سے دین اسلام کی رونق ہوگی اور وقت کے شیر کہلائیں گے۔ ❶

شاہ محمد فصیح کا مناظرہ میں وہ شہرہ ہوا کہ کوئی عالم آپ سے سبقت حاصل نہ کر سکا اور لوگوں نے آپ کو مولانا شیر کے خطاب سے نوازا۔ ❷

تحصیل علم کے بعد آپ شاہ کبیر الدین احمد سجادہ نشین سہسرام کے اصرار پر ان کے مدرسہ میں درس و تدریس فرماتے رہے۔ اسی دوران آپ پر اسرار باطنی کا زور ہوا تو تدریس سے الگ ہو کر وعظ و نصائح اور بندگان خدا کی ہدایت میں مصروف ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ جب سید احمد پر جناب محمد فصیح کے احوال منکشف ہوئے تو انہوں نے اپنے خلیفہ مولانا محمد علی کو حکم دیا کہ تم جا کر ہماری طرف سے محمد فصیح کو خلافت تفویض کر آؤ۔ چناں چہ وہ اجازت بیعت اور خرقہ و دستار دے کر واپس گئے۔ اسکے بعد یہ حال ہوا کہ دور دور آپکا فیض پہنچنے لگا۔ غازی پور، سہسرام، صوبہ بنگال وغیرہ میں جوق در جوق لوگ داخل بیعت ہوئے۔ اس وقت آرہ میں شرک و بدعات اور ہندوانہ رسوم مسلمانوں میں بہت رائج تھیں آپکے وعظ سے لوگوں میں اصلاح ہونے لگی۔ جامع مسجد میں تمبا کو سکھایا جاتا تھا اور تعزیہ رکھا جاتا ان سب مکروہات سے مسجد پاک ہو گئی۔ ❸

---

❶ تذکرہ مشائخ غازی پور ص ۴۱۴ بحوالہ مصنفہ شیخ شجاعت علی آروی مطبوعہ مسلم پریس سیوان ۱۳۵۲ھ ص ۱۷

❷ تذکرہ مشائخ غازی پور ص ۴۱۴ ❸ تذکرہ مشاہیر غازیپور ص ۲۷۷۔۲۷۹

آپ کا انتقال ۲۹ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ کو ہوا۔ آپ کے فرزند شاہ امانت اللہ کا شمار بھی برصغیر کے اکابر علماء میں ہوتا ہے۔ ❶

شاہ محمد فصیح کا ایک مناظرہ صادق پوری علماء سے ہوا تھا جس کی قدرے تفصیل ہم نے جناب ولایت علی کے ترجمہ میں بیان کی ہے۔ اس کی روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ متعصب نہ تھے۔ بلکہ دلیل کو مان لیتے تھے۔ آپ کا ایک اور مناظرہ دہلی کی جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ جناب میاں نذیر حسین محدثؒ سے ہوا تھا۔ اس مناظرے کی روداد حکیم فضل حسین بہاری نے الحیاۃ بعد المماۃ میں نقل کی ہے۔ اس روداد سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حق تسلیم کرنے سے انہیں عار نہ تھا۔ دلیل کو مان لیتے تھے۔ خواہ مخواہ جھگڑنے والوں میں سے نہ تھے۔

فضل رسول بدایونی

آپ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے شاہ ولی اللہؒ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور شاہ اسحاقؒ کی مخالفت میں قلم اٹھایا۔ مولانا اسماعیلؒ اور شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب کے درمیان فرضی رابطے بتلائے اور اس نسبت سے ان پر وہابی کا نام اور الزام قائم کیا۔ ہندوستان میں لفظ وہابی کا یہ پہلا تعارف تھا۔ ❷

جناب فضل رسول بدایونی کے خاندان کے ایک مرید محمد یعقوب القادری اکمل التاریخ کے دوسرے حصے میں آپ کے سوانح حیات لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

اس بڑھتی ہوئی ہمت اور چڑھتے ہوئے ولولہ نے یہ خیال پیدا کیا کہ کسی جگہ کوئی ایسا تعلق اختیار کیا جائے جو معاش کی جانب سے فارغ البالی ہو۔ آخر اس جستجو پر (فضل رسول نے) ریاست گوالیار کے لئے گھر سے قصد سفر کیا۔ ❸

آپ کی خداداد قابلیت نے وطن کی چاردیواری سے نکل کر شہرت و ناموری کے علمی سبزہ زاروں کی گلگشت شروع کی۔ حکام وقت اور والیان ریاست نے قدردانی اور مرتبہ شناسی کیلئے دست طلب بڑھانا شروع کر دیئے۔ اور آپ کی خدمات کو سرکاری کاموں کی انجام دہی کیلئے مانگنا چاہا۔

---

❶ تذکرہ مشائخ غازی پور۔ ص ۴۱۹ ❷ مطالعہ بریلویت۔ ج ۱۔ ص ۱۸۷

❸ اکمل التاریخ ج ۲ ص ۳۸۔ (مطالعہ بریلویت۔ ج ا ص ۱۸۸

آپ نے کچھ دنوں محکمہ افتاء جو اس وقت گورنمنٹ میں قائم تھا اور بطور مفتی کے علماء کو عہدے دیئے جاتے تھے کو اپنے مسلک انصاف کی روشنی میں فروغ بخشا۔ ❶

جناب یعقوب حسین قادری بتاتے ہیں:

نواب محی الدولہ نے کوشش کر کے سترہ روپے یومیہ مقرر کرا دئے۔ اس وقت سے اب تک گیارہ روپئے روازانہ کے حساب سے...... جاری رہا۔ جس کی تعداد سرکاری سکہ سے دوسو ساٹھ روپئے ماہوار کے قریب ہوتی تھی۔ ❷

جناب محمد علی قصوریؒ نے لکھا ہے:

انگریز اس جماعت (مجاہدین) سے اس قدر خائف تھا کہ جب وہ سیاسی ہتھیاروں سے ان پر قابو نہ پا سکا تو اس نے وہابیت کا ڈھونگ کھڑا کیا اور اس جماعت کو وہابی کہہ کر بدنام کرنا شروع کیا تا کہ لوگوں کو اس جماعت کے ساتھ لگاؤ نہ رہے۔ چنانچہ بریلی کے ایک مولوی کو (غالبًا انکا نام غلام رسول تھا) ۵۰۰ روپئہ ماہوار پر ملازم رکھا اور انہیں اختیار دیا کہ جتنے مولوی چاہیں ملازم رکھ لیں۔ چنانچہ ان سرکاری تنخواہ دار مولویوں کا ایک پورا گروہ ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گیا اور مسجدوں میں پبلک مقامات میں انہوں نے حضرت شاہ اسماعیل کی تکفیر اور انکی وہابیت کی تشہیر شروع کی۔ ان کے خلاف جھوٹے الزام تراشے گئے۔ روس نے سرمایہ دار ممالک کے خلاف اور سرمایہ دار ممالک نے روس کے خلاف اتنا جھوٹا اور اتنا زہریلا پروپیگنڈہ کیا، کیا ہوگا، جتنا اس جماعت کے خلاف انگریز کے تنخواہ دار اجیروں نے کیا۔ اسکے ساتھ ساتھ انگریز نے وہابی تحریک کو کچلنے کیلیئے ہر قسم کا تشدد اور دباؤ بھی استعمال کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اگر کسی شخص کو کسی شخص کے خلاف دشمنی ہو تو وہ جا کر جھوٹ موٹ بھی کلکٹر سے کہہ دیتا کہ فلاں شخص وہابی ہے تو اسکو پھانسی پر لٹکا دینے کیلیئے یہ کافی تھا۔ ❸

---

❶ اکمل التاریخ ج ۲ ص ۵۱ (مطالعہ بریلویت۔ ج ا ص ۱۸۸

❷ مطالعہ بریلویت ج۔ا۔ص ۱۸۹

❸ مشاہدات کابل و یاغستان ص ۹۰۔۹۱

قطب الدین الدہلوی

صاحب نزھۃ الخواطر نے آپ کا ترجمہ بایں الفاظ لکھا ہے:

الفقیه المحدث قطب الدین بن محی الدین الحنفی احد کبار الفقهاء ...... اخذ الفقه والحدیث عن الشیخ اسحاق بن افضل العمری الدهلوی وکان...... شدید الرغبة فی المباحثه فی العلم والمذاکرة به شدید التعصب علی من خالفه فی المذهب له مصنفات فی الرد علی السید نذیرحسین الحسینی الدهلوی فیماخالفه من المذهب الحنفی وله مصنفات غیرذالك فی الفقه والحدیث منها مظاهر الحق شرح المشکاة بالهندیه فی اربعة مجلدات ومنها الظفرالجلیل شرح حصن الحصین بالهندیه ، ومنها جامع التفسیر ، تفسیرالقرآن الکریم بالهندیه ، ومنها معدن الجواهر وآداب الصالحین والطب النبوی وتوفیرالحق وتنویرالحق۔ سافر الی الحرمین الشریفین فی آخر عمره فمات بمکة المبارکة سنة تسع وثمانین ومأتین والف وله خمس وستون سنة کما فی حدائق الحنفیه ۔ ❶

نواب قطب الدین دہلویؒ ، میاں نذیر حسینؒ کے ہم مکتب اور دوست تھے، لیکن مسلک کا اختلاف موجود تھا۔ تنویر الحق شائع ہوئی تو میاں صاحبؒ کا خیال تھا کہ یہ کتاب دراصل محمد شاہ پاک پٹنی کی مرتب کردہ ہے جسے مناسب اڈیٹنگ کے بعد نواب قطب الدین کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ تنویر الحق کا جواب معیار الحق کے نام سے نکلا۔ اس کی تفصیلات کسی مناسب مقام پر انشاء اللہ بیان ہوں گی۔ اس مقام پر نواب قطب الدین کی مظاہر حق سے جنم لینے والا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے جو تاریخ اہل حدیث سے متعلق ہے۔ واقعہ کے راوی حافظ یوسف ہیں جو مظفر نگر کے رہنے والے تھے اور ضلعدار نہر ہونے سے پہلے امرتسر میں کتب فروشی کرتے تھے۔ حنفی المسلک تھے لیکن ۱۸۶۰ء میں اپنے مطالعہ کی بنا پر عامل بالحدیث ہوئے۔ بعد ازاں سید عبداللہ غزنویؒ نے جب امرتسر میں قیام فرمایا تو حافظ صاحب ان کے اخص مریدوں میں شامل ہو کر ان کے معاون و مددگار رہوئے۔

---

❶ نزھۃ الخواطر۔ ج ۷ ص ۳۸۷۔۳۸۸

حافظ محمد یوسفؒ کہتے ہیں:

۱۸۶۰ء کا واقعہ ہے کہ میری عمر تخمیناً ۲۰ برس کی تھی، میں امرتسر میں کتب فروشی کرتا تھا کہ میرے پاس مظاہر حق (ترجمہ مشکوٰۃ از نواب قطب الدین دہلوی) بھی آئی۔ میں نے اس میں رفع یدین کی حدیث دیکھی تو اپنے استاد مولوی ابوعبداللہ غلام علی امرتسریؒ کی خدمت میں پیش کی۔ مولوی صاحب چوں کہ ان دنوں حنفی تھے اس لئے انہوں نے جواب دیا کہ یہ حدیث شافعیوں کی ہے۔ امام شافعیؒ نے اس کو لیا ہے ہمارے امام اعظمؒ نے اسے قبول نہیں کیا۔ میں نے کہا حدیث رسول اللہ ﷺ کی ہے یا نہیں؟......اور میں مولوی غلام رسول (امرتسری) کی مسجد میں رفع یدین کرتا رہا، ایک دفعہ مولوی صاحب موصوف نے مجھ کو اپنی مسجد سے نکال دیا ......(چند روز بعد) میں دہلی گیا۔ وہاں بھی آمین بالجہر کہنے پر شور بپا ہوا۔ میں نے نواب قطب الدین کی مسجد میں جا کر عمل بالحدیث کیا، تو نواب صاحب خفا ہوئے۔ میں نے کہا آپ کی کتاب مظاہر حق سے تو مجھے ہدایت ہوئی اور آپ ہی منع کرتے ہیں۔ مگر نواب صاحب یہی فرماتے رہے کہ یہاں مت آیا کرو......حضرت میاں صاحب مرحوم بھی ان دنوں عمل بالحدیث نہ کرتے تھے۔ اس لئے (مولوی سید عبدالخالق کے بیٹے، دہلی کے مشہور واعظ اور میاں نذیر حسین کے برادر نسبتی) مولوی عبدالرب نے بڑی سختی سے میری تردید کی اور بطور طعنے کے کہا کہ اگر یہ سنت ہے تو مولوی نذیر حسین کیوں نہیں کرتے؟ یہ سن کر میں حضرت میاں صاحب کی خدمت میں گیا۔ میں نے جا کر عرض کیا، یا تو یہ فرمایئے کہ یہ فعل سنت نہیں یا خود کیجئے۔ علماء ہم کو طعن دیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت میاں صاحب نے فرمایا، اچھا ہم بھی کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے عمل بالحدیث شروع کر دیا۔ بس پھر کیا تھا؟ حضرت میاں صاحب کا سلسلہ شاگردی تو بہت وسیع تھا، اس لئے دور دور تک اثر پہنچ گیا......(بعد ازاں) میں امرتسر ملازمت کے طبقے میں داخل ہوا۔ اس عرصہ میں حضرت مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ امرتسر تشریف لائے، جن کے اثر صحبت سے عمل بالحدیث کو بہت ترقی ہوئی۔ ❶

---

❶ نقوش ابوالوفا۔ امام خان ص ۳۹۔۴۲۔ بحوالہ اہل حدیث ۲۶ مئی ۱۹۱۱ء۔ منقول از دیباچہ رسائل اہل حدیث جلد دوم۔ لاہور طبع ۱۹۹۱ء ص۔ ۲۱۔۲۴

محبوب علی الدہلوی

صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کا ترجمہ بایں الفاظ لکھا ہے:

الشیخ العالم المحدث محبوب علی بن مصاحب علی بن حسن علی بن روشن علی الحسینی الدھلوی احد العلماء المشھورین ، ولد بدارالملك دھلی فی غرۃ محرم سنة مأتین والف وقرأ العلم علی الشیخ عبد القادر بن ولی اللّٰه الدھلوی وحصلت له الاجازۃ عن الشیخ عبد العزیز بلاواسطه وشارك العلامة اسماعیل بن عبدالغنی الدھلوی فی السماع والقرأۃ للترمذی علی الشیخ عبدالقادر المذکور وبایع السید المجاھد احمد بن عرفان البریلوی بیعة الجھاد وسافر الی یاغستان مع اصحابه لینصرہ فی الجھاد ولکن الشیطان وسوس فی صدرہ فتأخر ورجع الی الھند ـ وکان یدرس ویفید ، اخذ عنه القاضی محمد بن عبد العزیز المچھلی شھری ...... مات فی عاشر ذی الحجة سنة ثمانین ومأتین والف ببلدۃ دھلی فدفن بھا کما فی یادگار دھلی۔ ❶

آپ نے سید احمد شہید بریلویؒ سے بیعت کی تھی اور ان کے ساتھ سرحد کی جانب ہجرت بھی کی تھی۔ دوران قیام سرحد جناب سید احمد کے نظریات سے آپ کو اختلاف ہو گیا اور آپ واپس دہلی آ گئے۔ بتایا جاتا ہے کہ آپ کی واپسی کا مجاہدین کی رسد پر بہت برا اثر ہوا اور شاہ اسحاق وغیرہ کو مجاہدین کی حمایت میں زیادہ سرگرمی سے کام کرنا پڑا تھا۔ یہ تفصیلات کسی اور موقع پر بیان ہوں گی انشاءاللہ۔ فی الحال جناب وحید الدین خان کی ایک تحریر پیش خدمت کی جاتی ہے۔ لکھا ہے:

سید احمد شہید بریلوی کی فوج میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو ان سے بیعت کئے ہوئے تھے انہی میں سے ایک مولانا میر محبوب علی الدہلوی (ف ۱۲۸۰ھ) تھے۔ وہ اپنے وقت کے ایک مشہور عالم تھے۔ وہ سید احمد شہید بریلوی کی فوج میں شریک ہو کر روانہ ہوئے۔ چارسدہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا گیا۔

---

❶ نزہۃ الخواطر۔ ج۔۷ ص ۴۰۶۔۴۰۷

یہاں پہنچ کر مولانا میر محبوب علی کو سید صاحب سے اختلاف ہوگیا۔ میر محبوب علی نے اپنے اس اختلاف کی روداد اپنی عربی کتاب تاریخ الآئمة فی خلفاء الامة میں درج کی ہے یہ کتاب دہلی میں جامعہ ہمدرد (تغلق آباد) کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میر محبوب علی نے چارسدہ کے مقام پر سید احمد شہید بریلوی سے خلوت میں ملاقات کی۔ انہوں نے سید صاحب سے پوچھا کہ آپ نے سکھوں کے خلاف جہاد کا یہ اقدام کس بنیاد پر کیا ہے۔ سید صاحب نے بتایا کہ کشف اور خواب کی بنیاد پر۔ میر محبوب علی نے کہا کہ جہاد کا فیصلہ کشف اور خواب کی بنیاد پر نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن میں ہے کہ ﴿ **وامرهم شورى بينهم** ﴾ (شوریٰ۔ ۳۸)۔ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ جہاد کا فیصلہ مشورہ کے ذریعہ کیا کرتے تھے۔ آپ کو بھی مشورہ کرنا چاہیے اور اقدام سے پہلے اس معاملہ کی پوری تحقیق کرنا چاہیے۔

مگر سید احمد شہید بریلوی نے میر محبوب علی کی اس بات کو نہیں مانا۔ انہوں نے کہا تم اپنی اس تنقید سے میرے کام میں خلل ڈال رہے ہو۔ تمہاری اطاعت خاموشی کے ساتھ سننے کی ہونی چاہیے۔ ایسی خاموشی جیسی اس سامنے والے پہاڑ کی ہے۔

سید صاحب سے میر محبوب علی صاحب کی یہ گفتگو ناکام رہی۔ چنانچہ وہ واپس دہلی آگئے۔ سید صاحب نے اس پر سخت رد عمل ظاہر کیا۔......

اس واقعہ کو بعض کتابوں میں میر محبوب علی صاحب کی گمراہی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ [1]

اس کے بعد جناب وحید الدین نے نزہۃ الخواطر کی درج بالا عبارت نقل کی ہے۔

محمد بن عبدالعزیز مچھلی شہری

صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کا ترجمہ یوں رقم فرمایا ہے:

عالم محدث شمس الدین ابوعبداللہ قاضی محمد بن عبدالعزیز جعفری مچھلی شہری ہندوستان کے مشہور علماء میں سے تھے۔ شوال ۱۲۵۲ھ میں ولادت ہوئی۔ مولوی سخاوت علی عمری جون پوری سے علم حاصل کر کے کئی دیگر شیوخ سے پڑھا جن میں معمر عبدالحق بن فضل اللہ نیوتنی بھی ہیں۔ اور شیخ مکی ہیں جن سے سنن ابی داؤد کے کئی ابواب پڑھے۔

---

[1] الرسالہ۔ دہلی جولائی ۲۰۰۱ء۔ ص ۳۸۔ ۴۰

معمر سلیمان مراد تھے جو مسجد حرام کے امام بھی تھے۔ سید محبوب علی جعفری بھی ہیں جن سے حدیث اولیت بشرطہ مسلسل سنی ہے۔ آپکے اساتذہ میں شاہ یعقوب بن محمد افضل دہلوی بھی شامل ہیں۔

آپ بہت بڑے عالم تھے۔ فن حدیث میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ کتاب وسنت کے نصوص ظاہرہ پر عمل کرتے اور اس کا اعتقاد رکھتے (بالفاظ دیگر عامل بالحدیث تھے)۔ احناف کے لئے بہت سخت تھے۔ پرہیز گار اور بڑے دین دار تھے۔ ۱۲۸۷ھ اور ۱۲۹۵ھ میں حج کئے۔ آخر میں آپ نے بھوپال میں عہدہ قضا بھی قبول کرلیا اس عہدہ پر ایک مدت تک رہے۔ آپ کی کئی تصنیفات ہیں۔ آپ نے ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۲۰ھ کو ۶۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ ❶

محمد حسین بٹالوی

محمد حسین بن شیخ رحیم بخش بن ذوق محمد بڑے علماء میں سے تھے ۱۷ محرم ۱۲۵۶ھ کو ولادت ہوئی کچھ عرصہ اپنے شہر میں پڑھا۔ پھر دہلی، علی گڈھ، لکھنؤ وغیرہ گئے۔ مفتی صدر الدین دہلوی، جناب نور الحسن کاندھلوی اور دوسرے علماء سے پڑھا۔ سید نذیر حسینؒ محدث کے پاس رہ کر مئوطا مشکوۃ اور صحاح ستہ پڑھی۔ پھر اپنے شہر لوٹ آئے۔ تصنیف وتدریس اور تذکیر میں مشغول رہے۔ لاہور میں پہلے بھاٹی گیٹ کی مسجد میں رہے پھر چینیانوالی مسجد میں۔ ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو فوت ہوئے۔

جناب محمد حسین بٹالویؒ نے عمل بالحدیث کی ترویج میں بہت کوشش کی۔ لاہور میں اہل حدیث کا پہلا مرکز، مسجد چینیانوالی کی شکل میں آپ ہی کی کوشش سے قائم ہوا۔ یہ قدیم اور تاریخی مسجد آپ کی کوشش سے حکومت سے واگزار کرائی گئی۔ اور اسے آباد کر کے آپ نے اسے اہل حدیث کا نہ صرف لاہور بلکہ آج کے پورے پنجاب کا مرکز بنا دیا۔ آپ ۱۸۵۴-۱۸۶۵ء میں اس مسجد سے اذان حق بلند کرنے لگے۔ یاد رہے کہ وہی مسجد ہے جس میں بعدازاں جناب رحیم بخشؒ، جناب عبدالواحد غزنویؒ، جناب داؤد غزنویؒ، جناب محمد علی لکھویؒ، جناب محمد اسحاق رحمانیؒ،

---

❶ نزہۃ الخواطر۔ ج ۸۔ ص ۵۰۱۔۵۰۲

جناب احسان الٰہی ظہیرؒ خطیب و امام رہے۔ اور جناب ابوبکر غزنویؒ بھی اسی مسجد کے خطیب ہونے کی آرزو رکھتے تھے۔

اس مسجد نے لاہور اور پنجاب کے اہل حدیث حضرات کو ایک مرکز مہیا کیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ پنجاب میں مساجد و مدارس اہل حدیث کا جال بچھا۔

جناب بٹالوی نے پنجاب کے اہل حدیث کو آواز عطا کی۔ چھپے ہوئے اہل حدیث ان کی کوشش سے منظر عام پر آئے۔ آپ چینیا نوالی مسجد میں درس قرآن و حدیث دیتے رہے۔ جہاں سے پورے پنجاب اور کشمیر او ربلتستان تک آپ کا فیض پہنچا۔ آپ جناب میاں نذیر حسینؒ کے سب سے ممتاز شاگرد سمجھے جاتے ہیں۔ حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ جیسے اکابر آپ کے شاگرد ہیں جن کے شاگردوں میں جناب ثناء اللہ امرتسریؒ اور جناب محمد ابراہیم میرؒ شامل ہیں۔

آپ نے اہل حدیث حضرات کا پہلا ماہانہ رسالہ اشاعت السنہ جاری فرمایا جو کم از کم تیس سال تک جاری رہا۔ اور اس کی تمام جلدیں علمی، تحقیقی مضامین پر مشتمل ہیں اور اندازاً ۹۵ فی صد آپ ہی کی تحریروں پر مشتمل ہیں۔ اس رسالے کو اگرچہ ایک انجمن چلاتی تھی لیکن درحقیقت یہ ون مین شو تھا۔ آپ کی نقل و حرکت کے ساتھ اس کا دفتر اور مقام اشاعت بدلتا رہتا ہے۔ اس لئے اشاعۃ السنہ لاہور سے بھی نکلتا رہا۔ بٹالہ سے بھی نکلتا رہا کبھی لدھیانہ سے نکلتا رہا۔ آپ خود ہی مضامین لکھتے جو تحقیق کا شاہ کار ہوتے۔ خود ہی رسالے کے اڈیٹر، ناشر وغیرہ تھے۔ اس میں اشتہارات وغیرہ نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے اس کی اشاعت و ترسیل کے اخراجات زیادہ تر خود ہی برداشت کرتے۔ اور جو شائقین خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے انہیں بلا قیمت رسالہ بھیج دیتے۔ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ ۴۰۰ صفحات کی پوری جلد ڈاک خرچ ارسال کرنے پر قاری کو اس وعدہ پر روانہ کردی جاتی کہ وہ استفادہ کے بعد جلد واپس ارسال کردے گا۔

اشاعۃ السنہ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے لگ بھگ ضخامت کی دستاویز ہے [1] میرا خیال ہے کہ ماضی قریب کے برصغیر کی تاریخ میں کسی ایک شخص نے تن تنہا مختلف النوع عنوانات پر اشاعۃ السنہ کی سی ضخامت کا تحریری ورثہ نہیں چھوڑا۔

---

[1] جو سینکڑوں علماء و فضلاء کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

اپنے دور کے سیاسی معاملات میں بھی حصہ لیتے تھے اور ہندوستان میں اہل حدیث کو مٹ جانے سے بچانے میں آپ کا حصہ کسی بھی دوسرے اہل حدیث قائد یا کارکن سے زیادہ ہے۔ جب رفع یدین اور آمین بالجہر کے عاملین کو وہابی قرار دے کر پھانسی یا کالے پانی کی سزا ہونا معمول کی بات تھی، اس نازک وقت میں جناب بٹالوی رحمہ اللہ نے اپنی مخلصانہ مساعی سے عاملین بالحدیث کو پناہ گاہوں سے نکال کر اس قابل بنا دیا کہ وہ علی الاعلان اپنے عقیدہ وعمل کا اظہار کرنے اور اپنی تنظیمیں قائم کرنے کے قابل ہو گئے۔

محمد شاہ جہان پوری

آپ نے دینی تعلیم اپنے جناب والد کفایت اللہ شاہ جہان پوری (ف ۱۳۳۱ھ) سے حاصل کی۔ پھر منطق پڑھنے رام پور چلے گئے اور جناب ارشاد حسین (ف ۱۳۱۱ھ) سے منطق میں مہارت پیدا کی۔ یہ رام پوری بزرگ وہی ہیں جنہوں نے جناب میاں نذیر حسین محدث دہلوی کی مشہور کتاب معیار الحق کا جواب انتصار الحق لکھا۔ اثنائے تعلیم میں شاگرد نے استاد کا اثر لیا اور مقلد ہو کر غیر مقلدوں سے مناظرے شروع کر دیئے تا آنکہ ایک جید اہل حدیث عالم جناب بدر الحسن رحمہ اللہ سہسوانی سے تقلید شخصی پر مناظرہ ہوا جس کے نتیجہ میں تقلید کے دائرے سے نکل آئے اور اہل حدیث ہو گئے اور پھر جناب بدر الحسن سے شفاء قاضی عیاض اور شرح عقائد بھی پڑھی اور صحیح بخاری کی سند بھی ان سے لی۔ پھر میاں نذیر حسین محدث رحمہ اللہ کی خدمت میں دہلی حاضر ہو کر دوسری بار حدیث پڑھی۔ سند واجازہ شیخ حسین بن محسن انصاری رحمہ اللہ سے بھی حاصل ہوا۔ پھر کچھ مدت دہلی میں تدریس کی اور ان کی تالیفات بھی منظر عام پر آئیں۔ جن میں الارشاد الی سبیل الرشاد شامل ہے نیز آپ نے جناب رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے رسالہ الشمس اللامعہ فی کراهة الجماعة الثانية کا جواب ۵۲ صفحات کے رسالہ میں دیا جو ۱۸۹۹ء (۱۳۱۷ھ) میں مطبع سعیدی کلکتہ سے باہتمام جناب ضیاء الرحمٰن شائع ہوا۔ اس کا نام عین المتانة فی تحقیق تکرار الجماعة ہے اس میں جناب گنگوہی رحمہ اللہ کے ایک ایک تمسک کو توڑ کے رکھ دیا ہے۔

شاہجہانپور میں دار الحدیث قائم کیا اور ایک عرصہ تک وہاں کتب حدیث پڑھاتے رہے۔ جناب ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ وہ ترجمہ قرآن جو ڈپٹی نذیر احمد سے منسوب ہے

وہ دراصل محمد شاہ جہان پوری کا ہے۔اور ڈپٹی صاحب کا اس میں اصلاح زبان کا تھوڑا سا کام ہے۔ ❶

عربی کے ادیب شہیر قاضی یوسف حسین خانپوری (ف ۱۳۵۲ھ) نے آپ سے استفادہ کیا۔آپ کی اہم ترین تصنیف الارشاد الی سبیل الرشاد ہے جسے بقول ابو یحی امام خاں ان کے زمانہ ماسبق کا ردعمل کہیے۔ یہ کتاب امر اجتہاد و تقلید میں لکھی گئی اس میں گا ہے گا ہے علامہ شبلی کی سیرۃ النعمان کے طرز مقلدانہ پر گرفت کی گئی ہے۔قوت دلیل سے معمور یہ شاہکار پہلی بار ۱۳۱۹ھ میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوا۔ دوسری مرتبہ ۱۳۵۲ھ میں دفتر اہل حدیث امرتسر سے شائع ہوا تیسری مرتبہ لاہور سے شائع ہوا۔

مطبع انصاری دہلی کے زیراہتمام ابوعبدالرحمٰن محمد پنجابی دہلوی (ف ۱۳۱۵ھ) نے سنن نسائی کی تصحیح اورتحشیہ کا کام شروع کیا تھا۔کتاب عشرۃ النسا تک پہنچے تھے کہ قضا نے آلیا۔اس کی تکمیل مولانا شاہجہان پوری نے کی۔ یہ تکملہ حواشی جدیدہ علی سنن النسائی اپنی خوبیوں کے لحاظ سے سنن نسائی کی یہ اشاعت بے نظیر ہے۔بقول مولانا عطاءاللہ حنیف دنیا بھر میں حتی کہ مصر تک میں اس کی نظیر نہیں۔

اعلام۔ یہ کتاب آپ نے اہل حدیث علماء کے حالات پر لکھنی شروع کی۔ دو تین سو تراجم فراہم کر لئے تھے۔ لیکن مسودہ تلف ہو چکا ہے۔ کتاب فی اصول الفقہ و بیان سبب اختلاف الفقہا۔اس کا ذکر مولانا عزیر شمس نے حیاۃ المحدث شمس الحق۔ حیاتہ واعمالہ صفحہ ۳۰۵ میں کیا ہے اس کے علاوہ آپ نے مولوی وصی احمد سورتی کی جامع الشواہد کا جواب لکھنا شروع کیا مگر بعدازاں ضرورت نہ سمجھ کر کام ختم کر دیا۔امام خان نے آپ کو عون المعبود کے ادارہ تالیف میں جناب شمس الحق کا معاون بتایا ہے۔ ❷

---

❶ اہل حدیث امرتسر۔۲۳ فروری ۱۹۴۰ء۔ص ۹۔۱۰

❷ ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۲۳ مارچ ۲۰۰۱ء

محمود حسن دیو بندی

شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے:

جناب محمود حسنؒ ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ دیو بند میں حصول تعلیم کے بعد پہلے (اپنی مادر علمی میں) مدرس ہوئے اور ۱۸۸۸ء میں صدر مدرس ہو گئے اور تینتیس سال تک اس عہدے پر نامزد رہے۔ آپ کے زمانے کی ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ علی گڈھ اور دیو بند کے درمیان جو کشیدگی تھی وہ بڑی حد تک رفع ہو گئی ...... مولوی محمود حسن کو بھی علی گڈھ سے کم اختلافات نہ تھے۔ انہیں سرسید سے پیر بھائی یا استاد بھائی ہونے کا بھی وہ ربط حاصل نہ تھا جو سرسید اور بعض بزرگان دیو بند کے درمیان تھا، لیکن خدا کی قدرت ہے کہ ان کے زمانے میں علی گڈھ اور دیو بند کے درمیان خلیج پر ہونے کا سامان ہوا۔

شائد مولوی محمود حسن دیکھتے ہوں گے کہ خواہ سرسید اپنی تفسیر میں کچھ لکھیں، لیکن علی گڈھ میں مذہب اور دینیات کا شعبہ ارباب دیو بند کے سپرد ہے۔ جو بزرگ اس زمانے میں وہاں ناظم دینیات تھے وہ داماد تھے مولوی محمد قاسم کے اور نواسے تھے مولوی مملوک علی کے (یعنی مولوی عبداللہ بن مولوی انصار علی) اور فی الحقیقت ان کا شمار بزرگان دیو بند ہی میں ہوتا تھا، اسی طرح جہاد کے متعلق جو اختلاف علی گڈھ اور دیو بند میں تھا اس میں بھی علی گڈھ پارٹی کے شبہات بے بنیاد نہ تھے...... مولوی محمود حسن کو اعتراف تھا کہ اس مسئلے میں ارباب علی گڈھ کے شبہات بے بنیاد نہیں۔ [1]

جناب محمود حسن دیو بند کے بہت محترم استاد تھے اور ان کے سبھی شاگرد اپنے استاد کی علمی قابلیت کے معترف تھے۔ حکیم سید عبدالحی ندوی، شعبان ۱۳۱۲ھ میں دیو بند گئے اور اساتذہ، منتظمین، اور طلباء سے ملے۔ اپنے اس سفرنامے میں لکھتے ہیں:

اس وقت مدرسہ میں سات مدرس عربی کے ہیں جن کو تنخواہ ملتی ہے اور ایک مدرس بلا تنخواہ بطور اعانت کے پڑھاتے ہیں۔ مدرسین عربی میں مدرس اول مولانا محمود حسن ہیں.. ان کی استعداد ہر فن میں خصوصاً دینیات میں اعلی درجہ کی ہے۔

---

[1] موج کوثر۔ ص ۲۰۱۔۲۰۲

سب طالب علم ان کی تعریف کرتے ہیں۔ دوسرے مولوی خلیل احمد ہیں، جو مدرس دوم ہیں۔ یہ مولانا مملوک علی کے نواسے اور مولانا محمد یعقوب (نانوتوی) کے بھانجے ہیں۔ یہ بھی فاضل مستعد ہیں۔ تیسرے مولوی غلام رسول ہیں، یہ ولائتی ہیں۔ عقلیات میں ان کی استعداد بہت اچھی ہے۔ اور اکثر فلسفہ بھی پڑھاتے ہیں۔ چوتھے مولوی حافظ احمد، مولانا محمد قاسم کے صاحبزادے ہیں۔ پانچویں مولوی عزیز الرحمٰن ہیں، یہ مفتی مدرسہ ہیں۔ کار افتاء کا انہی کے متعلق ہے۔ اسی طور پر اور مدرس ہیں۔ دو مدرس فارسی کے ہیں۔ ایک مہتمم مدرسہ ہے۔ آج کل مولوی محمد منیر ہیں، یہ مولوی محمد مظہر اور مولوی محمد احسن نانوتوی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ دفتر انہی کے متعلق ہے۔ ❶

اس کے بعد ایک مقام پر جناب عبدالحی لکھتے ہیں:

۱۴ شعبان (۱۳۱۲ھ) کو سہارن پور سے نگینہ کیلئے ٹرین کا سفر کیا۔...... جس وقت گاڑی پر سوار ہونے کو چلا تو ایک صاحب گاڑی پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے آواز دی کہ یہاں آکر بیٹھئے۔ میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ کوئی طالب العلم ہیں اس رفاقت سے میری طبیعت بہت محظوظ ہوئی۔ وہیں جا کر بیٹھا۔ اور راستہ نہائت لطف کے ساتھ کٹا۔ یہ مدرسہ دیوبند میں پڑھتے ہیں۔ اس مرتبہ صحاح ختم کر کے جاتے ہیں۔ نام ان کا مولوی مشیت اللہ، برم پور کے سواد میں رہتے ہیں۔ ان سے بھی میں نے دیوبند کی کیفیت پوچھی۔ پہلا میرا سوال یہ تھا کہ اساتذہ میں کون کون کس استعداد کے ہیں اور کتابیں کیسی پڑھاتے ہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ سب میرے استاد ہیں، اور آدمی اپنے استاد کی تعریف کرتا ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ سارے مدرسہ میں ایک مولوی محمود حسن شیخ الہند صاحب تو ایسے ہیں کہ سب کتابیں اچھی طرح پڑھا سکتے ہیں۔ خصوصاً دینیات میں تو ان کا ایسا پایہء عالی ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں کم لوگ ہوں گے۔ باقی مدرسین برائے نام ہیں مجبوراً طلبہ ان کے سامنے کتاب کھولتے ہیں۔

---

❶ دہلی اور اسکے اطراف۔ ص ۸۵

پھر میں نے خاصۃً مولوی خلیل احمد (سہارن پوری) کی نسبت سوال کیا۔انہوں نے کہا، میں کیا کہوں وہ کیسے ہیں؟ بڑے متقی، بڑے زاہد ہیں۔ میں نے کہا یہ سب صحیح، پڑھانے میں کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے کہہ دیا کہ مولوی محمود حسن کے سوا وہاں اس کام کا کوئی نہیں۔تاہم مولوی خلیل احمد ہوں، یا حافظ احمد دینیات پڑھا لیتے ہیں، معقولات سے بالکل واسطہ نہیں مولوی غلام رسول ولائتی معقولات پڑھاتے ہیں، لیکن اجنبیت زبان کی وجہ سے طلبہ کو معتد بہ فائدہ نہیں ہوتا۔میرے خیال میں معقولات اس مدرسہ میں پڑھنا بے کار ہے۔اکثر یہی ہوتا ہے کہ دوبارہ پڑھنی پڑھتی ہے۔ ❶

جناب عبدالحی کہتے ہیں کہ اس رفیق سفر (مشیت اللہ) سے دوسرا سوال یہ تھا:

مدرسہ کے بارے میں نزاع اہل شہر کی کیا وجہ ہے؟

انہوں نے کہا کہ اس کی وجہ بجائے خود لوگوں نے جو کچھ خیال کی ہو، مگر اصل یہ ہے کہ حاجی محمد عابد صاحب کی رائے یہ ہے کہ مدرسہ کی حالت درست کی جائے۔ دس بارہ مدرس جو اس وقت ہیں، ان کو چھانٹ کر دو تین لائق فائق مدرس بلا کر رکھے جائیں۔ جتنا بار مدرسہ پر ان لوگوں کی تنخواہوں کا ہے، اس میں دو بڑے لائق فائق مدرس مل سکتے ہیں۔اور مولوی محمود حسن صاحب بجائے خود رہیں۔لیکن مولوی محمود حسن کہتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی موقوف کیا گیا، تو پہلے میرا استعفی ہے۔

گو حاجی محمد عابد صاحب ارباب شوری میں داخل ہیں، مگر ایک نہیں چلتی۔اس واسطے اہل شہر نے درپردہ منشی فضل حق کے خلاف شورش مچا رکھی ہے۔ بلکہ طالب علموں میں خود شورش ہو رہی ہے اسی امتحان ❷ کے دوران دو طالب العلم مدرسہ سے نکالے گئے ہیں، ایک اس جرم میں کہ اس نے کچھ گستاخی کی تھی، مہتمم جب پرچوں کی نگرانی کے واسطے اس کی طرف کئی بار آئے گئے، تو اس نے کہا، امتحان کے وقت تو یہ نگرانی کرتے ہو، پڑھاتے وقت کبھی نگرانی کو نہیں آئے کہ مدرسین کیسا پڑھا رہے ہیں؟ دوسرے نے پرچہء امتحان میں بڑی بیہودہ گوئی کی تھی۔

---

❶ دہلی اور اسکے اطراف۔ص ۱۰۹۔۱۰۰

❷ جو اس گفتگو سے چند روز پہلے دیوبند میں منعقد ہوئے تھے۔

بہر حال اس قسم کی شورشیں ہیں، حالانکہ اب جو بنائے فساد قرار دی گئی ہے، یعنی منشی فضل حق کی حمائت، وہ بڑی پوچ اور لچر ہے، منشی فضل حق مہتمم سابق نہائت خائن تھا۔ اب تک باون روپئے کئی آنے اس کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ مگر حیلہ جو را بہانہ بسیار۔ شورش تو پہلے ہی سے تھی، موقع کے منتظر تھے، موقع بھی ہاتھ آ گیا۔ ❶

امتحان اور طریقہ امتحان، اور تدریس اور مدرسین کی استعداد کے معاملات کو چھوڑ کر ہم جناب محمود حسنؒ کے ذکر کی طرف لوٹتے ہیں۔ عاملین بالحدیث کے حلقے میں ان کا تعارف اس وقت ہوا جب جناب محمد حسین بٹالویؒ نے مسائل عشر والہ اشتہار شائع کیا❷ تو اس کے جواب میں دوسروں کے علاوہ ایک تحریر جناب محمود حسنؒ کے نام سے بھی شائع ہوئی جو ان دنوں تازہ تازہ درس نظامی سے فارغ ہوئے تھے۔ اس تحریر کا نام ادلہ کاملہ رکھا گیا تھا اور اس میں جناب بٹالویؒ کو مخاطب کر کے کہا گیا تھا:

اب تک ہم بوجہ بے تعصبی کے خاموش رہے آپ نے میدان سنسان پا کر ہاتھ پاؤں ہلانے شروع کئے۔ اب آپ کی چھیڑ کی نوبت یہاں تک پہونچی کہ اشتہار جاری ہو کر آنے جانے والوں کی معرفت دیوبند میں بھی آنے لگے۔ اس فتنہ انگیزی پر کوئی کہاں تک خاموش رہے۔ اس لئے سر دست کچھ کچھ ہم بھی عرض کرتے ہیں اس کے بعد بھی اگر آپ ہاتھ پاؤں ماریں گے تو پھر ہم بھی انشاء اللہ تعالی ہاتھ دکھلائیں گے۔ ❸

پھر کچھ عرصہ بعد جب جناب محمود حسنؒ نے ایضاح الادلہ رقم فرمائی (یعنی بقول خود، ہاتھ دکھلائے) تو اس میں لکھا:

اطاعت انبیاء کرام و جملہ اولی الامر بعینہ اطاعت خداوند جل جلالہ خیال کی جائے گی......

یہی وجہ ہے کہ یہ ارشاد ہوا:

---

❶ دہلی اور اس کے اطراف ص ۱۱۰۔۱۱۱

❷ اشتہار اور اس سے جنم لینے والی بحث و تمحیص کی تفصیل ہماری اس کتاب کی تیسری یا چوتھی جلد میں بیان ہوگی۔ ان شاء اللہ

❸ ادلہ کاملہ ص ۲ طبع دیوبند، اعزازیہ یکم فروری ۱۹۳۹ء

فان تنازعتم فی شیء فردّوہ الی اللّٰہ والرّسول والی اولی الامر منکم۔

اور ظاہر ہے کہ اولی الامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیاء کرام اور کوئی ہیں۔ سو دیکھئے آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء و جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں آپ نے آیت:

﴿فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (النساء:۵۹)

تو دیکھ لی اور آپ کو یہ اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکورہ بالا معروضہ احقر بھی موجود ہے۔ عجب نہیں کہ آپ تو دونوں آیتوں کو حسب عادت متعارض سمجھ کر ایک کے ناسخ اور دوسرے کے منسوخ ہونے کا فتوی لگانے لگیں۔ ❶

یوں جناب محمود حسنؒ نے اولی الامر کی اطاعت کو منصوص بنا دیا تو ان شاگردوں نے ان کی زندگی میں، ان کے سامنے، اس کام کو یوں آگے بڑھایا کہ برطانوی حکمرانوں کو اولی الامر بنا دیا۔ لاٹوش نائب گورنر یوپی کو ۱۹۰۵ء میں ❷ دیوبند میں جو سپاسنامہ پیش کیا گیا اس کے عربی اور اردو تراجم سے ذیل میں چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں:

الی الجناب المعی الالقاب ھزآنر سرجیمس ڈکس لاطوش کے سی ایس آئی

طلع الصباح مھینا ومبشرا — بقدوم سرجیمس دکس حصن الوری

لاطوش ذی الفضل المبین — وسطوۃ خضعت لھاالاعناق وانقاد البری

الماجد الشھم الذکی محنکا — صعد المعارج والعلی اقصی الذری

جمع الریاسۃ والسیاسۃ بعد ما — حاز الفضائل والعلوم بلامری

من لم یذق طعم العلوم وبردھا — لم یدر ما طیب الحیوۃ ولادری

قلدتنا مننا جسا مالم نکن — ان نستطیع لحملھا او نشکرا

لازلت تستبق المعالی کلھا — حتی تری فوق النجوم و ازھرا

حضرۃ الجناب العالی!

---

❶ ایضاح الادلہ۔ طبع دیوبند۔ ۱۳۳۰ھ ص ۹۷

❷ جب جناب محمود حسن وہاں صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے، اور مہتمم وغیرہ ان کے شاگرد تھے۔

يعرض اركان المدرسة الاسلامية العربية الديوبندية وخدامها على جنابكم بكمال الادب والاحترام!

ان هذا اليوم الذى تجلت انواره وغابت شوائبه واكداره يوم تحسده الايام وتغبطه الدهور والاعوام ـ

لم يرله فى هذه المدرسة نظير ولامثال۔

ولم نشاهد مثله فى الابهة والسطوة والجلال ـ

يوم هبت فيه نسائم المجد والاقبال ـ

وحفت حوائم السعادة تبشرنا بنجح المساعى ونضارة الاحوال۔

فقد شرفنا فيه بقدومه ذاك الجناب الكبير مالك ازمة الامور ومديرها ومعتمد الدولة ومشيرها سرجيمس دكس لاتوش لازال فى سرور غض وعيش خفض۔

ان قدوم الجناب العالى فى المدرسة لملاحظة سيونها ومعاينة ماتكبدها المسلمون من مشاق الاعمال فى جميع الاموال وبث الآمال وتمهيد القواعد وتنقيح المقاصد وايقاظ المسلمين فى اقطار الارض وانحاء الرفع والخفض والحفظ ناموس الاسلام وحماية قواعد المذهب والاحكام لنعمة عظيمة ومنة جسيمة لانتخلص عن اداء واجب شكرها لاسيما وان قدوم جنابكم ليس على ما يعهد فى الاسفار الرسمية من شان الحكومة والرياسة وقواعد النظام والسياسة و لامن حيث ان جنابكم على المنصب العالى من شان الحكومة وسلطنة الممالك المتحدة عدلا وقهرا ـ وكسرا وجبرا بل لان جنابكم من حماة العلوم عامة وكماتها۔ ووعاة الفنون ورواتها ومالكى الفضائل وسراتها ـ وحافظى المكارم ووعاتها ولان ظل رافتكم مظل على العلوم العربية خاصة كما يظهر من جعلكم للعلوم العربية فى المدارس الرسمية السلطانية نصيباً كافياً وحظاً وافراً وان ذالك من علو الشان و سمو المكان مما خص به جنابكم من بين الاقران ـ

ذى المعالى فليعلون من تعالى هكذا والا فلالا

شرف ينطح النجوم بروقية وعز يقلقل الا جبالا

ان هذه المدرسة قد تم لها الآن اربعون سنة وهی علی مایری محكمة الاصول مخضرة الفروع مظلة الاغصان ملتفة الافنان وكان حقاً علینا ان نعقد لاتمام هذه المدة مجالس السرور كما هو المعهود فی هذه الزمان وكاننا قد عقدنا هذا المجلس وشرفه جنابكم العالی قدومكم وتزيين كرسی الصدارة لكن اذا حققنا النظر فيها سيحصل لها فی الزمن المقبل من الفوائد قلنا ان هذا اول سنة من سنين اقبالها و اثمار آمالها ....

ان الطلبة فی هذه المدرسة مع تدربهم فی العلوم الدينية المروجة وتخلفهم بالآداب الشرعية يربون علی ملكات نفيسة هی اعلی اصول الاحكام التی بها يتميز عن سائر الاديان من التوكل و الرضا والصبر والقناعة والاستقلال واطاعة اولی الامر وسلطان الوقت فترسخ هذه الملكات فی طباعهم كانها من ذاتياتهم فيتخرج المتعلمون وهم متصفون بالآداب الشرعية متحلون بالاخلاق الحميدة الطاهرة تهتدی بهم الناس فی كلتا الحالتين العلمية والعملية فيتعلمون منهم بان اطاعة اولی من اهم الفرائض فی الشريعة ولذالك لم يسمع بهم انهم اخذوا حظا فی المجالس السياسية التی لایرضاها اولوا الامر ....

هذه خلاصة احوال المدرسة عرضناها علی جنابكم اجمالاً وكل النعم والبركات من ثمرة الحرية التی اعطتنا الحكومة العلية البريطانية فی اشاعة المذهب فنحن بلسان صدق وخلوص قلب داعون لبقاء الدولة العلية مظلة بظلال رافتها علی المتمسكين بذيل امنها وحريتها ودوام عهد سلطاننا الاعظم والملك الافخم ناشر العدل والحرية الملك ادورد السابع وبطول عهد نائب السلطنة فی الهند و واليها العمومی لورڈ كرزن ووالی الولاية الكبری الممالك المتحدة جنابكم السامی۔

ويختم خدام المدرسة الكلام علی اداء الشكر والامتنان لهذه النعمة الجليلة التی قلدها جنابكم اعناق المسلمين من القدوم فی هذه المدرسة التی من ثمرة مساعی الفقراء وبقبول عرض هذا التشكر نامه۔ ونقول ان هذا يوم اعز يفخر علی ايام المدرسة الی آخر الدهر۔ وهذه اول شرافة حصلت لها بقدوم الجناب العالی ستكتب فی تاريخ المدرسة علی الواح الفضة بماء الذهب وعلی دعاء دوام الدولة والاقبال لجنابكم۔ فلا يزال لك الايام ممتعة

بالمال والاهل والعيال والعمر۔

نحن المقادون لجنابكم

خدام المدرسة الاسلاميه الديوبنديه

فضل الرحمن ، ممبر مدرسه اسلاميه ديوبند

احمد حسن ، ممبر مدرسه اسلاميه ديوبند

ظهور الدين احمد ، ممبر مدرسه اسلاميه ديوبند

محمد احمد ، مهتمم مدرسه اسلاميه ديوبند ٦ جنوری ١٩٠٥ء

یہ سپاسنامہ اردو زبان میں بایں الفاظ شائع ہوا تھا:

بحضور معلّی القاب ہزآنر سر جیمس ڈگس لاٹوش کے سی ایس آئی لیفٹینٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ آگرہ واودھ

لا خيل عندك تهديها و لاما فليسعد النطق ان لم يسعد الحال

حضور والا!

ممبران وخادمان مدرسہ العلوم دیوبند بکمال ادب وانکسار حسب ذیل گزارش کرتے ہیں:

آج کا دن مدرسہ اسلامیہ دیوبند کیلئے ایسا مبارک اور موجب فخر ہے جس کا مثل اس سے پہلے اس مدرسہ کو نصیب نہیں ہوا۔ حضور والا کا محض مسلمانوں کے اس دارالعلوم اور ان کی ناچیز کوششوں کے نتیجہ کو ملاحظہ فرمانے کے واسطے قدم رنجہ فرمانا اور پھر نہ صرف صوبہ کے اعلی فرمان روا اور گورنمنٹ کے نائب ہونے کی حیثیت سے بلکہ علوم مشرقیہ خصوصاً علوم عربیہ اسلامیہ کے ماہر، حامی وسرپرست ہونے کی وجہ سے جس کی روشن دلیل یہ ہے کہ حضور والا نے سرکاری مدارس میں بھی عربی تعلیم کو داخل فرمادیا۔ ایسا بڑا احسان ہے جسکے ادائے شکر سے ہم بالکل قاصر ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حضور والا کی عدل گستری، رعایا پروری، ہمدردی وسرپرستی کے اعتبار سے یہ کوئی نئی بات نہیں کہ غریب مسلمانوں کے مذہبی مدرسہ میں قدم رنجہ فرما کر ان کو شرف ملازمت عطا فرمائیں۔ لیکن مسلمانوں اور ان کے دارالعلوم کے لئے یہ پہلا مرتبہ (موقع) ہے کہ یہ نعمت عظمی حاصل ہوئی:

زقدروشوکت سلطان نگشت چیزے

کہ زالتفات بہ مہمان سرائے دہقانے

کلاہ گوشہ دہقان بآفتاب رسید

کہ سایہ برسرش افگند چونتو سلطانے

حضور والا اس مدرسہ کو جاری ہوئے چالیس برس ہوگئے ہیں اور گویا یہ خوش قسمتی اور حسن اتفاق ہے کہ اس وقت مدرسہ کے چالیس سال کا جشن ہے جو حضور والا کی رونق افروزی میں انجام پذیر ہوا۔ لیکن اگر بنظر غور خیال کیا جاوے تو مدرسہ کے اقبال کا یہ پہلا ہی سال ہے......

طلبہ کو علوم مروجہ کی تعلیم کے ساتھ مسلمانوں کے اعلیٰ اور پاکیزہ اصول۔ صبر وقناعت، راست بازی، استقلال، توکل، دیانت داری، اطاعت وفرمان برداری اولی الامر وفرمان روائے وقت کی عملی تعلیم بھی اس طرح دی جاتی ہے کہ یہ اخلاق ان میں راسخ ہوکر طبیعت ثانیہ اور جزو لاینفک بن جاتے ہیں۔ جو طالب علم اس مدرسہ سے پوری تعلیم حاصل کر کے نکلتا ہے وہ اپنی علمی، عملی، اخلاقی حالت سے ایسا رہنما ہوتا ہے کہ جہاں جاتا ہے علوم مذہب کے ساتھ ان اوصاف کو بھی پھیلاتا ہے۔ یہ اسی تعلیم کا اثر ہے کہ یہاں کے تعلیم یافتہ باوجود مذہب کے نہائت پابند، بلکہ ہادی اور پیشوا ہونے کے اپنی گورنمنٹ کی وفادری اور اطاعت میں ایسے ثابت قدم ہوتے ہیں کہ آج تک کسی ایسے پولیٹیکل معاملہ میں جس میں کچھ بھی بوخلاف منشاء گورنمنٹ کے پائی جاتی ہو شریک نہیں سنے گئے......

یہ خلاصہ احوال مدرسہ کا ہے جو عرض کیا گیا۔ لیکن یہ جو کچھ ہوا یا آئندہ جو کچھ ہوگا۔ مدرسہ نے جو کچھ ترقی کی یا آئندہ کرے، ہماری مہربان اور عدل گستر گورنمنٹ کے پاکیزہ اصول کا ثمرہ ہے کہ ہر قوم ہر گروہ گورنمنٹ کے دائرہ اطاعت وانقیاد میں رہ کر آزادانہ طور سے مذہب پر قائم رہ سکتے ہیں اور اصول واحکام مذہب کی نہائت آزادی کے ساتھ جس قدر چاہیں، کوشش کر سکتے ہیں۔ ہم خادمان مدرسہ اور کافہ مسلمانان ایسی نعمت عظمی کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ ہماری اور جملہ مسلمانوں کی دعا ہے کہ خداوند عالم اس عادل گورنمنٹ اور ہمارے شہنشاہ عالم پناہ ایڈورڈ ہفتم کا سایہ عدل وداد اپنی مطیع وفرمان بردار رعایا پر قائم اور ظل گستر

رکھے اور شہنشاہ عالم پناہ کے نائب وفرمان روا حضور وائسرائے ہند لارڈ کرزن اور صوبہ کے عادل فرمان روا حضور والا تا دیر مسند آرائے حکومت ہندوستان وکامران وکاروائے رعایا مطیع و منقاد رہیں۔

خادمان مدرسہ نہائت عاجزی وادب سے حضور والا کی تشریف آوری اور اڈریس پیش کرنے کی اجازت دینے کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور حضور والا کا بیش قیمت وقت ضائع کرنے کی معافی چاہ کر اس قدر اور عرض کرنے کی جرئت کرتے ہیں کہ اس مدرسہ کی تاریخ میں یہ سب سے بڑی عزت ہے جو حضور والا کی تشریف آوری سے ہم خادمان مدرسہ کو حاصل ہوئی ہے۔ آخر میں حضور والا کیلئے دعاء بقائے جاہ وجلال و دولت واقبال پر اس عاجزانہ گزارش کو ختم کرتے ہیں:

ایں دعا از من واز جملہ جہان آمین باد

حضور والا کے تابعدار۔ خادمان وممبران مدرسہ اسلامیہ دیوبند

فضل الرحمٰن۔ ممبر مدرسہ اسلامیہ دیوبند۔ احمد حسن۔ ممبر مدرسہ اسلامیہ دیوبند۔ ظہور الدین احمد۔ ممبر مدرسہ اسلامیہ دیوبند۔ محمد احمد۔ مہتمم مدرسہ اسلامیہ دیوبند۔ ۶ جنوری ۱۹۰۵ء

انگریز گورنر کو پیش کئے جانے والے اس سپاسنامے کی عربی اور اردو عبارتوں میں انگریز حکمرانوں کو اولوا الامر قرار دیا گیا ہے۔ اور اہلحدیث کی تحریروں کا جواب دیتے ہوئے جناب محمود حسنؒ کہہ چکے تھے کہ اس کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت فرض ہے۔

اس سپاسنامے میں علمائے دیوبند نے ۱۹۰۵ء میں گورنر کو یہ بھی یقین دلایا تھا کہ ان کے ادارے کے طالب علم کبھی کسی سیاسی تحریک میں حصہ نہیں لیتے۔ اور اس پر اپنے مدرسہ کی چالیس سالہ تاریخ کو گواہ کے طور پر پیش کیا تھا۔ ان کی یہ پالیسی اتنی پختہ تھی کہ سپاسنامے کے ۲۵ سال بعد بھی وہ اسی پر عمل پیرا نظر آتے ہیں جس کی شہادت علمائے دیوبند کی اپنے طلبا کو اس ہدایت سے ہوتی ہے جو بصورت اشتہار ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر میں بھی شائع ہوئی تھی۔ ملاحظہ فرمائیے:

اعلان عام برائے طلباء دارالعلوم دیو بند

دارالعلوم کی تعلیمی ضروریات اوراس کے مصالح کی بنا پر بمشورہ وتائید حضرات اساتذہ و کار پردازان طلباء دارالعلوم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ آج سے کوئی طالب علم تحریکات حاضرہ کے کسی جلوس اور جلسہ میں شہر میں شریک نہ ہو۔ خواہ اس میں کوئی استاد موجود ہو یا نہ ہو اگر کسی طالب علم کے متعلق یہ امر معلوم ہوا تو اس کو مخالفت قوانین ومصالح مدرسہ کے جرم کا مرتکب اور مستوجب سزا سمجھا جائے گا۔ طلبا کو چاہیے کہ وہ نہائت سکون واطمینان کے ساتھ سالانہ امتحان کی تیاری میں کامل طور پر منہمک ہو جائیں اور اپنی علمی استعداد کے مضبوط ومستحکم بنانے کی شبانہ روز کوشش کریں۔

احقر: محمد طیب غفرلہ مہتمم دارالعلوم دیو بند مورخہ ۶ جمادی الاول ۱۳۴۹ھ۔

المشتھر: خاکسار محمد طاہر بن احمد القاسمی کان اللہ لہ۔ مدیر رسالہ القاسم وقائم مقام ناظم شعبہ تبلیغ دارالعلوم دیو بند ۷ جمادی الاول ۱۳۴۹ھ۔

اس اعلان پر جناب ثناء اللہ امرتسری تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس طرح ملکی تحریک پر دیسی ریاستوں میں انگریزی علاقہ سے زیادہ سختی ہے اسی طرح مدرسہ دیو بند میں سرکاری مدارس سے زیادہ پابندی ہے ﴿کلّ یومٍ هو فی شان﴾ ❶

مخصوص اللہ دہلوی

جناب سرسید احمد خان نے آپ کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

عالم باعمل، مبرا از حرص وامل، زبدہ فقہائے زمان اسوہ صلحائے جہاں فرزند رشید مولانا (شاہ رفیع الدین)، علم وفضل میں گوئے سبقت اقران وامثال سے لے گئے ہیں۔ ایک مدت دراز تک تدریس وتعلیم طالبان کمال میں مصروف تھے، حدیث وتفسیر میں ایسا مایہ کمال بہم پہنچایا کہ اس دونوں فن کے نکات جوان حضرت کے سینہ بے کینہ میں ہیں اور کہیں نہیں۔ ایک عرصہ سے سررشتہ تدریس کو ہاتھ سے دے کر گوشہ گزیں ہیں۔ ❷

---

❶ ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۳۰ء۔ یکم جمادی الثانی ۱۳۴۹ھ

❷ آثار الصنادید۔ ص ۵۴

شاہ مخصوص اللہؒ شب زندہ دار تھے۔ تعلیم و تدریس کرتے رہے۔ روشن الدولہ کی مسجد میں پڑھاتے تھے۔ عامل رفع یدین و آمین تھے۔ سرسید احمد آپ کے شاگردوں میں سے تھے اور اسی وجہ سے وہ بھی ان سنتوں پر عامل رہے۔ بقول حیات ولی آپ نے تمام علوم کی تحصیل شاہ عبدالعزیز سے کی۔ فارغ ہونے کے بعد ایک زمانہ پڑھاتے رہے۔ حدیث و تفسیر میں کمال حاصل تھا۔ فقہ و عقائد وغیرہ میں مجتہدانہ کمال رہتے تھے۔ چوں کہ طبیعت میں زہد و عبادت کی طرف بہت رغبت تھی اس لئے آخر عمر میں تدریس چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی تلامذہ میں مولوی عبدالرشید برادر شاہ عبدالغنی مجددی کا نام ملتا ہے۔ وفات ۱۲۷۳ھ۔ ۱۸۵۷ء میں ہوئی۔ ❶

خاندان شاہ ولی اللہ میں شاہ اسماعیلؒ کے علاوہ شائد یہ اکیلے شخص ہیں جو رفع الیدین، آمین بالجہر والی سنتوں پر علی الاعلان عامل تھے۔

مسعود عالم ندوی

جناب مسعود عالم ندویؒ اہل حدیث علماء میں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ وہ ندوہ میں پڑھے اور زندگی کے آخری دور میں جماعت اسلامی میں جا کر گم ہوئے۔ درمیانی عرصے میں انہوں نے جو علمی ادبی اور تحقیقی کام کیا وہ جماعت اہل حدیث کی خدمات کا ایک درخشاں باب ہے۔ جناب ابوالحسن علی ندویؒ نے چراغ راہ کراچی کے مسعود عالم ندوی نمبر کیلئے ایک مضمون لکھا تھا جو پرانے چراغ میں نقل ہوا۔ اس مضمون میں جناب مسعود عالم کی حیات و خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے اسلئے ہم چند اقتباسات ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

جناب ابوالحسن علی، ندوہ میں اپنے زمانہ تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس زمانہ کا ایک اہم واقعہ جس نے ہم سب کی زندگی پر خاص اثر ڈالا، یہ تھا کہ شیخ تقی الدین الہلالی المراکشی ہمارے دارالعلوم میں استاذ ادب ہو کر آئے۔ موصوف عالم عربی کے ممتاز ترین محقق و ادیب اور صرف و نحو میں سند و حجت کا درجہ رکھتے تھے۔

---

❶ تراجم علماء حدیث ہند۔ از امام خان

ان کی بول چال اور عام تحریر کی زبان پوری عربی دنیا میں اپنی صحت سلاست برجستگی اور عربی محاورات میں بے نظیر ہے۔ شیخ کے آنے کے بعد دار العلوم میں ایک نئی ادبی زندگی اور چہل پہل پیدا ہوگئی۔ مسعود عالم ندوی اگرچہ دار العلوم سے فارغ ہو گئے تھے اور صاحب قلم ادیب تھے لیکن شیخ کی ملاقات کے بعد انہوں نے اندازہ کرلیا کہ ان کی طالب علمانہ زندگی کا اختتام نہیں بلکہ اس کا ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے، یوں تو ہم سب شیخ کے تلامذہ خاص اور مریدان بااختصاص تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ انکی ذات سے سب سے زیادہ فائدہ مسعود صاحب نے اٹھایا اور پھر اس فائدہ کو اپنے قلم اور اخلاص سے چمکایا......

عقائد میں وہ (مسعود عالم ندوی) ہمیشہ سے سلفی تھے۔ توحید واتباع سنت میں ان کو تصلب تھا۔ اس بارہ میں وہ کسی کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ کچھ تو خاندانی اثر تھا، ان کے ننہالی بزرگ اہل حدیث علماء اور مولانا عبداللہ صاحب غازی پوریؒ کے شاگرد تھے۔ شیخ تقی الدین الہلالیؒ (جو سخت اہلحدیث تھے) کی صحبت نے اس رنگ کو اور شوخ کر دیا۔ ان کے استاد حدیث مولانا حیدر حسنؒ صدر مدرس دار العلوم ندوہ اگرچہ اتنے ہی سخت حنفی تھے، لیکن ان کے فیض تعلیم نے اس رجحان میں کوئی کمی پیدا نہیں کی۔ کچھ اہل صادق پور کے تعلق وطنیت کچھ خاندانی روایات واثرات اور زیادہ تر مطالعہ نے ان کے دل میں حضرت سید احمد شہیدؒ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور انکی پاکباز جماعت سے ایک والہانہ تعلق اور عاشقانہ ارادت پیدا کر دی تھی......

رسالہ الضیاء کا حلقہ اشاعت محدود اور مضمون نگاروں کا حلقہ محدود تر رہا۔ وہ عرب ممالک میں جس قدر وقعت اور قبولیت رکھتا تھا، ہندوستان میں اسی قدر غیر معروف اور نامعلوم تھا۔ اشاعت کی کمی اور مصارف کی زیادتی نے اسکے منتظمین کو اس کے التواء پر مجبور کر دیا۔ اور رسالہ چار سال نکلنے کے بعد بند ہوگیا۔ اب مسعود صاحب دار العلوم ندوہ میں ایک استاد اور معلم ادب تھے لیکن اس رسالہ کے ذریعے ان کی شہرت دور دور تک پہونچ گئی تھی۔ اور وہ ممالک عربیہ کے ادبی حلقوں میں روشناس ہو چکے تھے۔ الضیاء کے علاوہ وہ مصر کے الفتح میں بھی اکثر لکھتے رہتے تھے۔ اسی رسالہ میں ان کی سب سے عزیز تصنیف حاضر مسلمی الهند وغابرهم بالاقساط چھپنی شروع ہوئی۔......

۱۹۳۷ء میں دارالعلوم ندوہ چھوڑ کر مولانا مسعود عالم مدینہ بجنور کی مجلس ادارت میں شریک ہو کر چلے گئے اور وہاں اپنے فرائض خوش اسلوبی اور لیاقت سے انجام دیئے۔...... چھ سات مہینے ان کا قیام بجنور میں رہا اور پھر دارالعلوم آ گئے لیکن یہاں شائد دو ہی ماہ قیام کیا تھا اور پھر پٹنہ خدا بخش خان مرحوم کے مشہور کتب خانہ کے مرتب فہرست ہو کر چلے گئے، وطن اور مولانا حکیم عبدالشکور سے قرب اور کتب خانہ کی پرسکون فضا کی وجہ سے ان کو وہاں راحت زیادہ تھی۔

وہ اپنے خصوصی تعلیمی خیالات وافکار میں، جن کے مجموعہ کا نام ندویت ہے، نیز مذہبی خیالات وعقائد جن کے مجموعہ کا مشہور عوامی نام وہابیت ہے، نیز خاص اپنے علمی وادبی ذوق میں جس کا عنوان عربیت ہے، خاصے متصلب تھے اور جہاں رہتے اس کی دعوت وتبلیغ سے باز نہ رہتے۔ وہابیت میں وہ سخت سے سخت ہو گئے خصوصاً جب انہوں نے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی سیرت لکھنی شروع کی تو یہ نشہ دو آتشہ ہو گیا۔

مسعود صاحب کمال اتاترک کی لادینیت ...... پر اس سے سخت بےزار اور ناقد تھے۔ اس بارہ میں وہ ہندوستان کے عام علماء کے جو کمال اتاترک کے عقیدت مند اور قصیدہ خوان تھے...... سخت شاکی تھے...... صرف کمال اتاترک کی حد تک نہیں، اہل قلم ادباء اور اہل فن میں بھی وہ جس میں لادینی رجحان اور دین وعقیدہ کی گمراہی پاتے اس کو معاف کرنے کیلئے تیار نہیں تھے اور اس کا اعزاز پسند نہیں کرتے تھے۔ مصر کے مشہور ادیب ڈاکٹر طٰہ حسین کے اسلوب نگارش اور زبان سے ایک دنیا مسحور ہے لیکن مسعود صاحب اسے بےادب کہتے تھے......

شیخ محمد بن عبدالوہاب ہمارے دینی حلقوں میں جس قدر بدنام ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں، انگریزوں اور ترکوں نے اپنی اپنی مصلحت سے ان کے متعلق جو کچھ مشہور کر دیا ہمارے علماء نے بلا تحقیق وتفتیش تسلیم کر لیا اور کسی نے براہ راست انکی تصانیف اور انکے حالات کے صحیح ماخذ کے مطالعہ کی زحمت گوارا نہیں کی۔ ضرورت تھی کہ کوئی مرد حق شناس ان کے صحیح حالات وخیالات پیش کرتا، تاکہ اہل علم وطالبین حق کو صحیح رائے قائم کرنے کا موقع ملتا۔ علماء نجد اور شیخ کے جانشینوں نے تو متعدد کتابیں لکھیں اور وہ حجاز ومصر میں شائع ہو چکی ہیں لیکن اردو میں کوئی کتاب نہ تھی۔ مسعود صاحب نے اس بدنام مصلح کی سیرت نگاری کا بیڑا اٹھایا اور خاص مورخانہ اور محققانہ حیثیت سے ان کی سوانح، ان کی تحریک دعوت کی تاریخ مرتب کرنی شروع کی۔......

اس کتاب سے پہلے مسعود صاحب سید احمد شہید کی شہادت کے بعد کی تاریخ اور ان کی جماعت کی مجاہدانہ کوششوں کی روداد لکھنا چاہتے تھے۔ دار العلوم (ندوہ) کے قیام کے زمانہ ہی میں کام اس طرح تقسیم کیا گیا تھا کہ یہ ناچیز (علی میاں) سید احمد کی سیرت لکھے اور مسعود صاحب اپنا سفر بالاکوٹ سے شروع کریں۔ اس دوران میں مسعود صاحب کو شیخ محمد بن عبدالوہاب کی سیرت و تاریخ لکھنے کا خیال پیدا ہوا اور انہوں نے اس کام کو مکمل کر لیا۔ مگر ان کو اس پہلے کام کا خیال برابر رہا...... بالآخر انہوں نے یہ کتاب ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک کے نام سے مکمل کر دی اور وہ شائع ہو کر مقبول ہوئی۔......

اسی عرصہ میں مولانا عبید اللہ سندھی کی کتاب شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک نکلی۔ اس کتاب میں بعض ایسے، نئے، حقائق وانکشافات تاریخی رنگ میں پیش کئے گئے تھے جو ہم سب لوگوں کیلئے موجب حیرت بھی تھے اور باعث تکلیف بھی، اس کتاب میں سید احمد شہید کی بے تکلف تحریک و تنظیم کو ایک خیالی اسٹیٹ کے رنگ میں پیش کیا گیا تھا جس کے سید احمد شہید محض، فوجی افسر اور آلہ کار، تھے اور حضرت شاہ اسحاق صاحب جن کو الصدر الحمید کے نام سے یاد کرتے ہیں صدر ریاست اور نگران اعلی۔ نیز اس میں اہل مغرب یا مرکزی بورڈ (حضرات دہلی) اور اہل مشرق (اہل صادقپور) کے درمیان ایسی رقابت دکھائی گئی تھی جو کبھی سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان میں تھی۔ اور اسی رقابت اور اہل صادقپور کی خود رائی کو تحریک کی ناکامی کا سبب گردانا گیا تھا۔ اس بارہ میں خود سید احمد شہید کے متعلق فاضل مصنف کے قلم سے ایسے جملے نکل گئے کہ گویا وہ بھی دہلی کے مرکز کے مشوروں اور ہدایتوں کے پابند نہ رہے اور اس سے نقصان پہنچا۔

یہ محض ایک خیالی ریاست کا نقشہ تھا جس میں تاریخی تحقیق سے زیادہ مولانا (سندھی) کی ذہانت قوت تخیل اور تنظیمی دماغ کام کر رہا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سے بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں، بالخصوص اس جماعت کی حق تلفی ہوئی جو ہندوستان کی سب سے بڑی مجاہد اور سرفروش جماعت اور سید احمد شہید کے حقیقی جانشین اور فدائی تھے۔ میں نے مسعود صاحب کو اس کتاب کی طرف توجہ دلائی اور ان سے خواہش کی کہ وہ اس کا جواب لکھیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے وہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

جی ہاں مولانا سندھی کا رسالہ ایک ہفتہ ہوا میں نے دیکھا اور مطالعہ کے دوران یہ ارادہ کرتا جاتا تھا، اب ارادہ ہوتا ہے کہ اسے لکھ ڈالوں۔ انشاء اللہ مفصل اور طویل مضمون ہوگا۔ جی چاہتا ہے کہ یہ نوٹ آپ کے پاس بھیج دوں اور آپ اسے دیکھ کر فوراً واپس کر دیں مگر شرط یہ ہے کہ جلد......

اور پھر لکھتے ہیں:

ہاں تو میں آپ سے بے حد خفا تھا۔ خط پر خط لکھے مگر جواب ندارد آخر یہ کہاں کی مولویت ہے۔ آپ نے تو مجھے مولانا سندھی سے بھڑا دیا اور خود الگ جا بیٹھے۔ خیر خاکسار نے اس سلسلہ کے دو مضمون لکھ لئے ہیں۔ پہلا مضمون فروری کے معارف میں چھپ گیا اس میں صرف سید مظلوم (سید احمد شہید) کی مدافعت کی گئی ہے۔ ضمنی طور پر ان کے ثنا خوانوں اور منقبت نگاروں کی بھی مدافعت ہوگئی ہے۔ پہلا مضمون صرف سید (احمد) صاحب کے متعلق ہے۔ معارف کے ۳۵ صفحوں میں آیا ہے۔ دوسرا اس کا جواب لکھوں گا، صرف تامل اس بات سے تھا کہ کہیں اہل دیو بند اس تنقید کو، مدرسہ، اور دبستان کے اختلاف پر محمول نہ کریں۔ بہر حال لکھنا ضرور ہے۔ آپ آجائیں تو مشورہ کر کے لکھ ہی ڈالوں۔ مولانا داؤد غزنوی صاحب سے بعض چیزیں دریافت کی ہیں۔ آج کل میں مولوی عبدالمجید (حریری) صاحب [1] صاحب کو بھی لکھتا ہوں۔

یہ بنارس میں شوکانی کے شاگرد کون تھے؟ [2] بہر حال اس کتاب کے مفروضات اور مفروضاتی ہفوات کا جواب دینا ضروری ہے۔ حیرت ہے کہ ایسا ذی علم (عبیداللہ سندھی) اب تک ایک مشرب اور اسکول کے چاہ زمزم سے نہیں نکل سکا......

۱۱ر رمضان کے خط میں لکھتے ہیں:

شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک مولوی عبدالغفار صاحب [3] کے یہاں گئی۔ انہوں نے اس

---

[1] سابق کونسل حکومت ہند متعینہ جدہ جو ایک صاحب نظر اور صاحب ذوق اہل حدیث فاضل تھے۔

[2] یہ مولانا عبدالحق نیوتنوی بنارسی تھے جو سید احمد کے قافلہ میں تھے اور جنہوں نے یمن جا کر امام شوکانی سے حدیث پڑھی تھی۔

[3] خاندان صادق پور کے ایک باخبر اور ذی علم فرد

پر ایک طویل مضمون اہل حدیث اور اہل صادق پور سے متعلق لکھا، عقیدہ غیبوبت وغیرہ کی بحث بھی آئی ہے، یہ مضمون اغلب ہے کہ مارچ کے معارف میں پورا چھپ جائے گا۔ تیسرا حصہ زیر قلم ہے۔ اس میں شوکانی زیدیت نجد و یمن پر بحث کرنا چاہتا ہوں شوکانی اور زیدیت پر گویا لکھ چکا ہوں اب نجد پر گفتگو ہوگی ......

۱۹۴۱ء میں سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھنؤ آئے اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہمانخانہ میں قیام کیا۔ انہوں نے مجھ (علی میاں) سے عربی رسالہ کے اجراء کی تجویز کا تذکرہ کیا اور یہ خیال ظاہر کیا کہ میں اس کی ادارت کی ذمہ داری قبول کرلوں۔ میں نے بے تکلف عرض کیا کہ اس کام کیلئے موزوں ترین شخص مولانا مسعود عالم ندوی ہو سکتے ہیں اور اپنے خصوصی تعلق کی بنا پر اس کا ذمہ لیا کہ میں ان کو اس خدمت کیلئے راضی کرلوں گا۔ اس سلسلہ میں مولانا سے میری خط و کتابت بھی ہوئی اور وہ اس پر راضی ہو گئے۔ انتظامی مشکلات کی بنا پر رسالہ کا اجراء تو نہیں ہوسکا لیکن ۱۹۴۲ء میں مسعود صاحب جماعت کے عربی نشر و اشاعت کے شعبہ کے انچارج اور کلیۃً اس کام کو انجام دینے کیلئے جالندھر منتقل ہوگئے جہاں انہوں نے دار العروبہ للدعوۃ الاسلامیہ کے نام سے نشر و اشاعت اور دعوت کا مرکز قائم کیا......

۱۹۴۷ء میں وہ پاکستان آگئے۔ انکا دار العروبہ بھی پاکستان منتقل ہوگیا اور اس نقل مکانی میں مولانا کا اچھا خاصا کتابی ذخیرہ ضائع ہوگیا۔ پاکستان میں از سر نو دار العروبہ کی بنیاد ڈالی اور کچھ عرصہ گوجرانوالہ، کچھ عرصہ حیدر آباد سندھ قیام کرنے کے بعد انہوں نے راولپنڈی کو اپنا مستقر بنالیا۔ ۱۹۴۹ء میں انہوں نے عراق کا سفر کیا۔......

جماعت اسلامی میں شامل ہونے اور سالہا سال اس کی ترجمانی کرنے کے باوجود ان کا دینی فکر اور ذہنی سانچہ کلیۃً تبدیل نہیں ہوا تھا۔ وہ جماعت کے ارکان کا دینی معیار اتباع سنت کا اہتمام اور عبادت کا ذوق اس سے زیادہ بلند دیکھنا چاہتے تھے جتنا عام طور پر نظر آتا تھا۔ ان کے ذہن نے کام کرنا اور ان کے قلب نے محسوس کرنا ترک نہیں کیا تھا جن دوستوں نے ان سے ان کی زندگی کے آخری دور میں ملاقات کی اور جن سے وہ اپنے احساسات کا اظہار کرسکتے تھے انہوں نے بیان کیا کہ وہ تنہائی کی گفتگو میں اپنے دل کی اس خلش کو چھپا نہیں سکے۔ [1]

---

[1] پرانے چراغ۔ ص ۳۲۰۔ ۳۴۹ ملخصاً

تحریک ختم نبوت (۱۹۵۳ء) کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا اور اس زار ونزار مریض کو جس کو ہمیشہ راحت واحتیاط کی ضرورت رہتی تھی راولپنڈی جیل میں اسیری اور نظر بندی کے دن گزارنے پڑے...... چار مہینے کی اسیری کے بعد ۲ راگست ۱۹۵۳ء کو جب وہ رہا ہوئے تو میں (علی میاں) نے مسرت وتہنیت کا خط لکھا۔ اس کا انہوں نے جو جواب دیا وہ ان کے صحیفہ اعمال میں ان شاء اللہ ہمیشہ درخشاں رہے گا اور کیا عجب ہے کہ وہ میزان قیامت میں بھی وزنی ثابت ہو۔ لکھتے ہیں:

آپ کے عنائت نامے رہائی کے بعد نظر سے گزرے۔ محبت واخلاص کے نقوش اور گہرے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خدمت دین کے زیادہ سے زیادہ مواقع عطا کرے۔ مجھ فقیر کے لئے یہ بس ہے کہ ایک پاک باز نو جوان سید کے دامن الفت سے وابستہ ہے، دوسرا خط بھی مل گیا۔ شکریہ پر شکریہ۔ کیا گرفتاری کیا رہائی؟ سیرت نگاری کرتا رہا، مولوی جعفر تھانیسریؒ اور مولانا یحییٰ علیؒ کی مشقتوں کے مقابلہ میں یہ میٹھی میٹھی اور بی کلاس کی آسائشیں کس شمار میں ہیں؟ حاشا کہ ابتلاء کو دعوت نہیں دیتا، اور نہ اس مریض ناتواں میں برداشت کی طاقت ہے۔ پر یہ مہمانی جچی نہیں۔ بس سیاسی زبان میں زیارت (یاترا) ہو گئی۔ جھجک تو الحمد للہ کبھی نہیں تھی، اور کچھ چھپی چھپائی ہوگی تو وہ بھی دور ہو گئی۔ اس تنہائی میں کچھ حدیث پڑھ لی۔ اللہ کرے یہ سلسلہ جاری رہے۔

مسعود عالم ندوی کا ۴۴ سال عمر پا کر ۱۶ مارچ ۱۹۵۴ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔ ❶

جناب مسعود عالم ندویؒ نے بتایا ہے کہ سید صدیق حسن دل سے اہل صادقپور کے ساتھ تھے لیکن رقیبوں کے ڈر سے اظہار اس کے برعکس کرتے تھے۔ ❷

تقریباً یہی بات اقبال اور بھوپال میں یوں لکھی گئی ہے۔

علامہ جمال الدین افغانی، مصر کے مفتی محمد عبدہ اور سید احمد شہید کے رفقائے کار سے آپکا قریبی ربط اور تعلق تھا اور آپ پان اسلام ازم کی تحریک کے بڑے حامی تھے چنانچہ اسی بنا پر برطانوی حکومت نے آپ کا نوابی کا خطاب واپس لے لیا اور آپ کو کچھ عرصے تک بند رکھا۔ ❸

---

❶ پرانے چراغ۔ ص ۳۵۳۔۳۵۶

❷ مولانا سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر ص ۸۳ طبع اول پٹنہ ۱۳۶۳ھ

❸ اقبال اور بھوپال ص ۵۷۔ اقبال اکیڈمی لاہور (الاعتصام ۲۷ اپریل ۲۰۰۱ء)

مہدی علی محسن الملک

مہدی علی بن ضامن علی حسینی ۱۲۵۳ھ میں اٹاوہ میں پیدا ہوئے مولوی عنائت حسین سے پڑھا۔ دس روپئے ماہوار سے ملازمت شروع کی اور ترقی کرتے کرتے اعلی عہدوں پر پہنچے۔ منیر نواز جنگ محسن الدولہ محسن الملک کا حیدر آبادی خطاب پایا۔ سرسید احمد کے ساتھ مل کر کام کیا۔ ۱۳۱۵ء میں سرسید احمد کی وفات کے بعد آپ کالج کے معتمد ہوئے۔ آپ نے کالج کی بہت خدمت کی۔ ذہین لوگوں میں سے تھے۔ شیعہ خاندان سے تھے۔ خود تحقیق کر کے شیعیت سے تائب ہوئے شیعیت کے رد میں دو جلدوں میں ایک کتاب آیات بینات لکھی۔ رمضان ۱۳۲۵ھ میں علی گڈھ میں انتقال ہوا۔ ❶

سید مہدی علی شیعیت سے تائب ہوکر عامل بالحدیث ہو گئے تھے۔ رد شیعیت میں انہوں نے آیات بینات لکھی اور رد تقلید میں انہوں نے تقلید اور عمل بالحدیث لکھی جو نہایت عمدہ کتاب ہے۔ سرسید کی تعلیمی تحریک کے حامی تھے اسلئے علیگڈھ کالج کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیتے رہے لیکن سرسید کے ان عقائد سے متفق نہیں تھے جن کی وجہ سے وہ عامۃ المسلمین میں مغضوب تھے۔ مہدی علی کھل کر سرسید پر علمی تنقید کرتے تھے جیسا کہ سرسید کی تفسیری جدتوں پر تنقید کرتے ہوئے ۱۹ ستمبر ۱۸۹۲ء کو حیدر آباد دکن سے ایک خط میں سرسید احمد کو لکھتے ہیں:

میرے نزدیک آپ دو مصیبتوں میں سے ایک میں سے بھی نہ نکل سکے۔ کہیں قرآن کے معنی سمجھنے میں غلطی کی، اور کہیں نیچر اور لاء آف نیچر کے ثابت کرنے میں۔ بعض جگہ تو آپ قرآن کا وہ مطلب سمجھے جو نہ خدا سمجھا، نہ جبریل، نہ محمد ﷺ، نہ صحابہ، نہ اہل بیت، نہ عامہ مسلمین اور کہیں نیچر کے دائرہ سے نکل گئے اور مذہبی آدمیوں کی طرح پرانے خیالات اور پرانی دلیلوں اور پرانی باتوں کا گیت گانے لگے۔ چنانچہ آپکی تفسیر میں دونوں باتوں کا جلوہ نظر آتا ہے۔ ❷

شیخ اکرام نے موج کوثر میں مناسب تفصیل کے ساتھ مہدی علی کی تعلیمی خدمات کا ذکر کیا ہے اور چوں کہ مہدی علی عامل بالحدیث تھے اس لئے انکی خدمات، دراصل اہلحدیث کی خدمات ہیں اس لئے ہم شیخ محمد اکرام کی تحریر نقل کرتے ہیں، لکھا ہے:

---

❶ نزہۃ الخواطر۔ ج ۸۔ ص ۶۰۶۔ ۶۰۸

❷ تعارف تفسیر القرآن مع تحریر فی اصول التفسیر۔ ص ۱۲

جب سرسید کی وفات ہوئی تو کالج (علی گڈھ) کی کشتی ہچکولے کھا رہی تھی۔ کالج پر اس وقت پچاس ہزار روپئے کا قرض تھا۔ اور آمدنی روزمرہ کے اخراجات کیلئے بھی کفیل نہ تھی۔ چندہ غبن کے واقعہ کے بعد ہی آنا بند ہو گیا تھا۔ اب طلبا نے بھی کالج چھوڑنا شروع کر دیا...... پھر ٹرسٹیوں نے اتفاق رائے سے نواب محسن الملک کو سرسید کا جانشین چنا اور ٹرسٹی بورڈ کا معتمد بنایا۔ نواب محسن الملک کی کامیاب سکرٹری شپ کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ کالج کی سالانہ آمدنی جو ۱۸۹۸ء میں ۶۷ ہزار روپئے تھے، نو سال میں ڈیڑھ لاکھ ہوگئی۔ پانچ چھ سال میں مسلم یونیورسٹی کیلئے چھ لاکھ کا چندہ جمع ہو گیا۔

اس کے علاوہ کالج کے طلبہ کی شہرت عروج پر تھی اور علی گڈھ کا طالب علم ہونا بڑی خوبی سمجھا جاتا تھا۔ سرسید کی زندگی میں علماء ان کے مخالف رہے۔ لیکن نواب محسن الملک کے شفیقانہ طرز عمل نے ان سب کی شکائتیں دور کر دیں......

قوم کے جس محسن نے آٹھ نو سال میں کالج کو نئی زندگی اور نیا وقار دیا، اس کا نام سید مہدی علی تھا۔ سید صاحب ۹ دسمبر ۱۸۳۷ء کو بمقام اٹاوہ پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم بھی سرسید، حالی، شبلی وغیرہ کی طرح قدیم طرز کے اسلامی مدرسہ ہی میں ہوئی تھی اسکے بعد وہ دس روپئے ماہوار پر بطور ایک کلرک کے ملازم ہوئے۔ لیکن خداداد استعداد موجود تھی۔ ترقی کرتے کرتے تحصیل دار ہو گئے اور جب ۱۸۶۷ء میں ڈپٹی کلکٹری کے امتحان میں شریک ہوئے تو سب امیدواروں میں اول آئے۔ وہ یو پی میں ڈپٹی کلکٹر تھے کہ سالار جنگ کی ان پر نظر پڑی اور ۱۸۷۱ء میں انسپکٹر آف ریونیو ہو کر وہ حیدر آباد دکن چلے گئے۔ یہاں انہوں نے محنت اور فرض شناسی سے کام کیا...... ریاست میں مختلف عہدوں پر مامور رہے۔ منیر نواز جنگ محسن الدولہ محسن الملک کے خطاب سے شرف یاب ہوئے، لیکن چند اسباب کی بنا پر حیدر آباد چھوڑنا پڑا۔ اور ۱۸۹۳ء میں پنشن پا کر علی گڈھ آ مقیم ہوئے، یہاں انہوں نے سرسید کی بہت مدد کی......

سرسید سے عام مسلمانوں بلکہ ان کے ساتھیوں کو بھی شکایت تھی کہ ان کا طرز عمل تحکمانہ ہے...... ان کے مذہبی عقائد سے بھی ان کے شرکائے کار کو اختلاف تھا، اس لئے ان کے ساتھ مل کر کام کرنا آسان نہ تھا...... سرسید کے زیر قیادت بعضوں کو کام کرنا بار خاطر تھا...... نواب محسن الملک کے ساتھ کام کرتے ہوئے یہ دشواری نہ پیدا ہوتی تھی۔ وہ ہر ایک کا دل ہاتھ میں

رکھتے تھے۔طبعاً حلیم تھے اور انہیں لوگوں کے مل کر کام کرنے اور انہیں خوش رکھنے کا سلیقہ خوب آتا تھا۔......انہوں نے عام مسلمانوں کے دلوں میں علی گڑھ کے متعلق اختلاف بہت کم کر دیئے اور چوں کہ سارے مسلمان علیگڈھ کالج کو اپنی انسٹی ٹیوشن سمجھنے لگے، اسلیئے انہوں نے اس کی ترقی میں اتنی کوشش کی کہ سرسید کے رفقاء خود حیران رہ گئے اور بقول ایک ظریف کے اگر سرسید کو معلوم ہوتا کہ میری موت کے بعد میرے کاموں میں لوگ اتنی کوشش کریں گے تو وہ بن آئی مرجاتے۔......

اسکے بعد نواب محسن الملک ایک پولیٹکل ایسوسی ایشن کے قیام میں کوشاں ہوئے چنانچہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو بمقام ڈھاکہ مسلمانوں کا ایک نمائندہ جلسہ ہوا جس میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔اور نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک اس کے سکرٹری منتخب ہوئے ......محسن الملک کا زمانہ قیادت ٹھوس قومی کاموں کیلیئے ممتاز ہے......وہ عملی آدمی تھے اور جانتے تھے کہ خیر کثیر کی خاطر اکثر شر قلیل گوارا کرنا پڑتا ہے......وہ کمزوری کے طعنوں سے نہ ڈرے اور انہوں نے ہمیشہ وہی کیا جسے قوم کے صحیح مفاد کیلیئے ضروری سمجھتے تھے......نواب محسن الملک کی وفات ۱۶۔اکتوبر ۱۹۰۷ء بمقام شملہ ہوئی اور علی گڑھ میں دفن ہوئے۔ ❶

محسن الملک ریاستی پالیٹکس کے مرد میدان تھے۔جوڑ توڑ، خم و پیچ، ان باتوں میں ان کا دل خوب لگتا تھا۔وہ قفل مراد کھولنے کیلیئے سرسید اور وقار الملک کی طرح ہمیشہ ہتھوڑے کی ضرب لگانا ضروری نہ سمجھتے تھے بلکہ بعض اوقات تالے میں ذرا سا تیل ڈال کر اپنا کام نکال لیتے تھے۔ اسکے علاوہ انہیں ضرورت کے وقت حریف کے پاؤں پر پگڑی ڈالنے سے گریز نہ تھا۔انکا تحمل خوفناک حد تک پہنچا ہوا تھا۔اپنے خانگی ملازموں کی جس طرح وہ ناز برداری کرتے تھے، لوگ اپنے آقاؤں کی نہیں کرتے بعض بزرگان قوم تھے جو محسن الملک سے فیض پاتے تھے۔ جب سمجھتے تھے کہ ان کی ضرورت نہیں رہی تو ان کے منہ پر تھوک دیتے تھے، بلکہ اس کے بعد بھی جب کبھی ان بزرگوں کی خدمت کا کوئی اور موقع آتا تو ذرا دریغ نہ کرتے۔ وہ بچے بچے کا دل ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے۔ ہر ایک کے تالیف قلب کی کوشش کرتے۔ ان کا اپنا دل بے حد نازک اور حساس تھا، لیکن وہ سب کے سامنے حاضر تھا، جو چاہے اسے ٹھکراتا پھرے......

---

❶ موج کوثر۔ص ۱۱۱۔۱۲۲

واقعہ یہ ہے کہ محسن الملک کی طبیعت میں کچھ اس طرح کا نشیب و فراز تھا کہ اگر ان کی کمزوریاں ان کے ذاتی فائدے کیلئے ہوتیں تو وہ انگشت نمائی کے مستحق تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے دشمنوں مثلاً سر انٹونی میکڈانل اور دوسرے انگریزوں سے جس طرح تحمل کیا اس کا باعث کوئی ذاتی خودغرضی نہ تھی۔ انہیں قومی خدمت یا حکومت سے تعاون کا جو صلہ ملا وہ سب کو معلوم ہے۔ سر سید تو پھر بھی خیر سے، کے سی آئی ای، ہوئے۔ ان کے بیٹوں، پوتوں کو وظیفے اور پنشنیں ملیں لیکن نواب محسن الملک نے کیا پایا؟ یہی کہ ان کا حیدر آبادی خطاب محسن الملک جسے خوش اخلاقی سے حکام انگریزی استعمال کرتے آئے تھے، سر انتھونی میکڈانل نے ایک طرح سے منسوخ کر دیا اور سرکاری مراسلوں میں استعمال بند کر دیا۔ ❶

جناب شیخ محمد اکرام کی اس تحریر سے دوسری کئی باتوں کے علاوہ، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی تنظیم مسلم لیگ کے بانی مہدی علی تھے۔ اور یہ تو ہم بتا چکے ہیں کہ سید مہدی علی اہلحدیث تھے، اور اتفاق کی بات ہے کہ اہلحدیث کی مذہبی تنظیم آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس بھی ۱۹۰۶ء ہی میں معرض وجود آئی جس سال مسلم لیگ قائم ہوئی تھی۔

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

صاحب نزھۃ الخواطر نے آپ کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

نذیر احمد بن سعادت علی بن نجابت علی اعظم پوری بجنوری دہلوی مشہور ادیب تھے ۱۲۴۷ھ میں بجنور میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی کتابیں مولوی نصر اللہ خویشگی خورجوی سے بجنور میں پڑھیں۔ ۱۲۵۸ھ میں دہلی آئے۔ دہلی کالج کے اساتذہ سے پڑھا۔ ۱۲۷۱ھ میں کنجاہ (گجرات، پنجاب) میں استاد مقرر ہوئے دو برس بعد کانپور میں تقرری ہوئی۔ تعزیرات ہند کا انگریزی سے اردو ترجمہ کرنے میں حکام کی مدد کی حیدر آباد دکن میں کسی علاقے کے حاکم ہوئے۔ وہاں سے پنشن پائی۔ تمام علوم میں مہارت تھی خاص کر ادبی فنون میں۔ قرآن پاک کا اردو ترجمہ کیا۔ اس ترجمہ پر آپ کو فخر تھا۔ سر سید احمد اور نواب محسن الملک کے مددگار رہے۔ آپکی تصانیف میں الحقوق والفرائض، مرأۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، ابن الوقت وغیرہ بہت مشہور ہوئیں۔ ❷

---

❶ موج کوثر۔ ص ۱۳۱۔۱۳۲ ❷ نزھۃ الخواطر ج ۸ ص ۶۱۷۔۶۲۳

میاں نذیر حسین محدثؒ کی سوانح، الحیاۃ بعد المماۃ میں حکیم فضل حسین بہاریؒ نے آپ کو میاں صاحبؒ کے شاگردوں میں شمار کیا ہے۔

آپ کا ترجمہ قرآن مشہور ہے اور کئی بار شائع ہوا ہے۔ جناب ثناء اللہ امرتسری کا کہنا ہے کہ یہ ترجمہ دراصل جناب ابو یحی محمد شاہجہانپوری صاحب الارشاد الی سبیل الرشاد کا ہے۔ لکھا ہے:

''معلوم ہونا چاہیے کہ ترجمہ اور حواشی (قرآن) جو مولوی نذیر احمد صاحب کے نام سے مشہور ہے وہ دراصل مولوی ابو یحی صاحب شاہ جہان پوری مصنف الارشاد کا کیا ہوا ہے۔ ڈپٹی صاحب کا اس میں صرف اصلاح زبان کا تھوڑا سا کام ہے۔'' ❶

آپ کی کئی تصنیفات نے قبول عام حاصل کیا، لیکن آپ نے امہات الامۃ کے نام سے جو کتاب لکھی تھی اسے امت اسلامیہ نے پسند نہیں کیا۔ اخبار اہل حدیث امرتسر میں جماعت اہلحدیث کی طرف سے شائع ہونیوالی ایک احتجاجی قرارداد درج ذیل ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کی کتاب امہات الامہ جو دہلی میں ایک دفعہ جلائی گئی تھی اب اس کو ان کے پوتے نے خلاف منشاء سب مسلمانوں کے مکرر چھاپ کر شائع کیا ہے اس کتاب میں خود ذات رسالت اور اہل بیت کرام کی رنگیلا رسول سے بڑھ کر بازاری لہجے میں سخت توہین پائی جاتی ہے۔ انجمن اہل حدیث امرتسر گورنمنٹ سے درخواست کرتی ہے کہ اس کتاب کو جلد از جلد ضبط کر کے مسلمانوں کو شکریہ کا موقع دے۔

دوسری انجمن ہائے اسلام سے خصوصاً صوبہ پنجاب کی بڑی انجمن اسلامیہ لاہور اور انجمن حمائت اسلام لاہور اور انجمن اسلامیہ امرتسر سے استدعا کرتی ہے کہ وہ بھی بلند آواز سے احتجاج کریں اور دیگر انجمن ہائے اہل حدیث وہ بھی اندریں بارہ توجہ کریں۔ عبدالرحمٰن سکرٹری انجمن اہلحدیث امرتسر۔ ❷

---

❶ اہل حدیث امرتسر۔ ۲۳ فروری ۱۹۴۰ء۔ ص ۹۔۱۰

❷ ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۲۰ ستمبر ۱۹۳۵ء۔ ص ۱۴

ولایت علی صادقپوری

صادقپور پٹنہ کے رہنے والے جناب ولایت علیؒ تحریک مجاہدین کے قائدین میں شامل ہیں۔علم وعمل میں ممتاز تھے۔اور عمل بالحدیث کی تحریک کے نمایاں ترین افراد میں شامل ہیں۔ سید عبدالحی ندویؒ نے جناب ولایت علیؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے:

کان حریصاً علی اتّباع السّنّة السنیية متبعاً للسّنن فی کتب الحدیث والسیر عاملاً بها جامعاً بین العلم والعبادة والفتوة عالی الهمّة بعید النّظر رابط الجیش زاهداً فی الدّنیا مقبلاً الی اللّه بقلبه وقالبه قوی التاثیر کثیر الابتهال والدّعا۔ ❶

جناب ولایت علی کو عمل بالحدیث سے والہانہ شغف تھا۔صحیح،صریح،غیر منسوخ حدیث کے مقابلے میں وہ کسی مذہب کی پرواہ نہ کرتے تھے۔آمین بالجہر اور رفع یدین وغیرہ مسائل پر عامل تھے۔ایک بار احناف کے ایک جید عالم جناب محمد فصیح غازی پوری (۱۲۸۵ھ) کو اہل حدیث سے متذکرہ مسائل اور تقلید پر مناظرہ کیلئے بلایا گیا۔اہل حدیث کی طرف سے جناب ولایت علیؒ نے مناظرہ کیا جس میں خاص خاص لوگ ہی موجود تھے۔ولائت علیؒ نے اثنائے گفتگو میں (جو الگ کمرے میں ہو رہی تھی) فرمایا۔یہ متفقہ اصول ہے کہ اگر کوئی حنفی کسی حدیث صریح غیر منسوخ کو دیکھ کر خلاف مذہب امام ابوحنیفہؒ اس پر عمل کرے تو مذہب حنفی سے خارج نہیں ہوتا۔بفحوائے قول امام اترکوا قولی بخبر الرّسول (میرا قول،حدیث کے مقابلے میں ترک کردو) یہ رفع یدین اور آمین بالجہر سنت ہیں جن کا سنت ہونا بعض حنفیہ کے نزدیک بھی ثابت ہے،اور بعد اطمینان مولوی محمد فصیحؒ نے عام لوگوں میں اعلان کیا کہ یہ لوگ حق پر ہیں۔ ❷

تذکرہ صادقہ میں مناظرے کا یہ واقعہ ذرا تفصیل سے بیان ہوا ہے۔لکھا ہے:

اس ملت حقہ (عاملین بالحدیث) کی روز افزوں ترقی اور اشاعت قرآن واحادیث دیکھ کر کوتاہ بین لوگوں نے مولوی محمد فصیح غازی پوری کو دو ہزار انعام کے وعدے پر علماء حق سے مناظرہ کرنے کیلئے مدعو کیا۔

---

❶ نزھۃ الخواطر۔ج ۷ص ۵۲۵ ❷ سوانح احمدی۔ص ۲۱۸

مناظرہ کے دن مولوی ولایت علی نے مولوی محمد فصیح کی مع ہمراہیوں کے دعوت کی۔ بہت سے فضلاء اور علماء اور خاص و عام جمع ہوئے۔ مگر مولانا ولایت علی نے مولوی محمد فصیح کو علیحدہ کمرے میں لے جا کر بحاضری چند اشخاص ان سے فرمایا کہ میں حنفی المذہب ہوں اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ اگر کوئی حنفی کسی حدیث صریح غیر منسوخ کو دیکھ کر کسی فقہی مسئلہ کے خلاف عمل کرے، تو وہ مذہب حنفی سے خارج نہیں ہوتا۔ بفحوائے قول امام:

اترکوا قولی بخبر رسول اللہ ﷺ۔

یہ کلیہ مناظر صاحب کے فہم عالی میں آ گیا اور انہوں نے حق کی طرف داری کرتے ہوئے مجمع عام میں بآواز بلند فرمایا کہ یہ جماعت حق پر ہے۔ احادیث الرسول پر عامل ہونے سے کوئی شخص حنفیت سے خارج نہیں ہوتا۔ ہمارا اور ان کا مسلک ایک ہے۔

اس روز جلسہ برخواست ہو گیا۔ مگر جب مناظر صاحب اپنے قیام گاہ محلّہ لو دیکڑہ واپس گئے تو ان کے مریدوں نے اور جن لوگوں نے ان کو دعوت دی تھی سخت خجل اور شرمندہ کیا اور آپ کو دوبارہ برسر عام بحث کرنے پر مجبور کیا اور چند دیگر علماء خصوصاً مولوی واعظ الحق صاحب کو انکی تائید کے لئے مقرر کیا۔ چنانچہ مولوی محمد فصیح صاحب مع معاونین بحث کیلئے مولوی الٰہی بخش کے مکان پر تشریف لائے۔ مولانا ولایت علیؒ نے بحث کیلئے مولوی فیاض علیؒ کو اور ان کی اعانت کیلئے مولوی حکیم ارادت حسین کو بھیج دیا۔ حکیم صاحب کتابیں کھول کھول کر مقامات مبحوث عنہ دکھاتے جاتے۔ اس مرتبہ بھی مولوی محمد فصیح نے اعتراف حق کیا۔ مگر اس بار ضرورۃً مباحثہ بالاختصار قلم بند کر کے مولوی محمد فصیح غازی پوریؒ سے اقراری دستخطی کرا لئے گئے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ پابند مذہب حنفی اگر بوجہ ترجیح بالدلیل کسی حدیث صحیح غیر منسوخ پر مثل رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ کے عمل کرے تو وہ اپنے امام کے اتباع سے خارج نہیں ہوتا۔ [1]

جناب ولایت علیؒ جناب سید احمد بریلویؒ کے خلیفہ تھے۔ اور شاہ اسماعیلؒ دہلویؒ سے فیضیاب تھے۔ آپ نے خالص اسلام کی طرف دعوت اپنی مجالس تذکیر و موعظت کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی پھیلائی۔

---

[1] تذکرہ صادقہ۔ص ۱۱۹

ایک طرف جناب اسماعیل دہلویؒ کی متعدد دعوتی تالیفات شائع کرائیں تو دوسری طرف احوال وظروف کے مطابق خود بھی چھوٹے چھوٹے رسالے تالیف اور شائع کئے۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی رسالہ عمل بالحدیث بھی ہے جس میں مسئلہ تقلید اور عمل بالحدیث کو بہت معتدل طریقے اور ولی اللہی فکر کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ یہ رسالہ مئولف کی زندگی میں کئی بار شائع ہوا۔ اس کے بعد بھی شائع ہوتا رہا اور باترجمہ بھی کیونکہ یہ فارسی میں ہے۔ آپکے بھتیجے جناب عبدالرحیمؒ صادقپوری نے ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۳ء) میں مجموعہ رسائل تسعہ کے نام سے مطبع فاروقی دہلی سے جو رسائل طبع کرائے تھا، عمل بالحدیث ان میں شامل تھا۔ لاہور کے جناب ابوبکر صدیق سلفی نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو ۱۹۶۶ء میں مکتبہ سلفیہ لاہور سے شائع ہوا ہم نے اپنی کتاب میں اس رسالے سے کافی استفادہ کیا ہے۔

جناب ولایت علیؒ، جماعت مجاہدین کے امیر ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے سرحد میں کچھ وقت گزارا۔ سرحد ہی میں فوت ہوئے۔ ہم انکے حالات وخدمات کا مناسب مقام پر مفصل تذکرہ کریں گے۔ انشاءاللہ۔

یحی علی صادقپوری

سید عبدالحی لکھنویؒ نے آپ کا ترجمہ یوں لکھا ہے:

الشیخ العالم المحدث یحی علی بن الهی بخش احد العلماء الربّانیّن المجاهدین......

وکان آیة مّن آیات اللّه سبحانه فی الصبر علی البلاء والرضاء بالقضاء والشجاعة، والسماحة سافر الی الحدود مع شیخه ولایت علی واعانه فی الغزو والجهاد ثمّ عاد معه الی الهند واشتغل بالتّدریس والتّذکیر مدّة ثمّ سافرمعه مرّة اخری ولمّا توفّی شیخه عاد الی الهند وعکف علی التّدریس والتّذکیر زماناً طویلاً ثمّ قبض علیه الانکلیز بسبب الاعانة لم کانوا من غزاة الهند من اصحاب السیّد احمد سنة ثمانین ومأتین والف والقوا علیه من المصائب مالایحصیها البیان وکان یتجمل ذالك وینشد:

ولست ابالی حین اقتل مسلماً

علی ای شق کان لله مصرعی

و ذالك فی ذات الاله و ان یشأ

یبارك علی اوصال شلو ممزع

ثم اصدرت المحکمة حکمها بالشنق فابدی سروره وفرحه بذالك۔ و حکم علیه بالنفی المؤبد الی جزیرة اندمن و توفی هناك سنة اربع و ثمانین و مأتین و الف۔ کما فی الدرر المنثور ❶

و الصّلوة و السّلام علی سیّدالمرسلین وعلی آله و اصحابه

و اهل بیته اجمعین ۔ و الحمد للّٰه ربّ العالمین



---

❶ نزہۃ الخواطر۔ ج ۷۔ ص۵۳۲۔۵۳۳

کتابیات

قرآن پاک، صحاح ستہ، مشکوۃ المصابیح، دارمی، تفسیر کبیر رازی، مقدمہ ابن خلدون وغیرہ کے علاوہ درج ذیل کتب ورسائل سے جلد ہذا کی تیاری میں مدد لی گئی ہے۔

ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہے اور کتاب کے نام کے بعد، مصنف، مترجم، مرتب، اڈیٹر کا نام دیا گیا ہے اور اس کے بعد ناشر یا مقام طباعت اور جہاں تک ممکن ہوسکا، سال طباعت نقل کیا گیا ہے۔

ابوالکلام آزاد — عبدالکریم شورش — لاہور — ۱۹۹۴ء

ارمغان حالی — حمید احمد خان — ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور — طبع اول، ۱۹۷۱ء

آثار الحدیث — خالد محمود — دارالمعارف لاہور — ۱۹۸۸ء

آثار الصنادید — سرسید احمد خان — مطبع نامی نولکشور — اکتوبر ۱۹۰۰ء ۱۳۱۸ھ طبع سوم

آزاد کی کہانی، خود آزاد کی زبانی — عبدالرزاق ملیح آبادی — مکتبہ خلیل — اردو بازار لاہور

ادلہ کاملہ — محمود حسن — کتب خانہ اعزازیہ دیوبند — یکم فروری ۱۹۳۹ء

اسیر مالٹا — حسین احمد مدنی — مکی دارالکتب — لاہور

اصحاب علم وفضل — محمد تنزیل صدیقی حسینی — اصلاح المسلمین پبلشرز کراچی — 2005ء

اشرف السوانح — مرتبہ عزیز الحسن — تالیفات اشرفیہ ملتان — ۱۹۸۵ء

اقتصاد فی مسائل الجہاد — محمد حسین بٹالوی — وکٹوریہ پریس لاہور

الارشاد الی سبیل الرشاد — ابو یحیی محمد شاہجہان پوری — اہلحدیث اکادمی لاہور — ۱۹۶۶ء

الجسر البلیغ — حافظ عنائت اللہ گجراتی — ۱۹۶۳ء، ۱۹۹۱ء

اہل حدیث اور سیاست — نذیر احمد رحمانی — جامعہ سلفیہ بنارس — طبع دوم ۱۹۸۶ء

اہل حدیث کا مذہب — ثناء اللہ امرتسری — جمعیت اہل حدیث لاہور — ۱۹۵۵ء

ایضاح الادلہ	محمود حسن دیوبندی	طبع دیوبند	۱۳۳۰ھ
برصغیر میں اہلحدیث کی آمد	محمد اسحاق بھٹی	مکتبہ قدوسیہ لاہور	
بزم ارجمنداں	محمد اسحاق بھٹی	مکتبہ قدوسیہ لاہور	۱۹۹۹ء
بیس بڑے مسلمان	مرتبہ عبدالرشید ارشد	مکتبہ رشیدیہ، لاہور	
تاریخ اہل حدیث	محمد ابراہیم میر	اسلامی پبلشنگ کمپنی، لاہور	۱۹۵۳ء
تاریخ دعوت وعزیمت	ابوالحسن علی ندوی	مجلس نشریات اسلام، کراچی	۱۹۸۴ء
تاریخ سندھ	اعجاز الحق قدوسی	اردو سائنس بورڈ۔ لاہور	
تاریخ ندوۃ العلماء (۱)	محمد اسحاق جلیس	مجلس صحافت ونشریات، لکھنؤ	۲۰۰۳ء
تاریخ ندوۃ العلماء (۲)	شمس تبریز خان	مجلس صحافت ونشریات، لکھنؤ	۲۰۰۳ء
تبرکات آزاد	مرتبہ: محی الدین احمد قصوری		
تحریک شیخ الہند	سید محمد میاں	کراچی	۱۹۸۸ء
تحفۃ الموحدین فارسی	شاہ ولی اللہ، ترجمہ اردو رحیم بخش دہلوی		لاہور، ۱۹۶۲ء
تفسیر القرآن مع تحریر فی اصول التفسیر	......سرسید احمد	دوست ایسوسی ایٹس، لاہور......۱۹۹۴ء	
تذکرۃ الخلیل	عاشق الٰہی میرٹھی	مکتبۃ الشیخ، بہادر آباد کراچی	
تذکرہ علمائے اہلحدیث پاکستان، جلد دوم	محمد یوسف سجاد	سیالکوٹ	۱۹۸۹ء
تذکرہ علمائے خان پور	قاضی محمد عبداللہ خان پوری	مکتبہ سلفیہ لاہور	۱۹۸۵ء
تذکرہ الرشید	عاشق الٰہی میرٹھی	لاہور	۱۹۸۶ء
تذکرۃ المناظرین، دوجلد	محمد مقتدی اثری عمری	ادارہ تحقیقات اسلامی، مئو	۲۰۰۴ء
تذکرہ کاملان رام پور	حافظ احمد علی خان شوق	ہم درد پریس دہلی	مارچ ۱۹۲۹ء
تذکرۃ النبلاء	عبدالرشید عراقی	بیت الحکمت لاہور	۲۰۰۴ء
تذکرہ مشاہیر غازی پور	عزیز الحسن صدیقی غازی پوری	بیت الحسن غازی پور	سن ندارد
تذکرہ مشائخ غازی پور	عبید الرحمٰن صدیقی	انیس پبلی کیشنز غازی پور	۲۰۰۱ء
تراجم علماء حدیث ہند	امام خان نوشہروی	مکتبہ اہل حدیث ٹرسٹ کراچی	۱۴۱۳ھ

ترجمان وہابیہ	سید صدیق حسن	مطبع محمدی لاہور	
تقویۃ الایمان	شاہ محمد اسماعیل دہلوی	نعمانی کتب خانہ لاہور	جولائی ۱۹۹۲ء
تنویر العینین عربی	شاہ محمد اسماعیل دہلوی اردو ترجمہ محمد سلیمان انصاری		لاہور
پرانے چراغ	ابوالحسن علی ندوی	مجلس نشریات اسلام کراچی	۱۹۷۵ء
ثناء اللہ امرتسری	فضل الرحمٰن	دارالدعوۃ السّلفیہ لاہور	۱۹۸۷ء
جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات ...... عابد حسن، عزیز الرحمٰن			بنارس، ۱۹۸۰ء
جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات ...... محمد مستقیم سلفی		جامعہ سلفیہ بنارس	۱۹۹۲ء
جماعت مجاہدین	غلام رسول مہر	غلام علی اینڈ سنز لاہور	
جنگ آزادی ۱۸۵۷ء	محمد ایوب قادری		
حجۃ اللہ البالغہ مترجم	اردو عبدالحق حقانی	قرآن محل، کراچی	
حیاۃ العلماء	سید عبدالباقی سہسوانی	مطبع نولکشور لکھنؤ	۱۹۲۲ء
حیات سید سلیمان ندوی	معین الدین احمد ندوی	دارالمصنفین اعظم گڑھ	
حیات شبلی	سید سلیمان ندوی	اعظم گڑھ	طبع چہارم ۱۹۸۳ء
الحیاۃ بعد المماۃ	حکیم فضل حسین بہاری		طبع اول
حیات جاوید	الطاف حسین حالی	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی، ۱۹۹۹ء	
حیات عبدالحی	ابوالحسن علی ندوی	مجلس نشریات اسلام، کراچی	۱۹۸۵ء
حیات وحید الزمان	محمد عبدالحلیم چشتی	نور محمد، اصح المطابع، کراچی	
محمد داؤد غزنوی	مرتبہ ابوبکر غزنوی		لاہور، ۱۹۷۴ء
درر المنشور فی تراجم اہل صادق فور ...... عبدالرحیم		اہل حدیث ٹرسٹ، کراچی	۱۹۹۶ء
دہلی اور اس کے اطراف	سید عبدالحی ندوی	اردو اکادمی دہلی	۲۰۰۱ء
دیار پورب میں علم وعلماء	قاضی اطہر مبارک پوری	ندوۃ المصنفین، دہلی	فروری ۱۹۷۹ء
سب سے پہلا فتوی تکفیر	حبیب الرحمٰن لدھیانوی	فیصل آباد	جولائی ۱۹۹۷ء
سرگزشت مجاہدین	غلام رسول مہر	غلام علی اینڈ سنز، لاہور	

سوانح محمد ابراہیم میر	مرتبہ قاضی محمد اسلم سیف	ماموں کانجن	۱۹۹۴ء
سوانح عمری عبداللہ غزنوی ......از غلام رسول وعبدالجبار، مرتبہ: احمد دین			منڈی بہاء الدین
سوانح قاسمی	مناظر احسن گیلانی	مکتبہ رحمانیہ، لاہور	
سیرۃ ثنائی	عبدالمجید سوہدروی	مکتبہ قدوسیہ، لاہور	
شاہ اسماعیل شہید	مرتبہ عبداللہ بٹ	قومی کتب خانہ لاہور	۱۹۷۴ء
شاہجہان نامہ	ملا محمد صالح کمبوہ، تلخیص وتہذیب: ممتاز لیاقت		لاہور، ۱۹۸۸ء
شرف اصحاب الحدیث	ابوبکر خطیب بغدادی، اردو ترجمہ		طبع گوجرانوالہ
شمائم امدادیہ	مرتبہ: محمد اشرف علی تھانوی	مدنی کتب خانہ ملتان	۱۴۰۵ھ
صدر یار جنگ	از شمس تبریز خان	مجلس نشریات اسلام	کراچی، ۱۹۸۱ء
ظفر علی خان بحیثیت صحافی ......ڈاکٹر نظیر حسین زیدی		مکتبہ اسلوب، کراچی	۱۹۸۵ء
عقد الجید ......مترجم اردو از ساجد الرحمٰن کاندھلوی		ناشر قرآن محل کراچی	(اغلباً ۱۳۷۹ھ)
علماء اہل حدیث میوات	بدر الزمان نیپالی	ندوۃ المحدثین، گوجرانوالہ	
علمائے ہند کا شاندار ماضی ......سید محمد میاں		مکتبہ محمودیہ، لاہور	۱۹۷۷ء
علوم الحدیث	مرتبہ: رفیق احمد رئیس سلفی	جمعیت اہل حدیث، علی گڑھ، نومبر ۱۹۹۹ء	
عمل بالحدیث	ولایت علی، ترجمہ: ابوبکر صدیق	مکتبہ سلفیہ، لاہور	۱۹۶۶ء
غداروں کے خطوط	تحقیق وترجمہ سلیم قریشی	نگارشات، ٹمپل روڈ لاہور	۱۹۹۴ء
فتاویٰ رشیدیہ	رشید احمد گنگوہی	سعید اینڈ کمپنی، کراچی	۱۹۸۵ء
فتاویٰ قادریہ	محمد لدھیانوی	مکتبہ قادریہ، لاہور	
فتاویٰ نذیریہ	سید محمد نذیر حسین	مکتبہ معارف الاسلامیہ، گوجرانوالہ، بار سوم ۱۹۸۸ء	
فضل الٰہی	خالد گھرجاکھی	جمعیت مجاہدین پاکستان	اشرف پریس لاہور
الفیوض المحمدیہ بتذکار سلالۃ لکویہ ......محمد ابراہیم خلیل فیروز پوری			حجرہ شاہ مقیم، ۱۴۰۶ھ
کالا پانی	محمد جعفر تھانیسری	فیصل آباد	
کچھ ابوالکلام آزاد کے بارے میں ...... مالک رام		مکتبہ قدوسیہ، لاہور	۱۹۹۲ء

مباحثہ لدھیانہ ۱۸۹۱ء مابین بٹالوی وقادیانی دراشاعۃ السنہ

محمد احسن نانوتوی — محمد ایوب قادری — مکتبہ عثمانیہ، کراچی — ۱۹۶۶ء

مشاہدات کابل و یاغستان ...... محمد علی قصوری — انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی

مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ...... محمد عمران ندوی — مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۷۹ء

مطالعہ بریلویت — خالد محمود — دارالمعارف لاہور — ۱۹۸۶ء

مہر منیر — فیض احمد — گولڑہ — طبع پنجم، ۱۹۸۷ء

معقولات حنفیہ — ثناء اللہ امرتسری — نور اکیڈمی مکتبہ ثنائیہ، سرگودھا

معیار الحق — سید نذیر حسین محدث — مکتبہ نذیریہ، قصور — ۱۹۶۵ء

مکاتیب نذیریہ — مرتبہ عبدالعزیز و عبدالرؤف — محبوب المطابع دہلی — (اغلباً ۱۹۴۰ء)

موج کوثر — شیخ محمد اکرام — طبع لاہور — ۱۹۹۲ء

مولانا عبیداللہ سندھی، افادات وملفوظات ...... مرتبہ محمد سرور — لاہور، ۱۹۶۶ء

مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے چند معاصر ...... ابوسلمان شاہجہانپوری — کراچی، ۲۰۰۰ء

النبراس — حافظ محمد گوندلوی — ادارہ اشاعۃ السنہ لاہور — طبع اشرف پریس لاہور

نجاتیہ فارسی — شاہ فاخر زائر، اردو ترجمہ حافظ محمد اسحاق — لاہور، مارچ ۱۹۵۶ء

ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج ...... منور سلطان ندوی — حیدرآباد، ہند — جولائی ۲۰۰۴ء

نزھۃ الخواطر عربی (۷) — سید عبدالحی لکھنوی

نزھۃ الخواطر (۸) — عبدالحی، علی میاں، مترجم انوار الحق قاسمی — کراچی ۲۰۰۴ء

نقش حیات — حسین احمد مدنی — اسلامی اکیڈمی، لاہور

نقش دوام — انظر شاہ — لاہور — ۱۹۸۹ء

نقوش عظمت رفتہ — محمد اسحاق بھٹی — مکتبہ قدوسیہ، لاہور — ۱۹۹۶ء

نواب صدیق حسن خان ...... رضیہ حامد — باب العلم پبلی کیشنز — بار دوم، ۱۹۹۸ء

ہدایۃ المعتدی فی القرأۃ للمقتدی ...... عبدالعزیز رحیم آبادی — آرمی پریس دہلی

ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ...... قاضی اطہر مبارک پوری — مکتبہ عارفین، کراچی

ہندوستان میں وہابی تحریک......قیام الدین، ترجمہ محمد مسلم کراچی ۔۱۹۸۰ء

یادرفتگان سید سلیمان ندوی کراچی ۱۹۸۳ء

Barbra Metcalf, Islamic Revival in British India, Princeton Univ. Press, New Jersey, 1982

اخبارات و رسائل

ماہنامہ الرسالہ دہلی......اڈیٹر وحید الدین خان......جولائی ۲۰۰۱ء

ماہنامہ الرشید، دارالعلوم دیوبند نمبر.....فروری، مارچ ۱۹۷۶ء

ماہنامہ اشاعۃ السنہ.....محمد حسین بٹالوی......جلد ۶۔جلد ۸۔جلد ۱۲۔جلد ۱۳۔جلد ۱۶۔جلد ۲۰

ترجمان دہلی.....نوگڈھ کانفرنس نمبر......دہلی ریکم جنوری ۱۹۶۲ء

پاکوڑ کانفرنس یادگار نمبر.....مرکزی جمعیت اہل حدیث، ہند......دہلی ۲۰۰۴ء

الفرقان، لکھنؤ ......جولائی ۲۰۰۱ء......دسمبر ۲۰۰۱ء

ہفت روزہ الاعتصام، لاہور......یکم ستمبر ۲۰۰۰ء......۱۳؍اکتوبر ۲۰۰۰ء......۲۷؍اپریل ۲۰۰۱ء......۷؍دسمبر ۲۰۰۱ء

ہفت روزہ اہل حدیث، امرتسر......۳۔۱۰؍دسمبر ۱۹۳۷ء......۲۸؍جون ۱۹۰۸ء......۱۹۔۲۶؍مارچ ۱۹۲۰ء......
۱۹؍اگست ۱۹۲۱ء......۲۸؍جون ۱۹۲۹ء......۲۴؍اکتوبر ۱۹۳۰ء......۴؍نومبر ۱۹۳۲ء......۸؍دسمبر ۱۹۳۳ء......
۲۰؍اپریل ۱۹۳۴ء......۲۰؍ستمبر ۱۹۳۵ء......۲۳؍فروری ۱۹۴۰ء......۱۹؍اپریل ۱۹۴۰ء......۱۴؍جون ۱۹۴۰ء......
۱۲؍اپریل ۱۹۴۰ء......۲۲؍فروری ۱۹۴۶ء

ہفت روزہ چٹان، لاہور......ج ۲۴ شمارہ ۲۸۔۱۲؍جولائی ۱۹۷۱ء

ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور......۵؍دسمبر ۱۹۹۷ء

مسلم اہل حدیث گزٹ، دہلی......۶؍فروری ۱۹۳۴ء

ماہنامہ محدث، بنارس......اگست ۱۹۹۷ء......مارچ ۲۰۰۱ء......جولائی ۲۰۰۲ء

ماہنامہ محدث، لاہور......مئی ۲۰۰۱ء